April 2014

ممتاز ناقد و محقق، شہید بغداد، عالم ربانی
حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری عثمانی بدایونی
کی خدمات اور کارنامے پر خصوصی پیش کش

عالم ربانی نمبر

میں جو خانقاہی نظام قائم کرنا چاہتا ہوں وہ آج کے روایتی نظام سے بہت مختلف ہے- یہ ایک زندہ نظام ہوگا، اس میں جتنا زور فکر فردا یعنی روز قیامت اور آخرت پر ہوگا، اتنا ہی زور غم امروز یعنی حالات حاضرہ پر اور امت کے موجودہ مسائل پر ہوگا- ترک دنیا کر کے صرف 'ہو حق' کی ضربیں لگانا اسوۂ حسنہ نہیں ہے- تصوف پر سب سے بڑا الزام یہی لگایا جاتا ہے کہ اس کے اثر سے ملت دنیاوی مسائل اور کش مکش زندگی سے منہ موڑ کر خانقاہوں میں جا بیٹھی ہے اور ملت کے زوال میں اہم کردار ادا کر رہی ہے- ہم جو خانقاہی نظام چاہتے ہیں اس میں دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلیں گے، ظاہری اور باطنی مسائل کے ساتھ امت کے مسائل پر بھی ارتکاز ہوگا- لا تنس نصیبک من الدنیا کا مطلب بھی یہی ہے کہ آخرت اور دنیاوی زندگی کے درمیان توازن ہو-

علامہ اسید الحق قادری عثمانی
(ذاتی ڈائری کا ایک ورق: ۲۰۰۴ء)

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

دار الاسلام

مکتوبِ مدیر بہ نام ناشر

محترمی رضاء الحسن قادری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج آپ کا دو بار فون آیا، مگر میں ایک ضروری میٹنگ میں تھا، اس لیے ریسیو نہیں کرسکا، معذرت خواہ ہوں- کل رات عزیز از جاں دوست مولانا اسید الحق قادری رحمہ اللہ سے متعلق آپ کا تفصیلی مضمون پڑھا، بے حد پسند آیا- آپ نے اپنے اور ان کے علمی تعلق کے ضمن میں حضرت شہید کے اعلیٰ کردار و محاسن، فراخ دلانہ رویہ اور علمی و دینی خلوص و دردمندی کی ایک داستان کو محفوظ کر دیا ہے- اللہ رب العزت آپ کے علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائے-

مضمون کا آخری حصہ مجھ غریب کے ذکر پر مشتمل ہے- حالاں کہ جن باتوں کے حوالے سے آپ نے میرا ذکر فرمایا ہے، میں کب کا انہیں فراموش کر چکا ہوں، میں ہمیشہ آپ کے دینی جذبے اور اشاعتی کاموں کا قدرداں رہا ہوں، اس میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا ہے- وہ ایک وقتی ملال تھا، جس کا ذکر میں نے دو لوگوں سے کیا تھا، ایک ثاقب رضا صاحب سے اور دوسرا اپنے دوست مولانا مرحوم سے- مگر لگتا ہے کہ حلقہ احباب میں یہ بات زیادہ پھیل گئی اور مختلف ذرائع سے مختلف انداز میں آپ تک پہنچی اور آپ نے یہ سمجھ لیا کہ میں انہی باتوں کو اب تک لیے بیٹھا ہوں، جب کہ ایسا نہیں ہے- یہی وجہ ہے کہ جب ثاقب رضا صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ ''عالم ربانی نمبر'' شائع کرنا چاہتے ہیں تو میں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا-

آپ دینی و علمی کاموں میں ہمہ وقت مجھے اپنا معاون پائیں گے- آپ جب اور جہاں سے چاہیں میری کتابیں شائع کرسکتے ہیں- بس میری اتنی خواہش ہے کہ کتابوں کی سیٹنگ اسی طرح باقی رہنے دی جائے جیسے آپ کو ارسال کی گئیں ہے-

آپ کا مذکورہ مضمون میں جام نور کے جون ۲۰۱۴ء کے شمارے میں شائع کر رہا ہوں، نیز آپ کی خواہش کے مطابق ''عالم ربانی نمبر'' کے پاکستانی ایڈیشن میں بھی اسے شامل کر کے آپ کو ارسال کر رہا ہوں- جلد ہی ٹائٹل اور کلر پیجیز بھی آپ کو بھیج دوں گا- احباب کو سلام

مخلص: خوشتر نورانی ۵ / جون ۲۰۱۴ء

بانی
قائد اہل سنت
رئیس القلم حضرت علامہ
ارشد القادری
علیہ الرحمۃ والرضوان

ملت کا ترجمان

گیارہواں دور ۱۳۲/واں جام

اپریل ۲۰۱۴ء / جمادی الاخری ۱۴۳۵ھ

مدیر اعلیٰ : خوشتر نورانی

مرتبین : ذیشان احمد مصباحی، ارشاد عالم نعمانی

سرکولیشن منیجر : منظر سبحانی

اشتہار منیجر : غلام قادر فیضی

تزئین کار : کوثر سمنانی

ناشر : محمد رضا الحسن قادری

دار الاسلام

جامع مسجد و محلہ مولانا روحی، اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور، پنجاب — پاکستان
0321-9425765 darulislam21@yahoo.com

ممتاز ناقد و محقق، شہید بغداد، عالم ربانی
حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری عثمانی بدایونی
کی خدمات اور کارنامے پر خصوصی پیش کش

عالم ربانی نمبر

''میں کچھ بھی کروں، میرا میدان عمل اور دائرہ کار کچھ بھی ہو، بہر حال میں دو چیزوں سے علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا:
(۱) مسلکی فکر، یعنی اہل سنت و جماعت پر تصلب
(۲) غوث اعظم سے غیر مشروط نسبت غلامی
میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ان دونوں چیزوں سے الگ ہو کر میرا کوئی وجود یا تشخص باقی رہ جائے گا- دھوبی کا کتا نہ گھر کا رہتا ہے، نہ گھاٹ کا، لہذا میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ اپنی اس وابستگی میں ذرا لچک آنے دوں یا ان پر کوئی کمپرومائز کرلوں- ہاں! مگر بے جا تشدد، غلو اور تصلب کے بدلے تعصب کو ترک کیا جا سکتا ہے، بلکہ ترک کرنا ضروری ہے- میرا عقیدہ ہے کہ غوث پاک کا قدم تمام اولیا کی گردنوں پر قیامت تک ہے، اس عقیدے سے دست بردار ہونے کو ایک لمحے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں، مگر مجھے اس پر اصرار نہیں ہونا چاہیے کہ ہر سلسلے والا اس پر اسی یقین واذعان کے ساتھ ایمان لائے جس طرح میں لایا ہوں- یہ بے جا تشدد اور تعصب و غلو ہے-''

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری
ذاتی ڈائری کا ایک ورق: ۲۰۰۳ء

ضابطہ و دستور

سلسلۂ مطبوعات: 28
طبع : شعبان المعظم 1435ھ / جون 2014ء
قیمت : 270 روپے Net

انتساب

تاجدار اہل سنت، فنائے غوثیت، جامع شریعت وطریقت

حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری عثمانی بدایونی

(زیب سجادہ: خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف)

کے نام

جن کی تربیت، توجہات اور مستجاب دعاؤں نے

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری

کو "سراپا اخلاص وعمل، عالم ربانی اور ممتاز ناقد ومحقق" بنادیا

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ

جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

مرے بیٹے، مرے بھیا، مرے بابا خدا حافظ

حضور غوث کو تم بھا گئے اچھا خدا حافظ

مرے بیٹے، مرے بھیا، مرے بابا خدا حافظ

مرے نور نظر تھے تم مرے لخت جگر تھے تم

نہیں ہیں اب یہ میرے جسم میں گویا خدا حافظ

مکمل کرنا تھی تعمیر میخانہ مگر تم تو

ادھوری چھوڑ کر ہی چل دیے بھیا خدا حافظ

برا ہے حال بے حد ماں کا بیوی بھائی بہنوں کا

خدا ہی صبر دینے والا ہے سب کا خدا حافظ

میں بڈھا اور ضعیف وناتواں ناکارہ سا انساں

بھلا برداشت کیسے ہوگا یہ صدمہ خدا حافظ

مری تنہائی کی ہر لمحہ تم کو فکر رہتی تھی

تو اب کیوں جا رہے ہو چھوڑ کر تنہا خدا حافظ

سپرد غوث تو نے کر دیا سالمؔ تو خوش ہو، ہیں

یقیناً غوث کی آغوش میں بھیا خدا حافظ

از: شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری

(زیب سجادہ: خانقاہ قادریہ، بدایوں شریف)

من شرب كأس الشهادة

الفقيد الغالى لفضيلة الشيخ العلامة مولانا اسيد الحق محمد عاصم القادرى البدايونى
رحمه الله تعالى رحمة واسعة و اسكنه فسيح جناته

قَاسَيْتُ حُزْناً لَيْسَ كَالْاَحْزَان ... أَبْكِىْ دَماً مَا كَانَ مِنْ سَلْوَانِ
فَلْتَنْدُبِ الْأَقْلَامُ دَهْراً كَامِلاً ... اَنّٰى لِهٰذَا الْجُرْحِ مِنْ جُبْرَانِ
كُنْتَ الْخَلِيْلَ وَ لَيْسَ كَالْخُلّانِ ... كُنْتَ الْفَرِيْدَ بِمَحْفِلِ الْاِخْوانِ
مَا كُنْتَ بَيْنَ الْجَمْعِ وَ الْاَحْبَاب ... اِلاّ وَفَاءً اَصَادِقُ الْاَحْسَانِ
كُنّا نَرىٰ فِيْكَ الْمَحَاسِنَ كُلَّها ... حُبًّا وَ وُدّاً بَاسِمُ الْاَسْنَان
كُنّا نَرىٰ فِيْكَ الْمَعَالِمَ كُلَّها ... لِقِيَادَةِ الْاَقْوَامِ بِالْفُرْقَان
أَبْكِى وَ يَبْكِى الْكُلُّ لِلْحِرْمَان ... مِنْ عَالِمٍ مُسْتَحْكَمِ الْاَرْكَان
وَأَرىٰ الْمَعَاهِدَ وَ الْمَدَارِسَ كُلَّها ... تَبْكِى عَلىٰ مَنْ غَابَ فِى الْبَغْدَان
مَنْ كَانَ يَمْلَأُ جَمْعَنَا بِمَبَاهِج ... بِالْعِلْمِ وَالْعِرْفَانِ وَالْبُرْهَان
وَأُسَيْدَ حَقّ كُنْتَ فِيْنَا دَائِماً ... وَ وَرِثْتَهُ مِنْ غَوْثِنَا الْجِيْلَانِ
اَنْتَ الشَّهِيْدُ بِكُلِّ مَفْهُوْمٍ لَهُ ... وَاَحَبَّكَ الشُّهَدَاءُ وَ الْحَسْنَان
هَلْ غِبْتَ عَنَّا فُجْأَةً مِنْ بَيْنِنا؟ ... قَدْ كُنْتَ مِنَّا الرُّوْحُ فِىْ الْاَبْدَان
لَوْلَا الرَّجَاءُ فِىْ جَنَّةِ الرَّحْمٰن ... لَجَرىٰ شَجى بِدَمٍ لَنَا الْعَيْنَانِ
لَا تَحْزَنُوْا صَحْبِى عَلىٰ مَنْ عَاشَ فِى ... حُبِّ الرَّسُوْلِ وَ مَاتَ بِالْاِيْمَان
قَدْ صَارَ فِىْ مَنْ فَازَ بِالرِّضْوَان ... اِذْ خَصَّهُ الْحَنَّانُ بِالْغُفْرَانِ
وَلَهُ النَّعِيْمُ بِجَنَّةِ الْمَنَّانِ ... فَرِحٌ لَهُ مَا لَيْسَ فِى الْحُسْبَان
مَا كَانَ فِى الدُّنْيَا دَوَامٌ وَ بَقَا ... كُلٌّ بِمَوْت لَابِسُ الْاَكْفَان
نَدْعُوْ لَهُ بِجَوَارِ خَتْمِ الْاَنْبِيَا ... فِىْ زُمْرَةٍ كَانُوْا ذَوِىْ الْقُرْآنِ

مولانا محمد جلال رضا ازہری
قاہرہ (مصر)

لذت جام شهادت

گم شدۂ بیش بہا، فضیلۃ الشیخ علامہ مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی یاد میں

۱- میں اس وقت زندگی کے سب سے بڑے غم سے دوچار ہوں اور میری آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے، گویا اب اس غم کا مداوا ناممکن ہے-
۲- ارباب قلم کو چاہیے کہ اس عظیم سانحے پر عرصے تک نوحہ کناں رہیں، کیوں کہ یہ زخم اب بھرتا ہوا نظر نہیں آتا-
۳- تم سارے دوستوں سے الگ اور حلقۂ احباب میں منفرد و یکتا تھے-
۴- تم عوام و خواص اور احباب و اغیار سب کے لیے سراپا وفا اور احسان و اخلاص رہے-
۵- ہمیں تمہاری ذات میں الفت و محبت اور خندہ روئی جیسی تمام اخلاقی خوبیاں نظر آتی تھیں-
۶- اور تمہاری شخصیت میں قیادت و امامت کے لیے مطلوب جملہ اوصاف کے آثار جلوہ گر تھے-
۷- اس عظیم اور جلیل القدر عالم کو کھو کر میں بھی رو رہا ہوں اور میرے ساتھ ہر شخص رو رہا ہے-
۸- میں دیکھ رہا ہوں کہ بغداد معلی میں روپوش ہو جانے والے اس شخص کے غم میں تمام علمی ادارے اور مدارس گریہ کناں ہیں-
۹- اس کی دل آویز شخصیت انجمن احباب کو علم و عرفان اور دلیل و برہان سے رونق بخشتی تھی-
۱۰- تم ہمارے بیچ ہمیشہ شیر حق بن کے رہے اور یہ شیرانہ وصف تم نے حضرت غوث اعظم جیلانی سے ورثے میں پایا تھا-
۱۱- تم شہادت کے تمام تر مفہوم کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے اور حسنین کریمین اور تمام شہدا کے محبوب نظر بن گئے-
۱۲- کیا ہوا کہ تم اچانک ہم سے روٹھ گئے؟ جب کہ تم ہماری انجمن میں ایسے تھے جیسے جسم میں روح ہوا کرتی ہے-
۱۳- اگر خدائے رحمٰن کی جنت میں تمہارے ہونے کی امید نہ ہوتی تو اس غم فرقت میں ہماری آنکھیں ضرور خون کے آنسو بہاتیں-
۱۴- میرے دوستو! اس شخص کا غم نہ کرو جو عشق رسول کے ساتھ زندہ رہا اور دولت ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا-
۱۵- وہ رضائے الٰہی سے سرفراز بندوں میں شامل ہو گیا اور اللہ کریم نے اپنی خصوصی بخشش سے اسے شادکام فرما دیا-
۱۶- اللہ کریم کی بہشت جاوداں میں اس کے لیے ایسی ایسی نعمتیں اور مسرتیں ہیں جن کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا-
۱۷- دنیا میں کسی کے لیے دوام و بقا نہیں، ہر ایک کو مر کر کفن پوش ہونا ہے-
۱۸- ہم اس کے لیے عاشقان قرآن کے زمرے میں سرکار ختمی مرتبت ﷺ کے قرب و ہمسائیگی کی دعا کرتے ہیں-

عالم ربانی حضور غوث اعظم کی جالی مبارک پکڑ کر استغاثہ کرتے ہوئے

استمداد بحضور غوث الثقلین

از: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

ظلمت شب میں اچانک دلِ تیرہ چمکا
گویا وادیٔ طویٰ میں کوئی شعلہ چمکا
یا شبِ تار میں جیسے یدِ بیضا چمکا
یعنی سوئی ہوئی قسمت کا ستارہ چمکا

آئی آواز کہ تو اتنا پریشان ہے کیوں
اتنا افسردہ و رنجیدہ و حیران ہے کیوں

ایک ہستی ہے اگر اس سے تو فریاد کرے
اس سے گر شکوۂ بے رحمیٔ صیاد کرے
وہ ابھی تجھ کو غمِ دہر سے آزاد کرے
دلِ ناشاد کو ترے وہ ابھی شاد کرے

کیا بڑی بات ہے اس کو غمِ ہستی کا علاج
وہ تو کر دیتا ہے ڈوبی ہوئی کشتی کا علاج

ہاں وہی غوث کہ ہر غوث ہے منگتا جس کا
پر تو نورِ ازل ہے رخِ زیبا جس کا
اولیا چومتے ہیں نقشِ کفِ پا جس کا
"شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا جس کا"

جس کے قدموں کا نشاں گردنِ افراد پہ ہے
دوشِ اقطاب پہ ابدال پہ اوتاد پہ ہے

یعنی وہ غوثِ جہاں حضرت عبدالقادر
بے نشانوں کا نشاں حضرت عبدالقادر
قطبِ اقطابِ زماں حضرت عبدالقادر
قبلہ و کعبۂ جاں حضرت عبدالقادر

چل انھیں کے درِ دولت پہ لیے چلتے ہیں
آ تجھے بابِ اجابت پہ لیے چلتے ہیں
یہ وہی در ہے جسے قبلۂ حاجات کہیں
جس کے ہر ذرے کو ہم خارقِ عادات کہیں

تو بھی گر چاہتا ہے غم کا مداوا یوں کر
ایک جملے میں علاجِ غمِ فردا یوں کر
دلِ بیمار کو اِک آن میں اچھا یوں کر
آ درِ غوث پہ اور عرضِ تمنا یوں کر

غوثِ اعظم بمنِ بے سر و ساماں مددے
قبلۂ جاں مددے کعبۂ ایماں مددے

لطف فرما کہ ہے طوفانِ بلا میں کشتی
آگئی حوصلۂ ذوقِ عمل میں پستی
آج ویران ہے پھر سے مرے دل کی بستی
ما گدائیم و تو سلطانِ دو عالم ہستی

از تو داریم طمع یا شہِ جیلاں مددے
غوثِ اعظم بمنِ بے سر و ساماں مددے

مشمولات

عالم ربانی کی آخری تحریر

عالم ربانی آخری تحریر لکھتے ہوئے

جسے انہوں نے آستانہ غوث اعظم بغداد میں واقع قادری لائبریری کی زیارت کے بعد لائبریری کے معاینہ رجسٹر پر لکھا تھا-

باسمه تعالیٰ

لقد سعدت بزيارة المكتبة القادرية بحضرة القادرية الشريفة، وليست زيارتى هذه اول زيارة، وانما تشرفت بزيارتها قبل هذه اكثر من مرة فى عقد التسعينيات عند ما كنت ازور بغداد، فهذه المكتبة آن ذاك كانت فى مبنٰها القديم ،و لكننى فوجئت الآن عند ما وجدتها فى المبنى الجديد، بارک الله فى من ساهم فى بناء ها و تجديدها.

وجدت المكتبة معمورة بقيم الكتب بما فيها اكثر من الف المخطوطات القديمة و القيمة و آلاف كتب مطبوعة، و هذا ان دل على شىء فهو يدل على ان القائمين باشراف المكتبة و تحسينها هم اصحاب الخبرة ولهم ذوق رفيع، جعلها الله تعالى خادمة و مساعدة للعلم و العلماء رافعة رأية العلم و التحقيق و البحث عالية خفاقة، و رزقنا الله تعالیٰ زيارة بعد زيارة لها و لحضرة القادرية المقدسة، و رزقنا الله تعالى بركاتها و بركات سيدى الشيخ القطب عبد القادر الكيلانى الذى اتسمت المكتبة بسمه . آمين.

اسيد الحق القادرى

خادم العلم والعلماء

بالمدرسة القادرية، بمدينة بدايون الشريفة (الهند)

فى ۲ / من مارس سنة ۲۰۱۴م

باسمہ تعالیٰ

میں آستانۂ غوث اعظم میں واقع قادری لائبریری کی زیارت سے مشرف ہوا- میری اس لائبریری میں یہ پہلی حاضری نہیں ہے، بلکہ اس سے قبل ۹۰ کی دہائی میں جب میں بغداد حاضر ہوا تھا اس وقت بھی ایک سے زائد بار اس لائبریری کی زیارت سے مشرف ہوا تھا- اُس وقت اس لائبریری کی عمارت قدیم تھی، مگر اس مرتبہ اسے نئی عمارت میں دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی- اللہ تعالیٰ اس کی تعمیر وتجدید کاری میں شریک ہونے والے حضرات پر اپنا خاص فضل فرمائے-

یہ لائبریری نہایت گراں قدر کتابوں سے مالا مال ہے، اس میں تقریباً ایک ہزار سے زائد قدیم اور قیمتی مخطوطے اور ہزارہا مطبوعہ کتابیں موجود ہیں- اگر اس سے کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو وہ یہ کہ لائبریری کی تحسین وتزئین کاری میں سرگرم حضرات ماہر وتجربہ کار اور باذوق ہیں- اللہ تعالیٰ اس لائبریری سے علم وعلما کی خدمت وتعاون کا کام لے اور اس کے ذریعے علم وتحقیق اور بحث ونظر کا پرچم بلند فرمائے اور مجھے اس کی اور آستانۂ غوثیت کی بار بار حاضری نصیب فرمائے اور ہم سب کو اس لائبریری اور حضرت قطب زماں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی برکات سے مستفیض فرمائے، جن کے نام سے یہ لائبریری منسوب ہے- آمین-

اسید الحق قادری (خادم العلم والعلما: مدرسہ قادریہ، بدایوں شریف، ہند)

۲/ مارچ ۲۰۱۴ء

گریۂ الم

عالم ربانی کی شہادت پر اہل علم کے کلمات رنج و الم

پس منظر

شخص و عکس

اظہار و اعتراف

کمالات و امتیازات

علمی آثار

اظہار غم

حدیث دل

خوشتر نورانی

کچھ باتیں

’’ہم دونوں میں سے پہلے جو بھی اس دنیا سے جائے گا وہ دوسرے کا مرثیہ لکھے گا، میں اگر پہلے دنیا سے چلا گیا تو تم لکھنا اور تم پہلے گزر گئے تو میں لکھوں گا۔‘‘

یہ جملہ میرے عزیز از جاں دوست مولانا اسید الحق قادری نے ایک بار نہیں، پچھلے پانچ برسوں میں متعدد بار مجھ سے کہا تھا-گویا ہمارے درمیان یہ ایک معاہدہ تھا، جس کو پورا کرنے کا ہم دونوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا-جب وہ مجھ سے اس معاہدے کو دہراتے، میں ہنس دیتا، یہ سوچ کر کہ ابھی تو ہماری عمر ہی کیا ہے؟ ابھی تو ہم دونوں کو بہت سے کام کرنے ہیں، کئی معرکے سر کرنے ہیں اور فکر و قلم کے نئے آفاق تلاش کرنے ہیں- ہم دونوں میں سے کوئی بھی اس معاہدے کو پورا کرے، تاہم اسے کم از کم کئی دہائیوں تک انتظار کرنا ہوگا———— لیکن شاید قدرت میری اس سوچ پر ہنس رہی تھی- میرا دوست، میرے فکر و عمل کا شریک اور میری زندگی کا اٹوٹ حصہ مجھے روتا بلکتا چھوڑ گیا، اُس کے اِس طرح اور یوں چلے جانے سے دنیا سے دل اچاٹ ہے اور زندگی کی بے ثباتی کا یقین بڑھ گیا ہے، گویا اپنی رخصتی کا اب انتظار ہے-

لو دوست! آج میں اپنے معاہدے کی تکمیل کر رہا ہوں اور اس انداز سے کر رہا ہوں کہ تمہارے اس مرثیے میں میں نے ہند و پاک کے لاتعداد علما و مشائخ اور اہل قلم کو شامل کر لیا ہے-تمہارے جانے کا یہ پہاڑ جیسا غم میرے اکیلے کا غم نہیں رہا، ملت اسلامیہ کا اجتماعی غم بن گیا ہے-تم نے شاید مجھ سے ایک مضمون کی بات کی تھی، تمہارے اس دوست نے سینکڑوں صفحات کا ایک دفتر تیار کر دیا ہے......ع

تم نظر تک چاہتے تھے ہم تو جاں تک آ گئے

۴؍مارچ ۲۰۱۴ء کو حضرت شیخ اسید الحق قادری کی شہادت ہوئی، اتفاق سے جام نور کے مارچ کا شمارہ پریس کے حوالے ہو چکا تھا- ان کی شہادت کے بعد تین دنوں تک کچھ ہوش و حواس نہیں رہا- ۸؍مارچ کو جب حواس کچھ بحال ہوئے تو خیال آیا کہ ان کے چہلم کے موقع پر ’’جام نور‘‘ کا ایک نمبر آنا چاہیے، اُس وقت میں بدایوں میں تھا، اِس خیال کے آتے ہی میں نے شمارہ مارچ کی اشاعت رکوا دی اور بدایوں سے ہی اگلے شمارے (اپریل) کے لیے ’’ممتاز ناقد و محقق نمبر‘‘ کی اشاعت کا ایک اعلان بنا کر مارچ کے شمارے میں شامل کروا دیا- یہ شمارہ کتنے صفحات کا ہونا چاہیے؟ کتنے اہل قلم اس شارٹ نوٹس پر مضامین لکھ پائیں گے؟ اور یہ کام ۲۰؍دنوں کے اندر کس طرح مکمل ہوگا؟ ان تمام سوالات کے جوابات میرے پاس نہیں تھے- بدایوں سے میں ۱۲؍مارچ کو لوٹ کر دہلی آ گیا اور آج ۳؍اپریل ہے، ۴۰۰ صفحات کا یہ ضخیم نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے-

جام نور کی اشاعت کے حوالے سے مجھے ۱۲؍سال کا صحافتی تجربہ ہے- ۱۲؍سال کی اس طویل مدت میں میں نے سینکڑوں صفحات پر مشتمل کئی ضخیم نمبر نکالے، مگر ان نمبرز کی تیاری اور ان کی اشاعت میں مجھے جن پریشانیوں سے گزرنا پڑا وہ ناقابل بیان ہے- کسی نمبر کے نکالنے سے پہلے اس کے لیے کئی میٹنگیں ہوتیں، ایک سال پہلے اس کا اعلان کیا جاتا، اس نمبر کا اعلان سال بھر تک تواتر سے جام نور میں شائع

ہوتا رہتا، پھر اہل قلم کو مضامین لکھوانے کے لیے کم از کم چھ ماہ پہلے دعوت دی جاتی، ان سے بار بار تقاضے کیے جاتے اور پھر اس کی اشاعت کے وسائل کے لیے جد و جہد کا ایک طویل سلسلہ ان سب پر مستزاد———— پھر بھی ہم اپنے معیار کے مطابق اس کی اشاعت نہیں کر پاتے-

زیر نظر نمبر نے خصوصی اشاعت کے حوالے سے میرے اس عملی تجربے کو یکسر غلط ثابت کر دیا- اس نمبر کی اشاعت کے تعلق سے نہ کوئی میٹنگ ہوئی، نہ سال بھر پہلے اعلان کا موقع ملا اور نہ ہی اہل قلم کو مضامین لکھنے کی دعوت دی گئی- ان سب کے باوجود ۲۰؍دنوں کے اندر برصغیر ہند و پاک کے مشاہیر اہل علم و قلم، خانقاہوں کے مشائخ، علما اور محبت کرنے والے احباب نے اس کثرت سے ہمیں اپنے تاثرات اور مضامین لکھ بھیجے کہ انتخاب کرنا مشکل ہو گیا کہ کسے شائع کریں اور کسے نہ کریں- ۲۰؍دنوں کے اندر کسی نمبر کی اشاعت میں قلمی شمولیت کے اس جوش و خروش کی مثال پیش کرنے سے مذہبی صحافتی تاریخ قاصر ہے- ایک ہفتے قبل ہم نے ۳۰۰؍صفحات پر نمبر نکالنے کا ارادہ کیا تھا، مگر احساس ہوا کہ اس ضخامت میں بہت سے مشاہیر اہل قلم اور مشائخ کی نگارشات شامل ہونے سے رہ جائیں گی، اس لیے ۳۰۰؍صفحات سے بڑھا کر ہم نے ۴۰۰؍صفحات کر دیے- مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے ۴۰۰؍صفحات کے اس ضخیم نمبر میں بھی متعدد مشاہیر کے تاثرات اور مضامین شامل ہونے سے رہ گئے- اِن کے ساتھ اُن احباب اور علما کی تحریریں بھی اس خصوصی شمارے کی زینت نہیں بن سکیں جنھوں نے دل سے شہید بغداد کے لیے اپنی محبت کا اظہار اور ان کی خدمات و کارناموں کا اعتراف کیا تھا- ایسی تحریروں کی تعداد بھی ۱۰۰؍ سے متجاوز ہے- وقت ہوتا تو اس نمبر کے لیے ایک ہزار صفحات بھی کم پڑتے- یہ نمبر ایک انتخاب ہے جس میں بیشتر معروف اہل قلم، مشاہیر علما اور مشائخ کی تحریریں ہی شامل کی جا رہی ہیں، اس حیثیت سے بھی مذہبی صحافتی دنیا کا یہ ایک منفرد نمبر ہے-

عالم ربانی کے لیے احباب اور علما کے جذبات کو دیکھتے ہوئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ جام نور کے مئی ۲۰۱۴ء کا شمارہ بھی عالم ربانی کے نام منسوب ہوگا اور اس خصوصی اشاعت میں وہ تمام تحریریں شامل کی جائیں گی جو شائع ہونے سے رہ گئیں- ہم ایسے تمام اہل قلم، علما اور احباب کے جذبات کی قدر کرتے ہیں اور اس نمبر میں ان کی تحریروں کی عدم شمولیت پر معذرت خواہ ہیں-

’’ممتاز ناقد و محقق نمبر‘‘ کے عنوان سے اس خصوصی اشاعت کا اعلان کیا گیا تھا، مگر حضرت مولانا یٰسین اخترؔ مصباحی صاحب اور دیگر احباب کے مشورے سے اس کا عنوان تبدیل کر کے ’’عالم ربانی نمبر‘‘ کر دیا گیا ہے-

اخیر میں، میں صاحبزادہ مولانا عطیف میاں قادری، صاحبزادہ مولانا عزام میاں قادری، حضرت حافظ عبد القیوم قادری اور مدرسہ قادریہ بدایوں میں ان کی لائق ٹیم کے افراد، خصوصی طور پر عزیز گرامی عبد العلیم قادری، مولانا دلشاد احمد قادری اور مولانا مجاہد قادری کا ممنون ہوں- ان کے تعاون اور اشتراک کے بغیر اس نمبر کی اشاعت ممکن نہیں تھی-

میری ٹیم کے سب سے لائق و فائق فرد اور دوست مولانا ذیشان احمد مصباحی اور مولانا ارشاد عالم نعمانی کے احسانات اور گراں قدر تعاون کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں- یہ دونوں حضرات اس نمبر کے لیے دو ہفتوں تک ۲۰-۲۰ گھنٹے میرے ساتھ بے لوث کام کرتے رہے- ان کے بغیر اس نمبر کی اشاعت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پاتا- میں اپنے دیگر احباب خصوصی طور پر ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی اور سید تالیف حیدر کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مضامین کی فراہمی میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا- میں اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں عزیزم کوثر سمنانی اور منظر سبحانی کے لیے بھی سراپا سپاس ہوں، جنھوں نے بہت کم وقت میں اسے اشاعت کے مرحلے سے گزار کر آپ تک پہنچانے میں بنیادی کردار ادا کیا———— لیجیے! عالم ربانی نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے- مطالعہ کیجیے- ایک عبقری وقت کے چلے جانے کا ماتم کیجیے اور اللہ سے اس کا نعم البدل پیدا کرنے کی دعا بھی-

تو گیا اور ہم تری صورت کو تکتے رہ گئے
غم زدہ روتے، تڑپتے، سر پٹختے رہ گئے

□□□

قطعۂ تاریخ شہادت

گرامی دودمان حضرت علامہ اسید الحق قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

چہ جانکاہ آمد خبر آہ آہ — دل افسردہ احساس انفاس ہشت
عجب سانحہ فاجعہ بود ایں — گرفتہ دل اندوہ چو سرضرب خشت
اسید الحق قادری شد شہید — فرشتہ صفت بود او در سرشت
جواں سال وعلامۂ بے نظیر — نیامد چنیں حاصل از ہیچ کشت
جہاں سوگوار وفضا ماتمی — چہ دیر وحرم صومعہ و کنشت
مقدر، نصیبہ وقسمت بگو — چو روز ازل کلک قدرت نوشت
الٰہی بحق بنی فاطمہ — عطا کن زرحمت مکان بہشت
بہ پس ماندگان وپدر محترم — بصبر جمیل اجر مولیٰ نوشت
زحق از پیش بخشش و مغفرت — طلب کرد اسیر بزرگان چشت
بہ پائین غوث الوریٰ یافت جا — بریں خوب، رشک آورائے برق زشت

سرخویش ہاتف جدا کرد وگفت
اسید الحق قادری در بہشت

۱۴۳۵ھ

از: پروفیسر سید طلحہ رضوی برق
سجادہ نشین: خانقاہ چشتیہ نظامی، شاہ ٹولی، داناپور، پٹنہ (بہار)

□□□

(۱)

روداد غم

خوشتر نورانی

مرا رنگ و روپ بگڑ گیا، مرا یار مجھ سے بچھڑ گیا

ایک بچھڑنے والے دوست کا مرثیہ، جس کے بغیر زندگی بے رنگ و نور ہوگئی ہے

قیامت سر سے گزرنا، دل پارا پارا ہونا، دل اپنے پہلو میں دھڑکنا بھول جانا، رگوں کا خون منجمد ہو جانا اور ہوش و حواس کھو دینا- اردو کے یہ تمام محاورے، ہم اپنے بچپن سے ہی سنتے اور پڑھتے چلے آرہے ہیں، لیکن ان کے معانی کا ادراک اور احساس پہلی بار ۱۴؍مارچ کو ہوا، جب میرے بچپن کا یار، میرا غم گسار اور راز دار شہادت سے سرفراز ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے رخصت ہوگیا-

دنیا نے انھیں ممتاز ناقد و محقق، شیخ صاحب، مولانا اسید الحق قادری، ابوالفیض معینی، اسید میاں، اسید صاحب اور نہ جانے کس کس نام اور لقب سے یاد کیا اور ان کے علمی مرتبے، مقناطیسی شخصیت، منفرد قلم، بلند کردار، اعلیٰ ظرفی، مثالی اخلاق اور قابل تقلید انکساری کے گن گان کیے- ان کے فقید المثال کارناموں کا اعتراف کیا، اہل سنت کے مذہبی مستقبل کی تعمیر و تشکیل کے لیے ان سے بے پناہ توقعات وابستہ کیں اور بالآخر دنیا سے ان کی ناگہانی رخصتی کو اہل سنت، اہل تصوف اور اہل خانقاہ کا ناقابل تلافی نقصان قرار دے کر ماتم بھی کیا ——— مگر میرے لیے وہ بچپن سے اب تک ''بھیا'' ہی رہے- اس ایک مختصر سے لفظ سے انھیں پکارنے میں ان کے علمی مرتبے کا اعتراف بھی تھا، ان کے کارناموں پر غرور بھی، ان کے مشن پر اتراہٹ بھی، پاس ادب بھی، معاصرانہ شوخی بھی، محبتوں اور قربتوں کی انتہا بھی ——— ان سے محبت کرنے والوں کی کمی نہ تھی، انھوں نے بھی اپنے ملنے والوں سے ہمیشہ اپنائیت کا اظہار کیا اور حسب مراتب ان کا خیال بھی رکھا، کوئی مشفق اور مربی استاذ کی حیثیت سے ان سے قریب تھا تو کوئی شاگرد کی حیثیت سے انھیں بہت محبوب تھا، بہت سے ان کے دوست بھی تھے جن سے ان کی بے تکلفی تھی، مگر ان رشتوں کی اپنی نزاکتیں اور حدیں تھیں، جن سے تجاوز کرنا انھیں پسند نہیں تھا- تاہم اپنے اہل خانہ کے بعد انھوں نے اگر کسی کو اپنی زندگی کا راز دار بنایا، کسی کو اپنی ذاتی اور گھریلو زندگی میں بھی دخل کا حق دیا، کسی سے ہر بات شیئر کی، کسی سے تکلفات کی ساری حدیں ختم کر دیں، کسی کے گھر کو اپنا گھر سمجھا، کسی کی تحریک اور مشن کو اپنی تحریک اور مشن، کسی کی تعریف کو اپنی تعریف، کسی کی برائی اور مخالفت کو اپنی برائی اور مخالفت جانا تو وہ میں تھا-

۲۰۱۲ء کے عرس قادری کی محفل میں وہ مہمان علما و مشائخ کا تعارف کرا رہے تھے، میں مہمان نہیں تھا، اس حیثیت سے خانقاہ میں میں کبھی حاضر بھی نہیں ہوا، ہمیشہ اپنے آپ کو منتظم اور خادم ہی سمجھا، پھر بھی سبھوں کا تعارف کرانے کے بعد جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہنے لگے:

''یہ مولانا خوشتر نورانی ہیں، اب میں ان کا کیا تعارف کراؤں! بس اتنا سمجھ لیجیے کہ لوگ جب ان کی تعریف کرتے ہیں تو میری بھی کرتے ہیں اور جب ان کی برائی ہوتی ہے تو اس میں میں بھی شامل رہتا ہوں-''

اس وقت ان کے اس مختصر اور جامع تعارف پر پوری محفل مسکرائے بغیر نہ رہ سکی، لیکن اب سوچتا ہوں تو سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ درحقیقت ہمارے جذباتی رشتے کا بے محابا اعلان تھا کہ ہم دونوں الگ الگ نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں- انھوں نے مجھ سے اپنی قربتوں کے اظہار میں کبھی تحفظات کا خیال نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان ہماری قربتوں کے چرچے زبان زد عام تھے- یہاں یہ کہنا فضول اور غیر اہم ہے کہ میری زندگی میں بھی انھیں یہی مقام حاصل تھا- ہوسکتا ہے کہ ان کے ہزاروں لاکھوں چاہنے والوں میں بہتوں نے انھیں یہ حیثیت دے رکھی ہو- اہمیت کی حامل ان کی وہ مخصوص عنایتیں اور قربتیں تھیں جو صرف میرے حصے میں آئی تھیں، جن پر میں اتراتا تھا، فخر کرتا تھا اور ان کی غیر مشروط دوستی کو اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھتا تھا، ورنہ بقول حالیؔ:

غالبؔ نکتہ داں سے کیا نسبت! — خاک کو آسماں سے کیا نسبت!

ہر مہینے دو مہینے پر ہماری ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں، کبھی وہ دہلی آگئے، کبھی میں بدایوں چلا گیا، کبھی ہم کسی سیمینار یا کانفرنس میں شرکت کے لیے نکل گئے تو کبھی کسی لائبریری میں کتابوں اور حوالوں کی تلاش میں چل دیے- ۲۰۰۴ء میں مصر سے ان کی واپسی کے بعد پچھلے دس برسوں میں شاید ہی ایسا کوئی پروگرام، سیمینار، کانفرنس، علمی یا تفریحی سفر ہو جس میں ہم دونوں ساتھ نہ ہوں- لوگ ہمیں ایک ساتھ دیکھنے کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کا ''سایہ'' کہتے تھے- ہم دونوں اکثر اس بات پر ہنستے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایک کہیں اکیلا چلا جاتا ہے تو اکثر لوگ دوسرے کو پوچھتے ہیں- میں کبھی کہیں اکیلا چلا جاؤں تو اکثر لوگ تعجب سے سوال کرتے کہ ''ارے آپ اکیلے! مولانا اسید الحق کہاں ہیں؟'' ایسا ہی ان کے ساتھ بھی ہوتا- ابھی چند ماہ پہلے حضرت امین ملت کے صاحب زادے اور ولی عہد حضرت امان میاں کی شادی ہوئی اور احباب کی کثرت اور سہولت کے پیش نظر ولیمے کی دو تقریب رکھی گئی، ایک مارہرہ اور دوسری علی گڑھ میں- دہلی سے علی گڑھ قریب ہونے کی وجہ سے میں علی گڑھ میں مدعو تھا، جب کہ بھیا مارہرہ میں- ولیمے میں شرکت کے بعد ان کا فون آیا اور بڑی جھنجھلاہٹ سے کہا کہ ''یار! اب ہم ہمیشہ ایک ساتھ ہی کہیں جایا کریں گے''، میں نے پوچھا کہ کیا ہوا، سب خیریت تو ہے؟ اس پر الٹے ہی انھوں نے سوال داغ دیا کہ ''میں پروگرام میں شرکت کروں یا یہی جواب دیتا پھروں کہ خوشتر صاحب کہاں ہیں؟'' ——— آج آپ کے یوں تنہا چلے جانے کے بعد میرا پورا وجود آپ سے شکوہ کناں ہے: آپ تو کہا کرتے تھے کہ اب ہم ہر جگہ ایک ساتھ ہی جایا کریں گے، پھر آپ مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟ وہ بھی ایسی جگہ اور ایسے سفر پر جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا- زندگی بھر آپ مجھے ساتھ لے کر گھومتے رہے اور جب آخری سفر پر نکلے تو کچھ بتائے بغیر خاموشی سے چل دیے؟ کیا یہی حق رفاقت ہے؟ کیا وہاں آپ سے کوئی نہیں پوچھتا کہ آپ کا ناکارہ دوست خوشتر کہاں ہے؟ آپ جاتے، ایک دن سبھوں کو جانا ہے اور ایک دوسرے سے بچھڑ جانا ہے، اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے کوئی نہیں آیا، مگر............ع

تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

سفر بغداد پر جانے سے پندرہ دنوں پہلے ۶؍فروری ۲۰۱۴ء کو اپنے بیب سے عزیز اور سعادت مند شاگرد عبد العلیم قادری کو لے کر بھیا دہلی آئے، کیوں کہ انھیں ۸؍فروری کو ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے جامعہ سعدیہ، کیرلا جانا تھا- حسب معمول میرے گھر پر ہی قیام کیا، دوسرے دن ۷؍فروری کی صبح کیرلا کے لیے ان کی فلائٹ تھی، رات دیر تک محفل جمی، مذہبی اور مسلکی امور پر خوب گفتگو رہی، مذہب و مسلک کی تعمیر و تشکیل کے لیے کچھ نئے منصوبے زیر غور آئے اور پھر میری زیر تصنیف کتاب ''سید احمد رائے بریلوی اور برٹش گورنمنٹ'' پر دیر تک تبادلہ خیال ہوتا رہا- اس کتاب کی تصنیف و اشاعت کے سلسلے میں وہ بہت زیادہ جذباتی تھے، اس پر میں پچھلے دو برسوں سے کام کر رہا تھا اور اب یہ آخری مرحلے میں تھی- کتاب کی تمام فصلیں جنھیں میں لکھ چکا تھا، ان کی نظروں سے گزر چکی تھیں- گفتگو کے دوران کہنے لگے کہ ''آپ جتنی جلد ہو سکے اسے فائنل کیجیے، بغداد شریف سے لوٹنے کے بعد اس کتاب کا اجرا ''انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر، دہلی'' میں بڑے پیمانے پر کریں گے اور اس میں بڑے محققین اور اہل علم کو مدعو کیا جائے گا- میں ان کو دکھانا چاہتا ہوں کہ دیکھو کتاب ایسے لکھی جاتی ہے اور اس موضوع پر تحقیق اس کو کہتے ہیں-''

دوسرے دن ۷؍فروری کی صبح کو وہ کیرلا چلے گئے اور وہاں سے ۹؍فروری کی شام کو لوٹ کر دہلی گھر پر آئے، مولانا ذیشان احمد مصباحی بھی ان سے ملاقات کے لیے آگئے، رات کھانے کے بعد دیر تک علمی و فکری مجلس آراستہ رہی اور مختلف مسائل پر بحث و مباحثہ ہوتا رہا- دوسرے دن صبح ۱۰؍فروری کو مولانا ارشاد عالم نعمانی کی معیت میں ہم دونوں ہمدرد یونیورسٹی کی سینٹرل لائبریری گئے اور پورا دن وہاں کتابوں کے درمیان گزارا- لائبریری دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ: ''یار! مجھے ایک بستر اور کھانے کے لیے صبح و شام دو روٹی دے دو اور ایک سال کے لیے مجھے یہاں بند کر دو، یہ ایک سال میری زندگی کے حسین لمحات ہوں گے-'' شام کو کچھ کتابوں کی خریداری کے لیے ہم لائبریری سے جامع مسجد گئے اور رات کو گھر لوٹ آئے- ایک بار پھر باتوں کا دور شروع ہوا، کچھ علمی مسائل میں میں نے استفسار کیا، کچھ ماضی کے تذکرے ہوئے، کچھ مستقبل کے منصوبے بنے اور کچھ تفریح بھی ہوئی، غرض وہ سب کچھ ہوا، جو ہر ملاقات میں ہوا کرتا تھا- وہ اکثر ہنس کر کہتے تھے کہ ''یار! ہمارے پاس گفتگو کے لیے کتنا میٹر ہے، ہماری باتیں ختم ہی

نہیں ہوتیں-'' کسے معلوم تھا کہ دوٹوٹ کر چاہنے والے دوستوں کی یہ آخری محفل سخن ہے، آخری شب ہے، آخری ملاقات ہے اور آخری دیدار-اس کے بعد یہ محفلیں کبھی آراستہ نہیں ہوسکیں گی، وہ اس گھر میں لوٹ کر کبھی نہیں آئیں گے، اس گھر کے بام و دران کے پرنور چہرے کی زیارت کو ترسیں گے، میری یہ بے نور آنکھیں جو انھیں دیکھ کر خوشی سے دمک جایا کرتی تھیں، ہمیشہ کے لیے پتھرا جائیں گی، ان کے نفس علم وفکر سے محفل میں جو گرمی ہوا کرتی تھی وہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈی ہوجائے گی-ان کے جانے کے بعد احباب پُرسے کے لیے آرہے ہیں، ان کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کے لیے عہد و پیمان ہورہے ہیں، ان کے تذکروں کی محفلیں سجائی جارہی ہیں، مگر یہ کیسی ویرانی ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی:

تم نہیں ہو تو مری بزم میں سناٹا ہے　　　تم بھی خاموش ہو، محفل کی فضا بھی خاموش

ہر مہینے دو مہینے پر ہماری ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں اور درمیان میں ملاقاتوں کے بغیر جو دن گزرتے ٹیلی فون اور ایس ایم ایس ان کا تدارک کرتے-پچھلے ۱۰؍برسوں میں مجھے یاد نہیں ہے کہ کوئی دن ایسا گزرا ہو جب ہم نے دو یا تین بار فون پر بات نہ کی ہو، ہم میں سے کوئی ہندوستان یا ہندوستان سے باہر کسی جگہ ہو، مکانی فاصلے ہماری قربتوں پر کبھی غالب نہیں آسکے-فون کالز کی کثرت کو دیکھ کر مولانا ذیشان احمد مزاحاً اکثر مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ''مجھے لگتا ہے کہ آپ دونوں اپنے اہل خانہ سے زیادہ ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں-'' ۲۵؍فروری کو جب سفر بغداد پر بھیا گئے تو بھی یہی معمول رہا، روزانہ ایک یا دو بار ان سے بات ہوتی-شہادت سے صرف پندرہ گھنٹے پہلے ۳؍مارچ کو ان کا فون آیا، بہت خوش تھے، چہک رہے تھے، حسب معمول مزاج پرسی کے بعد کہنے لگے کہ ''کیا فون کرنے کی ساری ذمہ داری میں نے ہی لے رکھی ہے؟ اس بے تعلقی اور کنجوسی کا بدلہ لوں گا-'' پھر میرے بغداد نہ آنے کا شکوہ کیا اور کہا کہ ''آپ آتے تو اور بھی مزہ آتا، آپ کو بہت Miss کر رہا ہوں، آپ کو بھی آنا چاہیے تھا-'' (دراصل اس سفر میں مجھے بھی ساتھ جانا تھا، مگر میرے پاسپورٹ کی میعاد ختم ہوگئی تھی اور رینیول میں وقت لگ رہا تھا، پھر یہ کہ زیر تصنیف کتاب بھی آخری مرحلے میں تھی، اس لیے میں ان کے ساتھ نہیں جاسکا-) اس کے بعد بتایا کہ ''میں عبدالعلیم کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، کل شام تک وہ آپ کے پاس پہنچ جائے گا، اپنی کتاب کی فائنل پروف ریڈنگ اس سے کروالیں، ۷؍مارچ کی صبح کو میں دہلی پہنچوں گا-'' یہ بھی بتایا کہ ۱۰؍مارچ کو بنارس میں حضرت شیخ عبدالعلیم آسی غازی پوری کے صد سالہ سیمینار میں شرکت کے لیے ۹؍مارچ کا ہم دونوں کا ٹکٹ ہوگیا ہے-پھر بغداد کی [illegible] ری اور وہاں کے مشائخ اور علما سے ملاقاتوں کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ شیخ المشائخ حضرت سید توفیق الگیلانی (جو پچھلے دو برسوں سے عرس قادری بدایوں میں تشریف لارہے ہیں) سے ملنے کے لیے کل صبح بغداد سے اربیل جارہا ہوں-اور پھر کچھ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد فون رکھ دیا-کسے پتہ تھا کہ یہ آخری بات ہے! اب سوچتا ہوں کہ میری چند گھنٹوں کی بے تعلقی کے جرم میں میرے دوست میرے یار نے ایسا بدلہ لیا ہے اور مجھ سے یوں ناتا توڑا ہے کہ میری زندگی کی ڈور جب تک ٹوٹ نہیں جاتی، قرار نہیں آئے گا-

فون پر اس گفتگو کے پندرہ گھنٹوں کے بعد ۴؍مارچ کو شام ۴؍بجے عبدالعلیم آگئے، ہم نے عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد کچھ دیر گفتگو کی، اس گفتگو میں بھیا کا ہی تذکرہ ہوتا رہا، اس کے بعد میں نے اپنی کتاب عبدالعلیم کے حوالے کی اور خود جام نور کے تازہ شمارے کو فائنل کرنے میں لگ گیا-تقریباً پونے پانچ بجے ہمارے اور بھیا کے مشترکہ عزیز دوست ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی کا علی گڑھ سے فون آیا، احمد بھائی سے ہمارا کافی بے تکلفانہ رشتہ ہے، میں نے سوچا کہ فون اٹھا کر کہہ دوں کہ احمد بھائی ابھی بہت بزی ہوں، بعد میں بات ہوگی، فون اٹھانے کے بعد اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، احمد بھائی خلاف معمول نہایت سنجیدگی سے مجھ سے پوچھنے لگے کہ خوشتر صاحب! بغداد شریف میں سب خیریت سے تو ہے؟ میں نے ہنس کر کہا کہ جی ہاں! سب خیریت ہے، آپ اتنے سنجیدہ کیوں ہیں؟ کہنے لگے ابھی میرے ایک رشتہ دار نے بدایوں سے فون کرکے بتایا کہ خانقاہ میں خبر آئی ہے کہ بغداد میں بھیا کو گولی لگ گئی ہے-ان کی اس بات پر میں ہنسنے لگا اور عرض کی کہ آپ کو مذاق کے لیے کوئی اور بات نہیں ملی؟ کہنے لگے میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، میرے لہجے اور آواز سے آپ محسوس نہیں کر رہے ہیں کہ میں کتنا خوف زدہ ہوں! میرے ہاتھ پیر پھول رہے ہیں، آپ بغداد فون کرکے معلوم کیجیے، ان کی اس سنجیدگی سے میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی اور گزر گئی، میں نے فوراً ان سے کہا کہ آپ فون

رکھیے میں ابھی بغداد فون کرکے معلوم کرتا ہوں اور آپ کو بتاتا ہوں-میں نے کانپتے ہاتھوں سے بہت عجلت میں بھیا کے نمبر پر بغداد فون کیا، مگر ان کے بجائے ان کے چھوٹے بھائی مولانا عطیف قادری نے فون اٹھایا، میں نے سلام وکلام کے بغیر ان سے پوچھا کہ سب خیریت تو ہے؟ آپ نے بھیا کا فون کیسے اٹھالیا؟ انھوں نے ایک ہی سانس میں جواب دیا کہ ''ابھی کچھ دیر پہلے اربیل کے راستے میں ہماری کار پر کچھ انتہا پسندوں نے گولیوں سے حملہ کردیا اور شیخ صاحب شہید ہوگئے-'' میں زور سے چیخ پڑا، کیا بک رہے ہیں آپ؟ حالاں کہ ادباً میں اس لہجے میں ان سے بات نہیں کرتا-انھوں نے روتے ہوئے کہا کہ ''یہ صحیح ہے-'' میرے ہاتھوں سے فون گر پڑا، پورا بدن اس وحشت ناک خبر سے بری طرح کانپنے لگا اور میں زور زور سے چلانے لگا، میرے پورے گھر میں کہرام مچ گیا-کچھ لمحے کے بعد ہی بھیا کے چہیتے بہنوئی سید محمد اکرام رزاقی صاحب کا اورنگ آباد (مہاراشٹر) سے فون آیا، انھوں نے روتے ہوئے چیخ کر پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ میرا ''ہاں'' کہنا تھا کہ وہ دھاڑے مار مار کر رونے لگے، بعد میں پتا چلا کہ ان کا بلیڈ پریشر اتنا ہائی ہوگیا تھا کہ ان کے ایک آنکھ کی باریک رگ پھٹ گئی-اکرام بھائی کا فون رکھا ہی تھا کہ احمد بھائی کا دوبارہ فون آگیا، پھر وہی آہ وبکا اور چیخ وپکار-احمد بھائی کا فون رکھا تو حضرت امین ملت کا فون آنے لگا، میں اپنے آپے میں نہیں تھا، بس اتنا یاد ہے کہ کسی نے جھنجھوڑ کر مجھ سے کہا کہ حضرت کا فون ہے، اٹھائیے! میں نے فون اٹھایا تو حضرت نے نہایت دردناک لہجے میں اس خبر کی تصدیق چاہی، میں پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، حضرت بھی میری اس آہ وبکا میں شریک ہوگئے اور روتے ہوئے بھیا کے کارناموں اور علمی مرتبے کا ذکر کرنے لگے اور مجھ سے عطیف میاں کا نمبر طلب کیا-یہ حادثہ ہندوستانی وقت سے تقریباً ساڑھے چار بجے شام وہاں ہوا تھا اور صرف تین گھنٹے کے اندر اندر اس کی خبر پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی-پوری دنیا میں ہماری قربتوں کے چرچے عام تھے، اس لیے دنیا کے گوشے گوشے سے علما، مشائخ اور احباب کے فون آنا شروع ہوگئے-رات ۲؍بجے تک میرے موبائل کی گھنٹی مسلسل بجتی رہی، احباب تعزیت کے لیے میرے گھر آتے رہے، مگر مجھ پر گویا غشی طاری تھی، میں نہ کسی کا فون ریسیو کرسکا اور نہ ہی کسی سے کچھ کہہ سکا-

رات یوں ہی آنکھوں میں کٹی، صبح تک ہوش آیا تو خیال آیا کہ مجھے بدایوں جانا چاہیے، دل بے چین تھا اور کسی پل قرار نہیں آرہا تھا-صبح کی پہلی فلائٹ سے اکرام بھائی اپنے اہل خانہ کے ساتھ اورنگ آباد (مہاراشٹر) سے دہلی پہنچ گیے، انھیں لے کر میں اپنی گاڑی سے تقریباً گیارہ بجے بدایوں کے لیے نکل پڑا-راستے بھر پوری دنیا سے علما و مشائخ کے مسلسل فون آتے رہے، وہ بے چین تھے، غم زدہ تھے اور حادثے کی تفصیل جاننا چاہتے تھے، مگر میں ابھی بھی اس حادثے کی خبر دینے اور تعزیتی کلمات سننے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں کر پارہا تھا، یہ حادثہ رونما ہوچکا تھا، تاہم دل ودماغ اسے قبول کرنے سے انکار کر رہا تھا——اس سے پہلے جب بھی بدایوں جاتا تھا تو دیدہ ودل فرش راہ کیے میرا یار میرا منتظر رہا کرتا تھا، ہر ایک گھنٹے پر ان کا فون آتا تھا کہ ''کہاں پہنچے؟'' کبھی شوخی سے کہتے کہ ''کاروان شوق کہاں پہنچا؟'' کبھی پوچھتے کہ ''کہاں رکا ہوا ہے قافلہ بہار کا؟'' مگر آج کوئی پوچھنے والا نہیں تھا، پلکیں بچھائے کوئی انتظار کرنے والا نہیں تھا، سیکڑوں فون تو آرہے تھے، مگر وہ فون نہیں آرہا تھا جس سے راستے کی مسافتیں اور تکان مٹ جایا کرتی تھیں-آج بدایوں کا سفر بہت طویل اور تکلیف دہ ہوگیا تھا-

مغرب کے بعد ہم بدایوں شہر میں داخل ہوئے تو ایک عجیب ہو کا عالم تھا، پورے شہر کی دکانیں بند تھیں، ماحول پر سناٹا طاری تھا، جیسے پورے شہر میں کرفیو لگ گیا ہو، بعد میں پتا چلا کہ دو دنوں تک پورے ضلع میں ہزاروں گھروں کے چولہے ٹھنڈے پڑے رہے، بہت سے لوگ اس دردناک حادثے کی تاب نہ لاکر ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوگئے، گویا پورا شہر ماتم کدہ بن گیا تھا-اس شعر کو میں نے زندگی میں بار بار پڑھا اور سنا تھا کہ:

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی　　　اک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

مگر پہلی بار اس کی عملی تفسیر بھی دیکھ رہا تھا-خانقاہ پہنچا تو ایسا لگا کہ پورا شہر خانقاہ کے اطراف میں جمع ہوگیا ہے، ارادت مندوں کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر خانقاہ کے اس غم کو اپنے سینے میں جذب کرنے کے لیے بے چین تھا-اس سے پہلے جب بھی میں آیا کسی نہ کسی جشن یا خوشیوں میں شریک ہونے کے لیے آیا، آج پہلی بار کسی غم میں شرکت کے لیے آیا تھا اور یہ پہاڑ جیسا وزنی غم ایسا تھا کہ ساری خوشیاں اور سارے جشن مل کر بھی اس ایک

غم کا مداوا نہیں کر سکتے تھے ـــــ میں خانقاہ کے صدر دروازے سے جیسے ہی داخل ہوا مدرسہ قادریہ کے استاذ مولانا مجاہد قادری مل گئے، مجھے دیکھتے ہی بے تابانہ گلے لگ کر رو پڑے اور کہا کہ "آج اپنے دوست کو آپ کہاں چھوڑ آئے؟" ان کے اس جملے نے میرے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا -وہ مجھے لے کر بھیا کے سب سے چھوٹے بھائی مولانا فضل رسول عزام میاں کے پاس گئے، ان کے سینے سے لگ کر میں بے قابو ہو گیا-

میں دو دنوں تک وہاں رہا، اس بیچ پوری دنیا کے مدارس، خانقاہوں، تحریکوں، تنظیموں اور دیگر ملی و فلاحی اداروں سے کبار علما، مشائخ، احباب اور متعلقین کے فون آتے رہے، ہر شخص غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا اور سبھوں کی زبان پر بس یہی تھا کہ "حضرت علامہ اسید الحق کی شہادت اہل سنت و جماعت، اہل خانقاہ اور علم وادب کا بہت بڑا خسارہ ہے، جس کی تلافی دہائیوں تک ممکن نہیں-" دنیا کے گوشے گوشے میں تعزیتی مجلسیں منعقد کی جا رہی تھیں، ایصال ثواب کا اہتمام ہو رہا تھا، ہندوستان کی اکثر زبانوں کے اخبارات ان کی شہادت کی خبروں، تعزیتی مجالس کی رپورٹوں اور تعزیتی پیغامات سے بھرے پڑے تھے، ہندوستان کے مشاہیر اہل علم وقلم مضامین لکھ رہے تھے، فیس بک، ٹیوٹرز اور ذاتی بلاگ ماتم کدہ بن گئے تھے اور ہندو بیرون ہند کے متعدد ٹیلی ویژن چینلز ان پر خصوصی پروگرام نشر کر رہے تھے ـــــ میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے مشاہیر علما و مشائخ کو اس دنیا سے جاتے ہوئے دیکھا، مگر میں نے ان کے جانے کا اس قدر ماتم نہیں دیکھا اور نہ عام لوگوں کو اس قدر روتے بلکتے دیکھا- یہ ایسا غم تھا جو اہل سنت اور اہل خانقاہ کا مشترکہ غم بن گیا تھا- اس کی بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ ان تمام علما نے اپنی طبعی عمر گزار کر رخت سفر باندھا تھا اور اپنی پوری زندگی جی کر ہم سے علیحدگی اختیار کی تھی- لوگ ذہنی طور پر ان کی رخصتی کے لیے تیار تھے- لیکن ہمارے بھیا نے تو ابھی عمر کی ۳۸/ بہاریں ہی دیکھی تھیں اور اس چھوٹی سی عمر میں دین ومسلک کی سربلندی کے لیے مختلف شعبوں میں جتنا کام کر دیا تھا، دسیوں لوگ مل کر ۸۰/ سال جینے کے بعد بھی نہیں کر سکتے تھے- برصغیر کی ہماری مسلکی تاریخ میں اس کی مثال عنقا ہے- اس لیے ہندو پاک میں ماتم صرف دنیا سے ان کی رخصتی کا نہیں تھا، ماتم اس بات کا بھی تھا کہ ان کے جانے کے بعد اس دور قحط الرجال میں اب کیا ہوگا؟ کیوں کہ ایسی ہمہ جہت اور ہمہ صفت شخصیت، جسے لغت میں "نابغۂ عصر" اور "عبقری دہر" سے تعبیر کیا جاتا ہے، خال خال پیدا ہوتی ہے-

بدایوں میں بغداد کی پل پل کی خبریں مل رہی تھیں، مگر عطیف میاں یا حضرت شیخ گرامی (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ) سے براہ راست مجھے بات کرنے کی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی- ۶/ مارچ کی صبح کو خبر آئی کہ آج بعد نماز عصر احاطۂ غوث اعظم میں بھیا کی تدفین ہے اور ۷/ مارچ کو چل کر حضرت شیخ، عطیف میاں، حافظ عبد القیوم قادری اور حاجی اقبال کٹلری والا ۸/ مارچ کی صبح ۴/ بجے دہلی واپس آ رہے ہیں- میں بھیا کے ماموں جان مولانا سید محمد انور چشتی (پھپھوند شریف) کے ہمراہ ان حضرات کو ریسیو کرنے کے لیے ۷/ مارچ کی صبح کو دہلی کے لیے نکل گیا- ۸/ مارچ کی رات ۲/ بجے ہم لوگ ایئر پورٹ پہنچ گئے- حضرت شیخ کی صحت اور حالت کے پیش نظر مریدین ومتوسلین کو ان کی آمد کی خبر نہیں دی گئی تھی، بلکہ انھیں روکا جا رہا تھا، پھر بھی چاہنے والوں کو کون روک سکتا تھا! منع کرنے کے باوجود لوگوں کو کہیں سے اڑتی اڑتی خبر مل گئی اور سیکڑوں لوگوں کا ہجوم ایئر پورٹ پہنچ گیا- ہم لوگ ایئر پورٹ کے اندرونی حصے میں چلے گئے- کچھ دیر کے بعد بغداد کا یہ مختصر شکستہ دل قافلہ آتا ہوا دکھا- حضرت بہت کمزور اور تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے اور بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے باہر تشریف لا رہے تھے- آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے انتہائی کرب اور درد کے آثار نمایاں تھے- ان کی حالت اور صحت کا خیال کرتے ہوئے لوگوں کو ضبط سے کام لینے کی تلقین کر دی گئی تھی- باہر آتے ہی حضرت نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ سارے حاضرین کو ضبط کا یارا نہ رہا اور وہ بلک کر رو پڑے اور حضرت کی حضور غوث اعظم سے بے محابا عقیدت اور ان کی نسبت غلامی پر رشک کرنے لگے- حضرت نے گلوگیر لہجے میں آنسوؤں کے ساتھ فرمایا:

"میں اپنی سب سے قیمتی چیز حضور غوثیت مآب میں نذر کر کے آ رہا ہوں، اگر حضور قبول فرمالیں تو میں پوری زندگی اس پر فخر کرتا رہوں گا-"

حضور غوث اعظم اور ان کے خانوادے سے ایسا عشق اور ایسی عقیدت نہ ہم نے دیکھی اور نہ سنی- حضرت کی اس گفتگو کو سن کر میں اپنا غم بھول

گیا- میں سوچنے لگا کہ اس دنیا میں سب سے بڑا غم اور سب سے بڑا بوجھ بوڑھے باپ کے کاندھوں پر جوان بیٹے کا جنازہ ہوتا ہے اور وہ بھی ایسے بیٹے کا جنازہ جس کے علمی مرتبے، قابل تقلید کارنامے اور اعلیٰ کردار ومحاسن پر دنیا رشک کرے، یہ بوجھ کتنا وزنی، کتنا تکلیف دہ اور کتنا درد آگیں ہوگا، اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا- مگر ہمارے حضرت کو رب مقتدر نے ایسا صبر عطا فرمایا تھا کہ نہ صرف خود کو سنبھالا، بلکہ ہزاروں ارادت مندوں، جان چھڑکنے والوں اور اہل خانہ کو اپنے دامن کرم میں سمیٹ لیا تھا- خدانخواستہ اگر آپ صبر کھو بیٹھتے تو نہ جانے کتنے چاہنے والوں اور جاں نثاروں کے جنازے اٹھتے ہوئے نظر آتے-

ہماری رفاقت، قرابت اور محبت کا دورانیہ دو چار سال نہیں بلکہ ربع صدی پر محیط ہے، گزرے پچیس برسوں میں میں نے انھیں "بھیا" سے لے کر "شیخ صاحب" تک اور "اسید میاں" سے لے کر "ممتاز ناقد ومحقق" اور "عالم ربانی" تک کا سفر طے کرتے ہوئے دیکھا ہے- معاصرت کسی معاصر کے بڑپن کے اظہار میں ہمیشہ مانع ہوتی ہے اور کسی سے قربت اس کی کمزوریوں سے متعارف بھی کراتی ہے- مگر مجھے برملا یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ میں ان سے جتنا قریب ہوتا گیا، ان کی مقناطیسی شخصیت، علمی مراتب، جذبۂ دین پروری، انابت الی اللہ، بلند کردار، اعلیٰ ظرفی، حیا، تواضع، انداز تعظیم وتکریم، سخن فہمی، سخن دانی، سخن سنجی، سنجیدہ ومتین لب ولہجہ، زندگی کے ساتھ ان کا رویہ اور طرز عمل کا معترف ہوتا چلا گیا- وہ اپنے ڈھب کا ایک مثالی شخص تھا، جسے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے جد وجہد کرنے والوں کے سامنے "آئیڈیل" کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا تھا- وہ برصغیر میں رہنے والے ہزاروں علما اور طلبہ کے لیے "آئیڈیل" بھی تھے- میں نے بھی ہمیشہ انھیں اسی حیثیت سے دیکھا اور ان کی قربتوں کو اپنی زندگی کا انمول سرمایہ سمجھا- لوگوں نے ہماری قربتوں کو کئی معانی پہنائے اور ان کے مفروضہ مطالب نکالے، لیکن ہماری یہ قربت اور دوستی دین و مسلک کے حوالے سے امت کی فکری تشکیل نو کے لیے اُس مشترکہ سوچ اور ہدف کا نتیجہ تھی جس کے لیے ہم مل کر تگ ودو کر رہے تھے-

ہاں! اس مشترکہ فکر وعمل کے ساتھ ان کے سر پر ایک اضافی اور بہت بڑی ذمہ داری بھی تھی، اور وہ تھی "اپنی عظمت رفتہ کی تلاش" اور اپنے "بزرگوں کے علمی وفکری قرض سے سبک دوشی-" جس کی ادائیگی کے لیے انھوں نے اپنی زندگی کا سکون وآرام تج دیا تھا- ان کی زبان پر ہر دم اپنا ہی کہا ہوا یہ شعر ہوا کرتا تھا کہ:

اب ایک پل کی بھی فرصت نہیں ہے عاصم کو وہ اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہے

یہ شعر نہیں گویا ان کی زندگی کا وظیفہ تھا- یہی وظیفہ انھیں ایک لمحے کو بھی سانس لینے کی فرصت نہیں دیتا تھا- ہر لمحہ مطالعے میں غرق رہتے، لائبریریوں کی خاک چھانتے، منصوبے بناتے، ان منصوبوں کی تکمیل کے لیے کوشاں رہتے، اپنے ادارے کے طلبہ کو مختلف علوم وفنون پڑھاتے، قرآن وحدیث کا درس دیتے، علمی وفکری موضوعات پر توسیعی خطاب کرتے، عصری اور دینی طلبہ کے لیے سمر کلاسیز کا اہتمام کرتے، تحقیقی وعلمی مضامین لکھتے، اچھوتے اور علمی موضوعات پر اعلیٰ درجے کی تحقیقات پیش کرتے، کتابیں لکھتے، اکابر خانوادہ کی سیکڑوں تصنیفات کو از سر نو سلسلہ وار مرتب کرتے، ان کی تخریج کرتے، ان پر بیش قیمت حواشی اور مقدمے لکھتے اور ان کی اشاعت کا سامان کرتے، علمی مباحث میں ناقدین کا علمی جواب دیتے، مختلف علمی وفکری موضوعات پر سیمینارز، کنونشنس اور کانفرنسیز کا انعقاد کرتے، خانقاہ اور مدرسے کی تعمیر وتوسیع کے لیے نت نئے منصوبے عمل میں لاتے اور دنیا بھر میں پھیلی عصری ودینی دانش گاہوں میں ہونے والی علمی مجلسوں اور پروگراموں میں شریک ہوتے- گویا دس سال کی مختصر سی مدت میں انھوں نے اتنا اور وہ کچھ کر دکھایا جو، اب ہماری دینی ومسلکی تاریخ کا ایک حصہ بن گیا ہے- انہی کاموں نے دنیا بھر میں انھیں وہ مقبولیت اور شہرت بھی عطا کی، جس کے لیے خاصان علم وفن مدتوں ترستے ہیں- اپنی ان تمام کاوشوں کو وہ اللہ رب العزت کا فضل وکرم، حضور غوث اعظم سے نسبت غلامی کا فیضان، حضور آل احمد اچھے میاں کی توجہات وعنایات اور اپنے والد وشیخ کی مستجاب دعاؤں اور تعلیم وتربیت کا نتیجہ سمجھتے تھے-

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ دین ومسلک کی اشاعت اور اپنی عظمت رفتہ کی تلاش صرف علمی لیاقت کے اظہار اور بے شمار کارنامے انجام دے کر نہیں ہو سکتی اور نہ محض ان کے ذریعے اپنے بزرگوں کا سچا وارث اور جانشین بنا جا سکتا ہے، اس کی تکمیل بلند کرداری، اعلیٰ اخلاق ومحاسن، تواضع اور

انکساری، جذبۂ دین پروری، مثبت فکر وعمل، اعلیٰ ظرفی، خلوص وللّٰہیت اور دین داری کے ذریعے ہی ہوسکتی ہے- چنانچہ گزرتے وقت کے ساتھ انھوں نے نہ صرف اپنے آپ کو مذکورہ صفات کا حامل بنایا، بلکہ اپنے اعزہ، تلامذہ، مریدین اور احباب کو بھی انھی صفات کا پیکر بننے کی تلقین کرتے- نماز پنج گانہ کے ساتھ تلاوت کلام پاک اور اوراد ووظائف کی پابندی کرتے، ہردم رجوع الی اللہ کی فکر دامن گیر رہتی، ہر چھوٹے بڑے سے جھک کر نہایت عاجزی وانکساری سے ملتے، بڑوں کا حد درجہ احترام کرتے، اپنے سے بڑے عالم وشیخ کی دست بوسی کرنے کی کوئی وجہ تلاش کرلیتے، خانقاہوں میں نہایت ادب واحترام کے ساتھ حاضر ہوتے، شہزادگان مارہرہ کا کہا ماننے اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنا شرف سمجھتے، اپنے مخالفین کی بھی بدگوئی کرنے سے پرہیز کرتے، مسلکی اختلافات وتنازعات سے دور ونفور رہتے، اپنے اوپر کی جانے والی جارحانہ ومعاندانہ تنقیدوں اور پھکڑ پن کا کبھی جواب نہیں دیتے، کسی بھی مسئلے میں تشدد اور غلو نہیں کرتے، کام کرنے والوں کو اپنے سے قریب رکھتے اور ان کے کاموں پر خوش ہوتے، حوصلہ افزائی کرتے اور حتی الامکان ہر طرح کی امداد سے دریغ نہیں کرتے-

یہ وہ صفات تھیں جو انھیں ورثے میں ملی تھیں اور بہت عزیز تھیں، جنھیں ساری زندگی انھوں نے حرز جاں بنائے رکھا- غالباً انھی صفات کا حامل ایک عالم، عالم دین سے ''عالم ربانی'' بن جاتا ہے- ان کے اس طرز عمل کو دیکھ کر میں اکثر ان سے کہتا تھا کہ ''آپ نے تو اسی عمر میں مشیخت کی قبا پہن لی ہے-'' جواب میں فرماتے کہ ''دراصل انھی صفات کا حامل ایک مسلمان، مومن کامل کہلاتا ہے، تصوف بھی اسی کا نام ہے- ہم لوگ دین کے خادم ہیں، اس لیے ہمارا کردار اور طرز عمل بھی ایسا ہی ہونا چاہیے-'' آج یہ اعتراف بھی دنیا پڑھ لے کہ میرے پاس فکر وعمل کی جو کچھ بھی پونجی ہے، اس کی تعمیر وتشکیل میں ان کی صحبتوں اور رفاقتوں کا بہت بڑا حصہ ہے- میں ان کی فکر ومنصوبے اور عملی زندگی کے لمحے لمحے کا گواہ بن کر جیا اور میں اپنے فکر وعمل کی زمام بھی انھی کو سونپ دی، ایک دوسرے کے بغیر ہم نے عملی زندگی کا تصور ختم کردیا تھا، ہمارے جذبوں کی شدت نے تمام زمانی اور مکانی فاصلے ختم کردیے تھے اور ہم نے اپنے آپ کو الگ الگ رکھ کر کبھی نہیں سوچا تھا- ہمارا حال تو یہ تھا:

تو اس قدر مجھے اپنے قریب لگتا ہے — تجھے الگ سے جو سوچیں عجیب لگتا ہے

ان کے جانے کے بعد اکثر انھیں مخاطب کرکے کہتا ہوں، روتا ہوں، تڑپتا ہوں کہ آپ کے بغیر یہ پہاڑ جیسی زندگی کتنی بے رنگ ونور ہوگی؟ ہم نے ملت کی تعمیر وتشکیل کے لیے جو منصوبے بنائے تھے وہ کیسے پایۂ تکمیل کو پہنچیں گے؟ وہ بے شمار کتابیں جنھیں لکھتے لکھتے آپ چلے گئے انھیں اب کون مکمل کرے گا؟ آپ نے اپنی خانقاہ اور اداروں کی تعمیر وتوسیع کا جو آغاز کیا تھا، اسے انجام تک کون پہنچائے گا؟ یہ عطیف میاں، یہ عزام میاں، جن کے اچھے کاموں کو دیکھ کر آپ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے، اب ان کی علمی وفکری رہنمائی کون کرے گا؟ اپنے حضرت کی تنہائی اور صحت کی آپ کو ہمیشہ فکر رہا کرتی تھی، اب ان کا خیال کون رکھے گا؟ یہ عبدالعلیم جسے آپ بے حد چاہتے تھے، اپنے مستقبل کا دست وبازو سمجھتے تھے، اب اس کی تعلیم وتربیت کون کرے گا؟ جب بھی ہم ٹھوکریں کھاتے تھے، ہم سے علمی وفکری لغزشیں ہوتی تھیں، آپ ان کی اصلاح کردیا کرتے تھے، اب ہم پر یہ الطاف کریمانہ کون کرے گا؟ ہمیں ان سوالوں کے جواب نہیں ملتے ہیں اور دماغ ماؤف ہونے لگتا ہے تو یہ شکوہ زبان پر آجاتا ہے:

یہ اپنے چاہنے والوں کا حال کرتے ہو! — کمال کرتے ہو صاحب کمال کرتے ہو

پھر یہ سوچتا ہوں کہ اس دنیا میں جو آیا ہے اسے ایک دن جانا ہے، آج وہ گئے، کل ہمیں بھی جانا ہے، اس تلخ سچائی سے منہ موڑنا مومن کا شیوہ نہیں ہے- اس خیال کے ساتھ ہی شکستہ حوصلے پھر سے جڑنے لگتے ہیں اور سرد ہوتی نبضوں میں پھر سے حرارت پیدا ہوجاتی ہے کہ ہمارے بھیا اس دنیا میں ایک شخص نہیں بلکہ تحریک بن کر رہے ہیں، اسید الحق چلے گئے، مگر تحریک زندہ ہے، خانقاہ پر حضرت شیخ کا سایہ سلامت ہے جن کی نگاہ کیمیا اثر نے ہی انھیں زمانے بھر میں آفتاب بنایا تھا، ان کے دو جواں سال، جواں عزم اور اعلیٰ علم وفکر کے حامل بھائی زندہ ہیں، ان کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ تلامذہ کا وجود باقی ہے اور زبان وقلم اور علم وفکر سے لیس احباب کا کارواں موجود ہے- ہم سبھوں کو مل کر ان کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کرنا ہے اور اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا ہے، جسے وہ ہمیشہ دیکھا کرتے تھے- اللہ ہمارا حامی وناصر ہو- □□□

غوث اعظم نے شیخ صاحب کو قبول فرمالیا

حضرت غوث اعظم سے خانوادۂ عثمانی کی نسبت غلامی اور شیخ اسید الحق قادری کی داستان شہادت مولانا عطیف قادری کی زبانی

عالم ربانی شہید بغداد علامہ اسید الحق عاصم قادری علیہ الرحمہ کی شہادت کی خبر برصغیر کی علمی، ادبی، مذہبی اور روحانی حلقوں میں بجلی بن کر گری، سب حیران وششدر تھے کہ اتنا بڑا سانحہ کیسے ہوا؟ ہر شخص اس حادثے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا- اس کے لیے میں نے شہید بغداد کے برادر عزیز مولانا عبدالغنی محمد عطیف میاں قادری، جو سانحے کے عینی شاہد ہیں، کا تفصیلی انٹرویو لیا- اس انٹرویو میں سانحے کی تفصیلات کے ساتھ شہید بغداد کے آخری سفر بغداد کی روداد، خانوادۂ قادری عثمانی بدایونی کی غوث اعظم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اور ان کی آل سے گہری وابستگی، محبت اور شیفتگی اور خانوادۂ قادری بغداد کے ساتھ خانوادۂ عثمانی بدایوں کے روابط کی نوعیت اور تاریخ بھی شامل ہوگئی ہے- امید ہے کہ قارئین کے لیے یہ معلومات نئی بھی ہوں گی اور ایمان افروز بھی- (**خوشتر نورانی**)

خوشتر نورانی: سب سے پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ کے خانوادے میں حضرت سیدنا غوث اعظم سے نسبت غلامی کی ابتدا کب سے ہوئی؟

مولانا عطیف قادری: ہمارے جد اعلیٰ حضرت قاضی دانیال قطری جو حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید وخلیفہ اور سلطان الہند خواجہ غریب نواز کے پیر بھائی تھے، جب ہندوستان تشریف لائے اسی وقت سے ہی ہمارے خاندان میں بیعت وارادات اور طریقت وتصوف کا سلسلہ رہا ہے- جب افضل العبید حضرت شاہ عین الحق مولانا عبدالمجید کا زمانہ آیا، آپ پڑھ کر فارغ ہوگئے، علوم سے فراغت کے بعد بیعت ہونے کے لیے آپ کو شیخ طریقت کی تلاش ہوئی- اُس زمانے میں تقریباً پورا بدایوں مارہرہ مطہرہ سے مرید تھا اور مارہرہ میں شمس مارہرہ آل احمد حضور اچھے میاں کا دور تھا، ہمارے خاندان کے اکثر لوگ وہاں سے ہی مرید تھے، اس لیے شاہ عین الحق سے بھی کہا گیا کہ مولانا! تم بھی حضور اچھے میاں سے مرید ہوجاؤ، وہ مارہرہ مطہرہ گئے، لیکن علمی طنطنہ اتنا تھا کہ کوئی نگاہوں میں جچتا ہی نہیں تھا، اس لیے مرید ہوئے بغیر واپس آگئے اور بدایوں کے مشہور آستانہ ''بڑے سرکار'' میں آکر قیام کیا، رات میں سو رہے تھے کہ خواب میں آپ نے دیکھا کہ حضور غوث اعظم کا دربار لگا ہوا ہے اور اس میں ایک طرف حضور اچھے میاں بیٹھے ہوئے ہیں، دوسری طرف حضرت بابا فرید گنج شکر بھی بیٹھے ہوئے ہیں، غوث پاک نے حضرت بابا فرید کو کچھ اشارہ کیا، وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور شاہ عین الحق کا ہاتھ پکڑ کر حضور اچھے میاں کے ہاتھ میں دے دیا- یہ خواب دیکھ کر آپ کی آنکھ کھلی اور آپ نے وہیں سے رخت سفر باندھا اور سیدھے مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور حضور اچھے میاں کے قدموں پر گر گئے اور مرید ہوگئے اور ایسے مرید ہوئے کہ اپنا وطن بدایوں چھوڑ دیا- جب تک شمس مارہرہ اپنی ظاہری حیات کے ساتھ مارہرہ میں رہے، حضرت شاہ عین الحق نے بھی اپنی عمر کا بیشتر حصہ مارہرہ شریف میں گزارا- حضور غوث اعظم سے نسبت غلامی کا جو سلسلہ وہاں سے شروع ہوا، اللہ کا شکر ہے کہ وہ آج تک قائم ہے- اس میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ جس محبت وعقیدت سے حضرت شاہ عین الحق حضور اچھے میاں سے منسلک ہوئے، ان کا دامن تھاما اور ان کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالا، ہماری چھ نسلیں گزر گئی ہیں، مگر آج تک وہی محبت، وہی عقیدت اور وہی رشتۂ غلامی مارہرہ شریف سے قائم ہے-- جس طرح حضرت شاہ عین الحق مارہرہ مطہرہ کے بچے بچے کا، خدام کا، جھاڑو لگانے والے اور نالی صاف کرنے والے کا ادب کرتے تھے، ویسا ہی ادب آج بھی ہمارے خاندان میں ہے- اس میں ہماری کوئی خصوصیت نہیں، یہ شمس مارہرہ کا کرم ہے کہ انہوں نے ہمارے خانوادے کو ایسا پسند کیا کہ آج تک اپنی غلامی میں رکھا ہوا ہے-

دوسری بات یہ کہ ہمارے خانوادے کو جونسبت شمس مارہرہ کے ذریعے حضور غوثیت مآب سے ملی ہے وہ بھی ویسی ہی آج تک قائم ہے بلکہ اس میں ہر دن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، جب کہ اس نسبت اور تعلق کی ابتدا کو دو سو سال گزر گئے۔

خوشتر نورانی: بغداد شریف جانے کا سلسلہ آپ کے خانوادے میں کب سے شروع ہوا؟

مولانا عطیف قادری: حضرت شاہ عین الحق بیعت ہونے کے بعد زیادہ تر حضور شمس مارہرہ کے پاس ہی رہتے تھے، اس لیے انہیں کہیں جانے کی فرصت ہی نہیں ملی، ان کے بغداد جانے کا ذکر بھی کہیں نہیں ملتا۔ ہمارے خانوادے سے بغداد جانے کی ابتدا، ان ہی کے صاحبزادے اور جانشین سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول سے ہوتی ہے۔ ''اکمل التاریخ'' میں ذکر ہے کہ ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء میں سیف اللہ المسلول پہلی بار بغداد شریف حاضر ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا جب وہاں کے صاحب سجادہ اور نقیب الاشراف حضرت سید علی الگیلانی تھے۔ سیف اللہ المسلول کی یہ پہلی حاضری تھی اور خانوادۂ غوث اعظم سے کوئی شناسائی نہیں تھی، تاہم وہ شمس مارہرہ کے فیض اور ان کے وسیلے سے وہاں گئے تھے اور غوث پاک کے سچے عاشق بھی تھے، اس لیے وہاں ان پر ایسی نوازشات اور ایسی پذیرائی ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ جب صاحب سجادہ سید علی الگیلانی کو معلوم ہوا کہ ہندوستان سے مولانا فضل رسول آئے ہیں تو آپ اپنی نشست سے اٹھ کر دروازے پر آ گئے اور وہاں سے ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لائے اور اپنے برابر میں اپنی نشست اور سجادے پر بٹھالیا، پھر آپ نے انھیں اپنی خاندانی خلافتیں اور اجازتیں عطا فرمائیں اور یہ بھی کہا کہ مولانا! میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے سید سلمان الگیلانی کو آپ پڑھائیں اور اجازت دیں۔ حکم کے مطابق سیف اللہ المسلول نے ولی عہد آستانہ حضور غوث اعظم کو پڑھایا اور اجازت بھی دی۔ پھر تو یہ سلسلہ چل پڑا، اس کے بعد کئی بار سیف اللہ المسلول بغداد حاضر ہوئے۔ اس کے بعد تاج الفحول سیدنا شاہ عبدالقادر کی متعدد بار حاضری ہوئی، ان کے بعد سرکار صاحب الاقتدار شاہ عبدالمقتدر اپنے زمانے میں حاضر ہوتے رہے، پھر ہمارے دادا مفتی اعظم سلطنت آصفیہ شاہ عبدالقدیر مسلسل جاتے رہے، ان کے بعد میرے والد گرامی تاجدار اہل سنت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری کا اب تک یہی معمول ہے۔

خوشتر نورانی: آپ کے اکابر خانوادہ اب تک کتنی بار بغداد کی حاضری سے مشرف ہو چکے ہیں؟

مولانا عطیف قادری: سیف اللہ المسلول، حضرت تاج الفحول اور سرکار صاحب الاقتدار کے بارے میں کہنا مشکل ہے کہ وہ کتنی مرتبہ بغداد حاضر ہوئے، یہ حضرات متعدد بار گئے۔ مگر حاضری کا یہ ریکارڈ ہمارے دادا مفتی اعظم سلطنت آصفیہ مولانا شاہ عبدالقدیر سے بننا شروع ہوا۔ وہ پینتالیس سال لگا تار بغداد شریف حاضر ہوئے اور ان کے آخری سفروں میں ہمارے والد گرامی بھی ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۰ء میں ہمارے دادا حضرت کا وصال ہوا اور اس کے بعد سے ہمارے والد حضرت تاج دار اہل سنت کی حاضری شروع ہوئی ہے، جو الحمدللہ آج تک قائم ہے۔ یہ بھی اعزاز شاید کسی کے پاس نہ ہو کہ ۴۵؍ سال لگا تار ہمارے دادا کی حاضری اور ان کے وصال سے لے کر اب تک والد ماجد کی حاضری ہوتی رہی ہے۔ پھر ہمارے حضرت والد ماجد کے ساتھ ہم بھائیوں اور دیگر اہل خانہ کو بھی متعدد بار حضوری کا شرف حاصل ہوا ہے۔

خوشتر نورانی: حضور غوث اعظم کے خانوادے سے آپ کے خانوادے کے رشتۂ محبت کے بارے میں کچھ بتائیں؟

مولانا عطیف قادری: اگر اس سوال کی تفصیل میں جاؤں تو ایک دفتر درکار ہے۔ ہمارے خانوادے کا حضور غوث اعظم کے خانوادے سے تعلقات کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ جب حضرت سیف اللہ المسلول پہلی بار ۱۸۶۱ء میں وہاں حاضر ہوئے تو نقیب الاشراف حضرت سید علی الگیلانی ان کے استقبال کے لیے باہر تشریف لے آئے اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہاتھ پکڑ کر اپنی نشست گاہ پہ آئے اور اپنے ساتھ سجادے پر بٹھالا، اپنے صاحب زادے اور ولی عہد کو پڑھوایا اور اجازت دلوائی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایسا تعلق اور ایسا اعزاز ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے کو حاصل ہوا ہو۔

جب تاج الفحول کی ۱۲۹۰ ہجری میں پہلی حاضری ہوئی تو اس وقت حضرت سید علی الگیلانی کا انتقال ہو چکا تھا، آپ کے صاحبزادے حضرت سید سلمان الگیلانی صاحب سجادہ اور نقیب الاشراف تھے، جب آپ آستانے میں حاضر ہوئے تو آپ کا دربار لگا ہوا تھا، حضرت تاج الفحول جا کر بیٹھ گئے، آپ نے ادبا سوچا کہ میں دور ہی رہوں مگر جیسے

حضرت سید سلمان الگیلانی کی آپ پر نظر پڑی، آپ نے فرمایا:

''انت ابن فضل رسول؟''

(کیا آپ فضل رسول کے بیٹے ہیں؟)

تاج الفحول لکھتے ہیں کہ میں اس سوال پر تھر تھر کانپنے لگا، قریب تھا کہ میں بے ہوش ہو جاتا۔ انہوں نے اپنے پاس بلایا تو میں قدموں پہ گر گیا۔ تاج الفحول فرماتے ہیں کہ وہاں آپ نے ایک شعر بھی پڑھا:

فان فضل رسول الله ليس له

حد فيعرب عنه ناطق بفم

یہ نوازش اور تعلق کی بات ہے۔ پھر تاج الفحول کی حاضریاں ہوتی رہیں، صاحبزادگان اور دیگر خاندان والوں سے خوب جان پہچان ہوتی رہی، جب تاج الفحول کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر پہلی بار تشریف لے گئے تو آپ کو دیکھتے ہی وہاں کے صاحب سجادہ نے کہا کہ ''یہ فضل رسول کے پوتے ہیں، اِن کی اور اُن کی شکل میں کوئی فرق نہیں ہے، بس یہ کہ ان کی ڈاڑھی ذرا لمبی ہے۔''

حضرت سیف اللہ المسلول کے بعد سے یہ ہونے لگا کہ جب بھی ہمارے خاندان کا کوئی فرد وہاں جاتا تو چرچا عام ہو جاتا کہ بدایوں سے شاہ فضل رسول کے خاندان والے آئے ہوئے ہیں، پھر پورے عراق کے علما و مشائخ اور خانوادۂ غوث اعظم کے تمام افراد ملنے آیا کرتے، اپنے گھروں کو لے جاتے اور دعوتیں کرتے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، جب سرکار صاحب الاقتدار مولانا شاہ عبدالمقتدر کا وصال ہو گیا اور ان کے بعد ہمارے دادا مفتی اعظم سلطنت آصفیہ مولانا شاہ عبدالقدیر نے مسند سنبھالی۔ صاحب سجادہ بننے کے بعد جب آپ تسلسل کے ساتھ بغداد شریف جانے لگے تو عالم یہ ہو گیا کہ خانوادۂ غوث اعظم کا ہر فرد آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ وہاں کے نقیب الاشراف اور سجادگان آپ سے بے حد محبت فرمانے لگے۔ حد یہ ہو گئی کہ حضور غوث اعظم کی درگاہ پر بیٹھنے والے فقیر، درویش، ملنگ، مانگنے والے، خدام، جاروب کش، حتی کہ درگاہ کے آس پاس کے دکان دار ہمارے دادا سے اتنے واقف، مانوس اور شناسا ہو گئے کہ ہر ایک کی زبان پر ''مولوی عبدالقدیر، مولوی عبدالقدیر'' ہوا کرتا تھا۔ ہمارے دادا کو ''مولوی'' کا خطاب دربار غوث اعظم سے ہی ملا۔ ہندوستان سے جب ہمارے دادا جایا کرتے تو بڑے اہتمام سے جاتے، حضور غوث اعظم کے پورے خاندان سے ان کی شناسائی تھی اور بچے بچے سے وہ واقف تھے، اس لیے جب جاتے تو خاندان کے جو بچے پڑھ رہے تھے ان کے نام سے ڈائری وغیرہ چھپا کر لے جایا کرتے، ہر شہزادے کے لیے ڈائریوں پر الگ الگ نام لکھوا کر لے جاتے اور سبھوں کے لیے تحفے تحائف لے جاتے۔ وہاں پہنچ کر آپ تمام خاندان کی بڑی پرتکلف دعوت کیا کرتے۔ خانوادے کے تمام شہزادے بھی فرداً فرداً اپنے گھروں میں آپ کی دعوت کرتے۔

آپ ہر سال حضور غوث اعظم کے مزار مبارک کے لیے اپنے ساتھ ایک بیش قیمت غلاف تیار کر کے لے جاتے تھے۔ اور یہ شرف بھی مجھے نہیں لگتا کہ کسی اور کو ملا ہو کہ جو غلاف آپ اپنے ساتھ لے جاتے تھے، سال بھر وہی غلاف حضور غوث پاک کے مزار پر چڑھا رہتا تھا، پھر اگلے سال جب جاتے تو نیا غلاف لے کر جاتے، اسے چڑھاتے اور پرانا غلاف اتار کر وہاں جمع کر دیتے۔ یہ سلسلہ ۴۵؍ برسوں تک چلتا رہا۔ ان کے علم و فضل اور خانوادۂ غوث پاک سے اس گہرے تعلق کی وجہ سے بصرہ سے لے کر بغداد تک ہر آدمی آپ کو جانتا تھا، وہاں کے کبار علما، مشائخ، شعرا، فقہا، یہاں تک کہ امرا اور وزرا آپ کو جانتے تھے۔

یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے، ایک بار ہمارے دادا درگاہ حضور غوث اعظم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک فوجی جنرل اپنی وردی میں آیا اور اس نے پوچھا: ''مولوی عبدالقدیر کون ہیں؟'' تو لوگ گھبرا گئے کہ ایک فوجی یہاں کیوں آیا ہے، مزید یہ کہ اس وقت ہندوستان کے حالات بھی اچھے نہیں چل رہے تھے، تاہم آپ نے فرمایا کہ ''میں ہوں عبدالقدیر'' یہ سنتے ہی وہ آپ کے قدموں پہ گر گیا اور کہنے لگا کہ ''میں بہت خواہش مند تھا کہ میں حضور غوث پاک کا مرید ہو جاؤں یا حضور غوث پاک اشارہ فرما دیں کہ فلاں سے مرید ہو جاؤ، چنانچہ مجھے خواب میں حضور غوث پاک نے بشارت دی کہ اگر تم مجھ سے مرید ہونا چاہتے ہو تو مولوی عبدالقدیر سے مرید ہو جاؤ، اس طرح آپ نے اس کو مرید کر لیا۔

اسی طرح حضرت پیر ابراہیم الگیلانی جو وہاں کے سجادہ نشین اور نقیب الاشراف تھے، ایک بار ان کی طبیعت کافی خراب ہو گئی، اس سفر میں تاج دار اہل سنت بھی شامل تھے، انھوں نے میرے دادا سے فرمایا کہ: ''مولوی! میری طبیعت خراب رہتی ہے، تم اپنے غوث پاک سے کہہ دو کہ میں صحیح ہو جاؤں۔'' اس پر ہمارے دادا رو پڑے اور عرض کی کہ

''حضور! ہم تو آپ کے غلام ہیں، آپ ہماری سفارش کیجیے نہ کہ ہم آپ کی سفارش کریں-'' تو آپ نے فرمایا کہ ''مولوی تم کتنا بھی چھپاؤ مگر میں جانتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر غوث پاک کی جو نظر تمہارے اوپر ہے وہ کسی پر نہیں ہے-''

ہمارے دادا جب بھی بغداد حاضر ہوتے تو آستانہ غوث اعظم کے مہمان خانے میں انھیں ٹھہرایا جاتا تھا، وہیں شہزادگان اور سجادگان کے گھر بھی تھے، اکثر یہ ہوتا تھا کہ خانوادے کا کوئی بزرگ آیا، اس نے اپنے پاس بٹھالیا، کبھی کوئی نوجوان آیا، اس نے ہمارے دادا کے ساتھ گفتگو چھیڑ دی، یہاں تک کہ خانوادے کے چھوٹے بچے شام کو سائیکل چلانے کے لیے آتے تو اکثر دیکھا گیا کہ چھوٹا بچہ سائیکل چلا رہا ہے اور پیچھے پیچھے مفتی عبدالقدیر اس کی سائیکل پکڑے ہوئے اسے سائیکل چلانا سکھا رہے ہیں یا کھیلتے کھیلتے انہوں نے کہہ دیا کہ مولوی صاحب! یہاں کھڑے ہو جایئے، یہاں ہماری گیند آئے تو اٹھا کر ہمیں دے دیں تو ان بچوں کی دل جوئی کے لیے ان کے ساتھ کھیل رہے ہیں، گویا بڑوں کے ساتھ بچوں میں بھی ان کی مقبولیت تھی- کبھی گھریلو باتوں میں بھی انھیں شریک کیا جاتا تھا-

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ ہمارے پیر و مرشد اور والد گرامی کی پیدائش سے پہلے حضرت سید سالم الگیلانی صاحب سجادہ اور متولی ہوا کرتے تھے- انھوں نے ہمارے دادا سے پوچھا کہ: ''مولوی! تمہارے کتنے بیٹے ہیں؟ انہوں نے کہا: ''حضور میرے دو بیٹے ہیں'' تو فرمایا کہ ایک تیسرا بھی ہوگا اور اس کا نام میرے نام پر ''سالم'' رکھنا- ہمارے حضرت کا یہ نام بھی غوث پاک کے شہزادے اور ان کے سجادہ نے رکھا ہے- اہل خانہ نے حضرت والد ماجد کے کئی نام رکھے، مگر یہ غوث پاک کا کرم ہے کہ وہ پوری دنیا میں ''سالم میاں'' کے نام سے پہچانے گئے-

ہمارے دادا کے بعد حضرت والد ماجد کا دور آیا، حضرت کی پہلی حاضری تو اپنے والد ماجد کے ساتھ ہوئی تھی، پھر ۱۹۶۲ء میں جب آپ سجادہ بننے کے بعد پہلی مرتبہ بغداد حاضر ہوئے تو حضرت پیر ابراہیم گیلانی کا زمانہ تھا- حضرت پیر ابراہیم کا معمول یہ تھا کہ اپنے گھر سے جب صبح کو درگاہ تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے درگاہ میں حاضری دیتے، اسمائے حسنیٰ کا ورد کرتے، سب کے لیے دعا کرتے، پھر اپنی مسند پر دیوان خانے میں آ کر بیٹھ جاتے تھے- جب حضرت والد ماجد بغداد شریف پہنچے تو حضرت پیر سید ابراہیم نے فرمایا کہ: ''سالم! گھر پر آنا'' حضرت نے عرض کی کہ ''حضور میں نے آپ کا گھر دیکھا ہی نہیں ہے، آپ سے تو روزانہ یہاں درگاہ شریف میں ہی ملاقات ہو جاتی ہے-'' تو آپ نے فرمایا: ''میں اپنے ڈرائیور کو بھیج دوں گا'' دوسرے دن صبح کو حضرت کو ڈرائیور بھیج کر اپنے گھر بلوالیا- حضرت پر پیر صاحب کی بے پناہ نوازشات رہیں- اپنے ساتھ ناشتہ کراتے، کھانا کھلاتے، گھنٹوں گفتگو کرتے، نماز میں شریک رکھتے- اسی سفر میں اپنا پہنا ہوا خرقہ اتار کر ہمارے حضرت کو پہنایا اور اپنے خاندان کی وہ ساری اجازتیں عطا کیں جو ان تک پہنچی تھیں-

اس کے اگلے ہی دن حضرت والد ماجد پانی کے جہاز سے سوار ہو کر بصرہ کے راستے بمبئی آئے تو اخبار کے ذریعے معلوم ہوا کہ حضرت پیر ابراہیم گیلانی وصال فرما گئے- میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمین پر موجودہ عہد میں حضرت پیر ابراہیم صاحب کا آخری خلیفہ اگر کوئی ہے تو وہ حضور تاج دار اہل سنت ہیں- اسی سفر میں آپ نے حضرت والد ماجد سے فرمایا تھا کہ میرے دادا حضور غوث اعظم میرے خواب میں آئے اور انہوں نے فرمایا کہ ''مولوی ہر سال بدایوں سے ہمارے لیے غلاف لاتا تھا، اب اس کا انتقال ہو گیا ہے تو ان کے بیٹے سالم کو میرے مزار سے غلاف اتار کر دے دو کہ میری طرف سے مولوی کے قبر پر چڑھا دے-'' حضور غوث اعظم کی یہ بے بہا عنایت بھی ہمارے گھر کے حصے میں آئی-

حضور غوث پاک اور ان کے خانوادے سے اسی گہرے تعلق اور نوازشات کا نتیجہ ہے کہ حضرت والد ماجد ۱۹۶۲ء سے لے کر اب تک ہر سال مسلسل بغداد شریف جا رہے ہیں، درمیان میں استثنائی طور پر حالات کی خرابی کی وجہ سے ایک دو سال نہیں جا پائے، ورنہ ہر سال انھیں حضوری کا شرف حاصل ہوتا ہے- اس طرح پچاس سے زائد بار وہ بغداد شریف حاضری دے چکے ہیں- وہاں کے لوگ جس طرح ہمارے دادا سے واقف تھے، اسی طرح پورا باب الشیخ حضرت سے واقف ہے- جب وہ تشریف لے جاتے ہیں تو ہر شخص کی زبان پر شیخ سالم، شیخ سالم ہوا کرتا ہے- حضرت پیر ابراہیم صاحب کے بعد جتنے بھی نقیب الاشراف اور سجادگان ہوئے سب سے حضرت کا گہرا تعلق رہا- شہزادگان اور سجادگان ہمارے حضرت کو بے تکلف خطوط لکھتے، آستانے میں تعمیر کے

سلسلے میں انھیں بلاتے، کوئی اور کام ہو تو فوراً یاد فرماتے- اسی طرح وہاں سے بھی خانوادے کے متعدد افراد اور سجادگان بدایوں تشریف لاتے اور ہمارے گھر کو عزت بخشتے- ۱۹۵۶ء میں ہمارے دادا محترم حضرت مفتی عبدالقدیر رحمۃ اللہ علیہ کافی بیمار تھے تو حضرت پیر علاء الدین طاہر گیلانی ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، پورے رمضان قیام فرمایا اور عید کی نماز پڑھ کر تشریف لے گئے- ان کے بعد بھی سجادگان تشریف لاتے رہے- ۱۹۹۸ء میں حضرت تاج الفحول کا 'صد سالہ جشن' منایا گیا تو نقیب الاشراف حضرت پیر احمد ظفر گیلانی تشریف لائے- گویا حضور غوث اعظم اور ان کے خانوادے کی عنایتیں، محبتیں اور تعلقات ہمارے خاندان سے بے پایاں ہیں- اب تو ہمارے برادر معظم حضرت شیخ صاحب کو حضور غوث اعظم نے اپنے پاس ہی بلا کر رکھ لیا، تاکہ یہ تعلق اور بھی گہرا ہو-

خوشتر نورانی: حضرت شیخ اسید الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ پر حضور غوث اعظم کی کیا عنایتیں رہی ہیں؟

مولانا عطیف قادری: یہ بہت مشکل سوال آپ نے کیا اور ایک طرح کہا جائے تو آسان بھی ہے- حضور غوث اعظم کی ان پر جو عنایتیں رہیں وہ سب پر عیاں ہے- اس چھوٹی سی عمر میں ان کی علمی لیاقتیں، مختلف علوم و فنون پر گہری نظر، بے شمار خدمات و کارنامے اور علم و قلم کی عالمی شہرت، صرف کسب کے ذریعے ممکن نہیں- حضور اچھے میاں کے ذریعے انھوں نے حضور غوث اعظم سے جو نسبت غلامی پائی تھی، یہ سب کا سب اسی کا فیض اور ان کا کرم تھا- اس لیے صرف دس سال کے مختصر عرصے میں انھوں نے اتنے کارنامے انجام دیے، جن کا تصور نہیں کیا جا سکتا- بقول حضرت شرف ملت:

''اتنے کم عرصے میں تو لوگ یہ سمجھ پاتے ہیں کہ انھیں کیا کرنا ہے، اس عرصے میں وہ زندگی کے بے شمار کام کر کے چلے گئے-''

حضور غوث پاک کی غلامی، ان کا کرم اور ان سے تعلق مارہرہ مطہرہ کے توسط سے ہے، اس لیے وہ اکثر کہا کرتے تھے، بلکہ اس بات کو انھوں نے لکھا بھی ہے کہ ''میں جب مارہرہ حاضر ہوتا ہوں تو اپنی تمام تر علم و تحقیق مارہرہ کی حد سے باہر چھوڑ کر آتا ہوں اور مارہرہ میں جب تک بے حیثیت پھرتا رہوں گا، اس وقت تک دنیا میں میری حیثیت بنی رہے گی-'' دنیا نے اس کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے کیا-

۱۹۹۲ء میں جب کہ شیخ صاحب حفظ کر چکے تھے اور درس نظامی کا ابتدائی دور تھا، حضرت والد ماجد ان کو ساتھ لے کر بغداد شریف گئے- جب وہاں سے لوٹ کر شیخ صاحب آئے تو رنگ بدلا ہوا تھا اور کمسنی میں ہی بزرگی کے آثار دکھنے لگے تھے- رقت قلب، بلند اخلاق و کردار، تصوف و للہیت اور علم و فن سے شغف نمایاں ہو گئے تھے- پھر ۱۹۹۴ء، اور اس کے بعد ۱۹۹۶ء میں والد ماجد انھیں اپنے ساتھ لے کر بغداد شریف گئے- اُس وقت وہاں حضرت سید یوسف الگیلانی صاحب سجادہ تھے- ہمارے حضرت نے ان سے عرض کی کہ حضرت! میں یہ چاہتا ہوں کہ فراغت کے بعد میں اپنے بیٹے اسید الحق کو بغداد کے جامعہ صدام میں داخلہ کروا دوں-'' تو آپ نے فرمایا: ''شیخ سالم! جامعہ صدام کی بجائے اسید الحق کو جامعہ ازہر، قاہرہ بھیج دو-'' گویا غوث پاک کے سجادہ نشین کے کہنے پر ہی شیخ صاحب کو جامعہ ازہر بھیجا گیا- عراق میں سارا بغداد اور خود غوث پاک کا پورا خانوادہ حضرت کا جاننے والا تھا اور پھر غوث پاک کے خانوادے کے افراد وہاں بڑے بڑے عہدوں پر فائز بھی تھے، وہاں داخلے اور تعلیم و رہائش میں کافی حد تک سہولتیں تھیں، جب کہ ہمارے والد ماجد کو یہ نہیں معلوم تھا کہ جامعہ ازہر میں کیسے داخلہ ہوتا ہے اور نہ کبھی قاہرہ گئے تھے- حضرت کو صرف اتنا معلوم تھا کہ ہندوستان سے جو طلبہ جامعہ ازہر جاتے ہیں وہ یہاں کے الحاق شدہ مدرسوں کی سند لے کر جاتے ہیں، مگر ان کے پاس ایسی کوئی سند بھی نہیں تھی، مگر چوں کہ حضور غوث اعظم کے صاحب سجادہ کا حکم تھا کہ ان کا داخلہ جامعہ ازہر میں کراؤ، اس لیے حضرت نے انھیں جامعہ ازہر بھیجنے کا ارادہ فرما لیا-

۱۹۹۸ء میں حضرت تاج الفحول کا 'صد سالہ جشن' منایا گیا تو نقیب الاشراف حضرت پیر احمد ظفر گیلانی تشریف لائے- شیخ صاحب نے امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب کی درس گاہ سے درس نظامی کی تکمیل اسی سال کی تھی، اس لیے حضرت احمد ظفر گیلانی سجادہ نشین حضور غوث اعظم نے ہی شیخ صاحب کے سر پر دستار فضیلت باندھی-

شیخ صاحب کی فراغت کے بعد والد ماجد حضرت تاجدار اہل سنت ۱۹۹۹ء میں انھیں اپنے ساتھ لے کر بغداد گئے- وہاں انھیں بارگاہ غوث میں پیش کیا اور صاحب سجادہ اور دیگر خانوادے کے افراد سے دعائیں کروائیں اور پھر براہ راست انھیں لے کر بغداد شریف سے قاہرہ پہنچ

گئے- وہاں جا کر ایسی آسانیاں پیدا ہوگئیں کہ شیخ الازہر نے خود آکر ہمارے حضرت سے ملاقات کی اور بغیر کسی معادلے اور الحاق کے شیخ صاحب کا وہاں داخلہ ہوگیا- پھر مدرسہ قادریہ کا جامعہ ازہر سے الحاق بھی کر دیا گیا-

وہاں شیخ صاحب نے پانچ سال گزارے اور اپنی پوری تعلیم مکمل کی- جامعہ ازہر میں تمام مشائخ، علما اور محدثین سے آپ کے رابطے ہوئے اور ان میں سے کئی حضرات نے آپ کو اجازتیں عطا کیں-

اب یہ کہ حضور غوث اعظم نے آپ کو اپنے آپ سے اتنا قریب کرلیا کہ آپ کو اپنے جوار میں قیامت تک کے لیے جگہ دے دی ہے- شیخ صاحب عرس قادری کی اپنی تقریر میں پورے جوش وجذبے کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ:

''اِس کونے سے اُس کونے تک جو روشنی دیکھ رہے ہو، جو بلندیاں دیکھ رہے ہو، جو علمی واشاعتی کام دیکھ رہے ہو، یہ سب کا سب حضور غوث اعظم اور شمس مارہرہ کا فیض اور انہی کے کرم سے ہے-''

خوشتر نورانی: بغداد شریف میں حضرت شیخ صاحب کی ناگہانی شہادت سے برصغیر ہندو پاک میں کہرام مچ گیا، جہاں ان کے جانے کا لوگوں نے ماتم کیا وہیں لوگ اس شہادت کی تفصیل بھی جاننے کے لیے بھی بے چین ہیں، اس لیے اس حوالے سے چند باتیں آپ سے پوچھوں گا- سب سے پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ حضرات بغداد کے سفر پر کب روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ کتنے لوگ تھے؟

مولانا عطیف قادری: جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت تاجدار اہل سنت کا بغداد شریف جانے کا ہر سال کا معمول ہے- اس سال جانے کی تیاری ہونے لگی تو حضرت نے فرمایا کہ ''اس سال شیخ صاحب بھی ہمارے ساتھ جائیں گے-'' کیوں کہ کافی سالوں سے شیخ صاحب نہیں گئے تھے- اس موقع پر تمام احباب سلسلہ کی یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ بھی حضرت کے ساتھ حاضری دیں- اس طرح ترجمان قادریت حافظ عبدالقیوم قادری کی نگرانی میں تقریباً چالیس لوگوں کا قافلہ طے ہوا، حضرت اور شیخ صاحب کے ساتھ میں بھی شریک ہوگیا-

سفر کی ابتدا یوں ہوئی کہ بدایوں سے حضرت اور حافظ عبدالقیوم قادری صاحب کچھ روز پہلے بمبئی چلے گئے- میں اور شیخ صاحب ۲۱ر فروری ۲۰۱۴ء کو بدایوں سے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے، کیوں کہ بمبئی میں ''جشن قادری'' کے عنوان سے ۲۲ر فروری کو احباب سلسلہ نے ایک مرکزی جلسہ رکھا تھا، یہ جلسہ ہر سال ہوا کرتا ہے، یہ اٹھارواں جلسہ تھا- اپنی تدریسی، دینی، علمی اور تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے شیخ صاحب کئی جلسے میں شریک نہیں ہو پاتے تھے، اس لیے اس بار یہ طے پایا کہ اس جلسے میں شیخ صاحب خطاب فرمائیں گے- ورنہ فرماتے تھے کہ میں نے خطابت کا میدان عطیف میاں کے لیے چھوڑ دیا ہے- یہ خبر جیسے ہی پھیلی کہ اس بار شیخ صاحب خطاب کریں گے، کافی تعداد میں علما دائرہ تشریف لائے- ناگ دیوی اسٹریٹ بمبئی میں ''جشن قادری'' منعقد کیا گیا، اس میں شیخ صاحب کی تقریباً پونے دو گھنٹے تقریر ہوئی- یہ ان کی آخری تقریر تھی- جس جوش وخروش، درد وکرب اور رنگ وآہنگ میں انھوں نے خطاب کیا وہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا- دیر رات جلسہ ختم ہونے کے بعد تاجدار اہل سنت نے فرمایا کہ ''میرے خلیفۂ اول، میرے ولی عہد، میرے نور نظر اور میرے لخت جگر میرے بدلے آج آپ سے مصافحہ کریں گے اور یہ سمجھ لو کہ جس نے ان سے مصافحہ کر لیا اس نے مجھ سے مصافحہ کر لیا-'' اس طرح ہزاروں ہزار کے مجمع نے لائن لگا کر شیخ صاحب سے مصافحہ کیا- یہ مصافحہ تقریباً ایک گھنٹہ جلسے کے بعد چلتا رہا اور حضرت تاجدار اہل سنت پیچھے ایک کرسی پر بیٹھ گئے- قیام گاہ پر آنے کے بعد کئی لوگ آکر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ ''آج آپ کی بہت اچھی تقریر ہوئی-'' تو شیخ صاحب نے کہا: ''یہ نہ کہو کہ اچھی تقریر ہوئی، مجھے پسند نہیں ہے-'' دوسرے دن ۲۳ر فروری کو دھاراوی کے علاقے میں جلسہ تھا، وہاں کے لوگوں نے شیخ صاحب سے خواہش ظاہر کی کہ آپ نے وہاں کرم فرمایا تو دھاراوی کے لوگوں پر بھی کرم فرمائیں- مگر خرابی طبیعت کی وجہ سے انھوں نے تقریر نہیں کی، وہاں میرا خطاب ہوا- جلسے کے بعد میرا اور شیخ صاحب کا ایک ہی جگہ قیام رہا-

دوسرے دن ۲۴ر فروری کا دن گزار کر ۲۵ر فروری کی صبح ۴ر بجے ہماری فلائٹ تھی- اس سفر میں حضور غوث اعظم کی نایاب کتاب اور ملفوظات کا مجموعہ ''فیوض ربانی'' ان کے مطالعے میں تھی- بدایوں سے کار اور پھر ریل میں بھی اسی کتاب کو پڑھتے رہے- دوران مطالعہ راستے بھر فرماتے رہے کہ ''یہ کتاب میں ساتھ لے آیا، پڑھ کر دل کی دنیا بدل گئی ہے-'' اور فرمایا کہ ''میں غوث پاک کے ارشادات اس لیے پڑھتا ہوا جا رہا ہوں، تا کہ براہ راست ان سے فیض لے سکوں-'' ان کو

اس سفر کے لیے ایسی بے چینی تھی کہ بار بار پوچھتے کہ کب سفر شروع ہوگا؟ کتنے بجے کی فلائٹ ہے؟ کب ہم لوگ ایئرپورٹ کے لیے نکلیں گے؟ بہرحال ۲۴ر فروری کو دیر رات حضرت کی سرپرستی میں ۴۰ر افراد کا ہمارا یہ قافلہ ایئرپورٹ کے لیے نکلا اور عرب امارات کی ایئرلائنز سے دبئی کے راستے ۲۵ر فروری کی شام کو ہم لوگ بغداد شریف پہنچ گئے-

خوشتر نورانی: بغداد پہنچنے کے بعد شیخ صاحب کی مشغولیات اور آپ لوگوں کی سرگرمیاں کیا تھیں؟

مولانا عطیف قادری: وہاں پہنچنے کے بعد ان کی کیفیت کافی بدلی ہوئی تھی- ایسا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ حضرت تاجدار اہل سنت کے ساتھ ان کا بیٹا آیا ہوا ہے، بلکہ محسوس ہوتا کہ کوئی عقیدت مند مریدان کے شریک سفر ہے- انھوں نے سبھوں سے کہہ دیا کہ حضرت جو پروگرام جس طرح ترتیب دیں گے، وہ سب کو فالو کرنا پڑے گا- جو حضرت کے ساتھ حاضر بارگاہ غوث ہونا چاہتا ہے وہ حضرت کے بتائے ہوئے وقت پر تیار رہے- وہاں معمول یہ رہا کہ فجر کی نماز باجماعت ہوٹل میں ہوتی، شیخ صاحب امامت فرماتے- اوراد ووظائف اور تلاوت کلام پاک سے فراغت کے بعد چائے وغیرہ پی جاتی، ساڑھے آٹھ بجے تک ناشتہ لگ جاتا، ناشتے کے بعد ہم لوگ آستانہ حضور غوث اعظم کے لیے نکل جاتے اور پھر ظہر کی نماز پڑھ کر ہوٹل واپس آجاتے- دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرتے، پھر شیخ صاحب کی اقتدا میں عصر کی نماز باجماعت ہوتی، اس کے بعد پھر ہم لوگ درگاہ شریف کے لیے نکل جاتے اور وہاں سے عشا کی نماز پڑھ کر واپس آتے- درمیان میں کربلا، نجف اور دیگر مقامی زیارتیں بھی ہوتی رہیں-

خوشتر نورانی: بارگاہ غوثیت میں حضرت شیخ صاحب کی حاضری کی کیا کیفیت رہی؟

مولانا عطیف قادری: جیسا کہ میں نے بتایا کہ روزانہ درگاہ حضور غوث اعظم میں حاضری کے لیے ہم لوگوں نے اوقات بنا لیے تھے، پورا قافلہ حضرت تاجدار اہل سنت کے ساتھ وہاں صبح کو حاضر ہوتا اور ظہر کی نماز کے بعد واپس آجاتا، پھر عصر کے بعد جاتا- مگر شیخ صاحب وہیں رک جاتے، ان کی وجہ سے میں اور کچھ احباب بھی وہیں رکتے عصر کے بعد بھی وہ جالی کے سامنے بیٹھے رہتے، تلاوت کرتے، دیوان منقبت پڑھتے، اوراد ووظائف پڑھتے، مثنوی غوثیہ پڑھتے اور ایک ایک گھنٹے مراقب رہتے-

ایک بار ایسا ہوا کہ عصر کے بعد شیخ صاحب کے قریب میں بھی بیٹھ گیا، پہلے وہ حضور غوث اعظم کی جالی سے دور بیٹھ کر کچھ پڑھتے رہے اس کے بعد اچانک اٹھے اور جالی کے قریب چلے گئے اور دونوں ہاتھوں سے جالی پکڑ لی، ان کی آنکھیں بند تھیں، گویا ان پر رقت طاری تھی- فیس بک وغیرہ پر اس لمحے کی تصویر بھی ہے- اسی حال میں وہ مغرب تک رہے، پھر مغرب سے عشا تک بھی ان کی یہی کیفیت رہی- عشا کے بعد وہ ہوٹل آگئے اور مجھ سے فرمایا کہ: ''آج میں غوث پاک سے فیصلہ کروا کر آیا ہوں-'' میں نے پوچھا کہ کیسا فیصلہ؟ تو فرمانے لگے:

''میں مدرسہ قادریہ کی تعمیر جدید اور توسیع کرنا چاہتا ہوں، بے شمار علمی ودینی کام کرنا چاہتا ہوں، مگر کچھ رکاوٹیں آرہی ہیں، یہ رکاوٹیں کیسے دور ہوں گی؟ اس لیے میں نے حضور غوث اعظم سے کہا کہ ہم نے سب کچھ آپ سے منسوب کر رکھا ہے، آپ ہی ہماری پہچان ہیں، ہمارا ادارہ، ہماری خانقاہ، ہمارا سب کچھ آپ کے نام سے وابستہ ہے، اگر آپ کرم نہیں فرمائیں گے تو کون کرم فرمائے گا؟ اگر میرا منصوبہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتا ہے تو پھر میں آپ کے نام سے اپنا ادارہ اور اپنی خانقاہ کیوں چلاؤں؟ اب لگتا ہے کہ ان شاء اللہ یہ سب کام ہو جائے گا اور رکاوٹیں بھی دور ہو جائیں گی-''

شیخ صاحب یہاں سے خانقاہ اور مدرسے کی توسیع کے لیے جدید نقشہ بنوا کر لے گئے تھے، اسی طرح اپنے دیگر منصوبے کا خاکہ بھی ساتھ لے کر گئے تھے، جب وہ جالی پکڑ کر مراقب ہوتے تو ان منصوبوں اور نقشے کی فائل ان کی گود میں رکھی ہوتی- وہ چاہتے تھے کہ یہ پورا منصوبہ میں غوث پاک کی بارگاہ میں پیش کروں اور ان پر فیصلہ لے کر واپس آؤں، اس لیے وہ گھنٹوں وہاں گزارتے، روتے اور فریاد کرتے-

رات میں انھوں نے ہمیں یہ بات بتائی اور صبح ہم ناشتہ کر کے تیار بیٹھے تھے کہ اب درگاہ شریف جائیں گے، ہندوستان سے ایک فون آتا ہے کہ جو کام برسوں سے رکا ہوا تھا، وہ حل ہوگیا ہے- اب آپ لوٹ آئیں- میں دوڑتے ہوئے شیخ صاحب کے پاس گیا اور بڑے جوش وجذبے سے یہ خبر ان کو سنائی- یہ بہت اہم خبر تھی اور ہم سبھوں کے لیے بڑی خوش خبری تھی، مگر شیخ صاحب اسے سن کر چونکے نہیں، بلکہ نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ ''یہ تو ہونا ہی تھا، مجھے تو یقین تھا کہ یہ

کام حضور غوث اعظم کی توجہات اور ان کے فیضان سے ہو جائے گا، مگر یہ امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی فیصلہ ہو جائے گا-"

خوشتر نورانی: یہ بتائیں کہ بغداد میں شیخ صاحب کی علمی سرگرمیاں کیا تھیں؟

مولانا عطیف قادری: خوشتر صاحب! آپ ان کے سب سے قریبی دوست، بلکہ راز دار رہے ہیں-ان سے میری جتنی گفتگو براہ راست ہوتی تھی اس سے زیادہ گفتگو آپ ان سے فون پر کیا کرتے تھے-آپ مجھ سے بہتر ان کی عادتوں اور سرگرمیوں کو جانتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ اگر ان کو پڑھنے کو کچھ نہ ملے تو انہیں نیند نہیں آتی تھی-کہیں بھی جاتے تو انھیں لائبریری اور جدید و قدیم کتابوں کی تلاش رہتی-بغداد شریف میں بھی ان کا یہی حال رہا-شیخ صاحب کو معلوم تھا کہ درگاہ حضور غوث اعظم کی بہت قدیم اور بڑی لائبریری ہے-اس لیے حاضری سے فراغت کے بعد مجھے لے کر لائبریری چلے گئے-لائبریری میں داخل ہونے کے بعد بڑے انہماک سے الماریوں میں رکھی کتابوں کو دیکھتے رہے، کچھ کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہے اور کچھ کتابوں سے متعلق تفصیل اور حوالے نوٹ کرتے رہے-اس کے بعد لائبریرین کے پاس آکر بیٹھ گئے-میں یہ دیکھ کر بہت حیران رہ گیا کہ لائبریرین نے کتب خانے کے نوادرات اور کتابوں کی تفصیل بتانا چاہی اس سے پہلے شیخ صاحب وہاں موجود کتابوں اور مخطوطوں کی تفصیل بتانے لگے کہ ہاں! آپ کے یہاں یہ یہ کتابیں ہیں اور فلاں فلاں مخطوطہ ہے، علوم حدیث اور تفسیر پر یہ یہ کتابیں نئی آئی ہیں وغیرہ-آدھے گھنٹے کے معائنے میں انھوں نے سب کچھ اپنے مطلب کا دیکھ لیا تھا-لائبریرین شیخ صاحب سے بہت متاثر ہوا اور بھاگ کر گیا اور رجسٹر لے کر آیا کہ اس پر اپنا تاثر لکھ دیجیے، شیخ صاحب پہلے تو تیار نہیں ہوئے، مگر میرے اصرار کرنے پر فی البدیہ ایک صفحہ عربی میں لکھا-اس تحریر کا عکس میں نے لے لیا ہے، یہ ان کی لکھی ہوئی آخری تحریر ہے-

اسی طرح جہاں بھی جاتے، وہاں لائبریری کے بارے میں پوچھتے، اگر وہاں لائبریری ہوتی تو پھر کچھ گھنٹے وہاں گزارتے-امام اعظم کی درگاہ میں ایک بہت بڑا فقہ حنفی کا سینٹر ہے، اسے بھی انھوں نے دیکھا-راستے میں چلتے چلتے کوئی مکتبہ دکھ جاتا تو وہیں کتابوں کو دیکھنے اور خریدنے میں لگ جاتے-یہاں تک کہ گلی کوچوں اور درگاہوں کے سامنے چٹائی پر کتابیں رکھ کر کوئی بیچتا ہوا دکھ جاتا تو وہیں کھڑے کھڑے دیر تک کتاب کی ورق گردانی کرتے رہتے-ہمارے احباب سلسلہ شیخ صاحب کی اس عادت سے اس قدر آشنا ہو چکے تھے کہ وہ لوگ مجھ سے کہتے تھے: "اپنے شیخ صاحب جیسا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا، انھیں ہم نے خالی بیٹھے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، جب دیکھو کسی نہ کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف رہتے ہیں-" شیخ صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے کہ بغداد سے لوٹ کر یہاں کے کتب خانوں کے متعلق ایک تفصیلی مضمون لکھوں گا-لکھنے پڑھنے سے انھیں عشق تھا، اسی عشق نے ان سے اتنا کام کروایا کہ آج دنیا حیران ہے-

خوشتر نورانی: بغداد شریف میں شیخ صاحب کی کن علما اور مشائخ سے ملاقاتیں رہیں؟

مولانا عطیف قادری: بغداد شریف میں کافی علما و مشائخ سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں، اس کی تفصیل تو وہی بتا سکتے تھے، کچھ لوگوں کے نام مجھے یاد ہیں-ان میں دکتور محمد انس، جو جامعہ بغداد میں رئیس الکلیہ ہیں اور آستانہ حضور غوث اعظم کی مسجد کے امام و خطیب بھی ہیں-ان سے شیخ صاحب کی علم حدیث پر کافی گفتگو رہی-اس گفتگو سے متاثر ہو کر انھوں نے شیخ صاحب کو وہاں کے ایک بڑے محدث شیخ عبداللہ سے ملاقات کرانے کا وقت بھی لے لیا تھا-

ایک اور عالم دین شیخ علی بن حمود الحربی الرفاعی سے بھی شیخ صاحب کی ملاقات ہوئی، یہ بھی جامعہ بغداد میں استاذ ہیں اور آستانہ حضرت معروف کرخی کے نگراں بھی ہیں-بڑے عالم، محقق اور محدث ہیں-انھوں نے شیخ صاحب کو اپنے گھر چائے پر مدعو بھی کیا، حدیث کے موضوع پر ایک کتاب "الاربعون النبوية" دی اور اسی پر انھیں اجازت بھی لکھ کر دی-جس وقت ان کی شہادت ہوئی، اس وقت یہی کتاب زیر مطالعہ تھی-اس کتاب پر شیخ صاحب کے خون کے چھینٹے بھی موجود ہیں-

ان کے علاوہ اور بھی کئی علما اور محدثین سے ان کی ملاقاتیں رہیں جن کے نام مجھے یاد نہیں ہیں-

خوشتر نورانی: شیخ صاحب کے آخری سفر کے متعلق کچھ بتایئے؟ یہ حادثہ کیسے اور کب ہوا؟

مولانا عطیف قادری: بغداد معلی میں ہماری حاضری ہو چکی تھی اور اب ہم واپسی کی تیاری کر رہے تھے-اس لیے پروگرام یہ بنا کہ ہم

کچھ لوگ خانوادۂ حضور غوث اعظم کے شہزادے شیخ المشائخ حضرت سید محمد توفیق الگیلانی سے ملاقات کے لیے "اربیل" جائیں گے، جو بغداد سے تقریباً تین سو کلومیٹر کی دوری پر ہے اور بقیہ احباب طریقت بغداد سے براہ راست ہندوستان لوٹ جائیں گے، پھر ہم چند افراد اربیل سے ہی دبئی جائیں گے اور وہاں کچھ دن قیام کر کے انڈیا واپس ہوں گے-بغداد سے اربیل کے راستے میں بہت سے اولیا اور مشائخ آرام فرما ہیں، ان کے مزاروں پر فاتحہ خوانی اور حاضری بھی ہو جائے گی-چنانچہ ۴ر مارچ کو ہم پانچ لوگوں کا قافلہ، جس میں والد گرامی حضرت تاجدار اہل سنت، حضرت شیخ صاحب، حافظ عبدالقیوم قادری، حاجی اقبال اور میں بذریعہ وین، جو ۱۲ر سیٹ کی تھی، صبح ساڑھے گیارہ بجے بغداد سے اربیل کے لیے نکلے، جب کہ بقیہ تمام احباب طریقت واپسی کے لیے بغداد ائیر پورٹ چلے گئے-

شیخ صاحب نے فرمایا کہ "مجھے ۹ر مارچ کو خوشتر صاحب کے ساتھ ایک سیمینار میں شرکت کے لیے بنارس جانا ہے، اس لیے میں دبئی میں نہیں رکوں گا، دبئی سے دہلی کے لیے ۶ر مارچ کو میرا ٹکٹ کروا دو-" ان کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا گیا-

وین میں حضرت تاجدار اہل سنت کو سب سے آگے ڈرائیور کے پاس والی سیٹ پر بٹھایا گیا، اس کے پیچھے والی سیٹ پر شیخ صاحب اور حافظ عبدالقیوم صاحب ہو گئے، اس سے پیچھے والی سیٹ پر میں اور حاجی اقبال بیٹھ گئے اور اس سے پیچھے جو سیٹ تھی اس کو فولڈ کر کے وہاں پر سامان رکھ دیا گیا-اس طرح بغداد سے ہم لوگ روانہ ہوئے، راستے میں حضرت تاجدار اہل سنت بغداد کی گلیوں اور سڑکوں کے بارے میں بتاتے رہے کہ یہ فلاں سڑک ہے، اس پر فلاں بزرگ کا مزار ہے، یہاں سے تھوڑی دور پر جا کر فلاں شہزادے کا گھر ہے-بغداد شہر سے جب ہماری گاڑی نکلی تو شیخ صاحب دلائل الخیرات شریف پڑھنے میں مصروف ہو گئے-اس کے بعد وہ حدیث کے موضوع پر شیخ علی بن حمود الحربی الرفاعی کی دی ہوئی کتاب "الاربعون النووية" کا مطالعہ کرنے لگے-ہم لوگ خاموش بیٹھے رہے، کچھ دیر کے بعد ہم لوگوں کو نیند کے جھونکے آنے لگے-بغداد شریف سے ۶۵ر ۷۰ر کلومیٹر کی دوری پر ایک علاقہ "یاقوبا" کہلاتا ہے، وہاں سے کچھ ہی آگے ہم لوگ نکلیں ہوں گے کہ اچانک ہماری گاڑی پر دائیں بائیں دونوں جانب سے فائرنگ شروع ہو گئی، یہ عراقی وقت سے تقریباً دو سے ڈھائی بجے دوپہر کے آس پاس کا وقت ہوگا اور انڈیا میں شام کے ساڑھے چار سے پانچ بج رہے ہوں گے-کچھ لمحے کے لیے تو ہمیں سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا ہو رہا ہے، ہم لوگوں نے سمجھا کہ چوں کہ گاڑی بہت اسپیڈ سے چل رہی ہے، شاید اس کے انجن میں اسپارکنگ شروع ہو گئی ہے اور یہ چٹاخ چٹاخ کی آوازیں اسی سے آرہی ہیں، مگر اگلے ہی لمحے سمجھ میں آیا کہ ہم پر فائرنگ ہو رہی ہے، پھر اچانک حضرت کی آواز آئی "لگتا ہے فائرنگ ہو رہی ہے، جھک جاؤ" ہم سب لوگ بہت تیزی سے نیچے جھک گئے-اچانک میں نے محسوس کیا کہ گاڑی اور تیزی سے دوڑنے لگی ہے اور ڈرائیور گاڑی کو تھوڑا سا لہرا کر چلا رہا ہے تاکہ گولیوں کی زد سے بچا جا سکے-مگر اتنی دیر میں ہماری گاڑی پر سو سے زائد گولیاں آکر لگ چکی تھیں-گاڑی کے پورے شیشے ٹوٹ کر گر چکے تھے، شیشوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور کرچیاں ہمارے سروں اور جسموں پر لگے ہوئے تھے-جب گولیوں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں تو جھکے جھکے میں نے دیکھا کہ گاڑی کے فرش پر کافی مقدار میں خون ہے، جو بہہ کر ہماری طرف آرہا تھا-خون دیکھ کر میں نے سمجھا کہ حافظ عبدالقیوم صاحب کے پیر میں ٹوٹ کر شیشہ لگ گیا ہے، شیخ صاحب کا اتنا خون نکل نہیں سکتا کیوں کہ وہ اتنے لحیم شحیم نہیں ہیں، جب میں نے اٹھ کر دیکھا تو حافظ عبدالقیوم صاحب کی گود میں شیخ صاحب کا سر تھا اور حافظ صاحب کہہ رہے تھے کہ شیخ صاحب بیہوش ہو گئے ہیں، شیخ صاحب بیہوش ہو گئے ہیں-

جہاں گولی چلی تھی، اتفاقاً وہاں سے ۵۰ر۶۰ر میٹر آگے پولس چیک پوسٹ تھی، ڈرائیور تیزی سے گاڑی چلائے جا رہا تھا، آگے جب چیک پوسٹ آ گئی تو اس نے گاڑی روکی-ہمارے اوسان بحال نہیں تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہوا ہے، ہم نے پولیس والوں سے بتایا کہ ہمارے ساتھ ایسا ایسا ہوا ہے، وہیں ایمبولینس کھڑی تھی، وہ لائی گئی، ہمیں کچھ ہوش نہیں تھا اور نہ اب مجھے یاد ہے کہ ہم گاڑی سے کیسے اترے اور کیسے شیخ صاحب کو ایمبولینس میں رکھا گیا-

خوشتر نورانی: اس وقت آپ لوگوں کو پتہ نہیں چلا تھا کہ شیخ صاحب کو گولی لگ گئی ہے؟

مولانا عطیف قادری: ہاں! یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ ان کو سر میں گولی لگ گئی ہے، کیوں کہ گولی کا نشان کنپٹی پر دکھ رہا تھا، نشان بتا رہا تھا

کہ انھیں بہت طاقتور گولی لگی ہے اور کنپٹی پر ایک طرف سے لگ کر دوسری طرف سے نکل گئی ہے- مگر ہمارے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں اور نہ دل اس بات کو ماننے کو تیار تھا- ہم لوگ تو یہ سوچ رہے تھے کہ کسی طرح جلدی سے ہاسپٹل پہنچ کر فوراً آپریشن کرائیں گے تو شیخ صاحب صحیح ہو جائیں گے-

مجھے یہ تو یاد نہیں کہ کیسے شیخ صاحب کو ایمبولینس میں ڈالا گیا اور کتنی دیر لگی، بس اتنا یاد ہے کہ بہت جلدی ہم لوگ ہاسپٹل پہنچ گئے، کیوں کہ ہاسپٹل ہائیوے کے کنارے ہی تھا، مگر بہت چھوٹا تھا- وہاں پہنچتے ہی پورا عملہ حرکت میں آ گیا- میں حضرت کو بھی سنبھالے ہوئے تھا- مجھے یاد ہے کہ ایمبولینس میں حضرت، شیخ صاحب کو مسلسل آوازیں دیتے رہے کہ بھیا! کچھ تو بولو؟ بابا کچھ تو کہو؟ آنکھیں کھولو، آخر تمہیں کیا ہو گیا بابا؟ (حضرت، شیخ صاحب کو پیار سے ''بھیا'' اور ''بابا'' کہتے تھے)

ہاسپٹل والے اسٹریچر پر لٹا کر شیخ صاحب کو اندر لے گئے، میں حضرت کو پکڑ کر ان کے ساتھ رک گیا، حافظ عبد القیوم صاحب شیخ صاحب کو لے کر اندر گئے، وہاں کے ڈاکٹروں نے انھیں دیکھتے ہی کہا: ''یہ تو شہید ہو گئے ہیں'' یہ سنتے ہی عجیب حال ہو گیا، ایسا لگا کہ کسی نے غبارے سے ہوا نکال دی ہو، کھڑے ہو رہے ہیں تو پیر تھر تھر کانپ رہے ہیں، کچھ بولنا چاہ رہے ہیں، مگر آواز نہیں نکل رہی ہے، حضرت کی بھی حالت اور کیفیت نا قابل بیان تھی- مگر میں دیکھ رہا تھا کہ عمر کے اس حصے میں جوان بیٹا اور وہ بھی ایسا بیٹا جو ان کا ولی عہد ہے، ان کے خوابوں کی تعبیر ہے، ان کی آرزوؤں کا مسکن ہے، اپنے آبا و اجداد کے علوم و معارف کا وارث و امین ہے، خانقاہوں کے لیے نمونۂ عمل ہے اور جماعت اہل سنت کا قیمتی سرمایہ ہے، اس دنیا سے چلا گیا ہے، تاہم حضرت انتہائی صبر و ضبط کا مظاہرہ کر رہے ہیں- یہ اللہ والوں کی بات ہے ورنہ ایسے موقعوں پر انسان اپنا آپا کھو بیٹھتا ہے-

حضرت اور حاجی اقبال کو اور مجھے تو کچھ نہیں ہوا مگر ہمارے حافظ عبدالقیوم صاحب زخمی ہو گئے تھے، ایک گولی ان کے ہونٹ کے نیچے داڑھی کے پاس اور دوسری گولی سیدھے ہاتھ کے کندھے پر لگی تھی- کلائی اور بازو پر بھی زخم تھے- ان کی آنکھ پر بھی زخم تھا، گولی آنکھ کو چھوتے ہوئے نکل گئی تھی اور پوری آنکھ سوج کر سرخ ہو گئی تھی- مگر وہ شیخ صاحب کے غم میں اپنی تکلیف بھول گئے- حافظ عبد القیوم صاحب کی ڈاکٹر سے اس بات پر تکرار ہو رہی تھی کہ شیخ صاحب کو دیکھو، ان کو گولی لگی ہے، مگر اس نے کہا کہ نہیں، آپ کو لگی ہے ''یہ تو شہید ہو گئے'' ڈاکٹر بہت زبردستی پکڑ کر ان کو لایا، ان کے ہونٹ کے نیچے سے چھرے نکالے، چیک اپ کیا تو وہ خطرے سے باہر تھے-

وہاں ہمارے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ زبان اور اجنبیت کا تھا- وہ دیہاتی علاقہ تھا جہاں فصیح نہیں بولی جاتی، بلکہ ان کی اپنی مقامی زبان ہے، جو عربی کی بگڑی ہوئی شکل ہے، ہم ان کی زبان سمجھ نہیں پا رہے تھے اور نہ وہ ہماری، تھوڑی بہت عربی میں بھی جانتا ہوں مگر مجھے اس وقت کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ میں ان سے کیا کہوں؟ کس کو فون کروں؟ کس سے مدد لوں؟ بغداد سے تو ہم اچھی طرح واقف تھے، مگر اس سنسان علاقے سے ہم بالکل بھی شناسا نہیں تھے، ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ جہاں ہمارے ساتھ یہ حادثہ ہوا وہ کون سی جگہ تھی، بعد میں اس کی تفصیل معلوم ہوئی-

خوشتر نورانی: جب آپ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ شیخ صاحب شہید ہو چکے ہیں تو پھر آپ لوگوں نے کیا کیا؟

مولانا عطیف قادری: سچ پوچھیے تو ہمیں اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ شیخ صاحب شہید ہو گئے ہیں، ہمیں لگ رہا تھا کہ یہ چھوٹا ہاسپٹل ہے اس لیے یہ ایسا کہہ رہے ہیں- اس لیے حافظ عبدالقیوم صاحب نے مجھ سے کہا کہ درگاہ شریف فون کیجیے اور ان سے کہیے کہ ہیلی کاپٹر والی ایمبولینس لے کر آئیں، شیخ صاحب کا ہم بغداد شریف کے کسی بڑے ہاسپٹل میں علاج کرائیں گے- میں نے اور حافظ صاحب نے فوراً ٹور آپریٹر امین بھائی کو فون کیا، وہ بمبئی جانے کے لیے پورے گروپ کے ساتھ بغداد شریف ایئر پورٹ پر تھے، بلکہ ان کو بورڈنگ پاس وغیرہ بھی مل چکا تھا، ہم نے ان سے کہا کہ تم کسی بھی حال میں ایئر پورٹ سے باہر نکلو اور درگاہ شریف پہنچو، یہاں بہت سنگین مسئلہ ہو گیا ہے- بورڈنگ ہونے کے بعد باہر نکلنا ممکن نہیں تھا، مگر حضور غوث پاک کا کرم تھا کہ وہ ساری سیکورٹی سے نکل گئے، ایئر پورٹ کے سارے ذمہ داران ان کے ساتھ ہو گئے، ان کا سامان ہوائی جہاز سے نکالا گیا اور اس طرح وہ درگاہ شریف پہنچ گئے- مگر جب تک یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب ہمارے شیخ صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں- یہ خبر جب بغداد پہنچی تو غوث پاک کا پورا خانوادہ زار و قطار رونے لگا اور سب لوگ جمع ہو گئے، درگاہ کا ہر خادم یہاں تک کہ جو بھیک مانگنے والے ملنگ ہیں وہ تک رونے لگے اور ایک عجیب سناٹا چھا گیا اور ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ شیخ سالم کا لڑکا شہید ہو گیا- صاحب سجادہ حضرت پیر سید عبدالرحمٰن گیلانی نے ضروری کارروائی کے لیے فوراً احکامات جاری کیے اور مسلسل ہمارے رابطے میں رہے-

اتنے میں وہاں پر کچھ پولس والے قانونی کارروائی مکمل کرنے کے لیے آ گئے اور ایک ایمبولینس میں شیخ صاحب کے جسد خاکی کو لیا اور ہمیں ساتھ لے کر ایک پولس چھاؤنی میں آ گئے- وہاں کے انچارج نے ہم سے تفصیل معلوم کی اور اسے ایک کاغذ پر لکھ لیا اور ہم سے کہا کہ ہم بڑے شرم سار ہیں کہ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر پائے، پھر ہم سے پوچھا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ تو ہم نے کہا: ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم بغداد شریف حضور غوث پاک کی درگاہ چلے جائیں تو اس نے کہا: 'ٹھیک ہے' اس نے گاڑی منگائی، ہم سب لوگوں کو اس میں بٹھالا اور کہا کہ آپ لوگ بغداد جائیے، ہم اس شہید کو ہسپتال بھیج رہے ہیں، صبح ہم ان کو لے کر بغداد شریف آ جائیں گے- شیخ صاحب کے جسد مبارک کو چھوڑ کر جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر ہم وہاں کے قانون سے مجبور تھے-

ہم لوگ جب درگاہ شریف پہنچے تو حضرت پیر سید عبدالرحمٰن نے سب انتظام کر رکھے تھے اور ہمارے قیام و طعام اور تمام تر سہولیات کے لیے سب کو آرڈر جاری کر دیے تھے- انہوں نے حکومت کو خط بھی لکھ دیا تھا کہ سب کچھ صحیح طریقے سے ہو- درگاہ شریف میں ایک عجیب عالم تھا، ایسا بالکل نہیں لگ رہا تھا کہ ہم اپنے وطن میں نہیں ہیں- بدایوں میں جس طرح لوگ ہم سے تعزیت کرتے، ہمیں سنبھالتے، ہمارا خیال کرتے، بالکل اسی طرح لوگ ہم سے سلوک کر رہے تھے- ہر آدمی حضرت کو سنبھال رہا ہے، مجھے سنبھال رہا ہے، دعائیں کر رہا ہے حضرت پیر سید عبدالرحمٰن ہر ہر منٹ کی خبر لے رہے ہیں- وہاں سے لوٹتے ہی حضرت سیدھے حضور غوث پاک کی درگاہ کے اندر گئے اور جالی پکڑ کر صرف اتنا کہا کہ:

''آپ کا شکریہ حضور، آپ نے میرے لڑکے کو گود لے لیا-''

اور یہ کہہ کر چلے آئے- حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ ''آج میں سمجھا کہ حضور غوث پاک کی نظر میں شیخ صاحب کا مقام مجھ سے بھی اعلیٰ ہے-'' پھر اس کے بعد ضروری کارروائیاں شروع ہو گئیں-

حضور سیدنا غوث پاک، ان کے خانوادے اور ان کے خدام کے احسانات تو ہم پر ہیں ہی- ان کے علاوہ یہاں میں ایک شخصیت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جنہوں نے ہم پر بہت احسانات کیے، وہ ہیں محترم عبدالمبین سبحانی- یہ ہندوستان کے ہی رہنے والے ہیں، مگر انھوں نے جامعہ صدام (بغداد) سے تعلیم حاصل کی اور اب تجارت کی غرض سے وہیں مقیم ہیں- انھیں جب خبر ہوئی تو شام کو ہی وہ درگاہ معلیٰ پہنچ گئے اور آنے سے پہلے ہی ہندوستانی سفارت خانے کو فون کر دیا اور حادثے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ آپ فوراً اس پر ایکشن لیجیے، یہ ہندوستان کے بہت معزز ترین لوگ ہیں- سفارت خانے سے موصوف کے اچھے تعلقات تھے، اس لیے ہندوستانی سفیر مسٹر ریڈی کا میرے پاس فون آیا، انھوں نے تفصیل معلوم کی اور کہا کہ ''میں کہیں باہر جا رہا ہوں، اس لیے اپنے سیکریٹری مسٹر اشوک کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، آپ بالکل فکر نہ کریں، انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اس طرح کے حادثے میں نعش ملنے میں وقت لگ جاتا ہے، اس لیے آپ اس کے لیے تیار رہیں، مگر ہم پوری کوشش کریں گے بہت جلد آپ کو نعش مل جائے-''

میں نے ان سے پوچھا کہ کتنا وقت لگے گا؟ تو انھوں نے بتایا کہ کم سے کم ایک ہفتہ اور زیادہ سے زیادہ تین ماہ- یہ سن کر ہم پریشان ہو گئے- وہاں کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کے وزرا سے تعلقات ہیں، آپ ہندوستان میں کسی منسٹری کو فون کیجیے، میں نے کہا کہ بچپن سے اب تک یہی سنتے اور پڑھتے چلے آئے ہیں کہ:

کیوں سائل بغدادی، ہو غیر سے فریادی
منگتے شہ جیلاں کے ہوتے نہیں ہرجائی

اور اب وقت پڑا تو در بدر دوسروں کے دروازے کھٹکھٹائیں؟ یہ کام حضور غوث پاک کے حوالے ہے، انہی کی سر زمین میں ہیں، وہ ان شاء اللہ مایوس نہیں کریں گے- اس سلسلے میں سبحانی صاحب نے بہت اہم رول ادا کیا، رات دیر تک بیٹھے، صبح جب سفیر کا سیکریٹری آیا تو ان کے ساتھ آئے، ہر جگہ انہوں نے ہماری ترجمانی کی، ہمارے ساتھ رہے، دوڑ دھوپ کرتے رہے، ان کی وجہ سے بہت ہمت رہی-

ان کے علاوہ حضور غوث پاک کا پورا خانوادہ اور خدام اس کام میں لگ گئے، ان سبھوں کی کوششوں سے ہمارے شیخ صاحب کی نعش ہمیں بہت جلد ٦ / مارچ کو دوپہر تک مل گئی- شیخ صاحب کی میت کو لے کر ہم درگاہ شریف آ گئے، درگاہ میں صاحب سجادہ حضرت پیر سید عبد

الرحمٰن گیلانی صاحب کی سخت ہدایت تھی کہ تدفین کے تعلق سے جیسا شیخ سالم چاہیں، ویسا ہی کرو۔

خوشتر نورانی: شیخ صاحب کی تدفین کے حوالے سے کچھ بتائیں؟ حضور غوث اعظم کے جوار میں جگہ کیسے ملی؟

مولانا عطیف قادری: خوشتر صاحب! ایسا نہیں ہے کہ ہم لوگوں نے صاحب سجادہ حضرت پیر سید عبدالرحمٰن گیلانی سے وہاں تدفین کے لیے گزارش کی، بلکہ ہمارے حضرت والد ماجد نے جیسے ہی انھیں اس حادثے کی اطلاع دی، پیر صاحب نے فرمایا کہ ''تم فکر مت کرو، ہم ان کی آخری آرام گاہ اپنے خاندان کے مخصوص قبرستان میں بنائیں گے۔'' ہمیں تو وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور غوث پاک کے آستانے کے احاطے کے اندر جس قبرستان میں خانوادے کے شہزادے، متولیان اور سجادگان ہی مدفون ہیں وہاں شیخ صاحب کی آخری آرام گاہ بنے گی۔ اتنا بڑا اعزاز صرف انھی کے حصے میں آیا۔

درگاہ شریف میں میت کو غسل دینے کا کمرہ ہے، وہاں شیخ صاحب کو غسل دیا گیا، بڑا نورانی چہرہ تھا، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ انھیں گولی لگی ہے، بس ایسا لگ رہا تھا کہ گہری نیند سو رہے ہیں اور ابھی اٹھاؤ گے تو اٹھ جائیں گے۔ ۵۵/ گھنٹے نعش ریفریجریٹر میں رکھی رہی، مگر اس کے باوجود جب غسل دے رہے تھے تو جسم بالکل تروتازہ لگ رہا تھا۔ غسل کے بعد جنازے کو تیار کیا گیا، حضور غوث پاک کی درگاہ کا خادم مخصوص عطر لے کر آیا جو عطر حضور غوث پاک کے مزار شریف پر لگایا جاتا ہے وہ ان کو لگایا گیا۔ اتفاق سے حیدر آباد سے کچھ لوگ زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے، ان میں مولانا سید شفیع پاشا قادری حیدر آبادی برادر سجادہ حضرت لاابالی، کرنول اور بہت سے احباب اس موقع پر موجود تھے۔

پھر جنازہ لاکر اس مقام پر رکھ دیا گیا جہاں رکھ کر جنازے کی نماز پڑھائی جاتی ہے۔ اس وقت حضرت تاج دار اہل سنت نے درگاہ کے خادم سے فرمایا کہ ''میں یہ چاہتا ہوں کہ جب نماز ہوجائے اور ہم تدفین کے لیے جائیں تو اسید الحق کا جنازہ غوث اعظم کے قدموں میں پائینتی لے جاکر رکھ دوں۔'' یہ سن کر وہ گھبرا گئے، کیوں کہ وہاں ایسا ہوتا ہی نہیں ہے اور آج تک کسی صاحب سجادہ کے جنازے کو بھی اندر نہیں لے جایا گیا۔ خادم نے کہا کہ یہ اس کے اختیار سے باہر کا معاملہ ہے، پھر یہ بات حضرت نے درگاہ کے منیجر سے کہی تو انھوں نے فوراً جواب دیا کہ ''آپ جیسا چاہتے ہیں، کریں، آپ کو کسی چیز کے لیے منع نہیں ہے۔'' اس کے لیے ہمیں خاص ہدایتیں دی گئی ہیں۔

۶/ مارچ ۲۰۱۴ء کو حضور تاج دار اہل سنت نے عصر کے بعد درگاہ شریف میں شیخ صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازے میں بغداد کے علما، مشائخ، درگاہ شریف کے سارے خدام، خانوادے کے شہزادگان اور سیکڑوں حاضرین موجود تھے۔ جنازہ تیار کرنے سے پہلے ایسا لگ رہا تھا کہ ایک میت ہمارے ساتھ ہے، مگر جب جنازہ تیار کرکے نماز پڑھنے کے لیے لائے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی دولہا کو لے کر جا رہے ہیں اور ہمارے بدایوں میں ایک رواج یہ بھی ہے کہ دولہا بنانے کے بعد دو رکعات شکرانے کی نفل مسجد میں لے جاکر پڑھائی جاتی ہے اور اس کے بعد بارات روانہ ہوجاتی ہے۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا۔ نماز جنازہ کے بعد جنازہ اٹھا کر پائینتی کی طرف سے ہم لوگ درگاہ شریف کے اندر داخل ہوئے، اس وقت درگاہ سے سب کو باہر نکال دیا گیا، اس کے بعد شیخ صاحب کو حضور غوث پاک کے قدموں میں لے جاکر رکھا گیا اور پھر سلام پڑھا گیا:

میرے پیران پیر سلام علیک
اے میرے دستگیر سلام علیک

پھر وہاں سے اٹھا کر دوسرے دروازے سے باہر لے گئے اور پھر قبرستان کی طرف آئے، قبرستان درگاہ کے احاطے میں ہے اور حضور غوث پاک کے گنبد کے بالکل پیچھے ہے۔ گنبد اور قبرستان کے درمیان صرف ایک دیوار کا فاصلہ ہے۔ قبرستان میں جنازہ رکھا گیا، قبر تیار تھی میں قبر میں اترا اور میرے ساتھ قبرستان کا خادم بھی قبر میں اترا، ہم لوگوں نے شیخ صاحب کو قبر میں رکھا۔ اس موقعے پر حضرت نے فرمایا کہ شجرہ نہیں ہے، ورنہ اسے قبر میں رکھ دیا جاتا، اس پر میں نے کہا کہ:

''شجرہ میں بتیس صفحے ہیں اور یہ دس قدم کی دوری پر ہے، بتیس صفحوں کی کیا زحمت کریں گے؟ دس قدم پہ وہی موجود ہیں، ان کے قدم کا سایہ ہے، جب سورج نکلتا ہے تو گنبد کا سایہ شیخ صاحب کی قبر پر پڑتا ہے۔'' خیر جنازہ قبر میں اتارا گیا اور مٹی وغیرہ دی گئی پھر اس کے بعد فاتحہ ہوئی، تلقین ہوئی، اور سورۂ یٰسین وغیرہ پڑھی گئی جو وہاں کا معمول ہے۔ اور حضرت پیر سید ابراہیم الگیلانی رضی اللہ عنہ کے مزار پر جو چادر پچھلے ایک سال سے تھی، اسے اتار کر خادم نے دی اور وہ شیخ صاحب کی قبر پر ڈالی گئی۔

یہاں میں یہ عرض کردوں کہ آپ کے جنازے پر وہاں کے علما و مشائخ سے ملاقات ہوئی تو وہ حیرت کا اظہار کر رہے تھے کہ شیخ صاحب کو یہاں کیسے جگہ مل گئی! وہاں کے مشائخ تمنا کرتے ہیں کہ یہاں دفن کے لیے جگہ مل جائے مگر انھیں نہیں ملتی۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ شہید نہیں بھی ہوتے تو ان کے لیے اس مٹی میں دفن ہونا کافی ہوتا۔

اب میں یہاں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شیخ صاحب کو مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں، زندگی میں ان کو ان کے کارناموں کی وجہ سے شیخ صاحب کو ہر لقب مل چکا تھا۔ وہ مدرسے میں پڑھاتے تھے، اس لیے مدرس تھے، وہ کتابیں لکھتے تھے، اس لیے مصنف تھے، وہ بے مثل خطاب کرتے تھے، اس لیے خطیب تھے، وہ یہاں ہمیشہ نماز پڑھاتے تھے، اس لیے امام تھے، وہ پرہیز گار اور دین دار تھے، اس لیے متقی تھے، حدیث اور تفسیر پر ان کی گہری نظر تھی، اس لیے محدث اور مفسر تھے۔ اسی طرح وہ حافظ تھے، قاری تھے، شاعر تھے، متکلم تھے اور مفتی تھے۔ بس ایک لقب باقی رہ گیا تھا، شہادت سے سرفراز ہوکر وہ 'شہید' بھی ہوگئے۔

خوشتر نورانی: کیا شہید بغداد پر ہونے والا یہ حملہ منصوبہ بند تھا؟

مولانا عطیف قادری: مجھے نہیں لگتا کہ یہ حملہ کسی خاص پلاننگ کے تحت ہونے والا حملہ تھا، واقعہ یہ ہے کہ ایسے سانحے عراق میں ہر دن پیش آتے رہتے ہیں، خود اُسی شام کا واقعہ ہے کہ ایک پولس چوکی پر حملہ کرکے دہشت گردوں نے ۹/ پولس والوں کو شہید کردیا۔ معاملہ یہ ہے کہ عالم اسلام کے دیگر ممالک کی طرح مسلکی منافرت وہاں بھی اپنی انتہا پر ہے اور حکومتی نظام مستحکم نہ ہونے کے سبب یہ مسلکی منافرت وہاں قتل وغارت کی صورت اختیار کرگئی ہے، بلکہ بعض دفعہ اس طرح کے حادثات میں کہیں نہ کہیں پولس کی سازش بھی شامل ہوتی ہے۔ خود اس سانحے کے حوالے سے ہمارے بعض احباب کو اس کا خدشہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے اندازے کے مطابق شیخ صاحب کو جان بوجھ کر نشانہ نہیں بنایا گیا ہے، حقیقت کیا ہے یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ویسے اس معاملے کو کرید کر کیا فائدہ؟ جو ہونا تھا وہ تو ہوچکا ہے۔ بس دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ عالم اسلام پر خاص فضل وکرم فرمائے اور مسلمانوں کو تدبر، حلم، بصیرت اور شعور عطا کرے اور انھیں پرامن زندگی کی توفیق بخشے۔

خوشتر نورانی: ان کی شہادت سے خصوصاً خانقاہ قادریہ اور عموماً اہل سنت وجماعت کو جو نقصان پہنچا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ یہ بہت ہی صبر آزما اور مشکل گھڑی ہے۔ آپ سے ان کو بڑی محبت اور توقعات تھیں، ہم جاننا چاہیں گے کہ خانقاہ قادریہ کی تشکیل نو کا جو خواب انہوں نے دیکھا تھا، وہ کس طرح مکمل ہوگا اور آپ کے عزائم کیا ہیں؟

مولانا عطیف قادری: دیکھیے! یہ وقت تو ایسا نہیں ہے کہ میں کچھ بیان کروں؟ اس صدمے سے ابھی ہم سب ابھر نہیں پائے ہیں، آپ کی بھی ابھی یہی حالت ہے۔ یہاں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ ہماری خانقاہ یا ہم لوگوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم اپنے بل بوتے پر کھڑے ہیں، ہم نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم اللہ کے فضل، حضور شمس مارہرہ اور حضور غوث اعظم کے بل بوتے پر ہیں۔ شیخ صاحب اکثر یہ شعر انہی دونوں بزرگوں کی طرف اشارہ کرکے پڑھا کرتے تھے:

پورے قد سے جو کھڑا ہوں یہ عنایت ہے تری
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

حضور غوث اعظم اور حضور شمس مارہرہ کی نظر اور عنایات رہیں گی تو ان شاء اللہ شیخ صاحب کا چھوڑا ہوا مشن جاری رہے گا۔

رہا میرا معاملہ تو میں خاک کا ایک ذرہ ہوں اور وہ ایک درخشندہ و تابندہ علم کا سورج تھے، مگر جو بھی خانقاہ کے عزائم اور اس کا مشن ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ رکے گا نہیں۔ خواہ وہ تصنیف وتالیف کا ہو یا تحقیق واشاعت کا یا پھر تعمیر وتشکیل کا۔ شیخ صاحب نے ایک اچھی ٹیم بنائی ہے، وہ ٹیم یہاں موجود ہے۔ میں اسی ٹیم کا حصہ ہوں، ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔

شیخ صاحب کی کمی تو ہم پوری نہیں کرسکتے، مگر ہمارے اکابر اور مرشدان مارہرہ کی نگاہ رہی، جیسا کہ ہمیشہ رہی ہے تو یہ مرحلۂ شوق بھی طے ہوتا رہے گا۔ آپ خود کہتے ہیں کہ شیخ صاحب ایک شخصیت نہیں، بلکہ تحریک تھے، ان شاء اللہ وہ تحریک زندہ رہے گی۔ ہم نے عہد کیا ہے کہ ہر سال ہم بغداد شریف جاتے ہیں تو غوث پاک کے لیے چادر لے جاتے ہیں، مگر ہم اپنے شیخ صاحب کے لیے ہر سال کم از کم دس کتابیں لے جایا کریں گے۔ وہ علم وفن کے شیدائی تھے اور اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے خواہاں تھے، یقیناً ان کی روح اس سے خوش ہوگی۔

خوشتر نورانی: آپ کا بے حد شکریہ۔

□□□

مجلس فقہ وتصوف کا شہر یار وہی

اِذن ہو گر تو میں اِک قصہ جاں کاہ لکھوں
دلِ غمناک سے اُٹھتی ہوئی اِک آہ لکھوں

درد سے خامہ و اِحساس سبھی چور ہوئے
صف ماتم ہے بچھی، ہائے وہ کیا دور ہوئے

پردۂ عام پہ اِک نقش ابھی اُبھرا تھا
بڑا دل کش، بڑا پُر کیف، بڑا اُجلا تھا

اِک کلی ایسی کھلی اپنے شجر سے تو سہی
مسکرا بھی نہ سکی ہائے کہ مرجھا ہی گئی

اُس کے اَنوار برستے رہے ساون بھادوں
اُس کی خوش بوئیں مہکتی رہیں ملکوں ملکوں

وہ کوئی اور نہیں، میرا اُسید الحق تھا
علم وحکمت کی ہر اِک شاخ پہ اُس کا حق تھا

وہ محدث بھی تھا، حافظ بھی، مفسر بھی تھا
وہ مدرس بھی، مصنف بھی، مدبر بھی تھا

نازشِ شعر و اَدب، بزم کی رونق بھی تھا
ناقد باصر و ممتاز محقق بھی تھا

جو ولی عہد و ولی زادہ و معمار بھی تھا
اہل سنت کا وہ اِک قافلہ سالار بھی تھا

جو مزکیٰ و مجلّٰی و مصفّٰی بھی تھا
پیکر خُلقِ حسیں، حامل تقویٰ بھی تھا

محفل علم وعمل میں تھا ضیا بار وہی
مجلس فقہ و تصوف کا شہریار وہی

اُس کی تحریر سے باطل کو پسینہ آجائے
اُس کی تقریر سے بے ڈھنگوں کو جینا آجائے

اہل سنت وجماعت کی اُسے جاں کہیے
ہاں، اُسے کشتی ملت کا نگہباں کہیے

رہ گیا کون کہ دم خم ہو، اَثر ہو جس میں
خضر راہیِ جماعت کا ہنر ہو جس میں

ہائے افسوس جماعت میں وہ ہل چل نہ رہی
جس سے نسلوں کو ضیا ملتی وہ مشعل نہ رہی

ایسے بے لوث، خدا ترس جیالے نہ رہے
ظلمتیں چھانٹ کے رکھ دیں وہ اُجالے نہ رہے

کل جماعت کا جو تھا سب سے گراں سرمایہ
اے مرے غوث اُسے آپ نے بھی اپنایا

ہم سے بے نور چراغوں کا تو اب کیا ہوگا!
بخت کے مارے بے چاروں کا بھلا کیا ہوگا!

بچھڑے محمود کو کیا چاہیے، بس اُس کا ایاز
ملتمس ہم بھی ہیں یوں آپ سے صد عجز و نیاز

غوثِ اعظم ہمنے بے سروساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ اِیماں مددے

محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن (افریقہ)

(۲)

نالۂ درد

نالۂ درد

عالم ربانی کی شہادت پر اہل خانقاہ کے کلمات رنج وغم

شہید بغداد، عالم ربانی مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک شہادت سے ملک و بیرون ملک ارباب علم وفکر اور اصحاب شریعت وطریقت کی مجلسوں میں ماتم کا سماں بندھ گیا- خانقاہ قادریہ بدایوں اور دفتر ماہنامہ جام نور دہلی میں ہر طرف سے تعزیتی فون، ای میل، ایس ایم ایس اور خطوط آنے لگے، ان میں سے مشائخ کی چند منتخب تحریریں یہاں حاضر کی جاتی ہیں- (ادارہ)

دنیائے سنیت کا ایک بڑا محقق ہمارے درمیان سے چلا گیا

امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی

سجادہ نشین: خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ایٹہ (یوپی)

۴/ مارچ ۲۰۱۴ء یہ ایسی تاریخ ہے جو تا عمر یاد رہے گی- میں اپنے چیک اپ کے لیے دہلی میں تھا- شام کو عزیزم احمد مجتبیٰ صدیقی کا فون علی گڑھ سے آیا، وہ بہت شدت سے رو رہے تھے، بمشکل انہوں نے یہ اطلاع دی کہ بغداد شریف کے پاس ''بھیا'' دہشت گردوں کا شکار ہو گئے- میں نے پوچھا کہ اسید میاں بخیر ہیں؟ تو احمد نے بتایا کہ یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوا- مجھے دہلی میں رات گزارنا مشکل ہو گیا، مختلف ممالک سے فون کر کے اسید میاں کے بارے میں معلوم کرتا اور دعا کرتا جاتا تھا کہ سامنے سے جواب آ جائے کہ اسید میاں زخمی ہیں اور ایک آدھ ہفتے میں صحت یاب ہو جائیں گے، مگر افسوس کہ ہر جگہ سے شہادت کی ہی اطلاع ملی- سارے مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے، جب بھی ملاقات ہوتی تو فوراً قدم بوسی کے لیے جھک جاتے، میں باہیں پکڑ کر اٹھاتا اور اپنی کبیدگی کا اظہار کرتا تو جواب ملتا کہ حضرت ہمارے موروثی حق سے محروم نہ کریں-

شمس مارہرہ سیدنا ابوالفضل شمس الدین آل احمد اچھے میاں قدس سرہ العزیز کے بہت چہیتے خلیفہ حضرت شاہ عین الحق مولانا عبد المجید قادری برکاتی آل احمدی کے باغ کے شگفتہ پھول اس راہ پر چل دیے جس پر آگے پیچھے سب کو جانا ہے- فارسی والا خوب کہہ گیا:

اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　　تو کجا بہر تماشا می روی

حضرت مولانا عبد الغنی علیہ الرحمہ سے مولانا عین الحق عبد المجید علیہ الرحمہ نے فرمایا ''ہمیں ایک مرشد کامل سے بیعت ہونا ہے'' مولانا عبد الغنی صاحب، حضور اچھے میاں کے مرید وخلیفہ تھے، انہوں نے کہا چلو ہم اپنے پیر ومرشد سے ملا لائیں- دونوں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے، کچھ دیر قیام کیا، مولانا عبد الغنی علیہ الرحمہ نے پوچھا کہ بتایئے آپ کا کیا ارادہ ہے؟ مولانا عین الحق عبد المجید بدایونی نے کہا ''صاحب یہاں بھی اونچی دکان اور پھیکا پکوان ہے- ہمیں اب مرید نہیں ہونا-'' رات کو سرکار غوث اعظم کی زیارت ہوئی، سرکار نے مولانا عبد المجید کا ہاتھ پکڑ کے شمس مارہرہ کے ہاتھ میں دے دیا، اب تو حضرت کا یہ عالم تھا کہ جلد از جلد مرشد سے ملاقات ہو- خیر ملاقات ہوئی تو سرکار اچھے میاں نے فرمایا کہ مولوی صاحب ہمارے پاس کیا رکھا ہے، یہاں تو اونچی دکان پھیکا پکوان ہے- مولانا عبد المجید صاحب حضور اچھے میاں سے لپٹ گئے، مرید کر کے خلافت عطا فرمائی اب تو یہ حال کہ مولانا، مرشد برحق کے قدموں سے دور جانا گوارا نہیں کر رہے ہیں- مرشد حکم دیتے کہ تم پر بیوی کے حقوق بھی ہیں، جاؤ مدینۃ الاولیاء بدایوں شریف- چند روز بعد حضور اچھے میاں دیکھتے ہیں کہ مولانا بدایوں سے واپس آ گئے اور قدم بوسی کر رہے ہیں-

حضرت مولانا فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے اور وہابیہ کا پہلا رد تحریری طور پر انہوں نے ہی کیا ہے- ان کے

فرزند حضور تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ جن سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نہایت عقیدت مندانہ تعلقات تھے، انہوں نے دیوبندیوں اور اس دور کے فتنے ''ندوہ'' کا زوردار رد کیا- والد ماجد حضور احسن العلما نے بہت سے واقعات بتائے جو میرے سینے میں محفوظ ہیں- فاضل بریلوی اپنے مشہور قصیدے میں لکھتے ہیں:

ندوی گھبراتے ہیں کہ دو ہی تو ہیں　　　اسد احمد رضا محبّ رسول

اور وہ مشہور شعر:

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے　　　روز سعی صفا محبّ رسول

حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر علیہ الرحمہ میرے مرشد تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں علیہ الرحمہ کے استاذ معظم تھے- اسید میاں اسی خاندان کے چشم وچراغ تھے، خاندانی علم، خواجہ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین کی شاگردی اور ازہر شریف کا قیام، گویا سونے پہ سہاگا-

ان کی میت، اسپتال سے دو دن بعد ملی اور ان کو سرکار غوث اعظم کے خاندانی قبرستان میں جگہ ملی اور وہ بھی اس جگہ جہاں کئی دن پہلے اسید میاں فاتحہ خوانی کر رہے تھے ـــــ ہم چاروں بھائی ایک ساتھ کہیں نہیں جا پاتے، مگر یہاں یہ معاملہ تھا کہ اس شخص سے تعزیت کرنے کے لیے بدایوں شریف ہم سب کو جانا ہے اور اس شخص کو تسلی دینا ہے جو ایک دن قبل دنیا کا بہت بڑا وزن اپنے کاندھوں پر رکھ کر آخری منزل پہنچا چکا ہے- واقعی جوان بیٹے کا جنازہ بوڑھے باپ کے کاندھوں پر دنیا کا سب سے بڑا بوجھ ہے، برادر بجاں برابر سید محمد اشرف، سید محمد افضل، سید نجیب حیدر برخوردار سید محمد امان، سید محمد عثمان، سید حسن حیدر، مولوی محلہ، حضرت سالم میاں صاحب کے گھر پہنچے- واقعی سالم میاں صاحب صبر واستقامت کا پہاڑ بنے ہوئے اس غم کو اندر ہی اندر پی رہے تھے- سالم میاں صاحب کو ہم سب کے جانے سے بڑی ہمت ملی، لیکن یہ غم تو وہ ہے جو ساری عمر بھلایا نہیں جا سکتا:

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں　　　اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

دنیائے سنیت کا ایک بڑا محقق، مصنف، نقاد، مؤلف ہمارے درمیان سے چلا گیا:

مت سہل انہیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں　　　تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

یہ میرے دلی تأثرات ہیں جو فی البدیہہ تحریر کیے ہیں، اللہ تعالیٰ پورے خانوادے کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے، اسید میاں کی والدہ ماجدہ اور بیگم (جو ہماری بھتیجی بھی ہیں) عطیف میاں، عزام میاں کو وہ قوت عطا فرمائے جو اس کی شان کے مطابق ہو:

جان کر منجملۂ خاصان میخانہ مجھے　　　مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

اللہ بس باقی ہوس- وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین-

□□□

خانقاہ برکاتیہ اپنے چہیتے اور روحانی فرزند سے محروم ہوگئی

رفیق ملت حضرت سید نجیب حیدر نوری

سجادہ نشین: مسند نوریہ، خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ایٹہ (یوپی)

میں کیا لکھوں اور کیسے لکھوں سمجھ کام نہیں کر رہی، بس آنکھوں میں اسید میاں کی تصویر گھوم رہی ہے، ان کا مسکراتا ہوا باادب چہرہ میرے خیالوں میں ہے، پہلے میں انہیں ''بھیا'' ہی کہتا تھا لیکن ملاقاتوں کے بعد دل چاہا کہ شیخ صاحب ہی پکاروں کیونکہ یہ لفظ ان پر جچتا تھا اور وہ اس کے اہل بھی تھے۔ ہم سے محبت کرتے اور ہمارے اپنے بچوں کی طرح ہماری عزت بھی۔ کبھی بھی کوئی کام ہم نے شیخ صاحب سے کہا یا احمد میاں کے ذریعہ کہلوایا تو منع کا تو کوئی سوال ہی نہیں بس فوراً لبیک کہتے ہوئے نظر آتے۔ ان کی شہادت نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا، ایسا لگا کہ کوئی زلزلہ سا

آ گیا- نہ دل یہ بات تسلیم کرتا تھا نہ دماغ کہ کل تک ہنسنے، بولنے، کہنا ماننے والا شریف النفس عالم دین اور مارہرہ کا چاہنے والا ہمیں چھوڑ کر اس
طرح اچانک چلا جائے گا-

میری ان سے ملاقاتیں تو بہت نہیں ہوئیں لیکن پتا نہیں کیوں ان سے بہت محبت ہوگئی تھی جس کا احساس ان کے وصال کے بعد ہوا، میں اب
بھی اچانک بیٹھے بیٹھے آبدیدہ ہوجاتا ہوں کہ کیسا کام کا آدمی ہم نے گنوادیا، اللہ کے حکم کے آگے چارہ نہیں لیکن دل ہے کہ اس کو قرار نہیں آتا ہے
جب بھی میں بدایوں شریف حاضر ہوتا تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہتا تھا، اپنے آبا کی کرسی پر مجھے بٹھا کر اپنے مدرسے کے بچوں کو لائن میں لگوا کر مجھ
سے مصافحہ کرواتے اور دور کھڑے مسکراتے رہتے- مارہرہ آتے تو ۲ یا ۴ گھنٹے کے لیے ہوائی گھوڑے پر سوار ہوکر نہیں آتے بلکہ باقاعدہ دو دن قیام
کرتے، عطیف میاں بھی ساتھ ہوتے- ان کے لیے امی کے گھر کا کمرہ مخصوص تھا، ان کے قیام مارہرہ میں میں نے ہمیشہ ان کو بہت خوش دیکھا جیسے
کہ وہ اپنے گھر میں ہوں- آخری ملاقات عرس قاسمی پر ہوئی تھی میں عزیزی احمد میاں کے ہمراہ شیخ المشائخ سید محمد توفیق الگیلانی کے استقبال کے لیے
بیرون مارہرہ حاضر ہوا، اور وہ شیخ المشائخ کے ہمراہ آئے میں نے محسوس کیا مجھے وہاں استقبال میں دیکھ کر وہ بہت جذباتی ہورہے تھے اور خوش بھی-

اسید میاں خاندان عثمانیہ کے چشم و چراغ بھی تھے اور ہمارے خاندان کے بے حد لاڈلے اور چہیتے روحانی فرزند بھی تھے- وہ خانقاہِ برکاتیہ
کے ان چند مخلصین میں تھے جو قول و عمل سے برکاتی مشن کو تقویت پہنچاتے ہیں- میں نے ان کو کئی مرتبہ خواب میں دیکھا اور ہر بار ایسا دیکھا کہ وہ
کہیں نہ کہیں خانقاہ کی ہمدردی میں کھڑے ہیں- حضرت شیخ سالم میاں صاحب دامت برکاتہم کا یہ غم ہم سب بھائیوں نے ذاتی غم کی حیثیت سے
لیا، میں نے اپنے برادر محترم سید محمد افضل میاں کی آنکھ میں بڑے بڑے گھریلو غموں میں بھی آنسو نہ دیکھے لیکن جب وہ بدایوں حاضر ہوئے تو
حضرت سالم میاں صاحب سے مل کر وہ بھی آنسوؤں پہ قابو نہ پاسکے- شیخ صاحب غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سچے عاشق تھے اسی لیے غوث اعظم نے
اپنے رب سے انہیں اپنے شہر کے لیے مانگ لیا- باقی رہے نام اللہ کا- ہم سب ان کی علمی، دینی، مذہبی اور روحانی خدمات کے کل بھی قائل تھے، آج
بھی ہیں اور مستقبل میں بھی رہیں گے- شمس مارہرہ کی نگاہِ کرم کل بھی خانقاہ قادریہ پر خاص تھی اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گی- امید ہے اسید میاں کے
بعد عطیف میاں اور عزام میاں اس عثمانی قادری وراثت کو چار چاند لگائیں گے اور اپنے والد ماجد کو سرخرو کریں گے-

میں دعا کرتا ہوں اللہ رب العزت بہ طفیل سید عالم ﷺ ہمارے عزیز روحانی بیٹے مولانا اسید الحق قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر
اپنے نور کی تجلیاں فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کے چھوڑے ہوئے مشن کو پورا فرمائے، حضرت شیخ سالم میاں
صاحب اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے، آمین-

□□□

جماعت اہل سنت کا ایک ناقابل تلافی نقصان

مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی

سجادہ نشین: خانقاہ عالیہ رشیدیہ، جون پور شریف (یوپی)

عزیزی مولوی ابرار رضا مصباحی سلمہ کی زبانی معلوم ہوا کہ عزیز گرامی مولانا اسید الحق قادری بدایونی عراق میں شہید کردیے گئے- پل بھر کے
لیے مجھے یقین نہیں ہوا، مگر قدرت الٰہی کے آگے کس کی چلی ہے؟

اذا جاء اجلھم لایستقدمون ساعۃ ولا یستاخرون- (جب کسی کی موت آتی ہے تو نہ پل بھر پہلے آتی ہے اور نہ پل بھر دیر سے)

مولانا اسید الحق غفر اللہ لہ نے جس جوش اور ولولے سے اپنے اکابر و اسلاف کی علمی و دینی خدمات کو منظر عام پہ لانے اور نوجوان علما کے
اندر تحقیقی ذوق اور مزاج پیدا کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا، وہ قابل رشک اور لائق صد تحسین تھا اور اہل علم و دانش کے نزدیک بھی ان کی قدر و اہمیت

تھی اور ملی و مذہبی امور کی بہتر انجام دہی کے لیے مستقبل میں ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں- چناں چہ مولانا کا جانا جہاں اہل خانہ اور احباب و
متعلقین کے لیے عظیم دکھ کا سبب ہے وہیں جماعت اہل سنت کا بھی ایک ناقابل تلافی نقصان ہے، نیز یہ مقام شکر ہے کہ وہ دنیا میں رہے تو انعام
الٰہی کے ساتھ، دنیا سے گئے تو انعام الٰہی کے ساتھ اور دو گز زمین پائی بھی تو انعام الٰہی کے ساتھ:

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ اس وقت جس قدر سخت آزمائش میں ہیں، اس سے نکلنا بڑا مشکل ہے، لیکن صبر و ضبط کے سہارے اس بحر غم کے موج پر بھی قابو
پایا جاسکتا ہے: فصبر جمیل واللہ المستعان- (صبر بہتر ہے اور اللہ ہی مددگار ہے) اللھم ھب لنا ولکم الصبر الجمیل-

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

سنیت کا ناقابل تلافی نقصان

حضرت سید شاہ فخر الدین اشرف جیلانی

سجادہ نشین: آستانہ اشرفیہ، درگاہ کچھوچھہ شریف بسکھاری، ضلع امبیڈکر نگر

اخبار کے ذریعے معلوم ہوا کہ مولانا اسید الحق کو شہید کردیا گیا، جس کا بے حد افسوس ہے- میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں- اللہ تعالیٰ
مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے- مولانا کے انتقال سے سنیت کا ناقابل تلافی نقصان ہوا- اللہ تعالیٰ ان کے درجے کو بلند کرے اور
پسماندگان کو صبر و استقامت کی توفیق فرمائے- آمین- (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

خانقاہ عارفیہ میں ماتم کا ماحول

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

سجادہ نشین: خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

شہید بغداد مولانا اسید الحق عاصم قادری میرے دل سے قریب تھے- موجودہ علما میں جن کو میں بہت زیادہ پسند کرتا تھا، ان میں وہ ایک نمایاں
حیثیت کے مالک تھے- اللہ کے فیصلے پر مجال دم زدن نہیں، لیکن بشری تقاضے کے سبب ان کے جانے کا بڑا افسوس رہا- ان سے مجھے بڑی امیدیں
وابستہ تھیں- میں نے ان کے اندر علمی گہرائی کے ساتھ ادب اور تقویٰ بھی پایا- مولانا مرحوم و مغفور ہماری خانقاہ میں کئی بار تشریف لا چکے تھے- مجھے
ان کی تحریر بھی پسند تھی اور تقریر بھی، ان کا ظاہری حسن بھی مجھے پسند تھا اور ان کے باطنی کمالات بھی قابل تحسین تھے- میں نے انہیں قال و حال کا
جامع پایا جو موجودہ علما میں عام طور پر مفقود نظر آتا ہے-

فقیر سے ملاقات کے دوران موصوف نے کئی بار اس کا اظہار کیا تھا کہ کئی الجھنیں ایسی ہیں جن کا ازالہ تحقیق و مطالعے سے اب ممکن نظر
نہیں آتا، ان کے لیے فقط دعائیں درکار ہیں- میں ان کے لیے آں موصوف سے ذاتی ملاقات چاہتا تھا، لیکن افسوس کہ اس کے لیے موقع نہیں مل
سکا اور آئندہ ملنا ناممکن ہوگیا- مولانا اسید الحق قادری فقیر سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے- بڑے ادب اور سلیقے سے ملتے- ان کی دعوت پر بدایوں
بھی حاضر ہوا اور ان کے حسن نظم و ضبط کو دیکھ کر ان کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکا- سال گزشتہ شمس مارہرہ حضرت اچھے میاں مارہروی کا دو سو سالہ
جشن منایا تو اس میں بھی فقیر کو مدعو کیا تھا- میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے حاضر نہیں ہوسکا تھا، لیکن میں اس قرض کی ادائیگی کے لیے اپنے طور پر خانقاہ

قادریہ میں حاضر ہونے کا جلد ہی ارادہ رکھتا تھا-اس سلسلے میں میں نے مولانا ذیشان مصباحی سے بھی گفتگو کی تھی-لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مولانا اسید الحق قادری شہید کے لائق و فائق قابل احترام والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ العالی اور ان کے صاحب زادگان اہل خانہ اور مولانا شہید مرحوم کی اہلیہ پر غم کا جو پہاڑ ٹوٹا ہے، اس کا ہمیں بخوبی اندازہ ہے-اللہ کریم سے ان کے لیے صبر جمیل کے لیے دعا گو ہوں-ان کے لیے یہ پہلو صبر کا باعث ہوگا کہ مولانا نے اپنی مختصر زندگی میں وہ کام کر دیا جو دوسرے لوگ زندگی بھر میں کرتے ہیں-انھوں نے کام کے خطوط بھی متعین کر دیے ہیں، مجھے امید ہے کہ حضرت سالم میاں صاحب کے دیگر صاحبزادگان ان خطوط پر اپنا مشن جاری رکھیں گے- کہتے ہیں کہ صبر و شکر سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے-مولانا اسید الحق شہید کی زندگی خانوادۂ عثمانی بدایوں کے لیے شکر کا عنوان تھی اور مولانا کی شہادت ان کے لیے صبر کا عنوان-مولانا اسید الحق قادری سے خانقاہ عارفیہ کا دوطرفہ تعلق تھا-ان کی وفات سے خانقاہ میں ایک ماتم کا ماحول بن گیا تھا-دوسرے دن ایصال ثواب کی محفل منعقد ہوئی جس میں جامعہ عارفیہ کے استاذ مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی نے خطاب کیا-یہ محفل آہ و بکا کی محفل میں تبدیل ہوگئی-فقیر کے ساتھ فقیر کے اہل خانہ اور فرزندوں کو بھی شدید غم لاحق ہوا-بڑے بیٹے عزیزم مولانا حسن سعید مصر سے بارہا فون کرتے رہے اور اظہار رنج و الم کرتے رہے-ان کا بطور خاص مولانا شہید سے بڑا گہرا قلبی تعلق تھا-حسن نے ایک دن مجھے فون پر بتایا کہ انہیں حضرت طفیل احمد شمیمی صاحب کا یہ شعر بار بار یاد آرہا ہے:

کیسے بھولوں کہ اختیار نہیں　　　پھر وہ بے اختیار یاد آیا

اس کے بعد بار بار میری زبان پر بھی یہ شعر آیا، لیکن رضا بر قضا مومن کا شیوہ ہونا چاہیے اور ہر مومن کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ ہماری یہ زندگی عارضی ہے، ہماری اصل زندگی اس کے بعد شروع ہوتی ہے-مولانا شہید تیاری کے ساتھ دوسری دنیا میں قدم رکھ چکے ہیں، ہمیں بھی بلا تاخیر اپنی تیاری شروع کر دینی چاہیے-حضرت سالم میاں صاحب قبلہ اور ان کے اہل خانہ کی تعزیت کے لیے دل پریشان رہا-بغداد سے ان کے آنے کے بعد سوچا کہ چند دن گزر جائیں تب حاضر ہوتے ہیں-اساتذہ جامعہ عارفیہ کے ساتھ ۱۸/مارچ کو سفر کی تیاری بھی شروع ہوگئی تھی، پھر اچانک بعض ناگزیر مصروفیات کے سبب رک گیا-ان شاء اللہ عرس چہلم میں ۱۲/اپریل ۲۰۱۴ء کو حاضر ہوں گا-آخر میں پھر مولانا شہید کی مغفرت اور رفع درجات اور ان کے اہل خانہ کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہوں-

□□□

ایک بے مثال عالم دین کے جانے سے ساری دنیا سوگوار

حضرت شاہ محمد ثقلین میاں قادری مجددی

سجادہ نشین: خانقاہ شرافتیہ، بریلی (یوپی)

حضرت علامہ اسید الحق شیخ صاحب ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کو اللہ رب العزت نے ہر نعمت عظمٰی سے نوازا تھا-حسب، نسب، عزت، عظمت، بصیرت، خداداد لیاقت وسعادت، کیا ہے جس سے علامہ کا دامن خالی ہو؟ رہی شہادت وہ بھی ایک ایسی شے ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں انعام یافتگان کی فہرست میں نمایاں ہے اور شہادت بھی ایسی کہ شیخ صاحب کے مورث اعلیٰ سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع وسنت کے تحت بلوائیوں اور دہشت گردوں کے ہاتھوں ہوئی-شیخ صاحب نسبت قادریت سے کامل طور پر معمور تھے جبھی تو

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

علامہ اسید الحق شیخ صاحب علیہ الرحمہ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو بھی صرف بغداد مقدس میں موت ہی ان کی فضیلت کے لیے کافی تھی-چہ جائے کہ مدفن احاطۂ غوث الثقلین میں دائمی قربت کی سند لیے ہوئے ہے-اہل سنت ان کی موت پر اگر رشک کریں بجا ہے اور زیب دیتا ہے-حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دار فانی سے جاتے جاتے بھی اپنے پاس بلایا اور جالیوں تک قریب کر کے تجلیات ربانی کی جو بارش آپ کے روضہ اقدس پر ہو رہی ہے اس میں شرابور فرما دیا-شیخ صاحب نے کم عمری میں وہ کر دکھایا جس سے اہل سنت کے دل باغ باغ، اور حاسدین کے کلیجے داغدار ہو گئے-اللہ تبارک وتعالیٰ علامہ کو علمی کاوشوں کا اجر عظیم عطا کرے، آمین-ان کے جانے سے ساری دنیا سوگ منا رہی ہے اور رنج وغم کا اظہار کر رہی ہے-خدا رحمت کرے اس عالم پاکیزہ طینت پر-شیخ صاحب کی وفات اہل سنت و جماعت کے لیے حزن وملال کا باعث ہے-رب کریم علامہ کے والدین ماجدین، برادران و دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرضی مولا میں راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے-ہم سب اہل آستانہ شرافتیہ علامہ کے پس ماندگان کے غم میں شریک ہیں-

□□□

دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے ؟

مولانا جلال الدین عبدالمتین فرنگی محلی

۲۳، فرنگی محل لکھنؤ (یوپی)

اس حادثۂ جانکاہ کی خبر اخبار سے معلوم ہوئی-کیا عرض کروں "دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے"؟ اسید میاں کو تو شہادت کا مرتبہ حاصل ہوا اور جس متبرک جگہ ہیں اس کا کیا کہنا!

دفن ہوں گے ترے کوچے میں خوشی ہے اس کی
آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

اللہ تعالیٰ ان کے طفیل میں ہم سب کی مغفرت فرمائے، آمین-(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

یہ ہولناک خبر دل و دماغ پر بجلی بن کر گری

پروفیسر سید طلحہ رضوی برق

سجادہ نشین: خانقاہ نظامیہ، داناپور، پٹنہ (بہار)

آہ صد آہ! اس ہولناک خبر نے دل و دماغ پر کیا بجلی گرائی کہ عزیز گرامی قدر، فاضل بے نظیر جوان اعنی اسید الحق قادری اب ہمارے درمیان نہ رہے-وا اسفا! کہ وہ اتنی قلیل عمر لے کے آئے تھے، انا للہ وانا الیہ راجعون-اس پیرانہ سالی میں آپ پر کیا گزری ہوگی، سوچ کے دل ٹوٹتا ہے-میں کن الفاظ میں آپ کو پرسہ دوں اور تعزیت کروں؟ رب تعالیٰ آپ کو صبر کی طاقت دے:

سر ایں نکتہ مگر شمع برآرد بزباں　　　ورنہ پروانہ ندارد بسخن پروائے

۲۰۰۸ء میں حج میں ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، مدینہ طیبہ میں وہ کس والہانہ شیفتگی سے ملتے تھے-آہ! اب یہ یادیں ہی یادیں رہیں، دست بہ دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے-

یہاں خانقاہ شریف میں بھی قرآن خوانی ہوئی اور فاتحہ وقل سے ایصال ثواب کیا گیا-میں گنہگار عمر کی آخری منزل میں ہوں، امراض کا شکار کمزور وناتواں بمشکل لکھا پڑھا جاتا ہے-کہیں زیادہ آنا جانا بھی نہیں ہوتا-محترمی حضرت عبدالقیوم راجی صاحب کا بھی فون آیا تھا دل تھام کے باتیں

کرسکا-افسوس اللہ تعالی مجھے مرحوم ومغفور کے چہلم شریف میں شرکت نصیب فرمائے، بصورت دیگر سراپا معذرت ہوں-

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری/۱۲/مارچ ۲۰۱۴ء)

□□□

دل اب بھی یقین کرنے پر آمادہ نہیں

مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری

سجادہ نشین: خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ (بہار)

حادثۂ جانکاہ یعنی آنجناب کی معیت اور برادر اصغر عطیف میاں قادری و دیگر احباب کی شمولیت میں بارگاہ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کی حاضری کے بعد حضرت شیخ محمد توفیق گیلانی سے ملاقات کی غرض سے جاتے ہوئے، اربل کردستان عراق میں ایک دہشت گردانہ حملے کی زد میں برادرم شاہ اسید الحق عاصم قادری تغمّد اللہ بغفرانہ و اعلی درجاتہ کی شہادت کی اندوہناک خبر بذریعہ روزنامہ ''انقلاب'' معلوم ہوئی- اناللہ وانا الیہ راجعون- اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیراً منھا

انتقال کی دلخراش وجگرسوز خبر سے قلبی صدمہ ہوا، ذہن ودماغ پرحزن وملال کی ایک ناقابل بیان کیفیت چھا گئی-اب تک نہ جانے کتنی بار اس حادثہ جانکاہ کی خبر پڑھ چکا ہوں، مگر دل اب بھی یقین کرنے پر آمادہ نہیں کہ جو کچھ ہوا وہ واقعی ہو چکا ہے، مگر مشیت ایزدی اور قضاوقدر کے فیصلے پر سوائے یقین کرنے کے چارہ ہی کیا ہے- ہم مجبور بندے کیا کر سکتے ہیں- یہ تو ایسا اندوہناک صدمہ ہے جس کی غم انگیزی الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی، بس آنسوؤں کی دبی ہوئی آہوں کے ساتھ ایک بار پھر بندگی وبیچارگی کا اقرار کرتے ہیں کہ بیشک ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں، اسی کی امانت ہیں اور منزل مقصود بھی وہی ہے، جانا وہیں ہے-

شاہ اسید الحق صاحب کی ہمہ جہت شخصیت، قلیل مدت میں ان کے عظیم علمی وتحقیقی کارنامے، خانقاہ میں ان کی تشریف آوری، کچھ دیر خانقاہ میں قیام، ناچیز سے ملاقات، مزاج میں سادگی، اخلاق میں بلندی، اخلاص وللّٰہیت، پھر تعلقات، مراسلت اور مکاتبت، یہ سب یادیں ذہن ودماغ میں گردش کر رہی تھیں اور قلب وروح کو مضمحل کیے ہوئے تھیں- بالآخر حال معلوم کرنے اور تعزیت کی سنت پر عمل کرنے کے لیے فون سے رابطہ کیا تو مولانا مجاہد صاحب نے آپ کے چھوٹے صاحبزادے سلمہ سے بات کرائی، فرط غم کی وجہ سے تعزیتی کلمات بھی زبان سے ادا نہیں ہو رہے تھے، بمشکل تمام چند الفاظ لرزتی زبان سے نکل پائے تھے جو ایسی گراں بار مصیبت کی تعزیت کے لیے کالمعدوم کی حیثیت رکھتے تھے، کیونکہ برادرم شاہ اسید الحق صاحب کی وفات کا غم ایسا شدید ہے جس کے لیے دنیا بھر کے تعزیتی کلمات ناکافی ہیں-

جواں سال فرزند، پیکر علم وفضل، جن میں صلاحیت وصالحیت بدرجہ اتم موجود ہوں، جو اپنے اسلاف کرام کے صوری ومعنوی کمالات کی مکمل تصویر ہو، اس طرح دہشت گردانہ حملے میں ان کی شہادت آپ کے لیے کتنے غم واندوہ، رنج وملال اور قلق واضطراب کا باعث ہوگا ہمیں اس کا اچھی طرح اندازہ ہے-

گر پیر نود سالہ بمیرد عجبے نیست ۔۔۔ ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

مگر صبر وتسلیم ورضا روز اول سے ہی عظیم المرتبت ہستیوں کا شیوہ رہا ہے، اس غمزدہ ماحول میں آپ نے بھی صبر کے وسیع سرمایہ سے ضرور مدد لی ہوگی، اللہ تعالی اس پیرانہ سالی میں آپ کو یہ بار غم اٹھانے اور برداشت کرنے کی قوت واستطاعت عطا فرمائے- انہیں اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والتسلیم کے طفیل اپنی بے پایاں رحمتوں سے سرفراز کرے اور پیران سلاسل قادریہ کے ساتھ محشور فرمائے- آمین

شاہ اسید الحق تھا روشن قادریت کا چراغ ۔۔۔ حسرتا! باد اجل سے ناگہاں وہ بجھ گیا

باج دے کے جان کی، وہ شاہ جیلاں کا ہوا ۔۔۔ راس اس کو آگئی بغداد کی آب وہوا

۶ ۔۔۔ ۱۴۳۵ھ=۶-۱۴۴۱

منکسر، خندہ جبیں حفظ مدارج کا لحاظ ۔۔۔ اپنے حسن خلق سے ہر دل میں وہ گھر کر گیا

تھا فراق اس در سے اس کو کیسا آیت ناگوار ۔۔۔ جا کے پائے نازش غوث الوری میں سو گیا

علم ودانش سے طبیعت کو تھا اک فطری لگاؤ ۔۔۔ نکتہ رس تھا ذہن اس کا فہم تھا معنی رسا

روح پر اس کی رہے باران رحمت صبح وشام

مہبط انوار یا رب! اس کی تربت کو بنا

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

علم وادب کا ایک پہاڑ مسمار ہوگیا

شیخ علی حمود حربی رفاعی شافعی

خطیب وامام: مسجد حضرت معروف کرخی، بغداد (عراق)

الحمد للّٰہ الذی لا یحمد علی مکروہ سواہ والصلوۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین-قال تعالیٰ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون

اما بعد: فقد التقیت باخی الحبیب الصالح اسید الحق قادری یوم الجمعۃ فی مسجد قطب العارفین و امام الواصلین سیدی عبد القادر الجیلانی وعند ما رأیتہ وکأنی اعرفہ منذ زمن بعید وذلک تصدیقا لقول الحبیب المصطفی ﷺ (الارواح جنود مجندۃ وما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف) رواہ البخاری۔

زارنی مع اصحابہ الی حضرۃ سیدنا معروف الکرخی قدس سرہ وقمنا بالزیارۃ وذکرنا اللّٰہ تعالیٰ وبعدھا زارنی فی بیتی و اعطیتہ الاجازۃ لما رأیتہ اھلاً للعلم ومن اھل الصلاح والتقویٰ وجدتہ جبلاً عالیاً من العلم و الادب وصاحب سلوک منھج قویم متادباً بآداب اھل الطریقۃ لا سیما سیدنا ومولانا عبد القادر الجیلانی قدس سرہ و وجدتہ الشیخ اسید الشھید منور القلب و العقل۔

أسال اللہ تعالی ان یخلف علی امۃ الحبیب ﷺ رجالاً و علماء مثل الشیخ اسید الشھید وان یلھم اباہ الصالح الشیخ المربی الشیخ سالم الصبر والسلوان وان یجمعنا مع الشھید فی مستقر الرحمۃ۔

وھنیئا لک یا اسید الشھادۃ و ھنیئا لک الدفن بقرب قطب العارفین عبدا لقادر الجیلانی قدس سرہ وھنیئا لک محبۃ الصالحین لک وداعاً ایھا الشھید وداعاً ایھا العالم وداعاً ایھا الصالح طبت حیاً و میتاً

کتبہ بقلمہ و قالہ بفمہ

الشیخ علی حمود الحربی الرفاعی الشافعی

الامام والخطیب بجامع سیدنا معروف الکرخی قدس سرہ، العراق (بغداد)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ اسی کی وہ ذات ہے جس کی تکلیف کے وقت بھی حمد کی جاتی ہے اور ہمارے آقا ومولا حضرت محمد ﷺ،

ان کی آل اور تمام اصحاب پر درود وسلام نازل ہو- اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں ہرگز مردہ گمان نہ کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس انہیں رزق دیا جاتا ہے''- میں نے اپنے نیک اور محبوب بھائی اسید الحق قادری سے بروز جمعہ حضرت قطب العارفین امام الواصلین شیخ عبد القادر جیلانی کی مسجد میں ملاقات کی تھی، جس وقت میں نے ان کو دیکھا تو مجھے ایسا لگا کہ گویا میں انہیں عرصۂ دراز سے جانتا ہوں- بالکل حضور ﷺ کے اس قول کے بہ مصداق: (دنیا میں آنے سے پہلے) روحوں کے جھنڈ الگ الگ تھے، تو جو وہاں پر ایک دوسرے کو پہچانتی تھیں، یہاں بھی ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں اور جو وہاں غیر تھیں یہاں بھی جدا جدا رہتی ہیں- (رواہ البخاری)

مولانا موصوف نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بارگاہ حضرت معروف کرخی میں مجھ سے ملاقات کی اور پھر ہم نے حضرت معروف کرخی کی زیارت کی- زیارت کرنے کے بعد وہ میرے گھر تشریف لائے تو میں نے ان کو عالم اور صالح ومتقی پا کر اجازت حدیث دے دی- میں نے شیخ اسید الحق شہید کو علم وادب کا بڑا پہاڑ، منہج قویم کا سالک، اہل طریقت خاص طور سے شیخ عبد القادر جیلانی کے ادب وآداب سے آراستہ اور روشن دل و دماغ کا مالک پایا- میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیب کی امت میں شیخ اسید الحق شہید کی طرح علما اور مردان حق کو وارث بنائے اور ان کے نیک وصالح، شیخ ومربی والد گرامی شیخ سالم قادری کو صبر وضبط عطا فرمائے اور ہمیں اسید الحق شہید کے ساتھ مقام رحمت میں جمع فرمائے-

اے اسید الحق! تمہیں شہادت مبارک ہو، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے قرب میں دفن ہونا مبارک ہو، تمہیں صالحین سے اپنی محبت مبارک ہو- الوداع الوداع اے شہید! اے عالم! اے صالح! تمہاری زندگی اور موت دونوں بہتر رہیں-

□□□

ایک عجیب حجابی کیفیت پیدا ہو گئی

حضرت سید شاہ سیف اللہ صفوی مندی

سجادہ نشین: آستانہ مندیہ، میاں بزار، صفی پور، اناؤ (یوپی)

بندہ ناچیز کو جب حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری علیہ الرحمہ کی شہادت کی خبر ملی اور تحقیق آپ سے بھی بذریعہ موبائل کاشف احوال ہوا تو دل میں ایک عجیب حجابی کیفیت پیدا ہوگئی، کیونکہ موصوف کے علوم وفنون سے فقیر آگاہ تھا، ایک طرف جہاں حضرت العلام کی شہادت پر ملول تھا، وہیں دوسری طرف ان کے اس قدر نصیب پر نازاں بھی تھا کہ ایک تو شہادت کے جام سے سرفراز ہوئے اور دوسری بارگاہ غوث الوری میں تدفین- اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور اپنے قرب خاص میں جگہ عنایت فرمائے- دعا گو ہوں کہ اللہ تمام خواص وعوام، مریدین، متوسلین، معتقدین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس صبر جمیل پر ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے- (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

علامہ بدایونی کی کمی پوری کرنا جماعت کے لیے بڑا چیلنج

حضرت سید شاہ صداقت علی جیلانی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ، ناگور شریف (راجستھان)

حضرت علامہ اسید الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ملال کی خبر سن کر دلی رنج ہوا- حضرت کا وصال واقعی اہل سنت وجماعت کا عظیم خسارہ ہے- حضرت سے میری پہلی ملاقات میرے زمانۂ طالب علمی میں ہوئی، جب میں بدایوں شریف آپ کی درسگاہ میں حصول درس کے لیے حاضر ہوا تھا اور دوسری ملاقات سنہ ۱۹۹۸ء میں حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی علیہ الرحمہ کے صد سالہ عرس مبارک کے موقع پر

ہوئی تھی- حضرت علامہ بااخلاق، ملنسار اور نہایت خوش خلق تھے، میری آپ سے اکثر انٹرنیٹ کے ذریعے سے بھی بات چیت ہوا کرتی تھی- حضرت بہترین محقق، مفکر، معلم، محدث، ناقد اور مصنف تھے کہ جن کی کمی کو پورا کرنا بلاشبہ اہل سنت وجماعت کے لیے بڑا چیلنج ہے-

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا اور آپ کی تدفین بھی ایک مقدس مقام بارگاہ سرکار سیدی محی الدین عبد القادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے احاطہ مبارکہ میں ہوئی جو خود میں بلند مرتبہ ہونے کی ایک علامت ہے- اللہ تبارک وتعالیٰ سے میری دعا ہے کہ حضرت علامہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے والدین، احباب ومتوسلین ومعتقدین کو صبر عطا فرمائے، آمین-

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

پوری ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان

حضرت سید تنویر اشرف اشرفی جیلانی

سجادہ نشین: خانقاہ امیر ملت، کچھوچھہ شریف، ضلع امبیڈکر نگر (یوپی)

عزیز القدر حضرت علامہ ومولانا اسید الحق علیہ الرحمۃ والرضوان کی شہادت نے دل کو بے چین کر دیا- موت العالم موت العالم کے مصداق حضرت علامہ کی شہادت سے نہ صرف خانوادۂ بدایوں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان ہوا- پورے خانوادۂ اشرفیہ اور میری طرف سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین-

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

علامہ اسید الحق ملت اسلامیہ کا سرمایۂ افتخار تھے

مولانا سید محمد علی قادری الہاشمی معاد پاشا

سجادہ نشین: خانقاہ قادریہ حمادیہ، حیدرآباد (دکن)

ولی عہد خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف علامہ اسید الحق عاصم میاں قادری الازہری رحمہ اللہ اہل سنت کے عظیم مفکر، محقق، عربی اور اردو ادب پر یکساں عبور رکھنے والے بہترین اسکالر اور خانقاہی نظام کے روح رواں تھے- وہ خانقاہی نظام کو ایک فعال علمی اور تربیتی کردار کا حامل دیکھنے کی تمنا رکھتے تھے- علامہ کی شخصیت پوری ملت اسلامیہ کے لیے بالعموم اور مسلک اہل سنت کے لیے بالخصوص سرمایۂ افتخار تھی، جواب جہان رنگ وبو میں باقی نہیں رہے- سرزمین عراق پر دہشت گردوں کے حملے میں ہوئی ان کی شہادت سے صرف آپ اور دیگر افراد خانوادہ، وابستگان خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف ہی نہیں بلکہ تمام خانقاہیں اور جمیع اہل سنت سوگوار ہیں- جن ظالموں نے ان پر بہیمانہ حملہ کیا انہوں نے امت کو ایک گراں قدر عالم دین کی شخصیت سے محروم کر کے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا- لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کے عظیم مقام پر سرفراز اور سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کے قدموں میں جگہ عطا فرماتے ہوئے ان کے لیے ابدی نعمتوں کے دروازے کھول دیے-

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں مقامات عالیہ عطا فرمائے اور آپ کو، دیگر افراد خاندان، متوسلین ومعتقدین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، آمین- (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

حضرت سید شاہ عبداللہ حسین بادشاہ قادری
سجادہ نشین: درگاہ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری
لا ابالی، کرنول (آندھرا پردیش)

حضرت مولانا محمد اسید الحق عاصم القادری کا سانحہ ارتحال قوم وملت کا نا قابل تلافی نقصان ہے- بالخصوص اہل خانقاہ اور سنی کاز کو اس نوجوان محقق صوفی عالم ذین کی شہادت سے جو نقصان ہوا وہ نا قابل بیان ہے- مرنا تو سبھی کو ہے، اس عاشق غوث نے کوچہ جاناں میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر کے اپنی انمٹ محبتوں کا ثبوت دیا ہے- یہ شہادت قابل رشک ہے، اس لیے بھی کہ جگہ پائی تو غوث پاک کے قدموں میں، کل اٹھیں گے تو ہرے جھنڈے کے سائے میں اٹھیں گے، یہ قابل صد رشک ہے- ایں سعادت بزور باز ونیست

اللہ تعالی حضرت سالم میاں قبلہ اور اہل خانقاہ واہل سلسلہ کو صبر جمیل عطا فرمائے-

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس   یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

شیخ اسید الحق شریعت و حقیقت کے سچے طالب تھے

شیخ ڈاکٹر انس محمود خلف
امام وخطیب: جامع الشیخ عبدالقادر الجیلانی، بغداد (عراق)
رئیس قسم الحدیث: الجامعۃ العراقیہ، بغداد

السید والد اسید الحق واخوانه المحترمين! ------------ السلام عليكم و رحمة الله و بركاته۔

اعزی نفسی اولا واعزيكم ثانيا، ونقول كما قال سيدنا محمد ﷺ عند موت ابنه: "ان العين لتدمع وان القلب ليحزن و انا على فراقك يا ابراهيم لمحزونون ولا نقول الاما يرضى ربنا۔" اسال الله ان يكون شافعا لكم يوم القيامة

قبل وفاة الشيخ اسيد الحق، طلب منى اجازة فى حديث النبى ﷺ وعلومه، ولله الحمد والمنة، حصلت له اجازة فى احاديث النبى ﷺ بسند متصل الى رسول الله ﷺ واجازة عامة فى علم حديث النبى ﷺ من علماء بغداد۔

وتكريما لروح اسيد الحق الطاهرة احببت ان ازور كلية القادرية بنفسى و اقدم هذه الاجازة له اولا ولمن يخلفه من بعده ثانيا، لاننى كنت تكلمت معه قبل وفاته فى تبادل العلم والمعرفة بين بغداد واهل العلم وكلية القادرية للحديث النبوى، فياحبذا نحدد يوما للزيارة۔ ولكم جزيل الشكر۔

شیخ اسید الحق کے والد گرامی و برادران! ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سب سے پہلے میں خود اپنے آپ کو دلاسہ دیتا ہوں اور پھر آپ لوگوں کی خدمت میں کلمات تعزیت پیش کرتا ہوں- اس وقت ہماری زبان پہ وہی ہے جو ہمارے آقائے کریم جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے کے وصال پر فرمایا تھا: "یقیناً آنکھیں نم ہیں، دل رنجور ہے اور اے ابراہیم! ہم تمہاری فرقت پر بے حد غمزدہ ہیں، لیکن ہم صرف وہی بات کہیں گے جس میں ہمارے رب کی رضا ہوگی-" میں دعا گو ہوں کہ اللہ کریم

مرحوم کو قیامت کے دن آپ لوگوں کا شفیع بنائے-

وفات سے قبل شیخ اسید الحق نے مجھ سے حدیث اور علوم حدیث کی اجازت طلب کی تھی، جب کہ اللہ کا شکر واحسان ہے کہ علمائے بغداد کی طرف سے متصل سند کے ساتھ انھیں حدیث اور علوم حدیث کی اجازت حاصل تھی- میری خواہش ہے کہ شیخ اسید الحق کی پاک روح کی تکریم میں دار العلوم قادریہ میں خود حاضر آؤں اور یہ اجازت سب سے پہلے انھیں اور پھر ان کے جانشینوں کو پیش کروں، کیوں کہ ان کی وفات سے قبل بغداد کے اہل علم اور دار العلوم قادریہ کے درمیان علمی تبادلے کے سلسلے میں ان سے ہماری گفتگو بھی ہوئی تھی- باقی شکر وعنایت!

(۲)

الحمد لله الذى لا يحمد على مكروه سواه، والصلاة والسلام على سيدنا محمد ﷺ۔

و بعد! يقول الله تعالى: "من المؤمنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا۔" "لقد تلقينا نباء استشهاد اخينا وحبيبنا الشيخ اسيد الحق ببالغ الحزن والاسى، وقد عم هذا الحزن جميع محبى الشيخ الغوث سيدنا الكيلانى قدس سره۔ لقد تعرفت على الشيخ الفقيد رحمة الله عليه فى حضرة سيدنا الغوث قدس سره فكان رجلا مثالا للادب والتقوى والصلاح، محبا للصالحين والعلماء، كان من طلاب الحقيقة والعلم، ترى عليه سمات الصالحين و علامات اهل الله تعالى الاولياء۔

الفقيد السعيد اختاره الله ليكون شهيدا وكانت شهادته فى بلد سيدنا الكيلانى قدس سره، اراد ان يشارك بلد سيدنا الكيلانى همومهم والامهم فتحمل ما تحملوا، هذا الرجل صدق فى حبه لسيدنا الكيلانى قدس سره، فضحى باغلى ما يملك و هى نفسه فى سبيل ذلك، فدفن بجوار حبيبه سيدنا الكيلانى، المكان الذى دفن فيه يتمناه علماء و رؤساء ووزراء فلا يحصلون عليه۔ اقول لحبيبى اسيد الحق والاسى يقطع قلبى، طبت حيا و ميتا يا اسيد الحق، كما اقول لوالديه واخوانه واهل بيته واحبابه لنا ولكم الله واحسن الله عزائكم، واسال الله ان يجمعنا فى مستقر رحمته، انه يجمع المحبين۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ اسی کی وہ ذات ہے جس کی تکلیف کے وقت بھی حمد کی جاتی ہے اور سلام ورحمت نازل ہو ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر- اللہ تعالی فرماتا ہے: "بعض لوگ وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا- ان میں بعض وہ ہیں جو موت کو گلے لگا چکے اور بعض اس کے ابھی منتظر ہیں اور انھوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو کچھ بھی نہیں بدلا-"

ہمارے عزیز، محبّ گرامی شیخ اسید الحق کی شہادت کی خبر بڑے غم واندوہ کے ساتھ موصول ہوئی اور یہ غم حضرت غوث اعظم جیلانی قدس سرہٗ کے تمام محبین کا غم بن گیا- مجھے شیخ مرحوم رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی شناسائی بارگاہ غوث اعظم میں ہوئی تھی- وہ ادب، تقویٰ اور شرافت میں ایک مثالی انسان تھے، علما اور صلحا سے انہیں گہری محبت تھی، شریعت اور حقیقت کے سچے طالب تھے اور صالحین واہل اللہ کی علامتیں ان کی پیشانی سے ظاہر تھیں-

سعادت مند مرحوم کو اللہ تعالی نے مقام شہادت کے لیے چن لیا اور حضرت غوث اعظم کے شہر میں وہ شہید ہو گئے- وہ غوث اعظم کے شہر والوں کے رنج وغم کو بانٹنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے بھی اسی غم کو گلے لگا لیا جس سے اس شہر کے لوگ دوچار ہیں- انہوں نے حضرت غوث اعظم جیلانی قدس سرہ کی محبت کو سچا کر دکھایا اور اس کے لیے اپنا سب سے قیمتی سرمایہ یعنی اپنی جان تک کو قربان کر دیا، جس کے صلے میں انہیں حضرت غوث اعظم کے قرب میں جگہ ملی- یہ وہ جگہ ہے جہاں دفن ہونے کے لیے بڑے بڑے علما، رؤسا اور وزرا تمنائیں کیا کرتے ہیں اور نامراد رہتے ہیں-

ایسے عالم میں کہ غم سے میرا دل پھٹا جا رہا ہے، میں اپنے دوست اسید الحق سے گویا ہوں کہ اے اسید الحق! تمہاری زندگی اور موت دونوں قابل رشک ہیں- اس موقع پر میں ان کے والدین، ان کے برادران، اہل خانہ اور احباب سے یہی کہوں گا کہ ہم سب کا آسرا صرف اللہ کی ذات ہے- میں اللہ دعا گو ہوں کہ وہ ہم سب کو اپنے جوار رحمت میں جمع فرمائے- وہی محبت کرنے والوں کو جمع فرمانے والا ہے- □□□

(۳)

گریۂ الم

اہل علم ودانش سے خصوصی گزارش

مکاتیب علامہ ارشد القادری کی تدوین وترتیب کا آغاز

قائد اہل سنت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کی تدوین وترتیب کے کام کا آغاز ہو چکا ہے- تمام علما، مشائخ، اہل دانش، تنظیموں، تحریکوں، مدرسوں کے ذمہ داران اور دیگر متوسلین سے گزارش کی جاتی ہے کہ جن کے پاس بھی حضرت قائد اہل سنت کے خطوط موجود ہوں وہ براہ کرم ان کی فوٹو کاپی کروا کر بذریعہ ڈاک یا اسکین کر کے بذریعہ ای میل درج ذیل پتے/ ای میل آئی ڈی پر اولین فرصت میں بھیج دیں-

نـــوٹ: وہ حضرات جن سے حضرت قائد اہل سنت کی مراسلت رہی اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے، ان کے صاحب زادگان اور متوسلین سے التماس ہے کہ وہ اس درخواست پر خصوصی توجہ فرمائیں اور مرحومین کے ریکارڈ فائل سے حضرت قائد اہل سنت کے خطوط بھیج کر اس اہم علمی کام میں تعاون فرمائیں-

امیدوار کرم

خوشتر نورانی

Jaam-e-Noor Monthly

422,Matia Mahal,Jama Masjid,Delhi-110006

email:jaamenoor@gmail.com

Mob:09871094760

گریۂ الم

عالم ربانی کی شہادت پر اہل علم کے کلمات رنج وغم

شہید بغداد، عالم ربانی مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک شہادت سے ملک وبیرون ملک ارباب علم وفکر اور اصحاب شریعت وطریقت کی مجلسوں میں ماتم کا سماں بندھ گیا- خانقاہ قادریہ بدایوں اور دفتر ماہنامہ جام نور دہلی میں ہر طرف سے تعزیتی فون، ای میل، ایس ایم ایس اور خطوط آنے لگے، ان میں سے علما کی چند منتخب تحریریں یہاں حاضر کی جاتی ہیں- (ادارہ)

مولانا کی ناگہانی رحلت سے سب غم زدہ اور ناامید ہوگئے

مولانا شاہ عبدالحفیظ (سربراہ اعلیٰ)
مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین)
مفتی محمد نظام الدین رضوی (صدر: شعبۂ افتا)
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

جو بھی دنیا میں آیا ہے اسے یہاں سے جانا ہے، مگر کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بندہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ الٰہی! کیا سے کیا ہوگیا- عزیز گرامی مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کا ناگہانی سانحہ ایسا ہی ہے- زمانہ طالب علمی ہی سے ان کا علمی شغف، سنجیدہ فکر اور متوازن سلوک اقران اور اصاغر واکابر کے درمیان معروف تھا- جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد تعلیم وتبلیغ، تصنیف واشاعت، حسن تنظیم وانتظام وغیرہ میں ان کے انہماک کے ثمرات بڑے حوصلہ افزا تھے- سبھی مخلصین کو ان کی ذات سے طویل عرصے تک ہمہ جہت اور دور رس خدمات کی امیدیں وابستہ تھیں، مگر ان کی ناگہانی رحلت کے باعث سبھی سخت غم زدہ اور بالکل ناامید ہوگئے- انا للہ وانا الیہ راجعون

پھر بھی یہ سوچ کر دل کو کچھ تسلی ہوتی ہے کہ عموماً لوگ جتنا کام ایک لمبی عمر میں کر پاتے ہیں، آں عزیز نے تقریباً دس سال میں کر لیے-

دوسرے یہ کہ انھوں نے شہادت کی موت پائی جس کی آرزو ہزار افراد ہزار بار کرتے ہیں، مگر وہ ان کا مقدر نہیں ہوتی-

تیسرے یہ کہ انھیں سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جوار کرم ملا جو صرف اپنی تمنا اور سعی وتدبیر سے نہیں ملتا، جب تک حسن قسمت کی یاوری نہ ہو- اس موقع سے محدث اعظم حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا یہ شعر بار بار یاد آتا ہے:

موت آئے تو در پاک نبی پر سید ورنہ تھوڑی سی زمیں ہوشہ سمناں کے قریب

شہ جیلاں کا مقام ومرتبہ، شہ سمناں اور بیش تر اولیا قبل وبعد سے بلانزاع بہت ارفع واعلیٰ ہے- ان کا قرب اگر ہزار دعا والتجا کے بعد بھی ملے تو نصیبے کی ارجمندی میں کلام نہیں، مگر آں موصوف کو شاید یہ قرب بے التجا عطائے خاص نصیب ہوا، فیالہ نصیب! سانحہ بہت عظیم ہے اور والدین، اعزہ اقربا، اہل سلسلہ اور اہل محبت کے لیے غم والم کا کوہ گراں، مگر رب تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس حادثے میں غم والم کے ساتھ کچھ صبر وشکر کا بھی سامان پیدا فرما دیا ہے، اس لیے امید ہے کہ سبھی حضرات مرضی مولا پر راضی ہوکر اپنی عالی ہمتی اور کمال بندگی کا ثبوت دیں گے-

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری/۲۲/مارچ ۲۰۱۴ء)

□□□

مولانا محمد الیاس عطار قادری
امیر تحریک ''دعوت اسلامی'' کراچی (پاکستان)

ایک اخباری تراشے کے ذریعے مجھے یہ روح فرسا خبر موصول ہوئی کہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے چشم وچراغ حضرت علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری ازہری زیارت مقامات مقدسہ کے لیے قافلے کے ساتھ عراق شریف پہنچے اور کردستان کی راجدھانی ''اربل'' جاتے ہوئے راستے میں شہید کر دیے گئے- زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ قبلہ مولانا خوشتر نورانی صاحب اور شہید مولانا اسید الحق قادری ازہری پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تھے اور اس دوران گنہگار کے غریب خانے ''بیت الفنا'' پر بھی ورود مسعود فرمایا، خصوصاً مولانا اسید الحق شہید مرحوم ومغفور کے نقوش آج بھی مسلسل میری نگاہوں میں گھوم رہے ہیں اور ان کی خوش گفتاری وسخن آرائی کانوں میں رس گھول رہی ہے- مولانا خوشتر نورانی صاحب نے بھی ماشاء اللہ بہت شفقتوں کا مظاہرہ فرمایا- آپ حضرات بزرگوں کی اولاد ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے-

بہرحال عہد شباب میں مرحوم کی اس طرح اچانک وفات واقعی دل ودماغ کو ہلا دینے والی ہے اور اس کا صدمہ آپ حضرات ہی زیادہ سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ میں نے محسوس کیا ہے کہ قبلہ مولانا خوشتر نورانی صاحب نے عظیم دوست گنوا دیا اور حضرت مولانا سالم میاں قادری صاحب جوان بیٹے کے سہارے سے محروم ہوگئے- موت کا صدمہ باپ سے زیادہ کسے ہوسکتا ہے؟ خدائے رحمٰن ورحیم عزوجل ان کو غریق رحمت فرمائے، مرحوم کی بے حساب مغفرت کرے، ان کے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف فرمائے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل پر اجر جزیل عطا فرمائے- میں مرحوم کے اعزہ واقربا، دوست واحباب اور تمام سوگواروں سے تعزیت کرتا ہوں-

میں نے اس خبر میں یہ بھی پڑھا کہ مرحوم کا زیارت مقامات مقدسہ کے سلسلے میں ہفتے یا عشرے کا جدول تھا اور چھ مارچ کو آپ کی اپنے وطن ہند میں واپسی تھی، مگر ان کی حیات مبارکہ کی گھڑیاں وہیں پوری ہوگئیں، جہاں ان کی وفات لکھی تھی- موت اٹل ہے جو مقررہ وقت اور مقام پر ضرور آئے گی مگر ذوق افزا بات یہ ہے کہ جسے بعد وفات حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوار میں جگہ نصیب ہوجائے وہ کتنا سعادت مند ہے- الحمد للہ عزوجل شہید اہل سنت کو بھی یہ شرف حاصل ہوا- یقیناً آپ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کے بدن میں بغداد معلیٰ کی مٹی ہے-

(اقتباس از مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری/خوشتر نورانی/ ۱۱/مارچ ۲۰۱۴ء)

□□□

مولانا کی شہادت ملت کے لیے المیہ ہے

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نقش بندی
شاہی امام: مسجد فتح پوری، دہلی

شہید بغداد، فدائے غوث اعظم، برادر مکرم مولانا اسید الحق قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی المناک شہادت کی خبر سے بہت صدمہ ہوا، جو بیان سے باہر ہے- یقیناً یہ ایک عظیم المیہ ہے- للہ ما اخذ ولہ ما اعطی - انا للہ و انا الیہ راجعون

جب ہم لوگوں کو اتنا صدمہ ہے تو آپ کو اور اہل خاندان کو کتنا صدمہ ہوگا- آپ کا صدمہ مثالی ہے اور اللہ کے خاص بندوں کی یہی علامت ہے کہ وہ مولیٰ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر صابر وراضی رہتے ہیں- انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب - دعا ہے کہ پروردگار عالم اپنے حبیب سرور کائنات ﷺ کے طفیل مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے سرفراز فرما کر اپنی رحمت کاملہ سے نوازے اور سب پسماندگان واہل

خاندان کوصبر جمیل عطافرمائے، نیز خانقاہ عالیہ قادریہ کے سب ہی متوسلین وعقیدت مندان نیز جماعت اہل سنت کے ہر محبّ کو بھی صبر جمیل عطافرمائے-

مرحوم کی شہادت کی خبر ملتے ہی فتح پوری میں قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کیا گیا- جمعرات کو مدرسہ مظہر العلوم (لونی) میں احقر کی سرپرستی میں قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کیا گیا اور بعد عشا شاہی مسجد فتح پوری میں ختم خواجگان کی محفل کے بعد خصوصی طور پر ایصال ثواب کیا گیا- بعد نماز جمعہ شاہی مسجد فتح پوری میں ہزاروں نمازیوں نے مرحوم کے لیے ایصال ثواب کیا- ۱۱ر جمادی الاولی صبح گیارہ بجے جامعہ اسلامیہ مدرسہ مظہر العلوم میں اور بعد نماز عشا شاہی مسجد فتحپوری کی گیارہویں شریف کی ماہانہ محفل میں مولانا مرحوم کے لیے خصوصیت کے ساتھ ایصال ثواب کیا گیا اور احقر کے مریدین ومتوسلین نے گھروں میں بھی قرآن خوانی اور کلمہ شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا اور کرار ہے ہیں-

مولانا اسید الحق شہادت کے عظیم منصب پر فائز ہو کر بارگاہ غوث اعظم میں ابدی حاضری سے مشرف ہوئے، دنیا میں بھی وہ ہر ایک کے محبوب اور معظم بن کر رہے- ان کی علمی خدمات جلیلہ ان کے لیے صدقۂ جاریہ اور جماعت اہل سنت کے لیے گراں قدر سرمایہ ہیں- اگر عمر وفا کرتی تو بلاشبہ وہ جماعت کے نادر المثال عالم اور عظیم محقق ہوتے- ان کی شہادت ملت کے لیے المیہ ہے- برادرم مولانا عطیف میاں سلمہ، محترم مولانا عزام میاں سلمہ اور سب اہل خانہ کی خدمت میں احقر تعزیت پیش کرتا ہے- (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

اہل سنت وجماعت کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں

مفتی خلیل احمد

شیخ الجامعہ: جامعہ نظامیہ، حیدرآباد (دکن)

مجھے اخبارات کے ذریعے آپ کے جواں سال فرزند مولانا اسید الحق عاصم القادری کے ایک ناگہانی حادثے میں انتقال کی خبر ملی، جس پر مجھے بے حد ملال ہوا، اظہار تعزیت کے لیے میں نے فون کے ذریعے رابطے کی کوشش کی، تاہم آپ سے رابطہ نہ ہوسکا، البتہ آپ کے برادرزادے سے بات ہوئی- عاصم میاں سے اہل سنت وجماعت کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں، ان کی علمی خدمات لائق قدر اور قابل تحسین تھیں-

قضا وقدر کے آگے انسان مجبور ہے، سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تاہم اس افسوسناک واقعہ میں یہ سعادت مضمر تھی کہ عاصم میاں نے جام شہادت نوش کیا اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے قدموں میں ان کی ابدی آرام گاہ بنی، میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطافرمائے- آمین (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

میرے رب کریم نے انہیں بہت نوازا تھا

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی

سولجر بازار، کراچی (پاکستان)

حرف ولفظ برتنے کا ہنر جب سے سیکھا ہے، پڑھنے، بولنے اور لکھنے کا شغل جاری ہے- تیکھے اور تلخ موضوعات بھی مشکل نہ لگے- مگر کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے کچھ آتا ہی نہیں، کچھ لکھا جاتا ہی نہیں، انگلیاں اینٹھنے سی لگتی ہیں- ایسے ہی کچھ اس وقت احوال ہیں- آپ کے ساتھ اسید میاں سے دہلی ائیرپورٹ پر پہلی ملاقات سے ممبئی میں آخری ملاقات کا دورانیہ تین سے چار برس کا رہا ہوگا- دو مرتبہ وہ کراچی میں ملنے آئے- اجنبی ہونے کا گمان کیا، پہلی ملاقات ہی میں وہ دل کے قریب ہو گئے تھے- نستعلیق کہوں یا ہیرا، سعادت مندی چہرے سے ہویدا تھی- دیکھنے میں بانکے لگے اور

جانچنے میں گویا سمندر، علم وعمل کے پیکر جمیل، میرے رب کریم نے انھیں بہت نوازا تھا- انھیں کتنی عقیدت ومحبت تھی وہ آپ سے مخفی نہیں- وہ یوں اچانک داغ مفارقت دے جائیں گے، صدمے کا اظہار نہیں کر پاؤں گا- اللہ کریم انھیں اعلیٰ درجات عطافرمائے، آمین-

آہ جدا عاشق غوث پاک — زبدۂ عباد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۲۰۱۴ء — ۱۴۳۵ھ

□□□

مولانا اسید الحق کی شہادت پوری ملت کا عظیم نقصان

مفتی عبدالحلیم

امیر: دعوت اسلامی ہند، ناگ پور (مہاراشٹر)

۴ر مارچ کی شام میں اچانک خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے زیب سجادہ حضرت مولانا سالم القادری کے لائق فرزند ممتاز محقق ونقاد مولانا اسید الحق عاصم القادری کی شہادت کی خبر ملی تو ذرا بھی یقین نہیں آیا کہ ابھی جواں سال علالت کی بھی کوئی خبر نہیں- پھر اچانک یہ اندوہ ناک خبر ممبئی سے مفتی یحییٰ رضا نے فون کے ذریعے دیا- تفصیلی حالات معلوم ہونے پر دیر تک سکتہ رہا اور بے ساختہ زبان پر استرجاع جاری ہوا-

موت برحق ہے، اس کا وقت متعین ہے- مولانا اسید الحق بڑی مختصر عمر لے کر میدان علم وعمل میں آئے تھے- ان کی دینی، ملی، مذہبی، علمی، قلمی خدمات کے پیش نظر ملت اسلامیہ بہت سی امیدیں وابستہ کر بیٹھی تھی- مذہب ومسلک اور خانقاہ بدایوں کے بزرگوں کی علمی ودینی خدمات کی ترویج و اشاعت کے قابل تعریف اقدام پر ارباب علم وقلم دیر تک رفاقت کے خواہاں تھے- ان کی شہادت پوری ملت کا عظیم خسران ونقصان ہے- فکر وقلم کا جادو ابھی جوبن پر ہی تھا کہ کفن پوش ہو کر تہہ خاک ہو گیا- آج ہی ایک خواب دیکھا: آپ سر راہ اداس بیٹھے ہیں اور گیند نما کوئی چیز سامنے رکھی ہے- میں نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ آپ کا شریک سفر آپ سے رخصت ہو گیا اور آپ ایک اچھے رفیق سے محروم ہو گئے- مولیٰ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائے- خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے سجادہ نشین وافراد خاندان کے ساتھ ساتھ تمام وابستگان سلسلہ کے لیے کڑی آزمائش کی گھڑی ہے- ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں- اللہ قادر ومقتدر ان کے والد بزرگوار وپسماندگان نیز تمام متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور انہی کے خاندان میں کوئی ''اسید ثانی'' پیدا ہو، جو اس خلا کو پر کر دے- آمین- (مکتوب بنام: خوشتر نورانی/ ۸ر مارچ ۲۰۱۴ء)

□□□

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

ڈاکٹر شکیل اعظمی

محلہ کریم الدین پور، گھوسی، مئو (یوپی)

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے — جان کر منجملۂ خاصان میخانہ تجھے

مورخہ ۴ر مارچ ۲۰۱۴ء کی شام کو دیار غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی شہادت کی خبر سے اہل علم وفن میں غم واندوہ کا طوفان برپا ہو گیا- جیسے ہی مجھے اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع ملی، ایک سکتہ سا طاری ہو گیا- بہت دیر تک خود کو سنبھال نہ سکا- پھر جب حواس قدرے بجا ہوئے تو مرحوم (جنھیں مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے) سے دیرینہ دوستانہ تعلقات کی یادیں تازہ ہونے لگیں-

وہ نہ صرف ایک مخلص دوست تھے، بلکہ حق دوستی ادا کرنے کے جملہ تقاضوں سے بخوبی واقف تھے- موبائل کے ذریعے برابر رابطہ قائم رکھتے،

خیر وعافیت معلوم کرتے اور مختلف علمی وادبی مسائل پر تبادلۂ خیالات کرتے۔

عہد حاضر میں نوجوان طبقۂ علما میں اپنا ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔علوم دینیہ سے شغف رکھنے والے جدید اسکالرس کے لیے آئیڈیل تھے۔ایک مایۂ ناز قلم کار، ایک صاحب طرز ادیب، ایک سنجیدہ تنقید نگار، ایک بالغ نظر محقق، ایک لائق وفائق مدرس وخطیب، ایک خوش فکر وخوش گو شاعر جو کبھی ابوالفیض معینی کے روپ میں اور کبھی اسید الحق عاصم القادری کے رنگ میں اپنے علمی وتحقیقی جواہر پاروں سے دنیائے علم وادب کو بہرہ ور کرتے رہے۔گفتگو میں شرافت وذہانت، لہجے میں حلاوت ولطافت، شخصیت میں جاذبیت ومقناطیسیت اور اس پر مستزاد خاندانی وجاہت ونجابت ....ع

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

ایسے عالی ظرف وخوش خصال کہ اختلاف رائے رکھنے والوں اور حرف گیری کرنے والوں کی تلخ کلامی وتلخ نوائی کا جواب بھی کبھی جارحیت، سطحیت اور معیار ادب وشرافت سے گر کر نہیں دیا۔طرز تحریر شستہ وشگفتہ، لطیف رنگ ظرافت، پیچیدہ وادق علمی مسائل کی تسہیل وتفہیم موصوف کی امتیازی شان تھی۔سچ ہے......ع بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا موصوف نے کئی بار مولانا خوشتر نورانی کے ساتھ غریب خانے کو بھی شرف بخشا، دلچسپ صحبتیں رہیں، علمی وادبی مسائل زیر بحث رہے۔آخری بار ۱۹رمئی ۲۰۱۱ء کو میرے جشن (جشن شکیل اعظمی) میں مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ شریک ہوئے اور از راہ خلوص ومحبت اپنی اور اراکین جام نور کی جانب سے توصیف نامہ اور خوش نما قیمتی شال پیش کی۔

ابھی ۱۰رمارچ ۲۰۱۴ء کو حضرت آسی سیمینار بنارس میں شرکت فرما کر مولانا خوشتر نورانی کے ساتھ ملاقات کے لیے گھوسی تشریف لانے والے تھے۔لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

رب کریم وقدیر مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

□□□

جماعت اہل سنت غم و اندوہ میں ڈوب گئی

پروفیسر غلام یحییٰ انجم

صدر: شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تعزیت نامہ لکھتے وقت میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں کہ کس طرح ایک نوجوان، وفا شعار، ہوشیار، صاحب کردار، متحمل وبردبار، محبّ وملنسار، میدان تصنیف وتالیف کا شہسوار، چھوٹوں پر شفیق اور بڑوں کی عظمت کا پاسدار، علم وعمل کی دولت سے سرشار، فرزند ارجمند کی شہادت کے زخموں کو کریدا جائے۔رب کی مشیت کے سامنے کسی کا چارہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہر فعل وعمل میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے، **فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ** جس تک بندے کی رسائی نہیں ہو پاتی، اس میں بندہ اضطراب وبے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔حضرت مولانا اسید الحق قادری کی شہادت سے جو صدمہ آپ کو اور آپ کے خانوادے کو پہنچا ہوگا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ مولانا موصوف کی رحلت سے دنیائے سنیت غم واندوہ اور رنج والم میں ڈوب گئی، شہادت کی خبر ملتے ہی میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل پڑے اور تھوڑی دیر کے لیے میں سکتے میں آ گیا اور مجھ جیسے نہ جانے کتنے لوگوں کے دلوں پر اس قسم کی کیفیت طاری ہوئی ہوگی، کیوں کہ مرحوم کا تعلق اس طبقہ علما ومشائخ سے تھا جو اپنی

ایک ہی ملاقات میں لوگوں کو گرویدہ بنا لیتے تھے۔

حضرت مولانا اسید الحق قادری ذی علم تھے، انہوں نے اپنی کم عمری ہی میں اتنا کچھ کر دیا تھا جسے عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔جس برق رفتاری سے ان کا قلم چل رہا تھا، وہ بلاشبہ ملت اسلامیہ بطور خاص اہل سنت وجماعت کے لیے سرمایۂ افتخار تھا۔سادہ اسلوب میں مدلل گفتگو کرنے کے عادی تھے، جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔افسوس صد افسوس! خانقاہ قادریہ کا یہ تابندہ چشم وچراغ، خانوادۂ قادریہ بغداد کے آغوش میں یہ پیغام دے کر ابدی نیند سو گیا......ع

مرا نہیں ہوں غم نبی میں لباس ہستی بدل گیا ہے

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری/ ۱۳رمارچ ۲۰۱۴ء)

□□□

وہ ایک عظیم علمی و روحانی خانوادے کے عظیم فرد تھے

مفتی محمد خان قادری

شیخ الجامعہ: جامعہ اسلامیہ، لاہور (پاکستان)

حضرت صاحبزادہ اسید الحق رحمہ اللہ کی شہادت کے حوالے سے علم ہوا تو اس خبر نے سوگوار کر دیا۔وہ ایک عظیم علمی اور روحانی خانوادے کے عظیم فرد تھے، ان کی بعض علمی اور تحقیقی کاوشیں راقم کی نظر سے گزری ہیں۔انھوں نے ہندوستان میں ہی تعلیم حاصل نہیں کی، بلکہ جامعۃ الازہر سے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دینی درسگاہوں اور خانقاہوں سے وابستہ افراد کے لیے ایک روشن مثال قائم کی۔آج اگر ہمارے علما اور مشائخ کے صاحبزادے علامہ اسید الحق رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چل پڑیں تو ایک عظیم علمی اور روحانی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

ایسے عظیم بیٹے کی رحلت پر ہم آپ کو کن الفاظ سے تعزیت پیش کریں؟ آپ خود ایک عظیم علمی وروحانی گھرانے کے چشم وچراغ ہیں۔اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ انھیں شہادت کی موت اور حضور غوث اعظم کے قدموں میں آرام گاہ نصیب ہوئی۔ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ، جملہ اہل خانہ اور وابستگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔اعظم اللّٰہ اجر کم فی ابنکم و متعکم بالصحۃ والعافیۃ وحول العمر فی خدمۃ الدین۔

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

مولانا کا سانحۂ ارتحال عالم اسلام کے لیے المیہ ہے

پروفیسر محمد اقبال مجددی

سابق صدر: شعبۂ تاریخ، اسلامیہ کالج، لاہور (پاکستان)

مولانا کی شہادت کا سانحہ واقعی نہ صرف پاک وہند بلکہ عالم اسلام کے لیے ایک بڑا المیہ ہے، موصوف نے اپنے اجداد کرام کی طرح خود کو درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے لیے وقف کر دیا تھا۔بہت کم عمری سے لکھنا شروع کیا، جوانی میں ہی کل ۳۹ سال کی عمر میں بغداد شریف کے دہشت گردی کے ماحول کی نذر ہو گئے۔حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گئے اور ذوق ووجدان کی پُر کیف حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ہندوستان پر برطانوی حکومت کے دور میں جس طرح علما کو اختلافی مسائل میں اُلجھا کر ان کو اصل مقصد حیات سے ہٹا کر ایک دوسرے سے

خلاف کردیا گیا اور اسلام کے بنیادی عقائد سے ان کی توجہ اختلافی اُمور میں لگا کر انہیں ملت اسلامیہ کی تعمیر و ترقی کی بجائے تخریب کی دلدل میں پھنسا دیا، اسلام میں اَن گنت غیر اصل مسائل پیدا کر کے انہیں تقلید، عدم تقلید، ختم نبوت، مسلم معاشرے میں مقام نبوت کی قدر و منزلت کو گرانے اور مسلمہ عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کردینے کی کوشش کی تا کہ یہ آپس میں اُلجھ کر اتنے کمزور اور بے حیثیت ہو جائیں کہ حکومتی معاملات میں مداخلت نہ کرسکیں۔ یوں تو فرنگی محل (لکھنؤ)، خیر آباد، بدایوں اور بریلی ہندوستان کے محض شہر ہیں لیکن وہاں کے علما نے فقہ حنفی کا جس طرح دفاع کیا اس سے نہ صرف برصغیر میں فقہ حنفی کو بقا ملی بلکہ اسلام کے اصل عقائد کی بنیادیں متزلزل ہونے سے پوری طرح بچ گئیں۔ ایسے میں بدایوں کے ایک بہت ہی باوقار خانوادہ عثمانی نے علما کو اس طرف متوجہ کیا اور ہندوستان میں پروان چڑھتی ہوئی وہابیت ونجدیت کے عقائد فاسدہ سے آگاہ کیا۔ بدایوں کے حضرت مولانا فضل رسول اور ان کے خانوادہ حوزۂ علمیہ نے عقائد حقہ اہل سنت کی بھرپور تحریری تائید کی۔ ہمارے دور میں اس عظیم خاندان کے ایک درخشندہ ستارے حضرت اسید الحق محمد عاصم قادری عثمانی بدایونی تھے جن کی گراں بہا کتب اب ہمارے لیے نہ صرف سرمایۂ افتخار ہوں گی بلکہ رہنمائی کا ذریعہ بھی بنیں گی۔ رب کریم اس شہید مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

□□□

علامہ اسیدالحق قادری کی رحلت جماعت کا عظیم خسارہ

مولانا سید قمر شاہ جہانپوری
قاضی شہر کانپور (یوپی)

۴؍مارچ ۲۰۱۴ء بروز منگل کی شب آپ کے مرید خاص جناب زاہد بھائی نے فون پر اطلاع دی کہ بغداد شریف میں میرے محسن، ولی عہد خانقاہ قادری شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ خبر سن کر گھر کے سبھی افراد پوری رات حضرت کے لیے دعائے مغفرت اور آپ لوگوں کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے رہے۔ ہر طرف مایوسی چھا گئی۔

حضرت علامہ اسید الحق عاصم القادری کی رحلت اہل سنت وجماعت کا ایک عظیم خسارہ ہے۔ وہ نہ صرف ایک عظیم علمی خانوادے کے روشن چشم و چراغ بلکہ اس کے علمی امین و وارث تھے اور ایک عظیم اسلامی اسکالر تھے۔ پروردگار عالم اپنے محبوب سرکار مدینہ اور غوث اعظم کے صدقہ و طفیل انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ شہر کانپور کے تمام مدارس و خانقاہوں میں مسلسل تعزیتی و دعائیہ جلسے ہو رہے ہیں۔ احقر نے بھی شہر کے علما، ادبا، شعرا اور سماجی شخصیات کی موجودگی میں تعزیتی جلسے کا انعقاد کر کے ایصال ثواب کیا۔ میں بذات خود اور شہر کے تمام اہل سنت وجماعت کے علما اور آپ سے بے پناہ محبت کرنے والے آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

□□□

مولانا اسیدالحق قادری ایک عظیم مفکر و مدبر تھے

مولانا شمس الہدیٰ مصباحی
استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

شہید قادری محب مکرم حضرت مولانا اسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک متواضع، منکسر المزاج، پختہ قلم کار، ٹھوس صلاحیت کے مالک اور جماعتی درد رکھنے والے عظیم مفکر و مدبر تھے۔ خدا تعالیٰ نے شہید قادری کے قلم میں بے شمار برکتیں ودیعت فرمادی تھیں کہ چند ہی سال کے اندر سو سے زائد کتب پر ان کے قلم سیال نے کام کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے منصۂ شہود پر جلوہ بار ہو گئیں۔

میں نے انھیں اس وقت بہت قریب سے دیکھا جب ۲۰۰۰ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کا جامعہ ازہر قاہرہ سے رابطے کی خاطر میرا دورہ ہوا، جب مولانا موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ کو خبر ہوئی تو بڑی لگن کے ساتھ حضرت مولانا محمد نعمان ازہری کی معیت میں میرے اہداف کی تکمیل میں جٹے رہے، رئیس الازہر اور شیخ الازہر سے ملاقات کے لیے ایک وفد کی تشکیل میں پیش پیش رہے اور گرامی قدر ڈاکٹر حازم محفوظ، استاذ جامعہ ازہر کی مساعی جمیلہ بھی ناقابل فراموش ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے ازہر شریف سے معادلے کی درخواست جامعہ میں عربی ادب کی تعلیم کے لیے ازہر سے استاذ کی فراہمی، جامعہ کے فضلا کے ازہر میں داخلے کا معاملہ اور کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کی توثیق وغیرہ وغیرہ کئی امور پر مشتمل درخواست رئیس الازہر کو پیش کی گئیں اور اس کی خبر وہاں ''صوت الازهر'' اور ''الجمهوريه'' وغیرہ اخبار میں شائع ہوئی۔ وہاں ''مدینۃ البعوث'' میں برصغیر کے ازہری طلبہ کے ساتھ میری ایک اہم میٹنگ ہوئی، اسکندریہ وطنطا وغیرہ کا بھی دورہ رہا اور حضرت شہید قادری میرے ساتھ ہر موڑ پر پوری دلچسپی کے ساتھ سرگرم عمل رہے۔ حتیٰ کہ ہوائی اڈہ پر الوداع کہنے کو بھی موجود رہے۔ بڑے خلیق، ملنسار، علمی وقار، فاضلانہ کردار و گفتار۔ حضرت موصوف کی شہادت سے جماعت میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ خدا عزوجل اپنے کرم خاص سے اس خلا کو پر فرمائے اور جماعت اہل سنت کو حضرت شہید قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا نعم البدل عطا فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے۔ اہل خانہ اور احباب کو صبر و شکر کی توفیق بخشے، آمین۔

□□□

یہ ایک فرد کا نہیں پوری ملت کا غم ہے

ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی
مدیر اعزازی: ماہنامہ ماہ نور، دہلی

فخر علم و تحقیق حضرت مولانا اُسید الحق عاصم القادری کی زندگی میرے لیے ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے۔ ان کی کتابِ حیات کو بڑے قریب سے دیکھنے، سننے، پڑھنے کا موقع ملا بلکہ وہ تو میرے قریبی دوستوں میں سے تھے، جماعتی مسائل پر تبادلۂ خیال، امت کی اصلاح اور لوح و قلم کی پرورش میں میں ہر قدم پر ان کے ساتھ رہا، وہ ہمارے حلقۂ احباب میں سب سے محترم، قابلِ قدر بلکہ سرمایۂ افتخار تھے۔ قدرت کی فیاضی نے انھیں بہت سے انعامات سے نواز رکھا تھا۔ بعض لوگ ایسی شخصیت کے دُنیا سے چلے جانے کے بعد اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اللہ کے اس بندے کی خوبیوں کا مجھے شروع ہی سے اعتراف تھا، یہی وجہ ہے کہ میں اس عبقری وقت، نیک سیرت انسان کا دل سے احترام کرتا تھا۔

بلاشبہ وہ اپنے اسلاف کی سچی تصویر تھے، ان کی علمی روایتوں اور تہذیبی شرافت کے وارثِ کامل تھے، اپنے گوناگوں کمالات اور خوبیوں کے باعث اگر ایک طرف اپنے ہم عصروں پر سبقت لے گئے تو دوسری جانب اکابر علما اور علمی شخصیات کی نگاہِ توجہ والتفات کا مرکز بن گئے تھے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

عملی دُنیا میں جہاں وہ درس و تدریس کے اعلیٰ علمی عہدے صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے تو دوسری جانب قرطاس و قلم کے میدان میں بھی اپنی بلند پایہ علمی خدمات کا مظاہرہ کیا، درجنوں تحقیقی موضوعات پر علمی اسلوب میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔

علم کے لیے عجب و خودنمائی اور خودستائی ایک ایسی دیمک ہے جو کہ اسے کھوکھلا اور بے جان کر دیتی ہے اور عاجزی، انکساری و فروتنی ایسے جامع اوصاف ہیں کہ اسے بامِ عروج تک پہنچا دیتے ہیں۔ بحمد اللہ مولانا اُسید الحق قادری بدایونی جن کے سر پر اپنے اسلاف و اکابر کی دعاؤں کا سائبان تنا ہوا تھا وہ اس موذی و مہلک مرض سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ ان کی شخصیت یقیناً امت مسلمہ کے لیے بے مثال نعمت، انمول جوہر اور سرمایۂ افتخار تھی، وہ اختلاف و مخالفت سے بے نیاز ہو کر اپنی علمی، تحریکی اور تبلیغی و دعوتی مشن میں لگے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عمر عزیز کے نہایت قلیل عرصے میں انھوں نے علم و فن کی جو بے نظیر خدمت انجام دی ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ جانے کو تو وہ چلے گئے لیکن پوری امت مسلمہ آج ان کے غم میں

سراپا غمزدہ بنی ہوئی ہے- ایسے ہی حضرات کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے:

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں

اُن کے اچانک سانحۂ ارتحال سے علم و تحقیق کی دنیا میں جو عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے شاید ایک طویل مدت تک پورا نہ ہو سکے- ان کا وصال ملتِ اسلامیہ ہند ہی کے لیے نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے لیے ایک اعصاب شکن صدمہ اور مسلم امت کے لیے اس صدی کا سب سے بڑا علمی خسارہ ہے- پوری ملت اسلامیہ ان کے غم میں سوگوار ہے، کیونکہ یہ محض ایک فرد کا غم نہیں، بلکہ یہ پوری ملت اور جماعت کا غم ہے-

ان کا سانحۂ ارتحال اگر طبعی ہوتا تو ہم کچھ دیر کے لیے صبر کر لیتے لیکن وہ متشددین کی دہشت گردی کے شکار ہوئے ہیں- ان کی شہادت پر پوری ملت اسلامیہ شدت غم سے چیخ پڑی ہے- ان کی بارگاہ میں ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا اخراجِ عقیدت ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ان کے یوم شہادت ۴/ مارچ کو ہر سال بطور ''یومِ انسدادِ دہشت گردی'' کے منایا جائے- یہ ان کی روح کے لیے سب سے اہم خراجِ عقیدت ہوگا، کیونکہ وہ علمی و فکری انقلاب کے ساتھ اتحادِ امت کے بھی سفیر تھے-

آپ کے اچانک سانحۂ ارتحال پر گرامی قدر مولانا سید ابوالحسن اشرفی اور محبِ گرامی سید ظفر اقبال اشرفی (یو کے) نے راقم الحروف سے گہرے رنج و غم اور صدمے کا اظہار کیا- میں ذاتی طور سے علامہ کی شہادت پر ان کے محترم والد گرامی حضرت مولانا شیخ عبدالحمید سالم القادری اور ان کے عزیز بھائی مولانا عبدالغنی عطیف قادری کی خدمت میں، جن کی نگاہوں کے سامنے یہ شہادت ہوئی، اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ ان کے پسماندگان اور جملہ احباب و اعزہ خصوصاً ان کی اہلیہ و اہلِ خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور خانوادۂ قادریہ کو ان کا صحیح نعم البدل عطا فرمائے، آمین-

□□□

مولانا اسید الحق قادری تاریخ رقم کر گئے

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی
جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو (یوپی)

یہ معلوم کر کے بڑا رنج و غم لاحق ہوا کہ محبّ مکرم مولانا اسید الحق عاصم القادری ولی عہد آستانۂ عالیہ قادریہ بدایوں، بغداد شریف میں ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے- انا للّٰہ وانّا الیہ راجعون -مولانا موصوف کا اچانک وصال کر جانا نہ صرف خانقاہ قادریہ بدایوں کا نقصان ہے، بلکہ یہ قوم و ملت کا بھی بڑا نقصان ہے اور سنیت کا عظیم خسارہ- مولیٰ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ تمامی حضرات خصوصاً صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں کو صبر جمیل عطا کرے-

مولانا مرحوم دنیا سے چلے گئے مگر اپنے ساتھ کچھ ایسی خوبیاں بھی لے گئے جو، اب ان کے معاصرین میں نظر نہیں آتیں، وہ اس خانوادے سے تعلق رکھتے تھے، جن کے آبا و اجداد نے دین و سنیت کی خدمت کے حوالے سے عظیم و تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے، وہ خود اس حوالے سے ایک تاریخ رقم کر گئے، وہ کئی بار گھوسی آئے، اپنے زمانۂ طالب علمی میں تو متعدد بار اپنے استاذ امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب کے ہمراہ کئی بار جامعہ امجدیہ آئے، زیادہ تر اس فقیر کے یہاں قیام رہتا اور دیر رات تک علمی و فنی موضوعات پر بحثیں ہوتیں-

مولانا نے ذہانت خداداد پائی تھی، اس لیے وہ بھی بحثوں میں دل جمعی سے شریک ہوتے، وہ خواجہ صاحب کے تلمیذ رشید نہیں، ارشد تھے، ان کے عہد طالب علمی کی ان ملاقاتوں نے ایک دوسرے کی قدر دانی اور محبت پر مہمیز کیا اور کم عمر ہونے کے باوجود ایک اچھے دوست بن گئے، جب وہ جامع ازہر مصر گئے تو خیر و خبر، علمی مشاغل اور وہاں کے حالات پر مشتمل خطوط بھی ارسال کرتے رہے، جب مجھے ''الاشباہ والنظائر'' لابن نجیم حنفی کامل

اور رسائل ابن عابدین (شامی) کی ضرورت پڑی تو انہوں نے مصر سے ایک مولانا صاحب کے بدست بھیجا، جس سے کتاب کی تعلیم و تدریس اور فقہی مسائل کے حل میں بڑی مدد ملی، ان کے علاوہ درجنوں کتب و رسائل جو تاج الفحول اکیڈمی کی مطبوعات ہیں انہوں نے بھیجے- کئی بار مدرسہ قادریہ بدایوں کی قدیم لائبریری سے چند نایاب کتابوں کے مطالعے کی ضرورت پڑی تو انہوں نے وہ کتابیں بھیجیں-

جب مسئلہ ''کفاءت'' پر ملک کے کثیر الاشاعتی اردو روز نامہ ''راشٹریہ سہارا'' اخبار میں میرے خلاف وہابیوں کے بیانات شائع ہوئے تو جوابی مضمون و بیان کو شائع کروانے میں انہوں نے اپنی کوشش صرف کی، جس سے متعدد اخبار میں وہابیوں کے خلاف میرا جوابی مضمون شائع ہو سکا، وہ حضرت سیف اللہ المسلول و حضرت تاج الفحول و دیگر بزرگوں کے اعراس کے موقع پر بڑے خلوص سے دعوت نامے بھیجتے، مگر میں اپنی عدیم الفرصتی کے باعث شریک نہیں ہو پاتا، کم ہی تقریبات میں شرکت ہو سکی، جشن صد سالہ حضرت تاج الفحول کے موقع پر انہوں نے بحیثیت خطیب اور سیمینار میں بحیثیت مضمون نگار مدعو کیا، کئی احباب بھی ساتھ تھے اور شرکت ہوئی، اِس سال عرس قادری کی دعوت تو بڑے اصرار سے دی، جس میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادے حضرت سید محمد توفیق گیلانی مدظلہ العالی بھی تشریف فرما تھے، شاید زیادہ اصرار اس لیے تھا کہ اب آئندہ خاص اُن کی جانب سے دعوت کا سلسلہ بند ہو جائے گا- اس بار اتفاق ایسا ہوا کہ مارہرہ مطہرہ کا عرس مبارک بھی انہی ایام میں تھا، اس طرح مختصر وقت میں دونوں عرسوں میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی-

وہ ایک اچھے قلم کار بھی تھے، متعدد موضوعات پر ان کے مقالات و مضامین قارئین سے داد تحسین وصول کر چکے ہیں- اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت امام احمد رضا قدس سرہٗ پر بھی انہوں نے گراں قدر مضامین و علمی مقالات لکھے، ابھی حال میں اعلیٰ حضرت کے دو قصیدے ''قصیدتان رائعتان'' جو سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ کی مدح میں کہے گئے ہیں، اس کی ایک نئی عربی شرح کا علمی و بدیعی تنقیدی جائزہ لیا، جو ماہنامہ جام نور میں قسط وار شائع ہو چکا ہے-

وہ ایک عمدہ ناقد بھی تھے، ''خامہ تلاشی'' کے عنوان سے ماہنامہ ''جام نور'' میں ان کی علمی و ادبی و لسانی تنقیدیں ان کے ایک اچھا ناقد ہونے کا پتہ بتاتی ہیں- وہ ایک اچھے محقق بھی تھے اور مصنف بھی اور باصلاحیت مدرس بھی- انہوں نے مدرسہ عالیہ قادریہ کے نظام تعلیم و تربیت میں کافی خوش گوار تبدیلی پیدا کی، جس سے یہ ادارہ اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے پھر سے پابہ رکاب ہو گیا- وہ اپنے عزیزوں، دوستوں اور بزرگوں کا خاص خیال رکھتے تھے، اہل سنت کے مابین ہونے والے اختلاف سے اپنے کو دور و نفور رکھنے کی کوشش کرتے، سنی خانقاہوں اور ان کے ارباب حل و عقد کا احترام کرتے، علما و صلحا کی تعظیم و تکریم میں حتی المقدور کمی نہیں ہونے دیتے- اب جب کہ وہ بغداد معلیٰ میں ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے ، تو ان کی یاد کچوکے لگاتی ہے، ان کے دینی و علمی کارنامے یاد آتے ہیں، ماضی کی علمی مجلسیں نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتی ہیں، البتہ یہ سن کر اطمینان و خوشی ہوتی ہے کہ اپنے دوستوں، عزیزوں اور بزرگوں کو اچانک چھوڑ کر جدا ہونے والے اس عالم دین کو حضور غوث الثقلین، تاج دار بغداد، سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوار کرم میں دفن ہونا نصیب ہوا ہے، جو ان کے مغفور لہ اور جنتی ہونے کی واضح علامت ہے- غالباً رب کریم نے ان کی علمی و دینی خدمات، ان کے خلوص، ان کی محبت اور بزرگوں سے عقیدت و احترام خصوصاً نسبتِ قادریت کی پختگی کی وجہ سے انہیں یہ سعادت عطا فرمائی ہے، استادِ فن میر کا یہ شعر رہ رہ کر یاد آتا ہے:

مرگِ مجنوں پہ عقل گم ہے میر — کیا دِوانے نے موت پائی ہے

ان کی علمی و دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے، میں انہیں ان الفاظ میں دعا دیتا ہوں جن الفاظ میں اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت علیہ الرحمہ نے ان کے جد امجد حضرت سیف اللہ المسلول کو اپنے قصیدے میں دعا دی تھی:

اللّٰہ یجزیہ الجنانَ کما بنی — للدین قصرا جیّدالارکانِ

□□□

سنیت ایک عظیم مفکر سے محروم ہوگئی

مفتی محمد مکرم خان محمود قادری
چیف ایڈیٹر: ماہنامہ جہان محمود، کراچی (پاکستان)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے   بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ابھی کچھ ہی دنوں کی بات ہے جب مولانا اسید الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے درمیان موجود تھے- ان کی تقریروں، تحریروں سے ہم پاکستان میں بیٹھ کر مستفید ہوا کرتے تھے- گاہے بہ گاہے سوشل میڈیا نیٹ ورک کے ذریعے اور براہ راست فون پر ان سے بات ہو جایا کرتی تھی، لیکن ہائے افسوس! اب ہم ان کی اعلیٰ فکر، بالا سوچ اور سنیت کے لیے ان کی دردمندانہ تڑپ سے محروم ہو گئے- اس وقت سنیت کو جس اعلیٰ فکر کی ضرورت تھی وہ اعلیٰ فکر مولانا اسید الحق قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود تھی-

مگر افسوس کہ آج سنیت ایک عظیم مفکر سے محروم ہوگئی-- جس سانحے سے آپ اور پوری اہل سنت گزری اور گزر رہی ہے اس کو بھلانا شاید اتنا آسان نہیں- لیکن اللہ رب العالمین کو شاید یہی منظور تھا- علامہ کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا نکل رہی ہے کہ مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرما کر لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور بالخصوص مولانا اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کو جو محبت والفت آپ سے تھی اور آپ کو جو محبت والفت ان سے تھی اس پر میں صمیم قلب سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے- آمین (مکتوب بنام: خوشتر نورانی)

□□□

مولانا اسید الحق قادری علما کے لیے مینارۂ نور تھے

مولانا محمد انوار احمد قادری
نائب شیخ التفسیر: جامعہ نظامیہ وایڈیٹر مذہبی سپلیمنٹ روزنامہ ''اعتماد'' حیدرآباد (دکن)

آں محترم کے عزیز القدر فرزند اور اہل سنت کے ذی وقار محقق مولانا اسید الحق عاصم القادری کو شہر بغداد کے قریب دہشت گردانہ حملے میں شہید کیے جانے کی خبر نے بالخصوص علمائے اہل سنت کو غمزدہ کر دیا- برصغیر میں مولانا اسید الحق علمائے اہل سنت کے نوجوان طبقے کے لیے مشعل راہ اور مینارۂ نور کی حیثیت تھے- انہوں نے علم و فضل اور نقد و تحقیق کی نئی گرہیں کھولیں، علما کی نئی نسل کو ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل پر نظر رکھنے کا ہنر سکھایا، ان کی تحریروں نے بعض جزئی امور میں اہل سنت کی روایتی سوچ سے باہر آنے کا مؤدبانہ سلیقہ دیا- ۲۰۱۱ء میں اپنے دورۂ حیدرآباد کے موقع پر جامعہ نظامیہ تشریف لائے تھے، اس وقت احقر کو موصوف سے ملاقات اور بعض تحقیقی امور میں گفتگو کا موقع ملا تھا، وہ جامعہ نظامیہ اور اس کی علمی سرگرمیوں کو از حد پسند کرتے تھے اور شیخ الاسلام حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ اور علمائے جامعہ نظامیہ کی تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے-

بارگاہ غوثیت سے تعلق خاطر آپ کے خانوادے کا طرۂ امتیاز ہے، چنانچہ احقر کا یہ احساس ہے کہ حضور پیران پیر علیہ الرحمہ نے مولانا اسید الحق عاصم القادری کو اپنے ''ابدی قرب'' سے سرفراز کر کے نہ صرف ان کو اور خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کو اپنی رضا و خوشنودی کی سند عطا کی ہے، بلکہ حضرت غوث اعظم دستگیر علیہ الرحمہ سے محبت رکھنے والے ہند کے تمام علما و مشائخ پر لطف و کرم کی بارش فرمائی ہے- اس موقع پر میں شہید بغداد کے جمیع افراد خاندان اور رفیق خاص مولانا خوشتر نورانی صاحب سے بھی اظہار تعزیت کرتا ہوں- دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مولانا محمد عبد الغنی عطیف میاں کی اپنے برادر کلاں کے مشن کو آگے بڑھانے میں مدد فرمائے- (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مفتی محمد حسان رضا عطاری المدنی
دار الافتا کنز الایمان، بابری چوک، کراچی (پاکستان)

محب محترم اور شفیق رہنما حضرت مولانا اسید الحق عاصم القادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہادت کے دن عشا کے بعد مجھ سے کسی نے فون پر معلوم کیا کہ یہ بات صحیح ہے کہ اسید الحق صاحب کو شہید کر دیا گیا ہے، اور اس کے sms چلائے جا رہے ہیں؟ حقیقت حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں نے انکار کیا اور کہا ایسے sms ہمارے یہاں ہند کے دیگر علما کے لیے پہلے بھی چلائے جا چکے ہیں- لیکن فون بند کرنے کے بعد دل پر ایک عجیب سی بے چینی طاری ہوگئی، میں نے مولانا حسین مدنی کو فون کیا کہ کیا خبر صحیح ہے؟ جب انہوں نے بتایا کہ یہ خبر درست ہے تو بس ایسا لگا کہ سینے میں دل دھڑکنا بھول گیا ہو، دل بار بار اس خبر کی تردید کرتا رہا اور میں صبح تک بار بار اللہ تعالیٰ سے اس کے پیاروں کے صدقے ان کی عافیت کے لیے دعا مانگتا رہا، لیکن صبح کنفرم ہوگیا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں- یہ خبر ایسی تھی جس نے دل کو بہت اداس کر دیا-

میں جام نور کا ابتدا میں قاری نہیں تھا، ایک بار کسی نے پڑھنے کے لیے دیا تو مولانا اسید الحق اور بعض دیگر کی احادیث پر تحقیقات اور مباحث نظر سے گزرے جو بے حد پسند آئے، مجھے علوم حدیث سے شغف ہے، حضرت کے کئی مضامین پڑھے تو ان کا فون نمبر حاصل کر کے ان سے رابطہ کیا، سلام ودعا اور تعارف کے بعد فن حدیث کے حوالے سے کچھ سوالات ذہن میں تھے جو ان سے کیے، اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ جوابات دیے، یوں ان سے تعلق ہوگیا اور فون ای میلز وغیرہ کے ذریعے رابطہ شروع ہوگیا، خاص طور پر تفسیر وحدیث میں ان سے کئی معاملات میں رہنمائی ملتی رہتی تھی، ہند سے ہمارے لیے کتابوں کا حصول مشکل ہوتا ہے لیکن حضرت سے جب تذکرہ کیا حتی الوسع وہ کتابیں بھجوا دیا کرتے تھے- صحیح البہاری کی تحقیق کے دوران بھی کئی مقامات پر رہنمائی فرمائی اور آخر میں بڑی شفقت فرماتے ہوئے ایک علمی اور تحقیقی مقدمہ بزبان عربی اس پر تحریر فرمایا-

حضرت دو بار پاکستان تشریف لے کر آئے، دونوں بار اس ناچیز کے غریب خانے پر تشریف لائے- پہلی بار پاکستان آئے تو ان کے ساتھ مختلف لائبریریز، مکتبوں پر جانے اور علما سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور کئی باتیں اس حوالے سے بھی ان سے سیکھنے کے لیے ملیں، ان کا علمی شغف مزید ظاہر ہوا، نایاب کتابوں کی تلاش کرتے رہتے تھے، پھر اس حوالے سے جو معلومات ہوتیں ان کے بارے میں بتاتے تھے- علما کی بارگاہ میں حاضری کا ادب، بعد میں ملاقات کے دوران ان کے اچھے انداز میں تعریف اور بہت باتیں ان میں دیکھنے کو ملیں- میں نے ان سے ملاقات میں جہاں اور بہت سی خوبیاں پائیں وہیں انہیں میں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے خانوادہ کا محب بھی پایا- مجھ سے خود انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں ایک سے بڑھ کر ایک عالم گزرے ہیں لیکن تین عالم ایسے ہیں جن کی نظیر نہیں: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا عبد الحی فرنگی محلی لکھنوی، اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین- پھر خود فرمایا کہ میری ایک عالم دین (جو ہند کے مشہور و معروف محقق ہیں) سے بحث ہوئی وہ مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اعلیٰ حضرت پر ترجیح دیتے تھے، لیکن میں نے کئی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ اعلیٰ حضرت ان سے کئی درجہ بڑے عالم دین ہیں-

ماہنامہ جام نور میں حضرت کی ''خامہ تلاشی'' نے پاک وہند میں جو دھوم مچائی تھی وہ بیان کرنے کی حاجت نہیں، جب یہ بات سامنے آئی کہ خامہ تلاش کوئی اور نہیں بلکہ خود مولانا اسید الحق ہیں تو میں نے انہیں فون پر کہا کہ مجھے جہاں اس پر خوشگوار حیرت ہوئی وہیں دکھ بھی ہوا- انہوں نے حیرت سے مجھ سے پوچھا: دکھ کس بات کا؟ میں نے عرض کی کہ جب ''خامہ تلاشی'' پڑھتے تھے اور آپ کے مضامین پڑھتے تھے تو خوشی یہ ہوتی تھی کہ ہماری جماعت میں دو ایسے زبردست عالم دین موجود ہیں جو کثیر علوم میں غایت مہارت رکھتے ہیں، لیکن اب معلوم ہوا کہ یہ دونوں تو ایک ہی ہیں-

اب ہمارے پاس تو ایک ہی ایسا عالم رہا- اس پر حضرت ہنس دیے-
لیکن آہ! اب وہ ایک بھی ہمارے پاس نہ رہے اور ہمیں افسردہ اور رنجیدہ چھوڑ کر چل دیے- جب بھی ان کی یاد آتی ہے تو دل پر ایک اداسی
جاتی ہے- ان کے لیے بذات خود تو یہ باعث سعادت ہے کہ شہادت کا رتبہ پایا اور مزار غوث الوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احاطے میں مدفون ہو
جو یقیناً ہر سنی صحیح العقیدہ کے لیے سعادت کی معراج ہے- لیکن ہم ان کی ذات سے محروم ہو چکے ہیں- اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں
اعلیٰ درجات اور جنت الفردوس میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قرب عطا فرمائے، ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور صبر جمیل
اجر جزیل عطا فرمائے- اور ان کے طلبہ اور متعلقین کو ان کے مشن کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین

□□□

نئے عہد کا ایک روشن ستارہ غروب ہوگیا

پروفیسر سید حسین الحق چ

صدر: شعبۂ اردو، مگدھ یونیورسٹی، بودھ گیا (بہار

مولانا اسید الحق کی شہادت سے دل بیٹھ گیا- میں نے تو ضیاء الحق کی خبر پر جو پہلا اور فوری تاثر پوسٹ کیا کہ اہل سنت کا ذیشان، کشادہ دل ا
کشادہ دماغ نسل کا روشن ستارہ غروب ہوگیا- اس میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا اسید الحق شہید خود تو ستارہ تھے ہی انھوں نے اور مولانا خوشتر
نورانی نے ستاروں کی ایک انجمن سجائی تھی اور اس روشن انجمن کا آسمان جام نور تھا (اور ہے اور اللہ قیامت تک اسے قائم رکھے)- مولانا اسید الحق
شہید اور ان کی ٹیم نے جس طرز فکر اور طرز سخن کی طرح ڈالی ہے اور شمع جلائی ہے، بزرگو، دوستو اور عزیزو اس کی لو کم نہ ہو، اس کا خیال رکھیں-

□□□

یہ صدمہ ناقابل برداشت ہے

مولانا محمد منشا تابش قصوری

استاذ: جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور (پاکستان)

یہ افسوس ناک خبر ملی کہ آپ کے صاحبزادہ مولانا علامہ اسید الحق عاصم القادری بدایونی علیہ الرحمہ بغداد شریف میں جام شہادت نوش فرما گئے
ہیں- مرحوم بلاشبہ "موت العالم موت العالم" کے مصداق ٹھہرے- نیز متعدد شہادتوں کے جامع، مسافرت میں وصال، اولیائے کرام کی زیارت
بے وطنی میں کوچ، ومن یخرج من بیتہ مہاجراً الی اللہ و رسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہٗ علی اللہ مرحوم کا سفر تو من اول
الی آخرہ، اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی سے ہی عبارت تھی، سو انہیں جوار غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں شہادت کی
صورت میں ہمیشہ کی سعادت نصیب ہوئی-
تاہم فطرتاً ان کی فرقت وجدائی اور پھر آخری وقت چہرہ تک نہ دیکھنا، والدہ، بہن، بھائیوں، اور اہل سنت کے لیے عظیم صدمہ ہے-
اللہ تعالیٰ آپ کو اس ناقابل بیان زخم پر اپنے کرم کا مرہم رکھے، اور دیگر اہل خانہ کو برداشت کی توفیق مرحمت فرمائے- حضرت صاحبزاد
مولانا اسید الحق قادری علیہ الرحمہ کے علمی وقلمی کارناموں سے بندہ اچھی طرح متعارف ہے- مجموعہ "رسائل فضل رسول" کا ترجمہ، تخریج وترتیب
برصغیر پاک وہند میں خوب شہرت پائی اور اہل علم وقلم نے خوب داد دی، ان رسائل کی اشاعت صاحبزادہ صاحب کا ناقابل فراموش اور عدیم المثال
کارنامہ ہے جو آپ کی حسنات میں ہمیشہ اضافہ کرتا رہے گا-

باپ سے بیٹا تھوڑی مدت کے لیے جدا ہو جائے تو آنکھیں جواب دے جاتی ہیں، مگر صبر واستقامت کے مراحل طے کرتے ہوئے جیسے ہی
ملاقات کی بشارت ملتی ہے تو وہی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں- مگر جس بیٹے کے لیے دار فانی میں دوبارہ ملاقات کا تصور تک نہ رہے اس باپ کے درد
والم اور حزن وغم کی کیفیت کیا ہوگی؟ یہ تو وہی جانے جسے ایسی دردناک صورت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو- حضرت علامہ اسید الحق قادری علیہ الرحمہ غوث
اعظم رضی اللہ عنہ پر قربان ہو کر شہادت عظمیٰ سے سرخرو ہوگئے- بیشک یہ شہادت بہت بڑی سعادت ہے- دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے
میں آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے، آمین-
(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں

مولانا منظر الاسلام ازہری

ڈائرکٹر: البیج انسٹی ٹیوٹ، نارتھ کیرولینا (امریکہ)

۴ مارچ ۲۰۱۴ء امریکی وقت کے مطابق صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے- ہندوستان سے رفیق محترم مولانا حافظ تنویر قادری کا فون آیا، مگر
میں فون ریسیو نہیں کر سکا اور پھر میں نے مولانا کو ڈائل کیا- مولانا معمول کے خلاف پریشان لگ رہے تھے، ان کی آواز میں کپکپاہٹ تھی- میں نے
ان سے پوچھا سب ٹھیک تو ہے؟ جواب نفی میں تھا اور ساتھ ہی انھوں نے بتایا کہ ایک اڑتی ہوئی خبر آرہی ہے کہ اپنے شیخ صاحب بغداد میں شہید ہو
گئے، خبر مصدقہ نہیں ہے، آپ پتہ کیجیے-
یہ خبر ایسی نہیں تھی کہ یقین کر لیا جائے، اس لیے میں الجھتا رہا، خبر کی تحقیق کا فوراً کوئی اور ذریعہ بھی نہیں تھا- ہندوستان سے متعلق جب بھی کسی
طرح کا مسئلہ پیش آتا تو میں عام طور پر شیخ صاحب کو ہی فون کرتا تھا، اب چوں کہ یہ خبر انہی سے متعلق تھی، اس لیے کس سے تحقیق کرتا؟ لہٰذا میں نے
اپنے دوست مولانا خوشتر نورانی کو فون کیا، گھنٹی مسلسل بجتی رہی مگر انھوں نے فون نہیں ریسیو کیا، کچھ دیر بعد دوبارہ انہیں فون لگایا تو ان کا موبائل سوئچ
آف تھا- اب میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی- بالآخر مدرسہ قادریہ بدایوں فون کیا، شیخ صاحب کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ عزام میاں نے فون
اٹھایا، فون اٹھاتے ہی وہ زار زار رونے لگے، میں سمجھ گیا اب کسی تصدیق کی ضرورت نہیں تھی-
اسی افراتفری میں میں نے ان سے مولانا عطیف قادری سے بغداد شریف میں رابطے کے لیے نمبر مانگا، انہوں نے مجھے نمبر دے دیا- میں
نے ہمت کر کے صاحبزادہ عطیف میاں کو بغداد شریف فون لگایا، مولانا نے فون اٹھاتے ہی کہا: شیخ صاحب ایک دہشت گردانہ حادثے میں شہید
ہوگئے- اس وقت جو میری کیفیت ہوئی، اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں-
کچھ دیر کے بعد امریکہ میں موجود علمائے کرام کے فون آنے لگے، ہر شخص اس خبر پر سکتے میں تھا-
کتابوں میں پڑھا ہے کہ خبر متواتر میں شکوک وشبہات نہیں ہوتے، مگر یہ ایسی متواتر خبر ہے کہ آج بھی دل اس کی تصدیق کرنے کو تیار نہیں کہ
ایک چلتا پھرتا نیک طینت انسان، عروج وکمال کی بلندیاں جس کے زیر نگیں ہو رہی ہوں اور جس کا چرچا چہار دانگ عالم میں یکساں بج رہا ہو اور جس
کے علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور جس کے آداب واخلاق کا سورج نصف النہار پر پہنچنے کے بعد اچانک غروب ہو جائے گا-
میرے ان سے کس قدر گہرے تعلقات تھے اور علمی مراسم تھے ان سب کا بیان یہاں مشکل ہے، اس وقت میرا قلم اتنا کوتاہ اور الفاظ اتنے
محدود ہیں کہ میں اپنے جذبات کو تحریر کا لباس پہنانے سے بھی قاصر ہوں- بس متنبی کا ایک شعر لکھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں:

من للمحافل والجحافل والسری　　　فقدت بفقدك نيراً لا يطلع

مولائے قدیر تاجدار اہل سنت حضرت مولانا الشاہ سالم میاں قادری مدظلہ العالی، ان کے اہل خانہ، مولانا عبدالغنی عطیف قادری، مولانا عزام میاں قادری اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری کا فن تفسیر میں اختصاص تھا اور اس پر گہری نظر بھی، جس پر ان کی اہم کتاب ''قرآن کریم کی سائنسی تفسیر'' شاہد ہے۔ علم تفسیر کے ساتھ علم حدیث پر بھی ان کی بڑی گہری نظر تھی، پچھلے دس برسوں میں تواتر کے ساتھ حدیث کے موضوع پر ان کے بے شمار تحقیقی مقالات اور کتابیں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اسی طرح عقیدہ، کلام، فقہ اور تصوف سے متعلق ان کے تحقیقی شہ پاروں پر اگر نظر ڈالی جائے تو علم حدیث پر ان کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ فن تفسیر میں اختصاص کے باوجود علم حدیث پر ان کا زیادہ کام ہے۔ اپنی علمی زندگی کا آغاز بیک وقت انہوں نے مختلف موضوعات پر تحقیقی مقالے، مضامین اور تصنیفی کام سے کیا۔ جستجو اور تحقیق ان کی فطرت میں شامل تھی۔ وہ جب بھی کسی کتاب کو پڑھتے تو بڑی گہری اور باریک نظروں سے پڑھتے اور اس پر ان کے ایرادات، افادات یا تبصرے ضرور ہوتے۔ دوران مطالعہ اہم نکات کی طرف ان کی توجہ رہتی۔ علم حدیث سے انہیں عشق کی حدت تک لگاؤ تھا اور جو علم حدیث پر کسی طرح کا بھی کام کرتا اس کی وہ ضرور تعریف کرتے اور اپنے ازہری تحقیق وتنقید کی روشنی میں دلچسپی کے ساتھ اس تحریر کا مطالعہ بھی کرتے۔

ایسی شخصیات اللہ تعالیٰ کو بڑی پیاری ہوتی ہیں۔ رب قدیر وقفے وقفے سے ایسی شخصیات کو بھیجتا ہے جو پوری طرح اپنے مشن اور اپنے کام سے آگاہ ہوتی ہیں۔ انہیں اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ ''کم وقت میں کام زیادہ'' کرنا ہے۔ علامہ اسید الحق قادری کی زندگی کا سفر بھی ہنگامی انداز سے جاری رہا۔ بحیثیت ناقد، محقق، ادیب، محدث، مفسر اور ماہر لسانیات انھوں نے بے شمار کام یادگار چھوڑے ہیں جو ہم سبھوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ رب قدیر ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

□□□

مولانا اسید الحق قادری محبوب غوث اعظم ہیں

مولانا سید انور چشتی

بانی: جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، ضلع اوریا (یوپی)

زبدۂ انجمن جناب ایڈیٹر صاحب ماہ نامہ جام نور دہلی!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ المسجو دو برکاتہ

۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ

خیریت موجود عافیت محصول   اصلاو قطعا ملت کا ترجمان ماہ نامہ جام نور دہلی کے   یادگاری ''ممتاز ناقد و محقق'' نمبر

۲۰۱۴ء   ۲۰۱۴ء   ۱۴۳۵ھ

میں اشاعت کے لئے تحفہ   مادہ ہائے شہادت محسن العصر   ماہ تابندۂ غوث   لخت جگر اصفیا   متواضع پاک دامن

۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ   ۲۰۱۴ء   ۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ

اعلیٰ مقام خندہ لب منکسر المزاج   ماہ ہند شہید بغداد   محبوب غوث قطب المحققین   اغنیٰ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی

۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ   ۲۰۱۴ء   ۱۴۳۵ھ

ابن محبّ مولی عالی جناب شیخ عبدالحمید   عرف والی قوم جناب محمد سالم میاں صاحب قبلہ زید مدارجہ

۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ

صاحب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ مولوی محلہ بلدہ آباد بدایوں شریف   پیدائش ہردلعزیز تیئیس ربیع الثانی

۲۰۱۴ء   ۲۰۱۴ء

سن فروزاں تیرہ سو پچیانوے ہجری   مطابق چھ مئی سن انعام انیس سو پچھتر عیسوی   روز عالم افروز منگل ایک بجے رات

۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ

شہادت فرزند بلند نصیب دو جمادی الاولی   سن چودہ سو پینتیس ہجری دن سہ شنبہ ہے

۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ

مطابق چار مارچ سن انقلاب زدہ دو ہزار چودہ عیسوی بنویس   بالیقین کل عمر اڑتیس سال نو ماہ ستائیس یوم

۱۴۳۵ھ   ۲۰۱۴ء

قال القوی الباسط الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت   قال بار من صار بالعلم حیا لم یمت ابدا

۲۰۱۴ء   ۱۴۳۵ھ

صاحب حسن وجاہ مولانا اسید الحق المعروف ''شیخ صاحب''   لایق فایق صدر المدرسین مدرسہ عالیہ قادریہ مولوی محلہ بدایوں

۲۰۱۴ء   ۲۰۱۴ء

شہید حکمی محبّ سعید عزیزی مولانا اسید الحق قادری بدایونی   عالم ربانی اسید الحق عثمانی بدایونی جان داد

۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ

امیر قیامت عزیزی اسید الحق قادری   طیب مزاج صاحب ''حدیث افتراق امت'' چل بسا

۱۴۳۵ھ   ۲۰۱۴ء

افسوس پاک وصاف مصنف ''احادیث قدسیہ'' چلا گیا   عارف حق مصنف ''اسلام جہاد اور دہشت گردی''

۱۴۳۵ھ   ۲۰۱۴ء

بھیا کی کتاب ''اسلام ایک تعارف'' دکھایئے   ''قرآن کی سائنسی تفسیر'' نامحدود   ہائے مصنف ''تحقیق وتفہیم''

۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ

دندان شکن ''خامہ تلاشی'' کا جواب نہیں   صاحب'' خیرابادیات ''چل بسے   صدآہ مظلوم شہید

۲۰۱۴ء   ۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ

آہ فخر خاندان قادری کہاں گیا   وہ پاک باطن دیار غوث میں سو گیا

۲۰۱۴ء   ۲۰۱۴ء

<u>در صنعت زبر و بینہ</u>

ممتاز عزیز الخلائق   عالم اہل سنت صاحب   آہ محبوب تاج الفحول بدایوں

۲۰۱۴ء   ۱۴۳۵ھ   ۱۴۳۵ھ

□□□

سُنّی صحافت اور دینی لٹریچر کے اِحیا کے لیے سنگِ میل

ملّت کے اِجتماعی شعور کو بیدار کرنے کی طرف ایک سنجیدہ قدم

مجلّہ

لاہور

حجۃ الاسلام

مدیر: محمّد رضاء الحسن قادری

- نظریاتی تخریب کاری، غیر علمی مزاج اور فکری تحکم کے خلاف مستحکم محاذ
- حسّاس موضوعات اور گنجلک معاملات پر نباض اہل قلم کی تحریرات سے بھرپور
- نام ور شخصیاتِ اِسلام کی خدمات کے اِعتراف میں خصوصی نمبرز
- عالم اِسلام میں اِنقلاب برپا کرنے والی ہستیوں اور تحریروں کے تعارف و اِشاعت کا مرقع
- اُمت کے داخلی و خارجی مسائل کے موزوں حل کی تلاش میں پُرعزم

دار الاسلام؛ جامع مسجد و محلّہ مولانا روحی، اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور، پنجاب، پاکستان

(۴)

پس منظر

خانوادۂ عثمانیہ: تعارف وخدمات

خــــانـــوادۂ قادریہ عثمانیہ برصغیر ہندو پاک کا وہ ممتاز و منفرد خانوادہ ہے جس کی دینی و مذہبی، قومی و ملی، مسلکی و مشربی، اور تبلیغی و اصلاحی خدمات کی تاریخ آٹھ صدیوں پر محیط ہے، ان آٹھ سو سالہ تاریخ کے ہر دور میں اس خانوادے کے افراد نے ہر محاذ پر دین وسنیت کی قیادت فرماتے ہوئے احقاق حق اور ابطال باطل کا اہم فریضہ انجام دیا، ناموس رسالت کی حفاظت وصیانت کے لیے جن علمائے کرام نے تحریراً تقریراً اور عملاً کلیدی کردار ادا کیا، اگر ان کی فہرست تیار کی جائے تو اس خانوادۂ عثمانیہ کے افراد کا شمار صف اول میں ہوگا- اس خانوادہ میں درس وتدریس، قضا وافتا، علم وفضل، تقوی وطہارت، تصوف وروحانیت خاندانی ورثے کے طور پر نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی ہے- بحمد اللہ خانوادۂ قادریہ عثمانیہ کے جیالوں نے اپنے اسلاف کی علمی و روحانی میراث کی نہ یہ کہ صرف حفاظت کی بلکہ اس میں شب وروز اضافہ ہی کیا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری وساری ہے......ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ کے مختلف ادوار میں اس خانوادے میں علما، فضلا، اہل اللہ، شریعت وطریقت کے علمبردار، ادبا، شعرا اور قومی قائد پیدا ہوتے رہے اور انہوں نے اپنے اپنے دور میں اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت، نیز قوم و مذہب کی خدمات میں کلیدی کردار ادا کیا- اس خاندان میں گذشتہ دو صدیوں میں جو جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیات پیدا ہوئیں ہیں، ان میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

بحر العلوم ملا محمد علی عثمانی تلمیذ ملا قاضی مبارک (م:۱۲۷۹ھ)
سیدنا شاہ عین الحق مولانا عبد المجید بدایونی (م:۱۲۶۳ھ)
سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری بدایونی (م:۱۲۸۹ھ)
مجاہد آزادی مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی (مفقود:۱۲۷۴ھ)
مولانا نور احمد عثمانی تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی (م:۱۳۰۱ھ)
تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی (م:۱۳۱۹ھ)
سرکار صاحب الاقتدار مولانا شاہ عبد المقتدر قادری (م:۱۳۳۴ھ)
مفتی اعظم سلطنت آصفیہ مولانا عبد القدیر قادری (م:۱۳۷۹ھ)
مجاہد آزادی مولانا عبد الماجد قادری بدایونی (م:۱۳۵۰ھ)
مجاہد ملت مولانا عبد الحامد قادری (م:۱۳۹۰ھ)
مولانا عبد الہادی قادری بدایونی (م:۱۴۱۵ھ)

یہ اپنے اپنے عہد کی وہ شخصیات ہیں کہ برصغیر ہندو پاک کی علمی و روحانی، قومی و ملی، دعوتی وتبلیغی اور جماعتی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں کی جاسکتی۔

خانوادۂ عثمانیہ کے مورث اعلی کی ہندوستان میں آمد:

خانوادۂ عثمانیہ کے مورث اعلی، حضرت دانیال قطری علیہ الرحمہ ہیں- یہ ۵۹۹ھ/۳-۱۲۰۲ھ میں قطر سے ترک وطن کر کے سلطان شمس الدین التمش کے لشکر کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے، ابتداً لاہور میں سکونت پذیر ہوئے، پھر سلطان کے مسلسل اصرار پر بدایوں تشریف لائے، حکومت کی جانب سے عہدۂ قضا تفویض کیا گیا، آپ تادم حیات اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے- آپ حکومت شمسی کے دائرے میں قاضی القضاۃ کے نام سے مشہور ہوئے حضرت دانیال قطری حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید وخلیفہ اور سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کے برادر طریقت تھے- اللہ تعالی نے آپ کو ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی فضل وکمال سے بھی نوازا- ایک زمانہ آپ کے ظاہری و باطنی فیوض سے مستفیض ہوا- ۶۱۸ھ میں آپ کا وصال ہوا، پیر مکہ کے جوار میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے- آپ کے بعد آپ کی نسل میں ایک سے بڑھ کر ایک علم وفضل، تقوی وطہارت، تصوف وروحانیت کا امام پیدا ہوا اور اس نے قوم کی دینی وملی قیادت ورہنمائی فرمائی-

خانوادۂ عثمانیہ کے بزرگوں کے مفصل حالات جاننے کے لیے

مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے:

(۱) اکمل التاریخ: مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری، مطبوعہ ۲۰۱۳ء
(۲) طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول) مولانا انوار الحق عثمانی، مطبوعہ ۲۰۰۸ء
(۳) تاج الفحول حیات وخدمات: مفتی عبد الحکیم نوری، مطبوعہ ۱۹۹۸ء
(۴) تذکار محبوب: مولانا عبد الرحیم قادری بدایونی، مطبوعہ ۲۰۰۷ء
(۵) احوال ومقامات: مولانا محمد عبد الہادی القادری، مطبوعہ ۲۰۰۹ء
(۶) سیف اللہ المسلول کا علمی مقام: عبد العلیم قادری، مطبوعہ ۲۰۱۲ء
(۷) تذکرۂ خانوادۂ قادریہ: عبد العلیم قادری مجیدی، مطبوعہ ۲۰۱۳ء
(۸) اکابر بدایوں: مولانا احمد حسین قادری گنوری، مطبوعہ ۲۰۱۳ء
(۹) مولانا فیض احمد بدایونی: پروفیسر محمد ایوب قادری، مطبوعہ ۲۰۰۷ء

خانقاہ قادریہ کا قیام:

خانوادۂ عثمانیہ میں علم وفضل، درس وتدریس، تصوف وسلوک کا سلسلہ حضرت قاضی دانیال قطری کے عہد مبارک سے ہی چلا آرہا ہے، اس خاندان کے مشائخ نے مخلوق خدا کے دلوں کا تزکیہ وتصفیہ کر کے ان کا رشتہ اپنے معبود حقیقی سے مضبوط کیا، خود پرستی کی بیماری میں مبتلا انسان کو خدا پرستی کا راستہ دکھایا، امیر وغریب اور اپنے پرائے سب سے یکساں سلوک اور بلا تفریق مذہب خلق خدا کو فیض رسانی کا سبق دیا- اس خاندان عثمانی کے دیگر افراد کے ساتھ شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہ العزیز قطب زماں قبلۂ جسم وجاں سید ابو الفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کے دامن کرم سے منسلک ہوئے، پیر کامل نے جوہر قابل کو اپنی نظر کیمیا اثر سے رشک جہاں بنا دیا- حضرت شاہ عین الحق عبد المجید شمس مارہرہ حضور اچھے میاں کے چہیتے مرید وخلیفہ تھے- حضرت سید ابو الفضل آل احمد اچھے میاں کے وصال کے بعد شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایوں تشریف لائے اور ۱۲۳۵ھ میں آپ نے خانقاہ قادریہ کی بنیاد رکھی، جہاں سے قادری و برکاتی فیوض وبرکات جاری وساری ہوئے اور رشد وہدایت کا آغاز ہوا- آج خانقاہ قادریہ کے قیام کو دو سو سال مکمل ہو گئے- ان دو صدیوں میں یہاں کے مشائخ وصوفیہ نے دعوت وتبلیغ، رشد وہدایت، تزکیہ وتصفیہ کے میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور آج بھی یہ خانقاہ اپنے بزرگوں کے مسلک ومشرب پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے دین وسنیت کی قابل قدر خدمات انجام دے رہی ہے-

زیر نظر مقالہ میں میں نے خانوادۂ قادریہ میں تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں پیدا ہوئی ان شخصیات کی دینی ومذہبی اور ادبی واصلاحی خدمات کا سرسری خاکہ پیش کرنے کی سعی کی ہے جنھوں اپنے اپنے عہد میں درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، قضا وافتا، اصلاح وارشاد، تزکیہ وتصفیہ کے ذریعے اسلام وسنیت کی خدمات انجام دیں-

(۱) بحر العلوم ملا محمد علی عثمانی تلمیذ قاضی مبارک (م:۱۲۷۹ھ)

آپ کی ولادت ۱۱۳۴ھ/۲۲-۱۷۲۱ء میں ہوئی- آپ نے اپنے زمانے کے ممتاز علما سے تحصیل علم کی- اس دور میں علامہ قاضی مبارک گوپاموی کا آفتاب علم وفضل نصف النہار پر تھا- آپ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا- آپ انتہائی ذہین وفطین تھے اور طلب علم کا بے حد شوق رکھتے تھے، آپ کی ذہانت وفطانت دیکھ کر علامہ قاضی مبارک نے انتہائی لگن اور شفقت ومحبت سے پڑھایا اور آپ کی خاطر ایک نایاب کتاب تحریر فرمائی جو علمی حلقوں میں ''حاشیۂ قاضی مبارک'' کے نام سے متعارف ہے- یہ سلم العلوم کی شرح ہے- آپ نے اپنے ظاہری وباطنی فیوض سے صدہا بندگان خدا کو سیراب کیا، حضرت دانیال قطری رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ ''مدرسہ معزیہ'' کا نام ''مدرسہ محمدیہ'' رکھا جو آج زمانے میں ''مدرسہ قادریہ'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے- آپ کا خاص میدان درس وتدریس رہا، سیکڑوں تشنگان علوم دینیہ نے اس دریائے ناپیدا کنار سے اپنی علمی پیاس بجھائی- ۲۵ ربیع الثانی ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۳ء میں یہ علم و فضل کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا- آپ کی آخری آرام گاہ شہر لکھنؤ میں عیدگاہ کے پاس ہے-

(۲) مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی (م۱۲۶۳ھ)

آپ حضرت مولانا شاہ عبد الحمید قادری عثمانی (م۱۲۳۳ھ) کے بڑے صاحبزادے تھے، ۲۹ رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ کو پیدا ہوئے، 'ظہور اللہ' سے سن ولادت برآمد ہوتی ہے- مولانا محمد علی عثمانی، مولانا مفتی شاہ عبد الغنی اور دیگر علمائے کرام سے تعلیمی مراحل طے کیے پھر لکھنؤ جا کر مولانا ذو الفقار علی دہلوی سے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی- حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا غیبی اشارہ پا کر قبلۂ جسم وجاں سید ابو الفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور

اجازت وخلافت سے نوازے گئے نیز آپ کی بارگاہ سے ''عین الحق'' کا خطاب پایا- ۱۲۵۶ھ میں حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے- آپ کو اپنے مرشد برحق حضور شمس مارہرہ ابوالفضل آل احمد مارہروی سے انتہائی والہانہ محبت تھی اور آپ کی جدائی ایک لمحے کو بھی گوارہ نہیں تھی، یہی وجہ تھی کہ جب تک حضور شمس مارہرہ ظاہری حیات میں رہے آپ شب وروزان کی خدمت میں حاضر رہے، ان کے وصال کے بعد آپ نے بدایوں میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہاں ''خانقاہ قادریہ'' کی بنیاد رکھی، ایک زمانے نے آپ سے فیض پایا- ۱۷ محرم الحرام ۱۲۶۳ھ میں واصل الی الحق ہوئے اور درگاہ قادری بدایوں میں آسودہ خاک ہوئے-

قطب زماں شمس مارہرہ حضرت ابوالفضل آل احمد اچھے میاں نے حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری کے تعلق سے ارشاد فرمایا:

''درویش باید کہ ظاہرش چوں ابی حنیفہ باشد و باطنش چوں منصور وایں معنی بجز مولوی عبدالمجید در دیگرے ندیدہ ام-''

(اکمل التاریخ، ص:۹۹، از مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری)

(درویش کو چاہیے کہ اس کا ظاہر امام اعظم ابوحنیفہ کی طرح ہو اور باطن حضرت منصور کی طرح اور یہ بات سوائے مولوی عبد المجید کے کسی دوسرے میں میں نے نہیں دیکھی-)

ایک موقع پر حضور اچھے میاں نے اپنے چہیتے مرید وخلیفہ کے متعلق فرمایا:

''اگر روز قیامت خداوند کریم کی جناب سے سوال کیا گیا کہ ہماری بارگاہ کے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ تو میں مولوی عبدالمجید کو پیش کردوں گا-'

آپ کا اکثر وقت عبادت وریاضت، مجاہدہ ومراقبہ، اوراد ووظائف، دعوت وتبلیغ اور وابستگان سلسلہ کی اصلاح وارشاد میں صرف ہوتا تھا، اس کے ساتھ ہی آپ نے قلمی طور پر بھی دین متین کی خدمت انجام دی، آپ کی قابل ذکر تصنیفات یہ ہیں-

(۱) مواہب المنان شرح فارسی جواہر المنان

(۲) محافل الانوار فی احوال سید الابرار

(۳) ھدایۃ الاسلام در رد فرقۂ اسماعیلیہ وہابیہ

(۳) سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری (م:۱۲۸۹ھ)

آدمی کسی ایک میدان میں اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کارہائے نمایاں انجام دے سکتا ہے لیکن بیک وقت مختلف میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے- حضرت سیف اللہ المسلول کی حیات مبارکہ کا یہی پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ آپ کی خدمات کا دائرہ کسی ایک میدان تک محدود نہیں، بلکہ شریعت وطریقت، اصلاح قوم وملت، قضا وافتا، تصنیف وتالیف وغیرہ ہر میدان میں آپ نے کلیدی کردار ادا کیا- آپ مختلف علوم وفنون پر یکساں قدرت رکھتے تھے- تفسیر وحدیث، منطق وفلسفہ، عقائد وکلام، زبان وادب، شعر وسخن، طب وحکمت، فنون لطیفہ وغیرہ علوم متداولہ کی مسند امامت پر مجتہدانہ شان کے ساتھ جلوہ بار نظر آتے ہیں- اس خداداد صلاحیت واستعداد کی بنا پر آپ نے اپنے معاصرین علما پر ممتاز ونمایاں مقام حاصل کیا، غرض یہ کہ آپ کی ذات ہر زاویہ سے اس قدر مکمل و جامع ہے کہ ایسی جامعیت صدیوں میں کسی کسی میں نظر آتی ہے:

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

آپ کی ولادت ماہ صفر المظفر ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام ''ظہور محمدی'' ہے- حضور اچھے میاں نے آپ کا نام ''فضل رسول'' رکھا- ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد مولانا شاہ عبدالحمید قادری سے حاصل کی، گیارہ برس کی عمر میں آپ لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں اپنے وقت کے جید عالم ملا نور الحق فرنگی محلی (م:۱۲۳۸ھ) سے جملہ علوم متداولہ میں دسترس حاصل کی- محض چودہ سال کی عمر میں تمام علوم وفنون سے فارغ ہوگئے، پھر حضور اچھے میاں کے حکم سے علم طب کی تحصیل کے لیے حکیم ببر علی موہانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، تکمیل علوم کے بعد اپنے والد اور مرشد برحق شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی قدس سرہ کے حکم سے اپنے آبائی ''مدرسہ محمدیہ'' کو ''مدرسہ قادریہ'' کے نام سے موسوم کر کے درس وتدریس میں مصروف ہوئے- آپ متعدد بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے-

آپ کو غوث اعظم کی ذات سے دیوانگی کی حد تک محبت والفت تھی، ۱۲۷۸ھ میں جب بغداد شریف آستانۂ غوث اعظم پر حاضر ہوئے

تو نقیب الاشراف حضرت سید علی گیلانی قدس سرہ بنفس نفیس دروازے پر تشریف لائے اور اپنی مسند مبارک پر اپنے پہلو میں بٹھایا، حضور غوث اعظم کی آپ پر بے حد نظر کرم تھی، آپ عین بیداری میں حضور غوث اعظم جیلانی کے دیدار سے مشرف ہوئے- آپ اپنے والد محترم کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، آپ کو ان سے سلسلہ قادریہ کے علاوہ سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور ابوالعلائیہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی، کبھی آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، اس حالت میں اکثر وقت تنہائی میں جنگلوں میں گزار دیتے تھے- قدرت نے آپ کو قلمی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا، آپ نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں- آپ کے دور میں بعض لوگ محمد بن عبدالوہاب کے افکار ونظریات سے متاثر ہوئے تو ان کے اسلامی فکر سے متصادم افکار ونظریات کی تردید کرتے ہوئے متعدد تاریخی اور علمی کتابیں تصنیف فرمائیں- مذکورہ تحریک کے رد وابطال میں ان کتابوں کو اولیت حاصل ہے- آپ نے ان منحرف جماعتوں کے خلاف جو بھی کتابیں تصنیف کیں، اس کا حکم بارگاہ الٰہی سے ملا تھا- چناں چہ مولانا یعقوب قادری ''اکمل التاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''ایک دن قاضی مولوی شمس الاسلام عباسی مرحوم جو آپ کے والد کے مخصوص مریدوں میں تھے، عیادت کے لیے حاضر تھے حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ قاضی صاحب بمقتضائے 'واما بنعمة ربك فحدّث' آج آپ سے کہتا ہوں کہ دربار نبوت سے فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے لیے مامور کیا گیا تھا، الحمدللہ بتائید ایزدی اس فرقۂ باطلہ اور اس کی ذریات اسماعیلیہ و اسحاقیہ کا رد پوری طور پر ہو چکا- دربار رسالت میں سعی قبول ہوچکی اور میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہ رہی، عنقریب اس جہاں فانی سے جانے والا ہوں-''

آپ نے اعتقادیات، درسیات، علم کلام، فقہ وتصوف اور طب میں متعدد کتابیں تصنیف کیں:

(۱) سیف الجبار: (۲) المعتقد المنتقد: (۳) فوز المومنین بشفاعۃ الشافعین: (عقیدۂ شفاعت) طبع جدید ۲۰۰۹ء (۴) البوارق المحمدیہ: (۵) اکمال فی بحث شد الرحال (زیارت روضۂ رسول) طبع جدید ۲۰۰۹ھ: (۶) احقاق الحق و ابطال الباطل طبع جدید ۲۰۰۷ (۷) تصحیح المسائل (۸) تلخیص الحق: (۹) شرح فصوص الحکم: (۱۰) رسالۂ طریقت (۱۱) فصل الخطاب، طبع جدید ۲۰۰۹ء (۱۲) مولود منظوم (اردو) طبع جدید دسمبر ۲۰۰۹ء: (۱۳) حرز معظم (فارسی) طبع جدید ۲۰۰۹ء (۱۴) اختلافی مسائل پر تاریخی فتوی طبع جدید ستمبر ۲۰۰۹ء (۱۵) رسالہ در سلوک (۱۶) تثبیت القدمین (۱۷) حاشیہ میر زاہد بر رسالہ قطبیہ: (۱۸) حاشیہ میر زاہد بر ملا جلال (۱۹) طب الغریب (۲۰) شرح احادیث ملتقطہ ابواب صحیح مسلم-

آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بہت وسیع ہے جن میں چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی (م۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء)

(۲) مولانا شاہ محی الدین بن شاہ فضل رسول قادری (م ۱۲۷۰ھ)

(۳) مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی (مفقود:۱۲۷۴ھ)

(۴) قاضی القضاۃ مفتی اسداللہ خاں الہ بادی (م۱۳۰۰ھ)

(۵) مولانا عنایت رسول چریاکوٹی

(۶) مولانا شاہ احمد سعید دہلوی (م ۱۲۷۷ھ)

(۷) مولانا کرامت علی جونپوری (م ۱۲۹۰ھ)

(۸) مولانا عبدالقادر حیدرآبادی (م۱۳۲۹ھ)

(۹) مولانا سید اشفاق حسین (م ۱۳۲۸ھ)

(۱۰) مولانا خرم علی بلہوری (م۱۲۷۳ھ)

آپ شعر وسخن سے بھی ذوق رکھتے تھے اور ''مست'' تخلص فرماتے تھے- ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی آپ کے کلام کا مجموعہ ''مولود منظوم'' کے نام سے شائع کرچکی ہے- ۲ جمادی الاخری ۱۲۸۹ھ میں آپ نے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی- درگاہ قادری بدایوں شریف میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے-

(۴) مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی (مفقود:۱۲۷۴ھ)

مجاہد آزادی مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی (ولادت ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء) بن مولانا حکیم غلام احمد خانوادۂ قادریہ کے چشم وچراغ تھے- ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے، جملہ علوم متداولہ اپنے ماموں حضرت سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری سے حاصل کیے، پندرہ سال

کے قلیل عرصے میں فارغ التحصیل ہوئے، اپنے نانا مولانا شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے- آگرہ میں سررشتہ دار ہو گئے- درس وتدریس سے شغف رکھتے تھے، اس لیے دوران ملازمت درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا، طلبہ اور فقرا سے بے حد محبت کرتے، شعروسخن کا اعلی ذوق رکھتے تھے، ''رُسوا'' تخلص تھا-

عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں فکرسخن کیا کرتے تھے حضرت غوث اعظم کی ذات بابرکت سے بے پناہ محبت تھی- غوث پاک کی ذات سے اس قلبی وارفتگی پر آپ کا عربی دیوان ''ھدیہ قادریہ'' شاہد عدل ہے، اس دیوان میں حضرت غوث اعظم کے مناقب میں ایک ہزار ایک سو گیارہ اشعار ہیں- یہ دیوان سرکار صاحب الاقتدار حضرت مولانا عبد المقتدر قادری بدایونی کے مقدمے اور حاشیہ کے ساتھ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء میں شائع ہو چکا ہے- آپ کا عقد مسنون سیف اللہ المسلول کی صاحبزادی سے ہوا، جن سے مولانا سراج الحق قادری تولد ہوئے-

انگریزوں کے خلاف علامہ فضل حق خیرآبادی نے فتویٰ جہاد دیا اس پر اکابر اہل سنت نے دستخط فرمائے- اس فتویٰ جہاد پر مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی کے بھی دستخط ہیں- جنگ آزادی میں عملاً آپ نے شرکت کی، ترک ملازمت کر کے آگرہ میں آپ نے مجاہدین آزادی کی قیادت وسرپرستی فرمائی، آپ کو تصنیف وتالیف سے بھی شغف تھا، آپ کی اکثر کتابیں زمانۂ غدر میں حوادث کی نذر ہو گئیں، جو کتابیں دستیاب ہو سکیں ان میں تعلیم الجاہل، شرح ہدایۃ الحکمت، شرح صدرا، التعلیقات علی فصوص الفارابی، ہدیۂ قادریہ اور القامۃ البغد ادیہ قابل ذکر ہیں- ۱۸۵۷ء جنگ آزادی کے ہنگامے میں آپ مفقود ہو گئے، بہت تلاش کیا گیا، لیکن کوئی سراغ نہیں ملا، غالب گمان ہے انگریزوں نے آپ کو شہید کر دیا-

(۵) مولانا نور احمد عثمانی تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی (م ۱۳۰۱ھ)

حضرت مولانا نور احمد عثمانی بدایونی بن مولانا محمد شفیع عثمانی اس خانوادے کی ایک لائق وفائق شخصیت تھی- ۱۳ جمادی الاخری ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء میں پیدا ہوئے- علوم عقلی ونقلی کی تحصیل حضرت مولانا فیض احمد قادری بدایونی سے کی- بعض اعلی کتابیں استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی سے پڑھیں، ذہانت وفطانت ورثے میں پائی تھی- حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی کے مرید تھے، درس وتدریس سے طبعی شغف تھا- تا دم حیات درس دیتے رہے اور سیکڑوں تشنگان علوم آپ کے بحر علم سے فیض یاب ہوئے- غریب، یتیم اور بیواؤں کا خاص خیال رکھتے تھے- آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے، جس میں بعض مشاہیر مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تاج الفحول محبّ رسول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی (۲) مولانا نزح حسین قادری عثمانی (۳) مولانا سراج احمد قادری (۴) مولانا مصاحب علی روسائے محلّہ مولوی ٹولہ (۵) مولانا طاہر الدین (۶) مولانا نجم الدین سنبھلی (۷) مولانا امین الدین خیرآبادی (۸) مولانا اکبر شاہ ولایتی-

ان کے علاوہ پنجاب، کابل، فارس وعراق میں آپ سے فیض یاب ہونے والے طلبہ کی تعداد بے شمار ہے-

''تحفۂ فیض'' میں حضرت تاج الفحول لکھتے ہیں:

''عمی واستاذی مولانا نور احمد بدایونی کی نظیر دیکھنے میں نہ آئی، بلاشبہ آپ وحید عصر اور یکتائے زمانہ تھے- طلبہ کی تعلیم وتدریس اورغربا کی اعانت کے علاوہ شب وروز میں آپ کو کوئی اور کام مرغوب نہ تھا، آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے-''

یہ علم وفضل کا آفتاب ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء میں غروب ہو گیا-

(۶) تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری (م ۱۳۱۹ھ)

تیرہویں صدی ہجری کے اجلہ علما میں آپ کا شمار ہوتا ہے- اپنے زمانے میں مرجع علما، کاروان سنیت کے علمبردار اور قافلۂ تصوف وسلوک کے سالار تھے- آپ کی محبت سنیت کی علامت وشناخت سمجھی جاتی تھی- اپنے وقت کے بڑے بڑے جید علما آپ کی علمی عظمت کے معترف تھے اور آپ کو اپنا امام ورہنما تسلیم کرتے تھے- آپ کی ولادت ۱۷ ر رجب المرجب ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں ہوئی، حضور غوث پاک کے باطنی اشارہ پر آپ کا نام ''عبد القادر'' رکھا گیا، تاریخی نام ''مظہر حق'' اور لقب "شیخ الاسلام فی الھند" ہے- چار سال کی عمر میں آپ کے جد امجد شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی نے رسم بسم اللہ خوانی کرائی- تعلیم کے ابتدائی مراحل جد محترم اور والد گرامی حضرت سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری عثمانی کے زیر سایہ طے کیے- معقول ومنقول کی

اعلی تعلیم استاذ العلما علامہ نور احمد قادری عثمانی اور استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی سے حاصل کی- اپنے والد گرامی کے زیر نگرانی سلوک کے منازل طے کیے- تصوف وسلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد اجازت وخلافت سے نوازے گئے-

آپ نے متعدد بار حج کیا- پہلی بار ۱۲۷۹ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے- اس سفر میں سند المحدثین سیدنا الشیخ جمال حنفی مکی سے درس حدیث لیا، پھر شیخ جمال حنفی مکی علیہ الرحمہ نے اجازت وسند سے نوازا- حضور غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کی الفت ومحبت ورثے میں ملی تھی جو آپ کی رگ وپے میں مثل خون سرایت کیے ہوئی تھی- درحقیقت آپ فنا فی الغوث کے مقام پر فائز تھے، اس پر غوث اعظم کی شان میں آپ کے چار عظیم الشان دیوان شاہد عدل ہیں، اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ صفا ومروہ پر عالم بیداری میں غوث پاک نے اپنے دیدار سے مشرف فرمایا- عربی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں آپ نے فکر سخن کیا اور ''فقیر'' تخلص فرماتے تھے-

استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی آپ کی شان میں فرماتے ہیں:

''صاحب قوت قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے- وقتاً بعد وقت اور عصراً بعد عصرٍ پیدا ہوتے ہیں- اگر اس زمانے میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ یہ ہیں-''

ایک دیگر موقع پر آپ نے فرمایا:

''ان (تاج الفحول) کے ذہن کی جودت وسلاست ابوالفضل اور فیضی کے اذہان ثاقبہ کی جودت کو مات کرتی ہے-''

علامہ عبد الحق خیرآبادی، مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور تاج الفحول شاہ عبد القادر قادری بدایونی، یہ چاروں حضرات علامہ فضل حق خیرآبادی کی درس گاہ کے علمی ستون سمجھے جاتے تھے- علامہ عبد الحق خیرآبادی ان علمی ستونوں کا درجہ اور طبعی رجحان متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ہر سہ اصحاب کسی خاص فن میں یکتائے عصر اور وحید روزگار ہیں، مگر حضرت تاج الفحول کا تبحر اور جامعیت جملہ علوم وفنون میں ہے-''

(اکمل التاریخ: مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری، ص ۳۳۰)

نور العارفین سیدنا شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

''ہمارے دور میں سنیت کی شناخت محبت مولانا عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ ہے- ہرگز کوئی بدمذہب ان سے محبت نہ رکھے گا-''

(تذکرۂ نوری: غلام شبر قادری، ص: ۱۲۹)

احقاق حق اور ابطال باطل کا جذبہ اپنے والد گرامی حضور سیف اللہ المسلول سے ورثے میں ملا- آپ کے دور میں بدعقیدگی، گمراہی اور گمراہ گری کے جتنے فتنے اٹھے آپ نے تقریر وتحریر سے اس کا قلع قمع کیا اور ہر فتنے کا دندان شکن جواب دے کر مسلک حق کی حفاظت وصیانت کا عظیم فریضہ انجام دیا-

عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں آپ کی تصانیف کا ذخیرہ موجود ہے جن میں سے بہت سی کتابیں طبع ہو چکی ہیں اور بعض ہنوز غیر مطبوعہ ہیں، جو ان شاء اللہ جدید تخریج وتحقیق اور تحشیے کے ساتھ منظر عام پر آئیں گی- حضرت تاج الفحول کی تصانیف میں چند کے اسما یہ ہیں:

(۱) الکلام السدید (عربی) (۲) احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام (عربی) (۳) حقیقۃ الشفاعۃ علی طریق اہل السنۃ والجماعۃ دررد مولوی نذیر حسین دہلوی (۴) تحفہ فیض (فارسی) (۵) مناصحۃ فی تحقیق مسائل المصافحۃ (عربی) (۶) تذکرۂ مشائخ قادریہ (قلمی) (۷) شفا السائل بتحقیق المسائل (۸) سیف الاسلام علی المناع لعمل المولد والقیام (فارسی) (۹) ہدایت الاسلام (دررد روافض) (۱۰) دیوان نعت عربی (۱۱) دیوان نعت ومنقبت (اردو، فارسی)

ساری عمر درس وتدریس، تصنیف وتالیف، رشد وہدایت اور احقاق حق کا مقدس فریضہ انجام دیا- معاصرین نے آپ کو اپنے زمانے میں ''امام اہل سنت'' اور ''معیار سنیت'' قرار دیا- آپ کی درسگاہ سے ایک عالم نے فیض حاصل کیا- تلامذہ میں یہ چند نام نمایاں ہیں:

(۱) سید شاہ ابو القاسم حاجی اسماعیل حسن مارہروی (۱۳۳۰ھ)
(۲) سرکار صاحب الاقتدار مولانا عبد المقتدر قادری (۱۳۳۴ھ)
(۳) حافظ بخاری مولانا شاہ عبد الصمد سہسوانی (۱۳۲۳ھ)
(۴) استاذ الاساتذہ علامہ محبّ احمد قادری بدایونی (۱۳۴۱ھ)

(۵) استاذ العلما مفتی عزیز احمد قادری آنولوی ثم لاہوری
(۶) حضرت مولانا عمر الدین ہزاروی (۱۳۴۹ھ)
(۷) حضرت مولانا فضل مجید قادری فاروقی بدایونی (۱۳۲۵ھ)
(۸) مولانا مفتی حافظ بخش قادری آنولوی (۱۳۳۹ھ)
(۹) مولانا محمد حسن سنبھلی (۱۳۰۵ھ)

۱۷ر جمادی الاولی ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں آپ کا وصال ہوا- درگاہ قادری بدایوں میں اپنے والد ماجد سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول قادری قدس سرہ کے پہلو میں دفن ہیں-

آپ کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے دیکھئے:
(۱) اکمل التاریخ: مولانا ضیاء القادری بدایونی، مطبوعہ ۲۰۱۳ء
(۲) تاج الفحول حیات وخدمات: مفتی عبدالحکیم نوری، ۱۹۹۸ء
(۳) ماہنامہ مظہر حق کا ''تاج الفحول نمبر'': ۱۹۹۸ء
(۴) حیات تاج الفحول: مولانا محمد شہاب الدین رضوی ۲۰۰۷ء

(۷) سرکار صاحب الاقتدار مطیع الرسول مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی: (م ۱۳۳۴ھ)

آپ تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے تھے- ۱۱ر جمادی الاخری ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء بروز پیر پیدا ہوئے- آپ کے جد امجد حضرت سیف اللہ المسلول نے ''مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر'' نام رکھا- تاریخی نام ''غلام پیر'' اور لقب ''سرکار صاحب الاقتدار'' ہے- مولانا حکیم سراج الحق قادری علیہ الرحمہ نے رسم تسمیہ خوانی ادا فرمائی، بچپن سے بزرگی کے آثار ہویدا تھے- مکمل تعلیم استاذ الاساتذہ مولانا نور احمد قادری اور تاج الفحول شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کے زیر سایہ ہوئی- اپنے والد گرامی تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ تھے- ۲ر مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، ایک مرتبہ بغداد معلیٰ حضور غوث اعظم کی درگاہ پر حاضری ہوئی-

تاج الفحول شاہ عبدالقادر قادری بدایونی اکثر فرمایا کرتے تھے:

''مولانا صاحب میرے شاگرد اور مرید ہیں، لیکن ان کی شان یہ ہے کہ کاش! میں ان کا مرید ہوتا-''

جمادی الاخری ۱۳۱۹ھ میں علمائے کرام اور مشائخ کی موجودگی میں رسم سجادگی ادا ہوئی- نور العارفین شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے خرقہ مبارک پہنایا اور نذر پیش کی- انتہائی منکسر المزاج، عابد وزاہد تھے- بچپن سے ہی طبیعت زہد وتقویٰ کی طرف مائل تھی، درس وتدریس سے خاص شغل تھا، بڑے انہماک اور توجہ سے آپ درس دیا کرتے تھے، کبھی کبھی تو ایک مسئلے پر دو تین دن تک بحث ہوتی رہتی تھی- آپ سے اکثر وبیش تر خوارق عادات بھی صادر ہوتے رہتے تھے-

مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی آپ کے بارے میں اپنے مشاہدات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خدا جانتا ہے کہ جو شان اس نورانی صورت (سرکار صاحب الاقتدار) میں دیکھی آج تک دیکھنے میں نہ آئی- متقدمین کے مجاہدہ وریاض، تصرفات وکرامات وخوارق عادات کانوں سے سنے تھے یہاں روزمرہ اشاروں کنایوں میں ان تصرفات وخوارق کی جلوہ نمائی دیکھتے ہیں- اوقات شبانہ روز کو دیکھ کر نگاہیں چشم سخن گو میں کہتی ہیں کہ اللہ اکبر اس گئے گزرے زمانے میں بھی ایسے باخدا موجود ہیں جن کی زندگی کا کوئی لمحہ، کوئی ساعت، کوئی آن یادالٰہی سے خالی نہیں- اس عظمت و منزلت خداداد پر شان تواضع اور رنگ انکساری دیکھنے والے دیکھتے ہیں، جاننے والے جانتے ہیں-'' (ص: ۳۴۷)

عبادت وریاضت، درس وتدریس اور دیگر دینی مشاغل کی بنا پر تصنیف وتالیف کی جانب زیادہ توجہ مبذول نہ کر سکے- ایک ضخیم تفسیر ''تفسیر ابن عباس'' کا ترجمہ آپ کے قلم سے معرض وجود میں آیا-

آپ سے اکتساب فیض کرنے والے تلامذہ کی فہرست طویل ہے، جن میں چند اسما مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مفتی اعظم شاہ عاشق الرسول محمد عبدالقدیر قادری (۲) مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری بدایونی (۳) تاج العلما سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی (۴) حضرت سید ارتضا حسین پیر میاں مارہروی (۵) حضرت سید حسین احمد میاں شاہجہانپوری (۶) محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی الجیلانی (۷) (۸) مفتی حسین احمد، مفتی ریاست پہاسو (۹) مولانا مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی (۱۰) مولانا مفتی ابراہیم قادری بدایونی ابن استاذ العلما مولانا محبّ احمد قادری (۱۱) مولانا سید عبدالوہاب حیدرآبادی (۱۲) مولانا حافظ عبدالمجید قادری آنولوی (۱۳) مولانا حبیب الٰہی مارہروی (۱۴) مولانا حکیم عبدالشکور، پٹنہ-

ان کے علاوہ ہزارہا تشنگان علوم نبویہ نے اس علم کے بحر ذخار سے اپنی علمی پیاس بجھائی- طوالت کی بنا پر ان کے اسما حذف کیے جاتے ہیں-

۲۵ر محرم الحرام ۱۳۳۴ھ کو نماز فجر میں بحالت سجدہ واصل الی الحق ہوئے- عیدگاہ شمسی میں آپ کے برادر صغیر حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، درگاہ قادری میں اپنے والد گرامی حضرت تاج الفحول کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے-

(۸) عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی (۱۳۷۹ھ)

آپ کی ولادت ۱۱ر شوال المکرّم ۱۳۱۱ھ کو مولوی ٹولہ، بدایوں میں ہوئی- آپ کی ولادت سے ۲۸ر سال قبل آپ کے جد امجد سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ نے آپ کی پیدائش کی بشارت دی اور ''عبدالقدیر'' نام تجویز فرمایا نیز ایک تعویذ دیا کہ ولادت کے بعد ان کے گلے میں ڈال دیا جائے- چنانچہ اسی نام پر عقیقہ ہوا، بعد میں حضرت تاج الفحول نے ''عاشق الرسول'' کا اضافہ فرمایا، لہٰذا آپ کا پورا نام ''عاشق الرسول عبدالقدیر'' ہو گیا، اس نام میں ''محمد'' بڑھانے سے سنہ تاریخ ۱۳۱۱ھ برآمد ہوتی ہے-

جب آپ کی عمر ۸ر سال کی ہوئی تو والد محترم حضرت تاج الفحول کا وصال ہو گیا، برادر اکبر و پیر ومرشد سرکار صاحب الاقتدار شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی کے زیر سایہ پرورش پائی، ابتدائی تعلیم مدرسہ قادریہ کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی، علامہ محبّ احمد قادری، مولانا حافظ بخش قادری سے متوسطات کی تعلیم حاصل کی، پھر سرکار صاحب الاقتدار سے تکمیل کی- انتہائی زیرک وفطین تھے- اسی وجہ سے طبعاً معقولات سے زیادہ شغف تھا- معقولات کی قدیم کتابیں پڑھنے کے لیے آپ نے ٹونک اور رامپور کا سفر کیا- علامہ عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد حکیم برکات احمد ٹونکی اور علامہ سید عبدالعزیز رامپوری سے معقول کی قدیم کتابیں پڑھیں، دوران طالب علمی سے ہی تدریس کا شوق رہا، ٹونک اور رامپور میں بھی طلبہ ساتھ گئے اور خالی اوقات میں آپ انہیں درس دیا کرتے تھے- رامپور سے واپسی پر باقاعدہ مدرسہ قادریہ میں مسند تدریس پر متمکن ہوئے اور پورے انہماک اور لگن کے ساتھ آپ نے درس دیا، آپ سے اکتساب فیض کرنے والے طلبہ کی تعداد کثیر ہے- ان میں درج ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

(۱) شہزادۂ گرامی حضرت سید عادل الگیلانی بغدادی (۲) مولانا فیض الحسن دہلوی (۳) مولانا عبدالحامد قادری بدایونی (۴) مولانا حیرت بدایونی (۵) مولانا عبدالہادی ہادی القادری (استاذ: شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد) (۶) تاجدار اہل سنت مولانا شاہ عبدالحمید محمد سالم القادری (زیب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)

اپنے برادر اکبر سرکار صاحب الاقتدار مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے- ۱۳۳۳ھ میں سرکار صاحب الاقتدار نے اجازت وخلافت سے نوازا- آپ نے دو بار حرمین شریفین کی حاضری کا شرف حاصل کیا اور بغداد شریف کی حاضری تو ہر سال کا معمول تھا، اس کے علاوہ شام، فلسطین اور ایران کا دورہ کیا- آپ کو مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور مسجد غوث اعظم (بغداد شریف) میں جمعہ کی نماز پڑھانے کا شرف حاصل ہوا-

محبت غوث اعظم خانوادۂ قادریہ کا سرمایۂ افتخار ہے، حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری سے لے کر تا ہنوز ہر بزرگ میں محبت غوث اعظم کی جلوہ گری نظر آتی ہے- یہی عقیدت ومحبت خانوادۂ عثمانیہ کا طرۂ امتیاز ہے- حضرت عاشق الرسول کو ۴۵ر مرتبہ بغداد شریف کی حاضری کا شرف حاصل ہوا جو ایک محبّ غوث کے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے- ایک سال بیماری کی وجہ بغداد شریف حاضر نہیں ہو سکے تو صاحب سجادہ آستانہ غوث اعظم حضرت سید طاہر علاء الدین گیلانی کے خواب میں غوث اعظم تشریف لائے اور فرمایا کہ ''تم ہندوستان جاؤ مولوی عبدالقدیر بدایونی علالت کی وجہ سے اس سال ہماری بارگاہ میں حاضر نہیں ہو سکے ان کی عیادت کرو-'' چنانچہ ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ مطابق فروری ۱۹۵۶ء شہزادہ غوث اعظم بدایوں تشریف لائے اور آپ کی عیادت کر کے غوث پاک کا سلام پہنچایا، اتنا ہی نہیں بلکہ جب حضرت عاشق الرسول کا وصال ہو گیا اور آپ کے جانشین تاجدار اہل سنت شیخ عبدالحمید سالم القادری (زیب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں) بارگاہ غوثیت میں حاضر ہوئے تو نقیب الاشراف سید پیر ابراہیم گیلانی (جو اس وقت آستانہ قادریہ بغداد شریف کے صاحب سجادہ تھے) نے غوث

پاک کے مزار مبارک کا غلاف حضرت تاجدار اہل سنت کو عطا کیا اور فرمایا کہ میرے جد اعلیٰ حضرت غوث اعظم نے (خواب میں) مجھے حکم دیا کہ مولوی عبدالقدیر ہر سال بدایوں سے میرے مزار کے لیے غلاف لایا کرتے تھے، اب ان کا انتقال ہو گیا ہے، چنانچہ ہماری طرف سے یہ غلاف ان کے مزار کے لیے بھیج دو۔

شعری ذوق اور موزوں طبیعت آپ نے وراثت میں پائی تھی، آپ نے غزل، قطعہ، رباعی قصیدہ اور مثنوی تمام اصناف سخن کو برتا، قدر تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا زیادہ تر کلام نعت و مناقب پر مشتمل ہے۔ آپ کا یہ قطعہ زبان زد خاص و عام ہے:

دید اک حقیقت تھی ہجر اک فسانہ تھا
ہم تھے جب مدینے میں وہ بھی کیا زمانہ تھا
یاد ہے فقط اتنا ہم تھے اور سجدے تھے
آگے بے خودی جانے کس کا آستانہ تھا

جب ملک میں ملی اور قومی تحریکات کا آغاز ہوا تو حضرت عاشق الرسول نے تمام اہم تحریکوں میں حصہ لیا۔ ترک موالات، تحریک خلافت، خدام کعبہ، مسئلہ فلسطین اور بزم صوفیہ جیسی تحریکات میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے ان قومی و ملی تحریکات میں قوم و ملت کی قیادت اور رہنمائی فرمائی۔ بہت سی قومی و ملی کانفرنسیں آپ کی صدارت میں منعقد ہوئیں، جن میں آپ نے خطبہ صدارت پڑھا اور اپنی سیاسی و ملی بصیرت کا ثبوت دیا۔ ۲۰۰۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی نے ''خطبات صدارت'' کے نام سے آپ کے ان تین خطبات کو شائع کیا جو آپ نے قومی و ملی کانفرنس میں بحیثیت صدر دیئے۔

آپ سلطنت آصفیہ، ریاست حیدرآباد کی عدالت عالیہ میں مفتی اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۳۶ء سے سقوط حیدرآباد تک مفتی اعظم ریاست حیدرآباد کے عظیم منصب پر متمکن رہے۔

۳ر شوال المکرم ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۰ء کو بروز جمعرات آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے جسد خاکی کو درگاہ قادری میں آپ کے مرشد برحق سرکار صاحب الاقتدار شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے بعد آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالحمید محمد [illegible] القادری دامت برکاتہم القدسیہ سجادہ نشین ہوئے جو آج بھی اپنے فیوض و برکات سے ایک عالم کو فیض یاب فرما رہے ہیں۔

(۹) مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی (م ۱۳۱۸ھ)

آپ کی ولادت شوال المکرم ۱۲۸۳ھ میں ہوئی۔ جد محترم سیف اللہ المسلول نے ''محمد عبدالقیوم'' نام تجویز فرمایا ''ذاکر رسول اللہ'' سے تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔ جد محترم سیف اللہ المسلول کے زیر سایہ پرورش پائی، ابتدائی تعلیم مدرسہ قادریہ کے لائق و فائق اساتذہ سے حاصل کی۔ فن کی اعلی کتابیں تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی سے پڑھیں۔ فن طب اولاً مولانا سراج الحق قادری عثمانی سے حاصل کی پھر اس میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے لیے آپ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں حاذق الملک ابوسعید حکیم عبدالمجید خاں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فن طب میں کمال کو پہنچے۔

نور العارفین سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کے دامن کرم سے وابستہ ہوئے اور آپ ہی نے اجازت و خلافت سے نوازا۔ حضرت تاج الفحول نے بھی آپ کو تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ فراغت علوم کے بعد آپ نے باقاعدہ درس و تدریس کا آغاز کیا نیز لوگوں کا جسمانی علاج بھی کیا۔ غربا پروری، خدمت خلق اور حاجت مندوں کی حاجت روائی آپ کے اوصاف میں تھے۔

اسلام و سنیت کی اشاعت و ترویج کے لیے حضرت تاج الفحول کی سرپرستی میں ''جامع مسجد شمسی'' میں آپ نے ایک عظیم ادارہ قائم کیا جس نے زمانے میں ''مدرسہ شمسیہ'' کے نام سے شہرت پائی، آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالماجد قادری بدایونی نے اس مدرسہ کو ایک پر شکوہ عمارت میں منتقل فرمایا اور اس کا نام تبدیل کر کے ''شمس العلوم'' رکھا۔ ایک زمانے تک اس مدرسے نے علوم دینیہ کی خدمات انجام دیں۔ مدرسہ اہل سنت پٹنہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی غرض سے حضرت تاج الفحول کے ہمراہ پٹنہ تشریف لے جا رہے تھے، فجر کی نماز کے لیے ریل سے اترے اسی اثنا میں ریل چل دی آپ نے دوڑ کر سوار ہونا چاہا، پاؤں پھسلا اور آپ پلیٹ فارم کے نیچے گر گئے، ریل روکی گئی اور آپ کو ریل کے پہیوں سے بدقت نکالا گیا، کسی طرح پٹنہ پہنچے علاج شروع ہوا، مگر آپ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ آخر کار ۱۴ر رجب ۱۳۱۸ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مولانا سید امین الدین فردوسی نے نماز جنازہ پڑھائی، بذریعہ ریل آپ کے جسد مبارک کو بدایوں لایا گیا اور درگاہ قادری میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ آپ نے ۳۵ر سال کی مختصر عمر میں گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی قابل قدر ذخیرہ چھوڑا، جن میں سے چند کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) رسالہ فضائل الشہور (۲) رسالہ بیان شفاعت (۳) رسالہ بیان غربت اسلام (۴) سطوۃ فی رد ہفوات ارباب دارالندوہ (۵) رسالہ احکام و اسرار صلاۃ (۶) رسالہ سماع اموات (۷) رسالہ تدابیر معالجات (۸) رسالہ علم عروض (۹) شرح سبعہ معلقہ (۱۰) اسلامی ناول

(۱۰) مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری بدایونی (م ۱۳۵۰ھ)

مولانا عبدالماجد قادری خانوادۂ عثمانیہ کے چشم و چراغ تھے، ان کی ولادت ۴ر شعبان المعظم ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء میں مولوی محلہ، بدایوں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مولانا مفتی ابراہیم اور مولانا عبدالمجید مقتدری آنولوی سے حاصل کی، درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں استاذ العلما مولانا محب احمد قادری بدایونی سے پڑھیں اور تکمیل حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری سے فرمائی۔ دو سال دہلی میں رہ کر حکیم غلام رضا خاں سے فن طب کی تکمیل کی، آپ کو بیعت و خلافت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی کے بڑے صاحبزادے سرکار صاحب الاقتدار مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری سے حاصل تھی۔ ۱۸۹۹ء میں آپ کے والد مولانا عبدالقیوم شہید نے جامع مسجد شمسی بدایوں میں مدرسہ شمسیہ کی بنیاد رکھی اور اس نے عروج و ترقی کے منازل طے کیے پھر رفتہ رفتہ یہ مدرسہ زبوں حالی کا شکار ہو گیا، مولانا عبدالماجد بدایونی نے از سر نو اس کی آبیاری کی اور ۳ر ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں ایک عمارت تعمیر کروائی اور مدرسہ شمسیہ کا نام ''شمس العلوم'' رکھ کر اس عمارت میں مدرسے کو منتقل کر دیا۔ مدرسے کی عمارت کے قریب ہی ایک عمدہ دارالاقامہ قائم کیا، پروفیسر ایوب قادری مدرسے کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جلد ہی مدرسہ شمس العلوم نے ملک کی دینی درسگاہوں میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ ملک کے مختلف حصوں اور علاقوں سے طلبہ تحصیل علم کے لیے آنے لگے، لائق اور محنتی علما بہ حیثیت مدرسین اور اساتذہ مدرسہ سے وابستہ ہو گئے، دستار بندی کے موقع پر نہایت شاندار جلسے منعقد ہوتے، ان جلسوں میں تمام ہندوستان کے ممتاز اور مشہور علما شریک ہوتے۔''

(مجلّہ بدایوں، کراچی مئی ۱۹۹۶ء ص: ۴۸)

آپ نے مدرسے میں ایک عظیم الشان لائبریری قائم کی، مذہب و مسلک کی اشاعت کے لیے مدرسے کے زیر انتظام ''مطبع قادری'' کے نام سے پریس لگوایا اور وہاں سے علمائے اہل سنت کی تحقیقی و علمی اور دعوتی و اصلاحی کتابیں اور رسائل شائع کیے۔ مولانا ایک معروف ملی قائد بھی تھے، آپ نے اپنے دور میں اٹھی ہر قومی و ملی اور سیاسی تحریک میں حصہ لیا اور کلیدی کردار ادا کیا، جس میں خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء) مجلس خدام کعبہ (۱۹۱۲ء) جمعیۃ العلما (۱۹۱۹ء) تحریک تنظیم (۱۹۲۴ء) مسلم کانفرنس (۱۹۱۹ء) تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) ان کے علاوہ دیگر ملی و قومی اور سیاسی کانفرنسوں میں اہم رول ادا کیا۔ پروفیسر ایوب قادری قومی و ملی خدمات کے تعلق سے رقمطراز ہیں:

''مولانا عبدالماجد نہایت ذہین عالم اور بے مثال مقرر تھے، انھوں نے تحریک خدام کعبہ، خلافت کمیٹی، مسلم کانفرنس اور جمعیۃ العلما سب میں حصہ لیا، وہ علی برادران کے دست راست تھے، انھوں نے تمام ملک کو چھان مارا اور ملک کی سیاسی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ برصغیر کی سیاست میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے، انھوں نے شدھی اور سنگٹھن کے زمانے میں آگرہ اور بھرت پور کے علاقہ میں ایک جماعت بھیجی، ان کے بعض متوسلین نے آگرہ میں ڈیرے جما دیئے اور ایک رسالہ نکالا''

(مقالہ: ''عہد برطانیہ میں علمائے بدایوں کے سیاسی رجحانات'' مجلّہ بدایوں، کراچی، شمارہ جنوری ۱۹۹۴ء)

آپ کی صدارت میں قومی و ملی بے شمار کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر جیسے قدآور قومی قائد موجود رہے، آپ کی صدارت میں منعقد ہونے والی بے شمار کانفرنسوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) خلافت کانفرنس ناگ پور ۱۹۲۰ء (۲) خلافت کانفرنس بمبئی ۱۹۲۱ء (۳) خلافت کانفرنس کلکتہ (۴) بہار ڈویژنل خلافت کانفرنس پٹنہ ۱۳۳۹ھ (۵) خلافت کانفرنس ضلع بیلگام کرناٹک ۱۳۳۹ھ (۶) اجلاس

جمعیۃ علما صوبہ راجستھان ۱۳۴۲ھ (۷) اجلاس خلافت کمیٹی بسلسلہ افتتاح شعبہ تبلیغ میرٹھ ۱۳۳۸ھ

مولانا عبدالماجد قادری عثمانی ایک فعال ومتحرک اور سیماب صفت شخص تھے- آپ کی وسیع تر خدمات اور قائدانہ حیثیت ان مناصب سے بھی سمجھ میں آتی ہے جن کو اپنی زندگی میں آپ نے زینت بخشی، مثلاً:

(۱) مہتمم: مدرسہ شمس العلوم بدایوں (۲) مدیر اعلیٰ: ماہنامہ شمس العلوم بدایوں (۳) ناظم: جمعیۃ علمائے ہند صوبہ متحدہ (۴) رکن: مرکزی مجلس خلافت (۵) رکن: مجلس عاملہ مسلم کانفرنس (۶) صدر: خلافت تحقیقاتی کمیشن (۷) رکن: وفد خلافت برائے حجاز (۸) رکن: انجمن خدام کعبہ (۹) رکن انڈین نیشنل کانگریس (۱۰) بانی دارالتصنیف بدایوں (۱۱) بانی وسرپرست: عثمانی پریس بدایوں (۱۲) بانی ومہتمم مطبع قادری (۱۳) بانی ورکن: جمعیۃ علمائے ہند کانپور (۱۴) صدر: جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ آگرہ-

ان تمام تر مصروفیات کے ساتھ ہی مولانا عبدالماجد قادری کو تالیف وتصنیف سے بھی خاصا شغف تھا- آپ نے مذہبیات، درسیات اور سیاسیات ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور تصنیفات کا ایک قابل قدر ذخیرہ چھوڑا جن میں مندرجہ ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں:

(۱) خلاصۃ المنطق (۲) خلاصۃ العقائد (۳) القول السدید (۴) جذبات الصداقت (۵) فلاحِ دارین (۶) خلافت نبویہ (۷) فصل الخطاب (۸) درس خلافت (۹) تنظیمی مقالات (۱۰) الاظہار (۱۱) خلافت المیہ (۱۲) قسطنطنیہ (۱۳) عورت اور قرآن (۱۴) فتوی جواز عرس-

مولانا ایک نباض اور بالغ نظر خطیب بھی تھے- ان کا خطاب سامعین پر جادو کی طرح اثر انداز ہوتا تھا، مجلس میلاد ہو، عرس کی محفل، یا بزم مناظرہ ہو یا سیاسی جلسہ یا کوئی قومی کانفرنس ہر جگہ آپ کی خطابت کی دھمک سنائی دیتی تھی- مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

> ''(آپ کا) وعظ عجب روح پرور معلومات سے پر، جذبات برانگیختہ کرنے والا ہوتا تھا- ہندوستان میں آپ عدیم النظیر واعظ، اور خطیب اعظم تھے-'' (تذکرہ ماجد: ص ۷۳)

۳؍شعبان ۱۳۵۰ھ/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو آپ نے وفات پائی، درگاہ قادری میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے-

آپ کی حیات وخدمات کا تفصیلی مطالعہ ''تذکرۂ ماجد'' (مرتبہ: شیخ اسید الحق قادری) میں کیا جاسکتا ہے-

(۱۱) مجاہد ملت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی، صدر جمعیۃ علمائے پاکستان (م ۱۳۹۰ھ)

مولانا عبدالحامد قادری بدایونی (ولادت ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء) بن مولانا عبدالقیوم قادری، ایک جید عالم، شعلہ بیان خطیب، ملی قائد، مصنف اور صاحب طرز شاعر تھے- آپ کی تعلیم مدرسہ قادریہ بدایوں، مدرسہ شمس العلوم بدایوں اور مدرسہ کانپور میں ہوئی، آپ کے اساتذہ میں مطیع الرسول مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری، عاشق الرسول مولانا عبد القدیر قادری، استاذ العلما مولانا محب احمد قادری، مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری اور مولانا مشتاق احمد قادری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں-

سرکار صاحب الاقتدار شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور عاشق الرسول شاہ عبدالقدیر قادری بدایونی نے اجازت وخلافت سے نوازا- آپ نے اپنی عملی زندگی کی ابتدا مدرسہ شمس العلوم کے نائب مہتمم کی حیثیت سے کی، مسلسل تین سال مکمل انہماک کے ساتھ مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں درس دیا، پھر اپنے بڑے بھائی مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری کے ساتھ قومی وملی تحریکات سے وابستہ ہوئے- مسلم لیگ میں شامل ہوکر قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک رہے- تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے- جمعیۃ علمائے پاکستان کے صدر بنائے گئے، مختلف مذہبی اور سیاسی موضوعات پر ۲۰؍ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، پاکستان میں دین ومسلک کی اشاعت و ترویج کی غرض سے جامعہ تعلیمات اسلامیہ قائم فرمایا-

۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء میں آپ کا وصال ہوا، نماز جنازہ سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار اشرفی جیلانی نے پڑھائی اور اپنے قائم کردہ ادارہ ''جامعہ تعلیمات اسلامیہ'' کراچی میں مدفون ہوئے- چند سال پہلے حکومت پاکستان نے قیام پاکستان کے لیے آپ کی خدمات کے اعتراف میں ڈاک ٹکٹ جاری کیا-

دینی ومذہبی اور قومی وسیاسی مصروفیات کے ساتھ ہی آپ نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کے نقوش چھوڑے جو دینی وملی اور سیاسی موضوعات پر مشتمل ہیں- ان میں سے مندرجہ ذیل

کتابوں کے اسما درج ذیل ہیں:

(۱) تصحیح العقائد (۲) نظامِ عمل (۳) الجواب المشکور (۴) اسلام کا زراعتی نظام (۵) اسلام کا معاشی نظام (۶) انتخابات کے ضروری پہلو (۷) حرمت سود (۸) فلسفہ عبادات اسلامی (۹) دعوت عمل (۱۰) جذبات حامد (۱۱) مشیر الحجاج (۱۲) سفرنامہ ممالک عربیہ وایران-

(۱۲) مولانا عبدالہادی القادری بدایونی (م ۱۴۱۵ھ)

آپ حضرت عاشق الرسول شاہ عبدالقدیر قادری علیہ الرحمہ کے سب سے بڑے صاحبزادے، حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کے پوتے اور حضرت تاجدار اہل سنت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری (زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں) کے برادرِ اکبر تھے- ۱۳؍رجب المرجب ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء کو بدایوں میں ولادت ہوئی- تعلیمی مراحل اپنے آبائی مدرسہ قادریہ میں حضرت مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی اور مولانا عزیز احمد قادری سے حاصل کی- سرکار صاحب الاقتدار مولانا عبدالمقتدر قادری قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے- والد گرامی کے وصال کے بعد اپنے برادرِ اصغر حضرت تاجدارِ اہل سنت کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی- عربی، فارسی، اُردو تینوں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے- نعت ومناقب کے دو مجموعے ''نغمہ قدسی اساس'' اور ''خرابات'' اور بہاریہ شاعری کا ایک مجموعہ ''خمیازۂ حیات'' شائع ہوچکے- ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء میں حج وزیارت کی سعادت حاصل کی- مدرسہ قادریہ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد اور نظام کالج حیدرآباد میں ادب عربی کے استاذ رہے- ۱۹۷۸ء میں نظام کالج حیدرآباد کے شعبہ عربی میں ''استاذ ادبیات عربی'' کے عہدے سے سبکدوش ہوئے-

نظام کالج کی ملازمت کے دوران ''الاشعۃ'' نام سے ایک میگزین کا اجرا کیا- یہ بیک وقت عربی اور اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا- اُردو، عربی، فارسی میں آپ کی شعری اور نثری نگارشات کا ایک مجموعہ ''باقیات ہادی'' کے نام سے تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہوچکا ہے- اُردو مقالات آپ اپنے اصلی نام سے اور عربی نظم ونثر ''صاحب القلم الاحمر'' اور ''الاستاذ الاموی'' کے قلمی نام سے شائع ہوا کرتی تھی- ۱۱؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء میں آپ کا وصال ہوا اور درگاہ قادری میں سپردِ خاک ہوئے-

[۱۳] حضرت تاجدار اہل سنت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری (زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف)

آپ کی ولادت باسعادت ۲۶؍شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ/ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں حیدرآباد دکن میں ہوئی- محض آٹھ سال کی عمر میں حافظ عبدالوحید قادری مقتدری سے قرآن کریم حفظ کیا- اپنے آبائی مدرسہ قادریہ میں مفتی ابراہیم فریدی سمستی پوری اور مفتی اقبال حسن قادری سے علم کی تحصیل کی- بعض کتابیں اپنے والد گرامی حضرت عاشق الرسول شاہ عبدالقدیر قادری مفتی اعظم حیدرآباد سے پڑھیں-

اپنے والد محترم کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور ۱۳۷۷ھ میں عرس قادری کے مبارک موقع پر خلافت سے نوازے گئے- ۶؍شوال المکرّم/ ۱۹۶۰ء میں مسند سجادگی کو زینت بخشی، اس وقت سے آج تک اپنے اکابر کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے رشد وہدایت، اصلاح وارشاد وابستگانِ سلسلہ کی دینی اور روحانی اور سلسلہ قادریہ کے فروغ کے لیے آپ کی مساعی جمیلہ اور خدمات محتاج بیان نہیں- آپ کے عہد زریں میں خانقاہ قادریہ نے تبلیغی، اشاعتی اور تعمیری میدانوں میں نمایاں ترقی کی- کتب خانہ قادریہ کی جدید کاری، مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ اور خانقاہ قادریہ میں جدید عمارتوں کی تعمیر، یہ سب ایسی خدمات ہیں جو خانقاہ قادریہ کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی-

قوم وملت کی فلاح وترقی، مسلک اہل سنت کی نشر واشاعت، احباب سلسلہ کی تعلیم وتربیت اور مشربِ قادریت کا فروغ آپ کی حیات مبارکہ کا مشن ہے- آپ کی تبلیغی ودعوتی اور اصلاحی خدمات کی تاریخ نصف صدی پر محیط ہے- آپ کی شخصیت میں شریعت وطریقت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے- اعلیٰ ظرفی، توازن واعتدال، صبر وتحمل اور عفو ودرگزر آپ کے اعلیٰ ترین اوصاف ہیں- ایک مصری عالم کی کتاب کا ترجمہ ''محبت وبرکت اور زیارت'' کے نام سے کیا- نعت ومناقب کے تین مجموعے ''نوائے سروش'' (۱۹۹۲ء)، ''معراجِ تخیل'' (۱۹۹۸ء) اور ''مدینے میں'' (۲۰۰۸ء) تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہوچکے ہیں- نعت ومناقب کا ایک ضخیم مجموعہ ابھی زیر ترتیب ہے-

□□□

☆ استاذ: مدرسہ قادریہ، مولوی محلہ، بدایوں (یوپی)

احمد جاوید☆

اے سرزمین دجلہ وفرات!

شہید بغداد علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کی شہادت پر آنسوؤں سے لکھی گئی ایک تحریر

مولانا خوشتر نورانی! سلام ورحمت...... علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کی شہادت وہ صدمہ جانکاہ ہے جو ہمیں بہت دنوں تک بے چین رکھے گا- یہ ہر اس شخص کا خسارۂ عظیم اور نا قابل تلافی نقصان ہے جس پر اس کریم ابن کریم کا ظل ہما کسی نہ کسی صورت سایہ فگن تھا- جس نے بھی اسے کبھی دیکھا سنا اور پڑھا ہوگا، اس طائر جنت آشیانی کو کبھی بھلا نہیں سکتا، اس کے چہرے کے نور اور ہونٹوں کے تبسم میں دلوں کے اندر اتر جانے کی جو بے پناہ قوت تھی، وہ کسی اور میں کہاں نظر آتی ہے! وہ علم ودانش کا ایک بحر ذخار بھی تھا اور ایک بے مثال خطیب وواعظ بھی لیکن اس کی باتوں میں نہ فلسفے کی خشکی کبھی دیکھی، نہ خطابت کا پھکڑپن کبھی جھلکا- بے تکلف دوستوں کی محفل میں بھی کبھی کوئی ہلکی بات زبان پر نہ آتی تھی- شہید بغداد جن کے بھیا تھے، جن کے شیخ صاحب تھے اور جن کے اسید میاں تھے، ان کے صدمے کو سمجھ پانا کسی غیر کے لیے ممکن ہی نہیں ہے- خود آپ اور جام نور کے ساتھ علامہ مرحوم کا جو قلبی تعلق تھا اور ان کی ناگہانی رحلت سے جو صدمہ آپ کو اور جام نور کے مشن کو پہنچا ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے:

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

قیامت کی اس گھڑی میں اپنے اندر نہ تو تعزیت پیش کرنے کا حوصلہ پاتا ہوں، نہ صبر کی تلقین کا یارا ہے- حسب حکم جام نور کے ''عالم ربانی نمبر'' کے لیے ''خامہ تلاشی'' کے حوالے سے کچھ لکھنے کی سعی کر رہا ہوں، حاضر کروں گا- فی الحال آپ کے ملاحظہ کے لیے ''اے سرزمین دجلہ وفرات'' ضروری ترمیم واضافے کے ساتھ بھیج رہا ہوں- شاید آپ کو پسند آئے اور ''جام نور'' میں جگہ پالے- والسلام (احمد جاوید)

یہ تیرھویں صدی عیسوی کا بغداد تھا، عباسیوں کا دار الخلافہ، دنیا کے حسین ترین شہروں میں سے ایک، ترقی وخوشحالی میں اپنی مثال آپ- دنیا اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس شہر کے گلی کوچوں میں موجود تھی- بازار کی رونقیں ایسی کہ اہل دنیا کے دل اس کی طرف کھنچے چلے جاتے، مدارس اور خانقاہیں شائقین علم سے کھچا کھچ بھری ہوئیں- عالمِ اسلام کا مرکز بغداد جس کے دیکھنے والے کہہ سکتے تھے کہ اس کے شباب پر کبھی زوال نہیں آئے گا- لیکن زوال آیا اور ایسے دردناک واقعات ولرزہ خیز مناظر کے ساتھ آیا کہ تاریخ کی آنکھیں سات صدیوں سے ان پر خون کے آنسو روتیں اور بار بار یاد دلاتی ہیں کہ کسی قوم کی شوکت پر اس وقت تک زوال نہیں آتا، جب تک وہ قوم خود اپنی عظمتوں کی دشمن نہیں ہو جاتی اور اس کے افراد خود ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ بن جاتے-

بغداد کا ہر طبقہ اپنی اپنی دنیا میں مست وخوش تھا- حکمران محلوں میں خوش تھے، تاجر بازاروں میں مصروف، اہل صنعت وحرفت اپنی اپنی دنیاؤں میں مگن، اہل علم علمی موشگافیوں کے شوق میں سرگرداں- ۶۵۶ ہجری (۱۲۵۸ء) محرم کا آخری عشرہ تھا- تاتاری بغداد میں داخل ہوئے اور ایسا قتل عام کیا کہ مؤرخ کا قلم صفحہ قرطاس پر لانے کی ہمت نہیں پاتا تھا- چالیس دن تک شہر کے باشندوں کا قتل عام ہوتا رہا، نہ عورتیں بچیں نہ بچے، نہ بوڑھوں پر کسی نے ترس کھایا، نہ بیماروں پر، نہ مساجد میں اماں ملی، نہ خانقاہیں محفوظ رہیں- سوائے ان مٹھی بھر لوگوں کے جنھوں نے چند وزیروں اور رئیسوں کے گھروں میں پناہ لے لی تھی کسی کے لیے کہیں کوئی پناہ نہیں تھی-

ہلاکو نے بغداد کا محاصرہ کیا تو عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے وزیر ابن علقمی اور ملا نصیر الدین طوسی نے خلیفہ پر اس سے مذاکرات کے لیے زور ڈالا- چنانچہ خلیفہ سات سو سواروں کے ساتھ ہلاکو کے پاس روانہ ہوا جن میں بغداد کے بڑے بڑے علما، فقہا، وزرا اور معتمدین دولت شامل تھے- جب کہ خود علقمی اور طوسی در پردہ ہلاکو کی پناہ میں جا چکا تھا-

خلیفہ اور ہلاکو میں مذاکرات ہوئے- ایک مرحلے پر ہلاکو مان گیا اور بعض شرائط کے ساتھ واپس جانے پر راضی ہو گیا، لیکن پھر عین اسی وقت ان وزیروں اور مشیروں نے جو خلافت بنو عباس کے خلاف ہلاکو کی پناہ لے چکے تھے، اس کے کان بھرے اور ایسے حالات پیدا کر دیے کہ مذاکرات ناکام ہو گئے- خلیفہ کے ساتھ ان تمام علما، فقہا، امرا اور وزیروں کو قتل کر دیا گیا جو مذاکرات کے لیے آئے تھے- مستعصم کو قالین میں لپیٹ کر گھوڑوں سے روندوایا گیا- ہلاکو خلیفہ کے محل سے عورتوں اور بچوں کو پکڑواتا اور ایک ایک کر کے ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کراتا- سروں کے مینار چنوا دیے، گلیوں اور سڑکوں پر خون کے دریا بہہ گئے، مدرسے، خانقاہیں، مساجد اور کتب خانے تاراج وویران کر دیے گئے- دجلہ کی موجوں نے انسانوں کے خون اور کتابوں کی سیاہی سے اپنا رنگ کھو دیا- لیکن تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ یہ الف لیلوی شہر اپنی راکھ سے پھر اٹھ کھڑا ہوا- اسلام کے سچے داعیوں اور اللہ کے مخلص بندوں کی جماعتیں اٹھیں جن کی آنکھوں کے نور اور سینوں کے گداز کی بدولت کعبے کو صنم خانوں سے پاسباں مل گئے-

اکیسویں صدی کی دہلیز پر تاریخ ایک بار پھر دوہرائی گئی- یہ صدام حسین کا عراق و بغداد تھا- موصل سے بصرہ تک ترقی وخوشحالی کی نئی مثال، دجلہ وفرات کی سرزمین سونے اگل رہی تھی- بڑے بڑے ڈیم اور ان سے نکلنے والی نہریں صحراؤں اور ریگستان تک کو گلزار بنا رہی تھیں- بازاروں میں رونقیں ایسی کہ پیرس اور لندن کے بازاروں کی چمک دمک کو مات دیں، تعلیم گاہیں، درگاہیں، آستانے اور خانقاہیں آباد تھیں، بازاروں اور گلی کوچوں سے عالیشان ہوٹلوں اور محلوں تک کہیں کوئی خوف ودہشت نہ تھی- بین الاقوامی بازاروں میں جس کرنسی کی قیمت سب سے زیادہ تھی وہ عراقی دینار تھا- عرب ملکوں کے پڑھے لکھے اور روشن خیال نوجوانوں کی آرزوؤں کی جنت تھا یہ ملک، لیکن پھر اسے وقت کے ہلاکو کی نظریں لگ گئیں- موصل سے بصرہ تک ساری سرزمین دجلہ وفرات تہہ وبالا کی گئی، بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی- اب یہاں نہ گاؤں کی گلیاں محفوظ ہیں نہ شہر کی شاہراہیں- جن ندیوں کا پانی کل تک آب حیات تھا وہی دجلہ وفرات اب دنیا کی آلودہ ترین ندیوں میں سر فہرست ہیں- کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب بغداد کی پولیس دجلہ سے چالیس پچاس لاشیں نہ نکالتی ہو- برسوں بیت گئے یہ شہر، یہ گاؤں اور یہ گلی کوچے اپنے مسیحاؤں کے انتظار میں ہیں-

منگل (۴ مارچ ۲۰۱۴ء) کی شام بغداد سے میرے عزیز دوست اور معروف ادیب ومحقق پیرزادہ علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کی شہادت کی خبر آئی تو ایک ساتھ تاریخ کے انگنت زخم ہرے ہو گئے- وہ بغداد سے اربل کی طرف جا رہے تھے- ابھی منزل کی نصف راہ طے کی تھی، دوپہر کا وقت تھا اور ان کی کار شارع سلیمانیہ پر دوڑ رہی تھی کہ اس قافلے پر بندوق برداروں کے ایک گروہ نے اندھا دھند فائرنگ کر دی- وہ زخموں کی تاب نہ لا سکے اور پھر وہیں سرکار غوث اعظم سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کے قدموں میں پیوند خاک ہو گئے- آہ! سرزمین ہند کا ایک درخشندہ ستارہ بغداد میں غروب ہو گیا- ہندوستان اور عراق میں بڑی گہری مماثلتیں ہیں- عراق کو دجلہ وفرات اسی طرح شمالاً وجنوباً مغرب سے مشرق کو بانٹتی ہیں جس طرح وطن عزیز کو گنگا جمنا الگ الگ خطوں اور سر سبز وشاداب میدانی علاقوں میں تقسیم کرتی ہیں- ہمارے دوآبہ کی طرح دجلہ وفرات کا دوآبہ بھی دنیا کا زرخیز ترین خطہ ہے- یہ دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کی سرزمین ہے- میسوپوٹامیہ (سامرہ اور بابل) کی تہذیبیں دجلہ وفرات کی ان ہی وادیوں میں پروان چڑھیں- سرزمین گنگ وجمن پر اسلام آیا تو یہ بغداد سے ہوتا ہوا آیا تھا- یہ اسلام کی عظمتوں کا وہی ابر تھا جو چنگیز و ہلاکو کی تباہ کی ہوئی دولت عباسیہ کی راکھ سے اٹھا تھا- جنید وبایزید اور رازی وغزالی کے جانشینوں کے قافلے ساتھ لایا تھا- اس لیے ہمارے دینی مراکز کے بغداد سے گہرے اور براہ راست رشتے ہیں- بدایوں تو ویسے بھی ہندوستان میں اسلام کے اولین مراکز میں سے ایک ہے اور بدایوں کے خانوادۂ عثمانی کے مورث اعلی قاضی دانیال قطری بدایوں کے پہلے قاضی تھے، وہ قطب الدین ایبک کی فوج میں شمس الدین التمش کے ساتھ یہاں آئے تھے- ان کا سلسلہ علم یقیناً بغداد کے جامعہ نظامیہ اور جامعہ مستنصریہ سے ملتا ہوگا- روحانیت کا مضبوط رشتہ تو محتاج بیان ہی نہیں- خود شہید اسید الحق عثمانی عرب وعجم میں علمی وروحانی رشتے کی ایک تازہ اور بڑی مضبوط وتابندہ کڑی تھے- انہوں نے بغداد اور ازہر کے علمی سرچشموں سے براہ راست کسب فیض کیا تھا- ابھی تو ان کے علم ودانش کی کلیاں کھلنا شروع ہی

ہوئی تھیں کہ سرزمین عراق پر قابض نفرت و دہشت نے اس گوہر تابدار کو ہم سے چھین لیا- ہم ایک اسید کے چھن جانے سے اتنے بے چین، مضمحل، مغموم اور سوگوار ہیں، اتنی تکلیفوں اور ایسے درد و کرب میں مبتلا ہیں جن کو الفاظ دینا مشکل ہے تو سمجھ سکتے ہیں کہ خود سرزمین دجلہ و فرات آج کتنی بے چین و مضطرب ہوگی، جس سے ہر دن کئی اسید چھینے جارہے ہیں- تصور کر سکتے ہیں کہ پچھلی ڈیڑھ دو دہائیوں میں تشدد کی وبا اور نسلی و مسلکی منافرتوں کی لہر ملت مظلوم سے کتنے لعل و گہر چھین چکی ہے- آہ! اے سرزمین دجلہ و فرات تیرے سینوں میں کتنے داغ جل رہے اور کتنے زخم سلگ رہے ہیں؟

(۲)

ایک عہد وسطیٰ کا وہ بغداد تھا جب چن چن کر اس کے لعل و گہر قتل کیے گئے، اس کے بازاروں کو لوٹا، محلوں کو تاراج اور دانش گاہوں کو تباہ کیا گیا اور ایک یہ اکیسویں صدی کی سرزمین دجلہ و فرات ہے جب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کا یہ گہوارہ تشدد کی دھرتی، خوف و دہشت کی آماجگاہ اور قتل و غارت کی جاہنی ہوئی ہے- دونوں میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ آج کے اس لہولہان عراق کی تباہی کا سہرا کسی چنگیز و ہلاکو اور ان کی وحشی قوموں کے سر نہیں، دنیا کی مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے والی قوموں اور ان کے سربراہان مملکت کے سر ہے- بے شک اس بار بھی اس ملک اور اس معاشرے کی تباہی میں اس کے کئی ابن علقمی اور بہت سے ملاطوسی کا ہاتھ ہے- اس بار بھی اس کے مستعصم کی غلطیاں اور کمزوریاں، آپسی رنجشیں اور غداریاں دشمنوں کو یہاں لائیں- تب بھی خونی بھیڑیوں کو اس کی دولت و خوشحالی یہاں لائی تھی اور اس بار بھی اس کی تیل کی دولت نے یہاں انسانوں کے خون کو ارزاں کیا- مماثلتیں اور بھی ہیں لیکن جو باتیں سب سے زیادہ دلوں کو سالتیں اور دماغوں پر ہتھوڑے برساتی ہیں، وہ تشدد کی یہی اندھی گلیاں ہیں جن کا لقمہ ہر دن کئی اسید الحق بن رہے ہیں- نہ قاتل آگاہ ہیں کہ مقتول کون ہے اور نہ مقتول جانتے ہیں کہ قاتل کون ہے؟ ان ظالموں کو کیا خبر کہ ان کے بندوق کی گولیاں کس کا خون پی رہی ہیں اور اس ناپاک چکر میں جس کا انجام خون ہی خون ہے ان کو کس ابن صباح نے ڈالا ہے اور اس کے مقاصد کیا ہیں- منافرتوں کا یہ ناسور جو آج سرزمین عراق پر ابل رہا ہے، یہ اندھے تشدد کے جھکڑ جو دنیائے عرب کے بیشتر حصوں میں چل رہے ہیں اور یہ لاحاصل انتقام در انتقام کی آگ جس نے دوست دشمن، اپنے پرائے، اجنبی اور مسافر تک کی تمیز اٹھادی ہے، بے شک تاریخ کا ایک سانحہ عظیم ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ بڑا سانحہ یہ ہے کہ ان پر بند باندھنے والے اب بھی نہیں اٹھتے، ان کا رخ موڑنے والوں نے اب تک کمر ہمت نہیں باندھی، دلوں میں بہتے دریائے سادہ کے شعلوں کو بجھانے والوں کی جماعتیں کہاں ہیں، کوئی جنید و بایزید تو اٹھتا جو رہزنوں کو رہبر بنادیتا، کوئی عبدالقادر تو ہوتا جس کے ہاتھ پر ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی تائب ہوجاتا- افسوس! احمد بدوی تو آج یہاں انگنت ہیں، قدم قدم پر انسانیت کی گھات میں ہیں لیکن عبدالقادر ایک نہیں- پردۂ غیب میں کیا اب کوئی محی الدین نہیں؟ کوئی تو اٹھتا جو دلوں سے نفرتوں کو نکال دیتا، تشدد کی آتش سوزاں پر محبت و اخوت کا آب کوثر ڈال دیتا، انسانوں کے خون کے پیاسے انسانوں کو احترام آدمیت کا سبق دے جاتا، کوئی تو ہوتا جس کے سینے کا سوز اور آنکھوں کا نور نفرتوں کے خرمن میں آگ لگادیتا، کسی کا نالہ رسا تو بھٹکے ہوئے آہوؤں کو پھر سوئے حرم لے جاتا-

عراق دریاؤں، جھیلوں اور نہروں کی سرزمین ہے- اس کو دو بڑی ندیاں، درجنوں نہریں، متعدد قدرتی اور مصنوعی جھیلیں سیراب کرتی ہیں، ان ہی ندیوں، جھیلوں اور نہروں کی بدولت عراق نے برسوں کی جان لیوا پابندیوں کا مقابلہ کیا اور یہاں اس دوران غذائی اجناس، پھلوں اور میووں کی قلت نہیں ہوئی- آپ اگر ترکی سے عراق میں داخل ہوں تو شمال مغرب سے ایک دریا بھی آپ کے ساتھ جنوب مشرق کو بڑھ رہا ہے- یہ دجلہ یا دریائے تگرس ہے- اس مقدس دریا کا ذکر انجیل میں بھی دو مقامات پر ملتا ہے- اسی کے کنارے موصل، تکریت، سامرہ، بلاد، بغداد، الکوت، الامارہ اور القرن جیسے چھوٹے بڑے تاریخی شہر آباد ہیں- اسی کی شاخیں مشرق میں اربل، کرکک اور سلیمانیہ کو بھی سیراب کرتی ہیں- کرکک عراق کا مشہور آئل فیلڈ ہے جب کہ اربل کردستان کا دارالحکومت اور سلیمانیہ اس خطہ کا دوسرا بڑا شہر اور صوبہ کا صدر مقام- تیل کی دولت سے مالا مال یہی خطہ آج عراق کا مخدوش ترین خطہ ہے- شام سے عراق میں داخل ہوں تو ایک دوسرا دریا آپ کا ساتھ دیتا ہے- یہ ہے دریائے فرات- یہ بھی شمال مغرب سے جنوب مشرق کو جاتا ہے- اس سے نکلنے والی نہریں صحرائے عراق و شام کے بہت بڑے حصے کو سیراب کرتی ہیں- اسی کے کنارے عنا، رمادی، کوفہ، کربلا، حلہ، نجف، سماوہ اور نصیریہ آباد ہیں- یہ دونوں ندیاں خلیج عرب میں گرنے سے پہلے قرن کے مقام پر آپس میں مل جاتی ہیں اور پھر ان کے شط العرب (خلیج) میں سما جانے سے پہلے ان کے آپس میں ملنے سے بننے والے آبنائے شط العرب کے کنارے بصرہ آباد ہے- یہ ندیاں اور یہ شہر تقریباً وہی نقشہ پیش کرتی ہیں جو ہماری جمنا کے کنارے دہلی، آگرہ اور الٰہ آباد اور گنگا کے ساتھ کانپور، بنارس، پٹنہ اور پھر خلیج بنگال کے ساحل پر کلکتہ جیسے شہر پیش کرتے ہیں جہاں گنگا اور اس کی معاون ندیاں بحر ہند میں سما جاتی ہیں- دجلہ و فرات اپنی معاون ندیوں، نہروں اور جھیلوں کے ساتھ عراق کے مختلف جغرافیائی خطوں اور علاقوں کو تشکیل دیتی ہیں- ندیوں کی فطرت سیراب کرنا ہے، یہ بلا امتیاز سب کو سیراب کرتی ہیں، یہ جہاں پیاس اور ڈھلان دیکھتی ہیں ادھر کو بہہ جاتی ہیں، پانی بارش کا ہو یا چشمے اور جھرنوں کا سب کو ساتھ لے کر چلتی ہیں، یہ نہیں دیکھتیں کہ ان میں آکر ملنے والا پانی چشمے کا ہے یا نالے کا، بارش کا ہے یا پہاڑ کا، وہ کدھر سے اور کہاں سے آرہا ہے- ان کی اسی خوبی نے ان کی وادیوں کو تاریخ انسانی کی اولین تہذیبوں کا گہوارہ بنایا اور ان کی آغوش میں دنیا کی عظیم قومیں پروان چڑھیں- یہ ہمارے سندھ اور مگدھ کی تہذیبیں ہوں یا سامرہ اور بابل کی- عہد وسطیٰ کے بصرہ، کوفہ، بغداد اور دمشق و قاہرہ کی چمک دمک ہو یا دہلی اور لاہور کی شان و شوکت، سب ان کی مرہون منت ہیں- ندیاں اور نہریں علاقے اور خطے بناتی بھی ہیں، ان کو سیراب بھی کرتی ہیں ان کو آپس میں ملاتی بھی ہیں (بلاشبہ انسانوں اور قوموں کو بھی ان کی یہی خوبیاں عظیم بناتی ہیں) لیکن آج عراق میں یہی خطے اور علاقے لوگوں کو بانٹنے اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنانے کے کام آرہے ہیں- اب مشرب و مسلک بھی ایک ہی دریا کی نہریں نہیں رہیں، یہ خون کی نہریں بن چکی ہیں جو نا قابل عبور ہیں-

انسان اپنے اندر بھی ایک دریا ہے- پھیلے تو وسعت کونین میں سمانہ سکے اور سمٹے تو صرف ایک مشت خاک- خدا قلب سلیم دے تو یہ دریا ہے سب کو سیراب کرے گا، ساری نہریں اس میں سما جائیں گی ورنہ اس دجلہ کی موجوں پر بھی لاشیں تیرتی ہیں- ذرا ہم اپنے اندر جھانکیں اور جائزہ لیں کہ ہم نے کتنے بند باندھے ہیں، کتنی رکاوٹیں کھڑی کی ہیں، کس کس طرح اپنے دریا کو آپ ہی کوزہ اور نہر کو جوہڑ بنالیا ہے- جانا تو اس دنیا سے ایک دن سب کو ہے- شہید بغداد بھی اپنے چاہنے والوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر چلے گئے لیکن وہ ایک بڑا گہرا گھاؤ اور بہت ہی دوررس پیغام دے گئے-

اس جواں مرگ عالم و محقق کی موت کا ماتم ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ ملک کی ایک سب سے بڑی خانقاہ کا پیرزادہ تھا- پیرزادے تو اور بھی ہیں لیکن اسید الحق اس پر قانع نہیں تھا، وہ تصوف نظری و علمی کا غواص بھی تھا اور علم تزکیہ و سلوک کا شناور بھی، زبان و ادب اور تاریخ پر بھی اس کی نگاہ تھی، جدید علوم و فنون، سائنس اور ریاضی سے بھی گہرا لگاؤ رکھتا تھا- ایک دو باتیں نہیں ہیں جو اسے اپنے ہم عصروں میں ممتاز بناتی تھیں- انگنت باتیں ہیں جن کا رہ رہ کر خیال آتا ہے- اس فرق کے ساتھ کہ نہ تو یہ نوجوان اپنے اجداد کی روایات کا باغی تھا اور نہ اس کی کوئی سیاسی دلچسپیاں تھیں، یہ اپنے عہد کا ابوالکلام آزاد تھا جس کے مطالعے کی وسعت اور فکر و نظر کی گہرائی و گیرائی اسی عمر میں اچھے اچھوں کو حیران کردیتی تھی، لیکن پندار علم تھا کہ ہرگز چھلکتا نہ تھا، سادگی اور شائستگی بھی حیران کن تھی- اس میں دریا کی وسعتیں بھی تھیں اور صحرا کی پیاس بھی، نہروں کی روانی بھی تھی اور جھیل کی گہرائی بھی- وہ ایک ایسی خانقاہ کے صاحب سجادہ کے چشم و چراغ تھے جس کے ارادت مندوں کی تعداد لاکھوں میں ہے اور برعظیم ہند و پاک ہی نہیں دنیا کے دوسرے مختلف ملکوں میں بھی ہے- ایک کامیاب و خوشحال زندگی گزارنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا- پھر وہ حافظ قرآن اور فاضل درس نظامی بھی تھا لیکن اس نے اسی پر قناعت نہیں کیا، ایک پیاس تھی جو اسے کہاں کہاں لیے پھرتی تھی اور ایک درد تھا جو اسے کیسا بے چین رکھتا تھا، اس کا ثبوت اس کی وہ تحریریں ہیں جو رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہیں اور جو کتابی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں- کبھی یہ نوجوان پیرزادہ پھپھوند کی خانقاہ میں مخطوطات کو کھنگال رہا ہے، کبھی رامپور کی رضا لائبریری میں اوراق پارینہ سے علم کے موتی چن رہا ہے، کبھی، بہار شریف، پھلواری شریف اور پٹنہ کی خانقاہوں اور کتب خانوں کا سفر کرتا ہے تو کبھی لکھنؤ، دہلی، بمبئی اور حیدرآباد کے علمی مراکز میں سرگرداں ہے- یہی پیاس اسے مصر اور بغداد میں بھی ایک در سے دوسرے در اور ایک مرکز سے دوسرے مرکز میں لیے لیے پھرتی رہی-

اپنے اس آخری سفر کے دوران بھی جس کی یادیں ان کے چاہنے والوں کو بہت دنوں تک رلائیں گی، وہ بغداد کے علماو مشائخ، دینی وعلمی مراکز اور کتب خانوں میں علم وفضل کے گہرہائے مراد چن رہا تھا- وہ ہر دریا، ہر نہر اور ہر چشمے سے پینا چاہتا تھا- کبھی امام ابو حنیفہ کے روضے کی جالیوں سے لگا ہے تو کبھی شیخ ابو بکر شبلی کی بارگاہ سے کسب فیض کر رہا ہے، کبھی امام غزالی کے آستانے پر مراقب ہے تو کبھی صحابی رسول حضرت سلمان (رضی اللہ عنہ) کے روضے پر سراپا نیاز اور شیخ عبد القادر جیلانی کے قدموں میں تو وہ پیوند خاک ہی ہو گیا- صحیح معنوں میں وہ ہمارے زمانے کا مجمع البحرین تھا- جام نور کے صفحات پر اس کی 'خامہ تلاشی' جن کے مطالعہ رہی ہے ان کو بہت دنوں تک یہ یقین نہیں آیا کہ یہ کسی ایک شخص کے قلم کا جوہر ہے- خواہ مدیر سے کوئی فروگزاشت ہوئی ہو، خواہ کسی عالم فاضل مضمون نگار یا مبصر نے کوئی غلطی کی ہو، غلطی چاہے وہ تذکیر وتانیث کی ہو یا الفاظ اور محاورے کے برتاؤ کی، قرآن وحدیث کا کوئی نکتہ ہو، سائنس یا فلسفہ کی تعبیرات ہوں، یا منظومات میں کوئی عروضی یا لسانی عیب ہو، خامہ تلاش کی نگاہ التفات سے کوئی بچ نہیں سکتا تھا، سب کے سب حیران تھے کہ کوئی ایک شخص اتنے علوم وفنون اور ان کے اتنے شعبوں کا ایسا جامع کیسے ہو سکتا ہے- اس کی کتاب 'قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ' پڑھ جائیں اندازہ ہوتا ہے کہ جدید وقدیم سائنس اور فلسفے پر اس کی کتنی گہری نگاہ تھی، 'حدیث افتراق امت' پر اس کی تحقیق کا مطالعہ کریں حیران رہ جائیں گے کہ اللہ نے اس نوجوان کو علم کی دولت سے کیسا نوازا تھا اور اس کے اندر دریا کو دریا سے ملانے اور نہروں کو نہروں سے جوڑنے کی کیسی تڑپ تھی- 'خیر آبادیات' کے مضامین دیکھ جائیں، نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں کہ حق کی جستجو کا کیسا جذبہ صادق تھا جو اسے بے چین رکھتا تھا- کاش! یہ تڑپ ان میں بھی منتقل ہو جائے جن کا درد شہید اسید الحق قادری کو بے چین رکھتا تھا، کاش! ان کے خون کے ایک ایک قطرہ سے ایک انقلاب جنم لے اور دلوں کی دنیا کو زیر وزبر کر دے، کاش! سرزمین دجلہ وفرات پھر کوئی کروٹ لے اور امن واخوت کی فصلیں پھر یہاں لہلہا اٹھیں-

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

☆انچارج ایڈیٹر: روزنامہ 'انقلاب' پٹنہ (بہار)

بقیہ: عالم اسلام میں روحانی اقدار کے علم برداروں کا قتل

ہمیں امید واثق ہے کہ رب قدیر نے اپنی بارگاہ ذو الجلال میں اپنے اس بندہ مومن کے قلمی ولسانی جہاد کی مقبولیت کا مظاہرہ فرمانے کے لیے اسے اپنے اولیائے کرام کی سرزمین پر شہادت اور روحانی رشد وہدایت اور ولایت کے سرچشمہ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی قبر انور کے جلو میں تدفین سے سرفراز کیا ہے- درحقیقت مولانا اسید الحق قادری نے اولیا اللہ کے مزارات پر حاضری کی نیت سے ہی عراق کا سفر کیا تھا- اسے نصیبہ کی فیروز مندی نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ انہیں مزار غوث پاک کے احاطے میں انہیں روحانی اجداد کے درمیان سپرد خاک کیا گیا- عالم اسلام میں صوفیائے کرام کی روحانی وراثتوں کے امین، حامل وپاسدار علمائے اہل سنت کے بہیمانہ قتل کے اس قسم کے واقعات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جو لوگ مذہب یا کسی مذہبی عقیدے کے نام پر دنیا کے کسی بھی گوشے میں دہشت گردی میں ملوث ہیں، انہیں صوفی ازم سے کسی بھی قسم کی نظریاتی حمایت حاصل نہیں ہے- دہشت گردی کا اسلام کے روحانی وخانقاہی نظام سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے- بالخصوص ہندوستان میں تمام تر خانقاہی اقدار وروایات کی بنیاد امن عالم، انسانیت نوازی، آفاقی اخوت وبھائی چارگی، معاشرتی فلاح، سماجی غمگساری اور مذہبی رواداری پر ہے-

ایک ایسے وقت میں جب اسلام کے بنیادی تصورات اور خوبصورت مذہبی معتقدات کا سلفی ووہابی انتہا پسند طبقہ (جواب مرکزی دھارے میں شامل سنی مسلمان ہونے کا جھوٹا دعوی کرنے لگا ہے) غلط استعمال کر رہا ہے اور ان کی خود ساختہ اور بے بنیاد تشریح رائج کرنے پر تلا ہوا ہے، انسانیت اور امن کے خیر خواہوں کو اسلام کی روحانی تعبیر سے متعارف کرانے کی از حد ضرورت ہے، کیوں کہ دنیا بھر میں اہل تصوف ہی حقیقی اسلام کی ترجمانی کر رہے ہیں جو کہ امن پسند، تکثیریت پسند اور اعتدال پسند ہے- یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک میں اسلام پسندی کی نام نہاد تعبیر کے ساتھ پیر پسار رہے دہشت گردانہ نظریات کے شکار تمام تر فرقوں اور جماعتوں کے بیچ صرف اصحاب تصوف اور علمائے اہل سنت ہی ہیں-□□

☆جنک پوری، نئی دہلی grdehlavi@gmail.com

ذیشان احمد مصباحی☆

عالم اسلام میں یہ حادثے کیوں ہوتے ہیں؟

ایک تاریک شام: ۴ مارچ ۲۰۱۴ء کی شام میری زندگی کی سیاہ ترین شام تھی- بعد نماز مغرب میں دار القلم دہلی کی برکاتی لائبریری میں بیٹھ کر اپنے ریسرچ ورک سے متعلق وضاحتی کتابیات (Annotative Bibliography) لکھنے کے لیے قلم اٹھایا ہی تھا کہ میرے موبائل پر رنگ ہونا شروع ہوا- میں نے بے پروائی سے فون اٹھایا- دوسری طرف مولانا رفعت رضا نوری تھے- وہ بلا تمہید گویا ہوئے: ''کیا مولانا اسید الحق کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟'' ان کے اس سادے جملے میں بے پناہ سنجیدگی تھی- میں نے کہا کیا بکواس کر رہے ہیں؟ یہ کہتے ہوئے میں قادری مسجد کے صحن کی طرف بھاگا- میں نے کہا کہ میں ابھی خوشتر صاحب کو فون کرتا ہوں- خوشتر صاحب کو فون کیا، بیل بجتی رہی، مگر انھوں نے فون ریسیو نہیں کیا- مجھے یقین ہو گیا کہ حادثہ بڑا ہے- ''اب کس کو فون کروں؟'' میں نے اپنے آپ سے پوچھا- ذہن پر زور ڈالا تو حضرت سید اختر چشتی مدظلہ العالی زیب سجادہ آستانہ چشتیہ صمدیہ پھپھوند شریف کا خیال آیا- میں نے فوراً انہیں کال لگائی- وہ زار وقطار رو رہے تھے- انھوں نے روتے ہوئے کہا: ''شیخ صاحب بغداد میں شہید ہو گئے اور میں بدایوں کے لیے گھر سے نکل چکا ہوں-'' ان کا فون رکھا کہ مرشد گرامی حضرت داعی اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی کا فون آ گیا- آپ نے فرمایا کہ ''مصر سے حسن کا فون آیا تھا- وہ کہہ رہے تھے کہ مولانا اسید الحق کے ساتھ کوئی سانحہ پیش آیا ہے- کیا خبر ہے؟'' میں حضرت سے صرف اتنا کہہ سکا کہ شاید خبر صحیح ہے- حضرت نے تفصیل جاننا چاہی- میری حالت غیر ہو چکی تھی- میں ایک لفظ نہیں بول سکا- ادھر آنسوؤں کی قطار تھی- ادھر اظہار رنج والم، تلقین صبر اور دعائے مغفرت-

میں نے اپنے دوست سید تالیف حیدر سے کہا کہ مولانا اشرف الکوثر کو فون کر کے بتائیے اور یہ بھی بتائیے کہ ہم لوگ خوشتر صاحب کے پاس شاہین باغ نکل رہے ہیں، آپ چلنا چاہیں تو فوراً بٹلہ ہاؤس پہنچیں- بٹلہ ہاؤس سے ہم تینوں شاہین باغ کے لیے روانہ ہوئے- ہماری کوشش تھی کہ جلد سے جلد خوشتر صاحب کے پاس پہنچیں- ایک انجانی کشش ہمیں کھینچے لے جا رہی تھی- عجیب ذہنی کیفیت تھی- ایک لمحے میں خبر کی صداقت کا یقین ہوتا اور دوسرے ہی لمحے اسی درجے میں اس کے جھوٹ ہونے کا یقین ہو جاتا- راستے میں مصر سے مولانا حسن سعید اور علی گڑھ سے ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی کے فون آئے- میں نے انہیں بتایا کہ میں خوشتر صاحب سے ملنے کے بعد ہی بتا پاؤں گا کہ سانحے کی نوعیت اور خبر کی حیثیت کیا ہے-

خوشتر صاحب کے گھر پہنچے- وہ سراپا حزن وملال بنے بیٹھے تھے- دیکھتے ہی پھٹ پڑے اور ہمیں اب یقین ہو گیا- ساکت وششدر ہم لوگ گھنٹوں بیٹھے رہے- اس وقت پھر مجھے یک گونہ شک ہو چکا تھا- میں خوشتر صاحب کی زبان سے سننا چاہتا تھا، کیوں کہ مجھے خبروں کی حالت معلوم ہے- میں جانتا ہوں کہ ایک واقعہ کس طرح خبر سے افواہ میں تبدیل ہو جاتا ہے- ''کیا عطیف میاں سے آپ کی بات ہوئی؟'' میں نے خوشتر صاحب سے پوچھا ''جی! میری بات ہوئی- انھوں نے بتایا کہ شیخ صاحب شہید ہو گئے-'' اس صراحت کے بعد اب میرے لیے تاویل کے سارے راستے بند ہو چکے تھے- رات کے تقریباً دو بجے ہم لوگ اپنی قیام گاہ پر آ گئے-

آج ۲۵ مارچ ہے- حضرت مولانا اسید الحق جن کو اب مجھے رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے، کی شہادت ہوئے آج ۲۱ دن ہو گئے- گذشتہ ۲۱ دنوں میں میں اس شہید بغداد کے لیے کتنی بار چھپ چھپ کر اور کھل کر رویا ہوں یہ میرا رب ہی جانتا ہے- میری زندگی کا یہ پہلا حادثہ تھا جس کا مجھے اتنا غم ہوا- یہ پہلی موت تھی جس پر میں اتنا رویا اور یہ پہلا سانحہ تھا جب تعزیت کے سارے الفاظ، اظہار غم کے سارے شعری مصرعے بامعنی اور بے معنی لگے- خانقاہ عالیہ عارفیہ سید سراواں جہاں میں رہتا

ہوں، کئی بار وہاں ایسا لگا جیسے یہ حادثہ اسی خانقاہ کا ہو- میں نے اپنے احباب سے یہ بات کئی بار کہی کہ میں خود کو سنگ دل سمجھتا تھا کہ اب تک کسی کی موت پر رویا نہیں تھا اور اگر مولانا اسید الحق کی جگہ میرے باپ کی بھی موت ہوئی ہوتی تو شاید مجھے اتنا رنج نہیں ہوتا- میری اب تک کی زندگی کا یہ سب سے بڑا غم ہے- کیوں ہے؟ اس کے متعدد اسباب ہیں، بعض وہ ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور بعض وہ ہیں جن کو نہیں جانتا یا شاید ان کی تعبیر سے قاصر ہوں-

یہ حادثہ تو ہر دن کا ہے: حضرت مولانا اسید الحق شہید، جو میرے دوست بھی تھے اور بہت سے معاملات میں میرے لیے آئیڈیل بھی، ان کی شہادت کے دن سے اب تک میں غم ناک بھی ہوں اور غضب ناک بھی- غم ناک ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے، غضب ناک اس لیے ہوں کہ جو واقعہ آج ہمارے سامنے پیش آیا ہے اس قسم کے درجنوں واقعات ہر دن عالم اسلام میں پیش آ رہے ہیں- ہم آج پریشان اس لیے ہیں کہ یہ واقعہ ہمارے کسی اپنے کے ساتھ پیش آیا ہے- اس سے اندازہ کیجیے کہ ہر دن عالم اسلام کے مختلف خطوں میں کتنے ماتم کدے برپا ہوتے ہیں، کتنی بے گناہ جانیں تلف ہوتی ہیں، کتنے بچے یتیم اور کتنی عورتیں بیوہ ہوتی ہیں، مسلمانوں کی آنکھوں سے کتنے خواب چھین لیے جاتے ہیں اور مستقبل کی کتنی امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں- شہید مرحوم نے آج سے تقریباً دس سال پہلے قاہرہ میں کسی عید کے دن ''نالۂ درد'' کے عنوان سے عالم اسلام کا جو مرثیہ لکھا تھا آج وہ خود ان کا مرثیہ بن گیا ہے-

بعض اشعار آپ بھی دیکھیں:

مجھ سے احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھو
عید کا دن ہے مسرت کا ترانہ لکھو
مگر افسوس میں کس دل سے کروں یار کی بات
کس زباں سے میں کروں زلف طرح دار کی بات
مجھ کو آتا ہے فلسطین کے بچوں کا خیال
ان کے سینوں میں اترتے ہوئے نیزوں کا خیال
تو جواں بیٹوں کو روتی ہوئی ماؤں کا خیال
خون سے بھیگی ہوئی ان کی رِداؤں کا خیال
غرب اردن کے شہیدوں کا خیال آتا ہے
کبھی غزہ کے یتیموں کا خیال آتا ہے
میرے بغداد پہ چھائے ہیں قضا کے بادل
ظلم کے جور کے وحشت کے جفا کے بادل
میرے گجرات میں انسانوں کے کٹتے ہوئے سر
بے کسوں مفلسوں مجبوروں کے کٹتے ہوئے سر
میرے کشمیر سے رونے کی صدا آتی ہے
میرے قندھار سے آواز بکا آتی ہے
میرے کابل میں مکانوں سے دھواں اٹھتا ہے
میرے شیشان کی گلیوں میں لہو بہتا ہے

عالم اسلام کی جس ناگفتہ بہ صورت حال کا مرثیہ آج سے دس سال قبل شہید مرحوم نے لکھا تھا افسوس صد افسوس وہ اسی ناگفتہ بہ صورت حال کا خود بھی شکار ہو گئے- القدر خیرہ و شرہ من اللّٰہ پر مجھے یقین ہے، لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میں عالم اسباب میں ہوں اور میرے خالق و مالک کی طرف سے اچھے اسباب تلاش کرنے اور برے اسباب سے بچنے کا حکم ہے- میں لیس للانسان الاماسعیٰ کے سامنے بھی جبیں خمیدہ ہوں- اس لیے میرا ایمان واقعات کے ظاہری اسباب پر غور کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیتا ہے- ہمیں جاننا چاہیے کہ عالم اسلام کی یہ کس مپرسی کیوں ہے؟ کیوں میرے اسید کی طرح ہزاروں قیمتی جانیں ہر روز تلف ہو رہی ہیں، پاکستان سے لے کر بنگلہ دیش تک، افغانستان سے عراق تک اور اب مصر، لیبیا، شام اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک تک خوف و خون کا ماحول کیوں ہے؟ خون مسلم کی اس ارزانی کا ذمہ دار کون ہے؟ صہیونیت ہے، مسیحیت ہے، ہندوتوا ہے، اسلام مخالف قوتیں ہیں، مغرب کی ریشہ دوانیاں ہیں، مخالفین اسلام کی سازشیں ہیں- یہ ہیں وہ اسباب جن سے عالم اسلام تباہ و برباد ہو رہا ہے اور یہ ہے ہم مسلمانوں کا جواب- لیکن اس سوال کا جواب کون دے گا کہ مسلمان اپنے مخالفین کی سازشوں کا اس تسلسل سے شکار کیوں ہو رہے ہیں؟ اگر مذکورہ جواب درست ہے تو مسلمان امریکا، یہودی اور سنگھ پریوار کی سازشوں سے خود کو بچانے میں ناکام کیوں ہیں؟

دو باتیں: میری نظر میں اس کی دو وجہیں ہیں- ان وجوہ کو جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمیں اپنی مصیبت کو دور کرنے کے لیے اپنی حالت کو درست کرنا چاہیے، اپنے دشمنوں اور مخالفوں کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ کسی ایسی صبح کا انتظار کرنا چاہیے جب ہمارے سارے دشمن ہمارے خلاف سازش کرنا چھوڑ دیں گے- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ان اللّٰہ لایغیر مابقوم حتی یغیروامابأنفسهم- (رعد:۱۱)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری حالت بدلے تو خود ہمیں اپنی حالت کو بدلنے کی فکر، پھر تدبیر اور پھر عمل کرنا ہوگا- اس حوالے سے دو باتیں بہت اہم اور قابل توجہ ہیں- ان میں سے ایک سیاسی ہے اور ایک مسلکی -

(الف) صحرائے عرب کے خون ریز، جنگ جو اور غیر مہذب ماحول میں ۵۷۰ء کو اللہ کے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے- آپ نے اپنے حسن نظام اور حسن اخلاق سے بہت جلد پورے عرب کو مسخر کر لیا-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سالوں تک ایک مثالی انسان بن کر زندہ رہے- اس عرصے میں شہر مکہ نے آپ کو امین و صادق کے بطور تسلیم کر لیا- ۴۰ رسالوں کے بعد آپ نے اعلان نبوت کیا- پھر کیا تھا ہر طرف سے مخالفتوں کا طوفان امنڈ پڑا- ۱۳ رسالوں تک آپ نہایت مظلومی کی حالت میں دعوت حق و صداقت دیتے رہے- پھر آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی جہاں انصار و مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کیا- یہود مدینہ کے ساتھ معاہدے کیے، جہاد و قتال فرمایا، صلح حدیبیہ کی اور آخر میں آپ نے مکہ فتح کر لیا اور مدینے میں ایک اسلامی ریاست قائم کر دی جو ایک مثالی خدائی نظام حکومت پر مشتمل تھی-

۶۳ رسال کی عمر میں آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے- آپ کے بعد آپ کے طریق و منہاج پر ۳۰ رسالوں تک خلافت قائم رہی جسے خلافت راشدہ کا عہد کہا جاتا ہے- اس کے بعد پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی پیش گوئی کے مطابق کتوں کی طرح لڑنے والی بادشاہت قائم ہو گئی-

(الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکاً عضوضاً- رواہ احمد و الحاکم و الترمذی و غیرھم-)

مسلم دنیا پر بادشاہت کے تقریباً ۱۴۰۰ سال گزر گئے- اس عہد میں بعض حکومتیں بہت ہی مثالی اور قابل تحسین رہی ہیں جب کہ بعض نہایت ظالمانہ اور قابل نفرت- لیکن خلافت راشدہ کا دور پورے طور پر شاید پھر کبھی نہیں آیا- اسی طرح مسلمانوں کی بادشاہتیں بعض اندازوں کے مطابق رومی، ایرانی اور یورپی بادشاہتوں سے بہت بہتر تھیں-

چودہویں تا سترہویں صدی تک یورپ میں نشأۃ ثانیہ کا دور تھا- اس نشأۃ ثانیہ میں یورپ بہت کچھ پایا اور بہت کچھ کھویا- نشأۃ ثانیہ کی حصول یابیوں میں جمہوریت بھی شامل ہے- اس کے مطابق نظام حکومت میں عوام کو دخیل مانا گیا ہے اور انہیں حکمرانوں کے انتخاب کا حق دیا گیا ہے- موجودہ عہد میں جب کہ ماضی کے بہ نسبت عوام بڑی حد تک باشعور ہو چکے ہیں وہ صد فی صد غلامی اور بادشاہی جبر تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں- کہا جاتا ہے کہ جمہوری حکومت تعلیم یافتہ اور باشعور افراد کے لیے موزوں حکومت ہے- آج نظر اٹھا کر دیکھیے دنیا کے تمام باشعور، تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ملکوں کا نظام حکومت جمہوری ہے-

اس کے برعکس عالم اسلام میں یا تو بادشاہی نظام ہے یا ناقص و بدامن جمہوریت، گذشتہ سوڈیڑھ سو سالوں سے عالم اسلام میں بھی نشاۃ ثانیہ کی فکر کام کر رہی ہے، لیکن افسوس کہ یہ فکر اب تک کوئی صحیح اور کامیاب منہج تلاش نہیں کر سکی ہے- نتیجے کے طور پر مسلمان افراط و تفریط کا شکار ہیں- یا تو وہ خلافت راشدہ قائم کرنے کے درپے ہیں یا جابرانہ شخصی حکومتوں کے حامی ہیں- خلافت راشدہ کے قیام کی خواہش ایک اچھی تمنا ہے جس کا حصول موجودہ ماحول میں ممکن نظر نہیں آتا، جب کہ جمہوریت اپنی تمام تر برائیوں کے ساتھ شہنشاہیت اور شخصی جابرانہ حکومتوں سے درجوں بہتر ہے، مگر مسلمان جمہوریت کے لیے تیار نہیں ہیں- ایک طبقہ وہ ہے جو اسے شرک اور بے دینی کہتا ہے اور اس کے بالمقابل پوری طاقت و قوت کے ساتھ خلافت راشدہ لانے کے درپے ہے- وہ اس کے لیے ہر طرح کے تشدد اور خون ریزی کا قائل ہے- اس طبقے کو اس بات کا ادراک نہیں ہے کہ اس کے اس طرز عمل سے ملکی اور عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کس قدر نفرت کا ماحول بن رہا ہے- اس روش سے اسلام کی خدمت نہیں اسلام کی بدنامی ہو رہی ہے- اسلام کی دعوت میں رکاوٹ اور مسلمانوں کی زندگی میں دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں- جمہوریت کو قبول کرنے کے لیے مسلمانوں کا جو ذہن تیار ہے،

وہ جمہوری تقاضوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے- پاکستان کی ناقص جمہوریت اور مصر کی تازہ حکومت ہمارے سامنے مثال ہیں- مسلم عوام کا حال یہ ہے کہ، جس کے پیچھے خواص کا ہاتھ بھی ہے، زبانی طور پر جمہوریت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی وہ فوراً قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کو تیار ہو جاتے ہیں- دوسرے لفظوں میں انھیں عوامی جمہوریت اور عوامی بدنظمی میں فرق کا ادراک نہیں ہے- ایسا لگتا ہے کہ مسلمان صرف بادشاہت کے جبر میں جی سکتے ہیں- انہیں جب بھی جمہوریت کی آزادی ملتی ہے، ہر شخص حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے بے تاب نظر آتا ہے- عالمی سطح پر مسلمانوں کی بدحالی، زوال، تباہی اور قتل و غارت کی یہ بڑی وجہ ہے- اس کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان جلد سے جلد اپنی ذہنیت تبدیل کریں- وہ حقائق کا سامنا کریں اور مفروضات میں جینا چھوڑ دیں-

(ب) اسلامی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں ہی مسلکی گروہ بندیوں کا آغاز ہو چکا تھا- بعض فرقے بہت شدت پسند، قتل و خون کے خوگر اور تکفیر و تضلیل میں عجلت پسند تھے- اہل سنت کا نشان امتیاز یہ ہے کہ یہ ہر دور میں مسلمانوں کا بڑا گروہ رہا اور یہ گروہ ہمیشہ ہر معاملے میں وسطیت اور اعتدال پسندی کا خواہاں رہا- اہل سنت و جماعت اصول عقائد و مسائل میں اتفاق کے ساتھ فروعیات میں توسع پر گامزن رہے- فقہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا وجود اس کا واضح ثبوت ہے- علمائے اہل سنت ہر دور میں تکفیر سے حتی الوسع گریز کرتے رہے- امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان تشدد پسندوں کو بھی مسلمان سمجھتے تھے جو شدت کے ساتھ آپ کی تکفیر کیا کرتے تھے- (مصنف ابن شیبہ، کتاب الجمل، ماذکر فی الخوارج) اسی طرح وہ دوسروں کے لیے افہام و تفہیم اور دعوت و اصلاح کا رویہ اپناتے تھے- بجبر و قوت دوسروں پر اپنا موقف مسلط نہیں کرتے تھے-

آج عالم اسلام کی عجیب صورت حال ہے- مسلکی اختلافی مسائل میں طاقت کا استعمال عام ہے- اسی طرح فقہی اختلافات کو بھی ناقابل برداشت جرم سمجھا جا رہا ہے بلکہ فقہی اختلافات کو مسلکی اختلافات کی شکل دی جا رہی ہے اور مسلکی اختلافات پیدا ہونے پر ایک دوسرے کے خلاف طاقت و قوت کا استعمال ہو رہا ہے- اس سے مسلمان آپس میں اس طرح سے باہم دست و گریباں ہو چکے ہیں کہ اگر ان کا کوئی دوسرا دشمن نہ ہو جب بھی وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لیے کافی ہیں- عالم اسلام میں سیاسی مسائل میں حد سے زیادہ شدت پسندی کے پیچھے بھی مسلکی شدت پسندی کے عناصر کارفرما ہیں- شیعہ سنی اختلاف، وہابی صوفی اختلاف، دیوبندی بریلوی اختلاف، بلکہ ہر گروپ میں جو داخلی اختلافات ہیں، ان میں سے ہر اختلاف قتل و غارت کا عنوان بن چکا ہے- اگر بغداد جل رہا ہے، مصر میں گولیاں چل رہی ہیں، افغانستان سے دھواں اٹھ رہا ہے، لیبیا اور شام سے چیخیں سنائی دے رہی ہیں تو اس کے پیچھے امریکا، برطانیا، اسرائیل اور دیگر خارجی طاقتیں ہی کارفرما نہیں ہیں، اس کی تہہ میں انتہائی سطح کی وہ مسلکی نفرت بھی ہے جو اپنے ہر مسلک مخالف کے قتل و خون کے جواز کا فتویٰ دیتی ہے- کاش مسلمان اس نقطے پر سوچتے، اہل علم و دانش، ارباب سیاست و اقتدار اور صاحبان فقہ و فتاویٰ اس پہلو پر غور کرتے، تاکہ داخلی سطح پر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے جو عناصر تھے، وہ کم ہوتے رہے خارجی عناصر تو وہ تو رہیں گے ہی اور ان سے ہمارا حکیمانہ جہاد تو جاری ہی رہے گا-

آہ شہید بغداد: میرے دوست، میرے مشفق، میرے کرم فرما مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری ۴؍مارچ کو بغداد میں اچانک حادثے کا شکار ہو گئے- وہ بغداد سے باہر اربیل جا رہے تھے- یکایک آپ کی کار پر دونوں طرف سے اندھا دھند گولیاں چلنے لگیں، ایک گولی آپ کے سر میں لگی اور اسی کے ساتھ آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے- یہ گولیاں چلانے والے کون تھے؟ شیخ صاحب سے ان کی کیا دشمنی تھی؟ دیار غیر میں ایک زائر پر اچانک گولیاں کیوں چلیں؟ یہ اب تک ایک معمہ بنا ہوا ہے، بعض احباب کا اندازہ ہے کہ اس کے پیچھے بھی وہی مسلکی نفرت اور گروہی تشدد پسندی ہے جس کے مطابق ہر مسلک مخالف کی جان لینا کار ثواب ہے- کسی کی شکل و صورت اور آؤ بھاؤ سے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہمارے مسلک کا مخالف ہے تو بس اتنی سی بات ہمارے ہاتھوں اس کی موت کے جواز کو ثابت کر دیتی ہے-

الغرض مسلکی انتہا پسندی اور سیاسی عدم توازن یہ وہ دو بنیادی عناصر ہیں جن کی وجہ سے آج پورا عالم اسلام شعلوں کی نذر ہے- افسوس ملت کے عظیم مفکر، محقق اور معمار مولانا اسید الحق عاصم قادری بھی انہی شعلوں کی نذر ہو گئے- فھل من بصیر؟ □□□

☆ استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

غلام رسول دہلوی ☆

عالم اسلام میں روحانی اقدار کے علم برداروں کا قتل

عراق میں مولانا اسید الحق قادری پر دہشت گردانہ حملہ اور دیگر مسلم ممالک میں نامور علمائے اہل سنت کے بہیمانہ قتل کا پس منظر

براہ راست موضوع سے متعلق گفتگو شروع کرنے سے قبل میں انتہا پسندوں کے ہاتھوں علمائے اہل سنت کے بہیمانہ قتل کے دو شرم ناک واقعات کا ذکر کرنا چاہوں گا:

(۱) مفتی سرفراز احمد نعیمی، پاکستان کے ایک سنی المسلک اور صوفی المشرب عالم دین تھے، جنہیں اعتدال پسندانہ اسلامی نظریات کی حمایت اور پاکستان میں دہشت گردانہ سرگرمیوں کی زبردست مخالفت کے لیے جانا جاتا تھا- ۱۲؍جون ۲۰۰۹ء کو انہیں اس وقت ایک خودکش بم دھماکے میں شہید کر دیا گیا، جب وہ پاکستان کے شہر لاہور کی ایک مسجد میں نماز جمعہ کے بعد اپنے ادارے جامعہ نعیمیہ میں لوگوں سے ملاقات کر رہے تھے- اس خودکش بم حملے کا نشانہ بنائے جانے سے قبل انہوں نے تحریک طالبان کے دہشت پسند نظریہ سازوں اور ان کی سرگرمیوں کو غیر اسلامی قرار دیا تھا-

(۲) سنی و صوفی نقطہ نظر کے حامل، تقلید فقہی کے شہرت یافتہ حامی و مبلغ اور عالمی سطح کے ایک بلند پایہ اسلامی محقق شیخ رمضان البوطی رحمہ اللہ علیہ جنہیں عام طور پر معتدل اسلامی اسکالر کے طور پر جانا جاتا تھا، انہوں نے اپنی بے لاگ تحریروں اور بے باک مذہبی خطابات کے ذریعے اسلامی معتقدات و مسلمات کی خود ساختہ سلفی تشریحات کو کھلے طور پر چیلنج کیا تھا- سلفیوں کی فکری انتہا پسندی اور دور جدید میں اس کی تباہ کاریوں کی وضاحت کرتے ہوئے سلفی آئیڈیولوجی کی تردید میں انہوں نے بروقت انتہائی اہمیت کی حامل ایک کتاب السلفی مرحل زمنی مبارك وليس مذهبا اسلاميا (السلفی ایک مبارک عہد ہے، نہ کہ کوئی مکتب فکر) تصنیف کی- اسی طرح انہوں نے مختلف مسلم ممالک میں سرگرم عمل مذہبی انتہا پسندوں کی عسکریت پسندانہ اور سیاسی نظریات اور متشددانہ سرگرمیوں کی نظریاتی طور پر زبردست تردید کی تھی، جیسا کہ ان کی ایک کتاب الجهاد فی الاسلام (۱۹۹۳ء) سے عیاں ہے- موصوف زندگی بھر احسان و سلوک اور تصوف و روحانیت پر مبنی اسلامی معتقدات کی عصری انداز میں ترسیل و تبلیغ کرتے رہے- صوفی فکر و مزاج کے حامل اس عبقری عالم دین کو سلفی دہشت گردوں نے اس وقت خودکش حملے سے اڑا دیا جب وہ اپنے شاگردوں کو شام کے شہر دمشق کے مرکزی ضلع مزارا میں واقع مسجد جامع الایمان میں ایک مذہبی و روحانی درس دے رہے تھے- اس واقعے کی خبر مشہور عربی و بین الاقوامی چینل الجزیرہ ٹی وی نے جس ہیڈ لائن کے ساتھ نشر کی وہ قابل توجہ ہے: البوطی عالم شهره الدين وقتلته السياسة یعنی شیخ البوطی، جسے دین نے مشہور کیا اور سیاست نے مقتول-

جدید خوارج، سلفی، وہابی اور اس فکر کے دیگر مذہبی انتہا پسندوں کے ذریعے روحانیت پسند اور تصوف و احسان سے نظریاتی وابستگی رکھنے والے علمائے اہل سنت پر خودکش بم حملے اور ان کا سرعام دردناک قتل آج تک بلا کسی عالمی مزاحمت کے جاری ہے- اس ضمن میں ہمارے لیے انتہائی شخصی رنج و الم، ملی درد اور جماعتی قلق کا باعث یہ ہے کہ مولانا اسید الحق عاصم قادری بدایونی، جو عصر حاضر میں مجھ جیسے بہت سے طالب علموں کے لیے علمی دانشوری اور روحانی شیفتگی کی تحریک کا سرچشمہ تھے، اس سال ۴؍مارچ کو عراق کے شہر بغداد میں اس وقت ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے جب وہ صوفیۂ کرام، فقہائے اسلام اور اولیائے عظام کے مزارات کی زیارت کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے-

جدید دور کے متبحر عالم دین مولانا اسید الحق عاصم القادری، جو شیخ صاحب کے نام سے بھی مشہور تھے، علمی کر و فر، صوفی فکر و نظر اور قلندرانہ مزاج کے حامل ایک ماہر فقیہ، باکمال روحانی شاعر، محقق و ناقد، کثیر التصانیف قلم کار، سماجی مفکر اور ان سب پر مستزاد ایک عظیم انسان تھے- وہ ہندوستان کے صوفیۂ کرام اور عظیم مسلم مذہبی و روحانی اساطین کی اقدار و روایات کے امین و پاس دار تھے- انہی کے نقش قدم پر چلتے

ہوئے وہ انسانی فلاح و بہبود اور قیام امن کے لیے سماجی سرگرمیوں میں شبانہ روز مصروف عمل تھے- زبردست علمی طمطراق کے باوصف مرحوم حددرجہ منکسر المزاجی، جذبۂ سلوک، روحانی معرفت اور تصوف کی طرف اپنے گہرے میلان کے لیے مقبول خاص وعام تھے- وہ سرزمین ہند کی فقید المثال علمی وروحانی شخصیت کے حامل ایک نامور اور ابھرتے ہوئے جواں سال محقق وناقد بھی تھے جن کے نقد ونظر کی مقبولیت عالم اسلام اور بالخصوص ہندو پاک میں روز افزوں تھی- محض ۳۹ رسال کی مختصر سی عمر میں مولانا اسید الحق قادری شہید نے آسمان علم وفکر کی جن بلندیوں کو چھولیا تھا، ان تک ادنی رسائی کے لیے بھی ایک عرصہ دراز درکار ہے- اعلی پیمانے پر ہندوستانی سماج کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی بے لوث خدمات اور انتھک کوششوں کی وجہ سے بھی مولانا بدایونی اپنی خانقاہ کی روشن تاریخ کا ایک لازوال باب بن کر ہمارے دلوں میں ہمیشہ جلوہ گر رہیں گے-

مولانا قادری بدایونی کا موقف تھا کہ ہندوستان جیسے ایک متعدد الثقافات اور کثیر المذاہب ملک میں مسلمانوں کو ایک ایسے نظام حیات کی ضرورت ہے جس سے مسلمان اس ثقافتی تنوع اور مذہبی تعدد کے باوجود اپنی غیر معمولی اہمیت اور انفرادی افادیت کو بحیثیت قوم دوسروں کو محسوس کرا سکیں- ان کا یہ یقین تھا کہ گذشتہ صدیوں کی طرح آج بھی تعلیمات تصوف نہ صرف قوم مسلم بلکہ ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی اقوام کو بھی فائدہ بہم پہنچا سکتی ہیں اور ہندوستانی معاشرے کو امن وسکون، مذہبی رواداری اور محبت وہم آہنگی کا ایک بے مثال گہوارہ بنا سکتی ہیں- اسی لیے انہوں نے زندگی بھر اس امر پر زور دیا کہ اسلام کی روحانی بنیادوں کو مضبوط کیا جائے-

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت پر ''شانتی سمیلن'' کے عنوان سے مولانا قادری کے زیر انتظام اور خانقاہ قادریہ بدایوں کے زیر اہتمام منعقد کیا گیا- ایک تاریخی، عہد ساز اور عظیم الشان اجلاس جماعتی سطح پر ہندوستان میں بین المذاہب ڈائیلاگ کی طرف ایک خوش گوار اقدام تھا جو ملک کی خانقاہی تاریخ میں انمٹ نقش چھوڑ گیا ہے- اس تاریخی کانفرنس میں مولانا اسید الحق قادری نے ملک کے نامور علماے کرام اور دانشوران اہل سنت کو دیگر سماجی ومذہبی رہنماؤں کے ساتھ بین المذاہب مکالمہ اور امن عالم کے فروغ کے لیے پہلی مرتبہ یکجا مجتمع کیا، مثلاً معروف عالم دین مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا خوشتر نورانی، ڈاکٹر خوجہ اکرام ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، اردو اور ہندی کے مشہور شاعر بیکل اتساہی ودیگر- اس کانفرنس میں مذکورہ بلند پایہ سنی شخصیات نے غیر مسلم قائدین اور مذہبی رہنماؤں مثلاً ہندو رہنما سوامی اگنی ویش، ڈائریکٹر، کمیشن برائے مذہبی ہم آہنگی، دہلی Commission of Religious Harmony, Delhi فادر ایم ڈی تھامس، پنڈت انیل شاستری اور سردار گرمیت وغیرہ اور مختلف مذاہب کی نمائندہ علمی وسماجی شخصیات کے ساتھ ہم آواز ہو کر ایک اسلامی اسٹیج سے دہشت گردی کی وبا کو مٹانے اور امن وشانتی کے قیام کے لیے یکجہتی کا مظاہرہ کیا- مولانا قادری کی اس عظیم کوشش نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کے روحانی نظام پر مبنی ہندوستانی خانقاہوں نے ہر دور میں پر امن کوششوں اور بے لوث انسانیت نواز خدمات کے ذریعے ہی اسلام کی تبلیغ واشاعت کی، جس کی تابندہ مثال بدایوں کی سرزمین پر خانقاہ عالیہ قادریہ ہے-

مولانا اسید الحق قادری کی شہادت سے قبل ۱۰ر فروری کو نئی دہلی میں جب وہ عراق کے سفر کی روانگی میں مصروف تھے، راقم السطور کو ان سے ایک علمی نشست میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا- اس مجلس میں میں نے مولانا بدایونی کی عبقری شخصیت کا اس وقت بنظر غائر اور قریب سے خاموش مطالعہ کیا جب مولانا کی گفتگو کا محور ہماری مذہبی وجماعتی مجالس کی دیرینہ روایات سے ہٹ کر خالص علمی، ملی اور دعوتی تھا- اس نشست کے اختتام پر مولانا نے مجھ سے ایک شخصی گفتگو کے دوران کوہ ہمالہ کی طرح بلند اپنے ان دعوتی عزائم کا اظہار کیا جو اگر واقعی مجسم حقیقت ہو جاتے تو جدید دور میں ملت اسلامیہ کی تاریخ کی روش ہی بدل جاتی-

مولانا اسید الحق قادری نے اپنی پوری زندگی اسلام کی پر امن تعلیمات کے فروغ، شدت پسندانہ اور دہشت گردانہ نظریات کی تردید اور اپنے بیش بہا علوم وفنون اور دیگر وسائل وذرائع کو اسلام، روحانیت اور خلق خدا کی خدمت عام کے لیے صرف کر دیا تھا- وہ اپنی ان مومنانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ایک حقیقی مجاہد کی تصویر تھے- اسلام کی تاریخ شہادت شاہد ہے کہ راہ حق ووفا کا مجاہد ہمیشہ شہید ہوا ہے-

بقیہ صفحہ 88 پر ملاحظہ کریں

(۵)

شخص وعکس

آئینۂ حیات عالم ربانی

نام: اسید الحق محمد عاصم قادری

عرفیت: شیخ صاحب

القاب: ممتاز ناقد و محقق، عالم ربانی، شہید بغداد

سنہ ولادت: ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶ مئی ۱۹۷۵ء

مقام ولادت: مولوی محلہ، بدایوں (یوپی)

والد گرامی: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم القادری

جد محترم: مفتی اعظم سلطنت آصفیہ مولانا شاہ عبد القدیر قادری ابن تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری ابن سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

بیعت و خلافت: تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم القادری سے بیعت و خلافت
نیز وارث پنجتن حضرت سید شاہ یحییٰ حسن قادری برکاتی علیہ الرحمہ سے خلافت

شادی: ہمراہ سیدہ سائرہ قادری (بنت سید محمد نصیر مرحوم، سہسوانی ٹولہ، بریلی) ۱۵ر اگست ۲۰۰۴ء

ابتدائی تعلیم: حفظ قرآن کریم (مدرسہ قادریہ بدایوں) از ۱۹۸۶ء تا ۱۹۸۹ء
درس نظامی کی تحصیل (مدرسہ قادریہ، بدایوں) از ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۳ء
فاضل درس نظامی (دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد) از ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۷ء

اعلیٰ تعلیم: الاجازۃ العالیہ، شعبۂ تفسیر و علوم قرآن، جامعۃ الازہر الشریف، قاہرہ، مصر، از ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۳ء
تخصص فی الافتا، دار الافتاء المصریہ قاہرہ، مصر از ۲۰۰۳ء تا ۲۰۰۴ء
ایم اے (علوم اسلامیہ)، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، از ۲۰۰۸ء تا ۲۰۰۹ء

اساتذہ: تاجدار اہل سنت شیخ عبد الحمید محمد سالم القادری، امام علم و فن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، مولانا رحمت اللہ صدیقی، فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی، حافظ و قاری کریم اللہ قادری، ڈاکٹر علی جمعہ (مفتی جمہوریہ مصر)، پروفیسر علامہ عبد الحئی فرماوی، پروفیسر علامہ جمعہ عبد القادر، پروفیسر علامہ محمود عبد الخالق حلوہ، پروفیسر علامہ سعید محمد صالح صوابی، پروفیسر علامہ سید المسیر، پروفیسر علامہ طہٰ حبیشی، پروفیسر علامہ عبد المعطی بیومی

اجازت حدیث: والد محترم تاجدار اہل سنت حضرت الشیخ عبد الحمید محمد سالم القادری (صاحب سجادہ آستانۂ قادریہ بدایوں)، ڈاکٹر علی جمعہ (مفتی جمہوریہ مصر)، شیخ القرا، نجم الفقہا الشیخ محمد صلاح الدین التجانی (شیخ القراءات، مصر)، الشیخ علی بن جمود الحربی الرفاعی (خطیب و امام آستانۂ حضرت معروف کرخی و استاذ بغداد یونیورسٹی)، الشیخ محمد ابراہیم عبد الباعث (محدث اسکندریہ، مصر)

تدریس: مدرسہ قادریہ، بدایوں میں از ۲۰۰۴ء تا ۲۰۱۴ء

خصوصی تلامذہ: صاحبزادہ مولانا عطیف قادری، مولانا عزام قادری، مولانا سید عادل محمود کلیمی (صاحب سجادہ خانقاہ کلیمیہ، کٹرہ)، مفتی دلشاد احمد قادری، مولانا مجاہد قادری، مولانا خالد قادری، مولانا عاصم قادری، عبد العلیم قادری

مناصب:

شیخ الحدیث	(مدرسہ قادریہ بدایوں)
نائب قاضی	(ضلع بدایوں)
ڈائریکٹر	(الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز بدایوں)
ممبر	(عربی پینل، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند، نئی دہلی)
صدر	(الازہر ایجوکیشن ہیومن ویلفیئر سوسائٹی، بدایوں)
سرپرست	(الازہر فاؤنڈیشن، مہاراشٹر)
ٹرسٹی	(نیوایج میڈیا اینڈ ریسرچ سینٹر، نئی دہلی)

خدمات: مدرسہ قادریہ اور کتب خانہ قادریہ کی نشأۃ ثانیہ، درگاہ قادری مجیدی کی تعمیر و توسیع، مولانا عبد الماجد پبلک لائبریری بدایوں کا قیام، دینی و عصری طلبہ کے لیے سالانہ سمر کلاسیس کا انعقاد، دروس قرآن و حدیث، جامع مسجد شمسی میں جمعہ کی خطابت و امامت، فری ہیلتھ کیمپ کا انعقاد، اکابر و اسلاف کی کتابوں کی تحقیق و ترتیب اور اشاعت، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس۔

لیکچرز و خطاب: ہندوستان کے مختلف گوشے میں تقریباً ۱۵۰ر موضوعات پر ۳۵۰ر سے زائد خصوصی لیکچرز اور خطاب کیا۔

ٹیلی ویژن پر پروگرام: دینی و علمی موضوعات پر ۵۰ر سے زائد ''کیو ٹی وی'' پاکستان، ''ای ٹی وی'' اور مختلف مقامی چینلز کے پروگرام میں شرکت

علمی پروگرام کا انعقاد: ہفتہ واری 'محافل فہم دین'، دس روزہ 'محافل فہم سیرت'، 'فہم قرآن ہفتہ'، 'تعلیمی و تربیتی ورکشاپ'، 'تعلیمی و تربیتی کیمپ برائے خواتین'، 'روحانی تربیتی کیمپ'، 'علامہ فضل حق خیرآبادی کنونشن' وغیرہ

قلمی خدمات: تقریباً ساٹھ سے زائد علمی و تحقیقی مقالات

تصانیف:

قرآن کریم کی سائنسی تفسیر	۲۰۰۸ء
حدیث افتراق امت: تحقیقی مطالعے کی روشنی میں	۲۰۰۸ء
احادیث قدسیہ	۲۰۰۹ء
خامہ تلاشی (تنقیدی مضامین)	۲۰۰۹ء
اسلام: ایک تعارف	۲۰۱۱ء
عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات	۲۰۱۱ء
خیرآبادیات	۲۰۱۱ء
تذکرۂ شمس مارہرہ	۲۰۱۳ء
فرزدق تمیمی کا قصیدۂ میمیہ: ایک تحقیقی مطالعہ	۲۰۱۳ء

کالم نگاری: ماہنامہ جام نور دہلی میں اپریل ۲۰۰۵ء سے دسمبر ۲۰۰۶ء تک ''خامہ تلاشی'' کے عنوان سے یادگار علمی و تنقیدی کالم لکھا۔

ترتیب و تقدیم: (۱) مولانا فیض احمد بدایونی، دسمبر ۲۰۰۷ء (۲) تذکرۂ ماجد، جولائی ۲۰۰۸ء (۳) خطبات صدارت، اکتوبر ۲۰۰۸ء (۴) مثنوی غوثیہ، نومبر ۲۰۰۸ء (۵) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل، نومبر ۲۰۰۸ء (۶) مولود منظوم مع انتخاب نعت و مناقب، دسمبر ۲۰۰۹ء، (۷) احوال و مقامات، دسمبر ۲۰۰۹ء (۸) باقیات ہادی، دسمبر ۲۰۰۹ء (۹) مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری

اگست ۲۰۱۰ء (۱۰) نگارشات محب احمد، اگست ۲۰۱۰ء (۱۱) تذکرۂ نوری، مئی ۲۰۱۳ء (۱۲) اکمل التاریخ، جولائی ۲۰۱۳ء
(۱۳) قصیدتان رائعتان، اکتوبر ۲۰۱۳ء

ترجمہ تخریج تحقیق: (۱) احقاق حق، جنوری ۲۰۰۷ء (۲) عقیدۂ شفاعت، جنوری ۲۰۰۸ء (۳) مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة جنوری ۲۰۰۸ء (۴) تذکرۂ فضل رسول، جنوری ۲۰۰۸ء (۵) الکلام السدید فی تحریر الاسانید، نومبر ۲۰۰۸ء (۶) اکمال فی بحث شد الرحال، ستمبر ۲۰۰۹ء (۷) حرز معظم، ستمبر ۲۰۰۹ء (۸) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ، ستمبر ۲۰۰۹ء (۹) ردروافض، ستمبر ۲۰۰۹ء (۱۰) فصل الخطاب، ستمبر ۲۰۰۹ء

زیرنگرانی قلمی کام: (۱) احکام قبور، جنوری ۲۰۰۸ء (۲) مردے سنتے ہیں، نومبر ۲۰۰۸ء (۳) مضامین شہید، نومبر ۲۰۰۸ء (۴) عرس کی شرعی حیثیت، نومبر ۲۰۰۸ء (۵) فلاح دارین، نومبر ۲۰۰۸ء (۶) عقائد اہل سنت، نومبر ۲۰۰۸ء (۷) ریاض القرات، نومبر ۲۰۰۸ء (۸) شارحۃ الصدور فی احکام القبور، ستمبر ۲۰۰۹ء (۹) عظمت غوث اعظم، ستمبر ۲۰۱۰ء (۱۰) خواجہ غلام نظام الدین، دسمبر ۲۰۱۱ء (۱۱) احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام، مئی ۲۰۱۲ء (۱۲) وہابی تحریک، مئی ۲۰۱۲ء (۱۳) شمس الایمان، مئی ۲۰۱۲ء (۱۴) شیخ ابن تیمیہ کے عقائد وافکار، ستمبر ۲۰۱۲ء (۱۵) تذکرۂ خانوادۂ قادریہ، ستمبر ۲۰۱۲ء (۱۶) قصیدۂ بانت سعاد، نومبر ۲۰۱۲ء (۱۷) اسلام میں محبت الٰہی کا تصور، ۲۰۱۲ء (۱۸) اظہار واعتراف، ۲۰۱۲ء (۱۹) سیف اللہ المسلول کا علمی مقام، ۲۰۱۲ء (۲۰) الجواب المشکور، مارچ ۲۰۱۳ء (۲۱) مسئلہ قیام تعظیمی، مارچ ۲۰۱۳ء (۲۲) برکات مارہرہ، اکتوبر ۲۰۱۳ء

سفر حج:
پہلا حج — مئی ۱۹۹۴ء/ ۱۴۱۴ھ
دوسرا حج — نومبر ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ

سفر عمرہ:
پہلا عمرہ — اکتوبر ۱۹۹۲ء/ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ
دوسرا عمرہ — اگست ۱۹۹۶ء/ صفر ۱۴۱۷ھ
تیسرا عمرہ — مئی ۲۰۱۲ء/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ

سفر بغداد:
پہلی مرتبہ — ۱۹۹۲ء/ ۱۴۱۳ھ
دوسری مرتبہ — ۱۹۹۴ء/ ۱۴۱۴ھ
تیسری مرتبہ — ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۷ھ
چوتھی مرتبہ — ۱۹۹۹ء/ ۱۴۲۰ھ
پانچویں اور آخری مرتبہ ۲۰۱۴ء/ ۱۴۳۵ھ

اعزازات:
''نشان تاج العلما'' اور مبلغ ۲۱۰۰۰ روپے (من جانب: خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ)
''علامہ فضل حق خیرآبادی ریسرچ ایوارڈ'' (من جانب: بینائی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، لکھنو)
''ہدیۂ سپاس'' (روٹیری انٹرنیشنل، انڈیا)
''ہدیۂ سپاس'' (ای ٹی وی اردو، حیدر آباد)

شہادت: ۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/ ۴؍ مارچ ۲۰۱۴ء بروز منگل
تدفین: ۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/ ۶؍ مارچ ۲۰۱۴ء بروز جمعرات، بمقام احاطۂ غوث اعظم بغداد معلیٰ، جس میں نقیب الاشراف، متولیان وصاحب سجادگان ہی کی تدفین ہوتی ہے۔ ☐☐☐

ارباب علم ودانش کے اعترافات

علم وفن کا چراغ روشن کرنے والا ماہر عالم دین

امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی
سجادہ نشین: خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ایٹہ (یوپی)

اپنے اکابر علما اور مشائخ عظام کی تصنیفات کی دوبارہ اشاعت جدید پیرایہ کے ساتھ کرنے کی سعی عزیزی مولانا اسید الحق قادری صاحب کر رہے ہیں اور یہ بڑی سعادت مندی کی بات ہے کہ انہوں نے اب تک تقریباً ۸۰ کتابیں اپنے خاندانی بزرگوں اور مشائخ کی شائع کی ہیں اور مستقبل میں بھی ان سے بہت سے تخلیقی اور تحقیقی کاموں کی توقعات ہیں۔ (تحقیق التراویح: ص:۱۱، تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء)

○

اردو کے ایک بڑے ادیب نے لکھا تھا کہ ''جب کوئی تصنیف منصۂ شہود پر آتی ہے تو گویا ایک چراغ روشن ہوتا ہے'' میں اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ یہ چراغ مادی چراغوں کی طرح کبھی بجھتا نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ اپنی روشنی سے علمی ذوق رکھنے والوں کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ عزیزم مولانا اسید الحق قادری برکاتی بدایونی ایسے چراغ روشن کرنے میں سرگرداں، ماہر اور کامیاب ہیں۔ (قصیدتان رائعتان، ص:۷، تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۳ء)

☐☐☐

گویائی اور خاموشی سے فتنوں کی سرکوبی کرنے والا محقق

حضرت سید محمد اشرف مارہروی
چیف انکم ٹیکس کمشنر: کولکاتا (بنگال)

آزادی کے بعد کے دور میں مذہبی صحافت میں تنقید وتبصرے کی روایت تو یقیناً ملتی ہے لیکن جام نور کے صفحات میں مستقل کالم کے طور پر عزیز گرامی قدر مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کی ''خامہ تلاشی'' نے قارئین کے دل میں جیسی جگہ بنائی، اس کی مثال عنقا ہے...... ''خامہ تلاشی'' کے قبول عام میں جن عناصر نے حصہ لیا وہ ہر کس وناکس کے بس میں نہیں ہیں۔ گہرا علم، وسیع معلومات، سخن فہمی، عمدہ نثر کا استعمال، صحت زبان، منطقی طریقۂ کار، طنز کا شائستہ انداز، ظریفانہ ذوق، بے باکی (گستاخی نہیں)، احساس توازن، پاس اعتدال، ''خیال خاطر احباب'' اور...... ظرف نگاہ۔ یہ آخری بات کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ سنجیدہ، متین اور علمی تحریر کے اُفق پر ظرافت کی رو پہلی چمک نے ان کالموں کو یادگار بنا دیا ہے۔
(فلیپ: خامہ تلاشی، تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)

○

(''تذکرۂ نوری'' کو) بنانے سنوارنے کا کام عزیز گرامی قدر مولانا اسید الحق قادری کے اُن ہاتھوں سے ہوا ہے جو باتوں اور معاملات کو الجھاتے نہیں بلکہ پیچ در پیچ معاملات کو سلجھانا اپنی خاندانی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ وہ فتنوں اور فتنہ پروروں سے دور ونفور ہیں اور خالص علمی انداز تحقیق

کے تحت کتب ہائے قدیمہ کو دل پذیر اور عقدہ کشا حواشی اور دیگر معلومات کے اضافوں کے ساتھ منظر عام پر لا رہے ہیں- یہ کام ان کے ہاتھوں تواتر کے ساتھ ہو رہا ہے اور اس طرح اپنے علمی خانوادے اور خانقاہ کی نشأۃ ثانیہ کے کام میں اپنے والد گرامی کی سرپرستی میں ہمہ وقت مصروف ہیں-

ان کا انداز تحریر اور متن ایسا ہوتا ہے کہ ان کے لکھے سے کسی اپنے کو جراحت نہیں پہنچتی - میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ تحریری فتنوں کی سرکوبی میں اِس نوجوان عالم دین اور معروف و قدیم خانقاہ کے فرزند متین نے قلم کا ہتھیار بھی استعمال کیا ہے اور مومنانہ فراست کے پیش نظر خاموشی کا انداز بھی اختیار کیا ہے...... ع کچھ نہ کہنا بھی اک انداز بیاں ہوتا ہے (تذکرۂ نوری، ص:۱۵،۱۶، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، طبع جدید: ۲۰۱۳ء)

□□□

خیرآبادیات کا مرکز اب بدایوں ہو گیا ہے

مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی

برکات اکیڈمی، کراچی (پاکستان)

آپ نے ''خیرآبادیات'' لکھ کر ایک موضوع اختراع فرمایا ہے، اور بہت سے گم نام، کم نام اور نام و شہرت سے بے نیاز بلکہ گریزاں فضلا کے محاسن کردار کے نادر اور مستند واقعات کو ترتیب دے کر ایک گل دستہ بنا دیا ہے، مَیں نے کئی باذوق حضرات کو مطالعے کے لیے دی، وہ بہت متاثر ہوئے- ہمارے اکابر کی علم دوستی، طالب علم دوستی، کتاب دوستی اور طلبہ پر شفقت وغیرہ نے بہت متاثر کیا-

اندازہ ہوا کہ خیرآبادیات کا مرکز اب ٹونک، رامپور وغیرہ سے ''بدایوں'' منتقل ہو گیا ہے اور آپ جیسے جواں سال اور جواں بخت حضرات کی رہنمائی میں یہ کاروان فضل و کمال دوبارہ سرگرم سفر ہوگا- (مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۲۰۱۱ء)

□□□

مولانا اسید الحق کو عربی و اردو زبانوں کا اچھا ذوق ہے

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ناظم: ندوۃ العلما لکھنؤ (یوپی)

محترم جناب اسید الحق قادری صاحب نے عربی محاوروں کی اردو کے مماثل محاوروں میں ادائیگی خاصی حد تک کی ہے اور پیش نظر کتاب میں اچھی مثالیں پیش کی ہیں، اس سے دونوں زبانوں کے محاورات سے اپنی فنی واقفیت کا ثبوت دیا ہے اور اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کو دونوں زبانوں کا اچھا ذوق حاصل ہے، اس کو دیکھتے ہوئے عربی اور اردو ادب کی تعلیم اور تعلم کا کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب قابل قدر ہو گئی ہے-

(مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۳۰ر نومبر ۲۰۱۱ء)

□□□

'عربی محاورات' ایک حوالے کی کتاب ہے

پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی

ماہنامہ شب خون، ۳۱۳ر رانی منڈی، الٰہ آباد (یوپی)

آپ کی کتاب ''عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات''، ملی، شکریہ- میں نے یہ کتاب جگہ جگہ سے دیکھی اور اسے بہت خوب پایا- ظاہر ہے کہ ایسی

کتاب حوالے کے لیے سرہانے رکھی جانی چاہیے- آج کے نام نہاد زبان داں حضرات زبان کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں اس سے مایوسی ہوتی ہے- ضروری ہے کہ مستند روزمرہ اور محاورات کو محفوظ رکھا جائے- اس کتاب کا قیمتی حصہ یقیناً محاورات پر مبنی حصہ ہے- کتاب کا مقدمہ بہت دلچسپ اور معلوماتی ہے، اگرچہ بعض جگہ اختلاف کی بھی گنجائش ہے- (مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۲۷ر دسمبر ۲۰۱۲ء)

□□□

ابو الفیض معینی کی وسعت نظر اور صلاحیتوں کا معترف ہوں

مولانا محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

مولیٰ تعالیٰ ان (مولانا اسید الحق قادری) کے درجات بلند فرمائے اور ہم میں ان کے امثال زیادہ فرمائے.......... میں معینی صاحب (مولانا اسید الحق قادری) کی علمی وسعت نظر اور گوناگوں صلاحیتوں کا عام قارئین سے کچھ زیادہ ہی معترف ہوں، اور ان کی اس خوبی کو بھی بنظر استحسان دیکھتا ہوں کہ نوجوان اہل قلم کی ہمت افزائی اور رہنمائی کے لیے ان کی تحریروں کو خاص توجہ دے کر اپنی مدح و تنقید کا نشانہ بناتے ہیں بلکہ تنقید کم، تعریف، اصلاح اور حوصلہ افزائی زیادہ ہوتی ہے، تاکہ اس زمانہ قحط الرجال میں جو چند افراد قرطاس و قلم سے وابستہ ہوئے ہیں آئندہ بھی وابستہ رہیں، ساتھ ہی ان کی تحریروں میں پختگی اور جلا بھی پیدا ہو- (مکتوب بنام: خوشتر نورانی: مورخہ ۲۵ر شعبان ۱۴۲۷ھ، ۱۹ر اگست ۲۰۰۶ء)

□□□

عربی محاورات کی تشریح و تطبیق قابل تعریف کام

ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی

مدیر ماہنامہ البعث الاسلامی، لکھنؤ

جناب کا ارسال فرمودہ ہدیۂ ثمینہ ''عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات'' ملا- سب سے پہلے میں آپ کی اس بندہ نوازی کے لیے شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے ذوق عربیت سے مجھے فائدہ پہنچایا- کتاب کے اکثر حصے کو بغور پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی توفیق ہوئی، مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے قابل تعریف کام کرایا اور عربی محاورات کی تشریح و تطبیق کا ایک اچھا کام آپ نے کیا- یوں تو علم خواہ کسی زبان کا ہو اور خاص طور سے عربی زبان کا علم تو ایک بحر زخار ہے جس کے ساحل تک پہنچنا آسان نہیں ہے- (مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۲۴ر نومبر ۲۰۱۱ء)

□□□

بدایوں کی علمی روایت کو از سر نو زندہ کر دیا

پروفیسر سید حنیف احمد نقوی

سابق صدر شعبۂ اُردو، بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس

قیام بدایوں کے دوران آپ کی بھجوائی ہوئی کتابیں مل گئی تھیں- اس عنایت خاص کے لیے ممنون ہوں، رفتہ رفتہ سبھی کتابیں پڑھ ڈالیں- جی خوش ہوا کہ آپ بدایوں کی علمی روایت کو از سر نو زندہ کرنے میں مصروف ہیں، ورنہ عرصے سے اس قسم کے موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا سلسلہ بند تھا- (مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۷ر دسمبر ۲۰۱۱ء)

مولانا اسید الحق کے اندر علم نافع کی تحصیل کا بڑا جذبہ دیکھا

ڈاکٹر عصام عید فہمی ابو غربیہ
استاذ: شعبۂ نحو، صرف، عروض، کلیہ ''دار العلوم'' جامعہ قاہرہ (مصر)

اسید الحق سے روابط و تعلقات کے دوران میں نے ان کے اندر علم نافع کی تحصیل کے لیے بڑا شوق و جذبہ دیکھا، یہی ان لوگوں کا طریقہ ہے جو علوم تفسیر، حدیث اور فقہ کو اس جذبے کے تحت حاصل کرتے ہیں کہ ان کی صلاحیتیں کامل ہوں، مطالعہ وسیع ہو اور غلطیاں کم ہوں۔

(عربی محاورات: ص: ۱۲/۱۳، تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۱ء)

□□□

مولانا اسید الحق ماہر لسانیات عالم و محقق

پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف
صدر: شعبہ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد (دکن)

زیر نظر کتاب [عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات] ایک ایسے ہی عالم کے نوک قلم سے معرض وجود میں آئی ہے جو الحمد للہ بہ یک وقت دونوں زبانوں پر گہری نظر رکھتے ہیں، مزید یہ کہ وہ صوفی بھی ہیں عالم بھی، ادیب بھی ہیں ناقد بھی، مترجم بھی ہیں مؤلف بھی اور ماہر لسانیات بھی، اردو نے توانہی کے خانوادوں میں انگڑائیاں لی ہیں، عربی ادب کی آخری پناہ گاہ (جامع ازہر) میں ان کا قیام اور وہاں کے عبقری اساتذہ سے ان کا استفادہ اس پر مستزاد۔

مولانا موصوف سے میری پہلی ملاقات شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ میں ہوئی، نورانی متبسم چہرہ اور انداز تکلم ان کی خاندانی اور ذاتی علمی وجاہت کی گواہی دے رہا تھا، عربی زبان اور بالخصوص محاورات کے سلسلے میں ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ صرف اسید الحق ہی نہیں بلکہ ''اسد الادب'' بھی ہیں اللھم زد فزد۔ (تقریظ عربی محاورات: ص ۱۴، تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۱ء)

□□□

علوم متداولہ پر گہری نظر رکھنے والا قلم کار

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی
سابق استاذ: طبیہ کالج، قرول باغ، نئی دہلی

خامہ تلاش کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، اسلوب تحریر بڑا دل پذیر ہے، شعر و ادب کے تعلق سے وہ جو بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں جس کے لیے ان کے پاس ٹھوس دلائل ہیں اکثر اسے بھی وہ اپنی فہم ناقص کے حوالے کر دیتے ہیں، یوں مخاطب یا مشار الیہ کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے، قارئین رسالہ کی معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور بدگمانی بھی راہ نہیں پاتی - یہ وصف خاص جسے مَیں خامہ تلاش کا بڑکپن کہتا ہوں صرف تعلیم حاصل کر لینے سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ یہ اس خانقاہی نظام تربیت کا ثمرہ ہے جہاں سے آدمی انسان بن کر اور مسترشد اور مرشد بن کر نکلتا ہے - (ماہنامہ جام نور دہلی، شمارہ مارچ ۲۰۱۱ء)

□□□

بدایونی علما، شعرا اور ادبا کی فہرست میں ایک قابل فخر اضافہ

ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم
صدر: شعبہ اردو، جامعہ ازہر (مصر)

برادر عزیز اسید الحق محمد عاصم قادری سے تعارف حاصل ہوا، جو اتر پردیش کے ایک شہر بدایوں سے نسبت رکھتے ہیں، اس شہر نے بے شمار علما، شعرا اور ادبا پیدا کیے ہیں جن پر برصغیر ہندو پاک کے لوگ بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اسید الحق بھی انہی علما کی صف میں شامل ہوں گے۔ خاص کر جب کہ انہوں نے جامعہ ازہر شریف میں کلیہ اصول الدین کے شعبہ تفسیر سے فراغت حاصل کی ہے، اور پھر کامل ایک سال گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مصری دار الافتا سے اجازت افتا بھی حاصل کی ہے۔ (تقریظ عربی محاورات: ص: ۹/۱۱، تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۱ء)

□□□

'عربی محاورات' اپنے موضوع پر بڑی وقیع اور شاہ کار ہے

مولانا محمد وثیق ندوی
استاذ: كلية اللغة العربية و آدابها، ندوۃ العلما، لکھنؤ

باعث تحریر یہ ہے کہ استاذی و شیخی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (حفظہ اللہ ورعاہ) ناظم ندوۃ العلما کے پاس مَیں نے آپ کی شاہ کار تصنیف ''عربی محاورات'' دیکھی جو اپنے موضوع پر بڑی وقیع اور پر از معلومات ہے، حضرت نے بھی آپ کی کتاب کو سراہا ہے اور مقدمہ املا کرانے کے دوران مجھ سے کئی بار فرمایا کہ ''یہ کتاب شائقین عربی زبان و ادب کے لیے بڑی مفید ہے''، اس لیے خیال ہوا کہ اگر اس اہم اور مفید کتاب کے چند نسخے اور آ جائیں تو اساتذہ اور طلبہ کے لیے استفادہ آسان ہو جائے گا اور حضرت کا بھی یہی خیال ہے۔

(مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۱۲/دسمبر ۲۰۱۱ء)

□□□

مولانا اسید الحق قادری نئی نسل کے نمائندہ عالم اور قلم کار

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی
استاذ: شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد

عزیز القدر مولانا اسید الحق نئی نسل کے نمائندہ عالم اور قلم کار ہیں جن کی تصنیفات میں قدیم صالح اور جدید نافع کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے، انہیں علمی و تحقیقی کاموں کا شوق بھی ہے اور سلیقہ بھی۔ اس سے پہلے بھی ان کی کئی علمی کاوشیں منظر عام پر آ کر اہل علم سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ فکر میں اصالت، پیش کش میں عصریت اور اصول تحقیق کی رعایت کے ساتھ ساتھ زبان کی سلاست ان کی تحریر کے نمایاں اوصاف ہیں۔ ''عربی محاورات'' ان کے اشہب قلم کا نیا پڑاؤ ہے اور اس بار اس نے بے حد سنگلاخ اور پُرخطر زمین پر دوڑ لگائی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ کام اپنے موضوع پر حرف آخر ہے بلکہ اس موضوع پر اور شاید زبان و ادب کے کسی بھی موضوع پر حرف آخر کی گنجائش ہی نہیں ہوتی ہے، لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ اب تک کا سب سے جامع اور تحقیقی کام ہے۔ (فلیپ عربی محاورات: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۱ء)

□□□

مولانا اسید الحق قادری: نہایت متوازن، سنجیدہ اور کڑھی ہوئی شخصیت

ڈاکٹر سید امین اشرف

سابق استاذ: شعبہ انگریزی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

غالباً دو سال قبل کچھوچھہ شریف میں آپ سے نیاز حاصل ہوا تھا- نہایت متوازن، سنجیدہ اور کڑھی ہوئی شخصیت، خدا نے گویائی کے جوہر سے بھی مالا مال کیا ہے- مضمون (کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟) سبحان اللہ نہایت جامع اور بغایت ژرف نگاہی سے لکھا ہوا ہے...... ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

(مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۳۰ ستمبر ۲۰۰۷ء)

□□□

'خیرآبادیات' علمی دیانت وامانت اور جدید اصول تحقیق پر مبنی کتاب

ڈاکٹر سلمہ سیہول

اسسٹنٹ پروفیسر، بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد (پاکستان)

خیال تھا کہ علامہ محمد فضل حق خیرآبادی کی وفات کے ڈیڑھ سو سال مکمل ہونے پر ''خیرآبادیات'' از مولانا اسید الحق قادری بدایونی مدرسۂ بدایوں کی اپنے واجب سے عہدہ برآ ہونے کی محض ایک عقیدت مندانہ کوشش ہوگی- مگر مطالعۂ کتاب جس قدر بڑھتا گیا، احساسات وخیالات بدلتے گئے اور فضل حق پسندوں سے میرا شکوہ وگلہ کم اور غصہ ٹھنڈا پڑتا چلا گیا-

''خیرآبادیات''، علمی دیانت وامانت اور جدید اصولِ تحقیق پر مبنی پُر خلوص، مفید، معلومات افزا کاوش ہے- اِس کتاب سے علامہ فضل حق کے علم وفضل کے باب کی بدایونی فصل مکمل ہوئی اور علمی حقائق کے گرد مخالفین فضل حق کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا ازالہ اور وقت کی گرد صاف ہوئی، جو علمی ذخائر کے امین ومحافظ مدرسۂ بدایوں ہی سے ممکن تھا- (خیرآبادیات: ص: ۱۷، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، ۲۰۱۱ء)

□□□

مولانا اسید الحق اپنے اجداد کے سچے وارث وامین

مولانا یٰسین اختر مصباحی

بانی وصدر دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی

چشم وچراغِ خانوادۂ عثمانیہ بدایوں صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی مرتب ''مجموعۂ رسائل فضل رسول'' ہماری پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے آبا واجداد اور جماعتِ اہل سنت کے اکابر واسلاف کی کتب ورسائل کو بڑی محنت وعرق ریزی اور تحقیق وتخریج وتحشیہ وترجمہ کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے ذریعے منظر عام پر لا رہے ہیں-

عزیز موصوف علم وحلم، فکر وفہم اور اخلاقی محاسن کے اعتبار سے اپنے آبا واجداد کے وارث وامین اور سچے جانشین ہیں- انہیں جو کام کرنا چاہیے اسے بہ حسن وخوبی انجام دے رہے ہیں- ان کے عزائم اور حوصلوں کی داد دی جانی چاہیے کہ وہ اس وقت خیر الخلف لخیر السلف ہیں-

(مقدمہ مجموعۂ رسائل فضل رسول، ص: ۱۷، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۱۰ء)

''خیرآبادیات'' بدایونی ''فریضہ'' اور خیرآبادی ''حق'' کی ادائیگی کا ایک باوقار روحانی وعلمی امتزاج اور احسان شناسی کا پُر خلوص نمونہ ہے- ساتھ ہی دنیائے علم وتحقیق میں ''خیرآبادیات'' کے عنوان سے ایک وقیع تاریخی دستاویز کا اضافہ بھی، جس کی ترتیب وپیش کش کا اِعزاز صاحب زادۂ عالی قدر عزیز گرامی مولانا اسید الحق قادری بدایونی کو حاصل ہے اور وہ اس اِعزاز کے صحیح مستحق بھی ہیں- گویا: حق بحق دار رسید-

(خیرآبادیات: ص: ۱۶، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۱۱ء)

□□□

مولانا اسید الحق نے سائنسی تفسیر پر بہت اچھی اور متوازن بحث کی ہے

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ

کئی ماہ قبل آں جناب کی کتاب ''قرآن کریم کی سائنسی تفسیر'' موصول ہوئی تھی اور میں نے وصول کا خط بھی لکھ دیا تھا- یہ کتاب موجودہ دور کے بہت اہم موضوع سے بحث کرتی ہے- آپ نے موضوع کا بھرپور تعارف کرایا ہے اور بہت اچھی اور متوازن بحث کی ہے-

(مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۱۴ دسمبر ۲۰۰۸ء)

□□□

مولانا اسید الحق نے اپنی علمی قابلیت اور اعتدال پسندی کو منوالیا ہے

سید صبیح رحمانی

مدیر: ''نعت رنگ'' کراچی (پاکستان)

''خامہ تلاشی'' جام نور کا دلچسپ سلسلہ ہے، جس طرح ''نعت رنگ'' کو مولانا کوکب نورانی مل گئے جو اس کے مشمولات کا تنقیدی جائزہ شریعت کی روشنی میں لیتے ہیں، اسی طرح آپ کو ابو الفیض معینی صاحب مل گئے ہیں جو گزشتہ شمارے کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں- یہ کام بہت دشوار ہے لیکن انہوں نے اپنی تحریر کو متوازن رکھ کر اپنی علمی قابلیت اور اعتدال پسندی کو منوالیا ہے- (ماہ نامہ جام نور، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

□□□

مولانا اسید الحق اردو اور عربی زبان وادب کے عالم وعارف

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

سابق پروفیسر وصدر شعبہ اردو، بہار یونیورسٹی مظفر پور (بہار)

مولانا اُسید الحق قادری اردو اور عربی زبان وادب کے عالم وعارف کی حیثیت سے اپنے ہم عصروں میں یگانہ وممتاز ہیں یعنی وہ مجمع البحرین ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ اُردو کے بڑے عالم ہیں یا عربی کے- موضوع بڑا خشک اور بے رس تھا، مگر انہوں نے شگفتگی زبان وبیان سے آراستہ کرکے اس کو بے حد آسان اور حلاوت بخش بنا دیا ہے-

محاورہ مخصوص تقاضوں، رسموں اور موقعوں کے مطابق لفظوں کو بدلے ہوئے سیاق وسباق میں بدلے ہوئے معنوں کے ساتھ استعمال کرنے

کا نام ہے- ہر زبان میں محاورات کی ایک دنیا ہوتی ہے جو موقع محل سے بات چیت یا عبارت میں اپنی جھلک دکھاتی ہے- مولانا موصوف نے عربی زبان کو اہل زبان کی طرح اس کی روح میں ڈوب کر اپنی دسترس میں کرلیا ہے- عربی محاورات کو اردو والوں سے روشناس کرانا اس قدرت تامہ کا مظہر ہے- انہوں نے عربی ادب کے بحرِ ناپیدا کنار میں غواصی کر کے جو دُرہائے آبدار نکالے ہیں اُن کی آب و تاب میں بہر دور کمی آنے کا اندیشہ نہیں- عربی مدارس اور عصری دانش گاہوں کے طلبہ و طالبات اس گراں مایہ سرمایۂ محاورات سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے-

(مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۱۴/ دسمبر ۲۰۰۸ء)

○

مولانا اُسید الحق قادری اسلامیات کے ممتاز اسکالر، اُردو زبان و ادب کے اداشناس اور جدید تنقید و تحقیق کے مزاج اور سمت و رفتار سے واقف قلم کار کی حیثیت سے ہندو پاک کے علمی و ادبی حلقوں میں اپنی پہچان بنا چکے ہیں اور یہ بڑی بات ہے- اُن کی تحریروں میں گہرائی، تازگی اور تنوع کا احساس ہوتا ہے- اِس لیے عام قارئین کے علاوہ خاصانِ علم و ادب بھی اُن کے ہر ہر جملے کو چبا چبا کر پڑھتے ہیں اور محظوظ و مستفید ہوتے ہیں-

□□□

مولانا اسید الحق جامعہ ازہر کے ایک ممتاز فاضل

ڈاکٹر شکیل اعظمی
کریم الدین پور، گھوسی، ضلع مئو (یوپی)

مولانا اسید الحق صاحب جامع ازہر کے ممتاز فاضل ہیں- تحقیقی و تنقیدی مزاج رکھتے ہیں- ان کا طرز تحریر بے حد شستہ و شگفتہ ہوتا ہے- اپنی تحریروں کو پیچیدہ اور گنجلک نہیں ہونے دیتے- تنقیدی اسلوب بھی تلخی و جارحیت سے پاک، خوشگوار، سنجیدہ اور متوازن ہوتا ہے، کہیں کہیں طنز و مزاح کی کیفیت ہوتی ہے، لیکن انتہائی لطیف اور نازک- مولانا نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو محسوس کیا اور علمی و فنی حیثیت سے موضوع احادیث پر کلام کیا- بیان حدیث میں بے احتیاطی و بے راہ روی اور تساہل پسندی کے سد باب کی کوشش کی اور ذہن و فکر کے جمود و تعطل کو ختم کرنے کی ترغیب دی- امید کہ مقررین و واعظین احتیاط سے کام لیں گے اور بلا تحقیق روایتوں کے بیان کرنے سے گریز کریں گے-

(ماہنامہ جام نور دہلی، شمارہ نومبر ۲۰۱۰ء)

□□□

مولانا اسید الحق اپنے اسلاف پر فخر نہیں کرتے، اسلاف کا کام کرتے ہیں

ڈاکٹر سید سراج اجملی
استاذ: شعبۂ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

لائق اخلاف اپنے اسلاف کے کارناموں پر صرف فخر نہیں کرتے بلکہ انہیں روشناس خلق کرانے کا اہتمام بھی کرتے ہیں، قابل مبارک باد ہیں عزیز گرامی قدر اسید میاں صاحب کہ انہوں نے اس نیک کام کا بیڑا اٹھایا اور علوم عقلی و نقلی، ادب و شاعری اور مسائل فقہی سے متعلق اپنے خانوادے کے بزرگوں کی تحریریں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے- (مقدمہ خمیازۂ حیات: ص:۸، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۰۹ء)

□□□

مولانا اسید الحق قادری: شخص و عکس

ہمارے ''مولوی بھائی'' اور ہمارے ''شیخ صاحب''، ممتاز ناقد و محقق، عالم ربانی مولانا شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کی حیات و خدمات بہت وسیع موضوع ہے- چند صفحات میں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے- شیخ صاحب کی سادہ زندگی میں قدرت نے اتنے رنگ بھرے ہوں گے یہ سوچا بھی نہیں تھا، بظاہر سادہ لباس اور سفید ٹوپی لگانے والا یہ نوجوان اپنی زیست کے خاکے میں اتنے رنگ رکھتا تھا، یہ اب سمجھ میں آیا، جب ہم ان کے سوانحی خاکے کو ترتیب دے رہے ہیں-

شیخ صاحب کی پوری زندگی علم و تحقیق، فکر و قلم، مطالعہ اور درس و تدریس سے عبارت تھی-- جس شوق و جذبے سے انھوں نے علم حاصل کیا اسی انداز سے مسند درس و تدریس کو زینت بخشی اور علم و قلم کے گوہر آب دار لٹائے اور صرف ۱۰ رسال کی عملی زندگی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ آج زمانہ ان کی رفعتوں اور کارناموں کے اعتراف میں رطب اللسان ہے- علم و فن کی وہ کون سی شاخ ہے اور میدان فکر و تحقیق کا وہ کون سا گوشہ ہے جس میں انھوں نے اپنی جولانیت اور لیاقت کا مظاہرہ نہیں کیا- اس کم عمری میں انھوں نے جو علمی نقوش چھوڑے ہیں، وہ رہتی دنیا تک یاد کیے جاتے رہیں گے اور دنیا سے ان کی اتنی جلد رخصتی پر اہل علم و عرفان کے درمیان ماتم ہوتا رہے گا-

ذیل میں ان کی پوری حیات و خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جارہا، جس سے ان کی ذاتی شخصیت سے متعارف ہونے میں مدد ملے گی اور مستقبل میں ان کی ذات یا خدمات پر کام کرنے والوں کے لیے یہ سطور رہنمائی کا ذریعہ بنیں گی-

نام: شیخ صاحب کا پورا نام اسید الحق محمد عاصم القادری ہے- والد ماجد انھیں پیار سے 'بھیا' اور 'بابا' کہا کرتے تھے، گھر کے چھوٹے ''مولوی بھائی'' اور ارادت مند، متوسلین و متعلقین ''شیخ صاحب''- مؤخر الذکر عرفیت کو کافی شہرت ملی-

نسب: شیخ صاحب کا سلسلۂ نسب خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، جب کہ والدہ کی طرف سے امام حسین ابن علی تک پہنچتا ہے- آپ کی والدہ حضرت سید محمد اکبر چشتی قدس سرہ (آستانہ صمدیہ، پھپھوند شریف) کی صاحبزادی ہیں-

شیخ صاحب کا پدری شجرۂ نسب یہ ہے:

شیخ اسید الحق محمد عاصم القادری ابن شیخ عبد الحمید محمد سالم القادری ابن مفتی عبد القدیر قادری ابن مولانا تاج الفحول عبد القادر بدایونی ابن سیف اللہ المسلول فضل رسول قادری ابن شاہ عین الحق مولانا عبد المجید قادری بدایونی ابن مولانا عبد الحمید قادری بدایونی ابن مولانا محمد سعید ابن مولانا محمد شریف ابن مولانا محمد شفیع ابن شیخ مصطفیٰ ابن مولانا عبد الغفور ابن مولانا شیخ عزیز اللہ ابن مولانا مفتی کریم الدین ابن قاضی القضاۃ مولانا حمید الدین معروف بہ شیخ محمد ابن مولانا شیخ معروف ابن مولانا شیخ مودود ابن مولانا عبد الشکور ابن مولانا شیخ محمد راجی ابن مولانا قاضی القضاۃ سعد الدین ابن مولانا قاضی القضاۃ شمس الحق ملقب بہ قاضی رکن الدین ابن قاضی القضاۃ مولانا شیخ دانیال قطری ابن مولانا حاجی شہید ابن مولانا ابراہیم ابن مولانا محمد اسحاق ابن مولانا عبد الکریم ابن مولانا محمد شریف ابن مولانا نور اللہ ابن مولانا عبد الحق ابن مولانا محمد فردوس ابن مولانا انیس محمد ابن مولانا محمد رافع ابن مولانا عبد الکریم ابن مولانا عبد الرحیم ابن مولانا عبد الرحمٰن ابن مولانا وسیدنا ابو سعید حضرت آبان ابن سیدنا و مولانا امیر المومنین کامل الحیاء والایمان جامع القرآن حضرت ذو النورین عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہم ورحمۃ اللہ علیہم-

حضرت شیخ صاحب اور سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے درمیان ۳۶ رواسطے ہیں-

ولادت: شیخ محترم کی ولادت ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶ رمئی ۱۹۷۵ء کو مولوی محلہ بدایوں میں ہوئی-

تعلیم: شیخ صاحب نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ بہت علمی اور روحانی ماحول تھا- خانوادۂ عثمانیہ بدایوں کی آٹھ سو سالہ تاریخ اپنے علمی اور روحانی ماحول کو ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی محتاج نہیں- خاندانی روائیت کے اعتبار سے چار سال کی عمر میں ۱۱ر شوال ۱۳۹۹ھ بموقع عرس قادری شیخ صاحب کی تسمیہ خوانی ہوئی اور حضرت اقدس کی سرپرستی میں شیخ صاحب کے تایا حضرت مولانا عبدالہادی قادری قدس سرہ نے آپ کو قاعدۂ بغدادی کا باضابطہ پہلا سبق دیا- یہاں باضابطہ لکھنا اس لیے ضروری ہے کہ تسمیہ خوانی سے پہلے والدین نے آپ کو سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، کلمۂ طیبہ، درود شریف یاد کروادیے تھے اور خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف کے بچوں کو ان مذکورہ چیزوں کے علاوہ دو نام بہت تاکید سے یاد کرائے جاتے ہیں: (۱) قطب ربانی محبوب سبحانی غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، (۲) غوث زماں، شمس مارہرہ، قبلۂ جسم و جاں، فخر خاندان برکاتیہ ابوالفضل آل احمد حضور اچھے میاں صاحب رضی اللہ عنہ-

ابتدائی تعلیم: گھر کی تعلیم کے علاوہ شیخ صاحب نے جامع مسجد شمسی بدایوں کے قریب واقع ''قادری جنت نشاں اسکول'' میں تعلیم حاصل کی- اس کے بعد ''مشن انگلش اسکول'' بدایوں میں زیر تعلیم رہے-

حفظِ قرآن: شیخ صاحب نے شوال ۱۹۸۶ء میں ''مدرسہ عالیہ قادریہ'' میں حفظ قرآن کی ابتدا کی- مدرسہ قادریہ میں اس وقت شعبۂ حفظ و قراءت کے استاذ حضرت قاری کریم اللہ موجود تھے- ۱۹۸۹ء میں آپ نے حفظ قرآن مکمل کیا- دورانِ حفظ قرآن آپ نے اُردو لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا- آپ کو اُردو مدرسہ قادریہ کے ایک استاذ مولانا حافظ نور محمد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے پڑھائی-

درسِ نظامی کی ابتدا: شیخ صاحب نے حفظ قرآن سے فراغت کے بعد شوال ۱۹۹۰ء میں مدرسہ عالیہ قادریہ میں درس نظامی کی ابتدا کی- اس وقت مدرسہ قادریہ میں ہندوستان کے ممتاز اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، جن میں امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی، مولانا شیخ رحمت اللہ قادری، مفتی مطیع الرحمٰن مضطر پورنوی، مولانا نیاز احمد قادری، مولانا مفتی شہید عالم رضوی اور مفتی انفاس الحسن چشتی شامل ہیں- ۱۹۹۳ء تک آپ مدرسہ قادریہ بدایوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے- حضرت خواجہ صاحب کے متعلق یہ بات بہت مشہور تھی کہ وہ کسی مدرسے میں زیادہ نہیں رکتے اور یہ بات صحیح بھی تھی- چنانچہ ۶ر سال مدرسہ قادریہ میں پڑھانے کے بعد (جو اس وقت تک خواجہ صاحب کی کسی مدرسے میں قیام کی سب سے طویل مدت تھی) آپ بدایوں سے فیض آباد تشریف لے گئے- اس کے بعد ۱۹۹۴ء میں شیخ صاحب کو آپ کے والد ماجد نے امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے فیض آباد بھیج دیا-

۱۹۹۷ء میں درس نظامی آپ نے مکمل کیا اور بدایوں تشریف لے آئے- ۲۲ر اکتوبر ۱۹۹۸ء میں جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت تاج الفحول کے موقع پر صاحب سجادہ بغداد شریف حضرت پیر سید احمد ظفر گیلانی (متولی و سجادہ درگاہ غوث اعظم بغداد شریف) کے مبارک ہاتھوں سے شیخ صاحب کو دستار فضیلت سے نوازا گیا-

اعلیٰ تعلیم: یکم ستمبر ۱۹۹۹ء بروز بدھ شیخ صاحب بدایوں سے روانہ ہوئے اور بغداد معلیٰ حاضری دیتے ہوئے قاہرہ تشریف لے گئے- یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ شیخ صاحب کے والد ماجد آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے بغداد شریف بھیجنا چاہتے تھے- جب ۱۹۹۶ء میں بغداد شریف حاضر ہوئے تو وہاں اس وقت غوث اعظم کی درگاہ کے صاحب سجادہ پیر سید یوسف الگیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں اسید الحق کو بغداد بھیجنا چاہتا ہوں- اس پر پیر سید یوسف الگیلانی نے فرمایا کہ اسید الحق کو جامعہ ازہر قاہرہ بھیجو- آپ کے حکم پر شیخ صاحب جامعہ ازہر قاہرہ تشریف لے گئے-

جامعہ ازہر میں کلیہ اصول الدین کے شعبۂ تفسیر و علوم قرآن میں داخلہ لیا اور جون ۲۰۰۳ء میں فراغت حاصل کی- شیخ صاحب نے ''کلیہ اصول الدین'' سے فراغت کے بعد اگست ۲۰۰۳ء تا جولائی ۲۰۰۴ء دارالافتاء المصریہ میں تربیت افتا کا کورس کیا- مصر سے واپسی کے بعد ۲۰۰۸ء/۲۰۰۹ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے علوم اسلامیہ میں ایم- اے کیا-

اساتذہ: شیخ صاحب کے سب سے پہلے اور سب سے اہم استاذ آپ کے والد گرامی صاحب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف ہیں، جن کی تعلیم و تربیت نے شیخ صاحب کو ایک عالم سے ''عالم ربانی''

بنادیا- شیخ صاحب نے اخلاق و کردار، تواضع و انکساری، صبر و شکر، توکل و قناعت، عفو و درگزر اور تصوف و سلوک کے تمام درس اپنے والد گرامی شیخ طریقت، مربی و رہنما حضرت اقدس الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری (سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) سے حاصل کیے- اس کے بعد شیخ صاحب کے قابل ذکر اساتذہ میں امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی (متوفی ۲۰۱۳ء)، حضرت مولانا رحمت اللہ قادری (شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم، بھدوہی)، حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر پورنوی، حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی (شیخ الحدیث جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف)، حافظ نور محمد قادری (متوفی ۲۰۱۳ء سابق مدرس مدرسہ قادریہ)، حافظ و قاری کریم اللہ قادری (متوفی ۲۰۰۸ء)، پروفیسر علامہ عبدالحیٔ فرماوی، پروفیسر علامہ جمعہ عبدالقادر، پروفیسر علامہ محمود عبدالخالق حلوہ، پروفیسر علامہ سعید محمد صالح صوابی، پروفیسر علامہ سید المسیر، پروفیسر علامہ طہٰ حبیشی، پروفیسر علامہ عبدالمعطی بیومی کے اسما شامل ہیں- ان کے علاوہ تربیت افتا کا ایک سالہ کورس آپ نے مصری دار الافتا میں سابق مفتی اعظم مصر ڈاکٹر شیخ علی جمعہ کی خدمت میں مکمل کیا-

شادی خانہ آبادی: ابھی شیخ صاحب مصر میں موجود تھے کہ بدایوں سے آپ کے والد ماجد کا فون پہنچا کہ ہم نے تمہاری شادی طے کردی ہے- ۱۵ر اگست ۲۰۰۴ء بروز اتوار سہسوانی ٹولہ بریلی کے ایک سید گھرانے میں سیدہ سائرہ قادری بنت سید محمد نصیر مرحوم سے آپ کا عقد مسنون ہوا- شادی کی تقریب میں بہت سے علما و مشائخ شریک رہے- بالخصوص آپ کے استاذ محترم امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی اور آپ کے دوست و احباب بالخصوص مولانا خوشتر نورانی، مولانا منظر الاسلام ازہری اور مولانا نعمان ازہری وغیرہ نے شرکت فرمائی-

پہلا سفر حج: حضرت اقدس والد محترم کے ہمراہ پہلی مرتبہ مئی ۱۹۹۴ء/۱۴۱۴ھ میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے-

دوسرا سفر حج: نومبر ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ اپنی اہلیہ کے ہمراہ حج و زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے- اس سفر میں آپ کے ساتھ بمبئی سے جناب اشتیاق پٹنی ابن جناب اسحاق پٹنی بھی تھے-

پہلا سفر عمرہ: جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں حضرت اقدس والد محترم کے ہمراہ پہلی بار عمرے کی سعادت حاصل کی-

دوسرا عمرہ: صفر ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء میں حضرت اقدس والد محترم کے ہمراہ دوسری مرتبہ عمرے کی سعادت حاصل کی- اس سفر میں آپ کے ساتھ بمبئی سے حاجی اقبال اور دیگر احبابِ سلسلہ موجود تھے-

تیسرا عمرہ: مئی ۲۰۱۲ء/ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ میں تیسری مرتبہ عمرے کی سعادت حاصل کی- اس سفر میں آپ کی اہلیہ آپ کے ساتھ تھیں-

سفر بغداد معلیٰ: بغداد معلیٰ کی حاضری خانوادۂ قادریہ بدایوں کے قدیم معمولات میں شامل ہے- اس خانوادے کی بارگاہِ غوث اعظم میں حاضری اور مقبولیت ایسا امتیاز ہے جو کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آتا- خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف اور خانوادۂ گیلانیہ بغداد شریف کے مراسم بہت گہرے اور پرانے ہیں- پونے دو سو برسوں سے خانوادۂ عثمانیہ کی بغداد معلیٰ کی مسلسل حاضری اور اس طویل عرصے میں خانوادۂ گیلانیہ کے متعدد فرزندوں اور سجادگان کا خانقاہ قادریہ میں ورود مسعود، ان کے درمیان گہرے روابط کی کھلی دلیل ہے- اسی سلسلۂ محبت اور غوث اعظم سے نسبت غلامی کے اظہار کے لیے شیخ صاحب نے اپنے اسلاف کی طرح متعدد بار بغداد حاضری دی-

شیخ صاحب پہلی مرتبہ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء میں حاضر ہوئے- دوسری مرتبہ ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء میں، تیسری حاضری ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء میں، چوتھی حاضری ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء میں اور پانچویں اور آخری حاضری ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء میں ہوئی- یہ تمام سفر بغداد حضرت اقدس والد گرامی کے ہمراہ ہوئے- آخری سفر بغداد جس میں حضرت شیخ صاحب جام شہادت سے سرفراز ہوئے اور ہم ان کی رفاقت سے محروم ہوئے، راقم السطور بھی آپ کا ہم سفر تھا-

بیعت و اجازت: اہل طریقت پر یہ حقیقت واضح ہے کہ بزرگوں سے اکتساب فیض کے لیے کسی شیخ کامل کے دست حق پرست پر بیعت کرنا کتنا ضروری ہے- شیخ صاحب کا خانوادہ صدیوں سے مئے کشان شراب معرفت کو جام آل احمدی اور صہبائے قادریت پلا رہا ہے- شیخ صاحب کی تشنگی جب اپنے کمال کو پہنچی تو اپنے والد گرامی شیخ طریقت الشاہ عبدالحمید محمد سالم القادری سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف سے ۱۳ر نومبر بروز جمعرات ۲۰۰۸ء کو سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوگئے- پیر و مرشد نے آپ کو تمام سلسلوں کی اجازت و خلافت سے

سرفراز فرمایا اور اپنا ولی عہد مقرر کیا- اس کے علاوہ آپ کو وارث پنجتن سیدنا شاہ سید یحییٰ حسن مارہروی (متوفی: ۲۰۱۱ء، سجادہ نشین آستانۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف) سے بھی خلافت واجازت کا شرف حاصل تھا-

اجازت حدیث: شیخ صاحب کو متعدد مشائخ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل تھی- ان شیوخ کے اسمایہ ہیں:

(۱) والد محترم تاجدار اہل سنت حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری (صاحب سجادہ آستانۂ عالیہ قادریہ بدایوں شریف)

(۲) ڈاکٹر علی جمعہ (سابق مفتی جمہوریہ مصر)

(۳) شیخ القرا، نجم الفقہا الشیخ محمد صلاح الدین التجانی (مصر)

(۴) الشیخ محمد ابراہیم عبدالباعث (محدث اسکندریہ، مصر)

(۵) الشیخ علی بن حمود الحربی الرفاعی (خطیب وامام آستانۂ حضرت معروف کرخی واستاذ بغداد یونیورسٹی)

(۶) شیخ محمد ابراہیم الحسنی الکتانی (مصر)

مدرسہ عالیہ قادریہ کی نشأۃ ثانیہ: مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کی تاریخ یوں تو صدیوں پر بکھری ہوئی ہے اور فرزندان مدرسہ عالیہ قادریہ کی خدمات اپنی مادر علمی کے وقار اور عظمت وشوکت کی گواہ ہیں- لیکن شیخ صاحب جب قاہرہ سے واپس آئے اور اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا تو انہوں نے اپنی دیگر اصلاحی اور تعمیری کاموں کے ساتھ مدرسہ قادریہ کی نشأۃ ثانیہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے- آپ نے از سرنو مدرسے کا خاکہ بنایا، اصول وضع کیے، نصاب ونظام بنایا اور مدرسہ قادریہ کا آغاز نو کیا-

شیخ صاحب نے اپنے احباب سلسلہ سے کہا: مجھے چندہ نہیں چاہیے، تم اپنے بیٹے کو میرے پاس پڑھنے کے لیے بھیجو- اس طرح بالکل ابتدا سے تعلیم کا آغاز ہوا- شیخ صاحب شروع میں فرماتے تھے کہ ابھی مدرسہ نہیں کھلا ہے، مدرسہ تو ۸؍سال کے بعد کھلے گا، ابھی تو میں اپنی ''ٹیم'' تیار کر رہا ہوں- جب یہ طلبہ فارغ ہوں گے تب باقاعدہ مدرسے کا آغاز کیا جائے گا- یہی وجہ رہی کہ مدرسے میں داخلے کا اعلان عام نہیں کیا گیا- شیخ صاحب صرف جماعت اعدادیہ اور اولیٰ ہی میں داخلہ لیا کرتے تھے- اس طرح ہر سال ایک جماعت کا اضافہ ہوتا گیا- یعنی جب شیخ صاحب نے درس دینا شروع کیا تو صرف جماعت اعدادیہ ہی تھی- اگلے سال جب یہی طلبہ جماعت اولیٰ میں آگئے تو پھر جماعت اعدادیہ میں نئے داخلے لیے گئے اور پھر اگلے سال اولیٰ والے طلبہ ثانیہ میں اور اغدادیہ والے اولیٰ میں آگئے- پھر جماعت اعدادیہ میں نئے داخلے لیے گئے- اس طرح پہلا ''بیچ'' ۲۰۱۱ء میں فارغ ہوا- شیخ صاحب کے ساتھ مولانا انور سہیل قادری، مولانا نبی رضا قادری، مولانا دلشاد احمد قادری، مولانا مجاہد قادری اور مولانا اقبال قادری اور ۲۰۰۸ء سے راقم الحروف نے تدریسی خدمات انجام دیں-

شیخ صاحب نے مدرسہ قادریہ کے تعلیمی نصاب میں کچھ تبدیلیاں بھی فرمائی تھیں، مثلاً جماعت ثانیہ میں تاج الفحول کا رسالہ احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام پڑھانا شروع کیا اور بعد میں یہ خدمت راقم الحروف کے حصے میں آئی اور جماعت ثالثہ کو مدخل الی اصول الحدیث اور جماعت رابعہ کو تفسیر آیات احکام پڑھانا شروع کی اور اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں-

تدریسی خدمات: استاذ محترم امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی فرماتے تھے کہ ''سمجھنا آسان ہے سمجھانا مشکل اور دونوں کی صلاحیتیں جدا ہیں- کوئی ضروری نہیں کہ اگر کوئی شخص بہت قابل اور وسیع المطالعہ ہے تو وہ تدریسی خدمات بھی انجام دے اور آخر میں مسکرا کر فرماتے کہ پڑھنا تو سیکھا جا سکتا ہے مگر پڑھانا نہیں سیکھا جا سکتا، یہ تو خداداد صلاحیت ہوتی ہے-''

یہی خداداد صلاحیت شیخ صاحب کے درس میں دکھائی دیتی تھی- آپ نے مصر جانے سے پہلے بھی مدرسہ قادریہ میں درس وتدریس کو زینت بخشی تھی- جنوری ۱۹۹۹ء سے اگست ۱۹۹۹ء تک آٹھ ماہ درس دیا اور مصر سے آنے کے بعد ۳؍دسمبر ۲۰۰۴ء سے ۲۰؍فروری ۲۰۱۴ء تک مسلسل درس دیا، جن کتابوں کا درس شیخ صاحب دیا کرتے تھے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) صور من حیاۃ الصحابہ، (۲) وحی القلم، (۳) العبرات، (۴) امتنا بین قرنین، (۵) شرح عقائد، (۶) مرقات، (۷) شرح تہذیب، (۸) اصول التفسیر ومناھجہ، (۹) الدخیل فی التفسیر، (۱۰) مدخل الی اصول التفسیر: مرتبہ شیخ صاحب (۱۱) تفسیر آیات الاحکام، (۱۲) مؤطا امام محمد، (۱۳) اصول الحدیث، (۱۴) صحیح بخاری، (۱۵) صحیح مسلم، (۱۶) جامع ترمذی، (۱۷) الرفع والتکمیل ، (۱۸) تیسیر علوم

الحدیث، (۱۹) اللالی الحسان فی علوم القرآن، (۲۰) قصیدتان رائعتان، (۲۱) قصیدہ بانت سعاد، (۲۲) قصیدۂ بردہ، (۲۳) المعتقد المنتقد، (۲۴) مشکوۃ شریف، (۲۵) تفسیر بیضاوی، (۲۶) مراح الارواح، (۲۷) شرح مأۃ عامل، (۲۸) نخبۃ الفکر-

تلامذہ: شیخ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ''میں اپنے مدرسے کے لیے اپنی ٹیم تیار کر رہا ہوں'' انھوں نے یہ ٹیم تیار بھی کر دی- آپ سے بہت سے طلبہ نے استفادہ کیا، مگر آپ کے چند مخصوص تلامذہ کے نام ہم یہاں تحریر کر رہے ہیں جو آپ کی تیار کردہ ٹیم کا حصہ ہیں:

(۱) برادر عزیز مولانا فضل رسول محمد عزام میاں قادری
(مہتمم مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)

(۲) مولانا سید عادل محمود کلیمی
(سجادہ نشین خانقاہ کلیمیہ، کٹرہ، شاہجہان پور)

(۳) مولانا مفتی دلشاد احمد قادری
(مدرس مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)

(۴) مولانا مجاہد قادری
(مدرس مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)

(۵) مولانا خالد قادری مجیدی
(مدرس مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)

(۶) مولانا محمد عاصم قادری مجیدی
(مدرس مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)

(۷) مولانا مبشر قادری مجیدی

(۸) مولانا محمد رضوان قادری مجیدی

(۹) مولانا محمد بدر عالم قادری مجیدی

(۱۰) مولانا انور قادری مجیدی

(۱۱) مولانا کاشف نہاد قادری مجیدی

(۱۲) مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی

(۱۳) راقم الحروف

علمی خدمات: درس وتدریس (اگر باقاعدہ ہو تو) اپنے آپ میں اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے بعد کوئی دوسرا کام کرنا بہت مشکل ہے- ہماری اس بات کو وہ اساتذہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں جو کسی ادارے سے تدریسی طور پر وابستہ ہیں- لیکن شیخ صاحب کی زندگی دیکھیے تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ ایک مکمل مدرس، باضابطہ منتظم اور ایک خطیب وواعظ ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ علمی وتحقیقی کام سے بھی جڑے رہے- ہندو پاک کے معیاری رسائل میں آپ کے علمی اور تحقیقی مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے- ان رسائل میں ماہ نامہ جامِ نور سرِ فہرست ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مولانا خوشتر نورانی صاحب نے ہی اپنی دوستی کے حق کو استعمال کرتے ہوئے شیخ صاحب کو رسائل کے لیے مضامین لکھنے پر راضی کیا تو غلط نہ ہوگا- اسی پر بس نہیں مدیر اعلیٰ مولانا خوشتر نورانی نے جامِ نور میں ایک منفرد کالم ''خامہ تلاشی'' کے عنوان سے جاری کرنے کا ارادہ کیا- خامہ تلاشی کے لیے ''خامہ تلاش'' کی ضرورت تھی- اس کے لیے مدیر اعلی کی نظر انتخاب حضرت شیخ صاحب پر ہی جا کر رکی- مولانا خوشتر نورانی فرماتے ہیں:

> ''میں نے سوچا، مذہبی ادب میں نقد ونظر تلوار کی دھار پر چلنے کا فن ہے، اس کے لیے بصیرت، ظرافت، اور گہری نظر کے ساتھ جملہ علوم متداولہ اور زبان وبیان پر درک ہونا چاہیے اور اس دور قحط الرجال میں بظاہر ایسی صفتوں پر مشتمل شخصیت کا ملنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہے- اس تعلق سے میں نے بہت غور وفکر کیا، لیکن حیرت ہے کہ جب جب غور کرتا تو گھوم پھر کر ایک ہی شخص ذہن کی اسکرین پر جم جاتا، وہ شخص کوئی اور نہیں اسید الحق تھے-'' (خامہ تلاشی ص ۹/۸)

خامہ تلاشی کا آغاز اپریل ۲۰۰۵ء کے شمارے سے ہوا اور یہ سلسلہ دسمبر ۲۰۰۶ء تک جاری رہا- ہمیں یاد ہے کہ استاذ محترم امام علم وفن فرماتے تھے کہ ''خامہ تلاشی کسی ایک انسان کی کاوش نہیں بلکہ اس کالم کو پوری ٹیم مل کر تحریر کرتی ہے اور اس ٹیم میں کوئی علم حدیث کا ماہر ہے تو کوئی علم تفسیر کا، کوئی تاریخ کا اور کوئی شعر وادب کا''- اسی طرح لمبی فہرست گنوانے کے بعد فرماتے کہ ''خوشتر نے بڑی محنت سے یہ ٹیم بنائی ہے-'' مگر حقیقت یہ تھی کہ مدرسہ قادریہ کی بوسیدہ چٹائی پر بیٹھا ہوا ایک نوجوان صرف ایک دن میں اور کبھی کبھی ایک نشست میں خامہ تلاشی لکھ دیا کرتا تھا...... ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

دسمبر ۲۰۰۹ء میں خامہ تلاشی کی تمام قسطوں کو ایک کتابی شکل دے دی گئی، جو ادارہ فکر اسلامی دہلی سے شائع ہوئی- خامہ تلاشی کے بعد جام نور کے شمارہ جنوری ۲۰۰۷ء میں ایک نیا کالم شروع کیا گیا جو ''تعاقب'' کے عنوان سے شائع ہوا- مصروفیت کی وجہ سے یہ کالم فروری ۲۰۰۷ء تک ہی جاری رہا- اس کالم میں ہندوستان بھر میں شائع ہونے والے تمام رسائل پر نظر کی جاتی اور حسن و قبح کو سامنے لایا جاتا- شیخ صاحب چونکہ اکابرِ بدایوں کی تصنیفات کو از سر نو شائع کرنا چاہتے تھے اس وجہ سے فرصت نہیں ملی اور یہ کالم بند کرنا پڑا- اب تو یہ جام نور کے مدیر اعلیٰ خوشتر نورانی صاحب ہی بتائیں گے کہ شیخ صاحب کی معذرت کرنے کے بعد یا تو اس کالم کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی یا کوئی اور لکھنے والا نہیں ملا؟

شیخ صاحب کے تحقیقی مضامین ان کی علمی خدمات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں- تفصیل کا موقع نہیں اس لیے صرف چند مضامین کا ذکر کر رہا ہوں:

(۱) عربی، اردو محاورات کا تقابلی جائزہ: جام نور جولائی ۲۰۰۴ء

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی: جام نور ستمبر ۲۰۰۴ء

(۳) ہم نامی کا مغالطہ: جام نور اگست ۲۰۰۴ء

(۴) عصر حاضر میں مطالعہ سیرت کی معنویت، اہمیت اور جہت

(۵) نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آخری آیت: جام نور اکتوبر ۲۰۰۵ء

(۶) متن حدیث کی بازیافت: جام نور نومبر ۲۰۰۵ء

(۷) حدیث عمامہ پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ: جام نور دسمبر ۲۰۰۶ء

(۸) ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام: جام نور اپریل ۲۰۰۶ء

(۹) فقہ حنفی اور عمل بالحدیث: جام نور اپریل ۲۰۰۷ء

(۱۰) کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟ صاحبِ نظر کی تحقیق پر صاحب دل کی تنقید: جام نور جون، جولائی ۲۰۰۷ء

(۱۱) تحفظ توحید کے نام پر کتب اسلاف میں تحریف: جام نور دسمبر ۲۰۰۷ء

(۱۲) کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون، ایک تحقیقی مطالعہ: جام نور جون ۲۰۰۸ء

(۱۳) مطبع اہل سنت و جماعت، تاریخی پس منظر اور اشاعتی ہمات: جام نور مئی ۲۰۰۹ء

(۱۴) تشہد کے مسئلے میں ایک مغالطے کا تحقیقی جائزہ: جام نور مارچ ۲۰۰۹ء

(۱۵) شمس مارہرہ اور رسالہ آداب السالکین: جام نور جون ۲۰۱۰ء

(۱۶) تقریروں میں موضوع روایات ایک لمحۂ فکریہ: جام نور اکتوبر، نومبر ۲۰۱۰ء

(۱۷) فضل حق، فضل رسول اور آزردہ: جام نور دسمبر ۲۰۱۰ء

(۱۸) امام زین العابدین کی شان میں فرزدق تمیمی کا قصیدۂ میمیہ: جام نور اگست ۲۰۱۲ء

(۱۹) خانوادۂ قادریہ اور خانوادۂ علیمیہ کے روابط: جام نور اکتوبر، نومبر ۲۰۱۲ء

(۲۰) قصیدۂ بانت سعاد تحقیقی مطالعے کی روشنی میں: جام نور فروری ۲۰۱۳ء

(۲۱) ڈاکٹر رشید عبیدی کی شرح ایک تنقیدی مطالعہ: جام نور نومبر، دسمبر ۲۰۱۳ء

اس کے علاوہ درجنوں علمی اور تحقیقی مضامین مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں- شیخ صاحب نے اکابر کی کتابوں کو جدید انداز میں ترجمہ، تخریج، تسہیل، حاشیہ اور مقدمے کے ساتھ شائع کیا- شیخ صاحب کی ان علمی خدمات کو اہل علم کبھی فراموش نہیں کر سکتے- بغیر کسی تبصرے کے ہم یہاں ان کتابوں کی فہرست پیش کر رہے ہیں:

ترجمہ، تخریج، تحقیق (عربی سے):

(۱) مناصحۃ فی تحقیق مسائل المصافحۃ: تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ محرم ۱۴۱۹ھ/ جنوری ۲۰۰۸ء)

(۲) الکلام السدید فی تحریر الاسانید: تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (نومبر ۲۰۰۸ء)

ترجمہ، تخریج، تحقیق (فارسی سے):

(۳) احقاق حق: سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ جنوری ۲۰۰۷ء)

(۴) اکمال فی بحث شد الرحال (جدید نام زیارت روضہ رسول): سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

(۵) حرز معظم: سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی

(مطبوعہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

(۶) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ: سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ شوال ۱۴۳۰ھ/ ستمبر ۲۰۰۹ء)

(۷) رد روافض: تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

ترتیب حضرت سید شاہ حسین حیدر برکاتی مارہروی

ترتیب و تقدیم:

(۸) خطبات صدارت: مولانا مفتی عبدالقدیر بدایونی (مطبوعہ اکتوبر ۲۰۰۸ء)

(۹) مثنوی غوثیہ: مولانا مفتی عبدالقدیر بدایونی (مطبوعہ نومبر ۲۰۰۸ء)

(۱۰) مولانا فیض احمد بدایونی: پروفیسر محمد ایوب قادری (مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۸ء)

(۱۱) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل: مولانا حکیم عبدالقیوم شہید قادری بدایونی (مطبوعہ نومبر ۲۰۰۸ء)

(۱۲) نگارشات محبّ احمد: مولانا محبّ احمد قادری بدایونی (مطبوعہ اگست ۲۰۱۰ء)

(۱۳) باقیات ہادی: مولانا عبدالہادی قادری بدایونی (مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۹ء)

(۱۴) احوال و مقامات: مولانا عبدالہادی قادری بدایونی (مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۹ء)

(۱۵) مولود منظوم، سیف اللہ المسلول کے فارسی اور اردو نعتیہ و منقبتیہ کلام کا انتخاب: (مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۹ء)

تسہیل و تخریج:

(۱۶) فوز المؤمنین بشفاعۃ الشافعین (عقیدۂ شفاعت): سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (مطبوعہ جنوری ۲۰۰۸ء)

(۱۷) طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول): مولانا انوار الحق عثمانی (مطبوعہ جنوری ۲۰۰۸ء)

(۱۸) فصل الخطاب: سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول (مطبوعہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

ان کے علاوہ تقریباً ۵۰/ کتابیں شیخ صاحب نے اپنے تلامذہ سے ترجمہ، تخریج و تسہیل کروا کے شائع کیں-

شیخ صاحب کی علمی خدمات میں ایک بہت اہم اور تاریخی تحریر قصیدتان رائعتان (مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی ۲۰۱۳ء) کا مقدمہ ہے- اس کو دیکھ کر ہر صاحب علم و نظر شیخ صاحب کی وسعت علمی، دقت نظر اور تحقیقی اسلوب کا قائل ہوگا-

تصنیفی خدمات: آپ نے ایک درجن سے زائد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور آپ کا قلم ہر کتاب پر داد تحقیق دیتا ہوا اپنی منزل کی طرف گامزن رہا- جس تیزی سے آپ کا قلم چل رہا تھا ایسا لگتا تھا کہ اگر شیخ صاحب دس سال اور رہ جاتے تو تقریباً ۵۰/ علمی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف ہوتے- یاد رہے کہ شیخ صاحب اپنی کتابوں کے علاوہ اکابر خانوادۂ قادریہ کی ۸۰/ سے زائد کتابیں شائع کر چکے ہیں جن کی تسہیل، تخریج، ترجمہ، مقدمہ، حاشیہ، ترتیب شیخ صاحب کے قلم کی احسان مند ہے- شیخ صاحب کبھی کبھی فرماتے تھے کہ ''ابھی تو میں اپنے اکابر کا قرض اتار رہا ہوں- ابھی میں نے لکھنا شروع نہیں کیا'' اس کے باوجود ان کی نوک خامہ سے درج ذیل کتابیں منصۂ شہود پر آ کر ارباب علم و دانش سے داد تحسین و آفریں حاصل کر چکی ہیں-

(۱) حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعے کی روشنی میں: (طبع اول نومبر ۲۰۰۸ء/ طبع ثانی مئی ۲۰۰۹ء)

(۲) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: (طبع اول جنوری ۲۰۰۸ء/ طبع ثانی مئی ۲۰۰۹ء)

(۳) احادیث قدسیہ: (طبع اول نومبر ۲۰۰۸ء/ طبع ثانی مئی ۲۰۰۹ء)

(۴) قصیدۂ فرزدق تمیمی ایک تحقیقی مطالعہ: (مطبوعہ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

(۵) تذکرۂ شمس مارہرہ: (مطبوعہ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

(۶) خیر آبادیات: (مطبوعہ ۲۰۱۱ء)

(۷) عربی محاورات: (طبع اول ۲۰۱۱ء/ طبع ثانی ۲۰۱۲ء)

(۸) اسلام، جہاد اور دہشت گردی

(۹) اسلام اور خدمت خلق
(۱۰) اسلام ایک تعارف: انگلش، اردو، مراٹھی
(۱۱) خامہ تلاشی
(۱۲) وارثین انبیا: غیر مطبوعہ
(۱۳) افہام وتفہیم: غیر مطبوعہ

اشاعتی خدمات: حضرت اقدس صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف نے ۱۹۸۳ء میں خانقاہ قادریہ کا اشاعتی ادارہ ''مظہر حق'' قائم کیا- ۱۹۹۱ء میں اسی ادارے کا نام بدل کر'' تاج الفحول اکیڈمی'' کردیا گیا- اس وقت سے آج تک یہ ادارہ نشر واشاعت کے ذریعے دینی خدمات انجام دے رہاہے-

شیخ صاحب نے اس ادارے کے زیر اہتمام ایک ماہانہ رسالہ ''مظہر حق'' کے نام سے جاری کیا- یہ ماہنامہ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۵ء تک شائع ہوتا رہا- اس کے علاوہ بہت ساری کتب اس ادارے سے شائع ہوتی رہیں جن میں یہ چند کتابیں قابل ذکر ہیں:

(۱) محبت، برکت اور زیارت:
حضرت اقدس الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری بدایونی
(۲) آئینہ مقالات:
مرتبہ ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی (مطبوعہ ۱۹۹۸ء)
(۳) اکابر بدایوں: مولانا احمد حسین قادری گنوری
(۴) تاج الفحول حیات وخدمات: مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی
(۵) دیوان تاج الفحول: تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی
(۶) معراج تخیل مجموعہ نعت ومنقبت:
حضرت اقدس الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری بدایونی
(۷) اختلاف علی ومعاویہ:
تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی

شیخ صاحب نے مصر سے واپس آنے کے بعد پہلی کتاب ''احقاق حق'' (تصنیف سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی) کو ترجمہ، تخریج، تحقیق کے ساتھ جنوری ۲۰۰۷ء میں شائع کیا- پھر تو ایسا لگنے لگا کہ مدرسہ قادریہ میں کتابوں کی بارش ہونے لگی اور نومبر ۲۰۱۳ء تک ۱۰۷ رکتابیں شائع ہوگئیں-

کتب خانہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ: خانوادۂ عثمانیہ کی تاریخ ہندوستان میں تقریباً آٹھ سو سال پرانی ہے اور اس خانوادے کو آج خانوادۂ قادریہ بدایوں کے نام سے جانا جاتا ہے- غرض کہ جتنی پرانی تاریخ مدرسہ قادریہ کی ہے اتنی ہی کتب خانۂ قادریہ کی- یہ کتب خانہ اپنے مخطوطات کی تعداد کے اعتبار سے بہت قیمتی ہے- قادری فقیروں کا یہ کتب خانہ مخطوطات کے اعتبار سے کسی نواب یا کسی بادشاہ کے کتب خانے سے کم نہیں- ۱۹۳۶ء میں جب عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی قدس سرہ ریاست حیدر آباد میں مفتیٔ اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے تو آپ کی غیر موجودگی میں کتب خانۂ قادری کی دیکھ بھال نہ ہوسکی- سقوط حیدر آباد کے بعد جب آپ بدایوں واپس تشریف لائے اور کتب خانے کی حالت دیکھی تو آپ کو بہت گہرا صدمہ پہنچا- نہ ہی فہرست کا پتہ تھا اور نہ ہی کتابیں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں اور نادر ونایاب کتابوں کا کافی ذخیرہ کتب خانے کی الماری سے نکل کر گردش ایام کے حوالے ہوگیا تھا- آپ کے وصال فرمانے کے بعد آپ کے جانشین ووارث حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری بدایونی مدظلہ العالی نے کتابوں کی فہرست مرتب کی جو آج بھی موجود ہے- تنہائی اور عظیم ذمہ داری نے اس سے زیادہ کی مہلت نہ دی-

۱۹۹۵ء میں شیخ صاحب فیض آباد سے بدایوں تشریف لائے ہوئے تھے- اسی دوران پہلی بار آپ نے ارادہ کیا کہ کتب خانے کی حالت کو سدھارا جائے- یہیں سے کتب خانے کی صفائی، ستھرائی اور بوسیدہ کتابوں کی جلد سازی کا کام شروع ہوا- چھٹی ختم ہوئی اور شیخ صاحب کتابوں کی کسی حد تک مرہم پٹی کر کے واپس فیض آباد چلے گئے- ۲۰۰۴ء میں قاہرہ سے واپسی کے بعد کتب خانے کا کام پھر سے شروع ہوا- نئی کتابوں کے نمبر ترتیب دیے گئے اور جن پرانی کتابوں کی جلد خراب ہوگئی تھی ان کو دوبارہ جلد سازی کے لیے نکالا گیا- شیخ صاحب کتابوں کے معاملے میں بہت محتاط ہوگئے تھے- اس لیے جلد ساز کو مدرسے میں بلا کر اپنے سامنے جلد سازی کراتے تھے- کتب خانے کا کام جنگی پیمانے پر ہو رہا تھا اور ہر معاملے میں حضرت اقدس کی سرپرستی اور توجہ حاصل تھی- اس لیے کسی کام میں دشواری نہیں آئی- ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۷ء میں دن رات کی محنت نے کتب خانے کو پھر سے زندہ کردیا-

اب وہ وقت آگیا تھا کہ کتب خانۂ قادری بدایوں شریف اپنی تمام تر علمی وراثتوں کے ساتھ محققین کو دعوت مطالعہ دے- ۲۴ر اکتوبر بروز بدھ ۲۰۰۷ء بعد مغرب حضرت اقدس کے دست حق پرست سے کتب خانۂ قادری کا افتتاح ہوا-

کتب خانے کی نشاۃ ثانیہ میں شیخ صاحب کے رفقائے کار:

(۱) مولانا ارشاد قادری (مرحوم)
(۲) جناب سید اکرام احمد رزاقی (اورنگ آباد، مہاراشٹر)
(۳) برادر عزیز مولانا فضل رسول محمد عزام قادری
(۴) مولانا دلشاد احمد قادری
(۵) مولانا خالد قادری مجیدی
(۶) مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی
(۷) حافظ گلزار خاں قادری
(۸) حافظ مبین قادری
(۹) جناب محمد تنویر خاں قادری
(۱۰) حافظ محمد عالم خاں قادری
(۱۱) مولانا اقبال قادری
(۱۲) محمد اشفاق حمیدی
(۱۳) جناب تسنیم حسن قادری
(۱۴) عفان حق قادری
(۱۵) انیس قادری (کارپینٹر)
(۱۶) لالو (جلد ساز)
(۱۷) راقم الحروف عطیف قادری

کتب خانہ مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں کی نشاۃ ثانیہ:

مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد بدایونی (متوفی: ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) کے عظیم کارناموں میں سے ایک مدرسہ شمس العلوم، گھنٹہ گھر، بدایوں کی عظیم الشان عمارت بھی ہے- واضح رہے کہ مدرسہ شمس العلوم مولانا عبدالماجد بدایونی کے والد مولانا حکیم شہید عبدالقیوم قادری (ف: ۱۳۱۸ھ) نے صفر ۱۳۱۷ھ میں حضرت تاج الفحول کی اجازت سے جامع مسجد شمسی بدایوں میں قائم کیا تھا- اس کے بعد مولانا عبدالماجد نے اپنے استاذ اور پیر ومرشد کی اجازت سے یہ عمارت تعمیر کرائی-

اس عمارت میں مولانا بدایونی نے ۱۹۱۹ء میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں ہزاروں کتابیں موجود تھیں اور کتابوں کو رکھنے کا انتظام بہت سلیقے سے کیا گیا تھا، مگر وقت اور حالات بدلتے رہے اور کتب خانہ مدرسہ شمس العلوم بدایوں بھی تقریباً قصۂ پارینہ ہوگیا-

شیخ صاحب کتب خانہ قادریہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے ارادہ کیا کہ مدرسہ شمس العلوم کے کتب خانے کی زیارت کرلی جائے- وہاں جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ موجودہ حالت کے ساتھ اس کتب خانے کی صرف زیارت ہی ممکن ہے، وہ بھی دور سے- اسی وقت آپ نے فیصلہ کیا کہ اب اس کتب خانے کو بھی اپنے خلوص ومحبت سے حصہ عطا کیا جائے-

وہاں سے مدرسہ قادریہ بدایوں واپس آئے اور حضرت اقدس سے اجازت چاہی- چوں کہ یہ ادارہ بھی حضرت کی سرپرستی میں ہے، اجازت فوراً مل گئی اور اگلے ہی دن سے کتب خانہ مدرسہ شمس العلوم میں شیخ صاحب کی مسند سج گئی اور انہوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ روز وشب ایک کردیے- عمارت کی مرمت ہونے لگی، رنگ وروغن کا کام تیز ہوا، کتب خانہ اور دارالمطالعہ کا فرنیچر بننے لگا اور شیخ صاحب کتابوں کی فہرست ونمبرات کو ترتیب دینے میں مصروف ہوگئے- بوسیدہ کتابوں کی جلد سازی ہوئی اور یہاں بھی شیخ صاحب کی نفاست پسندی اور سلیقہ مندی کے آثار نمایاں ہونے لگے- آپ نے فرمایا کہ اس کتب خانے سے بہت سی نادر کتابیں غائب ہیں-

کتب خانے کی الماریوں کی مرمت ہوئی اور کتابوں کو اس میں خوب صورتی سے سجایا گیا- بہت سی کتابیں شیخ صاحب نے اپنے پاس سے اس کتب خانے کو نذر کیں اور انگریزی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ جناب فرخ نعیم قادری نے ابوظبی سے بھیجا جس کو ان کے دادا ''مولوی فضل حق'' کے نام سے سیکشن بنا کر اس میں رکھا گیا اور بہت سی کتابیں عارف پرویز قادری بدایونی (جو حضرت اقدس سے نسبت ارادت بھی رکھتے ہیں اور شاعر بھی ہیں) نے پیش کیں- کتابوں کا ایک قیمتی ذخیرہ ڈاکٹر صداقت اللہ خاں بدایونی (مرحوم) نے نذر کیا- (ڈاکٹر صاحب بھی خانقاہ قادریہ کے پرانے وابستگان میں تھے-)

یہ کتب خانہ چوں کہ شہر کے وسط میں قائم ہے، اس لیے شیخ صاحب نے چاہا کہ اس کو پبلک لائبریری بنایا جائے- حضرت اقدس

سے اجازت حاصل کی اور اس کتب خانے کے لیے بہت سے اخبارات وجرائد (اردو، ہندی، انگریزی) جاری کروائے- حضرت اقدس نے کتب خانے کا نام ''مولانا عبدالماجد پبلک لائبریری'' تجویز فرمایا- اس لائبریری میں جدید تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ایک دارالمطالعہ قائم کیا، جس کا نام ''فریدی دارالمطالعہ'' رکھا گیا- لائبریرین کے فرائض جناب محمد تنویر خاں قادری کے سپرد کیے-

۴رشعبان ۱۴۲۹ھ/ ۷راگست ۲۰۰۸ء کو مولانا عبدالماجد بدایونی کے ۱۲۵ویں یوم ولادت کے موقع پر حضرت اقدس حضور صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ کے مبارک ہاتھوں سے اس کتب خانے کا افتتاح عمل میں آیا- اس موقع پر پروفیسر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان)، مولانا خوشتر نورانی، مولانا ذیشان احمد مصباحی اور مولانا سجاد مصباحی موجود تھے-

علمی دورے: شیخ صاحب کی مصروف زندگی پر اگر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے خود کو علم کے حصول اور علم کی خدمت کے لیے کس طرح وقف کر رکھا تھا- مدرسہ قادریہ میں درس دینا اور اکابر کی کتابوں کو تخریج وتحقیق وغیرہ کے ساتھ شائع کرنے کے علاوہ آپ کا ذوق مطالعہ اور جستجوئے علم کہاں کہاں لیے پھرتی رہی، یہاں ہم شیخ صاحب کے علمی دوروں کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے:

(۱) کتب خانوں اور لائبریریز کے سفر

(۲) سیمینار اور سمپوزیم میں شرکت کی غرض سے یا مدارس اسلامیہ میں ممتحن کی حیثیت سے یا کسی خاص عنوان پر علمی لیکچر کی غرض سے یا تعلیمی انعامی مقابلوں میں فیصل کی حیثیت سے آپ کے دورے-

استاذ محترم امام علم وفن فرماتے تھے کہ ''کتاب پڑھنے کا شوق الگ ہے اور کتاب ڈھونڈنے کا شوق الگ'' اور ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ صاحب میں یہ دونوں شوق بدرجۂ اتم موجود تھے- شیخ صاحب کو پڑھنے کا شوق بھی تھا اور عادت بھی تھی- شیخ صاحب اکثر فرماتے تھے کہ ''میرے لیے سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ دو دن مجھے کچھ پڑھنے کے لیے نہ دیا جائے-'' اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ اپنی دلچسپی کے مطابق کسی خاص موضوع پر ہی مطالعہ کرتے ہیں، مثلاً کسی کو سنجیدہ ادب پسند ہے تو کسی کو مزاحیہ، کسی کو تاریخ کے مطالعے سے دلچسپی ہے تو کسی کو جغرافیائی مطالعے سے شغف ہے اور اگر مطالعہ کا دائرہ اسلامی لٹریچر پر محیط ہو تو کسی کو علم حدیث میں مہارت ہوتی ہے تو کوئی علوم قرآن کے مطالعے سے اپنی آخرت سنوارتا ہے-

مگر شیخ صاحب کا حال ذرا مختلف ہے- شیخ صاحب کو علم حدیث میں نظر رکھنے والے اس میدان میں وسیع المطالعہ سمجھتے ہیں تو علوم قرآن سے دلچسپی رکھنے والے ان کو اس میدان کا مرد مجاہد جانتے ہیں- ہمیں یہاں بات کو زیادہ طول نہیں دینا ہے اس لیے صرف اتنا عرض کر کے گزر جائیں گے کہ موضوعات کے تنوع کا اندازہ ''خامہ تلاشی'' پڑھ کر لگایا جا سکتا ہے- ہمیں یاد پڑتا ہے کہ شیخ صاحب نے خود اپنے قلم سے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ''پڑھنے کے معاملے میں ہمارا معدہ بہت مضبوط واقع ہوا ہے- تفسیر کشاف اور صحیح ابن حبان سے منفلوطی کی عبرات ونظرات تک اور محمد حسین آزاد کی آب حیات سے لے کر قرۃ العین حیدر کی گردش رنگ چمن تک ہم ہر قسم کا مواد ہضم کر سکتے ہیں-''

قصہ مختصر شیخ صاحب کو پڑھنے اور کتاب ڈھونڈنے کا شوق بہت سے کتب خانوں کی سیر کرالایا- جن کتب خانوں اور لائبریریوں میں شیخ صاحب کتابوں کی تلاش میں گئے ان میں سے بعض کتب خانوں کے نام ہم یہاں تحریر کر رہے ہیں:

(۱) کتب خانہ مدرسہ اعجاز العلوم: کھیتہ سرائے، جونپور ۱۹۹۶ء
ہمراہ مولانا ذاکر ومولانا محبوب

(۲) شبلی نعمانی لائبریری: ندوۃ العلما، لکھنؤ، ۱۹۹۶ء
ہمراہ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین ومفتی عبدالحکیم نوری مصباحی

(۳) خدابخش لائبریری: پٹنہ، ۱۹۹۷ء

(۴) لائبریری لکھنؤ یونیورسٹی: لکھنؤ، ۱۹۹۶ء
ہمراہ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین ومفتی عبدالحکیم نوری مصباحی

(۵) مولانا آزاد لائبریری: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۹۸ء
ہمراہ ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی

(۶) دارالمصنفین: اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۷) مختار اشرف لائبریری: کچھوچھہ شریف، ۲۰۰۷ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۸) لائبریری آستانہ صمدیہ: پھپھوند شریف ضلع اوریہ، ۲۰۰۸ء

(۹) کتب خانہ خانقاہ حافظیہ: خیرآباد شریف ضلع سیتاپور، ۲۰۱۰ء

(۱۰) لائبریری المجلس العلمی: کراچی، پاکستان، ۲۰۱۰ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۱۱) بیدل لائبریری: کراچی، پاکستان، ۲۰۱۰ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۱۲) رضا لائبریری: رام پور، ۲۰۱۱ء/ ہمراہ تسنیم حسن قادری

(۱۳) لائبریری عثمانیہ یونیورسٹی: حیدرآباد، ۲۰۱۱ء

(۱۴) کتب خانہ فرنگی محل: لکھنؤ، ۲۰۱۱ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۱۵) شبلی نعمانی لائبریری: ندوۃ العلما لکھنؤ، ۲۰۱۱ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۱۶) دہلی پبلک لائبریری: ۲۰۱۱ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۱۷) نیشنل آرکائیوز آف انڈیا: ۲۰۱۱ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۱۸) کتب خانہ جامعہ نظامیہ: حیدرآباد، ۲۰۱۱ء

(۱۹) مولانا آزاد عربی فارسی لائبریری: ٹونک راجستھان، ۲۰۱۲ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی ومولانا سجاد عالم مصباحی

(۲۰) کتب خانہ مسجد نبوی: مدینہ منورہ، سعودی عرب/ ۲۰۱۲ء

(۲۱) اسٹیٹ سینٹرل لائبریری: ممبئی، ۲۰۱۳ء
ہمراہ جناب اسحاق پٹنی

(۲۲) کریمی لائبریری: ممبئی، ۲۰۱۳ء
ہمراہ جناب اسحاق پٹنی

(۲۳) The K.R. Cama Oriental Institute Library, Mumbai دسمبر ۲۰۱۳ء

(۲۴) لائبریری جامعہ ہمدرد: دہلی، ۲۰۱۴ء
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۲۵) کتب خانہ قادری: درگاہ غوث اعظم بغداد شریف، ۲ر مارچ ۲۰۱۴ء (یہ آخری کتب خانہ ہے جس میں شیخ صاحب اپنی شہادت سے دو دن پہلے حاضر ہوئے تھے-)

شیخ صاحب کے دوروں کی دوسری قسم ذرا تفصیل طلب ہے- شیخ صاحب کا رجحان عوامی جلسوں سے زیادہ علمی نوعیت کے پروگراموں کی طرف تھا، اسی وجہ سے آپ عوامی جلسوں میں کم دیکھے گئے- وابستگان سلسلہ کے بے حد اصرار پر کبھی کبھی جلسوں میں شریک ہوتے اور اکثر جلسوں میں راقم الحروف کو روانہ فرماتے اور یہ کہتے ''میں عطیف صاحب کے حق میں دستبردار ہو گیا ہوں-''

شیخ صاحب جن پروگراموں میں تشریف لے جاتے وہ یا تو کسی سیمینار یا سمپوزیم کی شکل میں ہوتے یا خالص علمی وتحقیقی لیکچرز کی شکل میں جن میں سوالات کرنے کی عام اجازت ہوتی یا پھر مدارس اسلامیہ کے سالانہ امتحان کے موقع پر ان کو یاد کیا جاتا یا تعلیمی مقابلوں میں حکم کی حیثیت سے ان کی کے شرکت ہوتی-

تربیتی خدمات: کسی مفکر نے کہا ہے کہ ''بغیر تربیت کے تعلیم حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ انسان تعلیم نہ حاصل کرے-'' یہ قول کتنا سچا ہے یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے مگر تربیت کی اہمیت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا-

شیخ صاحب کی شخصیت تعلیم وتربیت کی جامع تھی- اس لیے آپ تعلیم کے ساتھ تربیت کی اہمیت وضرورت سے اچھی طرح واقف تھے- اس لیے آپ نے ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام ''الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز'' رکھا- اسی ادارے کے زیر اہتمام آستانۂ عالیہ قادریہ بدایوں شریف میں مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے لیے تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا، جس میں طلبہ کو دور حاضر کے چیلنجز اور تقاضوں سے واقف کرایا گیا اور مختلف عنوانات پر لیکچرز دیے گئے- یہ ورک شاپ ۱۸رتا ۲۹رجنوری ۲۰۰۶ء تک رہی- ۱۲ردن کے اس ورکشاپ میں ۵۰رسے زائد مدارس اسلامیہ کے طلبہ شریک ہوئے- یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ان ۱۲ردنوں میں قیام وطعام کا جو انتظام کیا گیا وہ مہمان نوازی اور سخاوت عثمانی کے حسین امتزاج پر مبنی تھا- اس ورک شاپ میں مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا خوشتر نورانی، مولانا نعمان ازہری اور مولانا سجاد مصباحی نے لیکچرز دیے، جبکہ مولانا منظر الاسلام ازہری نے امریکہ سے بذریعہ فون لیکچر دیا اور تقابل ادیان پر مولانا محمد احمد نعیمی نے لیکچر دیا- اس ورک شاپ میں مختلف اقسام کے علمی مقابلے بھی

ہوئے اور انعامات دیے گئے، طلبہ کو آمد و رفت کا کرایہ بھی پیش کیا گیا-

دوسری مرتبہ ۸/تا ۱۱/فروری ۲۰۰۷ء میں تعلیمی و تربیتی ورکشاپ کا انعقاد بعنوان ''مقابلہ علوم حدیث'' کیا گیا- اس مقابلے کے لیے شیخ صاحب نے علوم حدیث کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی تھی اور مدارس اسلامیہ میں یہ کتاب مقابلے سے دو ماہ قبل بھیجی گئی تا کہ طلبہ اچھی تیاری کے ساتھ شریک مقابلہ ہوں-

۱۱/فروری ۲۰۰۷ء کو تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں مارہروی تشریف لائے اور آپ کے مبارک ہاتھوں سے انعامات تقسیم ہوئے-

اسی طرح اسکول و کالج کے طلبہ کے لیے تعلیمی و تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا- اسکول و کالج کے طلبہ کی علم دین سے ناواقفیت کو دیکھتے ہوئے شیخ صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت کا ارادہ فرمایا- پہلا ورکشاپ ۸/مئی تا ۲۲/جون ۲۰۰۵ء تک رہا اور یہ شمالی ہندوستان میں اہل سنت و جماعت کا منفرد ورکشاپ تھا- اس ورکشاپ میں طلبہ کو بنیادی مسائل مثلاً نماز، روزہ، حج و زکوۃ سے آگاہ کیا گیا- اس کے ساتھ ''توحید و شرک''، ''عقیدۂ ختم نبوت'' اور ''نکاح و طلاق'' کے عنوانات پر شیخ صاحب نے لیکچر دیے- اس ورکشاپ کے لیے انھوں نے نصاب ترتیب دیا اور اساتذہ مقرر کیے اور طلبہ کے لیے تعلیمی مقابلوں کا اہتمام کیا-

۲۴/تا ۳۰/جون ۲۰۰۵ء ''فہم اسلام ہفتہ'' کے عنوان سے ایک ہفتہ مختلف عنوانات پر مختلف لیکچرز کا اہتمام کیا گیا جس میں دور حاضر کے عظیم محقق ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی نے ''اسلام اور جہاد'' کے عنوان پر بھرپور لیکچر دیا- اسی طرح ہر سال گرمیوں کی تعطیل میں اسکول و کالج کے طلبہ کے لیے تعلیمی و تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا جاتا رہا-

خدمت خلق: شیخ صاحب نے تدریس و تصنیف، تقویٰ و طہارت کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کو بھی بڑی سنجیدگی سے لیا اور اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے- شیخ صاحب نے ہزاروں غریب مریضوں کا علاج کرایا- خدمت خلق کے حوالے سے شیخ صاحب کی خدمات کی چند جھلکیاں اس طرح ہیں:

پانی کی سبیلیں: شیخ صاحب شدید گرمی کے موسم میں ہر سال ٹھنڈے پانی کی سبیلوں کا انتظام شہر کے مختلف حصوں میں کیا کرتے تھے- خاص طور سے ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ اور درگاہوں پر مدرسہ قادریہ کے طلبہ کو بھیجا کرتے تھے- ٹھنڈے پانی کے ساتھ ہر آدمی کو اسلام کے تعارف پر مشتمل ہندی زبان میں ایک فولڈر بھی دیا جاتا تھا- خدمت خلق کے ذریعے تبلیغ اسلام کا یہ طریقہ خانقاہوں کی پرانی روایت ہے-

مفت تعلیم: شیخ صاحب چوں کہ خود تعلیم یافتہ تھے، اس لیے تعلیم کی اہمیت سے واقف تھے- آپ بہت سے نادار طلبہ کی کفالت فرماتے اور ان کی فیس ادا کرتے تھے- ملک اور بیرون ملک کے بہت سے طلبہ شیخ صاحب کی اس صفت کو اچھی طرح جانتے ہیں- یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ طلبہ کون ہیں اور کتنے ہیں- بعض کو ہم بھی جانتے ہیں، مگر ان کی تاکید کہ ''راز کو راز ہی رہنے دو'' پر عمل کرتے ہوئے خاموش ہیں-

شاعری: شیخ صاحب نے شاعری کم کی، مگر بے مثال کی- فن شاعری پر آپ کی بہت گہری نظر تھی، جس کا ثبوت قصیدتان رائعتان کا تحقیقی مقدمہ ہے- شیخ صاحب کو اردو، عربی اور فارسی کے ہزاروں اشعار یاد تھے جس کا اظہار گفتگو اور تحریر میں جا بجا ہوتا تھا-

شیخ صاحب کا تعلق جس خانوادے سے ہے، اس میں بہت سے قادر الکلام شاعر گزرے ہیں- آپ کے والد، تایا اور آپ کے دادا پردادا اور پردادا کے والد تمام کے تمام نہ صرف شاعر بلکہ شاعر گر رہے ہیں- ایسے ماحول میں شیخ صاحب کا شعر کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں-

شیخ صاحب کی شاعری پر تبصرہ تو کوئی ژرف نگاہ ناقد ہی کر سکتا ہے، مگر ہم یہاں اتنا عرض کریں گے کہ آپ اپنے پردادا تاج الفحول کے اس شعر کے ذریعے اپنی شاعری پر خود تبصرہ فرماتے تھے:

ان کی مدحت سے غرض ہے شعرا کچھ بھی کہیں

وفات: ۲۵/فروری ۲۰۱۴ء کو زیارت کی غرض سے آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ، جس میں راقم بھی شریک تھا، بغداد معلیٰ گئے، وہاں ایک دہشت گردانہ حملے کی زد میں آ گئے اور ۴/مارچ ۲۰۱۴ء/۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ کو عراقی وقت کے حساب سے دوپہر کے دو بج کر تیس منٹ پر آپ شہید ہو گئے اور ۶/مارچ ۲۰۱۴ء کو بعد نماز عصر حضرت اقدس حضور صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور غوث اعظم کی درگاہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی- □□□

☆ خانقاہ عالیہ قادریہ، مولوی محلہ، بدایوں شریف (یوپی)

کچھ یادیں کچھ باتیں

ہماری صف سے ایک ایسا سپاہی چلا گیا جو اس جماعت کے دفاع کے لیے دامے درمے قدمے قلمے سخنے تیار رہتا تھا

تقریباً بیس پچیس برس پیچھے ماضی میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک یادداشت کے منظر نامے پر بدایوں شریف کا جلوس محمدی ﷺ طلوع ہوا- حضرت صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے زیر قیادت جلوس محو خرام ہے- صف قیادت میں کالی ٹوپی اور کالی شیروانی پہنے ایک صاحب زادے ہاتھوں میں پھول لیے مسکراتے ہوئے بے تکان متانت کے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ کی محبت میں سرشار آگے آگے چل رہے ہیں، لوگ ان کو دیکھ رہے ہیں اور خاص بدایونی انداز میں تعریفیں کر کر کے نظریں لگا رہے ہیں بس، یہیں سے وہ منظر تبدیل ہونے لگے، بیس پچیس سال پہلے کے وہ وجیہ صاحبزادے ایک عالم ربانی، ایک صاحب طرز ادیب، قادر الکلام شاعر، ایک مہذب خامہ تلاش، حنفی مسلک، صوفی مشرب تشخص کا غماز اپنے علم اور کردار کی تابانیاں بکھیرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں- ''کم وقت اور کام زیادہ'' کا ہمہ وقت اعتراف کرنے والی وہ شخصیت کم وقت میں زیادہ کام کر کے صرف ۳۸/سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئی، جس کو کوئی اسید الحق پکارتا تھا، کوئی عاصم میاں صاحب، کسی کے وہ شیخ صاحب تھے اور کسی کے چہیتے ''بھیا''-

وے صورتیں الٰہی کسی دیس بستیاں ہیں:

میں ان کی یادوں اور باتوں کو صفحۂ قرطاس پہ لانے کے لیے ان کی حیات کے آئینے میں ان کو تلاش کرتا ہوں تو سب سے پہلے مجھے ایک باوقار اور سنجیدہ وجود میں نہایت ہی حسین و جمیل، پرنور چہرہ نظر آتا ہے جو خوبصورت بھی لگتا تھا اور متبرک بھی- سیاہ ریش اس چہرے پر ایسی محسوس ہوتی تھی گویا رب کائنات نے اس چہرے کی بناوٹ کے مطابق ہی یہ خوبصورت داڑھی ودیعت فرمائی ہو، کشادہ پیشانی سے ان کی خاندانی شرافت اور اعلیٰ نسبی منعکس ہوتی تھی- آنکھیں ایسی کہ عرفان صدیقی کا شعر یاد آ گیا ؎

اک نظر دیکھ کے دنیا تہ و بالا کر دے
ایسی آنکھوں کو تو بیمار نہیں مانتا میں

وہ اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے کافی کچھ کہہ دینے کے ساتھ ساتھ پچھلوں کا پتہ اور اگلوں کا سراغ بھی دے دیا کرتے تھے-

مسکرانا ان کی فطرت میں تھا، ان کو اس کام میں مشقت نہیں کرنا پڑتی تھی، وہ اگر خاموش بھی ہوتے تھے تو لگتا تھا کہ مسکرانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور یہ مخبری اکثر ان کے خوبصورت دہانے سے مل ہی جایا کرتی تھی-

وہ کم گو تھے لیکن بولنے کے لیے لفظوں کا خزانہ ہر وقت تیار رکھتے تھے، ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ یہ جانتے تھے کہ کیا نہیں بولنا ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ جس سے بولنا ہے اس سے کیا نہیں چھوڑنا ہے- عام لوگوں سے گفتگو بہت سادہ اور ان کے فہم کے مطابق کرتے، میں نے انہیں بارہا دیکھا وہ بہت ہی سنبھل کر سلیقے کے ساتھ گفتگو کرتے گویا کہ کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں- ان کے حلقے میں چند ہی ایسے افراد تھے جن سے وہ کھل کر گفتگو کرتے تھے اور خوب گفتگو کرتے تھے- لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک خوبی اور بھی تھی کہ وہ بے تکلف حضرات سے بھی گفتگو کرنے میں اپنے ان خطوط سے کبھی تجاوز نہیں کرتے تھے جو انہوں نے اپنی شخصیت کے تحفظ کے لیے متعین کیے تھے-

اسید میاں بہت نپے تلے قدموں سے چلا کرتے تھے- نگاہیں نیچی کیے نہ بہت دھیمے نہ بہت تیز بلکہ بے حد متوازن اور باوقار طریقے سے محو خرام ہوتے- شیخ صاحب اگر تنہا بھی چل رہے ہوتے تو بھی یہ لگتا تھا کہ ساتھ ساتھ کوئی وفد چل رہا ہو- یقیناً وہاں ایک وفد ہی ساتھ ہوتا تھا، جس میں اتحاد ملت کا درد، جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی کی فکر،

اپنے خاندانی ورثے کی حفاظت کا ذمہ، سواد اعظم کے لیے معیاری تحریری مواد فراہم کرنے کی سوچ، اپنے تلامذہ کی شخصیت سازی کا خیال اور سلسلہ قادریہ کی ترویج واشاعت کا عزم، یہ سب بیک وقت ان کے ساتھ ساتھ ہی تو رہا کرتے تھے-

وہ پہننے اوڑھنے کے معاملے میں بے حد نستعلیق تھے- ان کی پوشاک ان کے کردار ہی کی طرح صاف شفاف ہوا کرتی تھیں- ہم نے انہیں کبھی رنگین کپڑوں میں نہ دیکھا- علی گڑھ کٹ پائجامہ، بنا گلے کا کرتہ، مل مل کی دو پلی ٹوپی اور خاص خاص موقعوں پر شیروانی اور جناح کیپ- اپنے یہاں کے اعراس کے موقعوں پر جبہ اور عمامہ، غرض کہ پہننے اوڑھنے میں بھی اپنا ایک نظم برقرار رکھا تھا-

محفل کے آداب سے نہ صرف خاطر خواہ آگاہی تھی، بلکہ اپنے طرز عمل سے دوسروں کو بھی اس ادب کو ملحوظ خاطر کرنے کے لیے مائل کرلیا کرتے تھے- میں نے ان کو دسترخوان پر بھی بے حد سلیقہ شعار اور محتاط پایا، ان کی خوراک ایسی ہی تھی جیسی بزرگوں سے ان کی کتابوں میں منقول ہوا کرتی ہے-

ان کے اندر ایک اور چیز بہت نمایاں تھی، جس نے ان کو نہ صرف ان کے حلقے میں بلکہ تمام زمانے میں ممتاز کیا، معروف کیا اور چاہتوں کا مرکز بنایا اور وہ تھا ان کا ادب، شائستگی، انکساری اور خوش اخلاقی- وہ ادب کرنا اور کرانا دونوں جانتے تھے، میں نے کبھی ان کو غصے کی حالت میں بھی ادب کے دائرے سے باہر ہوتے نہیں دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسا لفظ سنا جو ایک عالم دین کی شان کے خلاف ہو- وہ اپنے ہم عمر ساتھیوں، دوستوں، معاصر نوجوان علمائے کرام، بزرگ مفتیان عظام اور مشائخ کرام وغیرہم سے حسب مراتب پیش آتے-

میرا اسید میاں سے بالمشافہ ملاقاتوں کا اور ٹیلی فون کے ذریعے باتوں کا ایک گہرا سلسلہ تھا اور پچھلے دو ایک سالوں میں تو شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو کہ ہم لوگوں نے آپس میں باتیں نہ کی ہوں- ہر قسم کی گفتگو مذہبی، علمی، سماجی اور خانقاہی بھی، لیکن وہ بات چیت میں ہمیشہ ایک معیار قائم رکھا کرتے تھے- کبھی اگر یہ محسوس کرتے کہ یہ بات کہیں کچھ زیادہ ہوگئی تو اگلے فون پر پچھلی بات کا تذکرہ کر کے یہ معلوم کر لیتے کہ وہ بات ناگوار تو نہیں گزری، نفی میں جواب ملنے پر تسلی کا اظہار کرتے،

میں نے ان میں ایک بہت امتیازی وصف پایا کہ وہ بہت صابر و شاکر قسم کے شخص تھے، اگر کسی نے بہت زیادہ تعریف کی تب بھی بہت زیادہ مسرت کا اظہار نہیں کرتے، بس ایک جواب کہ ”ارے صاحب نوازش“ اور وہ بات آگے بڑھا دیا کرتے تھے- اگر کسی نے کوئی دل آزاری کی بات کی تب رنجیدہ تو ہوتے لیکن اس کا اظہار اس طرح سے نہیں کرتے تھے جیسا کہ عام لوگ غصے اور بدلے کی حالت میں بدزبانی کر کے کیا کرتے ہیں- میں اکثر ان سے کہتا تھا کہ آپ کچھ معاملات میں پکے صوفی ہیں، تو جواباً ارشاد ہوتا کہ ”میں صوفی وغیرہ کچھ نہیں ہوں میں صرف قلم کا آدمی ہوں اور مجھے بہت سے چھوڑے ہوئے کام پورے کرنے ہیں-“ بارہا زور دے دے کر کہتے کہ ”ارے بھائی وقت کم اور کام زیادہ ہے-“

اسید میاں جتنے اپنے قلمی اور خانقاہی کاموں میں سنجیدہ اور مقصد اساس تھے، اتنے ہی اپنے ذاتی اور خانگی معاملات میں سنجیدہ بھی- وہ اپنے والد ماجد مدظلہٗ کی شفقتوں اور ان کی دی ہوئی تربیت کا ہمیشہ اعتراف کیا کرتے تھے- فرماتے تھے کہ ہم آج جو کچھ بھی ہیں وہ اپنے ابا کی خاص توجہ کی وجہ سے، انہوں نے ہمارے لیے بڑی قربانیاں دیں اور آج قلم پکڑنے کے قابل بنایا- جب ان کے والد ماجد ان کے کسی کام پر خوش ہو کر داد و تحسین دیتے تو بہت خوشی کے ساتھ فون کر کے بتایا کرتے تھے کہ ”ابا آج فلاں کام سے بہت خوش تھے، فلاں بات پہ آبدیدہ ہو گئے“ وہ کہتے تھے اگر ہمارے ابا ہماری کسی بات سے خوش ہو جاتے ہیں تو ہماری محنت وصول ہو جاتی ہے، وہ اپنے والد ماجد کے لیے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

بغداد شریف جانے کے موقع پر ممبئی سے ان کا فون آیا، کہنے لگے کہ ”بہت پریشان ہوں، ابا کو Spondylitis ہوگئی ہے، ڈاکٹر نے سفر سے منع کیا ہے، لیکن ان کا بہت دل ہے تو حاضری تو ہوگی مگر اب آئندہ خیال رکھیں گے کہ ان کو زیادہ سفر نہ کرائیں-“ اسی دوران ممبئی میں ”جشن قادری“ بھی تھا- مجھ سے فون پر بڑے رنجیدہ انداز میں کہنے لگے کہ ”آج قلب پر بہت بوجھ ہے کہ ابا نے جشن قادری کے بعد

مصافحات کے لیے لوگوں سے یہ کہہ دیا کہ اب آپ شیخ صاحب سے مصافحہ کیا کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مند اور سلامت رکھے، وہی مصافحہ کیا کریں اسی میں ہماری خوشیاں ہیں-“

اپنے بھائیوں کے تو وہ سردار تھے اور ان کی چاہتوں کے مرکز بھی- دونوں بھائی اپنے بڑے بھائی کو اپنا دوست، آئیڈیل اور ہیرو مانتے تھے- ان کے انتقال کے بعد عطیف اور عزام دونوں نے بارہا یہ کہا کہ ”ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ ہمارے بھیا تنے تنہا کتنی محنت کر کے سارے کام خوش اسلوبی سے کردیا کرتے تھے اور ہم لوگوں کو آزاد رکھتے- آج ان کے جانے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ہمیں تو انہوں نے جیسے پکنک منانے کے لیے چھوڑ دیا تھا- درس و تدریس، مدرسہ کا انتظام و انصرام، تعمیرات کے مراحل، کتابوں کی اشاعت، اعراس کے انعقاد، علما، مشائخ و دانشوران سے تعلقات کی از سر نو تشکیل جیسی ذمہ داریاں وہ کتنی خاموشی اور آسانی کے ساتھ نبھا دیا کرتے تھے-“

علم و اہل علم کی توقیر تھا شیوہ ترا:

ان کی علمی لیاقت پر میں بھلا کیا گفتگو کروں گا، نہ میں ان کے برابر پڑھا لکھا، نا ہی ایسا فکر و نظر کا دھنی- میں نے جتنا انہیں پڑھا، ذاتی طور پر سمجھا اور پڑھے لکھوں کے منہ سے ان کے بارے میں سنا اس سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہوں کہ انہوں نے اتنی کم عمری میں خالص اپنی محنت سے جتنا پڑھ لکھ لیا اور لوگوں کو پڑھنے لکھنے کی طرف راغب کردیا شاید ایسا کم ہی لوگوں کے حصہ میں آیا ہو اور خاص کر خانقاہی نظام سے متعلق افراد تو ابھی اس جانب توجہ کم ہی رکھتے ہیں (الا ماشاء اللہ)- میرے برادرِ عزیز سید محمد امان قادری نے ان (اسید میاں) کے انتقال پر مجھ سے ایک بے حد تجزیاتی جملہ کہا کہ ”احمد بھائی! اسید میاں تمام خانقاہوں کے ولی عہدوں کی آبرو اور پیرزادوں کے لیے نمونۂ عمل تھے-“ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ انہوں نے اپنی خانقاہ کی علمی شناخت اور دیرینہ اقدار کا اپنی مسلسل کاوشوں سے تحفظ بھی کیا اور اپنے ذاتی تشخص کو بھی ارباب علم کے درمیان قائم کرنے میں کامیاب سعی کی- ان کی یہ بڑی خواہش رہتی تھی کہ تمام خانقاہوں کے صاحبزادگان علمی اور عملی طور پر بے حد مضبوط اور مستحکم ہوں اور اس میں تعاون کرنے کے لیے وہ خود کو صف اول میں رکھا کرتے تھے- انہوں نے اپنے مدرسے میں کئی خانقاہوں کے صاحبزادگان کو شایان شان طریقے سے علم دین حاصل کرنے کے لیے دعوت دی اور آج بھی کئی صاحبزادگان خانقاہ مدرسۂ قادریہ میں زیر تعلیم ہیں-

وہ خالصتاً قلم کے آدمی تھے، پڑھنا لکھنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا- انہوں نے چونکہ درس نظامی سے قبل جدید تعلیم بھی حاصل کی تھی اس لیے ان کی سوچ اور نظریے میں علم، حصول علم اور ترویج علم کے حوالے سے بہت وسعتیں تھیں اور شاید اسی لیے ان کی تحریروں میں جو تنوع ہے وہ ان کے معاصرین میں ہمیں کم دیکھنے کو ملتا ہے-

رب العزت نے انہیں علم سے بھرا ہوا سینہ عطا فرمایا تھا، اور ساتھ ہی محنت کرنے کا بے پناہ جذبہ بھی- وہ حضور سیف اللہ المسلول و حضور تاج الفحول کے علم و فن کے حقیقی معنی میں وارث تھے- اللہ تعالیٰ نے خاندان عثمانی کی تمام شرافتیں، نجابتیں، مروتیں اور سخاوتیں خوب خوب اسید میاں کو ودیعت فرمائیں تھیں اور پھر حضور شمس مارہرہ کی خاص عنایات نے سونے پے سہاگا کا کام کیا- یہی وجہ ہے کہ ان دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی محنت شاقہ کے سبب قلیل مدت میں خود کو سارے زمانے میں متعارف کرانے میں کامیاب ہوئے-

یہ ان کے سترہ سترہ گھنٹے مطالعہ کی محنت کا ہی کمال تھا کہ وہ بیک وقت متبحر عالم دین، باشعور فقیہ، ماہر حدیث داں اور مفسر قرآن نظر آتے تھے، اسی لیے ان کا قلم ہر سمت گردش کرتا ہوا نظر آتا تھا- وہ افتا کی زبان بھی لکھنا جانتے تھے اور ایک صاحب طرز ادیب کی حیثیت سے خاکے، انشائیے، سوانح، تنقید اور تبصرے لکھنا بھی- اسید میاں نے بہت سی ایسی کتابوں پر بھی مقدمے، پیش لفظ یا ابتدائیہ رقم فرمائے جن کے موضوعات سے عام لوگ یا تو دلچسپی نہیں رکھتے یا پھر ان کے خالص علمی و تحقیقی و خشک ہونے کا شکوہ کرتے ہیں- لیکن یہ اسید میاں کی دلچسپ اور جمالیاتی تحریر کی کشش ہی کا کمال تھا کہ قاری کی ہمت بندھ جاتی تھی کہ وہ ان کی کتابوں کے ابتدائیہ، مقدمے یا پیش لفظ کی کنار پر چڑھ کر پوری کتاب پڑھنے کی ہمت کر ہی لیتا تھا- وہ اپنی کتابوں کو ضخیم بنانے کے لیے القاب و آداب، پیدائش اور رحلت کے آگے پیچھے بھاری بھرکم الفاظ کی باڑھ لگانے سے بے حد پرہیز کرتے تھے، جس کا انہوں نے برملا اعتراف بھی کیا اور ایسا پسند کرنے والوں کے بیجا اعتراضات کو برداشت بھی-

(عام طور پر پڑھے لکھوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے)-

وہ داد کی چاہت رکھنے والوں میں سے نہیں تھے- لیکن خود اچھی چیزوں پر داد دینے کے بہت شوقین تھے- علم کا پھیلاؤ اسید میاں کا خاص مشغلہ تھا، جو بھی کتاب شائع کرتے اس کو بے حد اہتمام کے ساتھ تمام علما، مشائخ اور مذہبی اداروں میں فوراً فی سبیل اللہ ارسال کرتے، اگر کوئی حصول یابی کی رسید دیتا تو اچھا اور اگر غفلت کی تو بہت اچھا- وہ ان حضرات تک بھی اپنی علمی کاوشوں کو تسلسل اور تواتر کے ساتھ پہنچاتے جن حضرات نے ان کے اس خلوص کے جواب میں اظہار تشکر ادا نہ کرنے حتیٰ کہ جوابی رسید تک نہ دینے کا عزم مصمم کر لیا تھا-

جب ان کی ذاتی لائبریری کے افتتاح کے موقع پر میں علی گڑھ سے حاضر ہوا تو افتتاح سے قبل اپنی لائبریری کا ایک ایک سیکشن مجھے دکھایا، حقیقتاً انہوں نے بڑے سلیقے سے اپنے ارمانوں کی دنیا کو لائبریری میں سجایا تھا، اپنے خانوادے کی تمام کتب اور مخطوطات کو جس طرح انہوں نے محفوظ کیا وہ ایک قابل تحسین عمل ہے اور دوسروں کے لیے ترغیب بھی-

میرا جانا جب بھی بدایوں شریف ہوتا تو اسی لائبریری میں دیر تک ان سے گفتگو ہوتی- وہ اپنی نئی نئی تحریرات سے مجھے آشنا کراتے اور مستقبل میں ہونے والے کاموں کی تفصیل بتاتے- گھنٹوں بات چیت کے بعد بھی دل نہیں بھرتا تھا، ان کے ساتھ ہر نشست ہمیشہ بڑے صحت مند اور خلوص کے ماحول میں برخاست ہوتی اور ہمیشہ ان سے ملنے کے بعد عرفان صدیقی کا یہ شعر ذہن میں گونجتا:

گر گئی صورت شمشاد قداں آنکھوں سے
شہر کو مصر کا بازار کیا ہے اس نے

جب یہ معلوم ہوا کہ ہمارے عزیز شیخ صاحب ہی خامہ تلاش کے ''ابوالفیض معینی'' ہیں تب میں نے کچھ نرم نرم سا شکوہ کیا کہ آپ نے یہ راز ہم پہ ظاہر نہیں کیا، یہ تو کوئی اپنائیت نہ ہوئی؟ جواباً ارشاد ہوا ''بھائی مزہ خراب تھوڑی کرنا تھا-'' ابوالفیض معینی کے نام سے اور تحریر میں سنجیدہ علمی استدلال، خالص ادبی فضا، مہذب طرز تخاطب، مذہبی اور مسلکی اصولوں میں تصلب دیکھ کر شک تو ہوتا تھا کہ یہ چنگاری کہیں اپنے خاکستر ہی کی تو نہیں- بہر حال اسید میاں نے اپنے علم و فضل اور ادبی صلاحیتوں کو وہاں بھی خوب خوب ثابت کیا اور وہ بھی اس شان کے ساتھ

تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

ان کی کتاب ''عربی محاورات'' نے بین الاقوامی سطح کی شہرت حاصل کی، صرف اہل سنت و جماعت ہی کے انصاف پسند اور دیانت دار حلقے نے نہیں، بلکہ دوسرے علمی اور ادبی حلقوں میں بھی اس کام کو بے حد سراہا گیا اور عربی تخلیقی ادب میں ایک خوشگوار اضافہ تصور کیا گیا- حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی حیات و خدمات کے حوالے سے ان کی کتاب ''خیر آبادیات'' تو حقیقت میں کھوئے ہوئے اور بھلا دیے گئے لوگوں کو پانے کی جستجو میں ایک خوش گوار اضافہ ہے- پڑھے لکھے حلقوں میں اس کتاب کی بے حد پذیرائی ہوئی- عرس قاسمی کے موقع پر اس کتاب کا اجرا اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے میرے خال محترم اور معروف ادیب حضرت اشرف میاں صاحب نے فرمایا کہ ''یہ اس سال کا بہترین علمی و ادبی شاہکار ہے''، حضرت امین ملت دام ظلہ نے خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے اسید میاں کو اس کارنامے کے لیے بطور نذرانہ خلوص ۲۱ ہزار روپے اور ''نشان تاج العلما'' (ایوارڈ) عنایت فرمایا-

اسید میاں کی تصنیف ''قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ'' ایک ایسی کتاب ہے جو ان حضرات کو بڑا مدلل جواب ہے جو قرآن کریم کی آیات مبارکہ سے کھینچ تان کر کے اپنے موقف کے مطابق مطلب اخذ کر لیا کرتے ہیں اور اس کو سائنسی تفسیر کا نام دیا کرتے ہیں- موصوف نے اس کتاب میں خالص علمی دلائل سے ان حضرات کی صحیح رہنمائی فرمائی اور قرآن اور علوم قرآن پر اپنی مضبوط سمجھ ہونے کا بھرپور ثبوت بھی دیا-

۱۰۰ صحیح احادیث کو مع ترجمہ اور مأخذ کے ساتھ ایک بہت ہی مفید کتاب ''احادیث قدسی'' کے نام سے شائع کرایا جس کا ترجمہ انگریزی میں کروا کر عصری تعلیم کے اداروں میں بھی تقسیم کروایا- راقم کو بھی کثیر تعداد میں یہ کہہ کر کتابیں عنایت کیں کہ میں ان کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اسکالرس میں تقسیم کر دوں، حدیث پاک کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے یہ ان کی نہایت ہی مخلصانہ کاوش تھی-

''اسلام اور خدمت خلق'' اور ''اسلام ایک تعارف'' یہ دونوں کتب عوام الناس کے لیے بے حد مفید اور معلومات بخش ہیں- ان کو

ہندی، گجراتی، مراٹھی میں بھی شائع کروایا-

مجھے یاد ہے کہ جب حضرت اقدس قبلہ سالم میاں صاحب مدظلہٗ العالی کو مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے ۵۰ سال پورے ہو رہے تھے، اس موقع پر شیخ صاحب کی خوشیاں اوج ثریا پر تھیں، انھوں نے عہد کیا کہ ان کی پچاس سالہ سجادگی کی مناسبت سے اس موقع پر قبلہ حضرت والد ماجد کی خدمت میں اپنے بزرگوں کی پچاس کتابوں کو نئی تحقیق و ترتیب کے ساتھ شائع کریں گے اور ان کی خدمت میں بطور نذر پیش کریں گے- وہ عہد اور دھن کے پکے تھے، انھوں نے دن رات محنت کر کے یہ ناقابل یقین کارنامہ کر دکھایا اور عرس میں انہوں نے ''جشن زریں'' منعقد کیا اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے والد ماجد اور مشائخ مارہرہ کے ہاتھوں ان کتابوں کا اجرا کروایا-

ان کے لکھنے کا انداز بھی نرالا تھا، وہ قلم کا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ براہ راست کمپیوٹر پر ٹائپنگ سے کام مکمل کرتے اور کمپیوٹر و انٹرنیٹ پر اتنی مہارت تھی کہ کئی بار ایسا ہوا کہ انہوں نے میری رہنمائی فرمائی بلکہ مشکل کشائی فرمائی-

اللہ تعالیٰ ان کے اس مشن کو ان کے برادران کے ذریعے مزید تقویت دے اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ یونہی دراز رہے-

اسید میاں کو بہت کم لوگ بحیثیت شاعر جانتے ہوں گے کیونکہ وہ بہت کم کلام کہتے تھے، لیکن جتنا کہا وہ ایسا کہا کہ لوگ پڑھتے ہی رہے سنتے ہی رہے- شاعری میں نئے نئے تجربات کا بے حد شوق تھا- شاندار نظمیں اور غزلیں کہیں، اعلیٰ حضرت کے کلام ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کی زمین پر بے حد شاندار نعتیہ غزل کہی اور آخر میں جب انہوں نے کہا

طرز رضا کی پیروی عاصم یہ تیری شاعری
حسن سخن، فکر رسا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

میں تو یہ شعر سن کر سوچنے لگا کہ یہی وہ بڑے کردار و ذہن کے لوگ ہیں جو جماعت کی شیرازہ بندی میں اپنا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں- ان کی کچھ نظمیں مثلاً ''دوستی کا ہاتھ'' حمد یہ نعت، غوث اعظم کی منقبت، نجمی بدایونی کے نام منظوم خط تو ایسے ہیں کہ جن کو بار بار پڑھیے اور سوز و گداز اور کیف و جذب کے عالم میں ڈوب جایئے- اسی اثنا میں مجھے ایک ذاتی بات یاد آئی کبھی کبھی میں ان کو عرفان صدیقی یا کسی اور جدید شاعر کا شعر سناتا جس میں کوئی ثقیل لفظ ہوتا تو اسید میاں پورا شعر سن کر خاص اس لفظ کے معنیٰ کے حوالے سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے مطلب ضرور دریافت فرماتے اور اگر ہمیں اس کا مطلب خدانخواستہ پتا نہیں ہوتا تب ان کے چہرے کی بشاشت اور مزاحیہ انداز کو میں فون سے محسوس کر کے اچھا خاصا شرمندہ ہو جاتا، اس سے اندازہ لگایا جائے کہ ان کے مذاق کرنے کا انداز بھی کتنا علمی اور مہذب تھا-

اسید میاں بہت کثیر المطالعہ اور کثیر المشاہدہ شخصیت کے حامل تھے، جس کا کبھی انہوں نے نہ اظہار کیا اور نہ ہی سامنے والے کو اس وصف سے مرعوب کرنے کی کوشش کی- یہ باتیں اس لیے بہت اعتماد سے کہہ رہا ہوں کہ میں ان کی اس عادت کا عینی شاہد ہوں اور معترف اس بات کا ہوں کہ ہمیشہ ان سے ملاقات کے بعد معلومات میں اضافہ ہی کر کے اٹھا-

تصوف پر جب بھی کبھی ان سے گفتگو ہوتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ یہ بات تو بالکل سامنے کی ہے لیکن ہم نہیں جانتے تھے صوفیہ اور مشائخ طریقت کی حیات و خدمات پر ان کی گفتگو منفرد الجہت اور بے حد معلومات افزا ہوا کرتی تھی- وہ کبھی تصوف یا خانقاہی نظام سے متعلق تحقیق کے بغیر نہ گفتگو کیا کرتے اور نہ ہی ایسی کسی بات کو ماننے پر آسانی سے تیار ہوتے بلکہ کسی من گھڑت قصے کو سن کر ایسے مسکرا دیتے تھے کہ سنانے والا خود ہی مایوس ہو کر اپنے ہی سنائے ہوئے قصے کے استناد پر سوالیہ نشان لگا لیتا تھا- (خود بھی راقم کئی بار اس عمل سے دوچار ہو چکا ہے)

وہ علمائے کرام و مفتیان کرام کا بے حد احترام کرتے تھے، میں نے ہمیشہ ان کو موجودہ دور کے بڑے بڑے علما کی تعظیم کرتے دیکھا- اپنے استاد امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین کی علمی شان اور ان کی شخصیت کی سادگی کے بڑے مداح تھے- مجھ سے ان کی بہت باتیں کیا کرتے تھے- جب خانقاہ برکاتیہ نے خواجہ صاحب کو اعزاز دیا تو بے حد مسرور تھے، سائے کی طرح استاد کے آس پاس خدمت میں مصروف تھے- اکثر اعتراف کرتے کہ خواجہ صاحب نے مجھے بہت دل سے پڑھایا-

آج بہت سے خطیب اور عالم اعلیٰ حضرت پر اپنی تحقیق اور ان کے علم و فن کے حوالے سے خود کو ماہر رضویات تصور کیے بیٹھے ہیں اور اس عمل سے دنیاوی طور پر کافی خوش بھی ہیں-

میرا دعوی ہے کہ اسید میاں کی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر، ان کے علم وفن پر جیسی تحقیقی نظر تھی شاید ایسی عمیق نظر آپ کم ہی لوگوں میں پائیے گا- ان کی فقہی بصیرت اور شاعری پر تو کبھی ایسی گفتگو فرماتے کہ ہم حیران رہ جاتے- ایک دفعہ ٹیلی فون سے میں نے قصیدہ معراجیہ کے ایک شعر کا مطلب ان سے پوچھا تو اس کے جواب میں بھی انہوں نے ایک پورے قصیدے کے حوالے سے ایک درس سا دیا اور کچھ ایسے مطالب اور معانی بتائے جو حدائق بخشش کی دوسری شرح میں شاید ہی ہوں- ایک دن مجھ سے کہا کہ ''تورے چندن چندر پروکنڈل'' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ ہم نے جو سمجھا وہ بتایا لیکن وہ ایسا نہیں نکلا جیسا اسید میاں نے اس سے مطلب اخذ کیا- یہ ان کی شاعری پر گہری نگاہ کا اثر تھا-

وہ حضرت فاضل بریلوی کی عربی دانی اور عربی شاعری سے بہت متاثر تھے اور اس حوالے سے بہت خصوصیت کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے- زندگی کے آخری ایام میں جو اہم کام کیے تھے ان میں ایک ''قصیدتان رائعتان'' کا اردو ترجمہ اور مقدمہ شائع کرنا بھی شامل ہے- اس دوران فرمایا کہ ''اعلی حضرت کے اس قصیدے پر عراقی اسکالر ڈاکٹر رشید عبیدی کے اعتراضات کا جواب بھی دے رہا ہوں- لیکن صاحب قصیدہ پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ قصیدہ صرف عقیدت کا غماز نہیں، بلکہ عربی ادب کا عظیم شاہکار اور اس پر مقدمہ بھی ایسا لکھنا ہے کہ اس قصیدے کے شایان شان ہو اور ایک عربی کے طالب علم ہونے کے ناطے میرا یہ علمی فریضہ ہے کہ میں مولانا صاحب کے قصیدے پر اعتراضات کے علمی جواب دوں اور ان شاء اللہ جواب ایسے ہوں گے کہ آپ بھائی کو کہیں کم نہیں پائیں گے- بس اس پر حضرت امین میاں صاحب کی تقریظ ہونی چاہیے کیونکہ قصیدے کے مصنف اور جن کی شان میں قصیدہ ہے دونوں ہی مارہرہ مقدسہ کی روحانیت اور عقیدت کے اسیر ہیں-'' پھر جیسا انہوں نے چاہا ویسا ہی ہوا اور کتاب بہت ہی عمدہ طباعت کے مراحل سے گزر کر منصۂ شہود پر آئی-

ایک دفعہ رات کو فون آیا جو ہم لوگوں کے معمول کا ایک ضروری حصہ تھا، فرمانے لگے یہ بتایئے کہ غالب کی شاعری کو بہت سے ادوار میں دیکھا ہوگا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، کہنے لگے کیا فرق ہے؟ میں نے کہا کلام کی پختگی، زبان کا استعمال، مشاہدات وغیرہ وغیرہ کا فرق ہوتا ہوگا- انہوں نے میری یہ بات مان لی اور پھر کلام غالب پر اظہار خیال کیا اور بتایا کہ دیکھیے نوعمری کی غزل ایسی اور درمیانی عمر کی غزل میں یہ فرق اور ضعیفی کی غزل میں یہ تغیرات وغیرہ وغیرہ اور ایسے ہی دوسرے شعرا کا تذکرہ فرمایا- میں نہیں سمجھا کہ یہ تجزیہ کیوں آخر؟ تو کہنے لگے: جناب آپ کو بتانا یہ تھا کہ یہ معاملات آپ فاضل بریلوی کے یہاں نہیں پایئے گا- وہ نوعمری میں جو کلام اور تحریر لکھتے ہیں ایسی ہی تحریر اور شاعری وہ عمر کے درمیانی حصے میں اور عمر کے آخری دور میں بھی لکھتے ہیں اور آپ نہ مانیں تو ثابت کردوں- میں نے کہا کہ اس معاملے میں آپ کی نگاہیں بہت گہری ہیں اور دیانت کی روشنی سے منور ہیں- علمی تحقیق میں جتنی ایمان داری اس شخص میں دیکھی ہمیں بڑے بڑے اچھوں کے یہاں نہیں ملی- یہ چند سطریں اس لیے لکھی کہ وہ اس دنیا سے چلے گئے لیکن یہ لوگوں کو پتا رہے کہ عالم ربانی وہی ہوتا ہے جو علم اور علما کا احترام کرے اور اپنے گروہ کا دفاع کرے اور اسید میاں اپنی حق شناسی، حق پسندی اور حق گوئی کے حوالے سے بہت منفرد اور ممتاز رہے اور اس بات سے بے نیاز رہے کہ کوئی ہمارے کام اور ہماری صاف نیت کا معترف ہے یا نہیں، کوئی ہمارا مداح ہے یا نہیں ہے-

برادر مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر سید علیم اشرف صاحب سے بے حد متاثر تھے- وصال سے تین چار مہینے قبل مجھ سے فرمایا کہ ''احمد بھائی میں نے علیم میاں صاحب جیسا اسکالر نہیں دیکھا، اگر میں کسی موضوع پر ۱۰؍ کتابوں کا نام لوں اور یہ سمجھوں کہ حق ادا کردیا تو وہ گیارہویں کا نام بتا دیتے ہیں، ان جیسا حاضر علم والا عالم دین کم ہی دیکھنے کو ملے گا-''

معروف محقق اور قلم کار مولانا خوشتر نورانی صاحب کے ساتھ ان کی دوستی کا بیان کرنا یہ سمجھ کر کہ قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوجائے گا، ایک خام خیالی ہے اور جام نور کا صفحہ اور قارئین کا وقت برباد کرنا ہوگا- کل ملا کر ایسا کہا جاسکتا ہے کہ ایسی دوستیاں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں جو خونی رشتوں اور خاندانی نسبتوں پر بھاری ہوتی ہیں، لیکن ان دونوں حضرات کے مابین اس سے بھی عمیق اور مستحکم مراسم تھے-

تری خوبیوں کا شمار کیا: (اصلاحی سرگرمیاں)

اگر اسید میاں ایک طرف پختہ قلم رکھتے تھے تو دوسری جانب ملت کی اصلاح کا بھرپور عزم بھی- بدایوں میں اکثریت الحمد للہ خوش عقیدہ

مسلمانوں کی ہے اور جہاں ہم لوگ اکثریت میں ہوتے ہیں، وہاں ہم اپنی تمام رسومات کے لوازمات کے ساتھ اپنے وجود کا احساس دلاتے ہیں، خواہ وہ رسوم ہمارے اسلاف کی تعلیمات سے میل کھاتی ہو یا نہیں یا ان سب پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہو- اسید میاں نے بہت دانش مندی اور جرأت ایمانی کے ساتھ ان تمام چیزوں میں لوگوں کی دلچسپی کم کرنے کے لیے بہت ہی مخلص تبلیغ کی اور ہم نے بہت قلیل مدت میں اس کے مثبت اثرات بھی دیکھے- بدایوں شریف میں شب عاشورا اور یوم عاشورا ایک تیوہار کی طرح منایا جاتا ہے، پورا شہر دلہن کی طرح مہندیوں سے سجا ہوتا ہے، میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا، بس یہ بتادوں کہ یہ اسید میاں ہی کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے اس طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے عوام کو اصلاحی مواد فراہم کرایا، محرم الحرام کی فضیلت اور اس کی اہمیت کو سمجھایا، خالص عقیدت مندی کے اظہار کا طریقہ بتایا- وہ شب عاشورا میں ذکر شہیدان کربلا کے حوالے سے محفلیں اور اجلاس منعقد کراتے، قرآن خوانیوں کا اہتمام کراتے، تاکہ لوگوں کا دھیان ان تمام خرافات سے ہٹ کر خالص عبادت الٰہی اور محبت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ میں لگ جائے-

ہماری جماعت میں اعراس منعقد کرانے کے کیا آداب ہونے چاہئیں، اس سلسلے میں بھی بہت سنجیدہ فکر رکھتے تھے- مختلف اعراس کے موقع پر خصوصا اجمیر شریف اور مارہرہ شریف کے عرسوں پر حضور بڑے سرکار قدس سرہٗ کی درگاہ پر اہالیان مدرسہ کی تعیناتی کرواتے اور پانی اور اصلاحی لٹریچر تقسیم کرواتے- مجھ سے اکثر کہتے کہ ہم لوگوں کو اعراس اور مذہبی اجلاس کی محافل میں وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھنا چاہیے- جلسوں میں مائک کو درگاہ، خانقاہ یا جلسہ گاہ تک ہی محدود رکھنا چاہیے، شہر کے اندرونی حصوں میں لگانے سے عوام کو بے حد دقت ہوتی ہے-

اسید میاں امام عید گاہ تھے اور ساتھ ہی جامع مسجد شمسی میں نماز جمعہ کے خصوصی خطیب اور امام بھی- انہوں نے وعظ وتقریر کو نیا انداز بخشا- روایتی موضوعات اور قدیم اسلوب سے ہٹ کر نہایت ہی سادہ سادہ الفاظ میں عوام کی فہم کے مطابق اصلاحی اور مذہبی معلومات پر مبنی تقاریر کا سلسلہ شروع کیا- ایک مرتبہ جمعۃ الوداع کے بعد فون آیا کہ آج گرمی بہت تھی صاحب لہٰذا ہم نے مقتدیوں کی سہولت کے پیش نظر دو یا تین منٹ میں خطبہ مکمل کیا اور چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ جمعۃ الوداع کی نماز ادا کرادی- آج اگر ایسی سوچ کے قائد اکثریت میں ہوجائیں تو اس قوم کو راہ راست پر آنے سے کوئی نہیں روک سکتا-

۱۴؍ شعبان یعنی شب برأت کے موقع پر عام طور سے ہم سنی حضرات پٹاخے چھوڑنے، سخت حلوے بنانے اور سڑکوں پر گھومنے کو ایک مذہبی فریضہ تصور کرتے ہیں- یہ اسید میاں ہی کی سعی جمیل تھی کہ اس رات میں ایک شاندار اجتماع جامع مسجد شمسی میں رکھواتے اور خود ہی میر محفل ہوتے- اس شب میں فضائل شب برأت پر ان کا تفصیلی بیان ہوتا، نصف رات تک اوراد و وظائف کا دور دورہ چلتا- رقت آمیز دعائیں مانگتے اور منگواتے- اس کوشش کا اثر یہ ہوا کہ اب شب برأت پر شہر بدایوں میں نہ پٹاخوں کی آوازیں سنائی دیں گی اور نہ ہی افراتفری کا عالم دیکھنے کو ملے گا-

شب قدر میں تو اسید میاں کی کاوشیں دیکھنے کے لائق ہوتی تھیں، کئی دفعہ مجھے دعوت دی کہ ایک بار آکر تو دیکھیے مزہ آجائے گا- شب قدر میں وہ خصوصی طور پر پورے ضلع کے نوجوانوں کو جامع مسجد میں جمع کرلیا کرتے تھے- پوری رات اس شب کی مناسبت سے نوافل اور وظائف پڑھواتے، بیچ بیچ میں خود وعظ فرماتے- ہمارے شہر کے لوگوں کو اس شب میں مانگی جانے والی رقت آمیز دعاؤں کا بے صبری سے انتظار رہا کرتا تھا- اسید میاں کبھی کبھی اس شب کی روداد راقم السطور کو بہت تفصیل کے ساتھ سناتے تھے-

شدید گرمی کے موسم میں مدرسہ کے طلبہ وکارکنان ان کی قیادت میں اندرون اور بیرون شہر ٹھنڈے پانی کی سبیلیں لگواتے اور اس میں بھی انہوں نے تبلیغ کا ایک پہلو یہ نکالا تھا کہ وہ اسلام اور تعلیمات اسلام کا تعارف بزبان ہندی راہ گیروں کو پانی کے ساتھ تقسیم کرواتے-

مریضوں کے لیے ہیلتھ کیمپ لگوانے کا عزم کیا تو اتنا بڑا ہیلتھ کیمپ لگوایا کہ بدایوں میں اس نوعیت کا کیمپ کبھی نہیں لگا ہوگا- وہ ہمیشہ سرکار دوعالم ﷺ کی اس حدیث کو سامنے رکھ کر کام کیا کرتے جس میں آقا ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے، اور اس کو اپنے جھنڈ کا حساب دینا ہے، بس اس کو ہی سامنے رکھ کر اسید میاں سب سے پہلے اپنے اطراف میں تبلیغی، اصلاحی اور فلاحی کام شروع کیا کرتے تھے-

سرکار دو عالم ﷺ کا میلاد منانے کا اتنا بڑا انوکھا طریقہ ایجاد کیا کہ تھا جس کے پیش نظر پورا بدایوں ان سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا- وہ سیرت مبارکہ کے حوالے سے بارہ دن توسیعی خطبات کا انعقاد کرتے جس میں وہ خود ہی خطیب خصوصی ہوتے تھے- پھر شرکائے اجلاس کے لیے ایک سیرت مسابقہ رکھتے- انہیں خطبات میں سے سیرت کے حوالے سے سوال مرتب کرتے تھے-ان بارہ دنوں میں تمام نوجوان طبقہ یہاں تک کہ خواتین اور بچے بھی ان کی اس تحریک میں محو ہو جایا کرتے تھے- ہر طرف ایک ہی ماحول تھا کہ فلاں سوال کا کیا جواب ہے؟ اور فلاں کا کیا؟ اس بہانے لوگوں نے سیرت پر مطالعہ شروع کیا-

اس مسابقہ میں اول آنے والے کو حج بیت اللہ کے لیے زادِ راہ کا انعام ملنے سے لوگوں کے حوصلے میں اور تازگی پیدا ہوئی- انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی یوم ولادت پر نکلنے والے جلوس محمدی میں خوشگوار ترمیمات کیں اور آگے بھی کرنے کا عزم رکھتے تھے-اسی سال مجھ سے فرمایا: آئندہ جلوس دیکھیے گا، لگے گا کہ یہ واقعی سرکار دو عالم ﷺ کی سچی پیروی کرنے والوں کا مجمع ہے- اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن کا روزہ رکھنے کی تحریک چلائی جس پر اہلیان شہر نے خلوص دل سے لبیک کہا- عمر کے ہر طبقے کے لوگوں نے اس نوجوان عالم ربانی کی تبلیغ کو سر آنکھوں پہ رکھا- ماہ ربیع الاول شریف کے آغاز سے ۱۲/ ربیع الاول تک خانقاہ قادریہ میں ایک گوشۂ درود بنواتے اور تمام اہل سلسلہ اور اہالیان شہر کو دعوت دی جاتی کہ روز اس گوشے میں تشریف لائیں اور سرکار دو عالم ﷺ پر یہاں بیٹھ کر درود بھیجیں- ایک مرتبہ میں نے ان تمام کاموں کے لیے انہیں مبارک باد پیش کی تو اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے ''ارے صاحب! ہم کہاں کوئی کام کرتے ہیں-'' (وہ کبھی کبھی ایسے درد بھرے جملے غیر شعوری طور پہ ادا کر ہی دیا کرتے تھے) میں نے کہا کہ ''میں نے پچھلے بیس سال سے جلوس محمدی ﷺ نہیں دیکھا-'' فرمایا کہ ''تو ایک دن پہلے آیئے دیکھنا ہی نہیں چلنا بھی ہوگا جلوس میں-'' میں بدایوں شریف حاضر ہوا تو دیکھا پورا شہر دلہن کی طرح سجا ہے- ہر گھر میں ایسا لگتا تھا کہ عاشقان رسول اپنے پیارے آقا ﷺ کی محبت میں سرشار ہیں- انہوں نے اپنوں کو تو ان کے آقا کے یوم ولادت کی خوشیوں میں شامل کیا ہی، لیکن ایک ایسی تحریک بھی چلائی جو کہ ہم سب کے لیے نمونۂ عمل ہے- وہ یہ کہ برادران وطن کے درمیان سرکار کی سیرت کا ماہ ربیع الاول میں بیان کرنا، اس کے لیے وہ بدایوں شریف کے تمام اسکولوں میں تشریف لے جاتے بلکہ ایسا جوان حوصلہ تھا کہ خالص RSS کے اسکولوں میں بھی مولویوں کا ٹولا لے کر مولوی محلے سے اچھے میاں صاحب کے چہیتے مولوی صاحب کا حقیقی معنیٰ میں مولوی سپوت سیرت مبارکہ کی مشعل اٹھائے ہوئے ان تاریک خانوں میں پہنچا کرتا تھا جہاں کبھی کسی نے بھی سیرت مبارکہ کی روشنی پہنچانے کا تصور نہ کیا تھا- وہ ان اسکولوں کے طلبہ کو سرکار کی سیرت بتاتے، ہندی میں اسلام کا تعارف تقسیم کرتے، مٹھائی، چاکلیٹ تقسیم کرتے- یہ انداز تھا اس حق کے مبلغ اسید الحق کا-

تو کہاں رکتا تھا عرش و فرش کی آواز سے:
(مدرسہ قادریہ کی نشأۃ ثانیہ)

اسید میاں نے مدرسۂ قادریہ کی نشأۃ ثانیہ میں کلیدی کردار ادا کیا- مدرسہ قادریہ کی تعلیم و تربیت اور نظم و نسق کو بہتر ہی نہیں بلکہ امتیازی بنانے کے لیے وہ آخری سانسوں تک کوشاں رہے- ان کے طلبہ کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ وہ بہت فرحت بخش اور سکون کے ماحول میں محو تعلیم ہیں- وہ اپنے طلبہ کو مختلف جہتوں سے بہتر بنانے کے لیے سعی فرماتے تھے- ایک دن فرمایا کہ ہمارے طلبہ بھی اخبارات اور ہندوستان کے تمام معروف جرائد کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ اپنے طلبہ کو زندگی کے کسی شعبہ میں محروم نہیں رکھنا چاہتے- چاہے وہ کمپیوٹر کی تعلیم ہو، معلومات عامہ ہو، کھیل کود، صحت و ورزش کے معاملات ہوں- طلبہ پر بے حد شفیق و مہربان اور سب سے بڑی بات کہ انہیں اپنا اثاثہ سمجھتے تھے- ان کے مدرسے میں بیشتر اساتذہ ان کے شاگرد تھے- ہم کبھی کبھی ان سے کہتے کہ آپ تو اتنی کم عمری میں (استاد الاساتذہ) ہو گئے- تو بڑا سادہ سا جملہ ارشاد فرما کر ''ارے صاحب چھوڑیے میں کہاں'' یہ اعتراف کرتے کہ میں واقعی بہت مطمئن ہوں کہ مجھے بے حد سمجھدار اور صاحب فہم اور محنت کرنے والے ساتھی ملے جو نہ صرف یہاں ملازمت کے تقاضے کے تحت کام کرتے ہیں، بلکہ مدرسہ کے معیار کو امتیازی بنانے کے لیے ہمہ وقت میرا بھرپور تعاون کرتے ہیں- وہ مدرسے میں پابندی اوقات کا بہت خیال رکھتے تھے، جو آج اداروں میں سب سے کم اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے- لیکن علم بانٹنے کا یہ شوق بھی نرالا تھا کہ رات کے گیارہ بجے بھی فون کرو تو معلوم ہوتا کہ شیخ صاحب مصروف تدریس ہیں-

اس ضمن میں ایک اور بات یاد آئی کہ وہ شہر بدایوں کے اسکولی طلبہ و طالبات کے لیے سمر کیمپ لگاتے اور تمام ضروری شرعی مسائل، مذہبی معلومات، عصری اور دینی تعلیم کا نفع بخش تعلق طلبہ اور طالبات کو سمجھاتے- آخری روز کسی بڑے عالم کے ساتھ عصری علوم کے اداروں سے کسی باصلاحیت اور مخلص استاذ کو مدعو کرتے اور ان سے ترغیبی کلمات کے ساتھ اسناد اور انعام تقسیم کرواتے تھے- کئی دفعہ اس موقع پر راقم الحروف کے ذریعے بھی ہماری مادر درسگاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات مدرسہ قادریہ حاضر ہوئے اور اسید میاں اور ان کے کاموں سے بے حد متأثر ہو کر لوٹے- سمر کیمپ کے انعقاد سے ایک یہ بھی فائدہ ہوا کہ نوجوان طبقہ ان کے قریب آیا اور فلاحی اور دینی کاموں میں دلچسپی لینے لگا- مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں ''شانتی سمیلن'' میں بدایوں حاضر ہوا تو پورے شہر کے نوجوان اتنے انہماک کے ساتھ اس پروگرام کے انعقاد میں لگے تھے کہ کہنا ہی کیا-

اسکولی طلبہ کے علاوہ وہ ہندوستان بھر کے مدارس اسلامیہ کے طلبہ کو زادِ راہ فراہم کرا کر مدرسہ قادریہ میں بلاتے اور علمائے کرام اور دانشوران حضرات کے ذریعے ان کو نئی نئی باتوں اور معلومات سے آشنائی کراتے جس سے ان نوجوان علما کی شخصیت میں نکھار پیدا ہو، یہی وجہ ہے کہ اسید میاں کی رحلت سے نوجوان علما کا طبقہ ایک سکتے کے عالم میں ہے-

اسید میاں کو پڑھانے کا بے حد شوق تھا، بارہا ایسا ہوا کہ شب عرس قاسمی یا عرس نوری کے بعد فوراً روانگی ہو گئی، رات کو تین یا چار بجے بدایوں پہنچے اور صبح صبح فون آ گیا کہ صاحب خیریت سے پہنچ گئے اور درس گاہ میں بیٹھے پڑھا رہے ہیں- کبھی کبھی بے حد اعتماد کے ساتھ یہ فرماتے کہ ''صاحب اللہ کا بے حد شکر ہے کہ مدرسۂ قادریہ میں چوکی دار سے لے کر مہتمم تک میرے شاگرد اور میرے تربیت کردہ ہیں-'' اور یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ انہوں نے تربیت ایسی کی ہے کہ مدرسہ قادریہ میں چلے جایئے ذمہ دار نہ ہو لیکن ایسا لگے گا نہیں کہ کوئی دیکھنے یا خیریت پوچھنے والا نہیں ہے، مدرسہ میں کوئی شور شرابا نہیں، بے حد ادب کے ساتھ سلام کلام کرتے ہوئے صاف ستھرے لباس میں طالب علم ملیں گے جن کو دیکھ کر ایسا لگے گا کہ یہ لوگ صرف پڑھنے آئے ہیں- وہ اپنے مدرسے کے تعلیمی شیڈول کو بہت ہی منظم اور سنجیدہ طریقے سے چلاتے تھے اور اس میں انہوں نے کبھی کوئی کمپرومائز نہیں کیا- امتحان کے پرچے بنانے سے لے کر رزلٹ تک کے تمام مراحل میں خود کو پیش پیش رکھتے- تعلیمی معاملے میں پابندیٔ اوقات کا بہت خیال رکھتے تھے- ادبی ثقافتی محافل کا انعقاد، کھیل کود کے مقابلے، توسیعی خطبات غرض کہ ہر اس چیز کا اہتمام کرتے تھے جس سے طلبہ کی شخصیت اور کردار میں نکھار آئے اور ساتھ ہی اپنے سینئر طلبہ کو لکھنے کی طرف راغب کرنا ان کا خاص مشغلہ تھا- یہ ان کی تربیت کا ہی ثمرہ تھا کہ ماشاء اللہ مدرسۂ قادریہ نے مولانا دلشاد قادری، مولانا مجاہد قادری، مولانا عبد العلیم مجیدی، مولانا خالد مجیدی، ماسٹر تنویر قادری، مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی، مولانا مشیر احمد قادری مجیدی، مولانا کاشف نہاد قادری مجیدی، مولانا رضوان قادری مجیدی، مولانا بدر عالم مجیدی وغیر ہم جیسے اصحاب قلم پیدا کر دیے- ان میں سے کچھ حضرات تو ایسے ہیں جن سے مستقبل میں ہمیں بہت امیدیں ہیں- میں نے ان کے تمام شاگردوں کو بھی ان کا عاشق زار پایا- جب استاد شفیق اور پڑھانے میں ایماندار اور اپنے طلبہ کو اپنے جیسا بنانے کی نیت رکھنے والا ہو تو شاگرد بھی ساری زندگی اس کو اپنے دل میں زندہ رکھتے ہیں-

بغداد شریف حاضری سے قبل فون آیا Thermodynamic کے اصول آپ کو معلوم ہیں؟ میں حیران ہوا کہ یہ کہاں سے ان کو شوق ہوا کہ اتنا سخت موضوع پوچھ رہے ہیں- خیر میں نے کچھ بات چیت کی اس پر کافی مطمئن ہوئے بیچ میں کچھ بحث و مباحثہ بھی ہوا- میں نے اس کی ضرورت دریافت کی تو فرمایا کہ بھائی ایسا ہے کہ میں اپنے طلبہ کو ۵/ توسیعی خطبوں کے ذریعے قرآن اور سائنس کے حوالے سے زمین کے بننے اور اس سے جڑے ہوئے بہت سے معاملات کے بارے میں بتا رہا ہوں کیونکہ اگر کوئی ان تخلیقات میں اللہ کی قدرت دیکھنا چاہے تو اس کو جواب دینے کے لیے ہمارے طلبہ کے پاس اتنا علم ہونا چاہیے کہ وہ سامنے والے کو یہ سمجھا سکیں کہ جو کچھ بھی ہے وہ رب کائنات کے حکم سے ہے نہ کہ خود سے اور اس کے لیے ان کے بننے اور کام کرنے کا عمل

سائنسی علوم سے سمجھنا ضروری ہے۔

یہ سب سن کر بے حد اطمینان ہوا اور ذہن میں پھر عرفان صدیقی صاحب کا شعر آیا ؎

فیصلہ کر کم و بیش تہہ دریا کی نہ سوچ
مسئلہ ڈوبنے کا ہے ابھر آنے کا نہیں

بجز مارہرہ مارہرہ مدیدیم:

اسید میاں صاحب کو اپنے پیر خانے اور اپنے مخدوم اعلیٰ حضور قبلۂ جسم و جاں سیدنا شاہ ابوالفضل آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ سے غایت درجہ عشق تھا۔ ان کا اپنے مخدومان گرامی سے ملنے کا جو انداز ہوتا، وہ خالصتاً ان کی اس عقیدت کی عکاسی کرتا تھا جو ان کو صاحب البرکات کے آستانے اور قبلۂ جسم و جاں حضور شمس مارہرہ سے تھی۔ حضرت امین ملت سے لے کر برادر عزیز محسن میاں تک وہ جس قدر نیاز مندی اور خاندانی ادب کے ساتھ پیش آتے تھے وہ اوروں کے یہاں عنقا ہے اور غالباً یہ اس تربیت کا اثر ہے جو ان کو ان کے اجداد سے ودیعت ہوئی۔ حضور شمس مارہرہ قدس سرہٗ نے حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید صاحب قدس سرہٗ کو ۲۵ر سال شرف رفاقت عطا فرمایا۔ محرم اسرار خاندان بنایا، انہیں برکاتی وراثتوں کا خزینہ دار بنایا، بڑی چاہتوں سے نوازا تو بدایوں والوں کی خاندانِ شمس مارہرہ سے یہ عقیدت وانسیت تو گھٹی میں ملی ہے، رگ و پے میں دوڑ رہی ہے، جس کا اثر ہم موجودہ حضرات میں بدرجۂ اتم دیکھتے ہیں۔ میں نے اسید میاں کو برکاتیت اور مارہرویت کے حوالے سے بہت ہی حساس پایا، اکثر نشستوں میں اعتراف کیا کرتے تھے کہ میں بہت بڑا برکاتی ہوں۔ نیز یہ کہ میری پڑھائی لکھائی مطالعہ سب اپنی جگہ ہیں شمس مارہرہ کی چوکھٹ دیکھ کر سب بھول جاتا ہوں۔ اکثر فرماتے تھے ”احمد بھائی! ہم جب مارہرہ آتے ہیں تو ساری تحقیق اور مطالعہ بدایوں رکھ کر آتے ہیں“، ایک مرتبہ میں نے عرس نوری کے موقع پر خانقاہ میں ان کی آمد پر ان کو تلاش کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ کہاں رہ گئے تھے؟ میں آپ کے کھانے اور ٹھہرنے کی وجہ سے پریشان ہو رہا تھا، تو فرمایا کہ ”آپ یہاں ہماری پرواہ نہ کریں اور اپنے انتظامات کو دیکھیں، ہمیں مارہرہ شریف میں نہ کسی توجہ کی ضرورت ہے نا ہی کسی حیثیت کی، نیز فرمایا کہ اگر ہم مارہرہ میں بے حیثیت ہوں گے تبھی تو زمانے میں ہماری حیثیت ہوگی اور اگر مارہرہ مقدسہ میں حیثیت دکھائیں گے تو زمانے میں بے حیثیت کر دیے جائیں گے۔“ خانوادۂ برکاتیہ سے ان کا ادب صرف زبانی اعتراف کی حد تک نہیں تھا بلکہ پچھلے پانچ سات سالوں میں بارہا انہوں نے اپنے عمل سے مشائخ مارہرہ کے ساتھ اپنی عقیدت کا برملا ثبوت دیا۔ اپنی زندگی کے آخری حصوں میں چار کتب تذکرۂ نوری، برکات مارہرہ، تذکرۂ شمس مارہرہ، آداب السالکین وغیرہ خانوادۂ برکات کے حوالے سے شائع فرمائیں، ان کتب کے شائع ہونے کے مراحل میں بے حد خوشی کا اظہار فرماتے، بڑے بڑے اور لمبے لمبے سلاموں کے ساتھ فون پر گفتگو ہوتی، ایک ایک چیز کا جزوی و تفصیلی بیان فرماتے۔ کبھی کوئی ایسا انکشاف کسی مکتوب یا مخطوطے کے حوالے سے ہوتا جس میں بدایوں اور مارہرہ کے عمیق رشتے کا بیان ہوتا تو خوشیاں دوگنی ہو جاتیں۔ ایک کام بغداد شریف کی حاضری سے قبل شروع کیا تھا ”وہ اپنے اکابر کے نام دیگر مشائخ اور علمائے کرام کے خطوط کی تدوین“ اس دوران شیخ صاحب کی خوشیوں کو ہم نے بام عروج پر پایا، ایک ایک خط بزرگان مارہرہ کا فون پر پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور راقم کو میل بھی کیا کرتے تھے۔ کئی ایسے مواقع آئے کہ ان سے کسی بات پر کوئی علمی حوالہ مانگا اور گھنٹے ہی بھر کی دیر ہوئی کہ ای میل پر سلام کی تحریر کے ساتھ مقصود مواد فراہم ہو گیا۔ ”اہل سنت کی آواز“ کے لیے پچھلے کچھ سالوں سے مستقل طور پر جامع اور علمی مضمون ارسال فرما رہے تھے۔ ہمارے قارئین بھی اسید میاں کو اور ان کی قلمی نگارشات کو بے حد پسند کرتے تھے، کیونکہ ان کی تحریر میں کبھی کسی کی دل آزاری، اختلاف کی بو، بیجا تفاخر کا اظہار، مشکل اصطلاحات، الفاظ کا گھماؤ وغیرہ نہیں ہوتا تھا، سیدھی سیدھی علمی باتیں، بے حد مستند حوالہ جات کے ساتھ اور ساتھ ہی تحریر میں جمالیاتی حسن کی آمیزش بھی بقدر ضرورت (جو کم و بیش ان کے ہر مضمون میں پائی جاتی ہے) موجود رہتی ہے۔

مجھے ان کی عقیدت کا ایک اور واقعہ یاد آیا، جب وہ پہلی مرتبہ عرس قاسمی شریف کے موقع پر تشریف لائے اور حویلی شریف سجادگی میں رسم خرقہ پوشی میں شریک تھے۔ خال محترم مرشد گرامی حضور امین ملت جب ملبوسات بزرگان دین زیب تن فرما کر دیدار عام کے لیے اللہ اللہ کے فلک بوس نعروں کے درمیان جلوہ افروز ہوئے، اس وقت میری نظر

شیخ صاحب پر گئی، وہ زار و قطار رو رہے تھے اور حضرت کے چہرے کو تکے جاتے تھے اور ان کی یہی کیفیت راقم نے خال محترم حضرت رفیق ملت سید نجیب میاں صاحب کی رسم سجادگی کے موقع پر دیکھی کہ جب حضرت شرف ملت ان کو عمامہ شریف باندھ رہے تھے تب بھی شیخ صاحب زار و قطار رو رہے تھے۔ اس کے علاوہ نہ جانے کتنے واقعات ہیں جو ان کے سچے برکاتی ہونے پر دال ہیں۔ میں تو یہ بڑے وثوق سے کہوں گا کہ مارہرہ اسید میاں کی کمزوری تھی۔

حضور شمس مارہرہ حضور سیدنا آل احمد اچھے میاں صاحب سے ان کی محبت اور عقیدت کا تو عالم ہی نرالا تھا۔ بس حضور اچھے صاحب ہی کی باتیں تذکروں میں رہا کرتی تھیں۔ گذشتہ سال عرس قادری میں شمس مارہرہ کانفرنس منعقد کی اور بہت طویل اور جذباتی خطاب فرمایا جس میں بہت سے موضوعات شامل تھے۔ اس تقریر میں شمس مارہرہ قدس سرہٗ کو تادیر یاد کیا، فرمانے لگے کہ ”یہ شمس مارہرہ کا اشارہ ہی تو ہے کہ ان کے عرس دوسو سالہ کے موقع پر ان کے نام کی پہلی کانفرنس مولوی عبدالمجید بدایونی کے خادم کریں اور دوسو سال میں پہلی ان کی مطبوعہ سوانح کی اشاعت بھی ان کے مولوی صاحب کی گلی میں جھاڑو دینے والا خادم اسید الحق کرے گا۔“ اور پھر ایک نہایت ہی جذبوں سے بھرا جملہ کہا ”ہمارے یہاں اِس کونے سے اُس کونے تک باب مجیدی سے لے کر دیوان خانے اور وہاں سے لنگر خانے کی آخری دیوار تک جو کچھ ہے وہ حضرت اچھے میاں کے تلوؤں کا صدقہ ہے۔“ یہ تو ایک دیوانے اور مستانے کی صدا تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ مشائخ دعا تو فرماتے ہی ہیں اور اپنے فیضان تصرف سے حصہ بھی عطا فرماتے ہیں۔ لیکن دعائیں لگتی بھی انہی کو ہیں جو محنت کرتے ہیں اور ان تمام کاموں اور ترقیوں کے پیچھے دعاؤں کے ساتھ ساتھ اسید میاں کی انتھک محنت کا بھی کلیدی کردار ہے۔

وہ مرشد گرامی حضرت امین ملت کے حوالے سے جب بھی گفتگو فرماتے تو ان کی طبیعت کے بارے میں یہ جملہ ضرور کہتے کہ ”مجھے حضرت کو سست دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے وہ خوش رہتے ہیں اور طبیعت کی بحالی کے ساتھ ہوتے ہیں تو پوری محفل ہشاش بشاش رہتی ہے“ وہ اور مولانا خوشتر صاحب ایک اور بات مشترکہ طور پر کہا کرتے تھے کہ ”پیروں میں خطیب ہم نے حضرت امین ملت ہی کو پایا۔“

خال محترم حضرت اشرف میاں صاحب کے وہ بڑے مداحوں میں سے تھے، بلکہ یوں کہوں گا کہ ان کی شخصیت کے دیوانے تھے۔ مجھ سے بارہا کہا کرتے تھے کہ ”میں نے ان کی ذات سے بہت کچھ سیکھا اور شرف ملت پر جب فقیر لکھے گا تب آپ دیکھیے گا کہ کیسے کیسے نکتے ان کی شخصیت کی چمک دمک، گفتگو اور ان کے عمل کے حوالے سے اپنی تحریر میں اٹھاؤں گا۔“

البرکات علوم اسلامیہ کے ادارے کے لیے ایک مشاورتی میٹنگ میں وہ البرکات آئے۔ بہت سارے اہم مشورے دیے اور خود یہ ذمہ داری لی کہ میں ادارے کے مقابلہ جاتی امتحان کا پرچہ اور طلبہ کو منتخب کرنے کا طریقۂ کار اور اس کے علاوہ نصاب کے کچھ اور ضروری حصے تیار کروں گا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بے حد محنت کی اور اگر آج وہ باحیات ہوتے تو یقیناً اس ادارے کا انٹرویو لینے والوں میں اہم کردار ادا کرتے۔

اگر اسید میاں مارہرہ والوں سے محبت کرتے تھے تو مارہرہ والے بھی اسید میاں کو کم نہیں چاہتے ہیں اور شاید یہ ان کی سعادت مندی اور محبت ہی کی وجہ تھی کہ ان کی شہادت کی خبر سے پورا خانوادۂ برکات غم میں ڈوب گیا۔ تمام برکاتی برادری سوگوار ہو گئی، ای میل، فیس بک اور واٹس اپ پر ہمارے تمام برکاتی احباب و متوسلین تڑپ تڑپ کر اسید میاں کو خراج عقیدت پیش کر رہے تھے۔ کافی دنوں تک ہم سب صرف اسید میاں کو یاد کرتے رہے اور ان کی محبتوں اور سعادت مندیوں کا تذکرہ کرتے رہے اور شاید یہ بھی پہلا ہی موقع ہو کہ کسی کی تعزیت میں پورا خانوادۂ بدایوں گیا ہو۔ حضرت اقدس سالم میاں صاحب قبلہ کی بغداد شریف سے واپسی پر حضرت امین ملت، حضرت شرف ملت، حضرت رفیق ملت، حضرت افضل میاں صاحب، برادر عزیز سید محمد امان، سید محمد عثمان، سید حسن حیدر سلمہٗ، ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی صاحب، برادرم محمد اکبر قادری اور راقم السطور بدایوں شریف حاضر ہوئے۔ اتنے غم اور صدمے کے ماحول میں بھی ذمہ دارانِ خانقاہ قادریہ نے فرزندان شمس مارہرہ کے ساتھ نیاز مندی اور دیرینہ روایتوں کی پاسداری کا جو نمونہ پیش کیا وہ ان حضرات کا موروثی وطیرہ ہے۔

حضرت امین ملت دام ظلہ نے پنج آیت اور شجرہ برکاتیہ پڑھ کر اسید میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کو ایصال ثواب کیا اور رقت آمیز طریقے

سے دعائے مغفرت فرمائی- حضرت شرف ملت نے خانوادۂ برکات کی طرف سے حضرت سالم میاں صاحب مدظلہٗ العالی کی خدمت میں تعزیتی کلمات پیش کیے اور دو اشعار ایسے اسید میاں کی رحلت کے حوالے سے پڑھے کہ حاضرین صبر نہ کر سکے اور فضا میں سسکیاں ہی تھوڑی دیر گردش کرتی رہیں- یہ کیسا دل دہلانے والا منظر تھا، اس کی گواہی وہی لوگ دے سکتے ہیں جو وہاں موجود تھے- حضرت اقدس سالم میاں صاحب اپنے اچھے صاحب کے فرزندوں کو دیکھ کر برملا فرمانے لگے کہ مجھے آپ حضرات کو دیکھ کر یوں لگ رہا ہے کہ جیسے حضور شمس مارہرہ ہی خود کرم فرمانے چلے آئے ہوں- اب اس مادی دنیا میں جن لوگوں میں یہ نیازمندی اور اعتراف قائم ہے انہی سے طریقت کے اصول زندہ ہیں ورنہ تو سب اپنی اپنی جگہ خود کفیل اور سمجھ دار ہو چکے ہیں-

اب اسے ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر:

اسید میاں ایک قدیم خانقاہ کے ولی عہد تھے، لیکن ان میں پیرزادوں والی ترک بھڑک، نخرے، ناز و نعم کا دور دور تک شائبہ نہ تھا- میں نے متعدد دفعہ دیکھا کہ دست بوسی کروانے سے کچھ الجھن میں آجاتے اور ہاتھ تیزی سے پیچھے کھینچ لیتے- دعوتوں، دوروں اور شادی کی تقریبات میں شمولیت سے تو تقریباً پرہیز کرتے تھے، میں نے کہا کہ تقریبات میں تو ہو آیا کریں، فرمانے لگے میرا وقت بہت برباد ہوتا ہے اور کھانا ویسے بھی کم اور سادہ کھانے کا شوقین ہوں- ہمارے گھر سے کسی نہ کسی کی شمولیت ہو جائے کافی ہے-

ان کی رحلت کے بعد ہر وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ واقعی ہم نے کیا چیز کھو دی- کم از کم میں اپنے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اسید میاں کو بے حد یاد کرتا ہوں- ان سے گفتگو، ان کے ساتھ ہنسنا، علمی و دینی مذاکرات، فی البدیہہ شعر و شاعری کی باتیں اور خاص طور سے پرانی باتیں یاد کرنا- اسید میاں یادداشت کے بڑے دھنی تھے، نہ جانے کب کب کی کہاں کہاں کی باتیں ان کو یاد رہتیں- ہماری اور ان کی اکثر باتیں اس زمانے کی ہوا کرتی تھیں کہ جب ہم ۱۰؍سال اور وہ ۷؍سال کے ہوا کرتے ہوں گے، لیکن لگتا ایسا تھا کہ جیسے ماضی کو ہتھیلی پر رکھ کر ہماری بات چیت چل رہی ہو- وہ پرانی پرانی رسومات کا تذکرہ بہت مزے لے لے کر کیا کرتے تھے- وہ اس قسم کی گفتگو شروع کرنے کے لیے مصرعہ دیتے اور میں پوری پوری غزل کہتا تھا- کسی بھی چیز کی منظر کشی میں وہ مہارت ہی نہیں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور اس سلسلے میں راقم کو بھی داد دیا کرتے- اکثر اوقات مختلف دوروں اور اجلاس کے بعد ہم لوگ تادیر آنکھوں دیکھا حال ایک دوسرے کو نشر کیا کرتے تھے-

بغداد شریف جانے سے قبل حضرت شرف ملت مدظلہٗ العالی کے نام ۴۵؍صفحے کا ایک خط لکھا- ان کو ارسال کرنے سے قبل مجھے ای میل کر کے فون کیا کہ آپ اس کو فوراً پڑھیے اور بتائیے کہ کیسا خط ہے- مجھ سے اس خط کے ایک ایک عنوان اور پیراگراف پر طویل گفتگو کی اور پھر شرف ملت کی خدمت میں ارسال کیا- کہنے لگے لوٹ کر آؤں گا تب فرصت سے اس پر بات ہوگی اور پھر حضرت امین ملت کی خدمت میں پیش کروں گا- ہم کو ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ اسید میاں اس طرح ہم سے جدا ہو جائیں گے- بغداد شریف حاضری سے قبل میری ان سے بہت باتیں ہوئیں اور بہت دیر دیر تک باتیں ہوئیں- روانگی سے پہلے ممبئی سے فون کیا کہ "ہم لوگ بارگاہ غوثیہ میں حاضر ہوتے ہیں تو قصیدہ غوثیہ و دیگر مناقب پڑھتے ہیں، ہم اس بار بارگاہ غوثیہ میں بیٹھ کر ان کے وہ نصائح تلاوت کریں گے جو انہوں نے اپنے صاحبزادے کو عنایت فرمائے تھے- پھر دوسرے روز فون آیا کہ ذرا ایک اقتباس سماعت کیجیے کہ کیسے کیسے رونگٹے کھڑے والی نصیحتیں ہیں، خاص طور پر ان کے لیے جو صاحب اقتدار اور مسند ارشاد کا خود کو حامل سمجھتے ہیں-

بغداد شریف حاضر ہونے کے بعد کچھ دن تک گفتگو میں توقف رہا تو میں حسب عادت دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ یار یہ تو بھول ہی گئے، کبھی فیس بک کے میسج باکس میں ان کے میسج دیکھے- اپنا بغداد شریف کا نمبر دیا اور آخر میں لکھا کہ "آپ کی بہت یاد آرہی ہے" میں نے جواب میں شعر لکھا کہ

آنکھوں کو انتظار کے لمحات سونپ کر
نیندیں بھی کوئی لے گیا اپنے سفر کے ساتھ

اس شعر کا جواب نہ آیا-

انتقال سے دو دن پہلے بے حد محبت بھرے انداز سے فون آیا، جب ان کا فون تاخیر سے آتا تو کبھی کبھار میں ایک جملہ بہت اپنائیت کے ساتھ ادا کرتا کہ "شاید میں احمد مجتبیٰ ہوں" وہی میں نے دہرایا-

فرمانے لگے جناب میں ہی فون کر رہا ہوں اور دیار غوث سے آپ کو فون کر رہا ہوں، خیریت بتائیے- خوب باتیں کیں، میں نے کہا کہ بھئی آپ نے البرکات علوم اسلامیہ کے نصاب کا ایک بڑا حصہ تیار کیا تھا اب اس کو شروع کرنا ہے تو دو ایک دن کے لیے یہاں علی گڑھ رہنے آجائیے تاکہ اس کو Final Shape دے دیں- بڑے انبساط سے بولے "ارے صاحب! خادموں کی طرح حاضر ہو جائیں گے" پھر اچانک کہا کہ "آپ حضرت امان میاں صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہہ دیجیے گا" اس وقت بھی ہم لوگوں نے خوب ہنس ہنس کر باتیں کی-- بس یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ ان سے میری آخری بات چیت ہے- ان کی ہندوستان آمد کا بے صبری سے انتظار تھا کہ واپس آئیں گے تو باتوں کا سارا کوٹہ پورا کریں گے، لیکن بس وہ انتظار انتظار ہی رہا اور اس کے بدلے یہ روح فرسا خبر ملی کہ اسید میاں تو ہمیشہ کے لیے انتظار کا خانہ چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے-- بقول حضرت شرف ملت کے "کلیجہ ساکٹ کر رہ گیا-" سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں، کبھی تنہا رو لیتے تھے، کبھی ان کے اور اپنے مشترکہ دوستوں سے بات کر کے رو لیتے تھے- آج بھی یقین نہیں ہوتا کہ ہمارے بھیا دنیا میں نہیں ہیں- آج بھی ان کو یاد کر کے اکثر آنکھیں بھر آتی ہیں، ابھی بھی وہ نظروں اور خیالوں میں گردش کرتے رہتے ہیں- میں اکثر سوچتا ہوں کہ بارگاہ غوثیت سے کیسی سچی عقیدت تھی کہ سراپا نذرانہ ہی بن کر اس بارگاہ میں پیش ہو گئے- سرکار غوث اعظم کو بھی اپنے اس چہیتے اور موروثی غلام سے ایسی الفت کی کہ اپنے یہاں بلائیں اور اپنے رب سے اس کو اپنے دربار کے لیے ہمیشہ کے لیے مانگ لیں اور اپنے شہزادوں کے درمیان ابدی آرام گاہ عطا فرما دیں- یہ سب منشائے ایزدی ہے اور ہم سب قانون قدرت کے تابع ہیں، وہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے- باقی رہنے والا نام بس اللہ کا ہی ہے-

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں اسید میاں کے مرقد کو اپنی رحمتوں کے پھولوں سے بھر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے- ہم سب خانوادۂ قادریہ کے اس غم میں برابر کے شریک و سہیم ہیں اور اسید میاں کا پرسا صرف ان کے اہل خاندان ہی کو نہیں بلکہ پوری اہل سنت و جماعت کو پیش کرتے ہیں کہ ہماری صف سے ایک ایسا سپاہی چلا گیا جو اس جماعت کے دفاع کے لیے دامے درمے قدمے قلمے سخنے تیار رہتا تھا- رب کریم خانقاہ قادریہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے برادران سے ان کے والد ماجد مدظلہٗ العالی کی سرپرستی میں دین و سنیت کے وہ سب کام لے جو عالم ربانی، شہید راہ بغداد، شمس مارہرہ کے عاشق صادق، مجیدی خاندان کے چشم و چراغ، وارث علوم فضل رسول، جگر گوشہ تاج الفحول، درشہوار صاحب اقتدار، مظہر عاشق رسول، اپنے ابا حضرت کے چہیتے بابا، بھیا اور شیخ صاحب، عطیف میاں اور عزام میاں کے مولوی بھائی یعنی حضرت علامہ الحاج اسید الحق محمد عاصم القادری عثمانی برکاتی ازہری ادھورے چھوڑ کر ہم سب کو خیرآباد کہتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو گئے ہیں- آمین

مضمون کے آخر میں یہ شعر ان کی حیات و ممات کی نظر کر کے قلم رکھتا ہوں:

ورق ورق سوزن قلم سے قبائے جاں اپنی سی رہے ہیں
نہ مار پائے گی موت ہم کو کہ ہم کتابوں میں جی رہے ہیں

□□□

☆ جوائنٹ سکریٹری: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ (یوپی)

بقیہ: عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات: ایک مطالعہ: بلکہ اساتذہ بھی مستفیض ہو سکیں گے- خصوصاً ہندو پاک کے عربی مدارس اور جامعات کے عربی شعبہ جات میں زبان و بیان کے نکات اور ترجمے کے آداب و طریقۂ کار کی تفہیم و تدریس کے لیے اس کتاب کو شامل نصاب کیا جانا چاہیے- ممکن ہے میری اس تجویز کو بعض اصحاب حسن ظن پر محمول کریں، ان سے میری گذارش ہوگی کہ مرحوم مصنف نے قرآن و حدیث، قدیم و جدید عربی شعر و ادب نیز انگریزی اور اردو ادب، اور بول چال سے ماخوذ محاورات اور مجازی معنوں کے حامل اظہارات کی مثالیں دے کر اور ان کی تفہیم یا ترجمے میں پیش آنے والی دشواریوں اور سرزد ہونے والی لغزشوں کی نشان دہی کرتے ہوئے جو علمی گفتگو کی ہے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کریں اور اس کے بعد فیصلہ صادر فرمائیں- □□□

☆ استاذ: شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی (مہاراشٹرا)

عبدالعلیم قادری☆

دس سالہ عملی زندگی کے چند یادگار شب و روز

مولانا شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کی ڈائری کے حوالے سے ان کی علمی و عملی زندگی کے چند یادگار لمحات

استاذ گرامی، عالم ربانی علامہ شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی علیہ الرحمہ نے ۲۰۰۴ء میں جامعۃ الازہر سے واپسی کے بعد اپنی علمی و عملی زندگی کا باضابطہ آغاز کیا-۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۴ء تک ان کی دس سالہ زندگی یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کی سچی تصویر تھی-ان دس سالوں میں انہوں نے تعلیم و تربیت، تنظیم و منصوبہ بندی، تحقیق و تصنیف اور تفکیر و تعمیل کے حوالے سے جو تاریخی کام کیا ایک زمانہ اس کا معترف ہے-استاذ گرامی کی زندگی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو انہیں معاصرین سے ممتاز کرتا ہے، وہ ہے ان کی زندگی کا حسن نظم-ان کی شخصیت کے داخلی و خارجی تمام عناصر میں حسن نظم و ترتیب کا نہایت خوب صورت اور باسلیقہ عکس جھلکتا ہے، جس کا ایک زندہ ثبوت ان کی ڈائریز بھی ہیں-شیخ صاحب کی ڈائریز پڑھنے سے ان کی شخصیت کی وہ بہت سی داخلی جہات سامنے آتی ہیں جو عام نگاہوں سے مخفی ہیں-ان کی ڈائریز اس لائق ہیں کہ انہیں باضابطہ طور سے علاحدہ شائع کیا جائے-ان کی ڈائریز پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس محقق اور منتظم اسید الحق کو دنیا نے دیکھا ہے اس سے درجوں بڑے مفکر اور مصلح اسید الحق کو کسی نے اب تک نہیں دیکھا تھا-ان کی ایک اور بڑی ممتاز خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنی زندگی کے اکثر علمی و تحقیقی واقعات، سیمینار، سمپوزیم اور کانفرنسیز میں شرکت کے واقعات، کانفرنسیز کے موضوعات، ان کے اہم شرکا اور ان میں پیش کردہ اپنے مقالے یا موضوع خطاب کو اختصار و جامعیت سے ایک ڈائری میں لکھا کرتے تھے-وہ اپنے علمی سفر حیات کی یادگار منزلوں کو کس طرح منظّم رکھتے تھے، اس حوالے سے بھی ان کی شخصیت اپنے معاصرین میں ممتاز نظر آتی ہے-ذیل میں ان کی ڈائری کے حوالے سے تاریخی ترتیب کے ساتھ ان کی دس سالہ عملی زندگی کے اہم واقعات قلم بند کیے جاتے ہیں-یہاں ان جلسوں یا پروگراموں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جو شہر بدایوں یا اس کے مضافات میں خانقاہ عالیہ قادریہ یا اس کے ذیلی اداروں کے زیر اہتمام ہوتے تھے، اگرچہ ان کا ریکارڈ بھی ان کی اس ڈائری میں موجود ہے-البتہ جو ورکشاپ یا سمر کلاسیز بدایوں میں منعقد کیے جاتے تھے ان کا ذکر کر دیا گیا ہے-

اس ڈائری کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے کہ:

مَیں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حد پرواز سے

نیز اسی کے نیچے مرقوم ہے:

شعارنا الوحید الی الاسلام من جدید

اب تاریخی ترتیب کے ساتھ اہم واقعات نذر قارئین ہیں-

۲۰۰۴ء

● ۴،۵/اکتوبر ۲۰۰۴ء کو ممبئی یونیورسٹی شعبۂ عربی کے زیر اہتمام ''ابوالریحان البیرونی کی حیات و خدمات'' پر دو روزہ سیمینار ہوا جس میں پروفیسر مہدی المحقق، پروفیسر پرویز ازکائی (تہران یونیورسٹی، ایران) اور ڈاکٹر محمود الرحمٰن (سابق وائس چانسلر، علی گڑھ) شریک تھے-حضرت شیخ صاحب

نے ''ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی'' کے عنوان سے ابوالریحان البیرونی پر مقالہ پیش کیا-یہ مقالہ بعد میں رسالہ ماہ نامہ مظہر حق بدایوں، جام نور دہلی اور ہفت روزہ اصول پونہ میں شائع ہوا-

۲۰۰۵ء

● ۳/جنوری ۲۰۰۵ء کو روٹری انٹرنیشنل کے زیر اہتمام کل مذاہب اجلاس (سرودھرم سمیلن)، مہمان خصوصی: پندھاری یادو (ڈی ایم بدایوں) بمقام میونسپلٹی پارک، بدایوں

● ضیا علی خاں اشرفی کی حیات و خدمات پر منعقدہ سیمینار میں شرکت۔ بمقام نئی سرائے بدایوں-

● ۲۴/تا ۲۹/جولائی ۲۰۰۵ء کو حضرت شیخ صاحب، حضرت مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ بنارس، بھدوہی، گھوسی، فیض آباد اور مبارک پور کے دورے کے لیے روانہ ہوئے-اس سفر میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور، جامعہ حمیدیہ بنارس، دارالعلوم ضیاء البرہان بنارس، دارالعلوم بھدوہی، دارالعلوم امجدیہ گھوسی اور مدرسہ شمس العلوم کے طلبہ سے خطاب بھی فرمایا-

● ۱/۲/نومبر ۲۰۰۵ء کو اسمبلی حال، اعظم کیمپس پونہ میں ایک پروگرام منعقد کیا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے ''بنیادی انسانی حقوق اور اسلام'' اور ''ذکر الٰہی اور اطمینان قلب'' کے عنوان پر لیکچرز دیے-

۲۰۰۶ء

● ۲۵/مارچ ۲۰۰۶ء کو نیشنل اسلامک فاؤنڈیشن بمقام اسلامی جم خانہ کلب ممبئی کے زیر اہتمام منعقدہ پروگرام میں حضرت شیخ صاحب نے ''اسلام، جہاد اور آتنک واد'' کے عنوان پر لیکچر دیا-اس میں صدارت تاج دار اہل سنت حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری کی رہی جب کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے کلیان جی ساؤلا اور ڈاکٹر فرانس سوامی نے شرکت کی-

● بمقام جامعہ صوفیہ کچھوچھہ شریف میں ۲۵/اور ۲۶/فروری ۲۰۰۶ء کو صوفی فاؤنڈیشن کے زیر انصرام ''صوفی سمپوزیم'' میں حضرت شیخ صاحب نے بھی شرکت فرمائی-اس سمپوزیم میں حضرت ڈاکٹر شمیم احمد منعمی (سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ، پٹنہ)، فیض الاقطاب (انگلینڈ)، ڈاکٹر امین اشرف (علی گڑھ) اور پروفیسر مسعود انور علوی کاکوروی (علی گڑھ) سے ملاقات بھی رہی-

● ۴/جون ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی (بستی) کے سالانہ تعلیمی مقابلہ برائے طلبہ میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے بہ حیثیت فیصل شرکت فرمائی-

● ۵/جون ۲۰۰۶ء کو حضرت شیخ صاحب نے مرکز تربیت افتا اوجھا گنج بستی کا دورہ فرمایا-

● ۶/جون ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں المجلس العلوی نے ''شعیب الاولیا انعامی مقابلہ'' کا انعقاد کیا جس میں توسیعی خطبات حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے پیش کیے-

● ۶/اکتوبر تا ۸/اکتوبر ۲۰۰۶ء اعظم کیمپس پونہ کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے شرکت کی اور توسیعی خطبات پیش کیے-اس میں ۶/اکتوبر کو حضرت شیخ صاحب نے ''اسلام اور خدمت خلق''، ۷/اکتوبر کو مولانا خوشتر نورانی نے ''طلاق کا اسلامی تصور'' اور ۹/اکتوبر کو حضرت شیخ صاحب نے ''توبہ'' کے موضوع پر خطاب کیا-

● ۶/نومبر ۲۰۰۶ء کو حضرت شیخ صاحب جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی کے داخلہ امتحان میں بحیثیت ممتحن شرکت فرمائی-اس میں ان کے ساتھ مولانا خوشتر نورانی بھی شریک رہے-

● ۱۹/دسمبر ۲۰۰۶ء کو حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی دارالعلوم وارثیہ، لکھنؤ تشریف لے گئے اور توسیعی خطبہ پیش کیا-اس اجلاس کی صدارت حضرت سید محمد اختر میاں چشتی مودودی (سجادہ نشین آستانۂ صمدیہ، پھپھوند شریف) نے فرمائی-

● ۱۲ر نومبر ۲۰۰۶ء کو حضرت شیخ صاحب بمعیت مولانا خوشتر نورانی عرس قاسمی کے ضمن میں منعقدہ سیمینار بموقع عرس قاسمی میں شرکت کے لیے مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور ''تہذیبوں کی کشمکش، دنیا کا مستقبل اور امت اسلامیہ'' کے موضوع پر مقالہ بھی پیش کیا۔

۲۰۰۷ء

● خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کے زیر اہتمام ۸ر تا ۱۱ر فروری ۲۰۰۷ء کو ''مقابلۂ علوم حدیث'' منعقد کیا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے متعدد خطبات پیش کیے۔ ۱۱ر فروری کو تقسیم انعامات کے لیے بہ حیثیت مہمان خصوصی شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی) تشریف لائے۔

● ۲۶ر اپریل ۲۰۰۷ء کو بمقام ناسک ''جشن غوث اعظم'' میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی تشریف لے گئے۔ اس اجلاس میں حضرت سید سبطین حیدر قادری برکاتی (مارہرہ شریف)، حضرت سید علی اشرف (صاحبزادہ سرکار کلاں کچھوچھہ شریف)، الحاج سعید نوری اور مولانا عبید اللہ خان اعظمی بھی شریک تھے۔ اگلے دن ۲۷ر اپریل ۲۰۰۷ء کو حضرت شیخ صاحب نے مفت آئی کیمپ کا افتتاح فرمایا جس میں پولس کمشنر ناسک اور میئر شہر ناسک بھی موجود تھے۔

● ۳ر مئی ۲۰۰۷ء کو دار العلوم سلطان الہند، فتح پور شیخاوٹی، راجستھان میں ''سرکار مدینہ کانفرنس'' میں حضرت شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔ اس کانفرنس میں مولانا خوشتر نورانی، علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، قاری صغیر احمد جوکھن پوری، مفتی شفیق احمد شریفی، مفتی شیر محمد (راجستھان) اور مولانا محمد عمر نورانی بھی شریک تھے۔

● ۱۱ر مئی ۲۰۰۷ء کو بمقام جامعہ حضرت نظام الدین اولیا دہلی میں ایک نصابی میٹنگ رکھی گئی، جس میں حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا نعمان ازہری، مولانا ڈاکٹر سجاد احمد مصباحی اور مولانا انوار احمد بغدادی بھی موجود تھے۔

● دار العلوم فیضان اشرف ناگور، راجستھان میں ۱۹ر مئی ۲۰۰۷ء کو تحریری وتقریری مقابلے میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے شرکت کی اور توسیعی خطبات پیش کیے۔

● ۴ر جون ۲۰۰۷ء کو جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کے ایک تربیتی کیمپ کے اختتامی اجلاس میں حضرت شیخ صاحب نے شرکت فرمائی اور خطاب بھی فرمایا، نیز اسی سفر میں ۵ر جون ۲۰۰۷ء کو جامعہ صمدیہ کے طلبہ سے بھی ''علوم حدیث'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

● ۷ار جون ۲۰۰۷ء کو حضرت شیخ صاحب بمعیت مولانا خوشتر نورانی تمل ناڈو پہنچے اور جامعہ غوث الوریٰ کے افتتاح کی تقریب میں خطاب فرمایا۔ اس میں مولانا خوشتر ربانی (باندہ) بھی شریک تھے۔ اسی سفر میں ۱۸ر جون ۲۰۰۷ء کو بمقام آثار شریف خانقاہ تنجاور میں جلسۂ استقبالیہ ہوا جس میں حضرت شیخ صاحب کو سپاس نامہ اور ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ ۱۹ر جون ۲۰۰۷ء کو خانقاہ قادریہ شطاریہ بمقام کلّی میں جلسہ استقبالیہ واعزازیہ میں شرکت فرمائی۔

● ۳۰ر اور ۳۱ر جولائی ۲۰۰۷ء کو حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ عرس محدث اعظم ہند، کچھوچھہ شریف تشریف لے گئے۔ اسی موقع پر جامع اشرف میں استقبال ہوا۔ اس سفر میں شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی، حضرت سید محمد ہاشمی میاں اشرفی، حضرت سید اظہار اشرف اشرفی الجیلانی، حضرت سید حسن عسکری میاں اشرفی، حضرت سید نورانی میاں اشرفی، حضرت سید احسن میاں اشرفی، حضرت سید قاسم اشرف اشرفی، حضرت سید غوثی میاں اشرفی، حضرت سید تنویر میاں اشرفی و دیگر حضرات سے ملاقات ہوئی۔

● ۴ر ستمبر ۲۰۰۷ء کو مدرسہ حمیدیہ اظہر العلوم، رامپور، یوپی کے جلسۂ دستار فضیلت میں حضرت شیخ صاحب تشریف لے گئے۔ اس میں مولانا محمد احمد نعیمی، مولانا خلیل اظہر اشرفی اور حضرت مفتی محبوب علی خاں وجیہی (شیخ الحدیث مدرسہ فرقانیہ، رامپور) بھی موجود تھے۔

● ۱۰ر نومبر ۲۰۰۷ء کو دار العلوم وارثیہ لکھنؤ میں مولانا یٰسین اختر مصباحی کی زیر صدارت ''علامہ فضل حق خیر آبادی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء''

پر سیمینار ہوا۔ اس سیمینار میں شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔

دیگر شرکا: حضرت سید محمد اختر میاں چشتی مودودی (سجادہ نشین آستانۂ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف)، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی گھوسی، مولانا خوشتر نورانی، مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان)، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، مولانا ادریس بستوی، قاری مظہر، مولانا غلام عبد القادر علوی (براؤں شریف) اور ڈاکٹر سنجے سنگھ (سابق مرکزی وزیر)۔

● ۱۶ر ۱۷ر نومبر ۲۰۰۷ء کو عرس قاسمی مارہرہ شریف میں حاضری ہوئی۔ ۱۶ر نومبر کی شب پروفیسر ابو الحسنات حقی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا، جس میں حضرت شیخ صاحب نے ''ظلمت شب میں اچانک دل تیرہ چمکا'' نظم پیش کی۔ ۱۷ر نومبر کو سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا، مجیب کی حیثیت سے اس پروگرام میں حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا یٰسین اختر مصباحی (دار القلم، دہلی) اور مفتی نظام الدین مصباحی (صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ) موجود تھے۔

۲۰۰۸ء

● یکم جنوری ۲۰۰۸ء کو ماہ نامہ جام نور کے آفس میں ''میڈیا سینٹر'' کی پہلی میٹنگ شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی) کے زیر صدارت منعقد ہوئی، جس میں حضرت شیخ صاحب کے علاوہ مولانا خوشتر نورانی، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)، ڈاکٹر مظفر سید، مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی (اسسٹنٹ پروفیسر پریزیڈینسی یونیورسٹی، کولکاتا)، مولانا ذیشان احمد مصباحی (استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں الہ آباد) بھی شریک تھے۔

● ۹ر مارچ ۲۰۰۸ء کو امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف) کے زیر سرپرستی، شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر دہلی) کے زیر صدارت اور ماہنامہ جام نور کے زیر اہتمام ''نیشنل میڈیا کنونشن'' منعقد ہوا، جس میں ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (حیدرآباد)، مولانا یٰسین اختر مصباحی (دار القلم، نئی دہلی)، بیرسٹر اسد الدین اویسی (ممبر آف پارلیمنٹ، حیدرآباد)، پروفیسر شافع قدوائی (علی گڑھ)، مفتی محمد مکرم احمد نقش بندی (شاہی امام جامع مسجد، دہلی) نے خطاب فرمایا۔ خطبۂ استقبالیہ مولانا خوشتر نورانی نے اور ہدیۂ تشکر حضرت شیخ صاحب نے پیش فرمایا۔

● ۱۲ر مارچ ۲۰۰۸ء کو عرس فریدی بدایوں شریف میں حضرت شیخ صاحب نے تقریر فرمائی۔ اس میں مفتی مطیع الرحمٰن مظفر پوری، مولانا سلطان بریلوی، مولانا قمر شاہ جہانپوری اور مولانا ڈاکٹر یٰسین علی عثمانی موجود تھے۔

● ۵/۶ر جون ۲۰۰۸ء کو مولانا غلام نبی صاحب کی شادی کے جشن میں مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ شیخ صاحب کلیر شریف تشریف لے گئے۔ اس میں امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف)، مفتی آل مصطفیٰ مصباحی (جامعہ امجدیہ، گھوسی)، مولانا صغیر اختر بریلوی اور الحاج سعید نوری بھی شریک تھے۔

● ۲۶ر جون ۲۰۰۸ء کو جامعہ عارفیہ سید سراواں الہ آباد میں ''جشن حجۃ الاسلام امام غزالی'' منعقد کیا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے ''ایمان، اسلام اور احسان'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

● ۱۲ر اکتوبر ۲۰۰۸ء کو جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی میں داخلے کے امتحان میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا نعمان ازہری ممتحن کی حیثیت سے شریک رہے۔

● ۱ر نومبر ۲۰۰۸ء کو مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، بہار شریف، نالندہ میں حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق (صاحب سجادہ خانقاہ اسدقیہ، پیر بیگہ، بہار) کی سرپرستی میں، ''کل ہند تعلیمی کانفرنس'' کا انعقاد ہوا۔ دن میں ''اسلام اور امن عالم'' کے عنوان پر سیمینار ہوا جس میں حضرت شیخ صاحب نے لیکچر دیا۔ اس موقع پر حضرت سید محمد اشرف میاں قادری (انکم ٹیکس کمشنر دہلی) مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ)،

مولانا خوشتر نورانی، مولانا عبدالمبین نعمانی، پروفیسر سید طلحہ رضوی برق، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، ڈاکٹر امجد رضا امجد اور ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علی گڑھ) بھی موجود تھے۔ رات کو بعد نماز عشا عوامی اجلاس شرف ملت حضرت سید اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر دہلی) کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں حضرت شیخ صاحب نے تقریر فرمائی۔

● ۲/ نومبر ۲۰۰۸ء کو مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ حضرت شیخ صاحب خانقاہ منعمیہ، پٹنہ اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت ڈاکٹر سید شمیم احمد منعمی (صاحب سجادہ خانقاہ منعمیہ، پٹنہ)، حضرت شاہ آیت اللہ قادری مجیبی (صاحب سجادہ پھلواری شریف)، مولانا منہاج الدین قادری مجیبی (برادر محترم حضرت شاہ آیت اللہ قادری مجیبی)، ڈاکٹر فتح اللہ قادری اور مولانا عابد احمد مجیبی سے ملاقات رہی۔

۲۰۰۹ء

● ۳/ جنوری ۲۰۰۹ء کو حضرت سید محمد اکبر میاں چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ چہلم کی محفل میں خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف میں حضرت شیخ صاحب کا خطاب ہوا۔ اس موقع پر مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور)، مولانا نصر اللہ مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا رحمت اللہ صدیقی اور مولانا مجاہد حسین حبیبی (الہ آباد) موجود تھے۔

● ۲۵/ جنوری ۲۰۰۹ء کو بمقام ٹاؤن ہال، احمد آباد گجرات میں The Holy Quran: a Guidanec for all Humankind (قرآن کریم پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہے) کے موضوع پر حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا۔ اس اجلاس میں مولانا نعمان احمد ازہری (استاذ: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ) نے بھی خطاب کیا۔

● ۲۵/ جنوری ۲۰۰۹ء (بعد عشا) بمقام بالاسور اڑیسہ ''صلاۃ وسلام کمیٹی'' کے زیر اہتمام کانفرنس منعقد کی گئی جس میں حضرت شیخ صاحب اور حضرت سید محمور جامی اشرفی (خانقاہ شہبازیہ، بھاگل پور) نے خطاب فرمایا۔

● ۱/ مارچ ۲۰۰۹ء کو بمقام اٹاوہ حضرت سید مصباح الحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ (پھپھوند شریف) کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عین النعیم چشتی کے عرس کے موقع پر حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا۔

● ۲۲/ مارچ ۲۰۰۹ء کو البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام ''عظمت رسول ﷺ کانفرنس'' بمقام کنیڈی ہال، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا، جس میں امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (صاحب سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف) کی صدارت رہی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے پی کے عبدالعزیز (وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، ڈاکٹر لیاقت معینی، ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی (صدر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، شاہ عبدالحمید باقوی اور مفتی قمر الدین (اندور) شریک تھے۔

● ۹/ اپریل ۲۰۰۹ء کو عرس آستانہ شریف، تنجاور (تمل ناڈو) میں شرکت کے لیے مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ حضرت شیخ صاحب تشریف لے گئے۔ ۱۰/ اپریل ۲۰۰۹ء کو آستانہ سقاف کی مسجد کا افتتاح ہوا، جس میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے خطاب کیا۔

● ۲۶/ اپریل ۲۰۰۹ء کو احمد آباد، گجرات میں ''منصوبہ بندی اسلامی ورکشاپ'' کے لیے میٹنگ ہوئی، جس میں شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔

● ۴/ مئی ۲۰۰۹ء: میٹنگ برائے ''منصوبہ بندی اسلامی ورکشاپ''، بمقام دولت خانہ شرف ملت حضرت سید اشرف میاں قادری برکاتی

شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا عطیف میاں قادری، مولانا خوشتر نورانی اور ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)

● ۷/ مئی ۲۰۰۹ء: میٹنگ تربیتی کیمپ برائے ائمہ مساجد بمقام دار العلوم وارثیہ لکھنؤ۔

شرکا: حضرت شیخ صاحب، حضرت مولانا عطیف میاں قادری، مولانا اقبال احمد (لکھنؤ)، قاری ابوالحسن (مہتمم) اور قاضی خطیب عالم۔

● ۲۴/ مئی ۲۰۰۹ء: میٹنگ تربیتی ورک شاپ برائے خطبا بمقام جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔

شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی جامعہ اشرفیہ)، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلی

ماہنامہ اشرفیہ) اور مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی (استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد)

● ۲۵/ اور ۲۶/ مئی کو عرس عزیزی مبارک پور میں حضرت شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔

● ۲/ تا ۷/ جون ۲۰۰۹ء کو بمقام احمد آباد، گجرات ''فہم اسلام ہفتہ'' منایا گیا، جس میں حضرت شیخ نے درج ذیل عنوانات پر خطبات فرمائے:

۲/ جون ۲۰۰۹ء: عقیدۂ توحید (بمقام ٹیگور ہال، احمد آباد)

۳/ جون ۲۰۰۹ء: عقیدۂ رسالت وآخرت (بمقام ٹیگور ہال، احمد آباد)

۴/ جون ۲۰۰۹ء: اسلام کا تصور علم (بمقام سورت)

۵/ جون ۲۰۰۹ء: تقریر وخطبہ جمعہ

۶/ جون ۲۰۰۹ء: کائنات اور ہماری ذمہ داریاں

۷/ جون ۲۰۰۹ء: تزکیۂ نفس۔ (بمقام ٹاؤن ہال، احمد آباد)

☆ ۱۸/ جون ۲۰۰۹ء: ''جشن حجۃ الاسلام امام غزالی'' خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد میں شیخ صاحب نے خطاب فرمایا، ان کے علاوہ پروفیسر اختر الواسع (استاذ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) نے بھی خطاب کیا۔

☆ ۴/ جولائی ۲۰۰۹ء کو عرس نوری مارہرہ شریف کے مشاعرے میں حضرت شیخ نے شرکت کی۔

صدارت: ڈاکٹر سید امین اشرف (استاذ: مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

شرکا: شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)، افسر امروہوی، حضرت سید منظر میاں چشتی (خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف)، میکائیل ضیائی اور قاسم حبیبی وغیرہ۔

● ۱۲/ جولائی ۲۰۰۹ء تربیتی ورکشاپ برائے ائمہ مساجد بمقام دار العلوم وارثیہ لکھنؤ۔

صدارت: شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)

خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا یعقوب قادری (دہلی)، مولانا مبارک حسین مصباحی اور مولانا اقبال احمد (لکھنؤ)

● ۱۶/ جولائی ۲۰۰۹ء کو مشاورتی میٹنگ برائے اجرا پندرہ روزہ اردو وانگریزی میگزین ''نیو ایج ویژن'' بمقام دولت خانہ شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)

شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی اور ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)

☆ ۲۰/ جولائی تا ۳/ اگست ۲۰۰۹ء: دورۂ پاکستان

۲۰/ جولائی ۲۰۰۹ء: ایئر پورٹ پر حضرت سید کلیم اشرف جائسی (صاحب سجادہ: خانقاہ اشرفیہ، جائس، رائے بریلی) اور مولانا سید جمال اشرف جائسی سے حضرت شیخ کی ملاقات ہوئی۔

۲۱/ جولائی ۲۰۰۹ء: مولانا محمد حسین عطاری، مفتی شاہد عطاری اور مفتی حسان عطاری سے ملاقات ہوئی۔

۲۲/ جولائی ۲۰۰۹ء: مرکز تحریک دعوت اسلامی ''فیضان مدینہ'' کراچی کا دورہ۔

۲۴/ جولائی ۲۰۰۹ء: صاحبزادہ تسلیم احمد صابری، خلیل وارثی، قاسم جلالی اور حاجی رؤف (مالک QTV) سے حضرت شیخ کی ملاقات ہوئی، نیز اسی دن صاحبزادہ تسلیم احمد صابری نے QTV پر شیخ صاحب کا لائیو انٹرویو لیا۔

۲۵/ جولائی ۲۰۰۹ء: مولانا کوکب نورانی سے ملاقات۔

۲۶/ جولائی ۲۰۰۹ء: حکیم سید محمود احمد برکاتی (نبیرۂ حضرت مولانا سید حکیم برکات احمد ٹونکی) سے ملاقات۔

●١٩/اگست ٢٠٠٩ء کو پندرہ روزہ میگزین ''نیوایج ویژن'' کی میٹنگ ہوئی۔
شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی) اور مولانا ذیشان احمد مصباحی (استاذ: جامعہ عارفیہ، الہ آباد)
●٢٩/اکتوبر ٢٠٠٩ء: میٹنگ ہوٹل پکاسو، دہلی
مہمان خصوصی: حاجی عبدالرؤف (مالک QTV)
شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی اور ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)
●٦/٧/اور ٨/نومبر عرس قاسمی مارہرہ شریف میں شرکت کے لیے شیخ صاحب تشریف لے گئے۔
٦/نومبر کو حضرت شیخ صاحب نے منقبت پڑھی اور ٧/نومبر کو ''فکر وتدبیر کانفرنس'' میں خطاب فرمایا۔
●٢٢/نومبر ٢٠٠٩ء کو اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ کے زیر اہتمام فانی بدایونی کی شاعری پر سیمینار، بمقام ضلع پنچایت ہال، بدایوں۔
صدارت: ترنم عقیل (صدر اردو اکادمی لکھنؤ) نظامت: ڈاکٹر شمس بدایونی۔
مہمانان خصوصی: حضرت شیخ صاحب، ادیب لطیف بریلوی اور ڈسٹرکٹ جج بدایوں۔
●٣/دسمبر ٢٠٠٩ء کو ''آل انڈیا مدرسہ کوآرڈی نیشن کمیٹی'' علی گڑھ کی جانب سے ایک میمورنڈم ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' کے قیام کی حمایت میں جناب کپل سبل (وزیر: انسانی وسائل، حکومت ہند) کو پیش کیا گیا، جس کی قیادت امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (صاحب سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف) نے کی اور حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی) اور ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی (کوآرڈی نیٹر: جامعۃ البرکات، علی گڑھ) وفد کے رکن کی حیثیت سے شامل تھے۔

٢٠١٠ء

●٢٢/جنوری ٢٠١٠ء کو بمقام سورت گجرات میں ''مثالی مسلمان'' کے عنوان پر سمپوزیم ہوا۔
خطاب: حضرت شیخ صاحب اور مولانا نعمان احمد اعظمی ازہری
●٢٣/جنوری ٢٠١٠ء کو دورہ ادارۂ منہاج القرآن، بڑودہ، گجرات۔
●٢٤/جنوری ٢٠١٠ء بمقام ٹاؤن ہال، احمد آباد، گجرات ''مثالی مسلمان'' پر سمپوزیم ہوا۔
خطاب: حضرت شیخ صاحب، ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (حیدر آباد) اور مولانا نعمان احمد ازہری۔
●٢٧/جنوری ٢٠١٠ء کو دارالعلوم شیخ احمد کھٹو، سرکھیج، گجرات میں حضرت شیخ صاحب نے ختم بخاری شریف کا درس دیا۔
●١/فروری ٢٠١٠ء بروز پیر جلسہ استقبالیہ، بمقام موتی مسجد، کھنڈوا، مدھیہ پردیش۔
خطاب: حضرت شیخ صاحب بعنوان ''قرآن اور ہماری ذمہ داریاں''
●٦/فروری ٢٠١٠ء کو جلسۂ دستار فضیلت، بمقام دارالعلوم ربانیہ، باندہ، یوپی۔
صدارت: حضرت مولانا سید مظہر ربانی اور نظامت: حضرت مولانا سید غازی ربانی۔
مقررین: حضرت شیخ صاحب، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)، مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور) اور مولانا ہاشم کانپوری۔
●٧/اپریل ٢٠١٠ء: ''جشن اختتام قرآن'' بمقام [illegible]

شرکا: حضرت سید محمد اختر میاں چشتی مودودی (صاحب سجادہ آستانہ صمدیہ، پھپھوند شریف) حضرت شیخ صاحب، مولانا یٰسین اختر مصباحی (دار القلم، دہلی) اور مولانا خوشتر نورانی
●١٧/١٨/اپریل ٢٠١٠ء کو میٹنگ برائے منصوبہ بندی ''البرکات اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ'' بمقام جامعۃ البرکات، علی گڑھ۔
شرکا: حضرت شیخ صاحب، امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (صاحب سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف)، شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)، مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)، مولانا یٰسین اختر مصباحی (دار القلم، نئی دہلی)، مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)، ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (حیدر آباد)، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)، ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی (جوائنٹ سکریٹری: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ)، حضرت سید محمد امان میاں قادری برکاتی (ولی عہد خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف)، ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی، مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی (اسسٹنٹ پروفیسر پریزیڈنسی یونیورسٹی، کولکاتا)، مولانا نعمان احمد ازہری (استاذ: جامعۃ البرکات، علی گڑھ)، مولانا تاج محمد ازہری، مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی۔
● یکم مئی ٢٠١٠ء کو ''اقرا تعلیمی کانفرنس'' بمقام فتح پور ہسوا، زیر اہتمام شمس العلوم ایجوکیشنل سوسائٹی۔
خطاب: حضرت شیخ صاحب اور ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علی گڑھ)
●٢٣/مئی ٢٠١٠ء کو ''مثالی شوہر اور مثالی بیوی'' کے عنوان پر سمپوزیم، بمقام ٹاؤن ہال، احمد آباد گجرات، زیر اہتمام الاخلاص فاؤنڈیشن احمد آباد۔
خطاب: حضرت شیخ صاحب اور مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی (استاذ: پریزیڈنسی یونیورسٹی، کولکاتا)
●٦/جون ٢٠١٠ء کو عرس و چہلم حضرت شمو میاں، بمقام خانقاہ صفویہ صفی پور شریف، ضلع اناؤ، یوپی۔
تقریر: حضرت شیخ صاحب، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)، مولانا عبد الحق مصباحی (استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)، مولانا نعیم مصباحی (صاحبزادہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور) اور مولانا عارف اقبال مصباحی (مہتمم: دار العلوم تاج الشریعہ، مدھوبنی، بہار)
●١٠/تا ١٤/جون ملاقات سید صبیح الدین صبیح رحمانی (پاکستان) بمقام دولت خانہ مولانا خوشتر نورانی، دہلی۔
●١٩/ستمبر ٢٠١٠ء کو ''کل مذاہب اجلاس'' بمقام گرین ووڈ اسکول بدایوں (امن و شانتی برقرار رکھنے کے لیے)
شرکا: مختلف مذاہب، مسالک اور سیاسی جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا۔
●٢٩/تا ٣١/اکتوبر عرس قاسمی، مارہرہ شریف میں شرکت۔ ٣٠/اکتوبر کو ''فکر وتدبیر کانفرنس'' میں حضرت شیخ نے مختصر تاثر پیش کیا۔
●٢٢/نومبر تا ٩/دسمبر ''سفر پاکستان'' ہمراہ مولانا خوشتر نورانی۔
اہم شخصیات سے ملاقات: مولانا الیاس عطار قادری (امیر دعوت اسلامی) مولانا کوکب نورانی اکاڑوی، مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی، مولانا محمد حسین گردیزی مولانا ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر (صدر: جمعیۃ علمائے پاکستان) قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی (شہزادۂ صدر الشریعہ) سید صبیح الدین صبیح رحمانی، صاحبزادہ تسلیم احمد صابری، حاجی عبد الرؤف (مالک کیوٹی وی) وغیرہ

٢٠١١ء

●١٣/جنوری ٢٠١١ء کو ''الاخلاص فاؤنڈیشن'' کے زیر اہتمام سیمینار (احمد آباد، گجرات) میں شرکت۔
خطاب: ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (حیدر آباد) اور حضرت شیخ صاحب، بعنوان محبت الٰہی
●١٦/جنوری ٢٠١١ء کو ''سادات ایسوسی ایشن'' کے زیر انصرام منعقدہ اجلاس میں شرکت۔
خطاب: حضرت شیخ صاحب بعنوان ''سادات کے حقوق و فرائض''

● ۲۱/جنوری ۲۰۱۱ء کو مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ جمشید پور میں عرس قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ میں شرکت۔
خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی و دیگر۔
● ۲۲/جنوری ۲۰۱۱ء کو تحریک ''پیغام اسلام'' جمشید پور کے نام سے خصوصی اجلاس۔
خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی اور مولانا سید سیف الدین اصدق چشتی۔
● ۱۳/فروری ۲۰۱۱ء کو ''شانتی سمیلن'' بمقام اسلامیہ انٹر کالج، بدایوں
زیر صدارت: تاجدار اہل سنت حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری
شرکا: حضرت شیخ صاحب، حضرت مولانا عطیف میاں قادری، مولانا خوشتر نورانی، مولانا یٰسین اختر مصباحی (دار القلم دہلی)، پروفیسر اختر الواسع (دہلی)، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)، جناب بیکل اتساہی، سوامی اگنی ویش، پنڈت انیل شاستری، سردار گرمیت سنگھ اور فادر ایم ڈی تھامس۔ ناظم اجلاس ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن۔
● ۱۷/مارچ ۲۰۱۱ء: جلسہ غوث اعظم، بمقام مغل پورہ پلے گراؤنڈ، حیدر آباد، زیر اہتمام اتحاد سوسائٹی حیدر آباد۔
زیر صدارت: حضرت سید قبول پاشا حسینی جانشین کامل
مقررین: حضرت شیخ صاحب (مقرر خصوصی)، مولانا ظہیر الدین علی صوفی اور مولانا محمد اولیا حسینی مرتضٰی پاشا۔
● ۱۹/مئی، بمقام گھوسی، ضلع مئو، ''جشن شکیل اعظمی'' نعتیہ مشاعرہ۔ صدارت: جناب بیکل اتساہی۔
تاثرات: مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور) اور مولانا زاہد سلامی (استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)
مہمان خصوصی: حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی۔
● ۱۷/مئی ۲۰۱۱ء کو ہمراہ مولانا خوشتر نورانی خیر آباد و لکھنؤ کا سفر۔
ملاقات: حضرت سید فرقان میاں (زیب سجادہ خانقاہ حافظیہ، خیر آباد) جناب نوح الحق خیر آبادی (نبیرۂ علامہ فضل حق خیر آبادی) اور مولانا عبدالحق خیر آبادی و مولانا فضل امام خیر آبادی کے مزارات پر حاضری۔
● ۱۸/مئی ۲۰۱۱ء کو قبرستان ''باغ مولوی انوار اللہ'' میں واقع علمائے فرنگی محل کے مزارات پر شیخ صاحب نے حاضری دی اور مولانا جلال الدین عبدالمتین، ڈاکٹر نزہت فاطمہ اور ڈاکٹر ولی الحق انصاری سے ملاقاتیں فرمائیں۔
● ۲۹/مئی تا ۴/جون ۲۰۱۱ء سفر حیدر آباد۔
۲۹/مئی ۲۰۱۱: ''تصوف اور اہل تصوف'' پر سیمینار میں شرکت۔
صدارت: ڈاکٹر سید شاہ عبدالحمید اکبر (ڈین فیکلٹی آف آرٹس گلبرگہ یونیورسٹی)
مقالہ: حضرت شیخ صاحب بعنوان ''تصوف اور مستشرقین''
۳۰/مئی ۲۰۱۱: دورۂ جامعہ نظامیہ اور مفتی خلیل احمد نقش بندی (شیخ جامعہ نظامیہ) سے ملاقات۔
۳۱/مئی ۲۰۱۱: دورۂ شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی اور ڈاکٹر مصطفٰی شریف (صدر شعبۂ عربی) سے ملاقات۔
۱/۲/جون ۲۰۱۱: لائبریری عثمانیہ یونیورسٹی کا دورہ۔
۳/جون ۲۰۱۱: دورہ ''ابو الحسنات ریسرچ سنٹر'' اور ''الہدایہ آرگنائزیشن''، مولانا ضیاء الدین احمد نقش بندی (بانی ابو الحسنات ریسرچ سنٹر) اور مولانا حبیب احمد نظامی سے ملاقات۔

● ۱۳/تا ۱۵/جون ۲۰۱۱ء عرس نوری مارہرہ شریف میں شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔
● ۱۴/جون کو حضرت شیخ صاحب نے نظم پڑھی۔
● ۵/ستمبر کو حضرت سید یحیٰی میاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ کی فاتحہ چہلم میں شرکت۔
● ۱۵/اکتوبر ۲۰۱۱ء کو حضرت شیخ صاحب نے مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ ''علامہ فضل حق خیر آبادی نیشنل کانفرنس''، زیر اہتمام فضل حق اکیڈمی دہلی و مینائیہ ایجوکیشنل سوسائٹی، لکھنؤ میں شرکت کی۔
دیگر مہمانان و مندوبین: دگ وجے سنگھ (لیڈر کانگریس و مرکزی وزیر)، سلمان خورشید (لیڈر کانگریس و مرکزی وزیر)، پروفیسر اختر الواسع، مولانا عبید اللہ خاں اعظمی، مولانا خالد رشید فرنگی محلی، ظفریاب جیلانی (ایڈوکیٹ)، مولانا توقیر رضا خاں (خانقاہ رضویہ، بریلی)، مولانا یٰسین اختر مصباحی (دار القلم، نئی دہلی)، مولانا ادریس بستوی۔ اس کانفرنس میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی کو علامہ فضل حق خیر آبادی پر تحقیقی کام کرنے کے سلسلے میں توصیفی سند اور اعزاز سے نوازا گیا۔
● ۲۸/تا ۳۰/اکتوبر ۲۰۱۱ کو عرس قاسمی، مارہرہ شریف میں حضرت شیخ نے شرکت فرمائی۔
۲۸/اکتوبر کو شرکت، ۲۹/اکتوبر کو فکر و تدبیر کانفرنس میں ''جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی'' کے عنوان پر حضرت شیخ صاحب کے علاوہ دیگر ۷/افراد کی گفتگو، ۲۹/اکتوبر کی شب کو حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی کو علامہ فضل حق خیر آبادی کے سلسلے میں علمی و تحقیقی تصانیف پر خانقاہ برکاتیہ کی طرف سے مبلغ ۲۱۰۰۰/روپے، توصیفی سند اور شیلڈ پیش کی گئی۔
● ۲۶/نومبر ۲۰۱۱ء: ''مشائخ طریقت کانفرنس'' بمقام اسلامیہ انٹر کالج، بریلی، زیر اہتمام شاہ ثقلین اکیڈمی، بریلی۔
سرپرستی: حضرت شاہ ثقلین میاں قادری مجددی (صاحب سجادہ خانقاہ شرافتیہ، بریلی)
صدارت: حضرت سید محمد اشرف میاں کچھوچھوی (صدر: آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ، لکھنؤ)
حضرت شیخ صاحب نے تاثرات پیش فرمائے۔
● ۳۱/دسمبر ۲۰۱۱ء: ''جشن خواجہ نظام الدین'' زیر اہتمام صلوۃ و سلام کمیٹی، بمقام بالاسور، اڑیسہ۔
صدارت و خطابت: حضرت شیخ صاحب، ساتھی مقرر حضرت مولانا سید محمد مظہر میاں چشتی (خانقاہ صمدیہ، پھپھوند شریف)

۲۰۱۲ء

● ۲/جنوری ۲۰۱۲ء کو دار العلوم مجاہد ملت، دھام نگر، اڑیسہ میں شیخ صاحب کو استقبالیہ دیا گیا اور آپ نے طلبہ سے خطاب فرمایا۔
خطبۂ استقبالیہ: مولانا نوشاد عالم مصباحی (پرنسپل: دار العلوم مجاہد ملت) مولانا حنیف مصباحی (شیخ الحدیث: دار العلوم مجاہد ملت)
● ۱۶/۱۷/جنوری ۲۰۱۲ء: سفر ٹونک (راجستھان) ہمراہ مولانا خوشتر نورانی اور مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی۔ ۱۸/جنوری کو حاضری اجمیر شریف۔
● ۲۴/جنوری ۲۰۱۲ء کو ''امام احمد رضا سیمینار'' (جامعہ قادریہ مظہر العلوم، علی پور ضلع کلیا چک، بنگال) میں مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ حضرت شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔
صدارت: مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی۔
خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی اور پروفیسر فاروق احمد صدیقی۔
● ۲۹/جنوری ۲۰۱۲ء کو ''علامہ فضل حق سیمینار'' بمقام بھیونڈی، ضلع تھانہ، مہاراشٹر۔
صدارت: پروفیسر صاحب علی (صدر شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی)
شرکا و مقررین: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا یٰسین اختر مصباحی (دار القلم، دہلی)، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل

ئے فروغ اردو زبان، نئی دہلی) اور سید فضل اللہ چشتی۔

● ۱۶؍فروری ۲۰۱۲ء کو افتتاح میڈیکل کیمپ بدست حضرت شیخ صاحب، زیر اہتمام: ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ، بدایوں۔

● ۲۵؍فروری ۲۰۱۲ء جلسہ تقسیم انعامات، بمقام فلاح دارین جونیئر ہائی اسکول، احمد آباد، گجرات۔

مہمان خصوصی وخطاب: حضرت شیخ صاحب۔

● ۲۶؍فروری ۲۰۱۲ء: سالانہ سیمینار، بعنوان ’’اسلام اور عالمی بھائی چارہ‘‘ بمقام احمد آباد، گجرات۔

خطاب: حضرت شیخ صاحب اور مولانا انوار احمد بغدادی (دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی)

● ۲۷؍۲۸؍فروری ۲۰۱۲ء: قومی سیمینار بعنوان ’’عربی اور اردو کے درمیان ادبی اور لسانی رشتے‘‘ بمقام شعبۂ عربی، ممبئی یونیورسٹی (ممبئی)

مقالہ: حضرت شیخ صاحب

شرکا: ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (حیدرآباد)، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (مدیر: ماہنامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ)، ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی (استاذ: مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) اور پروفیسر نعمان احمد وغیرہ۔

● ۱۲؍۱۳؍۱۴؍مارچ ۲۰۱۲ء: انٹرنیشنل سیمینار، بمقام جواہر لال نہرو یونیورسٹی، شعبۂ لسانیات دہلی، عنوان: ’’سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت کی عکاسی‘‘۔

خصوصی اجلاس بعنوان ’’ہندوستانی تہذیب وثقافت صوفیہ کی نظر میں‘‘

صدارت: مولانا سید قاسم اشرف اشرفی الجیلانی (کچھوچھہ شریف)

شرکا: مسٹر سبودھ کانت سہائے (مرکزی وزیر برائے سیاحت، حکومت ہند) اور پروفیسر آنند کمار۔

ان کے علاوہ اس تین روزہ سیمینار میں ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیز کے تقریباً ۶۰؍مندوبین اور تقریباً ۱۹؍غیر ملکی اسکالرز شریک ہوئے۔

مقالہ: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، محترمہ لیلیٰ ٹیگی (ملیشیا)، محترمہ شگوفہ (سویڈن)۔

● ۲۲؍مارچ ۲۰۱۲ء: جشن غوث الوریٰ بمقام الٰہ آباد، یوپی

خطاب: حضرت شیخ صاحب اور شرکت امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی وقاری رئیس احمد (چرہ، محمد پور، فیض آباد)۔

● ۹؍جون ۲۰۱۲ء: آل انڈیا ثقلینی شرافتی کانفرنس، بمقام مرادآباد، زیر اہتمام خانقاہ شرافتیہ، بریلی۔

صدارت وسرپرستی: حضرت شاہ ثقلین میاں قادری مجددی (صاحب سجادہ: خانقاہ شرافتیہ، بریلی)

خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)، مولانا زاہد رضا، مولانا سید اسلم واسقی، مولانا سعید اختر بھوجپوری اور مولانا مفتی ایوب نعیمی (جامعہ نعیمیہ، مرادآباد)

● ۱؍تا۳؍جون ۲۰۱۲ء عرس نوری مارہرہ شریف میں شرکت۔

● ۱۷؍جولائی ۲۰۱۲: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے عربی پینل کی میٹنگ میں شرکت۔

شرکا: حضرت شیخ صاحب، ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (حیدرآباد)، پروفیسر اسلم اصلاحی (استاذ: جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی)، پروفیسر زبیر فاروقی (استاذ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)، پروفیسر شفیق ندوی (استاذ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)

● ۲؍تا۴؍نومبر ۲۰۱۲ء: عرس قاسمی برکاتی میں شرکت۔

۲؍دسمبر ۲۰۱۲ء کو ’’فکر وتدبیر کانفرنس‘‘ میں حضرت شیخ صاحب کا خطاب۔

۲۰۱۳ء

● ۲۴؍مارچ ۲۰۱۳ء: ’’امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار وکانفرنس‘‘، بمقام باره دری، لکھنؤ۔

صدارت: مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)

شرکا: حضرت سید محمد اختر میاں چشتی (صاحب سجادہ خانقاہ صمدیہ، پھپھوند شریف)، مولانا یٰسین اختر مصباحی (دارالقلم، دہلی)، مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ)، مولانا عبدالحفیظ (سربراہ اعلیٰ: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور)، مفتی ابوالعرفان میاں فرنگی محلی، مولانا فروغ احمد اعظمی (دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی)، مولانا غلام عبدالقادر علوی (مہتمم: دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف)، مولانا اقبال احمد قادری (لکھنؤ) اور قاری محمد احمد بقائی، وغیرہ۔

اس سیمینار میں حضرت شیخ صاحب نے ’’امام اعظم اور ائمہ اہل بیت اطہار‘‘ پر خطاب فرمایا۔

● ۹؍۱۰؍اپریل ۲۰۱۳ء: مقابلہ تحریر وتقریر، بمقام جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف۔

اس اجلاس میں حضرت شیخ صاحب نے طلبہ کے لیے تربیتی واصلاحی خطاب فرمایا۔

شرکا: مولانا ذیشان احمد مصباحی، مولانا مجیب الرحمٰن علیمی (مدرسین: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد)

● ۲۲؍مئی ۲۰۱۳ء: عرس نوری میں شرکت۔

● ۶؍جون ۲۰۱۳ء: حضرت شیخ صاحب کا خطاب بعنوان ’’اللہ کی مدد کے شرائط‘‘ بمقام ٹاؤن ہال، احمد آباد، گجرات۔

● ۷؍اگست ۲۰۱۳ء: عرس شاہ شجاعت میاں ککرالہ، ضلع بدایوں میں حضرت شیخ صاحب کی شرکت اور خطاب۔

● ۱۵؍ستمبر ۲۰۱۳ء: جلسۂ عام، بمقام پتھورا گڑھ، اتراکھنڈ۔

خطاب حضرت شیخ صاحب۔

● ۱۹؍ستمبر ۲۰۱۳ء: سمپوزیم برائے ’’ثبوت رویت ہلال‘‘، زیر اہتمام درگاہ کمیٹی، اجمیر شریف۔

زیر صدارت: قاضی شہر اجمیر شریف۔

شرکا: مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور)، مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی: الجامعۃ الاشرفیہ)، مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی، مفتی انفاس الحسن چشتی (شیخ الحدیث: جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف)، مفتی ابوالعرفان میاں فرنگی محلی (لکھنؤ)، مولانا قمر عالم رضوی (شیخ الحدیث دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی)۔

● ۲۱؍اکتوبر ۲۰۱۳ء کو امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کے جنازے میں شرکت کے لیے مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ حضرت شیخ صاحب سنگھیا، ضلع پورنیہ، بہار تشریف لے گئے۔

● ۲۳؍نومبر ۲۰۱۳ء عرس قاسمی مارہرہ شریف میں شرکت۔

● ۸؍فروری ۲۰۱۴ء کو جامعہ سعدیہ، کیرلا کے ۴۴؍ویں سمپوزیم میں شرکت کے لیے شیخ صاحب کیرلا تشریف لے گئے۔

دن میں جامعہ سعدیہ، کیرلا کے طلبہ سے خطاب کیا اور رات میں جلسہ عام میں تقریر بھی کی۔

خانقاہ قادریہ اور اس کے ذیلی اداروں کے زیر اہتمام منعقدہ کچھ اہم پروگرام

● دسمبر ۲۰۰۴ء میں ’’محافل فہم دین‘‘ کے نام سے مدرسہ عالیہ قادریہ میں توسیعی خطبات رکھے گئے، جس میں ۱۱، ۱۸، ۲۵؍دسمبر اور ۱؍جنوری کو بالترتیب محفل فہم قرآن، محفل فہم حدیث، محفل فہم سیرت اور محفل فہم تصوف کے نام سے حضرت شیخ صاحب نے لیکچرز دیے۔

● جلوس سیرت اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام بمقام جامع مسجد شمسی بدایوں میں ۱ر تا ۱۰ر اپریل ۲۰۰۵ء ''محافل فہم سیرت'' کے عنوان پر دس خطبات رکھے گئے، جس میں حضرت شیخ صاحب نے سیرت کے مختلف گوشوں پر مکمل دس خطبات ارشاد فرمائے۔

● ملی مسائل کے پیش نظر ۲۴ر تا ۳۰ر جون ۲۰۰۵ء کو خانقاہ عالیہ قادریہ کے زیر اہتمام ''فہم قرآن ہفتہ'' منعقد کیا گیا۔
جس میں ۲۷ر جون کو ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (استاذ: شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد) اور وشوانند کو بہ حیثیت مہمان خصوصی مدعو کیا گیا جس میں انہوں نے جہاد پر گفتگو کی۔
۲۸ر جون کو حضرت مولانا خوشتر نورانی اور ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی (علی گڑھ) کو مدعو کیا گیا جس میں ان کا موضوع ''طلاق'' تھا۔
۲۹ر جون کو حضرت شیخ صاحب اور پندھاری یادو (سابق ڈی ایم بدایوں) نے ''انسانی حقوق'' کے موضوع پر خطاب کیا۔
آخر میں ۳۰ر جون کو تقسیم انعامات رکھا گیا جس میں سعید الزماں صدیقی (ڈسٹرکٹ جج) کو مدعو کیا گیا۔

● طلبۂ مدارس اسلامیہ کے لیے الازہر انسٹی ٹیوٹ بدایوں کے زیر انصرام ۱۸ر تا ۲۹ر جنوری ۲۰۰۶ء ''تعلیمی و تربیتی ورکشاپ'' رکھا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے خطبات ارشاد فرمائے۔

● ۸ر اپریل ۲۰۰۶ء کو بمقام نگر پالیکا کمیونٹی ہال بدایوں میں الازہر انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی نے لیکچرز دیے۔ اس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے برجندر اوستھی کو مدعو کیا گیا۔

● الازہر انسٹی ٹیوٹ بدایوں کے زیر اہتمام بمقام اوجھیانی تین روزہ اسلامی تربیتی ورکشاپ رکھا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے توحید وشرک، عقیدۂ نبوت اور نکاح وطلاق کے عنوان پر گفتگو فرمائی۔

● بمقام اوجھیانی بدایوں شریف میں الازہر انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ۲۰ر تا ۲۳ مئی ۲۰۰۸ء کو تعلیمی و تربیتی ورکشاپ منعقد کیا گیا جس میں مسلسل حضرت شیخ صاحب نے خطبات ارشاد فرمائے۔

● الازہر انسٹی ٹیوٹ بدایوں شریف کے زیر اہتمام بمقام نقویہ گرلس کالج بدایوں شریف ''تعلیمی و تربیتی کیمپ'' رکھا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے درج ذیل موضوعات پر خطاب فرمایا۔

۸ر جون ۲۰۰۸ء: عقیدۂ توحید
۹ر جون ۲۰۰۸ء: عقیدۂ رسالت
۱۰ر جون ۲۰۰۸ء: عقیدۂ آخرت
۱۱ر جون ۲۰۰۸ء: قرآن معجزہ کیوں؟
۱۲ر جون ۲۰۰۸ء: قرآن ہم سے کیا چاہتا ہے؟
۱۳ر جون ۲۰۰۸ء: تصور نکاح وطلاق
۱۴ر جون ۲۰۰۸ء: حقیقت تصوف

اس کے علاوہ ۱۵ر، ۱۶ر، ۱۷ر جون ۲۰۰۸ء کو طالبات کے درمیان خطاب فرمائے۔
۱۹ر جون ۲۰۰۸ء کو سعد طیب (علی گڑھ) کا خطاب ہوا۔

● ۶ر اگست ۲۰۰۸ء کو بمقام گھنٹہ گھر بدایوں شریف میں ''بزم منظور'' کے نام سے ایک مشاعرہ رکھا گیا جس میں اظہر عنایتی (رام پور)، جنید اکرم امروہوی، ڈاکٹر سید سراج الدین اجملی (علی گڑھ) اور حضرت سید منظر میاں چشتی (پھپھوند شریف) موجود تھے۔
۷ر جون ۲۰۰۸ء کو تاج دار اہل سنت حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری کے زیر صدارت قاضی دانیال قطری انسٹی ٹیوٹ اور مولانا

عبدالماجد بدایونی پبلک لائبریری کے افتتاح میں حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا۔
اس افتتاح میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی) مدعو تھے۔ ان کے علاوہ مولانا خوشتر نورانی، مولانا ذیشان احمد مصباحی (مدرس جامعہ عارفیہ سید سراواں، الہ آباد) اور مولانا ڈاکٹر سجاد مصباحی (اسسٹنٹ پروفیسر پریزیڈینسی یونیورسٹی، کولکاتا) بھی موجود تھے۔ آخر میں مولانا قمر احمد اشرفی (ناظم: جامع اشرف کچھوچھہ شریف) نے خطاب فرمایا۔

● ۱۰ر تا ۱۴ جون ۲۰۰۹ء روحانی تربیتی کیمپ بمقام دولت آباد، ضلع اورنگ آباد (مہاراشٹر)۔

● ۲۱ر تا ۳۰ جون ۲۰۰۹ء: الازہر انسٹی ٹیوٹ، بدایوں کے زیر اہتمام ورک شاپ میں خطبات۔

● ۶ر تا ۱۲ جون ۲۰۱۱ء: سالانہ ورکشاپ زیر اہتمام الازہر انسٹی ٹیوٹ، بدایوں۔

● ۱۸ر ستمبر ۲۰۱۱ء کو علامہ فضل حق خیرآبادی کنونشن، بمقام انصاری آڈیٹوریم، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی،
زیر اہتمام: خانقاہ قادریہ، بدایوں شریف۔
بہ اشتراک وتعاون: ماہنامہ جام نور دہلی، ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی۔
سرپرستی: شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)
صدارت: تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری
قیادت: مولانا یٰسین اختر مصباحی (دارالقلم، دہلی)
نظامت: ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن
کنوینرز: حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی
نعت: ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی (جوائنٹ سکریٹری البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ) اور ہدیۂ تشکر حضرت مولانا عطیف میاں قادری
شرکا: مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور) پروفیسر اختر الواسع (استاذ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) ڈاکٹر غلام زرقانی (مقیم امریکہ)، مفتی مکرم احمد نقش بندی (شاہی امام: شاہی مسجد فتح پوری، دہلی)، مولانا سید ممشاد پاشا قادری (حیدرآباد)، خواجہ شجاع الدین افتخاری (حیدرآباد)، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)، ڈاکٹر شکیل حسن شمسی (ایڈیٹر: روزنامہ انقلاب، دہلی) پرفیسر ضیاء الدین (پرووائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)۔

● ۵ر تا ۱۸ر مئی ۲۰۱۲ء: سالانہ ورکشاپ، زیر اہتمام الازہر انسٹی ٹیوٹ، بدایوں۔
حضرت شیخ صاحب نے مندرجہ ذیل موضوعات پر خطاب فرمایا:
توحید، رسالت، آخرت، شفاعت اور آسمانی کتابیں۔

● ۳ر نومبر ۲۰۱۲ء کو بمقام مدرسہ قادریہ میں جلسہ استقبالیہ۔
صدارت: تاجدار اہل سنت حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری
خطبۂ استقبالیہ: حضرت شیخ صاحب
مہمانان: امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی (شیخ الحدیث: دارالعلوم نورالحق، چرہ محمد پور، فیض آباد) مولانا خوشتر نورانی، مولانا عبدالمبین نعمانی (مہتمم: دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو)، مولانا نفیس مصباحی، مولانا صدرالوریٰ مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی (اساتذۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ) □□□

☆ مدرسہ عالیہ قادریہ، مولوی محلہ، بدایوں (یوپی)

(۶)

اظہار واعتراف

یہاں سے گزرا ہے ایسے خزانے والا کون!

عربی زبان وادب، حدیث دانی اور فقہی معاملات میں ان کی تنہا ذات ایک ادارے جیسی تھی

اسید میاں کو پہلی مرتبہ ۱۹۹۹ء میں ممبئی سے متھرا کے سفر کے دوران ریل کے ڈبے میں دیکھا- میں الیکشن آبزرور کے طور پر متھرا کے الیکشن کا معائنہ کرنے آ رہا تھا اور اسید میاں اپنے والد محترم کے ساتھ ممبئی سے سوار ہوئے تھے- اس سفر کا ایک منظر مجھے ہمیشہ یاد رہے گا- دوران سفر حضرت سالم میاں صاحب اپنے فرزند اکبر کا تعارف کرا چکے تھے اور یہ دونوں باپ بیٹے مجھ سے اس طرح مل چکے تھے جیسے بدایوں شریف کے خاندان قادریہ کے حضرات صاحبزادگان مارہرہ مطہرہ سے ملتے ہیں اور یہ ملنا ملانا دس بیس برس یا پچاس سو برس کا نہیں ہے، اس تعلق پر کئی صدیاں صدقے ہو چکی ہیں- مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ باپ نے بیٹے سے ملاتے وقت کہا تھا کہ ''یہ حافظ صاحب ہیں، حافظ اسید الحق-''

چھریرے بدن کے صبیح چہرہ، سیاہ ریش، متبسم لب اور کم گو اور چہرے پر ایک خاص چمک جو نوجوانی کے تقوے کی غماز تھی- یہ تو مجھے معلوم تھا کہ یہ نوجوان (اس وقت چوبیس سال کے ہوں گے) قبیلے کی آنکھ کا تارا ہے، لیکن ان کی ''نگاہ کی بے باکی'' اور ''ضرب کے کاری'' ہونے کا اندازہ نہیں ہو سکا، کیوں کہ وہ دوران ملاقات آنکھیں جھکائے رہے تھے- ان دونوں خصوصیات کا مشاہدہ بعد کے پندرہ برسوں میں ہونا تھا- جس منظر کا میں نے پچھلی سطروں میں ذکر کیا وہ یہ تھا کہ متھرا جنکشن پر میرے استقبال کو متھرا کے ایس.ڈی.ایم، تحصیل دار اور پروٹوکول کے دوسرے افسران اور عملہ موجود تھا- لیکن گاڑی رکنے سے پہلے حضرت سالم میاں میری نشست کے قریب آئے اور میری بھاری اٹیچی اٹھا لی، میں ہاں ہاں ہی کرتا رہا اور انہیں بتاتا رہا کہ اسٹیشن پر متھرا کا عملہ بھی ہے اور قلی بھی- تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ''اس خدمت کے لیے آپ کو ہم سے اچھا قلی کوئی نہیں ملے گا''- انہوں نے تقریباً زبردستی میرے قبضے سے سوٹ کیس لیا اور نیچے اتر کے اپنے خاندان کے روایتی اور قدیمی طریقے سے رخصت ہوئے- سرکاری افسران اور عملہ تصویر حیرت بنے کھڑے رہے، اس درمیان اسید میاں ان کے ساتھ رہے، ان کے چہرے پر ایک خفیف سا تبسم تھا لیکن اس بات کا کوئی تکدر نہیں تھا کہ ان کے بزرگ والد کسی کا سوٹ کیس اٹھا کر چل رہے ہیں- میں نے عرض کیا کہ اگر آپ اس خدمت پر مصر ہیں تو سوٹ کیس اپنے بیٹے کو دے دیں، فرمایا ''اپنے حصے کی خدمت میں کسی کو شریک نہیں کروں گا''- اس جملے پر بھی اسید میاں مسکرائے- میں اس پورے معاملے میں شرمندگی سے بھیگتا رہا- بزرگوں سے سنا تھا اس دن تجربہ ہوا کہ سجادگان بدایوں افرادِ مارہرہ کے ساتھ کس نیازمندی سے پیش آتے ہیں- اس دن کے بعد سے ان باپ بیٹے نے دل پر قبضہ جما لیا اور یہ قبضہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی رہا، رقبے کے اعتبار سے بھی اور گرفت کے لحاظ سے بھی-

اسید میاں ''الازہر'' تعلیم حاصل کرنے کے واسطے چلے گئے- اس کے بعد جب آئے تو پھر ایک نیا دور شروع ہوا- خاندانِ مجیدی کی علمی روایت کا نیا دور، صوفی مشرب کے عملی پہلو کا نیا دور، مدرسہ قادریہ کا نیا دور، تصنیفی اور تحریری کارناموں کا نیا دور، مختلف رسومات کی اصلاح کا نیا دور اور مارہرہ مطہرہ اور بدایوں شریف کے دیرینہ تعلقات کا نیا دور- اسید میاں اس نشاۃ الثانیہ کے مرکزی مسند نشین تھے-

ان سب کی تفصیلات لکھوں تو کتاب تیار ہو جائے- اس وقت تفصیلات کا موقع نہیں ہے- یہ کام مجھ سے بہتر دوسرے اصحاب قلم کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں- عزیزی ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی نے اسید میاں کی زندگی پر ایک معرکتہ الآرا مضمون لکھا ہے- وہ مضمون یوں تو کئی اعتبار

سے اہمیت کا حامل ہے لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس مضمون میں اسید میاں سرتاپا زندگی نظر آتے ہیں- جذبوں سے تھرتھراتے ہوئے، تحریر وتقریر میں مصروف، اہل سنت و جماعت کی شیرازہ بندی میں مشغول، انکسار وادب کا مجسمہ بنے لیکن حوصلے کا پرچم اٹھائے رواں دواں- لوہار جب گھن پر ہتھوڑا مارتا ہے تو چنگاریاں سی اڑتی نظر آتی ہیں- یہ چنگاریاں تخلیق وتعمیر کی نشان دہی کرتی ہیں- نرم رو کم گو اسید میاں کی شخصیت کے چاروں طرف ایسی ہی روشن چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں- اسید میاں سے محبت کرنے والوں کو چاہیے کہ احمد میاں کے مضمون کو حرفاً حرفاً پڑھیں-

پٹنہ کے سفر میں وہ اور خوشتر نورانی میرے ہم سفر تھے- راستے میں کھانا آیا اور مسافروں نے کھانا کھایا- برابر کی نشست پر ایک بوڑھے آدمی نے کھانا کھا کر باقی ماندہ کھانا اور ٹرے نیچے رکھ دی- اس کے بعد وہ کسی ضرورت کے تحت برتھ سے نیچے اترنا چاہتے تھے لیکن ٹرے کی وجہ سے پیر رکھنے کی جگہ نہیں مل پا رہی تھی، انہیں اس مصیبت میں گرفتار دیکھا تو اسید میاں نے لپک کر ٹرے اٹھائی اور کسی مناسب جگہ پر رکھ آئے- وہ بوڑھا شخص اپنی ضرورت پوری کر کے آیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے مختصراً اپنے بارے میں بتایا- بوڑھے شخص نے کہا کہ وہ بہار کی اسمبلی کا M.L.A ہے اور اس نے آج تک شیروانی میں ملبوس کسی شخص کو کسی دوسرے کے جھوٹے برتن اٹھاتے نہیں دیکھا- اسید میاں خفیف سا مسکرائے اور اس تبسم میں ایک اطمینان کا پہلو تھا- کیوں کہ پچھلے کئی برسوں سے ہم لوگ اس موضوع پر کچھ تفصیلی کچھ مختصر گفتگو کرتے رہے تھے کہ مسلمانوں کو عموماً اور اہل طریقت سے وابستہ افراد کو خصوصاً تصوف کے عملی پہلو پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے- اخلاق، انکساری، فروتنی، بے ریائی، اخلاص اور خدمت خلق ــــــ تصوف کے عملی پہلو کے تجربے سے جب بھی وہ شاداں فرحاں گزرتے، مجھ گنہ گار کو فون پر اطلاع دیتے اور دعائیں لیتے- مجھے یقین کامل ہے کہ الازہر سے بدایوں شریف واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان کے مریدین ومتوسلین کو تصوف کے عملی پہلو کے اجزائے ترکیبی کی طرف ضرور راغب کیا ہوگا- جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں انہوں نے اس کی شہادت دی ہے- یوں بھی تصوف کا عملی پہلو سیکھنے کے لیے انہیں

خانوادۂ مجیدی کا آنگن اور شمس مارہرہ کا صحن کافی تھا-

عرس قاسمی برکاتی کی شب خرقہ پوشی کا منظر بے حد روحانی ہوتا ہے- سال گزشتہ کی شب خرقہ پوشی کی برکتوں میں مزید اضافہ ہوا جب اسید میاں اور عطیف میاں شہزادۂ غوث اعظم کو لے کر مارہرہ آئے- شہزادے بدایوں شریف کے عرس میں مہمان تھے، لیکن جب اسید میاں نے دیکھا کہ عرس قاسمی برکاتی بالکل متصل ہے تو انہوں نے اجازت چاہی کہ شہزادے کو لے آئیں، ہم لوگوں نے حضرت امین ملت سے اجازت طلب کی تو انہوں نے مسرت کا اظہار کیا- رات کو جب وہ کثیر در کثیر مجمع کے بیچ میں سے شہزادۂ غوث اعظم کو حلقے میں لے کر آرہے تھے تو میں خانقاہ شریف کی بالائی منزل سے یہ منظر دیکھ رہا تھا- برادر عزیز رفیق ملت بھی شہزادۂ غوث اعظم کے استقبال کے واسطے قصبے کے باہر تک گئے تھے- وہ بھی اس حلقے میں تھے، اس حلقے کی طرف زائرین کی بڑی یورش تھی، خرقہ پوشی میں ابھی کچھ وقت باقی تھا، اس روحانی اور بابرکت تقریب میں شہزادۂ غوث اعظم کو ''نشان شمس مارہرہ'' حضرت امین ملت کے دست مبارک سے پیش ہوا- عطیف میاں کی بہت عمدہ تقریر ہوئی- امین ملت اور رفیق ملت نے بے حد خوشی کا اظہار کیا- مگر یہ کیا...... اسید میاں کچھ مغموم نظر آرہے تھے- بعد میں عقدہ کھلا- بدایوں شریف واپس جا کر فون کے ذریعے انہوں نے اپنے ایک عزیز دیرینہ دوست کو مطلع کیا کہ جب ہم لوگ حلقے میں شہزادۂ غوث اعظم کو لا رہے تھے تو مجمع کے یورش اور دباؤ سے تنگ آکر میں نے عرس کے زائرین میں سے دو ایک لوگوں کو تادیب کی خاطر کچھ سخت کلمات کہہ دیے تھے- تب سے غمگین ہوں کہ بدایوں کے ''مولوی'' کی اولاد حضور شمس مارہرہ کے دربار کے مریدوں کو سخت وست کہنے کی ہمت کیسے کر سکا- جب یہ بات مجھ سے بیان کی گئی تو میں کئی لمحوں تک ایک دکھ بھری سرشاری میں ڈوبا رہا- اپنے اجداد کے پیر خانے سے عقیدت ومحبت کا یہ عالم کہ ہمہ وقت اس بات کی فکر کہ ہماری وجہ سے مارہرہ مطہرہ سے متعلق کسی شخص کو تکلیف نہ ہو-

اکثر اپنی کتابوں کی تقریظ لکھنے کے لیے مجھ سے فرماتے- میں عرض کرتا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں، میری تقریظ یا پیش لفظ آپ کی تصنیف کا کچھ بھلا نہیں کرے گا- مسکرا کر چپ ہو جاتے اور ایک ہی

جملہ کہتے ''میری خواہش ہے کہ آپ ہی لکھیں''- تب میں مجبور ہو جاتا لیکن مسرور ہو کر کچھ لکھ دیتا جسے دیکھ کر وہ میرا دل رکھنے کے لیے بہت خوشی کا اظہار کرتے- ان کے علم، اکتسابات اور علمی امتیازات کے بارے میں علمائے کرام اور وہ بھی بڑے علمائے کرام زیادہ تفصیل اور قطعیت سے بتا پائیں گے کہ اہل سنت و جماعت کی معاصر دنیا میں ان کی کیا علمی حیثیت تھی- میں نے ان کی تصنیف کردہ، ترجمہ کردہ کتابیں اور تالیفات بہت شوق سے پڑھی ہیں- میں بلا خوفِ تردید عرض کرتا ہوں کہ عربی زبان وادب، حدیث دانی اور فقہی معاملات میں ان کی تنہا ذات ایک ادارے جیسی تھی- ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا- ان کا مطالعہ درسی کتابوں اور حوالے کی کتابوں کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں اس قدر تھا کہ ان سے گفتگو کرتے وقت کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ ہم اس وقت ان سے جس موضوع یا کتاب یا شخصیت پر بات کر رہے ہیں ان کے بارے میں وہ پہلے سے ہی مطالعہ نہیں کر چکے ہیں- اردو ادب کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا اور کبھی کبھی اس حوالے سے بھی ان کے ساتھ دلچسپ اور معنی خیز گفتگو ہوتی-

اسید میاں بہت عمدہ نثر لکھنے پر قادر تھے- وہ کئی طرح کی نثر آسانی کے ساتھ لکھ سکتے تھے، علمی اور تحقیقی نثر کے ساتھ شستہ اور سلیس نثر کے نمونے ان کے قلم سے بڑی تعداد میں ارزاں ہوئے ہیں- وہ جب چاہتے تب موضوع اور موقعے کی مناسبت سے نثر میں فرحت و لطافت پیدا کر دیتے- ان کا مزاح بہت شائستہ تھا- رکاکت اور ابتذال سے ان کی تحریریں پاک تھیں، وہ طنز سے بھی کام نہیں لیتے تھے تاکہ اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو- جب روح کے اندر خیالات بے حد متلاطم ہو جاتے تو طنز کو مزاح کی ملاحت میں لپیٹ کر پیش کر دیتے کہ ضرب تو لگے لیکن زخم کا نشان نہ نظر آئے- ان کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والے حضرات اس بات سے واقف ہوں گے کہ اکثر ایسے مقامات آتے تھے جب وہ آسانی کے ساتھ سخت جملے لکھ سکتے تھے لیکن ایسے تمام موقعوں پر انہوں نے احتیاط اور ادب کا دامن سنبھالا، میں ان کی تحریر پڑھتے وقت اکثر ان کے ضبط کی داد دیتا تھا-

اسید میاں جمیل تھے اور جمال کو پسند کرتے تھے- جمال کے لیے نظم وترتیب کے اجزا لازمی ہیں- تحریر، تقریر، تعمیر اور خیالات ان چاروں میدانوں میں انہوں نے نظم وترتیب کا بہت خیال رکھا- وہ خوب صورت تحریر، دل نشین تقریر، کتابوں اور وسیع اور کشادہ حسین عمارتوں سے بہت خوش ہوتے تھے- کتابوں کو بہت خوب صورت انداز میں شائع کراتے تھے اور پڑھنے والوں تک بہت فیاضی کے ساتھ بھیجا کرتے تھے، بلکہ نہ پڑھنے والوں تک بھی- اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت اعلیٰ ظرف عطا کیا تھا- ظرف اعلیٰ بھی میرے خیال میں جمال کا ایک پہلو ہوتا ہے، شاید لازمی پہلو- ایسا لازمی کہ اچھے سے اچھا جمال ظرف کی کمی کی وجہ سے زوال آمادہ ہو جاتا ہے- جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی کے حسین و وسیع آڈیٹوریم میں جب اسید میاں نے مولانا فضل حق خیرآبادی پر سیمینار کرایا تو اس کے انتظام وانصرام میں ایسی نفاست تھی کہ اس دن یہ موازنہ کرنا مشکل تھا کہ یہ آڈی ٹوریم باہر سے زیادہ خوبصورت ہے یا اس کے اندر برپا ہونے والا سیمینار اپنی افادیت، نظم وضبط، حسن و ترتیب اور سلیقے کے باوصف زیادہ خوبصورت ہے-

اسید میاں کے کارناموں پر نگاہ ڈالیے تو ان کا ایک معتد بہ حصہ کھوئے ہوؤں کی جستجو پر مشتمل تھا- اپنے خانوادے کے عظیم علما کی کتابوں یا ان سے متعلق کتابوں کی اشاعت بھی اسی جستجو کی زنجیر کی کڑی تھی- وہ سواد اعظم کے تشکیلی عناصر میں تصوف اور خانقاہوں کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اہل سنت کے عقائد کا دفاع کرنے والے علمائے کرام میں صرف ہندوستان یا برصغیر ہی نہیں تمام دنیا کے ان علمائے کرام کا اعتراف کرتے تھے جنہوں نے ان عقائد صحیحہ کا دفاع اپنے عمل یا تحریر سے کیا ہے- اہل سنت کے دائرے کی اس وسعت کو ماننے اور منوانے والے صاحب طریقت علمائے کرام میں ان کی شخصیت بہت ممتاز تھی- ان کی ترغیب اور محبت نے سواد اعظم میں اس نہج کے مطالعات کا ذوق پیدا کرنے میں بہت وقیع کام کیا- اس بڑے کام میں ان کے کئی بزرگ اور احباب بھی شامل تھے-

اسید میاں نے امام احمد رضا خان قادری برکاتی قدس سرہٗ کے علمی کارناموں کو بہت دقت نظر کے ساتھ پڑھا تھا- ایک علم شناس ہونے کی حیثیت سے یہ ان کا فرض بھی تھا اور حق بھی- دورانِ گفتگو وہ اکثر فاضل بریلوی کی فقہی بلندیوں اور شعری امتیازات کے ان نکات کی طرف اشارہ کرتے جو عموماً علمائے کرام بیان نہیں کرتے ہیں- میں اس بات

سے بھی ذاتی طور سے واقف ہوں کہ ان کے بزرگوں کی تحریر میں اگر امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا نام ''مولوی'' یا ''مولانا احمد رضا'' ہوتا (جیسا کہ آج سے ۸۰-۹۰ برس پہلے کے علما کی تحریروں میں اکثر ہوتا تھا) تو کتاب کی باز اشاعت کے وقت ترمیم کر کے القاب بڑھا دیتے تھے- اس بات سے میرے علاوہ بہت کم لوگ واقف ہیں، الا ماشاءاللہ-

ڈاکٹر رشید عبیدی جیسے ماہر زبان وادب عربی اور استاذ الاساتذہ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے قصیدہ رائعتان پر جو تفصیلی بحث کی ہے اس سے اعلیٰ حضرت کی عربی شاعری کی عظمت، حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہ کی عبقری شخصیت اور ان سے اعلیٰ حضرت کے تعلق کی نوعیت کو برصغیر سے باہر عربستان کی وادیوں اور دانش کدوں تک پہنچا دیا- خانوادۂ برکات کے ایک خادم کی حیثیت سے میں ڈاکٹر رشیدی کا ممنون ہوں کہ مداح اور ممدوح دونوں کا تعلق عقیدت مارہرہ مطہرہ سے وابستہ ہے، اسی احساس امتنان کا ذکر اسید میاں نے اپنے طویل وبسیط مقدمے کے آخر میں کیا ہے- اس مقدمے کو پڑھنا اور سمجھنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں- بڑے اور عمیق علمی کارناموں تک یوں بھی ہر کس وناکس کی رسائی نہیں ہوتی ہے- علامہ اسید الحق نے ڈاکٹر رشیدی کے علم وفہم کا اعتراف کرنے کے بعد، اعلیٰ حضرت کے عربی کلام کے بعض حصوں کو سمجھنے میں جو تسامحات اور فاش غلطیاں ہوئی ہیں ان پر نہایت علمی، تحقیقی، تجزیاتی اور خالص لسانی سطح پر جو گرفت کی ہے وہ لاجواب ہے- ایک ہندی نے ایک عربی کی خالص علمی گرفت کی اور ایسا کوئی میدان نہیں چھوڑا کہ اعلیٰ حضرت کی عربی دانی کے دفاع میں جس کی خاک نہ چھان لی ہو- اس مقدمے کی روشنی میں بلاخوف تردید عرض کرتا ہوں کہ علامہ اسید الحق نے جن جن مورچوں سے اعلیٰ حضرت کی شاعری اور عربی دانی کا دفاع کیا ہے، معاصرین میں اس نہج سے لکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا- اگر اس مقدمے کا عربی زبان میں ترجمہ کر کے بلاد عرب کی دانش گاہوں کے نصاب میں داخل کر دیا جائے تو اہل عرب عش عش کریں گے کہ تنقید پر تنقید کی ایسی روشن مثالیں خال خال ہی نظر آتی ہیں:

حریف تیغ ستم گر تو کر دیا ہے تجھے
اب اور مجھ سے تو کیا چاہتا ہے سر میرے

ہم ڈاکٹر رشید عبیدی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے عالم عرب تک ان قصائد کی تشریح پہنچائی اور ان سے زیادہ اسید میاں کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ڈاکٹر رشید عبیدی کی تنقید کے مخدوش اور مشکوک مقامات کی تلاش کی اور بے حد علمی اور تحقیقی انداز سے ان تمام باتوں کا کافی وشافی جواب دیا جنہیں ڈاکٹر رشیدی اعلیٰ حضرت کی عربی شاعری میں عیب کی طرح بیان کرتے ہیں-

اسید میاں کے بارے میں چند نکات لکھنا چاہتا ہوں- ان کی تفصیل کا وقت نہیں ہے:

۱- انہیں پارٹی بندی والی سیاست سے الجھن ہوتی تھی، لیکن ملک اور دنیا کی سیاست پر ان کی بہت گہری نظر تھی-

۲- علم تفسیر میں ان کا تخصص تھا، جس پر ان کی بہت اہم کتاب ''قرآن کریم کی سائنسی تفسیر'' ہے- مگر انھوں نے علم حدیث پر نسبتاً زیادہ کام کیا، لیکن انہیں قرآن عظیم اور قرآنی علوم سے بڑی محبت تھی- مارہرہ مطہرہ میں جامعہ احسن البرکات کے قیام کے وقت انہوں نے فرمایا کہ درس نظامی کے مدارس تو ہماری جماعت میں کافی ہیں- کاش جامعہ احسن البرکات میں قرآن عظیم، قراءت، تجوید اور تفسیر پر امتیازی کام ہو- وہ خود بھی قرآنی علوم پر خوب کام کرنا چاہتے تھے-

۳- اسید میاں طبعاً حلیم اور منکسر المزاج تھے- لیکن قوت ارادی کے بہت مضبوط اور صاحب عزم انسان تھے- اپنے موقف کو بیان کرنے میں علم اور منطق کی پوری مدد لیتے تھے- صرف جذباتی انداز نہیں اختیار کرتے تھے جو عام وطیرہ ہے-

۴- اپنے خانوادے اور خانقاہ کے اثاثے کو بہت عمدہ طریقے سے محفوظ کرنا چاہتے تھے اور بڑی حد تک اس کام کو مکمل کر لیا تھا-

۵- آقائے دو عالم حبیب کریم ﷺ سے بہت محبت تھی- ربیع الاول شریف میں یہ محبت نوع بہ نوع انداز سے سامنے آتی تھی- بدایوں شریف کے عصری اسکولوں، کالجوں میں (جو اکثر ٹھیٹھ آر.ایس.ایس. والوں کے ہیں) جا کر سیرت نبی ﷺ پر تقریر کرتے اور ان سب میں بھی چاکلیٹ یا مٹھائی تقسیم کرتے اور کہتے کہ ان لوگوں تک اپنے نبی کی سیرت ہم نہیں پہنچائیں گے تو تبلیغ کا فریضہ کیسے ادا ہوگا- جب اس قسم کا کوئی کام کرتے تو مجھے ضرور مطلع فرماتے-

۶- وہ جبہ ودستار اور صرف نذرانے اور دست بوسی والی طریقت کے مقابلے میں اس تصوف کو پسند فرماتے تھے جس میں عشق رسول اور اخلاق حسنہ کا درجہ سب سے بلند ہوتا ہے اور اخلاقِ حسنہ میں خدمت خلق، اخلاص، انکسار اور تواضع لازمی طور پر شامل رہتے ہیں- ان کی اسی روش نے انہیں مارہرہ مطہرہ کے موجودہ ذمہ داروں کے دلوں کے قریب کیا-

۷- اسید میاں میں مذموم رسومات کی اصلاح کا بہت ذوق تھا- اس کام کو وہ پوری ہمت اور حکمت سے انجام دیتے تھے-

۸- وہ طبعاً فیاض تھے اور دام ودرم کو صرف اتنی حیثیت دیتے تھے جس سے ضروریات زندگی پوری ہو سکیں-

۹- نظم وضبط اور صبر وشکر کے عناصر اربعہ ان کی شخصیت کے تشکیلی عناصر میں ممتاز تھے-

۱۰- انہیں اپنے اجداد کے پیر خانے اور حضور شمس مارہرہ سے عشق کی حد تک عقیدت تھی-

۱۱- یوں تو ہم چاروں بھائیوں سے بہت محبت کرتے تھے لیکن برادر عزیز سید نجیب حیدر برکاتی سے انہیں بہت الفت تھی، شاید اس لیے بھی کہ سید نجیب میاں اس گدی کے سجادہ نشین ہیں جس پر خاتم الاکابر ہند حضرت نوری میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیٹھ کر محبت کا سبق دیا تھا-

۱۲- یوں تو ہر شخص کو عام طور پر اپنے باپ سے محبت ہوتی ہے لیکن اسید میاں کو حضرت سالم میاں صاحب مدظلہٗ العالی سے بے حد محبت تھی کہ وہ والد بھی ہیں، مربی بھی اور مرشد بھی-

حضرت سالم میاں صاحب مدظلہ العالی کے پاس اس سانحے پر غم کرنے اور کرتے رہنے کے بہت سے اسباب ہیں، لیکن سامانِ شکیبائی بھی کم نہیں ہیں- یہ بات بھی کیا کم باعث شکر ہے کہ اللہ رب العزت نے انہیں انتالیس برس تک ایک نعمت عظمیٰ سے سرفراز رکھا، ایک ایسا فرزند جو میدان علم کا بھی شہسوار تھا اور راہ طریقت کا تیز رو مسافر بھی تھا- جو انتظامی کاموں میں بہت مشاق تھا اور جس نے اپنے خانوادے، خانقاہ اور مدرسے کی عزت ووقار کی بازیابی کی خدمت جلیلہ ادا کی- جس نے بدایوں سے لے کر برصغیر کے گوشے گوشے میں اہل سنت وجماعت کا وقار بلند کیا اور جس نے اپنے عمل اور کردار سے سواد اعظم کو غور وفکر اور مطالعے کے بہت سے بہتر اور نئے میدان مہیا کیے- جو ایک صوفی باصفا کی طرح جیا اور جس نے شہید کی طرح موت کو گلے لگایا اور جوارِ غوث اعظم میں جا کر محو آرام ہوا- میں نے یہ مضمون عجلت میں لکھا ہے لیکن یہ ارادہ کر کے شروع کیا تھا کہ اس مضمون میں اسید میاں کی موت کا ذکر نہیں کروں گا- لیکن میں نے تو شہید کا ذکر کیا ہے اور شہید کے زندہ ہونے پر قرآن کریم شاہد ہے-

اسید میاں! تم زندہ ہو اپنے والدین، بھائیوں اور اہل خاندان کے لیے اور اپنے خاندان کے مریدین ومتوسلین کے لیے اور دوستوں اور بہی خواہوں کے لیے اور اپنے تمام چاہنے والوں کے لیے اور میں اشرف برکاتی بھی تمہیں بے حد چاہنے والوں میں ایک ہوں- اور میری خواہش بھی ہے اور دعا بھی کہ تم مجھے ہمیشہ زندہ محسوس ہو- اپنی خانقاہ قادریہ میں، اپنے مدرسہ قادریہ میں، اپنے شہر بدایوں شریف میں، اپنے شمس مارہرہ کے مارہرہ مطہرہ کے اعراس کی محفلوں میں، سواد اعظم کے عقائد کے تحفظ میں اور اپنے چاہنے والوں کی محفلوں میں اور اپنے والدین کے آغوش محبت میں اور اپنے پیارے بھائیوں کے سروں پر دست شفقت رکھنے میں-

اسید میاں! تم روحانی دنیا کے انسان ہو- یہ کام تمہارے لیے کچھ مشکل نہ ہوگا- ☐☐☐

☆ چیف انکم ٹیکس کمشنر، کولکاتا (ویسٹ بنگال)
خانقاہ برکاتیہ، بڑی سرکار، مارہرہ مطہرہ، ضلع ایٹہ (یوپی)

ماہنامہ جام نور آن لائن پڑھنے کے لیے کلک کریں

www.khushtarnoorani.in www.nafseislam.com
www.facebook.com/monthly Jaam e Noor

مولانا یٰسین اختر مصباحی☆

اہل سنت کے دو جگر پارے

مولانا اسید الحق بدایونی اور مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے درمیان حیرت انگیز مماثلت تھی

متحدہ ہندوستان کے عظیم وقدیم دینی وعلمی خانوادوں میں خطۂ اودھ کا خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ اور خطۂ روہیل کھنڈ کا خانوادۂ عثمانیہ قادریہ، بدایوں، یہ دونوں خانوادے اپنی مثال آپ ہیں جن کی درخشاں تاریخ، صدیوں پر محیط ہے-

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ عہد اخیر میں خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ کے معروف حنفی فقیہ، ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنوی (وصال: ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) اور خانوادۂ عثمانیہ قادریہ بدایوں کے معروف نوجوان عالم وفاضل مولانا اُسید الحق محمد عاصم القادری، معروف بہ مولانا اُسید الحق قادری بدایونی (ولادت: در بدایوں ۲۳/ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ مطابق ۶/مئی ۱۹۷۵ء/شہادت: در بغداد، ۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۴/مارچ ۲۰۱۴ء) حیات مستعار کی چالیس بہاریں بھی نہ دیکھ سکے اور اپنی ہنستی مسکراتی یادوں اور گراں قدر دینی وعلمی خدمات کے ربط مسلسل کو موقوف کر کے بزم عالم سے اِس طرح اُٹھ گئے کہ اہل علم واہل ذوق اور اہل محبت وتعلق کو اُن کی اچانک رحلت کا یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ دَم بھر میں آخر یہ کیا ہو گیا؟

عجب دست اجل کو کام سونپا ہے مشیت نے
چمن سے پھول لینا اور ویرانے میں رکھ دینا

بہر حال! جو ہونا تھا وہ ہوا، اور مشیت ایزدی میں کسی کے لیے صبر وشکر کے سوا چارۂ کار ہی کیا ہے؟ جو کچھ ہے وہ خالق ومالک عز وجل ہی کا ہے اور سب کو اُسی کی بارگاہِ عظمت وجلال میں پیش ہونا ہے اور اسی کی رحمت ومغفرت کا سب کو سہارا اور آسرا ہے-

ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنوی کا وصال ہوا تو اُن کی عمر اُنتالیس (۳۹) سال تھی اور مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کی عمر بھی بوقت شہادت اِسی اُنتالیس (۳۹) کے آس پاس تھی-

دونوں مرحومین کے درمیان، حیرت انگیز مماثلت تھی- دونوں کا ذوق ومزاج، خالص دینی وعلمی تھا- دونوں کو تحقیق وتصنیف وتالیف سے غایت درجہ دل چسپی تھی- ان کے شب وروز کتابوں کے درمیان ہی گزرتے تھے- اگر قضا وقدر کی طرف سے کچھ اور مہلت ملتی تو اہل سنت کے اِن ''دونوں جگر پاروں'' کے مزید ''جواہر پارے'' منظر عام پر آتے- لیکن: مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ!

صاحب زادۂ گرامی قدر مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کے محترم دادا، شیخ الاسلام حضرت مولانا شاہ عاشق الرسول محمد عبدالقدیر بدایونی (متوفی ۳/شوال ۱۳۷۹ھ/۳۱/مارچ ۱۹۶۰ء) رحمۃ اللہ علیہ کے معظم ومکرم پردادا، حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قادری برکاتی بدایونی (متوفی ۱۷/محرمُ الحرام ۱۲۶۳ھ/جنوری ۱۸۴۷ء) اپنے عہد وعصر کے اکابر علما ومشائخ اہل سنت میں سے تھے-

ایک طرف شمس مارہرہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی (متوفی ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء) رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ ارشد تھے تو دوسری طرف حضرت مولانا شاہ نورُالحق فرنگی محلی لکھنوی (متوفی ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کے تلمیذ ارشد تھے-

حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید عثمانی قادری بدایونی اُن اکابر علمائے اہل سنت میں تھے جنھوں نے شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کی ''تقویۃ الایمان'' کے خلاف اُس کے مؤلف کی حیات ہی میں ''ہدایت الاسلام'' کے نام سے ایک ایمان افروز تحقیقی وتردیدی کتاب لکھ کر احقاق حق وابطال باطل کا گراں قدر فریضہ انجام دیا- آپ نے بحر العلوم مولانا محمد علی بدایونی تلمیذ قاضی مبارک گوپامئوی، مؤلف ''قاضی مبارک'' اور علامہ ذوالفقار علی، ساکن دیوہ، اودھ (ضلع بارہ بنکی، اتر پردیش) تلمیذ ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی، بانیِ ''درس نظامی'' سے خصوصی تعلیم پائی تھی-

خانوادۂ عثمانیہ قادریہ، بدایوں ایک طرف خانقاہِ قادریہ برکاتیہ،

مارہرہ مطہرہ کے تصوف وروحانیت کا وارث وامین ہے تو دوسری طرف خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ کے علم وفضل کا حامل اور نمائندہ وترجمان ہے-

سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی (متوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) خلف الصدق حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قادری برکاتی بدایونی بھی خانوادۂ فرنگی محل ہی کے تعلیم یافتہ وتربیت یافتہ اور حضرت مولانا شاہ نورُالحق فرنگی محلی (متوفی ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کے شاگردِ رشید تھے-

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کے پردادا، محبّ رسول، تاج الفحول، حضرت مولانا عبدالقادر عثمانی قادری بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) علیہ الرحمۃ والرضوان، امامِ حکمت وکلام، علامہ فضل حق خیرآبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کے مخصوص وممتاز شاگرد اور اس کے ساتھ ہی اپنے عہد کے سرخیلِ اکابر علمائے اہل سنت بھی ہیں- اس حقیقت کا اظہار، امام اہل سنت، مولانا الشاہ احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (متوفی ۲۵/صفر ۱۳۴۰ھ/اکتوبر ۱۹۲۱ء) نے اِس طرح فرمایا ہے:

وَقُدْوَۃُ جَمْعِہِم تاجُ الفُحُول
وَمَا اَدْرَاکَ مَاتَاجُ الْفُحُوْل

اور آپ کو ''معیار سنیت'' قرار دیتے ہوئے اپنے قصیدہ ''چراغِ اُنس'' میں فرمایا ہے کہ:

ٹھیک ''معیار سنیت'' ہے آج
تیری حب و وِلا، محبّ رسول

سعیِ صفا ومروہ کے دوران حضرت محبّ رسول، تاج الفحول بدایونی کو جو نعمت عظمیٰ میسر آئی کہ آپ زیارت سیدنا غوثِ اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ سے سرفراز ہوئے- اِس جمال قادریت کی زیارت سے اپنا دیدہ ودل روشن کرنے کی فقیہ اسلام، حضرت مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اپنے قصیدہ ''چراغِ اُنس'' میں جس قلبی آرزو کا اظہار کیا ہے اُس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری بدایونی (متوفی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) تحریر فرماتے ہیں کہ:

''منزل قرب میں اِس درجہ اتصال اور ذوق وصال، آپ (محبّ رسول، تاج الفحول بدایونی) کو حاصل تھا کہ نظروں سے حجابات اٹھ کر بے پردہ جلوہ گری کا خمار آنکھوں میں ہر لحظہ کیف انگیز تھا-

اِس رویت بے حجابی کا تذکرہ مولانا الحاج احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنے قصیدہ ''چراغِ اُنس'' کے ایک شعر میں کیا ہے- چنانچہ فرماتے ہیں:

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے
روزِ سَعیِ صفا، محبّ رسول
صفا مروہ پہ تو نے جو دیکھا
وہ مجھے بھی دِکھا، محبّ رسول
ہاں! یہ سچ ہے کہ یاں وہ آنکھ کہاں؟
آنکھ، پہلے دِلا، محبّ رسول

(ص: ۳۳۴، اکمل التاریخ، مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، ترتیب جدید، مولانا اُسید الحق قادری بدایونی، طبعِ اول جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ/مارچ ۱۹۱۶ء، طبعِ جدید: رمضان ۱۴۳۴ھ/جولائی ۲۰۱۳ء، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

جس معیار اور جس رفتار کے ساتھ مولانا اُسید الحق قادری بدایونی اپنے کاروانِ علم وفضل کی قیادت کرتے ہوئے اُسے منزل بہ منزل آگے کی طرف بڑھا رہے تھے، اگر انہیں دس پندرہ سال کا مزید موقع مل جاتا تو اپنے اکابر خانوادہ کی دینی وعلمی خدمات اور خود اپنے قلمی شہ پاروں کے ذریعے وہ مذہب اہل سنت کی نہایت وقیع خدمت انجام دینے کے ساتھ اپنے باوقار خانوادے کی عظمت رفتہ کو بڑی حد تک بحال کر سکتے تھے اور عہد حاضر میں بھی بدایوں کی عظمت واہمیت کا شہرہ برصغیر ہند وپاک کی سرحدوں کو عبور کرتے ہوئے دور، بہت دور تک پہنچ جاتا-

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی مجھ سے بہت مانوس اور بہت قریب تھے- اُنھیں میں نے پایا کہ:

حسن اخلاق، شیرینیِ گفتار، عظمت کردار، بلندیِ فکر، طبع رسا، فکر صائب اور متانت وسنجیدگی کا خوبصورت اور پرکشش مرقّع ہیں-

کچھ اپنی تصانیف کے ساتھ اپنے اکابر خانوادہ اور بالفاظِ دیگر اکابر علمائے اہل سنت کے کتب ورسائل جس خوبی وخوبصورتی کے ساتھ اہل علم اور اہل ذوق کے سامنے لانے اور انہیں فردوس نگاہ بنانے کے مسلسل عمل میں وہ مصروف تھے، اُس سے جماعت اہل سنت کے ذخیرۂ علمی میں زبردست اضافہ ہو رہا تھا-

مجھے اُن کی ذات سے بہت زیادہ توقعات وابستہ تھیں کہ یہ آگے چل کر عظیم پیمانے پر دین ومذہب کا کام کریں گے اور اپنی نگرانی میں اپنے مدرسہ قادریہ بدایوں کے کچھ نوجوان علما کی صحیح تربیت کرکے ان سے بھی بہت سا کام لیں گے۔

بعض دینی وعلمی مسائل و معاملات میں گاہے گاہے مجھ سے مشورہ کرنے میں وہ کوئی تکلف نہیں کرتے تھے۔ اہل سنت وعلماے اہل سنت کے درمیان خوشگوار باہمی روابط وتعلقات کے وہ دل سے خواہش مند تھے۔ کسی اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنے کی طرف نہیں بلکہ ایسی کسی خلیج کو پاٹنے بلکہ اس کے نشانات مٹانے کے بھی وہ متمنی تھے۔ وہ بلند فکر ونظر کے مالک تھے۔ عام لوگوں کی طرح الجھنے الجھانے کو وہ سخت ناپسند کرتے تھے۔

مولانا اُسید الحق قادری اِس وقت اپنے خانوادۂ عثمانیہ قادریہ مجیدیہ بدایوں کی علمی آبرو اور اُس کی شان تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ سادات مارہرہ مطہرہ کی نظر میں بھی وہ محبوب ومقرب تھے اور جماعت اہل سنت کے بہت سارے علماے کرام اُن کی دینی وعلمی واخلاقی خوبیوں کے معترف اور مداح تھے۔

''سیف الجبار'' مولفہ سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی کی تحقیق وتخریج وتحشیہ کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے تھے۔ حضرت سیف اللہ المسلول کی نہایت اہم تصنیف ''بوارقِ محمدیہ'' کی تحقیق وتخریج اور پھر اس کی طباعت واِشاعت کی طرف وہ خصوصی طور پر متوجہ تھے۔ ایک بار انہوں نے مجھ سے کہا کہ:

''عام طور پر لوگ ''سیف الجبار'' کو حضرت سیف اللہ المسلول کی سب سے اہم اور وقیع کتاب سمجھتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کی سب سے اہم اور وقیع تصنیف ''بوارقِ محمدیہ'' ہے۔''

مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی اِس نہایت اہم کتاب ''بوارقِ محمدیہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

اعلیٰ حضرت، تاج الفحول (مولانا عبدالقادر بدایونی) قدس سرہ ''تحفۂ فیض'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضور اقدس (حضرت علامہ فضل رسول بدایونی) دہلی میں حضرت خواجۂ خواجگاں، قطب الاقطاب (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ: حضرت خواجہ کھڑے ہیں اور دونوں ہاتھوں پر اِس قدر کتابیں رکھی ہیں کہ آسمان تک بلند ہوگئی ہیں۔''

عرض کیا: حضور خواجہ! یہ تکلیف کتابیں اُٹھانے کی حضور نے کیوں فرمائی؟

جواب میں ارشاد ہوا: تمہارے لیے مولوی فضل رسول! لو، اِن کتابوں کو لو اور ان کی مدد سے فتنۂ شیاطین دفع کرو۔''

اس کے بعد ہی بہ عجلت، حضور (علامہ فضل رسول بدایونی) نے کتاب مذکور ''بوارقِ محمدیہ'' تصنیف فرمائی، جس میں اصولِ کلیۂ وہابیہ باطل کیے گئے۔ زبان فارسی ہے۔''

(ص: ۲۸۳، اکمل التاریخ، مؤلفہ مولانا ضیاء القادری بدایونی)

دہلی کے سفر میں گاہے گاہے دارالقلم بھی وہ آتے جاتے رہے۔ اپنے سفر بغداد مقدسہ سے ایک دو روز پہلے انھوں نے فون پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ:

''اب سفر بغداد مقدسہ سے واپسی کے بعد ملاقات وگفتگو ہوگی۔''

یہ انتظار، ظاہر ہے کہ اب وعدۂ فردا نہیں بلکہ وعدۂ قیامت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اِس ملاقات میں اور باتوں کے ساتھ ایک خصوصی پہلو اجاگر کرنے کے لیے اسید میاں سے کہوں گا، جس کا ذکر کسی سابقہ ملاقات میں بھی کر چکا تھا۔ وہ خصوصی پہلو یہ ہے کہ:

''مدرسہ قادریہ'' بدایوں متحدہ ہندوستان کا غالبًا واحد ایسا دینی وعلمی ادارہ ہے جو سب سے قدیم ہونے کے ساتھ آج بھی زندہ اور باقی ہی نہیں بلکہ سرگرمِ عمل بھی ہے۔ اس دینی درس گاہ کا نام پہلے ''مدرسہ محمدیہ'' تھا۔ حضرت سیف اللہ المسلول جب تکمیل علوم وفنون کر چکے تو اِسی مدرسے میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے اور اِس کا نام ''مدرسہ قادریہ'' رکھا۔ اِس طرح اِس مدرسے کی تاسیس وقیام پر تقریبًا دو سو سال (۲۰۰) گزر چکے ہیں اور اِس قدامت کا کوئی ادارہ برصغیر ہندو پاک میں غالبًا کوئی دوسرا نہیں ہے۔

خانوادۂ عثمانیہ بدایوں کے تبحر عالم، حضرت مولانا محمد علی بدایونی (ولادت ۱۱۳۴ھ/۲۲-۱۷۲۱ء/ وصال ۲۵/ربیع الآخر ۱۱۹۷ھ/مارچ ۱۷۸۳ء) تلمیذ قاضی مبارک گوپامئوی (متوفی ۱۱۶۲ھ/۴۹-۱۷۴۸ء) مؤلف ''قاضی مبارک، شرحِ سُلم العلوم،، کے تعارف وتذکرہ میں مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی لکھتے ہیں کہ:

''اِسی طرح رؤساے شیخو پور (بدایوں) نے (جو فریدی فاروقی خاندانی رئیس تھے اور آپ سے اِرادت وتلمذ رکھتے تھے) باصرار تمام ایک وسیع قطعۂ زمین مسجد ومدرسہ ومکان کی تعمیر کے لیے نذر گزرا۔ مسجد قدیم، دوبارہ سہ بارہ تعمیر ہوکر ''مسجد خرما'' مشہور ہوئی۔ مسجد کی محراب وسطی میں ایک پتھر پر یہ قطعہ تعمیر کندہ ہے:

بنائے مسجد زیبائے حاجی الحرمین
زشیخ افضل روشن چو آفتاب شدہ
بہ جستجوے شدم سال ازمرمت اُو
خرد بگفت، چو مسجد مثالِ کعبہ شدہ
۱۰۹۳ھ

حضرت مولانا کے زمانے کی مرمت کا پتھر، جو اندرونِ مسجد نصب ہے، اُس میں ۱۱۸۱ھ (۶۸-۱۷۶۷ء) کندہ ہے۔ مدرسے کا نام ''مدرسہ محمدیہ،، قرار پایا تھا جو، اب ''مدرسہ عالیہ قادریہ،، کے نام سے موسوم ہے۔''

(ص: ۶۸، ۶۹، اکمل التاریخ، مؤلفہ مولانا ضیاء القادری بدایونی)

اگر مولانا اُسید الحق قادری سے بعد سفر بغداد کوئی ملاقات، مقدر ہوتی تو اُن سے یہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی اہم باتیں ہوتیں۔

اپنے خصوصی استاذ، حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی (متوفی ۱۴/ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ/۲۰/اکتوبر ۲۰۱۳ء) علیہ الرحمہ کا جب کبھی وہ ذکر کرتے تو بے حد عقیدت واحترام کے ساتھ ذکر کرتے۔ اِسی طرح برادر مکرم مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی کی شخصیت اور آپ کے علم وفضل کے ساتھ آپ کی فکری وقلمی صلاحیت اور تحریر کی بلاغت وجامعیت کے قائل تھے۔ ایک بار آپ کی کسی تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ:

''حضرت مصباحی صاحب کی تحریر بڑی نپی تلی ہوتی ہے، جس میں کوئی جملہ یا لفظ نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ جیسی اور جتنی ضرورت ہوتی ہے، بس اتنے ہی الفاظ اور جملوں کا استعمال ہوتا ہے۔''

خانقاہ قادریہ اور مدرسہ قادریہ کو اُس کی مستحکم بنیادوں پر اپنی نئی منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے ساتھ جن خطوط پر مولانا اُسید الحق قادری چلانا اور اسے بڑھانا چاہتے تھے اور نہایت کامیابی کے ساتھ آگے بڑھا رہے تھے، وہ بے حد حوصلہ افزا تھے۔

اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ خطۂ روہیل کھنڈ کے دونوں معروف روحانی مراکز طریقت، یعنی سلسلۂ قادریہ برکاتیہ مجیدیہ، بدایوں اور سلسلۂ قادریہ برکاتیہ رضویہ، بریلی اور بالفاظِ دیگر، علماے بدایوں وعلماے بریلی، دونوں از اِبتدا تا ایں دم، ہم مذہب وہم مسلک اور اپنے مرکز عقیدت خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ سے منسلک ہیں۔

اس وقت خانوادۂ عثمانیہ قادریہ اور بالفاظِ دیگر علماے بدایوں کا جو عمل، طرزِ عمل اور ان کی جو روش ہے وہ میرے علم واطلاع کے مطابق، کچھ اِس طرح ہے:

(۱) اپنے قدیم ''مدرسہ قادریہ'' بدایوں کے فروغ واِستحکام وترقی میں مصروف ہیں۔

(۲) کتب ورسائل خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کی جدید طباعت واِشاعت کی طرف وہ اپنی خصوصی توجہ مبذول کیے ہوئے ہیں۔

(۳) ''اذان ثانی'' کے قضیے کو نہ اُچھال رہے ہیں، نہ اسے چھیڑ رہے ہیں۔ نہ اِس سے متعلق کسی نئی تحریر کا کوئی جواب دے رہے ہیں۔

(۴) فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی یا خانوادۂ قادریہ برکاتیہ رضویہ، بریلی اور بالفاظ دیگر علماے بریلی کے خلاف وہ کوئی انگشت نمائی، کوئی نازیبا تبصرہ، نہ ہی کسی قسم کی محاذ آرائی کر رہے ہیں۔

(۵) عرس قاسمی برکاتی، مارہرہ مطہرہ میں شریک ہو رہے ہیں۔

(۶) ہر طبقہ اور ہر حلقے کے علما و مدارسِ اہل سنت کے ساتھ خوش گوار تعلقات وروابط کے خواہش مند ہیں۔

موجودہ علماے بدایوں کے ''سنگین جرائم'' کی مکمل فہرست میری معلومات کے مطابق یہی ہے، جس کی سزا کبھی ''سَدُّ الْفَرَار''، کبھی ''مفاوَضاتِ طیّبہ''، کبھی کسی کتابچے کی طباعت واِشاعت اور اُس کی مفت تقسیم، اور کبھی کسی مضمون کے ذریعے دے کر بزعم خویش ''تحفظ مذہب ومسلک کا پختہ انتظام'' کرنے یا علماے بدایوں کو سرنگوں کرنے

یا علماے بریلی کو سر بلند و سرفراز کرنے میں ہمارے ''بعض عاقبت نااندیش افراد'' اور ''نادان دوست'' مصروف رہتے ہیں-

ایسے افراد، انجانے میں ہی سہی، علماے بدایوں نہیں بلکہ درحقیقت، علماے بریلی کو نشانہ بنا رہے ہیں-

میں بڑی صراحت و وضاحت اور ذمہ داری کے ساتھ اِس سلسلے میں اپنے تاریخی مطالعے کی روشنی میں یہ انتباہ دینا چاہتا ہوں کہ:

تحریری ریکارڈ کے مطابق حضور مفتی اعظم ہند و حضرت صدرالشریعہ، و حضرت صدرالافاضل و حضرت محدث اعظم ہند و حضرت مجاہد ملت و دیگر اکابر علماے اہل سنت علیہم الرحمۃ والرضوان نے جس قضیہ (ماضی بعید میں مسئلہ اذانِ ثانی کے سلسلے میں اختلاف اور اس کے ناخوش گوار نتائج واثرات) کو عملاً ختم کر دیا تھا اور متعدد جلسوں و کانفرنسوں کے اسٹیج پر ایک ساتھ بیٹھ کر اس کا عملی حل اپنی زندگی ہی میں پیش کر کے اسے بے اثر اور کالعدم، قرار دیا تھا- یہاں تک کہ حضور مفتی اعظم ہند نے ''مفروضہ قضیۂ سالمی'' کو بھی اپنے عمل کے ذریعے بے جان اور بے اثر کر دیا تھا ان دونوں قضیوں میں سے کسی بھی قضیے کو چھیڑنا اور اسے ہوا دینا:

اولاً: تو ایک سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار کرنا ہے اور کسی سوئے ہوئے فتنے کو بیدار کرنا، ایک مذموم عمل اور بدترین جرم ہے-

ثانیاً: اسے چھیڑنے کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی وقت اِن ''نادان دوستوں'' اور وار کرنے والوں کا وار، خود اِن پر پلٹ پڑے گا جس کا دِفاع کرنا بہت مشکل اور بھاری پڑ جائے گا-

چو از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ، بکہہ را منزت ماند نہ مہ را

قدیم تاریخ نہیں بلکہ ۱۹۵۰ء کے بعد کے ہی چند حقائق وواقعات پر نظر ڈالی جائے تو اِس چھیڑ چھاڑ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، جس کا اِرتکاب، ہمارے ہی بعض یارانِ طریقت وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں-

زیادہ تحقیق و تفصیل نہیں بلکہ سرسری طور سے صرف ۱۹۵۰ء کے بعد سے ۱۹۸۱ء کی تاریخ کا جائزہ کچھ اِس طرح ہے:

(۱) آل انڈیا تبلیغ سیرت کانفرنس، منعقدہ اسلامیہ ہال پٹنہ، صوبہ بہار ۱۹۵۴ء کی صدارت، شیخ الاسلام حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر عثمانی قادری بدایونی نے فرمائی- اس کانفرنس میں مجاہد ملت، مولانا الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری اُڑیسوی و مفتی اعظم کان پور، مولانا الشاہ مفتی رفاقت حسین مظفر پوری جیسے اکابر علماے اہل سنت شریک تھے-

اس تبلیغ سیرت کی تاسیس و تشکیل حضرت محدث اعظم ہند، سید محمد محدث اشرفی کچھوچھوی و حضرت ملک العلما مولانا محمد ظفرالدین قادری رضوی عظیم آبادی کے مشورے و تحریک پر ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء میں مسجد ٹاٹ شاہ، فیض آباد (یو پی) میں ہوئی اور اِس کے پہلے صدر مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی اڑیسوی (متوفی ۱۹۸۱ء) اور پہلے ناظم اعلیٰ مفتی آگرہ، حضرت مولانا محمد عبدالحفیظ حقانی (متوفی ۱۹۵۸ء) خطیب و امام شاہی مسجد، آگرہ منتخب ہوئے تھے-

پٹنہ کانفرنس ۱۹۵۴ء کی تفصیلات ماہنامہ پاسبان الہ آباد وغیرہ کی فائل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں-

(۲) حضرت مولانا سید محمد اکبر چشتی پھپھوندوی علیہ الرحمہ کی جلسہ دستار فضیلت پھپھوند شریف ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۷ء کی صدارت، حضرت مولانا شاہ عاشق الرسول محمد عبدالقدیر عثمانی قادری بدایونی نے فرمائی-

اس اجلاس میں سیدی و مرشدی حضور مفتی اعظم ہند، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی و صدر العلما، حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی و مفتی اعظم کان پور حضرت مولانا شاہ مفتی رفاقت حسین مظفر پوری و حضرت مولانا قاضی احسان الحق نعیمی بہرائچی و حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی و حضرت مفتی رجب علی نانپاروی حامدی وغیرہم جلیل القدر علما و مشائخ بھی شریک تھے-

اِسی اجلاسِ ۱۹۵۷ء میں حضرت مفتی اعظم کان پور کے فرزند اکبر حضرت مولانا محمود احمد قادری رفاقتی مظفر پوری کی دستار حفظ کی تقریب سعید بھی انجام پذیر ہوئی- حضرت مولانا رفاقتی صاحب اِس اِجلاس کی تفصیلات کے راوی ہی نہیں بلکہ عینی شاہد بھی ہیں- ''ملفوظ مصابیح القلوب'' مؤلفہ مولانا ظہیر السجاد کان پوری، مطبوعہ مکتبہ صمدیہ، پھپھوند شریف میں اِس اجلاس کی مطبوعہ روداد، موجود ہے-

(۳) جماعت رضاے مصطفیٰ، بریلی کی ایک نہایت اہم اور نمائندہ کانفرنس، بھوج، ریاست کچھ، موجودہ حصۂ صوبہ گجرات (انڈیا) میں ۲۷ر تا ۲۹ر اپریل ۱۹۶۰ء کو ہوئی، جس کے مدعو علما و مشائخ اہل سنت کے اَسماے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، برہان ملت مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری، محدثِ اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی، شیخ الاسلام عاشق الرسول محمد عبدالقدیر بدایونی، سید العلما مولانا سید آلِ مصطفیٰ مارہروی، مجاہدِ ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری اُڑیسوی، مولانا نورُ اللہ شاہ حسینی حیدر آبادی، مفتی رضوانُ الرحمٰن فاروقی اِندوری، مولانا محبوب علی خاں رضوی، بمبئی، مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (مارچ ۱۹۶۰ء ہی میں حضرت مفتی عبدالقدیر بدایونی کے وصال کی وجہ سے اپریل ۱۹۶۰ء کی اِس کانفرنس میں آپ کی شرکت نہ ہوسکی)

اِس کانفرنس میں جنرل الیکشن ۱۹۶۲ء کو مدنظر رکھتے ہوئے علما و مندوبین کانفرنس نے ایک اہم تجویز کو متفقہ طور سے منظوری دی تھی:

''ایک ریزولیشن کے ذریعے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ: آنے والے ۱۹۶۲ء کے جنرل الیکشن کے لیے کسی پارٹی امیدوار کو ووٹ دینے کا وعدہ نہ کریں، بلکہ ہر ایک کو یہ صاف جواب دے دیں کہ وہ اپنی مرکزی جماعت رضاے مصطفیٰ کے حکم کے مطابق ووٹ کریں گے-''

(ص: ۴۵، ماہنامہ ''نوری کرن'' بریلی، شمارہ جون ۱۹۶۰ء/۱۳۷۹ھ)

مذکورہ بالا کانفرنس کی صدارت، سیدی و مرشدی حضرت مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فرمائی تھی-

(۴) حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر عثمانی قادری بدایونی سے حضرت مجاہدِ ملت مولانا حبیب الرحمٰن قادری عباسی اُڑیسوی کو سند حدیث اور سند خلافت، دونوں حاصل تھیں- حضرت مجاہدِ ملت کی بدایوں حاضری آپ کے معمولات میں شامل تھی-

(۵) حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر بدایونی کے وصال (شوال ۱۳۷۹ھ/مارچ ۱۹۶۰ء) کے بعد فاتحۂ سوم میں حضرت مفتی اعظم ہند اور مفسر اعظم حضرت مولانا ابراہیم رضا جیلانی بریلوی بھی شریک ہوئے تھے- (ص: ۳۶۷، مردان خدا، مؤلفہ مولانا ضیا علی خاں اشرفی، طبع چہارم، شوقین بک ڈپو، بدایوں)

(۶) سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی (ف: ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) نے پرزور تعزیتی بیان جاری فرمایا، جو ایک مطبوعہ کتابچہ میں شامل ہے- (روایت حضرت مولانا محمود احمد قادری رفاقتی)

(۷) حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی نے حضرت مولانا بدایونی کے وصال پر زبردست تعزیتی مضمون لکھا جو ماہنامہ پاسبان الہ آباد میں مطبوع و موجود ہے- بعض دیگر مواقع پر بھی نظامی صاحب نے آپ سے متعلق شایانِ شان تحریریں ماہنامہ پاسبان الہ آباد کے مختلف شماروں میں شائع کی ہیں-

(۸) سیدی و مرشدی حضرت مفتی اعظم ہند کا ایک دستاویزی مکتوب ملاحظہ فرمائیں، جسے آپ نے شیخ الاسلام، عاشق الرسول محمد عبدالقدیر بدایونی کے وصال (۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء) سے تین چار سال پیشتر آپ کے نام تحریر فرمایا تھا:

از بریلی: ۲۸ر رمضان ۱۳۷۵ھ

حضرت رفیع الدرجت، مولانا المکرّم المحترم، ذی المجد والکرم، عاشق الرسول، زِیْدَتْ مَعَالِیْہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلامِ سنت سلام عرض مرام، طالب خیر بحمدہ تعالیٰ مع الخیر ہے- ابتدائے رمضان مبارک بلکہ اس سے بھی قبل اواخر شعبان سے نزلہ بخار میں مبتلا ہے- جناب کا مزاجِ گرامی اب کیسا ہے؟ سنا ہے کہ پھر کچھ ناسازی زیادہ ہوگئی- مولیٰ تعالیٰ صحت کامل و شفائے عاجل عطا فرمائے- شاہزادۂ سرکار غوثیت کا ورود مسعودِ بدایوں معلوم ہوا- آپ کی قسمت، قابل ہزار رشک ہے- امسال معذوری سے حاضری نہ ہوئی تو سرکار غوث مدار آقاے نامدار رضی اللہ عنہ نے یہ کرم فرمایا کہ شاہزادۂ والا تبار کو بھیج دیا- آپ نے کتنی عظیم دولت گھر بیٹھے پائی-

آپ کی عنایت مبذول ہوئی اور شاہزادۂ سرکار قادری کا کرم توان شاء اللہ تعالیٰ فقیر بے توقیر، ادنیٰ گدائے کوئے حضور پرنور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی اِس سرکاری کرم سے محروم نہ رہے گا اور گھر بیٹھے ہی اِس نعمت زیارت سے مستفیض ہو سکے گا- وہ مجھ پر کرم فرمائیں گے- مزار پاک اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر فاتحہ خوانی فرمائیں گے تو اعلیٰ حضرت، امامِ اہل سنت، مجدد دین و ملت، خادمِ سرکار غوثیت کی روح کو مسرت بے نہایت ہوگی- مجھے حضرت کا ورود معلوم ہوا- یہ نہ معلوم ہوا کہ کب تک بدایوں میں تشریف رکھیں گے؟ پھر کب واپسی کا اِرادہ فرمائیں

گے؟ میں خود حاضر ہوکر دست بوس ہوکر اپنی عرضی گذارتا-مگر رمضان مبارک اور ضعف طبیعت کے سبب دل کی دل ہی میں رہی-اپنے برادر زادہ وخویش، مولوی ساجد علی خاں سلمہ کو حاضر کرتا ہوں-

والسلام مع الاکرام

فقیر وگدائے کوئے قادری مصطفیٰ رضا نوری غفرلہ

(عکس مکتوب حضرت مفتی اعظم ہند، ص:۴۹۸، تاج الفحول نمبر، ماہنامہ مظہر حق بدایوں جلد۱، شمارہ:۸ر تا ۱۱ر شعبان تا ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ مطابق نومبر ۱۹۹۸ء تا مارچ ۱۹۹۹ء)

''مفروضہ قضیۂ سالمی''، جس میں اِستفتا کسی اور کے نام سے کیا گیا اور اس کی اِشتہار بازی کسی اور نام سے کی گئی تھی، اُس کا جواب، حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا تھا اور اس کی تصدیق سیدی ومرشدی حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے فرمائی تھی-یہ حواب شعبان ۱۳۸۳ھ/ آغاز ۱۹۶۴ء کا لکھا ہوا ہے اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے جب اپنے دار العلوم مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، محلّہ بہاری پور، بریلی کا ''دستور اساسی'' شائع فرمایا تو اس کی ''مجلس تولیت'' (ٹرسٹی بورڈ) کے ممبران میں ''مولانا عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی'' کا نام بھی تحریر فرمایا ہے اور اپنے تصدیقی دستخط کے ساتھ آپ نے ۱۹۶۵ء میں یہ ''دستورِ اَساسی'' طبع کرا کے اسے جاری فرمایا ہے-

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا یہ عمل پورے ''مفروضہ قضیۂ سالمی'' کی بنیاد منہدم کرنے کے لیے کافی اور بہت کافی ہے-

سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی کے متعدد رسائل کا مجموعہ، بنام ''مجموعۂ رسائل فضل رسول'' مرتّب کر کے اس کی کمپوزنگ کرانے کے بعد مولانا اُسید الحق قادری بدایونی نے اسے اپنی اِس خواہش کے ساتھ میرے پاس بھیجا تھا کہ میں اس پر ''تقدیم'' لکھ دوں-چنانچہ میں نے ایک طویل ''تقدیم'' لکھ کر انہیں اِرسال کیا جسے انھوں نے آغازِ کتاب میں شامل کیا-یہ ''مجموعہ رسائل فضل رسول'' ہندو پاک دونوں ممالک سے شائع ہوا، جسے اہل سنت نے ہاتھوں ہاتھ لیا-''تقدیم'' کے آخر میں میں نے لکھا ہے کہ:

''چشم و چراغِ خانوادۂ عثمانیہ بدایوں صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی مرتب ''مجموعۂ رسائل فضل رسول'' ہماری پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے آبا واجداد اور جماعتِ اہل سنت کے اکابر واسلاف کی کتب ورسائل کو بڑی محنت وعرق ریزی اور تحقیق وتخریج وتحشیہ وترجمہ کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے ذریعے منظر عام پر لا رہے ہیں-

عزیز موصوف علم وحلم، فکر وفہم اور اخلاقی محاسن کے اعتبار سے اپنے آبا واجداد کے وارث وامین اور سچے جانشین ہیں-انہیں جو کام کرنا چاہیے اسے بہ حسن وخوبی انجام دے رہے ہیں-ان کے عزائم اور حوصلوں کی داد دی جانی چاہیے کہ وہ اس وقت خیر الخلف لخیر السلف ہیں-''

(مقدمہ مجموعہ رسائل فضل رسول، ص:۱۷، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۱۰ء)

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کی خواہش تھی کہ بدایوں میں بھی ''امام اعظم ابوحنیفہ سمینار وکانفرنس'' کا انعقاد ہو-انھوں نے اِس سلسلے میں مجھ سے کئی بار گفتگو کی تھی-''امام المحدثین، شیخ عبدالحق محدث دہلوی سمینار وکانفرنس'' کے لیے بھی وہ کوشاں رہے مگر بوجوہ آپ کی حیات میں آپ کی یہ کوشش بار آور نہ ہو سکی-

ایک بار انہوں نے سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی بدایونی پر سمینار وکانفرنس بمقام دہلی کے بارے میں بھی تفصیلی گفتگو کی تھی-میں نے انھیں مشورہ دیا کہ آپ کوشش ومحنت کر کے پہلے مرحلے میں اکابر بدایوں کی کتب ورسائل کی جدید طباعت واشاعت کا کام مکمل کر لیجیے-یہ زیادہ ضروری ہے، اس کے بعد سمینار وکانفرنس کرنے کا خاطر خواہ دینی وعلمی فائدہ ہوگا-میرا یہ مشورہ انھیں پسند آیا اور انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں اس کام میں مزید دل چسپی اور اِنہماک سے لگ جاتا ہوں-

متانت وضبط وتحمل کے وہ خود ایک پیکر جمیل تھے-لیکن جب دل پر چوٹ لگتی ہے تو اس سے متأثر ہونا بھی ایک فطری امر ہے-اُن کے سامنے بعض نازک اور دل شکن مواقع آئے اور کرم فرماؤں کی مہربانی سے ایسے مواقع آتے ہی رہتے ہیں-مگر جب میں انہیں سمجھا دیتا تو وہ مان جاتے-مانے ہوئے تو پہلے ہی سے ہوتے، لیکن ان کا درد دل پکار اُٹھتا کہ: حضرت! میں تو کچھ نہیں کہتا، مگر اپنی خانقاہ سے وابستہ افراد اور اہل عقیدت ومحبت کو کس طرح اور کتنا سمجھاؤں؟

میں کہتا کہ آپ تو ماشاءاللہ سمجھ دار اور دور اندیش ہیں-یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اپنے ہی بعض نادانوں کی چھیڑ چھاڑ محض اس لیے ہے کہ وہ آپ کے کام کی رفتار کو بریک لگا کر آپ کو ایسے کاموں میں اُلجھا دیں کہ آپ جہاں ہیں وہیں رہیں، آگے نہ بڑھ سکیں-یہ ایک حریفانہ بلکہ شاطرانہ چال ہے جس سے آپ کو ہمہ وقت چوکنا رہنا ضروری ہے-اگر ذرا بھی آپ نے اس سلسلے میں کسی ردعمل کا سلسلہ شروع کیا تو پھر آپ ان نادانوں کی چال بلکہ ان کے جال میں پھنس کر رہ جائیں گے، اِس لیے جس خاموشی کے ساتھ آپ اپنا کام کر رہے ہیں، اسی طرح کرتے رہیے اور اپنے اہل ارادت وعقیدت پر بھی سختی کے ساتھ پابندی عائد کر دیجیے کہ وہ ہرگز کسی اِشتعال انگیزی اور کسی کی سازش کا شکار نہ ہوں اور اپنے کام سے کام رکھیں-

وہ کہتے کہ اگر ہماری جانب سے کسی طرح کی کوئی بات ہوتی، ہم میں سے کوئی کچھ کہتا، بولتا، لکھتا تو کوئی بات بھی تھی-اِدھر سے تو مکمل خاموشی ہے-پھر یہ سب باتیں کیوں کہی اور لکھی جا رہی ہیں اور ان کا پروپگنڈہ کیوں جا رہا ہے؟

میں کہتا کہ دیکھیے آپ اِن چکروں میں نہ پڑیے، جس کو جو کہنا ہو کہے اور جو لکھنا ہو، لکھے-ایسی ساری حرکتوں کا واحد جواب یہ ہے کہ آپ اپنے کام کی رفتار تیز کر دیجیے-ایک وقت ایسا آئے گا کہ شور وشر کرنے والے افراد تھک ہار کر خود ہی بیٹھ جائیں گے اور آپ کا اپنا کاروانِ علم وفضل اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہے گا-

اِس طرح اُسید میاں کے دل کا غبار ہلکا ہو جاتا اور وہ مطمئن ہو کر کہتے: ''اچھا ٹھیک ہے، صبر وضبط کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟ یہی شیوۂ اہل علم واہل ظرف بھی ہے-'' میں کہتا کہ: سب ٹھیک ہے اور ان شاءاللہ تعالی ٹھیک ہی رہے گا بس آپ اپنے کام سے لگے رہیے-اللہ ہی حامی وناصر ہے اور وہ سب کچھ دیکھ سن رہا ہے-

''دوستی کا ہاتھ'' کے عنوان سے مولانا اُسیدُ الحق قادری بدایونی کی ایک مطبوعہ نظم ان کی وسعت ظرفی اور بلند خیالی کا ایک جگمگاتا ہوا آئینہ ہے-اِس تاریخ ساز نظم کے اشعار یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

مرے عزیز مرے دوست میرے ہم سایہ
ہمارے بیچ جدائی کو اک صدی گزری

نہ تم کو مجھ پہ بھروسہ نہ مجھ کو تم پہ یقیں
اسی نفاق و عداوت میں زندگی گزری

وہ جس کا نقشِ کفِ پا ہمارے سینے میں
اسی کی یاد سے آباد تیرا سینہ ہے

وہ جس کے فیض سے ہم نے بلندیاں پائیں
اسی کا نامِ مبارک ترا وظیفہ ہے

ہماری کشت پر برسا ہے جو سحاب کرم
اسی کے فیض کی بارش تمہارے آنگن میں

وہ جس کی بو سے معطر مشامِ جاں ہے مرا
اسی گلاب کی رنگت تمہارے گلشن میں

وہ بادہ خانہ جہاں ہم نے مے گساری کی
شراب تم بھی اسی میکدے کی پیتے ہو

ہے جس نگاہ کی مستی ہماری آنکھوں میں
اسی نگاہ سے مخمور تم بھی رہتے ہو

جو عندلیب مرے باغ میں چہکتا ہے
اسی کی نغمہ سرائی ترے گلستاں میں

وہ شمع جس سے منور ہے طاقِ دل میری
اسی کی ضو سے اجالا ترے شبستاں میں

وہ بجلیاں جو مرے آشیاں کو تکتی ہیں
وہی حریف تمہارے نگار خانے کی

تمہارا گلشن صد رنگ جس کی زد پر ہے
وہی خزاں ہے عدو میرے آشیانے کی

غرض کہ فرق نہیں کوئی ہم میں بنیادی
نہ فکر میں نہ عقیدے نہ دین و مذہب میں

نہ اختلاف خیالات کا نہ مسلک کا
نہ کوئی فرق ہمارے تمہارے مشرب میں

اگر یہ سچ ہے تو اے محترم حریف مرے
کوئی جواز نہیں ہم میں دشمنی کے لیے

''اگر تمہاری انا ہی کا ہے سوال تو پھر
چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لیے''

۲۰۱۱ء میں امامِ حکمت وکلام قائد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، علامہ فضل حق خیرآبادی (متوفی ۱۲؍صفر ۱۲۷۸ھ؍۲۰؍اگست ۱۸۶۱ء) کے ڈیڑھ سو سالہ یومِ وصال کی مناسبت سے جب زور وشور کے ساتھ "تحریک فضل حق شناسی" شروع ہوئی تو مولانا اُسید الحق قادری بدایونی نے اسے بے حد پسند کیا اور میری خواہش کے مطابق ایک نہایت اہم اور معرکۃ الآرا کتاب بنام "خیرآبادیات" لکھ کر انھوں نے اہل علم وتحقیق سے داد وتحسین حاصل کیا۔

"سلسلۂ خیرآباد" کے آخری "اصیل" نمائندہ عالم ومحقق، حکیم سید محمود احمد برکاتی ٹونکی (کراچی) نے "خیرآبادیات" کا مطالعہ کرکے ایک حوصلہ افزا مکتوب مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کے نام لکھا جس میں اپنے کچھ اِس طرح کے تأثرات انھوں نے ظاہر کیے کہ سلسلۂ خیرآباد کا پرچم آپ جیسے نوجوانوں نے سنبھال لیا ہے۔ اب مجھے اطمینان ہوگیا کہ یہ پرچم اسی طرح بلند رہے گا۔" وغیرہ وغیرہ۔

اِس موقع پر ایک اور اہم تحقیقی وتاریخی خدمت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ "علامہ فضل حق خیرآبادی: چند عنوانات" کے نام سے مولانا خوشتر نورانی نے بھی ایک نہایت گراں قدر کتاب لکھ کر شائع کی، جسے "قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی" نے بھی ابھی چند ہفتے پیشتر شائع کرکے اس کی اہمیت میں خاصا اِضافہ کردیا ہے۔

اِس حقیقت کا اظہار کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ تحقیقی وقلمی طور پر اِس پوری مُہم اور تحریک میں مذکورہ دونوں نام اب تک سرفہرست ہیں۔

اکابر خانوادۂ قادریہ عثمانیہ کی بیشتر کتب ورسائل "احقاق حق وابطال باطل" اور ردوہابیہ پر مشتمل ہیں، جنھیں رفتہ رفتہ مولانا اُسید الحق قادری بدایونی بڑے خوبصورت اور مؤثر انداز میں منظر عام پر لارہے تھے۔

اپنے آباواجداد کی طرح ردوہابیہ سے انھیں خاصی دل چسپی تھی مگر علمی وتحقیقی انداز سے وہ یہ کام کررہے تھے اور آگے بھی اِسی طرح کرنا چاہ رہے تھے۔ شوروہنگامہ سے وہ طبعاً دور رہتے تھے، اِس لیے اِس خدمت کو بھی وہ نہایت سنجیدگی اور خاموشی کے ساتھ محض حقائق ودلائل کی بنیاد پر کرنا چاہتے تھے اور کررہے تھے۔ وہ بڑی سرگرمی کے ساتھ ایسی کتابیں تلاش وجستجو کرکے جمع کررہے تھے جو تقویۃ الایمان کی تردید وابطال میں دوراول ہی میں لکھی گئی تھیں اور وہ ان کتابوں کو سامنے رکھ کر بہت کچھ لکھنا چاہ رہے تھے اور کچھ لکھنا شروع بھی کردیا تھا۔

جب بھی اِس طرح کی کوئی کتاب یہاں تک کہ کوئی اہم گوشۂ تحقیق اُن پر واضح ہوتا تو وہ بڑی خوشی کے ساتھ عام طور پر مجھ سے اس کا ذکر کرتے اور میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کوئی مناسب رائے دیتا۔ مولانا اُسید الحق قادری بدایونی چوں کہ مثبت ذہن وفکر کے حامل اور معاملہ فہم دوراندیش تھے۔ حالاتِ زمانہ کی مناسب رعایت کے ساتھ مستقبل کی طرف ان کی نظر ہوا کرتی تھی۔ منصوبہ بندی اور حکمت عملی پر بھی وہ خاصی نگاہ رکھتے تھے، اِس لیے وہ جو کچھ کرتے تھے، بہت سوچ سمجھ کر مضبوط ومستحکم قدم اُٹھایا کرتے تھے۔

ایک اچھوتے پہلو پر بھی انھوں نے کام کیا جس سے غفلت وبے نیازی عام ہے، وہ یہ کہ اہل وطن کو تعلیمات اسلام سے آگاہ کیا جائے۔ دعوتی نقطۂ نظر سے ان کے سامنے تعلیمات وہدایات اسلام پیش کی جائیں، اِس کے لیے انھوں نے بدایوں میں چھوٹے بڑے کئی ایک پروگرام کیے اور آسان ہندی زبان میں اہل وطن کے درمیان لٹریچرس کی تقسیم کی۔

عیدمیلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس موقع پر بھی انھوں نے عام لوگوں کے درمیان مختلف قسم کے تحائف تقسیم کرکے انھیں اسلام کے حسن اخلاق کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ وہ اِس طرح کے متعدد کام کررہے تھے اور مزید کرنا چاہ رہے تھے، مگر:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مختصر عرصے میں انھوں نے دینی وعلمی واخلاقی محاسن کا اچھا اور بہت اچھا نقش بے شمار لوگوں کے دلوں پر چھوڑا۔ دلوں پر مرتسم ہونے والا اُن کا ہر نقش بڑا ہی جاذب ودل کش اور دل آویز ہے۔ وقت ملتا تو یہ نقش اور بھی گہرا ہوتا۔ اس کی چمک دمک اور بھی بڑھتی اور بڑھتی ہی چلی جاتی۔ مگر اب حسرت وافسوس کے ساتھ یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دینا ہی تقاضائے صبر وشکیب ہے کہ: خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم اور احسان وانعام سے حصہ وافر عطا فرماتے ہوئے شہید بغداد اُسید میاں کو اپنی رحمت ومغفرت سے نوازے اور جنت الفردوس میں انھیں بلند مقام عطا فرمائے۔ □□□

☆بانی: دارالقلم، قادری مسجد، جوگابائی ایکسٹینشن، اوکھلا، نئی دہلی

پروفیسر اختر الواسع☆

اس جوان رعنا کو کس کی نظر لگ گئی!

مولانا اسید الحق نے کم عمری میں وہ کمالات علمی ممکن کردکھائے جس کے لیے عام طور پر برسوں کا مطالعہ اور دیدہ ریزی درکار ہوتی ہے

قضا وقدر کے مالک نے ہر انسان کی موت کا وقت اور جگہ متعین کررکھی ہے۔ زندگی کی سب سے اٹل حقیقت اگر کوئی ہے تو وہ موت ہے، لیکن یہ سب جانتے اور مانتے ہوئے بھی کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنوں کے لیے جتنا بڑا سانحہ ہوتی ہیں اس سے کم غیروں کے لیے بھی نہیں ہوتیں۔ ایسی ہی موت اس جوان رعنا کی تھی جو عالم دین بھی تھا اور صاحب طریقت بھی۔ جس کے ایک ہاتھ میں جام شریعت تھا تو دوسرے میں سندان عشق۔ جس نے کم عمری میں وہ کمالات علمی ممکن کردکھائے جس کے لیے عام طور پر برسوں کا مطالعہ اور دیدہ ریزی درکار ہوتی ہے۔ پتہ نہیں مولانا اسید الحق عاصم قادری کو کس کی نظر لگ گئی۔ ان کے حصے میں تو شہادت آئی اور غوث الاعظم کے جوار میں قیامت تک آسودۂ خاک ہونے کی سعادت ملی لیکن خدا کسی باپ کو یہ دن نہ دکھائے کہ وہ اپنے ہی کاندھے پر اپنے جوان بیٹے کا جنازہ اٹھائے۔

مولانا بدایونی سے میرا تعلق حالیہ چند برسوں پر محیط تھا۔ وہ الازہر سے پہلے ہی فضیلت پاچکے تھے، لیکن حصول علم کے شوق میں انھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے اسلامک اسٹڈیز میں ایم اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ اس حوالے سے ان سے کبھی کبھار ملاقات ہوجاتی۔ بعد میں خانقاہ عارفیہ سید سراواں کے جشن امام غزالی میں ان کے ساتھ شریک ہونے کا موقع ملا اور ان کی علمی خطابت سے بہت متاثر ہوا۔

بدایوں میں بھی انھوں نے میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر امن وشانتی کے حوالے سے ایک کانفرنس بعنوان "شانتی سمیلن" کی تھی جس میں سوامی اگنی ویش اور دیگر حضرات کے ساتھ مجھے بھی شرکت کا موقع ملا۔ اس موقع پر ان کی انتظامی صلاحیت کا اندازہ ہوا۔ پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں علامہ فضل حق خیرآبادی کے ڈیڑھ سو سالہ یوم وفات کے حوالے سے مولانا اسید الحق عاصم قادری اور عزیز گرامی مولانا خوشتر نورانی کی تحریک پر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی کے اشتراک سے بڑے پیمانے پر "علامہ فضل حق خیرآبادی کنونشن" کا اہتمام کیا گیا۔ اس دوران ان کے اندر دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا جو جذبۂ خیرسگالی تھا، جو توسع اور تواضع تھی، اس کا اندازہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ علم حلم پیدا کرتا ہے، مولانا اسید الحق اس کے سچے عملی پیکر تھے۔

ان کا ایک اور وصف ان کا صاحب اسلوب ہونا بھی تھا۔ انھوں نے علوم شریعت وطریقت کے ساتھ ہی زبان وادب کی بھی غواصی کی تھی اور جام نور میں ابوالفیض معینی کے قلمی نام سے ان کا کالم خامہ تلاشی اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، جس میں حسن مزاح بھی ہے اور انتہائی مہذب انداز سے طنز بھی۔ برسوں تک وہ چھپتے بھی رہے اور چھپتے بھی۔ لوگوں کو کتنا تجسس تھا، کیسا اشتیاق تھا، کیسی بے چینی تھی کہ وہ خامہ تلاشی لینے والے تک پہنچ سکیں۔ مگر وہ باوجود انتہائی مقبولیت کے کبھی کھل کر سامنے نہ آئے اور یہ بات بہت بعد میں جب ان کا کالم بند ہوگیا تو لوگوں کو پتہ چل سکی کہ یہ حق پسند تحریریں مولانا اسید الحق کی تھیں۔

نثر کے علاوہ شعرگوئی میں ان کا شوق اور مزاج بھی کم عمری میں انتہائی پختگی کا حامل تھا۔ نعت اور منقبت میں خاص طور پر ان کے جوہر دیکھنے والے تھے اور کیوں نہ ہوتے، انھیں عشق رسول اور صحابہ اور اولیائے کرام سے محبت نہ صرف ورثے میں ملی تھی بلکہ انھوں نے اپنے خون دل کی آمیزش سے ایک نئی توانائی بخشی تھی۔

جو آیا ہے سو جائے گا بھی، لیکن اتنی جلدی مولانا اسید الحق جیسے لوگوں کا چلا جانا امت کے حق میں نہایت غم ناک بات ہے۔ ایسی تاریخی شخصیتوں سے عوام وخواص نہ جانے کیسی کیسی امیدیں اور توقعات وابستہ کررکھی ہوتی ہیں اور ان سے استفادے کا کتنے لوگوں کو اشتیاق رہتا ہے۔ مگر ہم کچھ بھی کہیں، کچھ بھی سوچیں، راضی بہ رضا ہی رہنا ہے؛ کیوں کہ اپنی مشیت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ □□□

☆چیف کمشنر اقلیتی لسانیات، حکومت ہند، نئی دہلی

پروفیسر خواجہ اکرام☆

مولانا اسید الحق جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں

ہمیں "اسید الحق ریسرچ سینٹر" قائم کرنا چاہیے، اور اہل علم کو اس سے جوڑنا چاہیے

کیا لکھوں؟ کیسے لکھوں؟ اب تک یقین نہیں آیا - مولانا اسید الحق قادری بدایونی، ہمارے اسید صاحب، ہم سب کے محترم، دل سے قریب، ذہن سے قریب اس طرح اچانک ہمارے درمیان سے چلے گئے، دل ماننے کو تیار نہیں اور ذہن قبول کرنے کو راضی نہیں، لیکن مشیت الٰہی یہی تھی، اللہ ہم سب کو صبر جمیل عطا کرے اور شہید بغداد کو اللہ جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے-

ہمارے درمیان سے جانے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ کیا تھے؟ ان کی شہادت کی خبر نے ساری دنیا کو جس طرح سوگوار کیا، اس کا اندازہ کسی کو بھی نہیں تھا کہ ان کی شخصیت اتنی مقبول اور اتنی جاذب تھی کہ ملک کے طول وعرض کے علاوہ پوری دنیا یہ خبر سن کر سکتے میں آجائے گی- ذرا اندازہ کریں کہ انھوں نے ۲۰۰۴ء میں فراغت کے بعد عملی میدان میں قدم رکھا اور اس شان سے کہ جلد ہی علمی، ادبی، مذہبی، مسلکی اور خانقاہی نظام میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جانے لگے- اتنی تیزی سے اسید الحق صاحب نے مقبولیت حاصل کی یہ ان کی شخصیت کا ہی کمال تھا- تدبر، تحمل، دانشوری، حسن اخلاق جیسے صفات ان کی ذات سے اس طرح متصف ہو چکے تھے کہ ان سے الگ کر کے ان صفات کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا- دس سال کی رفاقت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کو کبھی ملول اور افسردہ دیکھا ہو- بہر وقت روحانی مسکراہٹ ان کی چہرے پر ایک خاص رونق بکھیرتی تھی، جس سے ملنے جلنے والے ایسا مسحور ہوتے کہ کبھی ان کو بھول نہیں پاتے - دوستوں سے ملنے کا انداز ایسا تھا کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ اسید الحق صاحب سب سے زیادہ انہی سے قریب ہیں-

سچائی یہ ہے کہ صدیوں میں اسید الحق صاحب جیسی شخصیت وجود میں آتی ہے- ذرا غور کریں! دس سال کے وقفے میں انھوں نے تقریباً ایک سو دس کتابیں تصنیف وتالیف اور مرتب کیں- اگر حساب لگائیں ہر سال میں گیارہ کتابیں ہوتی ہیں، یہ اپنے آپ میں اسید الحق صاحب کی زندہ کرامت ہے- اسلاف کی اہم کتابوں کی ترتیب وتالیف کے علاوہ مختلف رسالوں میں وقتاً فوقتاً مضامین لکھنا، مختلف سیمیناروں میں مقالے پڑھنا، مسلکی اور مذہبی محافل میں شریک ہونا، معتقدین کی رشد وہدایت کے لیے مختلف مقامات کا سفر کرنا، ان سب میں کتنا وقت لگتا ہے یہ قارئین کو بھی اندازہ ہوگا، پھر ایسے میں اتنی کتابیں لکھنا کسی عجوبے سے کم نہیں ہے-

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مولانا اسید الحق صاحب ہمارے بھی دوست تھے- ان سے میری پہلی ملاقات خوشتر نورانی صاحب کے توسط سے میرے گھر پہ ہوئی- میں زندگی بھر خوشتر نورانی صاحب کا اس کار خیر کے لیے ممنون رہوں گا کہ انھوں نے اسید صاحب سے میری ملاقات کرائی- اللہ جانے کیسے ان کے دل میں یہ بات آئی کہ وہ اسید صاحب کے ساتھ آئے- آج تک مجھے وہ دن یاد ہے اور اسید صاحب کا وہ چہرہ یاد ہے- سفید کرتا پائجامہ اور سفید ٹوپی لگائے ان کا نوارنی اور مسکراتا ہوا چہرہ، یہ میری پہلی ملاقات تھی لیکن چند لمحوں کے بعد ہی ایسا محسوس ہونے لگا کہ ان سے برسوں کی شناسائی ہے- اس ملاقات میں ذیشان مصباحی بھی ساتھ تھے- میڈیا کے حوالے سے باتیں شروع ہوئیں اور میڈیا کو ملی، مسلکی اور اصلاحی سرگرمیوں کے لیے کیسے استعمال کیا جائے اس پر اسید صاحب کی گفتگو سن کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی- حیرت اس لیے کہ عمومی طور پر کسی خانقاہی نوجوان سے یہ باتیں میں نے پہلی دفعہ سنیں اور خوشی اس لیے کہ اب ملت کا کام آسان ہو جائے گا- کیونکہ ان کے اندر جو جوش وولولہ اور عزم تھا وہ صرف گفتگو تک محدود نہیں رہا بلکہ اسی ملاقات میں عملی اقدامات پر انھوں نے گفتگو کی، ساتھ میں خوشتر نورانی صاحب نے لائحہ عمل کے حوالے سے روشنی ڈالی - میری حیرت بڑھتی ہی رہی اور میرے اندر غلط فہمیوں کے بت ٹوٹتے رہے، کیونکہ ہم یونیورسٹی والے بھی ایک حصار میں بند رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ روشن خیالی ہماری جاگیر ہے- میں اس پہلی ملاقات میں ہی ان کی روشن خیالی اور اولوالعزمی کے سبب ان کا مرید ہو گیا، حالانکہ اسید صاحب ہمیشہ ایک دوست کی طرح پیش آتے تھے، لیکن میں نے ہمیشہ احترام و عقیدت کی نگاہ سے ان کو دیکھا، مجھے آج تک یاد نہیں کہ میں نے کوئی بات کہی ہو اور انھوں نے اس پر سنجیدگی سے غور نہ کیا ہو-

دو سال قبل کی ہی بات ہے کہ میں نے انھیں ایک سہ روزہ عالمی سیمینار دہلی میں آنے کی دعوت دی تو تمام مصروفیات کو چھوڑ کر وہ تشریف لائے اور سائے کی طرح ساتھ رہنے والے ہمارے دوست خوشتر نورانی نے بھی ہماری دعوت پر شرکت کی- یہ عالمی سیمینار جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی میں منعقد ہوا تھا- اس سیمینار کا موضوع "سفرناموں میں ہندستانی تہذیب وثقافت کی عکاسی" تھا - خوشتر نورانی صاحب کے مشورے سے میں نے دوسرے دن ایک پورا سیشن "صوفیائے کرام کے سفرناموں" کے عنوان سے مختص کر دیا تھا- اس سیمینار میں سات ملکوں کے مندوبین کے علاوہ پورے ہندوستان سے اردو، فارسی اور عربی زبان کے ماہرین اور اساتذہ موجود تھے-

اس موقعے پر اسید الحق صاحب اور خوشتر نورانی صاحب نے جس انداز سے گفتگو کی اسے تمام حاضرین نے نہ صرف سراہا، بلکہ اکثر لوگوں نے یہ اعتراف کیا کہ ایسے بھی مذہبی اسکالرس موجود ہیں جو تحریر و تقریر پر نہ صرف عبور رکھتے ہیں، بلکہ بھرپور اہلیت کے مالک ہیں- اس سیشن کے اختتام کے بعد اکثر مندوبین نے ان سے رابطہ کیا اور آئندہ ملاقات کی آرزو کی- (آج بھی میرے پاس وہ سی ڈی موجود ہے جس میں ان کی روحانیت اور علمیت جھلکتی ہے-)

اس کے بعد اسید الحق صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا، ہر ملاقات میں خوشتر نورانی صاحب موجود رہتے - ہم لوگوں نے کئی منصوبے بنائے، کچھ پر عمل بھی ہوا اور کئی ابھی تشنۂ تکمیل ہیں- بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اسید الحق صاحب کا ایک منصوبہ تھا کہ سوشل اور الیکٹرونک میڈیا کو تبلیغ وارشاد اور اصلاح معاشرہ کے لیے استعمال کرنا ہے- اس سلسلے میں "کیو ٹی وی" پاکستان کے مالک حاجی عبدالرؤف صاحب سے بھی ان کی گفتگو ہوئی تھی اور جب وہ ہندوستان آئے تو اس حوالے سے ایک منصوبے کے تحت ہم تینوں نے ان کے ساتھ ملاقات کی تھی- اس میٹنگ میں اسید الحق صاحب کے مشورے سے ایک منصوبہ بنا تھا کہ قرآن کریم میں حیوانات کے حوالے سے جو آیات کریمہ ہیں ان کو ویزولائز کیا جائے- اسی طرح کے اور بھی کئی انوکھے کنسپٹ نوٹ تھے- یہ سب کے سب اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد تھے جو انفوٹینمینٹ کے زمرے میں آتے ہیں- اللہ کرے کوئی بندۂ خدا اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے-

اسید الحق صاحب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند کے عربک پینل کے اہم ممبر بھی تھے- اس پینل کے تحت انھوں نے کونسل کو کئی اہم مشورے بھی دیے، ان میں ایک اہم منصوبہ "اسلامی انسائیکلوپیڈیا" کی تیاری بھی تھی-

اسید الحق صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن تھے- ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پورا کرنا ناممکن ہے- انھوں نے ایک دہائی میں جو کام کیا وہ کسی عجوبے سے کم نہیں ہے- میں تو کہتا ہوں کہ اتنی مقبولیت، شہرت، عزت اور سرگرمیاں اسید صاحب کی زندہ کرامات ہیں- وہ ہمیشہ لوگوں کے ذہن ودل میں موجود رہیں گے لیکن ان کی یاد میں ہم لوگوں کو کوئی ایسا کام ضرور کرنا چاہیے جو ان کے منصوبے کی تکمیل کی سمت میں ایک کوشش ہو سکے- میں چاہتا ہوں کہ "اسید الحق ریسرچ سینٹر" قائم کرنا چاہیے، جس سے تمام اہل علم کو جوڑنے کی کوشش کی جائے تو شاید یہ ان کے لیے ایک بڑا اخراج عقیدت ہوگا- اس سلسلے میں ان کے سب سے زیادہ قریبی اور بے لوث چاہنے والے دوست خوشتر نورانی صاحب سے ہی گزارش کروں گا کہ وہ اس سلسلے میں قدم بڑھائیں، ہمیں وہ اپنا معاون پائیں گے- مذہبی حلقے میں ایسے ریسرچ سینٹر کی بڑی شدید ضرورت بھی ہے-

□□□

☆ڈائرکٹر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نقش بندی☆

یہ صدمہ بھلایا نہیں جاسکتا

مولانا اسید الحق قادری اپنے معاصرین میں سب سے بلند مقام پر فائز تھے، دنیا ان کو صدیوں تک یاد رکھے گی

شیدائے بغداد شریف، فدائے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ، شہید قادریت علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت نے عالم اسلام کو شدید صدمہ میں مبتلا کر دیا- کسے معلوم تھا کہ وہ اتنی جلدی ہم سے رخصت ہو جائیں گے اور داغ مفارقت ہمیں برداشت کرنا پڑے گا- مرضی مولیٰ! ان کی علمی، ادبی اور روحانی خدمات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوئیں اور انہیں شہادت کا عظیم رتبہ حاصل ہوا، آج وہ بارگاہِ غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں ابدی آرام گاہ میں انوار وتجلیات سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور روز محشر خانوادۂ قادریہ بدایوں کے اس شہزادے کی حاضری حضرت غوث اعظم کے قافلے کے ساتھ ہوگی اور وہ اپنے خاندان والوں، عقیدت مندوں اور محبین کے لیے آخرت میں مغفرت کا سامان ہوں گے- ہم سب کی دعا ہے کہ پروردگار عالم اپنے حبیب سرکار کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے طفیل انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین- یقیناً یہ ایسا صدمہ ہے جسے بھلایا نہیں جاسکتا- اللہ تبارک وتعالیٰ پیر طریقت مرشد برحق حضرت مولانا شاہ عبد الحمید سالم القادری دامت برکاتہٗ العالیہ کو اور سب اہل خاندان کو صبر عظیم کی دولت سے نوازے، آمین-

سنا ہے کہ مولانا قادری مرحوم کے وفد کا بغداد کا سفر ختم کے قریب تھا کہ یہ شدید المناک حادثۂ شہادت پیش آ گیا- حدیث شریف میں ہے کہ جس کا آخر وقت جہاں لکھا ہوتا ہے وہیں اس کا انتقال ہوتا ہے، اسباب ایسے بن جاتے ہیں کہ وہ شخص وہاں پہنچ جاتا ہے، مولانا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا- یہ عاجز تو بغداد شریف دو مرتبہ حاضر ہو چکا ہے اور حضرت غوث اعظم کے دربار سے دو چادریں بھی عطا ہوئی ہیں- یہی دیکھا کہ پورا بغداد چھاؤنی بنا ہوا ہے- ایئرپورٹ پر شدید سیکوریٹی ہے اور وہاں پرائیویٹ گاڑیوں کی آمد ورفت پر سخت پابندی عائد ہے، وہاں یہی سننے کو ملتا رہتا ہے کہ فلاں جگہ فائرنگ میں اتنے لوگ شہید ہو گئے اور فلاں جگہ دھماکے میں اتنے شدید زخمی ہو گئے- ایک مرتبہ تو نامعلوم کیوں اچانک ملٹری کی دو گاڑیوں نے ہمارا محاصرہ کر لیا تھا- ایک گاڑی آگے اور ایک گاڑی ڈرائیور کی جانب، کافی دور وہ ساتھ چلتی رہیں پھر اچانک غائب ہو گئیں-

مولانا قادری مرحوم کی شہادت ملت اسلامیہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے- انہیں اپنے مشن سے قلبی لگاؤ تھا، وہ بہت مستعدی کے ساتھ علمی خدمات میں مصروف تھے- تیس کے قریب بہت معیاری تصنیفات وتالیفات منظر عام پر آ چکی تھیں اور متعدد کتابیں مسودات کی شکل میں ہیں جن کو عنقریب ہی طبع ہونا تھا- علمائے کرام کی عظمت اور ان کی جلیل القدر خدمات کو باوقار انداز میں نئی نسل کے سامنے پیش کرنا ان کا مقصد تھا اور وہ اپنے مشن میں کامیاب تھے- اسی لگن میں انھوں نے اپنی جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دی- انا للہ وانا الیہ راجعون- ان کی شہادت کی خبر ملتے ہی ہر طرف غم واندوہ کا ماحول چھا گیا- فتحپوری مسجد میں ہر جمعہ، اتوار اور جمعرات کو محفل ذکر ہوتی ہے، اس میں بھی مرحوم کے لیے ایصال ثواب کیا گیا- قرآن خوانی کر کے بھی ایصال ثواب کیا گیا، جمعہ کی نماز کے بعد بھی دعائے مغفرت کی گئی- مدرسہ اہل سنت جامعہ اسلامیہ مظہر العلوم لونی میں بھی قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کیا گیا- ۱۱ر جمادی الاولیٰ کو بھی گیارہویں شریف کی محفل میں جامعہ اسلامیہ مظہر العلوم اور شاہی مسجد فتحپوری میں بالخصوص مرحوم کے لیے ایصال ثواب کیا گیا اور ان کے فضائل ومناقب کا بیان ہوا- احقر کے مریدین اور عقیدت مندوں نے بھی اپنے طور پر گھروں میں قرآن خوانی کر کے اور کلمہ شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا ہے-

بلاشبہ اہل سنت پر ان کا بڑا احسان ہے، اپنی خداداد علمی صلاحیت اور بلند پایہ اخلاق وکردار کی وجہ سے انھوں نے عالمی طور پر مقبولیت حاصل کر لی تھی- ہر طرف ان کی تحریروں کی دھوم تھی، اگر عمر وفا کرتی تو وہ مزید بڑے بڑے کام کرتے- مرحوم نے اہل سنت کے دلوں میں گھر بنا لیا تھا، یہ ان کی بڑی سعادت تھی- وہ اچانک چلے گئے، اتنی خاموشی سے جتنی خاموشی سے پھولوں سے خوشبو چلی جاتی ہے- آج وہ دلوں کی دنیا میں جلوہ فرما ہیں- میر نے کہا ؎

دل میں رہ دل میں کہ معمار قضا سے اب تک
ایسا مطبوع مکاں کوئی بنایا نہ گیا

دل سے اور کون سا مکاں اچھا ہو سکتا ہے- ان کی مفارقت ایک عظیم المیہ ہے، وہ سراپا اخلاص ومحبت تھے، ان کا علم بہت وسیع تھا، ان کا مطالعہ بہت گہرا تھا، ان کی فکر بہت بلند تھی اور ان کی تحریر شائستہ اور مؤثر تھی- نایاب علمی ذخائر کی تلاش میں وہ ہمہ تن مشغول رہتے تھے اور اس تلاش میں وہ ہر وقت سرگرداں تھے، وہ کوئی بھی مضمون یا مقالہ سرسری طور پر نہیں لکھتے تھے، انھوں نے ہمیشہ نقد وتحقیق کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا، جوان جیسے جواں سالہ فضلا میں نایاب ہے- مولانا خوشتر نورانی اس مشن میں ان کے دست راست تھے- ماہنامہ جام نور میں اور دیگر ادبی وملی ماہناموں میں ان کے تحقیقی مقالات شائع ہوتے رہتے تھے اور وہ تشنگانِ علوم وفنون کی پیاس بجھاتے رہتے تھے- میرا قلم ان کے علم وفضل کو کماحقہ بیان کرنے سے قاصر ہے- اپنے اس بیان کی دلیل کے طور پر میں ان کے تین مقالے پیش کر سکتا ہوں:

ماہنامہ جام نور شمارہ جون ۲۰۱۲ء میں ان کا بہت مفید مقالہ شائع ہوا تھا، جس کا عنوان ہے ''مولانا حیدر علی فیض آبادی: تیرہویں صدی کی ایک گم نام شخصیت-'' (ص:۲۱)

ماہنامہ جام نور شمارہ اپریل ۲۰۱۳ء میں مولانا قادری مرحوم کا ایک نہایت مفید، پرفخر مقالہ شائع ہوا تھا، جس کا عنوان ہے ''مولانا عبد الحامد بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضریٰ-'' (ص:۱۱)

یہ مقالہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے، گنبد خضریٰ کے تحفظ کے لیے علمائے اہل سنت نے کیا تحریکیں چلائی تھیں، اس مقالے کے مطالعے سے وہ سارا منظر سامنے آ جاتا ہے-

دہلی میں شاہی مسجد فتحپوری سے حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ (م۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) اور مولانا مفتی محمد احمد (م۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا تھا اور ایک رسالہ بھی مفتی اعظم نے شائع کیا تھا، جس کا عنوان ہے: کشف الحجاب عن مسئلة البناء والقباب مطبوعہ دہلی، ۱۹۲۵ء-

ماہنامہ جام نور شمارہ مئی ۲۰۱۳ء میں مولانا قادری مرحوم کا ایک اور بہت مفید مقالہ شائع ہوا تھا، جس کا عنوان ہے: ''شمس مارہرہ حضور اچھے میاں اور سراج الھند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی: علمی وروحانی روابط-(ص:۵۱)

چھ صفحات پر مشتمل یہ بھی علمی وروحانی انوار وبرکات سے معمور ایک مقالہ ہے، جس سے دہلی اور مارہرہ مطہرہ کے اولیاء اللہ کے علمی و روحانی روابط پر واقفیت حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خانقاہی روابط کس طرح کے ہونے چاہئیں اور مریدین وعقیدتمندوں کے آداب کیا ہوتے ہیں-

مولانا قادری مرحوم کی خصوصی توجہ قدیم علمی ذخائر کو منظر عام پر لانے کی طرف تھی اور وہ علمائے اہل سنت کے علمی و روحانی عظیم کارناموں کو منظر عام پر لانا چاہتے تھے- علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کی تصانیف اور مقالات عالمی طور پر مقبول ہو چکے ہیں- حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کے مفصل حالات پر مشتمل ایک صدی پرانی مستند ونایاب کتاب ''تذکرۂ نوری'' مولانا قادری مرحوم کی ترتیب وتقدیم کے ساتھ منظر عام پر آ چکی ہے- میری اس مختصر سی تحریر سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا قادری مرحوم کی نظر ہر طرف تھی، وہ بدایوں شریف کی خانقاہ عالیہ قادریہ کے ولی عہد سجادہ نشین تھے، جن کی تربیت حضرت سالم میاں دامت برکاتہٗ نے قدیم خانقاہی روایات کے مطابق فرمائی تھی- وہ تنگ نظر نہیں تھے، ہر خانقاہ کا وہ ادب واحترام کرتے تھے اور ہر بزرگ کی خدمات کو منظر عام پر لانا ان کا مشن تھا اور اسی وجہ سے ان کی مقبولیت اہل سنت کے ہر طبقے میں تھی- وہ اپنے معاصرین میں سب سے بلند مقام پر فائز ہیں اور دنیا ان کو صدیوں تک یاد رکھے گی- اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اس پر انوار وتجلیات کی بارش ہوتی رہے، آمین-

□□□

☆شاہی امام: مسجد فتح پوری، فتح پوری، دہلی-٦

مفتی محمد نظام الدین رضوی☆

آفتاب قادریت نصف النہار سے پہلے ہی روپوش

مولانا بدایونی کی شخصیت بہت کم عرصے میں افق ہند پر روشن تارے کی طرح چمکنے لگی تھی اور اس کی روشنی کا دائرہ دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا تھا

خانقاہ قادریہ بدایوں سے علم وتعلیم اور رشد وہدایت کے بڑے بڑے تاج دار پیدا ہوئے اور دنیا کو ضیاے علم سے روشن ومنور کیا- ماضی قریب میں دو عظیم نام سیف اللہ المسلول حضرت علامہ معین الحق فضل رسول قادری عثمانی بدایونی (۱۲۱۳ھ-۱۲۸۹ھ) اور تاج الفحول، مظہر حق عبدالقادر محبّ رسول عثمانی (۱۲۵۳ھ-۱۳۱۹ھ) رحمہم اللہ تعالی کے ممتاز اور نمایاں ہیں جن کے علم وفضل کا سوتا کسی نہ کسی حیثیت سے آج بھی جاری وساری ہے- یہ وہی بزرگان دین ہیں جن کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے اعلی حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری برکاتی (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) نے ان کی شان میں قصائد لکھے ہیں- مثلا حضرت تاج الفحول کے بارے میں فرمایا:

وقدوة جمعهم تاج الفحول
وما ادراك ما تاج الفحول

اور اپنے قصیدہ چراغ انس میں فرمایا:

ٹھیک معیار سنیت ہے آج
تیری حب و ولا محبّ رسول

یہ اکابر ہمارے لیے سند وحجت ہیں-

شہید راہ بغداد حضرت مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری عثمانی بدایونی مرحوم ومغفور (۱۳۹۵ھ-۱۴۳۵ھ) کا تعلق بھی اسی عظیم علمی خانوادے سے تھا، جنہوں نے اکیسویں صدی عیسوی میں خانقاہ قادریہ بدایوں کو ایک نئے سرے سے متعارف کرا کے اپنے آبا واجداد اور اکابر اہل سنت کی عظمت اور علمی خدمات کو زندہ کیا- آپ خانقاہ بدایوں کے چشم وچراغ اور اپنے آبا واجداد کی علمی وراثت کے امین تھے- مختلف علوم وفنون کے جامع ہونے کے ساتھ بڑے وسیع الظرف، متواضع، خلیق اور ملنسار تھے- اس کا احساس صرف مجھے نہیں بلکہ شہید مولانا اسید الحق عثمانی سے گفت وشنید کرنے والے ہر شخص کو ہوگا- مختلف مقامات پر مختلف نشستوں میں ان سے میری ملاقات ہوئی- یادداشت کے مطابق عرس قاسمی برکاتی مارہرہ شریف، عرس عزیزی مبارک پور، دار العلوم ربانیہ باندہ، جامعۃ البرکات علی گڑھ، امام اعظم سیمینار و کانفرنس لکھنؤ اور رویت ہلال سمپوزیم دار الخیر اجمیر شریف میں خوش گوار ملاقاتیں رہیں- مولانا جہاں ملے، بڑی خندہ پیشانی اور ادب واحترام کے ساتھ ملے- ان کی گفتگو میں ان کے مکارم اخلاق کے جلوے نظر آتے تھے- ایک عظیم خانقاہ سے وابستہ ہونے کا احساس، نہ پدرم سلطان بود کا اظہار-

شہید راہ بغداد اخلاقی خوبیوں کے ساتھ بہترین ومشفق استاذ، جامعہ ازہر مصر کے فارغ التحصیل، باصلاحیت، وسیع المطالعہ، عالم وفاضل اور قلم وقرطاس کے شہسوار تھے- آپ کے مضامین میں علمی اسلوب ہونے کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی بھی ملتی ہے- تحقیق وتفہیم، خامہ تلاشی، خیرآبادیات، عربی محاورات ان کی وسعت مطالعہ کی عکاس اور تحقیق وجستجو کی آئینہ دار ہیں- خامہ تلاشی کے ذریعے مذہبی صحافت میں نقد ونظر اور تنقید وتبصرہ کا ایک منفرد اسلوب اختیار کر کے روایت ودرایت دونوں کا حق ادا کر دیا- مولانا شہید مرحوم کی ذات میں بیک وقت ایک محقق ومصنف، ایک مبصر وناقد، ایک شاعر وسخن فہم، ایک مورخ وادیب، ایک مترجم ومرتب کے کمالات واوصاف یک جا نظر آتے ہیں- آپ کی متنوع اور کثیر المطالعہ شخصیت بہت کم عرصے میں افق ہند پر روشن ستارے کی طرح چمکنے لگی تھی اور اس کی روشنی کا دائرہ دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا تھا کہ اچانک آفتاب قادریت نصف النہار سے پہلے ہی روپوش ہوگیا- شہید مرحوم نے اپنی قلمی خدمات کی بدولت بہت سے اہل علم کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی تھی-

قلمی خدمات کے علاوہ آپ کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ اپنے والد ماجد حضرت شیخ الحاج مولانا الشاہ عبدالحمید سالم قادری بدایونی مدظلہ العالی سجادہ نشیں آستانہ قادریہ مجیدیہ بدایوں شریف کے عہد سجادگی کے

پچاس سال مکمل ہونے پر شوال ۱۴۲۹ھ/ مارچ ۲۰۱۰ء میں پچاس سالہ جشن کو جشن اشاعت کتب کے طور پر منایا اور خانقاہ قادریہ کے علماے کرام کی پچاس کتابوں کو شائع کر کے اس گولڈن جبلی کو ایک یادگار جشن بنادیا- یہ جشن اشاعت کتب کی حیثیت سے سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے-

ان علمی ودینی خدمات سے آپ کی علمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے- وقت کی قدر وقیمت کا احساس جتنا آپ کو تھا اگر ہر ذی علم کو ہو جائے تو کارہاے نمایاں انجام دینے والوں کی فہرست بہت طویل ہو جائے-

شہادت کے وقت بھی آپ کے ہاتھوں علم حدیث کی مقدس کتاب الاربعون النوویه تھی جس کے مطالعہ میں مستغرق تھے کہ کسی ظالم کی گولی کا شکار ہو کر دار فانی سے دار جاودانی کی جانب کوچ کر گئے- حضرت سیدی محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالی علیہ نے اپنی آرزو کا اظہار یوں فرمایا تھا:

موت آئے تو در پاک نبی پر سید
ورنہ تھوڑی سی زمیں ہو شہ سمناں کے قریب

اور حضرت مولانا اسید الحق صاحب مرحوم ومغفور کی آرزو انھیں الفاظ کے ساتھ تھی- مولانا شہید مرحوم کی شہ جیلاں کے قریب مدفون ہونے کی آرزو دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی اور غوث الاغواث رضی اللہ تعالی عنہ نے باب الشیخ کی زمین انھیں آرام فرمانے کے لیے سپرد فرمادی- سنا ہے کہ مولانا شہید مرحوم نے کسی موقع پر یہ کہا تھا کہ: جینے کے لیے مدینہ اور مرنے کے لیے بغداد پسند کرتا ہوں-

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا شہید مرحوم کو یہ عظمت نسبتِ قادریت کی برکت سے حاصل ہوئی اور شہادت کی سعادت نسبت عثمانی کی برکت سے- حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ تلاوت قرآن حکیم میں مستغرق تھے اور جام شہادت نوش فرمایا اور آپ کی اولاد امجاد سے نسبت رکھنے والے اسید عثمانی مطالعۂ حدیث میں مستغرق تھے اور جام شہادت نوش کر کے باب الشیخ بغداد میں ابدی نیند سو گئے- قابل رشک ہے یہ صدقہ اور قابل افتخار ہے جوار غوث پاک- آپ کی شہادت سے اہل سنت وجماعت کا بڑا نقصان ہوا ہے اور خانقاہ قادریہ جس کی مولانا مرحوم کی کوششوں سے نشاۃ ثانیہ ہو رہی تھی آج بھی اس کے در ودیوار سوگوار ہیں-

میں آپ کے والد ماجد حضرت شیخ مولانا الشاہ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ العالی اور پسماندگان ومتوسلین ومعتقدین کو تعزیت پیش کرتا ہوں- خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے- آمین

□□□

☆صدر: شعبۂ افتا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

بقیہ: تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا

کس قدر جگر سوزی کی اور برصغیر پاک وہند کے کونے کونے سے احوال وآثر جمع کرنے کی جدوجہد کی ہے اور رہتی دنیا تک اپنے لیے صدقہ جاریہ کا اہتمام کر گئے- صد افسوس کہ عالم اسلام کا یہ معروف نوجوان اسلامی اسکالر اور مقبول عام ادیب ومحقق جن کی اپنی مادری زبان اردو کی طرح عربی لسان ولغت پر بھی گہری نظر تھی- اپنے والد گرامی، حضرت مولانا شیخ عبدالحمید سالم میاں قادری دامت برکاتہم العالیہ (سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف) اور برادر اصغر مولانا محمد عبدالغنی عطیف میاں قادری زید مجدہ اور چند دیگر احباب کے ساتھ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار اقدس بغداد شریف پہ حاضری کے بعد حضرت شیخ محمد توفیق گیلانی دامت برکاتہم العالیہ سے شرف ملاقات کے لیے ان کے دولت کدے پر اربل (کردستان، عراق) جا رہے تھے کہ اسلام دشمن دہشت گردوں کے حملے میں شہید ہو گئے اور سیدنا امام حسین عالی مقام رضی اللہ تعالی عنہ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر گل گوں قبا لباس میں احاطۂ آستانہ سیدنا غوث اعظم شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ میں آسودۂ خاک ہو کر خلد آشیاں ہو گئے-

قادری بودن رضا رامفت باغ خلد داد
من نمی گفتم کہ آقا مایۂ غفراں توئی

اللہ تبارک وتعالی ان کے درجات بلند فرمائے- حضرت صاحب سجادہ سالم میاں زید مجدہٗ اور دیگر متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمائے- □□□

☆صدر: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (انٹرنیشنل)، کراچی (پاکستان)

سید وجاہت رسول قادری (پاکستان)☆

تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا

مولانا اسید الحق قادری نے برصغیر میں پہلی بار مذہبی ادب میں صالح اور اصلاحی نقد ونظر کی بنیاد ڈالی

فاضل جلیل، عالم نبیل، حضرت مولانا اسید الحق قادری عثمانی، ولی عہد خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کی شہادت کی خبر سن کر اہل سنت و جماعت کا ہر فرد دل گرفتہ اور افسردہ ہے، ہر آنکھ ان کی جدائی کے غم میں نم ناک ہے- انھوں نے اپنی عمر مستعار کے مختصر عرصے میں تحقیق و تصنیف، تالیف وتدقیق، تسہیل وتخریج اور ترتیب وتقدیم کے میدان میں جوگراں مایہ خدمات انجام دی ہیں وہ ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے جو سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے- وہ بلاشبہ نئی نوجوان نسل میں علم وتحقیق کی دنیا کی ایک مایہ ناز اور معتبر شخصیت تھے- ایک بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل انسان تھے- اگر یہ کہا جائے کہ وہ نوجوان علما وفضلا کی ایک مثالی (آئیڈیل) شخصیت تھے تو یقیناً بے جا نہ ہوگا-

طبیعت میں سنجیدگی، متانت، تواضع اور انکساران کا طرۂ امتیاز تھا، وہ عالم اسلام کی عظیم وقدیم جامعہ ''جامعۃ الازہر الشریف'' کے برصغیر پاک وہندو بنگلہ دیش کے نوجوان فارغ التحصیل فضلا میں ایک انفرادی اور امتیازی شان کے مالک تھے- تحریر ہو یا تقریر، تدریس ہو یا وعظ و خطابت وہ ہر میدان کے شہسوار تھے، انہی خوبیوں کی بنا پر وہ ہر حلقے میں ہر دل عزیز تھے- امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے سرفہرست خاص شاگردوں میں آپ کا اسم گرامی بھی شامل ہے-

۵۰/ سے زیادہ مقالات (عربی، اردو، فارسی) ۱۲/ سے زیادہ (عربی اردو) کتب کے مصنف اور ۵۰/ سے زیادہ عربی، اردو، فارسی کتب کی تحقیق، تسہیل، ترتیب وتحشیہ کے علاوہ آپ کا عظیم کارنامہ:

۱- اپنے آبائے کرام قدست اسراہم کی ۸۰۰ سالہ خانقاہ قادریہ کے روحانی اقدار کی از سرنو بحالی-

۲- دوسو سالہ (۲۰۰) مدرسہ قادریہ کی جدید خطوط پر نشاۃ ثانیہ-

۳- مدرسہ وخانقاہ کی قدیم لائبریری کی جدید خطوط پر فہرست بندی اور کمپیوٹرائیزیشن-

(واضح ہو کہ مدرسہ قادریہ بدایوں کی لائبریری میں اسلامی علوم و فنون پر جدید وقدیم کتب ومخطوطات کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے، جہاں فراخ دلی کے ساتھ محققین کی مدد کی جاتی ہے-)

۴- تاج الفحول اکیڈمی کا قیام اور اس کے تحت اپنے بزرگوں کی تقریباً سو (۱۰۰) تصانیف (عربی اردو اور فارسی) کی جدید ترتیب، تخریج، تحشیہ اور تقدیم وترجمے کے ساتھ اشاعت-

ان کی ان علمی، قلمی اور تحقیقی کاوشوں نے نئی نسل کے علما میں ایک حرکی قوت پیدا کردی- اہل سنت و جماعت میں جدید خطوط پر تحقیق و تصنیف کے عمل کی تشویق وترغیب پیدا ہوئی اور نئے لکھنے والوں کی ایک اچھی ٹیم سامنے آئی، جو مستقبل میں ان شاء اللہ العزیز ان کے چھوڑے ہوئے علمی وتحقیقی کام کو آگے بڑھاتی رہے گی-

۵- انھوں نے برصغیر میں پہلی بار مذہبی ادب میں صالح اور اصلاح نقد ونظر کی بنیاد ڈالی، محترم شخصیات سے عقیدت ومحبت رکھتے ہوئے بھی غیر جانب دار اور معروضی رویہ اپنی تحریروں میں برقرار رکھا-

۶- ان کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے برصغیر کے معروف شہروں، خیر آباد، رامپور، بریلی، مرادآباد، میرٹھ، بدایوں، حیدر آباد اور ٹونک کے مدارس کی اہم علمی شخصیات اور ان کے علمی مآثر پر تحقیقی اور علمی کام کیا اور اسے تاریخ کا حصہ بنایا- اس ضمن میں ان کی ایک کتاب ''خیر آبادیات'' پر خیر آبادی علم وفضل کے احوال وآثار پر لکھی گئی ہے، آپ مطالعہ فرمالیں تو آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ حضرت محقق علیہ الرحمہ نے مجاہد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور ان کے اسلاف واخلاف اور ان کے علمی مآثر کو اکٹھا کرنے کے لیے ——— بقیہ صفحہ نمبر 167 پر

مولانا عبدالمبین نعمانی☆

حلم وتدبر، فکر وفن اور علم وتحقیق کا پیکر

اس قدر کم عمر میں ایسا اچھا عالم میں نے نہیں پایا، اسلاف میں تو اس کی مثالیں ملتی ہیں، مگر عصر حاضر میں بالکل نایاب ہیں

یادگار اکابر بدایوں، محقق ومدقق، ادیب ومفکر حضرت مولانا اسید الحق عاصم القادری بدایونی کی اچانک شہادت کی خبر مورخہ ۴/ مارچ ۲۰۱۴ء بروز شنبہ اس وقت ملی، جب راقم الحروف اپنے تبلیغی دورے پر مالے گاؤں (ضلع ناسک) گیا ہوا تھا- طبیعت کسی طرح اس خبر پر یقین کرنے کو تیار نہ ہوئی، ایسا لگا کہ شاید یہ خبر صحیح نہیں، دوسری کسی اچھی خبر کا انتظار کرنے لگا- مگر متعدد فون اور دیگر ذرائع نے اس خبر وحشت اثر کی جب تصدیق کردی تو یقین کیے بغیر چارہ ہی نہ تھا- اسی روز ''مسجد تاج الشریعہ'' مالیگاؤں میں ناچیز کا ''مساجد اور ہماری ذمہ داریاں'' کے عنوان سے بیان ہونا تھا، اختتام محفل پر ایصال ثواب اور تعزیتی نشست کا اہتمام ہوا جس میں شہید بغداد مولانا اسید الحق قادری بدایونی کو خراج عقیدت اور تعزیتی کلمات پیش کیے گئے-

شہید بغداد مولانا اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ حلم وتدبر کے پیکر تھے اور فکر وفن، علم وتحقیق گویا آپ کی گھٹی میں پلائے گئے تھے، اختلاف وانتشار سے کڑھنا اور راہ اعتدال پر جادہ پیما رہنا آپ کی طبیعت ثانیہ تھی-

حساس شخصیتیں عمر کے آخری حصے میں کہا کرتی تھیں کہ ''وقت کم ہے اور کام زیادہ'' لیکن آپ نے جوان عمری ہی میں اس مقولے کو صرف یہی نہیں کہ کہا بلکہ برتا بھی، جیسا کہ مدت قلیل دس بارہ سال میں آپ کی تبلیغی وتصنیفی نیز تحقیقی مساعی پر نظر ڈالنے سے واضح ہے، اس قلیل مدت میں نہایت عمدہ اور معیاری انداز سے جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر سو سے زائد کتب ورسائل کی اشاعت کوئی معمولی کارنامہ نہیں- تصلب فی الدین اور استقامت علی الحق آپ کا شیوہ تھا، آپ کی شائع کردہ کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں- اکابر بدایوں رد بد مذہباں میں نمایاں کردار کے حامل تھے، مولانا اسید الحق بھی انہی کی روش پر گامزن تھے، اور ان کے سچے وارث-

آپ اہل سنت وجماعت کے درمیان اتحاد کے داعی تھے اور کسی فرعی مسئلے کو ہوا دے کر سنیوں کے اندر اختلاف وانتشار کی فضا قائم کرنے کے قائل نہ تھے-

علامہ اسید الحق ''پدرم سلطان بود'' پر کاربند نہ تھے، اسی لیے آپ نے اپنے اندر ہر طرح کی علمی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی- امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہ کر خوب خوب استفادہ کیا-

فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان کے خوان علم سے بھی فیض یاب ہوئے- پھر جامعۃ الازہر مصر جاکر تخصص فی التفسیر کی ڈگری حاصل کی، شعر وشاعری اور اردو ادب سے بھی جا بجا شغف تھا، تنقید کے فن سے بھی بطور خاص واقف تھے، غرض اس قدر کم عمر میں ایسا اچھا عالم میں نے نہیں پایا، اسلاف میں تو اس کی مثالیں ملتی ہیں، لیکن عصر حاضر میں تو بالکل نایاب اور نہ کے برابر ہیں-

اسید میاں عالم دین تھے، سنجیدگی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی، وقار وتمکنت بھی تھا، مگر تواضع کے ساتھ، علما واکابر کی خوب قدر کرتے، جس سے ملتے ٹوٹ کر ملتے، تکبر سے دور اور بہت دور تھے، جنھوں نے صرف انھیں سنا تھا وہ شاید انھیں پورے طور سے نہیں سمجھ سکتے، مگر جنھوں نے ان سے براہ راست رابطہ رکھا، ملاقاتیں کیں وہ ان کی عالی شان خو بو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے- وہ کم عمر ضرور تھے مگر اسلاف کرام کے نقش قدم کو اپنایا، آپ نے چھٹ پنے میں بڑکپن کی

مثال قائم کی جب کہ اس کی مثال بہت مشکل سے ملا کرتی ہے، آج وہ ہم میں نہیں مگر ان کی ایک ایک ادا یاد آتی ہے- مبارک پور آتے مجھ سے پتہ لگا کر ملتے، مارہرہ شریف جاتے، تلاش کر کے ملاقات کرتے، نیک مشوروں کی درخواست کرتے، کوتاہیوں کی نشاندہی کے لیے کہتے- حالاں کہ میں کچھ نہیں، پھر بھی میں جو کچھ کہتا، بغور سنتے اور شکر گزار ہوتے، آج ذرا سا علم ہو جاتا ہے تو لوگ آسمان چھونے لگتے ہیں، دماغ عرش پر چلا جاتا ہے، پاؤں زمین پر نہیں پڑتا- ان کی صلح پسندانہ طبیعت کا ذکر کرتے ہوئے ''تذکرۂ نوری'' کے حالیہ ایڈیشن میں شرف ملت ادیب عصر حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی مارہروی مدظلہ العالی نے جو تقریظ سپرد قلم کی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے- اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، بڑے چاؤ سے اشرف میاں خامہ طراز ہیں:

''تذکرہ نوری'' (مدائح حضور نور) میں مولانا قاضی غلام شبر صاحب (بدایونی) نے جس تفحص، ترتیب اور تاکید کے ساتھ خانوادۂ برکات کا اجمالی اور اس خاندان کے گل سرسبد حضرت نوری میاں صاحب قبلہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے وہ پہلے بھی اہل دل واہل نظر سے داد لے چکا ہے اور اس اشاعت جدیدہ میں مزید قابل تحسین ہو گیا ہے کہ اسے سنوارنے کا کام عزیز گرامی قدر مولانا اسید الحق قادری کے اُن ہاتھوں سے ہوا ہے جو باتوں اور معاملات کو الجھاتے نہیں، بلکہ پیچ در پیچ معاملات کو سلجھانے کا ہنر جانتے ہیں- وہ فتنوں اور فتنہ پروروں سے دور ونفور ہیں اور خالص علمی انداز تحقیق کے تحت کتب قدیمہ کو دل پذیر اور عقدہ کشا حواشی اور دیگر معلومات کے اضافوں کے ساتھ منظر عام پر لا رہے ہیں- یہ کام ان کے ہاتھوں تواتر کے ساتھ ہو رہا ہے اور اسی طرح اپنے علمی خانوادے اور خانقاہ کی نشأۃ ثانیہ کے کام میں اپنے والد کی سرپرستی میں ہمہ وقت مصروف ہیں- ان کا انداز تحریر اور متن ایسا ہوتا ہے کہ ان کے لکھے سے کسی اپنے کو جراحت نہیں پہنچتی- میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ تحریری فتنوں کی سرکوبی میں اس نوجوان عالم دین اور معروف وقدیم خانقاہ کے فرد متین نے قلم کا ہتھیار بھی استعمال کیا ہے اور مومنانہ فراست کے پیش نظر خاموشی کا انداز بھی اختیار کیا ہے......ع

کچھ نہ کہنا بھی اک انداز بیاں ہوتا ہے

مرشدان مارہرہ کی دعائیں اور خود ان کے بزرگوں کی بڑائی ان کے ساتھ رہتی ہے جو انھیں بار بار ترغیب دیتی ہے کہ کھوئے ہوئے سروں کو تلاش کرو، ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑو، پرانے زخموں کی نمائش نہ کرو، ان پر صبر کا ٹھنڈا ٹھنڈا مرہم رکھ لو، تاکہ قافلۂ سواد اعظم کی دراڑیں ختم ہوں اور سواد اعظم کا ہر فرد یہ محسوس کرے کہ وہ آپس میں ایسے شیر وشکر ہیں کہ جیسے بدن کے مختلف اعضا آپس میں وابستہ ہوتے ہیں- تاکہ سواد اعظم کا روحانی، علمی اور سماجی سفر ایک نئی امنگ، نئی امید اور ایک نئی تیاری کے ساتھ ایسے راستے پر گامزن ہو جس کی منزل اہل سنت وجماعت کی عظمت رفتہ کی بازیابی ہو-''

(تقریظ تذکرۂ نوری، ص: ۱۵-۱۶، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۱۳ء)

حضرت شرف ملت کے مذکورہ کلمات حضرت اسید میاں کی عظمتوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے بھی درس عبرت ہیں- اسید میاں تو اب ہم میں نہ رہے، لیکن فکر وفن اور علم وتحقیق کی انھوں نے جو جوت جگائی ہے وہ آئندہ نسلوں کے لیے ضرور مشعل راہ ہے-

عربی دانی کے اعتبار سے بھی مولانا اسید الحق کا مقام بڑا بلند تھا- ''عربی محاورات'' نامی ان کی کتاب دلیل کی حیثیت سے پیش کی جاسکتی ہے جو ایک عمدہ پیش رفت ہے اور اس کی خوبیوں کا اہل علم نے برملا اعتراف کیا ہے-

''قصیدتان رائعتان'' جو مدائح فضل الرسول اور حمایۂ فضل الرسول کا مجموعہ ہے، یہ دونوں قصائد اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت محدث بریلوی قدس سرہ (م ۱۳۴۰ھ) نے سیف اللہ المسلول حضرت معین الحق فضل رسول عثمانی بدایونی علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) کی شان میں کہے، جو عربی زبان میں ہیں اور تین سو تیرہ (۳۱۳) اشعار پر مشتمل ہیں اور دونوں نام تاریخی ہیں (۱۳۰۰ھ) جن میں حضرت سیف اللہ المسلول کی دینی واصلاحی خدمات اور ان کی عظمتوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے اور ان سے اپنے گہرے لگاؤ کا بھی اظہار کیا ہے- ان قصائد سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عربی زبان وادب پر قدرت کا بھی پتہ چلتا ہے، ان قصائد کے قلمی نسخے کا عکس لے کر شائع کرنے کا شرف سب سے

پہلے ''المجمع الاسلامی'' مبارک پور کو حاصل ہوا- یہ خطی نسخہ خانقاہ قادریہ بدایوں ہی سے فراہم ہوا تھا اور اصل اب بھی وہاں محفوظ ہے-

مولانا اسید الحق قادری نے ان دونوں قصیدوں کی فنی حیثیت پر بڑا پرمغز مقدمہ تحریر فرمایا ہے جو تقریباً سو (۱۰۰) صفحات پر مشتمل ہے، ترجمہ وتشریح کا کام مولانا نے مدرسہ قادریہ بدایوں کے ایک قابل استاذ مولانا عاصم اقبال مجیدی بدایونی سے کرایا ہے، جس میں موصوف کی نگرانی اور توجہ ضرور رہی ہوگی، اصل کام تو ترجمہ وتشریح کا ہے جسے مترجم وشارح نے بحسن وخوبی انجام دیا ہے، جسے اہل علم ہی محسوس کر سکتے ہیں مگر مولانا اسید الحق مرحوم کا مقدمہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں- مولانا نے مقدمے میں ہر ہر حیثیت سے ان قصیدوں کے مقام و مرتبے کو اجاگر کیا ہے، فن عروض کے اعتبار سے بھی ان کی حیثیت متعین کی ہے، موضوعات پر بھی بحث ہے، تحقیق وتلاش کے بعد مولانا نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ دونوں قصیدوں کے تین سو تیرہ اشعار میں قافیہ کہیں بھی مکرر نہیں اور اگر کہیں ہے تو صورتاً ہے، معناً نہیں، پھر ان اشعار کو پیش کر کے مکرر الفاظ کی تشریح کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ دونوں مقامات پر کون کون سے معنی مراد ہیں-

مزید برآں لسانی جائزہ، قرآنی اقتباسات، حدیثی اشارات، امثال ومحاورات، وجوہ بلاغت، اسرار نحویہ ولغویہ کے عنوانات قائم کر کے بھی ان قصائد کا جائزہ لیا ہے- اس مقدمے کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ ڈاکٹر رشید عبیدی بغدادی نے قصیدتان رائعتان کی جو شرح لکھی ہے اس کے تسامحات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور شارح نے جہاں جہاں غلطی کی ہے ان کی دلائل کی روشنی میں نشاندہی کی ہے، ڈاکٹر عبیدی کی کل اکتالیس (۴۱) مقامات پر پائی جانے والی لغزشوں پر تنبیہ کرنے کے بعد آپ نے لکھا ہے-

''سر دست یہ اکتالیس مقامات ہیں جو غور وفکر اور نظر ثانی کے متقاضی ہیں، ان کے علاوہ چند ایک مقامات اور ہیں جہاں فاضل بغدادی نے شعر کی زبان یا عروض پر اپنے تامل کا اظہار کیا ہے، لیکن وہاں بھی صورت حال وہی ہے جو آپ نے ان اکتالیس مقامات میں ملاحظہ فرمائی اس لیے ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں......ع

عیب وے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

یہ لکھنا ضروری ہے کہ کسی فنی شہ پارے کی تحقیق وتعلیق کا جو رائج علمی طریقہ ہے، فاضل بغداد ڈاکٹر رشید عبیدی کی زیر نظر شرح وتحقیق (چند تسامحات کے استثنا کے ساتھ) اس پر پوری اترتی ہے، انھوں نے بڑی باریکی اور فنی مہارت سے قصیدوں کا مطالعہ کیا، زبان کا تجزیہ کیا، عروضی وقوافی پر غور کیا، شعریت اور حسن ترسیل کو پرکھا پھر جو خوبیاں یا خامیاں ان کو محسوس ہوئیں انھوں نے بے کم وکاست خالص علمی پیرایے میں ان کو زینت قرطاس کر دیا-

ان کی اس شرح وتحقیق سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عرب بالخصوص عراق کے علمی حلقوں میں ان قصیدوں کے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول اور ناظم، حضرت فاضل بریلوی کے علمی مقام ومرتبے کا تعارف ہوا-'' (مقدمہ قصیدتان رائعتان، ص ۹۷-۹۸، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

اس مقدمے کے ذریعے حضرت مولانا اسید الحق قادری نے بہت سے اہم گوشوں کو واضح کیا ہے جن پر عام قاری، بلکہ محقق کی بھی نظر نہیں جاسکتی تھی، مولانا کا یہ بھی ایک بڑا علمی اور فنی کارنامہ ہے جس کی داد دی جانی چاہیے- مولانا پر لکھنے کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے، مگر وقت کی قلت دامن گیر ہے، اس لیے انہی سطور پر اکتفا کیا جاتا ہے-□□□

☆مہتمم: دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، ضلع مئو (یوپی)

سید صبیح الدین صبیح رحمانی (پاکستان)☆

ان کی یاد ہمیشہ دل کا زخم بنی رہے گی

مولانا اسید الحق کا جانا ہندوستان کے علمی تاج سے کوہِ نور چھن جانے کے مترادف ہے

انسان مرحوم ہوجاتے ہیں، مگر یادیں نہیں ہوتیں، وہ پس ماندگان کو تڑپاتی بھی ہیں اور بہلاتی بھی ہیں- نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جانے والے کے محاسن کا تذکرہ کیا کرو اور حق یہ ہے کہ یاد کا یہ حسن جانے والے کے لیے خود بخود دعا کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے- مولانا اسید الحق قادری مجھے کئی نسبتوں سے عزیز تھے- علم، تہذیب، شائستگی، اخلاق، مروت، وضع داری، شرافت اور خاندانی وجاہت کے کتنے ہی رنگ ان کی شخصیت کے وقار کو نمایاں کرتے تھے- مولانا اسید الحق نے مختصر عمر پائی مگر علمی، دینی اور ادبی موضوعات پر ان کی کتب کی تعداد دیکھ کر ہم سب کو حیرت ہوتی ہے کہ تدریسی ذمہ داریوں اور محافل ومجالس میں خطابات کے ساتھ ساتھ یہ تحریری کام کس طرح ممکن ہوا!- انہوں نے اپنے خانوادے کی علمی میراث کو جس طرح تازہ کیا اور اس میں جتنے اضافے کیے وہ تائیدالٰہی کے بغیر ممکن نہ تھے- مجھے ان کی صلاحیتوں اور توفیقات پر ہمیشہ رشک آتا تھا- مولانا خوشتر نورانی اور وہ جس طرح ہندوستان کی علمی دنیا میں مصروفِ کار رہے اور جتنے محاذوں پر نبرد آزما ہوئے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے- 'جامِ نور' جیسے زندہ رسالے سے ان کی وابستگی بھی ہماری علمی دنیا کو فکری آسودگی فراہم کرتی رہی- کتنے فراموش شدہ عنوانات اور شخصیات پر کام کے ڈول ڈالے گئے- کتنے دعوتی، علمی اور تحقیقی کاروانوں کو نئی سمتیں میسر آئیں- اس کی زندہ گواہی جامِ نور کی صورت میں ہمارے سامنے ہے- انہوں نے بہت کچھ لکھا اور بہت کم وقت میں اپنے معاصرین میں اپنی ایک علاحدہ شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے- بالخصوص جامِ نور میں خامہ تلاشی کے عنوان سے ان کے ایک مستقل مضمون نے بہت شہرت حاصل کی، جس میں ان کی ادبی اور تنقیدی صلاحیتیں بہت نمایاں ہوکر سامنے آئیں اور ان کی ذہانت اور جملہ طرازی کے جوہر بھی کھلے-

محمد حسن عسکری نے ایک جگہ لکھا تھا کہ ہمارے درمیان بڑے آدمی کی موجودگی ایک تہذیبی قوت کا درجہ رکھتی ہے- اسید الحق قادری کی شہادت پر بھی اس تہذیبی قوت سے محروم ہوجانے کا شدید احساس

ہندوستان کے علمی تاج سے کوہِ نور چھن جانے کے مترادف ہے- علم و فضل کے جوہر سے متصف افراد جو کچھ لکھ جاتے ہیں وہ تو ہمارا اثاثہ ہے ہی، مگر جو ہزار کتابیں اور بے شمار حکایتیں ان کے لبوں کی جنبش اور آنکھوں کی حلاوت سے لے کر ان کی نشست و برخاست کے پہلو دار نصاب میں مضمر ہوتی ہیں، ان کا نوحہ کون لکھ سکا ہے؟ اسید الحق کی جدائی سے ان کی شخصی مدارات اور مجلسی تبرکات سے محرومی کا احساس بحیثیت دوست مجھے ہمیشہ رہے گا اور ان کی یاد ہمیشہ دل کا زخم بنی رہے گی-

مولانا اسید الحق کی زندگی کی طرح ان کی شہادت بھی یادگار ہوکر رہ گئی- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ گہر بار میں حاضری ملی جو دائمی حضوری میں بدل گئی- خانقاہِ قادریہ بدایوں ہندوستان میں حدیقۂ قادریت کی حیثیت رکھتا ہے- جہاں سے قادری فیض کے چشمے جاری وساری ہیں- مولانا اسید الحق اور ان کے خانوادے کے تمام بزرگوں نے حضور غوثِ اعظم سے اپنی نسبتِ غلامی پر فخر کے اظہار کو اپنی زندگی کا سرنامہ بنائے رکھا اور شاید اس اظہارِ غلامی کی قبولیت ہی کا ایک اشارہ ہے کہ آج دربارِ غوثِ اعظم کے احاطے میں خانقاہِ بدایوں کی غلامی کا ایک باعظمت نشان قائم ہوا ہے، جسے لوگ تربتِ مولانا اسید الحق قادری کہتے ہیں- رہتی دنیا تک عقیدت کے جتنے کارواں بارگاہِ غوث الاعظم میں حاضری دیں گے- وہ اس ''شہیدِ غوثیت'' کی قبر اطہر پر بھی چند لمحوں کے لیے رک کر اس کی لوح پر درج اس عبارت کو پڑھیں گے:

''العلامة المرحوم الشهيد عاصم القادری ابنِ الشيخ سالم البدايونی ابنِ المفتی عبدالقدير البدايونی''

اور مولانا اسید الحق اور ان کے خانوادے کے شرفِ غلامی پر رشک کریں گے- کیا عجب کہ ان میں سے بعض خاصانِ خدا کو اس تربت کے ذرے ذرے سے اٹھتی ہوئی اسید شہید کی یہ صدا بھی سنائی دے جائے:

غوثِ اعظم کی غلامی عاصمؔ   اپنی پہچان ہے کیا ہونا ہے

☆مدیر: نعت رنگ، B-306، بلاک 14، گلستان جوہر، کراچی (پاکستان)

ڈاکٹر عزیز احسن (پاکستان)☆

مولانا اسید الحق قادری: ایک کثیر اللسان نابغہ

وہ بیک وقت ایک محدث، ایک مفسر، ایک منطقی، ایک فلسفی، ایک تاریخ داں، زبان وبیان پر عبور رکھنے والے ادیب اور عالم تھے

میرا خیال تھا کہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات اکثر یک رخے ہوتے ہیں- یا تو وہ صرف دین کے ہوجاتے ہیں اور سوائے چند دینی معلومات کے کچھ اور نہیں جانتے- یا اگر وہ دنیا کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں تو اس میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ اسلاف پر طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور اپنا سکہ جمانے کے لیے دین کی آڑ میں دنیا کمانے کے لیے پینترے بازی سے کام لیتے ہیں- پھر ان میں زیادہ تر لوگ خطابت کے مردِ میدان ہوتے ہیں، علم وفکر اور فن وادب سے ان کا صرف واجبی سا تعلق ہوتا ہے- اپنے خطبات میں جب اشعار پڑھتے ہیں تو انہیں بھی بے وزن کردیتے ہیں- لیکن ہر کلیے میں کچھ مستثنیات ضرور ہوتے ہیں، اس لیے دینی خدمت کرنے والے بہت سے لوگوں پر اس تأثر کا اطلاق نہیں ہوتا- پھر بھی ایک بات کہے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ دینی مدارس سے وابستہ حضرات میں بیشتر تقریر کے میدان کے شہسوار ہوتے ہیں، قلم کے دھنی نہیں ہوتے اور اگر قلم کے دھنی ہوں بھی تو ان کی تحریر میں عالمانہ تمکنت تو پائی جاتی ہے، ادیبانہ شان نہیں ہوتی- لاکھوں علمائے دین میں ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے قلم کے دھنی خال خال ہی پائے جاتے ہیں-

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی جو عمر میں مجھ سے اٹھائیس برس چھوٹے تھے، کیوں کہ ان کی پیدائش ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی اور مجھے دنیائے آب وگل میں قدم رکھنے کا حکم ۱۹۴۷ء میں ملا تھا- اس لیے جب ان سے پہلی ملاقات ہوئی تو میرے پندارِ بزرگی نے اسید الحق کو مدرسے کے ایک طالب علم کی حیثیت سے مجھے دکھایا- لیکن میں نے ان کی آنکھوں کی ذہانت اور گفتگو میں وہ متانت پائی کہ اقبال کا مصرع یاد آگیا: ع

جوانوں کو پیروں کا استاد کر!

چنانچہ ان سے مل کر میرا سنی بزرگی کا زعم یک لخت ختم ہوگیا- صبیح رحمانی ایک نوجوان ہیں، جن کی ذہانت اور دنیائے نعت سے ہمہ جہتی وابستگی نے مجھے ان کا گرویدہ بنا رکھا ہے- ان کی ہمشیرہ کی شادی تھی- انہی دنوں مولانا خوشتر نورانی اور مولانا اسید الحق کراچی آئے ہوئے تھے- چنانچہ ان دونوں حضرات سے میری بھی ملاقات ہوئی- پھر میں نے ان دونوں کو اپنے غریب خانے پر آنے کی دعوت دی- ہفتہ ۲۷/ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۴/دسمبر ۲۰۱۰ء کی شام میں مولانا خوشتر نورانی تو اپنی کسی دوسری مصروفیت کے باعث نہ آسکے لیکن مولانا اسید الحق، صبیح رحمانی کے ہمراہ بروقت پہنچ گئے- ان سے گفتگو کرنے کے دوران میں مجھے محسوس ہوا کہ دینی مدارس سے تعلیم پانے والے لوگوں میں بھی حسِ مزاح ہوتی ہے اور ذہانت کے لمعات بھی پائے جاتے ہیں- انہوں نے میرا چھوٹا سا کتب خانہ بھی دیکھا جو بے ترتیب تھا- تفسیرِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ترجمے کو انہوں نے خصوصی دلچسپی سے ملاحظہ کیا- معلوم ہوا تفسیر کے مترجم حضرت مولانا شاہ محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی، اسید الحق صاحب کے جد ہیں- پاکستان میں اس تفسیر کی طباعت پر انہیں خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی-

ان دنوں پاکستان سے ایک مذہبی ٹی وی چینل کیو ٹی وی Qtv سے ''خوشبوئے حسان'' کے عنوان سے نعت پر ایک ہفتہ وار پروگرام نشر ہوتا تھا، جس کے میزبان صاحبزادہ تسلیم صابری تھے- مولانا خوشتر نورانی اور مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کو اس پروگرام میں بھی دیکھا- مولانا لطف بدایونی کی نعتیہ شاعری پر گفتگو ہورہی تھی- میں نے دیکھا کہ دونوں مہمان حضرات لطف بدایونی کی شاعری کے محاسن بیان کرنے میں بھرپور تنقیدی بصیرت اور شعورِ نقد کا اظہار کررہے ہیں- مولانا اسید الحق قادری صاحب کی ذہانت وہاں بھی نمایاں اور جداگانہ رنگ میں ظاہر ہورہی تھی-

پاکستان سے واپس جاکر مولانا اسید الحق نے ''جامِ نور'' میں اپنا سفرنامہ لکھا- اس سفرنامے کی خواندگی سے کھلا کہ وہ نوجوان کس قدر ذہین ہے- اس سفرنامے میں جزویات کو بھی کھل کر اور تفصیل کے ساتھ

بڑی شگفتہ زبان اور بذلہ سنجی کے لطیف پیرائے میں بیان کیا گیا تھا-

کچھ ماہ پیشتر صبیح رحمانی نے میرے لیے ''فیس بک'' پر ایک اکاؤنٹ کھول دیا- میں نے اس میں کچھ چیزیں ملاحظہ کیں تو مولانا اسید الحق کی ایک نعت بھی نظر سے گزری جو اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زمین میں تھی- نعت پڑھ کر میری رگِ تنقید پھڑکی اور میں نے لکھ دیا کہ قافیہ پیمائی تو اچھی ہے لیکن شاعری نہیں ہے- اس پر مولانا اسید الحق کے بہت سارے مرید میرے پیچھے پڑ گئے- کسی نے کہا ''خود لکھ نہیں سکتے تو دوسروں پر تنقید کرنے لگتے ہیں'' کسی نے کہا اعلیٰ حضرت کی زمین میں لکھی ہوئی نعت کو 'پامال' زمین کہہ کر عزیز احسن نے اعلیٰ حضرت کی توہین کی ہے- کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ- صبیح رحمانی نے مجھ سے کہا کہ آپ نے ''فیس بک'' کا صحیح استعمال نہیں سیکھا- یہ پلیٹ فارم ایسی تنقیدی رائے لکھنے کے لیے موزوں نہیں ہے- میں نے کہا کیا کروں میں اپنی عادت سے مجبور ہوں- پھر یہ ہوا کہ مولانا اسید الحق میدان میں کود پڑے اور انہوں نے اپنے ارادت مندوں سے کہا کہ ''عزیز احسن صاحب ہمارے بزرگ ہیں، ان کی تنقیدی رائے درست ہے-'' (میں اصل الفاظ نہیں، اپنی یادداشت میں محفوظ متن کا حوالہ دے رہا ہوں) مولانا اسید الحق صاحب کی یہ اعلیٰ ظرفی دیکھ کر میں پانی پانی ہو گیا- بعد ازاں انہی معترضین میں سے کسی نے میری وہ منقبت ڈھونڈ نکالی جو میں نے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر کی تضمین کے طور پر رقم کی تھی- حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ منقبت پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ اسید الحق صاحب کے مریدان کی بات کا کتنا پاس کرتے ہیں- مجھے حیرت ہوئی کہ ایک دو دن سے جو لوگ مسلسل میرے خلاف غم و غصے کا اظہار کر رہے تھے وہی اب میری دل جوئی کی خاطر تلاش و جستجو سے میری تحریر نکال کر ''فیس بک'' پر درج کر کے مجھے خوش کرنا چاہتے ہیں- معلوم ہوا مولانا اسید الحق کے متوسلین کو اسی قسم کی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنے کا درس دیا جاتا ہے-

منگل: ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق: ۴؍مارچ ۲۰۱۴ء رات دس بجکر انسٹھ منٹ پر صبیح رحمانی نے فون کیا- ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی- میں گھبرا گیا، کہنے لگے: ''ابھی کچھ دیر قبل ''فیس بک'' پر مولانا اسید الحق کا پیغام پڑھا تھا کہ وہ بغداد میں ہیں- کچھ ہی دیر بعد یہ اطلاع آ گئی کہ انہیں کسی نے شہید کر دیا-'' انّا للّٰہ و انّا الیہِ راجعون

صبیح نے بتایا کہ یہ اطلاع پا کر میں نے پہلے کوکب نورانی صاحب کو فون کیا اور اب آپ کو اطلاع دے رہا ہوں!

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آج میں صبیح رحمانی کی یاددہانی پر اسید الحق شہید کی لمحاتی ملاقات کی یادوں کو سمیٹنے بیٹھا تو میں نے وہ کتاب (خامہ تلاشی) نکالی جو شہید مظلوم نے مجھے ۴؍دسمبر ۲۰۱۰ء کو دی تھی، مولانا اسید الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا: ''میدان تنقید کی قد آور شخصیت جناب عزیز احسن صاحب کی خدمت میں-'' مولانا اسید الحق نے جب وہ کتاب مجھے دی تھی، ان دنوں میں اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کی تیاری میں مصروف تھا اس لیے میں نے کتاب پر سرسری نظر ڈال کر اسے الماری میں رکھ دیا تھا- لیکن آج جب میں نے اسے نکالا تو کچھ تحریریں پڑھ کر ہی اندازہ ہوا کہ شہید مظلوم کو اللہ رب العزت نے کس قدر علمی شغف دیا تھا، نکتہ رسی کی کتنی اعلیٰ صلاحیت سے نوازا تھا، کتنا اچھا حافظہ مرحمت فرمایا تھا اور برمحل اشعار کا حوالہ دینے کی کتنی نادر قابلیت عطا فرمائی تھی- بے شک وہ بیک وقت ایک محدث، ایک مفسر، ایک منطقی، ایک فلسفی، ایک تاریخ دان، زبان و بیان پر عبور رکھنے والا ادیب اور شعر و سخن سے خلاقانہ وابستگی رکھنے والا کثیر اللسان نابغہ (Genius) یا عبقری تھا-

میں دعا گو ہوں کہ اللہ کریم شہیدِ مظلوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے اہل خانہ، قرابت داروں اور ان کے ارادت مندوں اور متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے! مولانا خوشتر نورانی ایک ذہین اور مخلص دوست اور اچھے لکھاری سے محروم ہو گئے ہیں، میں ان کے لیے بھی دعا گو ہوں کہ اللہ کریم انہیں بھی یہ صدمہ سہنے کی ہمت دے- (آمین)

موت ہر ذی نفس کو آنی ہے- مسلمان ہونے کے ناطے میرا ایمان ہے کہ موت کا مقررہ وقت بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا- تاہم اپنے احساس کو زبان دینے کے لیے غالب سے ایک شعر مستعار لے کر نام کی تبدیلی کے ساتھ لکھنے پر مجبور ہوں:

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عاصم
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

☆A-12، بلاک 13، گلستانِ جوہر، کراچی (پاکستان)

مولانا عبید اللہ خان اعظمی☆

علامہ بدایونی کا علم ان کی عمر سے کوسوں آگے تھا

علامہ کی شہادت نے ہمیں ایک عظیم دینی دانشور، جلیل القدر عالم دین اور صوفی باصفا سے محروم کر دیا

انسان کی زندگی کی ڈور قدرت کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور دست قدرت ہی اسے حرکت و جمود اور سعی و عمل کے مرحلے سے گذارتا اور ہمکنار کرتا ہے- دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض افراد بہت کم عمری میں وہ سب کچھ انجام دیتے ہیں جن کو دوسرے عمر عزیز کا سارا حصہ طے کر کے بھی نہیں کر پاتے ہیں- سن و سال کی بہتات الگ چیز ہے اور علم و عمل کی فراوانی الگ- انسانی تاریخ میں ایسے بہت سی نظیریں اور شواہد موجود ہیں کہ ایک جواں سال نے پہاڑوں جیسے بڑے کام اتنی تیزی اور تندی سے کر دیا جیسے ایک سیل آب نے کناروں کو توڑ ڈالا ہو یا بجلی کی ایک کوند ہو جس نے ایک لمحۂ گریزاں کے اندر زمین و آسمان کا گوشہ گوشہ منور کر دیا ہو- جب کہ اس کے برعکس پوری مدت عمری صرف کر کے بھی کچھ لوگ بسم اللہ کی منزل پر جو ٹھہرے تو ایسے ٹھہرے جیسے زمین نے ان کے قدموں کو پکڑ لیا ہو اور وہ شل ہو گئے ہوں-

ایسی مثالوں سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ اس کے لیے صرف صلاحیتوں کا ہونا ہی ناگزیر نہیں ہوتا بلکہ توفیق الٰہی اور قدرت کا یہ انتخاب و فیصلہ کہ کس فرد خاص سے خدمات لینی ہے اور اسے ان منزلوں تک رسائی عطا کرنی ہے، جہاں پہنچنے کی اجازت ہر ایک کو مرحمت نہیں ہوتی ہے- عقل کو حیرت میں ڈالنے والے اکثر کارنامے ایسے ہی معرض وجود میں آئے ہیں- میں نے اپنے ۴۰؍سالہ دور خطابت میں بہت سی بڑی شخصیتوں کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کے دامن میں پوشیدہ چشمۂ فیض سے سیراب ہوا ہوں اور میرا ماننا ہے کہ جن لوگوں کو دنیا میں نمایاں کارکردگی کی آسمانی نوید حاصل ہوتی ہے وہی ایسے کام کر جاتے ہیں جن کے بارے میں دوسرے زندگی بھر محض سوچ اور منصوبے ہی بناتے رہ جاتے ہیں-

شہید و مہاجر بغداد علامہ اسید الحق قادری بدایونی بھی ایک ایسی ہی باکمال شخصیت کا نام ہے جس کو قدرت نے بطور خاص منتخب کیا تھا اور ان کی ذات کو ان ساری صفاتِ محمودہ و فاضلہ سے آراستہ کر دیا تھا جو جہاد علم و عمل میں مردان حق کا سرمایۂ امتیاز ہوتی ہیں- ان کا علم ان کی عمر سے کوسوں آگے تھا اور ان کا عمل ان کے علم کے شانہ بشانہ نئے امکانات کی دریافت کرنے میں ہمہ وقت کوشاں و سرگرداں رہتا تھا- مجھے جب ان کی شہادت کی خبر موصول ہوئی تو کچھ دیر کے لیے میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور ایسا لگا جیسے کسی نے میرے سامنے سے روشن مستقبل کو چرا لیا ہو- علامہ اسید الحق صحیح معنوں میں اہل سنت و جماعت کے درخشاں مستقبل کے ضامن تھے- بدایوں شریف کو کون نہیں جانتا اور اس کی خاک سے اٹھنے والے استقامت کے جبال، غیر و حمیت کے پیکر، عزم صمیم کے عملی نمونے، ملی وفاداری و محبت گھٹی میں لے کر پیدا ہونے والے علمائے حق کی خدمات نے اہل سنت و جماعت کے اعتقادی حقانیت کو جس مضبوطی کے ساتھ ثابت کیا ہے اس سے کون سا ایسا صاحب بصیرت شخص ہے جو واقف نہ ہو-

بدایوں شریف کا نام تاریخ میں سنہری حروف سے اسی لیے درج ہے کہ اس نے ملت کو بہت سے ہیرے اور جواہرات عطا کیے ہیں اور اسید الحق قادری بھی تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اسی کنز علم و عمل کا ایک گوہر نایاب تھے اور ابھی اپنی چمک بکھیرنا شروع ہی کیا تھا کہ موت کے منحوس اندھیرے نے انہیں اپنا اسیر کر لیا اور وابستگان قادریہ بدایوں شریف سمیت پوری ملت اسلامیہ کو آبدیدہ اور غم زدہ کر دیا-

مورخہ ۴؍مارچ کی شب کو جب یہ منحوس خبر سننے کو ملی تو اس پر یقین

نہیں ہو رہا تھا اور نہ ہی یہ خدشہ جا رہا تھا کہ کہیں دشمنوں کی نظر نہ لگ گئی ہو اور ہوا بھی ایسا ہی- خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے چشم و چراغ اور ایک انتہائی ہونہار اور نکتہ رس اسلامی دانشور علامہ اسید الحق قادری ازہری بغداد میں دہشت گردانہ حملے کا شکار ہو گئے اور محض ۳۹ سال کی عمر میں ہی اس دنیا سے دار البقا کے لیے کوچ کر گئے- انا للہ وانا الیہ راجعون-

اسید الحق قادری بدایونی عصر حاضر میں دینیات اور صوفی روایات کے طلبہ کے لیے علمی دانشوری اور روحانی شیفتگی کی تحریک کا سرچشمہ تھے- وہ ۴/ مارچ ۲۰۱۴ء کو عراق کے شہر بغداد میں اس وقت ایک دہشت گردانہ حملے کی زد میں آ گئے جب وہ صوفیائے کرام، فقہائے اسلام اور اولیائے عظام کے مزارات کی زیارت کے لیے عراق کے مختلف شہروں کے دورے پر تھے- مولانا اپنے والد گرامی حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری اور اپنے چھوٹے بھائی مولانا عطیف قادری کے ہمراہ ۴۰/ افراد پر مشتمل ایک روحانی کارواں کے ساتھ سفر عراق پر تھے جو بغداد میں اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دینے کے لیے ۲۵/ فروری کو ممبئی سے روانہ ہوا تھا- ۶/ مارچ کو واپسی تھی- لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا، عراق میں جب وہ بغداد سے اربیل جا رہے تھے تو نامعلوم مسلح دہشت گردوں نے ان کے کار پر آتشی اسلحوں سے حملہ کر دیا اور سر میں گولی لگنے سے مولانا جائے واردات پر ہی شہید ہو گئے- دوسرے دن مولانا کے جسد خاکی کو بغداد لایا گیا اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی درگاہ کے احاطے میں مدفون کیا گیا-

جدید دور کے ایک جید اور متبحر عالم دین مولانا اسید الحق قادری، جنہیں لوگ شیخ صاحب کے نام سے بھی جانتے تھے، صوفی فکر و مزاج کے حامل ایک ماہر فقیہ، روحانی و عرفانی شاعر، محقق و ناقد، کثیر التصانیف قلم کار، سماجی مفکر اور ان سب پر مستزاد ایک عظیم انسان اور ہند و پاک کے عظیم صوفیہ اور روحانی بزرگوں کے اقدار و روایات کے امین و پاسدار تھے اور انھیں کے نقوشِ قدم پر چلتے ہوئے انسانی فلاح و بہبود اور قیامِ امن کے لیے سماجی سرگرمیوں میں شب و روز مصروفِ عمل رہتے تھے- زبردست علمی طمطراق کے باوجود ان کا فطری میلان احسان و سلوک، حقیقی معرفت اور تصوف و روحانیت کی طرف تھا- اپنے اسی گہرے میلان کی وجہ سے انھوں نے بدایوں میں عید میلاد النبی کے موقعے پر ''شانتی سمیلن'' کے عنوان سے ایک عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد کر کے یہ پیغام دیا تھا کہ خانقاہوں نے ہر دور میں انسان کو انسان سے مربوط اور امن و سلامتی اور خیر سگالی کے جذبے کو ہی بڑھاوا دینے کا کام کیا ہے اور ان کے اس اخلاق کریمانہ کی بدولت ہی اسلام کو سرزمین ہند میں اس درجہ مقبولیت عام نصیب ہوئی ہے اور دشمنوں نے بھی اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا کلمہ پڑھا ہے- جدید ہندوستان کی خانقاہی تاریخ کا یہ ایک نادر واقعہ ہے جو شہید اسید الحق قادری کی سوچ اور فکری وسعت کی پیداوار تھا- وہ ہمارے اس بنجر دور میں ایک بے حد زرخیز زمین کے فقید المثال عالم دین تھے جن کی مقبولیت عالم اسلام بالخصوص اہل تصوف کے درمیان تھی- ۳۹ سال کے اس نوجوان عالم نے آسمان علم و فکر کی ان بلندیوں کو چھو لیا تھا اور وسیع تر پیمانے پر ہندوستان کے مشترکہ معاشرتی ڈھانچے کی بہتری اور فلاح کے لیے اپنی مستقل کوششوں اور بے بہا خدمات سے خانقاہ قادریہ بدایوں کی تاریخ میں ایک لازوال باب کا اضافہ کر دیا تھا-

ان کی علمی اور تحقیقی نظر کی وسعت کے پیش نظر ان سے بہت ساری امیدیں وابستہ تھیں اور جس تیز رفتاری کے ساتھ یہ اپنے علمی کاموں کی انجام دہی میں دیوانہ وار جڑے ہوئے تھے اس کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا تھا کہ یہ دور، ان کے نام سے ہی منسوب ہوگا- یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے کہ ان میں وہ جوہر بدرجہ اتم موجود تھے جس کو بروئے کار لا کر وہ تاج الفحول کے بدایوں کو ہندوستان میں علم و عرفان کے طلب گاروں کے لیے سیراب و فیضاب ہونے کا مرکز اول بنا سکتے تھے- آج یہ سوچ کر قلم رک جا رہا ہے اور ذہن بوجھل ہو جا رہا ہے کہ علامہ اسید الحق قادری ازہری جنھوں نے ابھی اپنے علمی امکانات کا اظہار شروع ہی کیا تھا کہ ان کو موت نے ہم سے چھین لیا اور امت ایک عظیم دینی دانشور، جلیل القدر عالم دین اور صوفی باصفا سے محروم ہو گئی- ان کی شہادت پر دل انتہائی افسردہ اور غم زدہ بھی ہے مگر ساتھ میں رشک بھی ہے کہ شہر بغداد کی گلیوں میں شہید ہوئے اور سرکار شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے قدموں میں جگہ پائی- □□□□

☆ سابق ممبر آف پارلیمنٹ، نئی دہلی

maulanaobidullahkhan@gmail.com

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی☆

فکری اصالت اور عصری پیش کش کی نادر مثال

یہ ایک ایسے ہونہار، باعث افتخار اور مایۂ ناز نوجوان کا غم ہے جس پر پوری جماعت کی نگاہ تھی

مسجد سے واپس آ کر مغرب کی سنتیں ادا کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی- میرے ایک عزیز سید نجیب اشرف نے فون اٹھایا اور گفتگو کی- میرے سلام پھیرنے پر انھوں نے جلدی سے بتایا کہ علی گڑھ سے کسی سید امان صاحب کا فون تھا، ان کے لب و لہجے اور آواز کے ارتعاش سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی خبر دینا چاہ رہے ہیں، زبان سے بے ساختہ نکلا کہ: خدا خیر کرے! اور ذہن اوہام و خدشات سے بھر گیا- افق ذہن پر مختلف امکانات طلوع و غروب ہونے لگے- فکر کی سطح پر مختلف صورتیں ابھرنے اور ڈوبنے لگیں- طائر خیال کچھوچھہ، مارہرہ، بریلی اور نہ جانے کہاں کہاں پرواز کرنے لگا- ڈرتے ڈرتے امان میاں کو فون لگایا اور پھر انھوں نے جو روح فرسا اور جگر خراش خبر سنائی کہ سکتہ طاری ہو گیا- وہ خبر تمام امکانات سے مختلف، سارے اوہام و خدشات سے الگ اور ہر ظن و تخمین سے جدا تھی- خبر کیا تھی خرمن جان کو خاکستر کر دینے والی بجلی تھی- صبر و شکیب کا ہر باندھ توڑ دینے والا سیلاب تھا اور وجود کے تار و پود منتشر کر دینے والا دھماکہ تھا- بار الٰہا! یہ کیا ہوا، یہ کیسا امتحان ہے! جماعت کی امید کا مرکز خانقاہ قادریہ بدایوں کی آرزوؤں کا محور اور اپنے والد گرامی کے خوابوں کی تعبیر، یوں داغ مفارقت دے جائے گا، کبھی حاشیۂ خیال میں نہیں آیا تھا-

حَسِبتُ لکل فاجعۃ حسابا
وما کانت وفاتك فی حسابی
اَخی نم فی جوار الغوث وانعم
لما قدمت من حسن الثواب

اس کے بعد امان میاں نے کیا کیا کہا اور محبّ گرامی ڈاکٹر احمد مجتبیٰ نے اس حادثے پر اپنے غم و الم کا کیسے اظہار کیا، کچھ نہیں سنائی پڑا- اگلے دن امان میاں صاحب سے عزیزی عطیف میاں قادری کا عراق کا ٹیلیفون نمبر لیا تا کہ حضرت سالم میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے تعزیت کر سکوں، لیکن نہ اس وقت ہمت پڑی اور نہ آج تک ہمت بٹور پایا ہوں- آخر کلمات تعزیت اور شدت غم میں کوئی تو نسبت ہونی چاہیے- ان کا غم صرف ایک پیرانہ سال والد کا غم نہیں ہے جس نے اپنا جواں سال بیٹا کھویا ہے، بلکہ یہ ایک ایسے ہونہار، باعث افتخار اور مایۂ ناز بیٹے کا غم ہے جس کی ذات سے خاندان ہی نہیں پوری جماعت کی امیدیں وابستہ تھیں- یہ ایک ایسے فرزند دل بند کا غم تھا جس کی صورت میں انھیں ایک تابناک ماضی رکھنے والے اپنے خاندان کا روشن مستقبل نظر آ رہا تھا، جس کی ذات میں وہ اپنے بزرگ خاندان کی نشاۃ ثانیہ کو ملاحظہ کر رہے تھے، جس کی ہستی میں انھیں اپنے سلالۂ علمیہ کی فصل رفتہ اور بہار گزشتہ کا احیا نظر آ رہا تھا-

بھلا ایک ایسے باپ سے اس کے عزیز از جان بیٹے کی تعزیت کا حق ادا بھی کیسے کیا جا سکتا ہے، بے جان لفظوں میں وہ قوت کہاں جو ان کے فرط غم کی تفسیر کر سکیں، وہ فصاحت کہاں جو ان کے رنج و محن کی تعبیر کر سکیں-

للّٰہ ما اعطی و لہ ما أخذ و کل شیٔ عندہ بأجل مسمی- انا للّٰہ و انا الیہ راجعون-

میرا ان سے پہلا تعارف استاذ گرامی حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ کے ذریعے ہوا تھا- میں ماریشش میں تھا اور حضرت اپنے خطوط کے ذریعے ان کی تعلیمی سرگرمیوں، ان کی ذہانت و فطانت اور ان کے ذوق و شوق سے مطلع فرماتے تھے، جس کے پیش نظر ذہن میں ان کی ایک تصویر بن گئی تھی اور جب چرا محمد پور (فیض آباد) میں

حضرت خواجہ صاحب کے پاس ہی ان سے پہلی ملاقات ہوئی تو وہ مجھے اپنی ذہنی تصویر سے زیادہ خوب رو لگے اور میں نے یہ محسوس کیا کہ حضرت نے خلاف عادت کریمانہ ان کے اوصاف کے بیان میں کسی مبالغے سے کام نہیں لیا تھا- شاید انھوں نے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی تھی-

ابتدا میں حضرت خواجہ صاحب کی ذات ستودہ صفات سے تلمذ ہی ہم دونوں کے درمیان قدر مشترک تھا- رفتہ رفتہ غم جاناں اور غم دوراں کے نہ جانے کتنے پہلو اس میں شامل ہو گئے- جماعت کی زبوں حالی، انتشار و افتراق، تکفیر کی کثرت اور تفکیر کی قلت، جماعت میں اصالت وعصریت کا فقدان، بحث وتحقیق کی کمی اور تحریر وتقریر میں انحطاط، خانقاہوں کا خمول وذہول اور درگاہوں کا جمود ورکود وغیرہ وغیرہ- میں ان کے افکار و اقوال میں ہمیشہ بوئے ہم نفسی محسوس کرتا تھا-

اکثر مسائل میں اتفاق ہونے کے باوصف بعض امور ایسے بھی تھے جن میں ہم ایک رائے نہیں رکھتے تھے اور یہ ایک قدرتی امر تھا- فطری تقاضا تھا- ہمہ جہتی اتفاق صرف کوئی جاہل اور احمق ہی کرسکتا ہے بلکہ اس کا تقاضا بھی اسی پائے کا کوئی انسان کرسکتا ہے، لیکن وسائل و ذرائع کے یہ اختلافات مقاصد واہداف کے اتفاقات پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتے تھے اور ہوتے بھی کیسے حق اختلاف کی بازیابی ہی ہمارا سب سے بڑا فکری ایجنڈا تھا- ''کل یوخذ منه و یرد علیه '' ہی ہمارا سب سے بڑا شعار تھا، لیکن یادش بخیر! وہ اپنے اختلاف کا اظہار اتنے سلیقے اور ایسی شگفتگی اور شائستگی سے کرتے تھے کہ سیکڑوں اتفاقات ان پر قربان- خوش لباسی وخوش فکری، خوش روئی وخوش خوئی، سب ان کی ذات میں مجتمع ہو گئی تھیں-

فکر کی درستگی اور پیش کش کی جدیدیت ان کا سب سے نمایاں وصف تھا، جس نے چند ہی سالوں میں ہزاروں ہزار کو اپنی جانب ملتفت کرلیا تھا اور جماعت میں تصنیف وتالیف کی سمت اور رفتار دونوں کو گہرائی تک متاثر کیا تھا- فکر سدید ان کا ورثہ تھی اور پیش کش کی عصریت از ہر شریف کا عطیہ تھی لیکن ان دونوں پر مستزاد وہ طبع اخاذ اور ذہن وقاد تھا، وہ دیدہ وری اور ژرف نگاہی تھی جن سے قدرت نے انھیں خوب خوب نوازا تھا- ان کے ان ذاتی مواصفات نے ''ورثہ اور عطیہ'' دونوں کو آب وتاب بخشا، ورنہ جماعت میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جنھیں ایسی نعمتیں حاصل ہیں، نہ پدرم سلطان بود کے دعوے داروں کی کمی ہے اور نہ فضلائے از ہر و بغداد کی قلت ہے، جن میں سے اکثر پر حضرت سعدی کا وہ مشہور ومعروف شعر صادق آتا ہے جو اس ضمن میں اکثر پڑھا جاتا ہے- لہٰذا ان کی شخصیت کی تعمیر میں خاندانی واز ہری نسبتوں سے زیادہ ان کی شخصی خوبیوں کا دخل تھا، ورنہ بقول شاعر ؎

ماتنفع الخیل الکرام ولا القنا

إذا لم یکن فوق الکرام کرام

ہماری روبرو ملاقاتیں کم ہوتی تھیں- اس کا بنیادی سبب میری تدریسی مشغولیات اور دور افتادگی تھی، لیکن پہلے تعارف کے بعد سلکی اور لاسلکی ملاقاتوں کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا- اکثر علمی کاموں سے پہلے ہم باہم گفتگو کیا کرتے تھے اور پیش نظر موضوع پر مختلف جہتوں سے تبادلۂ خیال کرتے تھے- ''حدیث افتراق امت'' سے لے کر ''جدید عربی محاورات وتعبیرات'' تک ان کے متعدد مقالوں اور مؤلفات کے جزئی یا کلی مسودات اب بھی میرے پاس ہوں گے- وہ اپنے کثرت کار، جوش عمل اور تنوع موضوعات سے ہمیشہ ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے تھے- ان کا ہر کارنامہ امیدوں کا ایک نیا چراغ جلاتا تھا اور میرا یہ یقین پختہ ہو گیا تھا کہ ''خیر آبادیات'' کا یہ مصنف جماعت کے لیے کسی بشارت خیر سے کم نہیں ہے، جو اپنے سلسلۂ زریں اور مدرسۂ خیرآباد دونوں کی تجدید کا کام کرے گا- ''لکن قدر اللّٰہ و ماشاء فعل- ''

مدینۃ الاولیاء بدایوں شریف چار بار حاضر ہوا اور ہر سفر کا باعث ان کی ذات تھی- پہلی بار ان کی دستار فضیلت میں حاضر ہوا- یہ تقریب جس کروفر سے منعقد ہوئی وہ اپنی مثال آپ تھی، بلکہ اس کی تقلید میں ''صد سالاؤں'' کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا- یہ صرف ان کی تقریب دستار نہیں تھی بلکہ اس عظیم مدرسہ وخانقاہ کی نشاۃ ثانیہ کا جشن تھا- دوسری بار ان کی شادی میں شرکت کے لیے حاضر ہوا اور دو بار ان کی دعوت پر بدایوں حاضر ہونے کا موقع ملا- ہم اخلاص فاؤنڈیشن احمد آباد کے جلسوں میں بھی ملتے تھے- ممبئی، کچھوچھہ اور حیدر آباد میں بھی ملاقاتیں ہوتی تھیں- لیکن ہماری سب سے زیادہ ملاقات دہلی میں ہوتی تھی، جہاں ماہ نامہ جام نور کے مدیر مولانا خوشتر نورانی بھی ہمارے شریک

ہوتے تھے، بلکہ زیادہ درست تعبیر یہ ہے کہ میں ان دونوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا- کبھی جام نور کے دفتر میں اور کبھی مولانا خوشتر کے گھر پر ہم جمع ہوتے تھے، جہاں ہم اجتماعی طور پر جماعت کا مرثیہ پڑھتے تھے- ذاتی سرگرمیوں سے لے کر بین الاقوامی امور پر غور وفکر کرتے تھے- ان مجلسوں میں مجھ جیسے دور افتادہ اور کم آمیز شخص کو جماعتی ''اپ ڈیٹ'' حاصل ہوتا تھا جو سراپا شہر آشوب ہوتا تھا-

ایسی ہی کسی ایک ملاقات میں انھوں نے ایک بار مجھ سے پوچھا تھا کہ کسی ایک شخصیت کو لے کر جیسی حساسیت ہماری جماعت میں ہے وہ دنیا کی کسی جماعت میں نظر نہیں آتی، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اور جماعت کی اس غیر معمولی حساسیت کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟ میں نے عرض کیا تھا کہ شخصی اور مادی وجوہ کے علاوہ اس کے پس پشت ایک اہم نفسیاتی وجہ کارفرما ہے اور اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے، کیوں کہ ہم ہنگامہ برپا کرنے کے بجائے صورت بدلنا چاہتے ہیں- محض الزام تراشی اور بہتان بازی اس کا حل نہیں ہے- ہماری جماعت اسباب وعلل سے قطع نظر، پورے طور پر یک قطبی جماعت ہے- صرف اس کی حساسیت ہی بے مثال نہیں بلکہ اس کی یک قطبیت بھی بے نظیر ہے- پوری دنیا میں اس کی کوئی مثال نہ ملے گی اور یہ دونوں لازم وملزوم ہیں- کوئی بھی گھر اگر ایک ستون پر قائم ہوگا تو اس کے تئیں گھر والوں کا یہی رویہ ہوگا، جو فطری بھی ہے اور بڑی حد تک درست بھی؛ کیوں کہ گھر کے انہدام کا خطرہ مول لینے کو کوئی تیار نہیں ہوتا ہے اور اس کا ایک ہی مداوا ہے کہ گھر کا دارومدار ایک ستون پر نہ رہے بلکہ اس میں کئی ستونوں کا اضافہ کر دیا جائے تو اہل خانہ کی اس ستون کے تئیں حساسیت وجذباتیت خود بخود ختم ہو جائے گی جیسا کہ دوسرے گھروں کا حال ہے اور ان ستونوں کو بھی کہیں باہر سے لانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی گھر کے ''گودام'' میں وافر تعداد میں موجود ہیں-

ان سے میری آخری ملاقات دسمبر کے اواخر میں ہوئی- میں مطالعۂ اسلامیات کے نصاب کی تیاری کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیر اہتمام منعقدہ سہ روزہ ورکشاپ میں شرکت کے لیے دہلی میں مقیم تھا- دن اسلامیات کے ''ماہرین'' کے ساتھ گزرتا تھا اور شام میں اعزا واحباب سے ملاقاتیں ہوتی تھیں- اس ضمن میں ایک شام میں مولانا خوشتر نورانی کے گھر تھا کہ صاحب خانہ کے پاس ان کا فون آیا- غالباً وہ کہیں دہلی کے قریب میں ہی تھے اور جب انھیں معلوم ہوا کہ میں بھی وہیں فروکش ہوں تو وہ بھی تشریف لے آئے- ہم تینوں رات گئے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے- میں نے حسب سابق اپنے قدیم اصرار بلکہ ''الحاح'' کا اعادہ کیا اور ان سے جلد از جلد پی ایچ ڈی مکمل کرنے اور نیٹ کے امتحان سے سبک دوش ہونے کو کہا- اس بار میرا تقاضا کچھ زیادہ ہی شدید تھا، چوں کہ روزانہ ''اسلامی اسکالرز'' سے نبرد آزمائی کر رہا تھا اور تنہا کر رہا تھا- عدد کی اپنی اہمیت ہوتی ہے اور اپنا وزن ہوتا ہے جب کہ ان اسکالرز میں سے کئی ایک ہمارے ''فضلائے ازہر وبغداد'' جیسے بھی نہیں تھے اور انھوں نے حسب عادت مسکراتے ہوئے جلد ہی اس مہم کو پائے تکمیل تک پہنچانے کا وعدہ کیا- میرے اصرار کا صرف یہ مقصد ہوتا کہ ان کے فضل وکمال سے صرف امت ہدایت ہی مستفیض نہ ہو بلکہ امت اجابت ودعوت کو بھی اس کا فائدہ پہنچے- اسی ملاقات میں مولانا خوشتر نورانی نے بطور ریسرچ اسکالر اپنے رجسٹریشن کی تکمیل کی خوش خبری سنائی- صرف انہی دونوں پر انحصار نہیں میں جماعت کے نوجوان فضلا سے اکثر کہا کرتا ہوں کہ اگر ان کے پاس علم وحوصلہ ہے تو ان کی ایک جگہ یونیورسٹی ہے، جہاں وہ اپنے لیے بھی فائدہ مند ہو سکتے ہیں اور جماعت کے لیے بھی- کیوں کہ ہمارے مدارس اور خانقاہیں تعلیم وتربیت کا تو کام انجام دے سکتے ہیں لیکن تبلیغ و دعوت کے امکانات وہاں اتنے وسیع نہیں ہیں- وہاں صرف اپنے آتے ہیں اور بے حد محدود پیمانے پر آتے ہیں، جب کہ کلیات وجامعات میں سب آتے ہیں اور مدارس کے مقابلے میں کہیں زیادہ تعداد میں آتے ہیں- اس حقیقت کا ادراک دوسری جماعتوں نے بہت پہلے کرلیا اور ان جماعتوں کے افکار ومعتقدات کی جیسی اشاعت عصری جامعات سے ہوئی ہے، ویسی ان کے مذہبی اداروں اور تنظیموں سے بھی نہیں ہوئی-

ان سے آخری ٹیلیفونی گفتگو ان کے سفر بغداد سے چند دن قبل ہوئی- انھوں نے مہاراشٹرا کے کسی شہر سے فون کیا تھا اور ان کی ظاہری حیات میں ان کا آخری بار ذکر اسی دن کیا تھا جس دن انھوں نے جام شہادت نوش کیا تھا- ڈاکٹر شجاع قادری نے فون کر کے جون میں ہونے والے اپنے مجوزہ سیمینار''

بقیہ صفحہ 183 پر ملاحظہ کریں

مولانا سید رکن الدین اصدق☆

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

مولانا اسید الحق قادری اپنے اجداد کے علوم ومعارف اور اقدار وروایات کے سچے وارث تھے

محقق عصر علامہ اسید الحق بدایونی، اس بطل جلیل کا نام تھا جو سواد اعظم اہل سنت کی آنکھ کا تارا بن چکا تھا اور ہندوستان کے شرق وغرب میں جس کے علم وتحقیق کا طوطی بول رہا تھا، جو ہندو پاک کے اہل علم کو اپنی دینی خدمات کا معترف بنا چکا تھا- سرزمین اتر پردیش میں امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین پورنوی کا علمی جانشین تھا اور جو عربی زبان و ادب کا شاہکار ادیب اور جامعۃ الازہر مصر کا فارغ التحصیل تھا-

اسید الحق بدایوں کی مٹی سے سر ابھارنے والا وہ فرزند جلیل تھا، جو اپنے اکابر علما کی دینی وعلمی خدمات سے علمی دنیا کو باخبر کرنے کا بیڑا اُٹھا چکا تھا، جو اپنے اجداد کے علم کا وارث بن کر ان کی علمی کاشت میں نکھار پیدا کرنے کی ہر ممکن تدبیر میں مصروف عمل تھا، جو اپنے والد کی روحانی گدی کا قائم مقام اور ان کے جہانِ امید کا گل سرسبد تھا، جو مدرسہ قادریہ بدایوں کے روشن مستقبل کی علامت تھا اور اپنے خاندانی حلقۂ ارادت کا امین تھا ؎

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

علما کو ان کے علم کا پندار اور مشائخ کو ان کی مشیخت کا خمار عموماً اخلاقی پستی میں گرا دیتا ہے اور انکسار کی سرحد ان سے بہت دور رہ جاتی ہے- نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ ان کا علم اپنا مقناطیسی اثر کھو دیتا ہے اور عوام کے دلوں پر ان کی گرفت مضبوط نہیں ہو پاتی ہے- دیکھا یہی گیا ہے کہ جن علما کے پاس علم کا پندار پھٹک نہ سکا اور جن صوفیہ کے گرد مشیخت کا خمار راہ نہ پا سکا، وہ محبوب خلق ہوئے ہیں زندگی میں بھی اور مرکز عقیدت رہے ہیں بعد وصال بھی-

اسے گرامی منزلت حضرت شیخ سالم میاں صاحب مد فیوضہ کی خانقاہی تربیت کا فیضان ہی کہیے کہ اس کم عمری میں قبول عام حاصل ہو جانے کے باوجود حضرت مولانا شاہ اسید الحق قادری اخلاقی پستی سے محفوظ رہے اور پندار کا آسیب ان تک کبھی راہ نہ پا سکا- نہ خانقاہی رکھ رکھاؤ کا دماغ میں سودا تھا اور نہ علمی طمطراق کی ذرا بھی نمائش تھی- وہ خانقاہی اخلاق کے پیکر تھے اور تواضع کا خاندانی انداز رگ و پے میں رچ بسا تھا-

۲۰۰۸ء میں وہ مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کی کل ہند "تعلیمی کانفرس" میں مولانا خوشتر نورانی مدیر جام نور دہلی کے ہمراہ بہار شریف تشریف لائے تھے اور دو روز ہمارے مہمان رہے تھے- کانفرنس کے روح رواں مولانا سید نور الدین اصدق تھے، لہٰذا ان ایام میں زیادہ واسطہ تو ان ہی کو پڑا- مجھ سے تو مختصر ملاقات رہی- لیکن ۲۰۱۲ء میں حضرت سالم میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ قادریہ کی دعوت پر عزیزی مولانا نور الدین اصدق کو ساتھ لے کر میں صد سالہ عرس مقتدری میں بدایوں شریف حاضر ہوا اور دو روز قیام کیا- ان ایام میں مولانا کا اخلاق جوہر نکھر کر سامنے آیا اور ان کی سعادت مندی کا ابر جھوم جھوم کر برسا-

عالمانہ لباس، خادمانہ انداز، طالب علمانہ نیاز مندی، شادمانہ خیر مقدمی- غیر معمولی مصروفیات کے باوجود ہر ایک سے مسکرا کر ملنا- علما مشائخ کی پذیرائی میں پیش پیش رہنا- میرے کمرے میں بار بار آ کر بیٹھنا اور حسن عقیدت کے ساتھ "جام شہود" کے اداریے پر اظہار مسرت کرنا- ان ہی دنوں میرا مقبول ہر خاص وعام اداریہ "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے" شائع ہوا تھا- آج ایک ایک ادائے دل ربا سامنے آ کر یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے......ع

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

مولانا اسید الحق بدایونی کی ہمہ جہت شخصیت کا اعتراف تمام سواد اعظم اہل سنت کو تھا اور سبھوں کی آپ سے مستقبل میں زریں خدمات کی توقع وابستہ تھی، اس لیے ۴ر مارچ کو عراق میں آپ کی حادثاتی موت پر پورا ملک سوگوار ہو گیا اور ہر طرف سے فون اور میسیج کے ذریعے تعزیتی پیغامات کا تانتا بندھ گیا- ملک بھر کے سنی ادارے اور تمام مرکزی شخصیتوں نے اسے جماعت اہل سنت کا نقصان عظیم قرار دیا اور لاریب، مدت قریب میں اس خلا کا پر کیا جانا ممکن نہیں ہے-

بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، مفتی راجستھان مولانا اشفاق حسین جودھپوری، امام علم وفن مولانا خواجہ مظفر حسین پورنوی ہماری جماعت کے اساطین میں تھے اور بلاشبہ ان کی موت بھی ہمارے لیے نقصان عظیم ہے- لیکن یہ حضرات اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے- ان کا قوائے جسمانی جواب دے چکا تھا اور ان کے زبان وقلم کا دائرہ سمٹ چکا تھا، جب کہ مولانا اسید الحق بدایونی کا بالکل عہد شباب تھا اور ان کی علمی خدمات کا گل خوش رنگ اب کھلنے ہی کو تھا کہ دست اجل نے اسے آ دبوچا اور امیدوں کا باغ اچانک اجڑ گیا ؎

پھول تو دو دن بہارِ زندگی دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

مولانا اسید الحق اپنے مخالفین پر رکیک حملوں کے قائل نہ تھے- اپنے بزرگوں کی حرمت پامال کرنے والوں سے گریزاں تھے- مخالف جماعتوں پر بھی سب وشتم کا مزاج نہ تھا- کسی کی سطحی باتوں پر کان نہ دھرتے، علم وتحقیق سے واسطہ تھا، اپنے بڑوں کے پاس ادب میں علم کا پندار بھی آڑے نہ آتا- نیاز مندی کا عجب اچھوتا انداز ہوتا- اپنے معاصرین سے ملنے کا انداز بھی محبت آمیز تھا- اپنے خاندانی بزرگوں کے علمی سرمایہ کو نئے اسالیب اور جدید ترتیب کے ساتھ اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچانا ان کا محبوب مشغلہ تھا اور یہ حق فرزندی ادا کرنے کی سب سے بہتر راہ ہے- علم کی روشنی دکھانے اور عقیدت کی خوشبو پھیلانے کی اہمیت اگر تسلیم شدہ ہے تو اگر کوئی اپنے ہی گھر کا چراغ لے کر شاہراہ پر کھڑا ہے اور ایک شخص اپنے ہی باغ کا عطر نچوڑ کر کوچہ و بازار کو عطر بیز کر رہا ہے تو یہ سراہے جانے کے قابل خدمت ہے- اس میں کسی کو اپنے دکھ کا سامان کیوں نظر آ رہا ہے؟ یہ تو دوہرے فائدے کا کام ہے کہ روشنی پھیلے زمانے میں تو میرے گھر کا اجالا بھی دنیا کی نظر میں آ جائے- ہر علمی خانوادے کو رب بے نیاز یہ سعادت نصیب فرمائے-

وہابی ازم کا طوفان، سنامی کی طرح تیزی سے ہماری آبادی کی طرف بڑھ رہا ہے اور ہمیں اب تک اس کی ہولناکی کا اندازہ نہیں ہے- کیا یہ مقام حیرت نہیں ہے؟ اگر ہماری ہر تنظیم، ہماری ہر تحریک، ہمارا ہر ادارہ، ہماری ہر خانقاہ اور ہماری ہر انجمن اور جماعت اہل سنت کے تمام شعور مند افراد، دیوار میں چنی ہوئی اینٹ کی طرح متحد نہیں ہوئے تو ہماری آبادی کو یہ سنامی بہا لے جائے گا اور ہماری خودنمائی کا پہاڑ ریت کی طرح ڈھ جائے گا- ملکی حالات میرے پیش نظر ہیں- بنگال کی کھاڑی سے لے کر کنیا کماری تک پورے ملک میں اہل سنت روبہ زوال ہے، جہاں بھی ہیں ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں اور نفرت کی دیوار بیچ میں حائل ہے-

ادھر چند سالوں سے ہماری جماعت میں جو اتھل پتھل کا ماحول ہے- جماعت سے کٹ جانے کا یا کاٹ کر الگ کر دیے جانے کا جو مزاج پیدا ہو رہا ہے یہ جینے کی راہ نہیں ہے، بربادی کا پیش خیمہ ہے- ہماری تنگ دامانی کو دیکھ کر اغیار کی باچھیں کھل اٹھی ہیں- ہماری تاراجی سے ان کا حوصلہ بلند ہو رہا ہے اور ہم ہیں کہ خواب خرگوش سے سر اٹھانے کو تیار نہیں ہیں- کاش! اب بھی قائدین جماعت کی آنکھوں سے خود بینی کا خمار اتر جائے اور وہ آنے والی نسل کے جینے کی راہ ہموار کرنے میں جٹ جائیں-

افسوس تو اسی بات کا ہے کہ آج پڑھے لکھے جاہلوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور رہبر کی شکل میں رہزنوں کی ٹولی گھوم گھوم کر ہر روز ایک نئے فتنے کو جنم دے رہی ہے اور مقام حیرت تو یہ ہے کہ جماعت کے اساطین اور عوام کے ایک معتد بہ طبقے پر گرفت مضبوط رکھنے والے قائدین ان فتنوں کو ہوا دے رہے ہیں- یا کم از کم کنارہ کشی اختیار کر کے چپ کا روزہ رکھے ہوئے ہیں- یاد رہے کہ یہ دونوں راہ محاسبۂ عمل کی ہے اور ہم ایک دن جواب کے لیے کٹہرے میں کھڑے کیے جائیں گے-

ایسے دور کساد میں کسی قیمتی جان کا ضیاع پوری ملت کے لیے دیرپا المیہ ہے- مولائے کریم بکرم حبیبه النبی الکریم علیه التحیة والتسلیم مولانا اسید الحق بدایونی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے- ان کے والدین کریمین اور احباب واقارب کو صبر جمیل مرحمت فرمائے- سواد اعظم اہل سنت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے ؎

موت اس کی ہے، کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

☆ سجادہ نشین: خانقاہ اصدقیہ چشتیہ، چمن پیر بیگہ، بہار شریف (بہار)

پروفیسر فاروق احمد صدیقی☆

ایک فرد نہیں، ایک تحریک کی موت

پورے برصغیر میں مولانا اسید الحق قادری کے ہم عصروں میں کوئی ان کا حریف و مقابل نہیں تھا

۱۱؍مارچ ۲۰۱۴ء کی صبح مسجد نبوی شریف میں نماز فجر ادا کرنے کے لے جا رہا تھا- (مدینۂ پاک کی یہ حاضری عمرے کے سلسلے سے تھی-) نمازیوں کے ازدحام کثیر میں ایک فارغ اشرفیہ مولانا اختر رضا مصباحی سے متعارف ہوا، جو ایک روز قبل ہندوستان سے آئے تھے- انہوں نے ہی سب سے پہلے بڑے درد و کرب کے ساتھ مولانا اسید الحق بدایونی کی الم ناک شہادت کی روح فرسا خبر سنائی- میں ذہنی طور پر اس خبر کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، اس لیے ان سے بار بار یقین دہانی کرا رہا تھا- انہوں نے مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ بتایا کہ یہ حادثۂ فاجعہ بغداد شریف میں ایک دہشت گردانہ حملے کے نتیجے میں ہوا، لیکن پتہ نہیں کیوں یہ خبر اب بھی میرے لیے نا قابل یقین تھی- اس لیے نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے پہلی فرصت میں عزیز گرامی مولانا خوشتر نورانی سے رابطہ قائم کیا، وہ شدت غم سے نڈھال تھے، فوراً پھٹ پڑے اور میری آنکھوں نے بھی شہید ملت کو آنسوؤں کا بھرپور خراج پیش کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا- خوشتر صاحب کی حالت قابل رحم تھی-

سچی بات یہ ہے کہ میں اپنی پوری زندگی میں اپنے کسی عزیز کی موت پر بھی اتنا غمزدہ نہیں ہوا تھا؛ کیوں کہ وہاں ایک فرد کی موت تھی اور یہاں شہید ملت کی صورت میں ایک فرد نہیں ایک ادارے کی موت تھی- ایک تحریک کی موت تھی- ایک دینی اور تعلیمی مشن کی موت تھی اور ایک ایسے عالم ربانی کی موت تھی جس کو عالم کی موت کہا جاتا ہے- تصنیف و تالیف کے حوالے سے درجنوں علمی اور تحقیقی کتابوں کی منصوبہ بندیاں ان کے ذہن میں تھیں جن کا تذکرہ وہ ٹیلی فون پر اور کبھی سیمیناروں میں ملاقات کے موقع پر کیا کرتے تھے، اس لیے ان کی شہادت بلاشبہ ملت کا نا قابل تلافی نقصان ہے-

شہید ملت سے میری پہلی نصف ملاقات تو موقر ماہ نامہ ''جام نور'' کے ذریعے ہی ہوئی- انہوں نے اپنی گراں مایہ تحریروں سے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور پھر جب وہ خامہ تلاشی کا کالم لکھنے لگے تو ان کی ہمہ دانی نے واقعی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا- حالاں کہ یہ کالم وہ ابوالفیض معینی کے قلمی نام سے لکھتے تھے، اس وقت تک یہ پتہ نہیں تھا کہ کون معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں- بہت دنوں تک حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطر پورنوی اور راقم السطور کا گمان تھا کہ یہ ایک ٹیم ورک ہے- کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، سیر اور شعر و ادب کے حوالے سے اتنے ماہرانہ گفتگو کر سکے لیکن جب یہ انکشاف ہوا کہ ابوالفیض معینی کوئی اور نہیں بلکہ مولانا اسید الحق قادری ہیں تو ان کی علمیت، ذہانت و فطانت، ژرف نگاہی اور بالغ نظری نے اس مشہور عربی شعر کی صداقت پر میرے اعتماد کو اور بھی محکم کر دیا کہ واقعی:

لیس علی اللّٰہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

مولانا اسید الحق قادری سے میری پہلی بالمشافہ ملاقات حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق مدظلہ کے ذریعے منعقدہ سیمینار کے موقع پر ۲؍نومبر ۲۰۰۸ء کو بہار شریف میں ہوئی تھی- دوسری ملاقات ایک سال بعد عرس قاسمی مارہرہ شریف میں ہوئی- تیسری ملاقات فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کے مدرسہ واقع بنگال کے ایک سالانہ پروگرام میں شرکت کے موقع پر ہوئی- وہ اور مولانا خوشتر نورانی دہلی سے جس ٹرین سے آ رہے تھے حسن اتفاق سے پٹنہ سے میرا ریزرویشن بھی اسی اے سی کوچ میں ہوگیا تھا- ہم لوگ ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے- شہید ملت کی گفتگو کا انداز اتنا پیارا تھا، وہ کہیں اور سنا کرے کوئی- اس سفر میں مختلف موضوعات و مسائل پر جی بھر کر باتیں ہوئیں-

ان سے آخری ملاقات ۲۱؍اکتوبر ۲۰۱۳ء کو اس وقت ہوئی جب وہ اور مولانا خوشتر نورانی خواجۂ علم و فن کے جنازے میں شرکت کی غرض سے بذریعۂ طیارہ دہلی سے پٹنہ پہنچے اور وہاں سے کار کے ذریعے خواجۂ علم و فن کے گاؤں پورنیہ براہ مظفر پور جانا تھا- انہوں نے پٹنہ سے فون کیا کہ وہ اور مولانا خوشتر نورانی پٹنہ سے مظفر پور پہنچ رہے ہیں، اگر میں شریک ہو جاؤں تو کیا کہنا ہے- ان کی اس مخلصانہ پیش کش پر میں نے فوراً لبیک کہا اور ان کی رفاقت کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اسی کار سے خواجۂ علم و فن کے جنازے میں پہنچا- راستے بھر خواجۂ علم و فن کی جلالت علمی کا تذکرہ ہوتا رہا- چوں کہ حزنیہ ماحول تھا، اس لیے اور کسی موضوع پر گفتگو نہیں ہو سکی- بہر حال یہ سفر بڑا یادگار اور تاریخی رہا- ''جام نور'' کے شمارہ جنوری ۲۰۱۴ء میں انہوں نے اس سفر کی روداد بھی بڑے تفصیل کے ساتھ لکھی ہے، جو قابل مطالعہ ہے-

میں پوری ایمان داری کے ساتھ اس حقیقت کا برملا اعتراف کر رہا ہوں کہ پورے برصغیر میں ان کے ہم عصروں میں تو کوئی ان کا حریف و مقابل تھا ہی نہیں، بلکہ بہت سارے نام نہاد اکابرین پر بھی وہ بھاری تھے- اچھے اچھوں کی کور ان کے سامنے دبتی تھی- حالاں کہ انہوں نے اپنی ذاتی اور خاندانی شرافت کا پاس و لحاظ وار رکھتے ہوئے کبھی کسی کے خلاف خفیف الحرکتی نہیں کی- تہذیب و شائستگی کے ساتھ تقویٰ و طہارت اور اخلاص و للہیت کی مظہر کامل تھی ان کی ذات والا صفات- مولیٰ تعالیٰ اس شہید ملت کی تربت پر رحمت و نور کی موسلا دھار بارش برسائے- آمین!

□□□

☆ سابق صدر: شعبۂ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور (بہار)

بقیہ: فکری اصالت اور عصری پیش کش کی نادر مثال:

عصر حاضر میں چشتی تعلیمات کی معنویت'' کے لیے شمالی ہندوستان سے دس نام طلب کیے تھے تاکہ انھیں اس سیمینار میں مدعو کیا جا سکے- طویل گفتگو کے بعد ہم نے دس لوگوں کی فہرست بنائی جس میں نو نام چشتی خانقاہوں سے وابستہ اور مختلف یونیورسٹیوں میں تدریسی خدمات انجام دینے والے سینئر پروفیسرز کا تھا اور دسواں نام جو سر فہرست تھا وہ ایک قادری کا نام تھا- ڈاکٹر شجاع سے بہت دیر تک ان کی باتیں کرتا رہا- بدایوں کا پتہ بھی لکھوایا اور انھیں تاکید کی کہ آپ دعوت نامہ تو فوراً بجھوا دیں اور دو چار دن بعد جب ان کی واپسی ہو تو ان سے گفتگو بھی ضرور کر لیجیے گا اور جب اسی شام شجاع صاحب نے پروفیسر مسعود انور علوی کاکوروی اور پروفیسر سید ظہیر الدین صاحبان کے ٹیلیفون نمبروں کے لیے رابطہ کیا تو میں نے ان سے کہا کہ مدعوئین کی فہرست سے ان کا نام الگ کر دیجیے وہ ہماری اور آپ کی دسترس سے بہت دور جا چکے ہیں- رہے نام اللہ کا-

اخیر میں اپنے احساسات و جذبات کی تعبیر کے لیے ایک سوڈانی شاعر کے بعض اشعار معمولی تصرف کے ساتھ پیش ہیں-

أكذا تفارقنا بغير وداع
يا محور الأبصار والأسماع
ياصاحب الوجه الجميل وعامل
العمل الجليل وقمة الإبداع
أكذا تفارق "والجماعة" لم تزل
تجتاح بين ثعالب ورعاع
أزمعت عنايا' أسيد' مكرما
فينا ولكن لات حين زماع
نم فی جوار الغوث و انعم يا أخی
بكريم مصطحب وحسن متاع

☆ شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد (دکن)

پروفیسر عبدالحمید اکبر☆

مثالی عالمانہ انکسار اور صوفیانہ افکار کے حامل

جب اس حادثۂ جانکاہ کی خبر ملی تو میں بے قابو ہو گیا اور زار و قطار رونے لگا

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی اہل سنت و جماعت کے علم بردار، نہایت علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے- تصوف و عرفان کے حوالے سے بھی خانقاہِ بدایوں کی شہرت عالم گیر ہے- سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ اپنے وقت کے جید عالم اور صوفی تھے جن کا ذکر ہند و بیرون ہند کے اکثر علمائے کرام کے یہاں ہوتا رہتا ہے- رڈّ وہابیت میں حضرت کی معرکہ آرا کتاب ''سیف الجبار'' بہت معروف ہے- اسی کتاب کو نئے زاویے سے تسہیل و ترتیب دے کر مولانا اُسید الحق علیہ الرحمہ کا یہ پروگرام تھا کہ اس اہم کتاب کو شائع کر کے دہلی میں ایک کانفرنس بڑے پیمانے پر بلائی جائے جہاں سے اس کتاب کی رسمِ اجرا انجام دی جا سکے، اس طرح پورے ہندوستان اور دیگر ممالک تک اسے پہنچایا جا سکے، مگر کاتبِ تقدیر نے مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کے پورے خاندان و اسلاف کے مرکز عقیدت تاجدارِ بغداد کی سرزمین پر ان کی شہادت و تدفین لکھ دی تھی- گلشن قادریہ بدایوں شریف کے گُلِ تر اپنی عمر کی کوئی ۳۹ بہاریں ہی دیکھ سکے اور ناگہانی روح فرسا حادثے کی زد میں آگئے اور شہید ہو گئے- خود مولانا اُسید الحق تو بحمد اللہ و برحمۃ رسول اللہ حضور غوث اعظم دستگیر کے طفیل جنت الفردوس میں اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہو گئے ہیں، مگر ان کے والد بزرگوار حضرت علامہ شاہ عبدالحمید سالم میاں قادری مدظلہ النورانی پر کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہوگی اور تسلیم و رضا کی وہ کون سی منزل ہوگی کہ حضرت نے صبر و ضبط سے کام لیا اور اپنے تمام اہل خانہ و دیگر متوسلین کو بھی تھامے رکھا- کن کن ارمانوں سے حضرت نے اپنے اس شہید فرزند کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل فرمائی تھی، اُنہیں حافظ قرآن بنایا، عالم و فاضل بنایا پھر دُنیا کی سب سے عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعۃ الازہر قاہرہ سے علم تفسیر و دیگر علوم کی تحصیل کا انتظام فرمایا- اللہ رب العزت حضرت علامہ شیخ عبدالحمید سالم میاں قادری عثمانی بدایونی کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، آمین-

پچھلے آٹھ دس سالوں سے مولانا اُسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی عقائد اسلامی پر تحریر کردہ مختلف کتابیں، اپنے اجداد کرام کی عربی و فارسی کتابوں کے ترجمے اور دوسری اہل سنت کے افکار و نظریات پر مبنی کتابیں جو مولانا شہید کے ابتدائیے، ترتیب و تقدیم، تخریج و تسہیل کے ساتھ انہی کی نگرانی میں شائع ہوتے رہے- تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع شدہ تمام کتابیں تحقیق و تنقید کے ساتھ منظر عام پر آئیں- راقم الحروف ان کتابوں کے حوالے سے مولانا اسید الحق قادری سے واقف ضرور تھا اور ان کی علمی و ادبی کاوشوں سے بہت متاثر بھی-

چنانچہ پہلی بار Q.T.V پر انٹرویو دیتے ہوئے مَیں نے اُنہیں دیکھا تھا اور اُس وقت میرا یہ احساس تھا کہ یا الٰہی خانوادۂ بدایوں شریف کے اس ہونہار چشم و چراغ حضرت مولانا اُسید الحق قادری کس قدر اپنی علمیت، روحانیت اور نورانیت سے ناظرین کو سرفراز فرما رہے ہیں- غالبًا اس کے دوسرے ہی سال یعنی اب سے کم و بیش تین سال قبل حیدر آباد میں سید امر اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ مغل پورہ حیدر آباد کے آستانے پر منعقدہ سمینار میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی- آستانۂ مذکور کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی چشتی دامت برکاتہم کی اجازت سے مجھے مولانا اُسید الحق عاصم القادری کے مختصر تعارف کی سعادت نصیب ہوئی- تعارف میں جن باتوں کو پیش کیا گیا تھا ان کا ذکر کرنا یہاں مناسب سمجھتا ہوں-

حضرت مولانا اُسید الحق قادری عثمانی بدایونی کا تعلق بدایوں کے روحانی و علمی خانوادے سے ہے- ان کے جَد مکرم سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے وہابیہ کے رد میں ایک کتاب ''سیف الجبار'' اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ولادت سے قبل لکھی تھی

جس کا اثر اور وزن پورے ہندوستان میں محسوس کیا گیا- علامہ فضل رسول کے فرزند جلیل حضرت تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ نے ایک رسالہ ''تقویۃ الایمان'' کے رد میں لکھا ہے جو غیر مطبوعہ ہے، اس کے علاوہ میلاد شریف اور مسائل فقہ میں کچھ رسائل یادگار ہیں- تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی وہ مبارک ہستی ہیں کہ ندوۃ العلما کے ایک اجلاس کا کسی انگریز سے افتتاح کروایا جا رہا تھا، اُس وقت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی حضرت تاج الفحول کے ساتھ ندوۃ العلما کے اجلاس کا بائیکاٹ کر دیا اور فاضل بریلوی کو ندوہ کے رد میں کتابیں لکھنے کی طرف مائل کیا اور دامے، دِرمے، سخنے ہر طرح سے ان کی مدد فرمائی-

حضرت تاج الفحول کے فرزند اصغر حضرت علامہ عبد المقتدر بدایونی ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے پٹنہ بہار کے ایک جلسے میں مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی کے'' مجدد'' ہونے کا اعلان فرمایا- حضرت تاج الفحول کے فرزند اصغر حضرت علامہ عبدالقدیر قادری بدایونی علیہ الرحمہ، میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ ہفتم حیدر آباد کے زمانے میں مفتی اعظم کے اہم عہدے پر فائز تھے- جامعہ نظامیہ کے بانی مولانا شاہ محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ سے بھی ان کے روابط تھے- علامہ عبدالقدیر کے فرزند اول مولانا عبدالہادی بدایونی علیہ الرحمہ حیدر آباد ہی میں نظام کالج عثمانیہ یونی ورسٹی میں عربی کے اُستاد رہے- جب کہ فرزند دوم حضرت علامہ عبدالحمید شیخ سالم میاں قادری بدایونی سجادہ نشین آستانہ عالیہ بدایوں شریف مدرسہ قادریہ بدایوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ روحانی اسفار میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے اجداد کی سنت ادا کرتے ہوئے ہر سال بغدادِ معلیٰ سلطان الاولیا حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار گہر بار میں دیوانہ وار حاضری دیتے ہیں-

انہی حضرت علامہ عبدالحمید سالم میاں قادری بدایونی کے فرزند ارجمند حضرت مولانا اُسید الحق عاصم القادری بدایونی ہیں جو جامعہ ازہر سے فارغ التحصیل ہیں آج ہماری اس مجلس مذاکرہ میں جلوہ افروز ہیں- ہم سب خوش نصیب ہیں کہ گلستانِ دیوان بدایوں کے ایک گُل نورانی کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہیں- مولانا اسید الحق قادری بدایونی نے ابھی حال ہی میں کوئی دس کتابوں کا ایک ساتھ اجرا کروایا ہے اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ ابھی جاری ہے- راقم الحروف نے ان کی کتابوں اور ان کے اہم ترین مندرجات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی تحقیق و تدقیق کو خراج تحسین پیش کیا-

بعدہٗ اپنی تقریر میں مولانا اُسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ:''

پروفیسر عبدالحمید اکبر صاحب نے میرے اسلاف کے بارے میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ صد فیصد درست ہے- البتہ میرے بارے میں جو باتیں انہوں نے کہی ہیں یہ اُن کی محبت ہے-''

مجھے اُس وقت محسوس ہوا کہ دورِ حاضر کے ایک دانشور، محقق اور ناقد اپنی اس علمی اعلیٰ استعداد رکھنے کے باوصف بھی کتنی سادہ اور سنجیدہ گفتگو فرما رہے ہیں، یہ سب ان کے عالمانہ انکسار اور صوفیانہ افکار پر دلالت کرتے ہیں-

حیدر آباد میں شرفِ نیاز کے بعد مولانا اُسید الحق قادری شہید علیہ الرحمہ سے ممبئی یونی ورسٹی کے ایک سمینار میں ملاقات ہوئی- سمینار سے پہلے اور سمینار کے بعد بھی مولانا مرحوم و مغفور سے گفتگو کے دوران بہت ساری باتیں سیکھنے کو ملیں- اس کے بعد بھی فون پر رابطہ رہا- ایک مرتبہ فون پر اپنے ایک سمینار میں بھی مجھے دعوت دی تھی، لیکن مجھے معذرت چاہنی پڑی، اس لیے کہ اُن ہی تواریخ میں یعنی ۲/اور ۳/فروری ۲۰۱۳ کو میرے فرزند کی شادی مقرر تھی- فون پر یہ ملاقات ہماری آخری ملاقات رہی- جب اس حادثۂ جانکاہ کی خبر ملی تو میں بے قابو ہو گیا اور زار و قطار رونے لگ گیا تو گھر کے سارے افراد پریشان ہو گئے- پھر میں نے یہ روح فرسا خبر انہیں سنائی تو یہ بھی مغموم ہوئے، پھر فاتحہ پڑھ کر اُنہیں ایصال ثواب کیا گیا-

دعا ہے کہ حضرت علامہ اُسید الحق قادری عثمانی بدایونی ازہری شہید علیہ رحمۃ الباری کی دینی، علمی، ادبی، سماجی اور رفاہی کاوشیں بارگاہِ رب المقتدر میں بطفیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شرفِ قبول پا جائیں اور حضرت علامہ شہید علیہ الرحمہ کے صدقے میں اللہ رب العزت ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے، آمین-

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

□□□

☆ استاذ: شعبۂ اردو، فارسی، گلبرگہ یونیورسٹی، گلبرگہ (کرناٹک)

مولانا صدرالوریٰ مصباحی☆

مولانا اسیدالحق قادری: ایک بے مثال محقق

احادیث پر تحقیقی نظر، نقد رجال میں مہارت، دقت نظر اور غایت درجہ وسعت مطالعہ کے حامل تھے

لِلّٰہ مااعطی وللہ ماأخذ و کل شیٔ عندہ بمقدار

(اللہ ہی کا ہے جو اس نے دیا اور جو اس نے لیا اور ہر شی کی اس کے یہاں ایک مقدار مقرر ہے)

گذشتہ ۴؍ مارچ ۲۰۱۴ء منگل کی شام بڑی ہی کرب ناک رہی جس کے درد و کرب سے دنیا چیخ اٹھی اور اس شب میں ایک وحشت ناک خبر سن کر عجیب سا سناٹا چھا گیا، ہر طرف غم کی لہر دوڑ گئی- اس انہونی کو سن کر پہلے تو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا مگر مشیت ایزدی کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی تھا- زبان پر انا للّٰہ وانا الیہ راجعو ن تھا اور صبر و شکر کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا-

ہوا یہ کہ ۴؍ مارچ منگل کو مغرب کی نماز سے فارغ ہوا جب کہ موبائل خاموش Silent تھا اور کچھ دیر تک اسی حالت میں رہا پھر یکا یک اسکرین پر نظر پڑی تو دیکھا کہ مسلسل کئی Missed کالیں موبائل میں پڑی ہیں، پھر انھیں کھول کر دیکھا تو دو بڑی اہم شخصیتوں کی کالیں تھیں جن میں ایک شخصیت شہزادہ والا تبار حضرت سید محمد امان میاں برکاتی کی تھی اور دوسری شخصیت حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی کی تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ معاملہ کیا ہے؟ ابھی میں ادھر سے حضرت امان میاں کو ڈائل کرنے ہی جا رہا تھا کہ ادھر سے دوبارہ فون آ گیا- سلام کے بعد ایک بڑی وحشت ناک خبر سننے کو ملی کہ ''اسید میاں بغداد شریف میں ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے، کسی دہشت گرد نے ان کے سر میں گولی ماردی اور موقع واردات پر ہی وہ انتقال کر گئے-'' اب تو کیا تھا زبان پر کلمہ ترجیع اور ایسا لگ رہا تھا جیسے نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، اسی رنج والم میں ڈوبا تھا کہ حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی کا بھی فون دوبارہ آیا، نہایت دردانگیز آواز میں بڑی افسردگی کے ساتھ انھو ں نے بتایا کہ ''ابھی ابھی حاجی میاں (مولانا سید محمد انور چشتی) نے بتایا کہ بھیا بغداد شریف میں شہید ہو گئے-'' مولانا اسیدالحق قادری کا ننہال پھپھوند شریف میں واقع ہے اور حضرت حاجی میاں ان کے سگے ماموں ہوتے ہیں، وہاں عام طور سے انھیں بھیا ہی کہا جاتا ہے- پھر میں نے شیخ الجامعہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کو فون پر خبر دی کہ ابھی ایسے ایسے فون آیا کہ مولانا اسیدالحق قادری کا انتقال ہو گیا اور وہ بغداد میں شہید ہو گئے، حضرت نے کلمہ ترجیع پڑھنے کے ساتھ ان کی خوبیوں اور صلاحیتو ں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ''ان کی رحلت ایک جماعتی خلا ہے- کم عمری میں انھوں نے بہت کام کیا گویا ان کے آنے سے مدرسہ قادریہ اور خانقاہ بدایوں کی نشاۃ ثانیہ ہو گئی-'' پھر حضرت ہی نے فرمایا کہ ''بعد نماز عشا ایک تعزیتی محفل اور مجلس ایصال ثواب ہونی چاہیے-'' چنانچہ بعد نماز عشا 'عزیز المساجد' جامعہ اشرفیہ میں ایک تعزیتی محفل منعقد ہوئی، جس میں جامعہ کے اساتذہ، طلبہ سبھی شریک رہے، قرآن خوانی ہوئی اور شہید بغداد کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا اور مغفرت و رفع درجات کی دعا کی گئی، پھر بعد نماز عشا رفیق ملت حضرت سید نجیب حیدر نوری قبلہ کا بھی فون آیا کہ:

''اسید میاں بغداد شریف کی شارع سلیمانیہ پر شہید ہو گئے، وہ بڑے قیمتی عالم تھے- ان کے انتقال سے جماعت کا بڑا نقصان ہوا-''

حضرت رفیق ملت بھی بہت ہی مغموم اور رنجیدہ خاطر تھے، حضرت نے دوران گفتگو یہ بھی بتایا کہ تدفین بغداد شریف میں ہی ہو گئی-

مولانا اسیدالحق قادری بدایونی یقیناً بہت بڑے عالم تھے، اللہ رب العزت نے انھیں اتنی خوبیوں سے نوازا تھا کہ بیک وقت وہ خوبیاں کسی عالم میں کم ہی نظر آتی ہیں، صوری حسن و جمال اور معنوی محاسن و کمالات کے ایسے حسین سنگم تھے کہ تنہا وہ ایک انجمن تھے، علوم عقلیہ میں مہارت کے ساتھ دینی علوم میں بھی بڑی گہری نظر رکھتے تھے، مروجہ علوم

و فنون میں کون سا ایسا علم ہے جو ان کی دسترس سے باہر تھا، علوم عربیہ ہوں کہ فنون ادبیہ، یوں ہی علوم عقلیہ ہوں یا کہ علوم دینیہ کون سا علم ہے جس کی انھوں نے سیاحت نہیں کی- احادیث پر تحقیقی نظر، نقد رجال میں مہارت، زبان و قلم میں سلاست، دقت نظر اور غایت درجہ وسعت مطالعہ یہ سب ان کی وہ خوبیاں ہیں کہ ہر وہ شخص ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے جو ان کی شخصیت سے آگاہ ہے- ایک بڑی خانقاہ کا فرزند ہونے کے باوجود مزاج ہمیشہ تحقیقی و علمی ہی رہا- درس گاہ میں بیٹھ کر باضابطہ درس دینا، تحقیق، تصنیف، ترجمہ نگاری وغیرہ یہ سب ان کے محبوب مشاغل تھے، صالح فکر اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے- بے جا عصبیت اور اختلاف سے دور رہتے، جس کی شہادت خود اکابر نے دی ہے، چنانچہ شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی ''تذکرۂ نوری'' از مولانا غلام شبر قادری بدایونی پر کلمات تقریظ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اسے بنانے سنوارنے کا کام عزیز گرامی قدر مولانا اسیدالحق قادری کے اُن ہاتھوں سے ہوا ہے جو باتوں اور معاملات کو الجھاتے نہیں بلکہ پیچ در پیچ معاملات کو سلجھانا اپنی خاندانی ذمہ داری سمجھتے ہیں- وہ فتنوں اور فتنہ پروروں سے دور و نفور ہیں اور خالص علمی انداز تحقیق کے تحت کتب ہائے قدیمہ کو دل پذیر اور عقدہ کشا حواشی اور دیگر معلومات کے اضافوں کے ساتھ منظر عام پر لا رہے ہیں- ان کا انداز تحریر اور متن ایسا ہوتا ہے کہ ان کے لکھے سے کسی اپنے کو جراحت نہیں پہنچتی- میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ تحریری فتنوں کی سرکوبی میں اس نوجوان عالم دین اور معروف و قدیم خانقاہ کے فرد متین نے قلم کا ہتھیار بھی استعمال کیا ہے اور مومنانہ فراست کے پیش نظر خاموشی کا انداز بھی اختیار کیا ہے......ع

کچھ نہ کہنا بھی اک انداز بیاں ہوتا ہے

مرشدان مارہرہ کی دعائیں اور خود ان کے بزرگوں کی بڑائی ان کے ساتھ رہتی ہے جو انھیں بار بار ترغیب دیتی ہے کہ کھوئے ہوئے سروں کو تلاش کرو، ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑو، پرانے زخموں کی نمائش نہ کرو، ان پر صبر کا ٹھنڈا ٹھنڈا مرہم رکھ لو، تا کہ قافلۂ سواد اعظم کی دراڑیں ختم ہوں اور سواد اعظم کا ہر فرد یہ محسوس کرے کہ وہ آپس میں ایسے شیر و شکر ہیں کہ جیسے بدن کے مختلف اعضا آپس میں وابستہ ہوتے ہیں- تا کہ سواد اعظم کا روحانی، علمی اور سماجی سفر ایک نئی امنگ، نئی امید اور ایک نئی تیاری کے ساتھ ایسے راستے پر گامزن ہو جس کی منزل اہل سنت و جماعت کی عظمت رفتہ کی بازیابی ہو-'' (ص: ۱۵، ۱۶)

مولانا اسیدالحق قادری اس قد آور محقق کا نام ہے جس کی تحقیق کا دائرہ بہت وسیع تھا، احادیث کی اسانید کے ساتھ درایت احادیث کے میدان میں بھی ان کا قلم بڑا رواں دواں تھا، روایت و درایت دونوں زاویوں سے ان کی تحقیقات رسائل و مجلات کی زینت بن چکی ہیں اور مستقل کتابی شکل میں بھی قارئین سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں-

مولانا اسیدالحق قادری اس ''خامہ تلاش'' ناقد کا نام ہے جس کی تنقید اور خامہ تلاشی مختلف اصناف سخن کو محیط ہوتی اور ہر کوئی اس خامہ تلاش نقاد کی تحریر پڑھنے کے لیے بڑی شدت کے ساتھ ماہ نامہ ''جام نور'' کے اگلے شمارے کا منتظر رہتا اور رسالہ آنے کے بعد بڑے شوق سے پڑھتا اور محظوظ ہوتا-

مولانا موصوف کے اندر ایک بڑی خوبی یہ نظر آئی کہ وہ اپنے سینے میں بہت کشادہ دل رکھتے تھے، کسی نے کوئی علمی و تحقیقی کام کیا تو پوری وسعت ظرفی کے ساتھ اس کا اعتراف کرتے اور گراں قدر کلمات تحسین لکھ کر اسے روانہ بھی کر دیتے، خود میں نے جب ''التنبیہ المسدد علی ما فی التعلیق الممجد '' کا کام کیا جس میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی طرف سے مذہب حنفی پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات کتاب و سنت کی روشنی میں دیے اور کتاب منظر عام پر آنے کے بعد ان تک پہنچی تو برجستہ انھوں نے مجھے خط لکھا، جس میں تحریر کیا:

''آپ کی کتاب میں نے دیکھی اور اتنی پسند آئی کہ اول تا آخر اسے پڑھا، بڑی تحقیق کے ساتھ آپ نے سارے شبہات کے جوابات دیے ہیں، احناف پر جو ایک قرض تھا آپ نے اسے ادا کر دیا، پوری جماعت احناف کی طرف سے آپ لائق تحسین و تبریک ہیں-''

اس وقت تک میں نے صرف رسائل و مجلات میں انھیں پڑھا تھا باقی میری کوئی ان سے ہنوز ذاتی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی کوئی ایسا

تعارف تھا، جب کہ اس دور میں آدمی اس طرح کا خط اسی کو لکھتا ہے جس سے شناسائی ہوتی ہے اور اس سے دیرینہ تعلقات ہوتے ہیں- یہ ان کی کشادہ ظرفی کی بلاشبہ ایک بین دلیل ہے-

اسی طرح گو کہ تحقیق و تنقید میں ان کا ایک مقام تھا، مگر کبھی بھی وہ اپنی تحقیق کو حرف آخر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اپنے موقف پر نظر ثانی اور قبول حق کے لیے ہمیشہ تیار رہتے، حدیث افتراق امت کے موضوع پر اپنی تحقیق کو جب کتابی شکل دینی ہوئی تو مکمل وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریر کیا:

''مجھے نہ ہمہ دانی کا زعم ہے اور نہ ہی دعوئ عصمت، علوم اسلامیہ کا ایک معمولی طالب علم ہوں جس سے ہر قسم کی غلطی کا صدفی صد امکان ہے، لہٰذا اگر کوئی سنجیدہ اور علمی تنقید سامنے آتی ہے تو مجھے مقالے پر نظر ثانی کرنے اور غلطی واضح ہونے کی صورت میں اپنی خطا کے اعتراف اور قبول حق میں کوئی تامل نہیں ہوگا-'' (حدیث افتراق امت: ص: ۷، حرف آغاز)

حقیقت یہ ہے کہ مولانا اسید الحق قادری نے اپنی کم عمری میں وہ کام کیا جو بڑے بڑے اہل علم اپنی پیرانہ سالی میں بھی نہیں کر پاتے- ان کی تحقیق، تخریج، تعلیق وتحشیہ، تہذیب و تنقیح، اور ترجمہ نگاری کے ساتھ شائع ہونے والی کتابوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جب کہ تصانیف ان کے علاوہ ہیں اور تاج الفحول اکیڈمی کے تحت ان کی نگرانی میں جو کام ہو رہا تھا اور جدید و دل کش انداز میں ماضی کے بزرگوں کی کتابیں جو منظر عام پر آ رہی تھیں وہ بھی یقیناً آپ کا بڑا کارنامہ تھا-

مارہرہ مطہرہ میں عرس قاسمی برکاتی کی مناسبت سے ''فکر و تدبیر کانفرنس'' میں ان کی گفتگو بڑی نپی تلی ہوتی تھی- سارے شرکا گوش بر آواز ہوتے اور شرکائے کانفرنس میں ان کی اپنی ایک شناخت ہوتی- چہرے کا حسن و جمال، سنجیدہ لب و لہجہ، صالح فکر، متوازن گفتگو، معلومات افزا بیان، بزرگوں کا پاس و ادب، اقران و معاصر کا احترام، تواضع و انکساری یہ سب ان کے نمایاں اوصاف تھے-

دو مرتبہ ان کی دعوت پر بدایوں شریف حاضری کا موقع ملا- ماشاء اللہ وہ اعزاز و اکرام جس کی یادیں آج بھی دل میں تازہ بنی ہوئی ہیں، عرس قادری میں زائرین کا اژدہام، تقریبات عرس کا نظم و ضبط اور نمازوں کا اہتمام یقیناً قابل دید تھا، صبح فجر کی نماز میں تاحد نظر مصلیوں کی صف ہی صف نظر آ رہی تھی، صبح صادق طلوع ہوتے ہی ہر طرف سے نماز کا اعلان ہو رہا تھا-

یوں تو ہر دن دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ آتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں جاتے ہیں، مگر ان کے آنے سے نہ دنیا کو خوشی ہوتی ہے نہ جانے سے کوئی غم ہوتا ہے- لیکن کچھ بندگان خدا وہ ہوتے ہیں جن کا آنا باعث مسرت ہوتا ہے اور دنیا سے جانا رنج و الم کا سبب ہوتا ہے اور ان کی رحلت سے بے شمار آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، دل رنجیدہ ہو جاتے ہیں، مولانا اسید الحق قادری بھی انھی بندوں میں سے ایک تھے جن کی رحلت بے شمار دلوں پر غموں کا پہاڑ ثابت ہوئی، قلب و جگر مجروح ہوئے، آنکھیں اشکبار ہوئیں اور جماعت اہل سنت میں ایک عظیم خلا پیدا ہوا اور ایک کہرام برپا ہو گیا، بدایوں کی گلیوں میں سناٹا چھا گیا، بازاروں کی رونق ختم ہو گئی-

دعا ہے اللہ رب العزت ان کی قبر پر رحمت و غفران کی بارش نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور دینی خدمات قبول فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے اور قوم کو نعم البدل عطا فرمائے- آمین ☐☐☐

☆استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

امام اہل سنت، محقق علی الاطلاق، محدث کبیر، عاشق رسول

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

کی حیات و خدمات پر ماہنامہ ''جام نور'' دہلی کا ایک ضخیم، علمی و تحقیقی ''شیخ محدث نمبر'' جلد ہی منظر عام پر آ رہا ہے-

A/c No:10177246529, A/c Name: Khushtar Noorani

State Bank Of India,Branch:Zakir Nagar, New Delhi

مولانا نفیس احمد مصباحی☆

ایک انساں میں ہزاروں اہل ہمت کا ثبات

مجھے علامہ اسید الحق کے عہد طالب علمی میں یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ اپنے آبا و اجداد کی جانشینی کا حق ادا کریں گے

ممتاز ناقد و محقق، عالم ربانی حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری عثمانی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، جنھیں ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہتے ہوئے کلیجا منہ کو آیا چاہتا ہے- دیارِ غوث اعظم میں شہادت کی موت پا کر لازوال سعادتوں اور خوش بختیوں سے ہم کنار ہو گئے، ان کی موت کے سانحے نے پوری جماعت اہل سنت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا-

مولانا مفتی محمد اسرائیل مصباحی خیر آبادی، استاد جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف نے ۴؍ مارچ کو بعد مغرب فون پر اطلاع دی کہ حضرت مولانا سید محمد انور میاں مودودی چشتی اور حضرت مولانا مفتی محمد انفاس الحسن چشتی کے ذریعے ابھی معلوم ہوا کہ مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی ازہری بغداد شریف سے کچھ دور ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے، میں نے یہ جاں کاہ خبر سننے کے بعد ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' تو ضرور پڑھ لیا، مگر اپنے کانوں پر اعتبار نہیں ہو رہا تھا، کبھی محسوس ہوتا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں، کبھی دل کو اس طرح تسلی دیتا کہ بہت سی خبریں غلط اور خلاف واقع ہوتی ہیں، خدا کرے یہ خبر بھی ایسی ہی ہو- لیکن خبر کا ذریعہ ان کے ماموں جان حضرت مولانا سید انور میاں چشتی، پھپھوند شریف کی ذات تھی، اس لیے پہلی فرصت ہی میں میں نے حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی کو فون کیا، انھوں نے روتے ہوئے گلوگیر لہجے میں خبر کی تصدیق کی اور فرمایا کہ خبر بالکل صحیح ہے- خبر کی تصدیق کے بعد ذہن و دماغ ایسے متاثر ہوئے کہ ان سے آگے کی کوئی تفصیل معلوم کرنے کی پوزیشن میں نہ رہا-

پہلی فرصت میں استاذ گرامی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی، دار القلم دہلی اور اپنے اسٹاف کے بہت سے علمائے کرام اور دیگر اہل تعلق کو جلدی جلدی فون سے یہ الم ناک خبر سنائی، تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر وحشت اثر جنگل کی آگ کی طرح موبائل اور انٹرنیٹ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیل گئی-

جامعہ اشرفیہ میں کیا طلبہ، کیا اساتذہ، سبھی کے چہروں پر غم، افسوس اور اداسی کے آثار صاف نمایاں تھے، ہر طرف ایک ہُو کا عالم تھا، ہر زبان پر مولانا اسید الحق کا ذکر اور چرچا تھا- نماز عشا کے فوراً بعد تعزیت اور ایصال ثواب کی تقریب ہوئی، جس میں کثیر تعداد میں طلبہ اور اساتذہ نے شرکت کی، قرآن خوانی کے بعد حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی استاد جامعہ اشرفیہ نے مختصر تعزیتی خطاب کیا، جس میں خانوادۂ قادریہ عثمانیہ بدایوں شریف کے اکابر کی دینی و علمی خدمات اور علامہ اسید الحق شہید علیہ الرحمہ کے گوناگوں اوصاف و محاسن اور علمی و دینی کارناموں پر روشنی ڈالی، پھر صلاۃ و سلام، ایصال ثواب اور دعا پر اس تعزیتی جلسے کا اختتام ہو گیا اور شاید علامہ اسید الحق کے سانحہ ارتحال پر ہونے والا یہ سب سے پہلا تعزیتی جلسہ ہو-

حقیقت یہ ہے کہ بظاہر جامعہ اشرفیہ سے مولانا اسید الحق قادری کا کوئی رشتہ نہ تھا، نہ وہ کبھی یہاں کے طالب علم رہے، نہ استاد، نہ یہاں کے کسی استاد یا ذمہ دار سے ان کا کوئی نسبی رشتہ تھا، مگر جامعہ کے در و بام اور مسجد کے محراب و منبر پر ایک اداسی چھائی ہوئی تھی، گویا وہ سب خانوادۂ عثمانیہ بدایوں شریف کے غم میں برابر کے شریک، زبانِ حال سے مرثیہ خواں اور بتلائے آہ و فغاں ہیں اور حال کچھ یوں تھا:

حتی المحارب تبکی وھی جامدۃ
حتی المنابر ترثی وھی عیدان

(محرابیں گریہ کناں ہیں، حالاں کہ وہ جمادات سے ہیں اور منبر مرثیہ خواں ہیں جب کہ وہ خشک لکڑیوں کے بنے ہوئے ہیں)

پتا چلا کہ جامعہ اشرفیہ اور اس کے متعلقین سے مولانا موصوف

کے اگر چہ یہ ظاہری رشتے نہ تھے، مگر ایک ایسا رشتہ ضرور تھا جو ان سارے رشتوں سے زیادہ گہرا، مضبوط اور مستحکم تھا، وہ رشتہ تھا دینی، ایمانی، مسلکی، روحانی اور پُر خلوص محبت کا-

اس رات صحیح طریقے پر مجھے نیند نہ آئی، رہ رہ کے وہ یاد آتے اور میں ایک لٹے پٹے بے سہارا اور مجبور مسافر کی طرح ان کی یادوں کی بھیڑ میں کھو جاتا- ان کا ہنستا، کھلکھلاتا ہوا پرکشش چہرہ، علمی ایقان اور روحانی عرفان سے لبریز سنجیدہ اور مدلل گفتگو کا طریقہ، موثر اندازِ تخاطب، مقصدیت سے پُر عالمانہ بات چیت اور صدیوں کے کامیاب خاندانی پس منظر کی پشت پناہی کے باوجود بے تکلف اور بے ساختہ تواضع اور انکسار، سب کچھ نگاہوں کے سامنے پھرتا رہا اور بار بار یہ شعر یاد آتا رہا:

ایک سینے میں ہزاروں ولولوں کی کائنات
ایک انساں میں ہزاروں اہل ہمت کا ثبات

ان کی یادوں کے ہجوم میں میں ماضی کی طرف پلٹا تو حافظے نے یاوری کرتے ہوئے یاد دلایا کہ ان سے سب سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی علیہ الرحمہ سے دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور (ضلع فیض آباد یوپی) میں پڑھتے تھے اور میں دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، (ضلع بستی یوپی) میں خدمت تدریس پر مامور تھا- اتفاقاً ایک سال پہلے ہی دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں جزوی ترمیم ہوئی تھی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ کے لکھے ہوئے دو تاریخی عربی قصائد ''مدائح فضل الرسول'' اور ''حمائد فضل الرسول'' درجۂ خامسہ میں شامل نصاب ہوئے تھے، یہ دونوں قصیدے المجمع الاسلامی، مبارک پور کے زیر اہتمام ''قصیدتان رائعتان'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں- یہ قصیدے، جیسا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہے، سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول بدایونی اور ساتھ ہی ان کے فرزند ارجمند تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہما الرحمہ اور ان کے اہل خاندان کی شان میں لکھے گئے ہیں- ان کی تدریس کی ذمہ داری بھی میرے ناتواں کاندھوں پر تھی، ان کے حل کے لیے نہ کسی زبان میں کوئی شرح تھی اور نہ کوئی معاون کتاب، بہت سے اشعار میں باریک اشارے، لطیف کنایے اور تلمیحات تھیں-

کچھ باذوق طلبہ کے اصرار پر میں نے پڑھانے کے ساتھ ساتھ ترجمہ اور مختصر تشریح وتوضیح کا کام بھی شروع کر دیا تھا، لیکن خانوادۂ عثمانیہ بدایوں شریف کے اکابر ومشائخ کے احوال وآثار سے کما حقہ واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ مجھے اس کتاب کا درس ایک دو دن کے لیے روکنا پڑا، جب دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور میں مولانا اسید الحق قادری صاحب سے ملاقات ہوئی اور تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ آپ امام احمد رضا قادری بریلوی کے ممدوحین گرامی کے خانوادے کے چشم وچراغ ہیں تو میں نے ان سے گزارش کی کہ مجھے ''اکمل التاریخ'' کی ضرورت ہے جو آپ کے خانوادے کے اکابر و متعلقین کے احوال و آثار کی تاریخ ہے، اور اِدھر کہیں دستیاب نہیں ہے، لہٰذا آپ برائے مہربانی کسی بھی طرح اس کی فوٹو کاپی عنایت فرمائیں- مولانا موصوف نے نہ صرف پوری کشادہ ظرفی کے ساتھ اس کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا، بلکہ اپنی قدیم خاندانی لائبریری ''کتب خانہ قادریہ'' سے اس کی فوٹو کاپی کرا کے بہت جلد مجھے بھیج دی اور ساتھ ہی متعلقہ معلومات پر مشتمل ایک شاندار خط بھی ارسال فرمایا جس میں ''قصیدتان رائعتان'' کے تعلق سے بہت سے اہم ادبی اور تاریخی گوشوں پر روشنی ڈالی تھی- مناسب معلوم ہوتا کہ خط کا متن بھی قارئین کرام کی بارگاہ میں پیش کردوں تا کہ علامہ موصوف کی فطری صلاحیت، حیرت انگیز ذہانت اور ماضی الضمیر کی ادائیگی پر بھرپور قدرت کا کچھ اندازہ ہو سکے، خط کا متن یہ ہے:

مکرمی ومحترمی ....سلام مسنون

الحمد للّٰہ علی کل حال

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا!

حسب وعدہ ''اکمل التاریخ'' حاضر خدمت ہے- ان قصائد کے متعلق چند اہم امور بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) یہ دونوں قصیدے ۱۳۰۰ھ میں تصنیف کیے گئے، جیسا کہ ان کے تاریخی ناموں سے ظاہر ہے-

(۲) ان میں سے آخر والا یعنی دالیہ ممدوح کے عرس منعقدہ ۱۳۰۰ھ میں خود فاضل مصنف نے عرس کی ایک محفل میں پڑھا- اس قصیدے کے آخر میں اس عرس کی تاریخ بھی بطور تلمیح ہے:

یا فضل عرس اما جد-

(۳) پہلے قصیدے یعنی نونیہ کا اصل نام مدائح فضل الرسول

ہے اور دوسرے کا اصل نام ''حمائد فضل الرسول'' ہے-

(الف) حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری نے فاضل بریلوی کی تصانیف کی ایک فہرست " المجمل المعدّد لتالیفات المجدّد " کے نام سے مرتب کی تھی، اس میں ان دونوں قصائد کے نام ہیں- حمائد کے آگے مطبوعہ اور مدائح کے آگے مبیضہ تحریر ہے-

(ب) عرس یعنی ۱۳۰۰ھ میں پڑھا جانے والا سارا کلام ''ماہ تابان اوج معرفت'' (۱۳۰۰ھ) کے نام سے شائع کر دیا گیا تھا- (اس کے بعض صفحات کا عکس بھی حاضر خدمت ہے) اس میں قصیدۂ دالیہ بھی مطبوع ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ حمائد فضل الرسول یہی دالیہ ہوا اور مدائح (جو غیر مطبوعہ تھا) نونیہ ہوا-

(۴) بہتر یہ ہے کہ اس بار یہ قصائد اپنے اصل نام سے شائع ہوں- سرورق پر یوں لکھا جائے:

قصیدتان رائعتان یعنی مدائح فضل الرسول وحمائد فضل الرسول-

(۵) قصیدۂ اولیٰ میں دعا کے بعد حضرت ممدوح کے صاحب زادہ وجانشین حضرت تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہ (والد گرامی کے حقیقی دادا) کی مدح کی طرف سے اس شعر سے گریز کیا گیا ہے:

تم الدعا فارجع غنیا غانمًا
واقصد سمیَّ السید البغدانی

حاشیہ میں حضرت تاج الفحول کی بھی سوانح آنا ضروری ہے جو اکمل التاریخ میں موجود ہے- مزید دیکھیں فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص: ۳۶۶، ۳۶۷، اور جلد دو از دہم ص: ۱۳۰، ۱۳۱ (رضا اکیڈمی) اور المعتمد والمستند ص: ۱۲۱ (ترکی)

(۶) حضرت تاج الفحول کی شان میں حضرت فاضل بریلوی نے ایک مستقل قصیدہ اردو میں ''چراغ انس'' (۱۳۱۵ھ) کے نام سے لکھا ہے ان شاء اللہ اس کو بھی ارسال کروں گا-

(۷) قصیدہ اولیٰ کے اخیر میں ایک مصرعہ "ومحبہ ومطیعہ بحنان" بھی ہے- اس میں لفظ محبّ سے کنایہ حضرت تاج الفحول کی طرف ہے (ان کا نام محبّ رسول تھا کما مر) اور لفظ مطیع سے کنایہ حضرت تاج الفحول کے صاحب زادہ قدوۃ السالکین حضرت مولانا عبدالمقتدر مطیع الرسول (میرے دادا کے بڑے بھائی) کی جانب ہے-

اس کے علاوہ بھی اگر کسی شعر میں شبہ ہو تو مطلع فرمائیں-

خط کے جواب اور کتاب کی وصول یابی سے ضرور مطلع فرمائیں-

شکریہ

فقط

بدنام کنندۂ نکونامے چند

اسید الحق

احقر طلبہ مدرسہ عالیہ قادریہ

۱۴/اکتوبر ۱۹۹۷ء

پس نوشت: قصیدہ ثانیہ میں ایک شعر ہے:

"اُنظُرْ بَوارِقَہ إذَا بَرقَتْ بِعلیا فَرْقَدِ"

اس میں حضرت ممدوح کی ایک کتاب "بوارق محمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ" کی طرف اشارہ ہے- قصیدۂ اولیٰ میں بھی ایک جگہ ''بوارق'' کا لفظ آیا ہے، وہاں بھی یہی معاملہ ہے-

"فَضْلُ الرسولِ مُوبَّدْ" (۱۲۸۹ھ) اس مصرعہ سے حضرت ممدوح کی تاریخ وصال برآمد ہوتی ہے-

اسید الحق

اس خط کو میں نے کئی بار پڑھا، ہر مرتبہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کے لیے دعائیں نکلیں اور میں نے محسوس کیا کہ موصوف، حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے قول:

''بالاے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ سربلندی''

کے سچے مصداق ہیں اور ان شاء اللہ یہ مستقبل قریب میں اپنے خانوادے کی مزید نیک نامی کا ذریعہ بنیں گے اور اپنے آبا واجداد کی جانشینی کا حق ادا کریں گے-

۱۰/جنوری ۱۹۹۸ء کو میں شعبۂ عالیہ کے استاد کی حیثیت سے

جامعہ اشرفیہ مبارک پور آگیا، اسی سال اکتوبر کے آخری عشرے میں تاج الفحول اکیڈمی، خانقاہ قادریہ، بدایوں شریف کے زیر اہتمام ''جشن صد سالہ تاج الفحول'' کا انعقاد ہوا- مقالہ نویسی اور سیمینار میں شرکت کے لیے مجھے بھی دعوت نامہ ملا، ایک مختصر سا مقالہ بہ عنوان: ''حضرت تاج الفحول، ارباب علم ودانش کی نظر میں'' لکھ کر میں بھی سیمینار اور دیگر تقریبات جشن میں شریک ہوا، مولانا موصوف نے دیگر علماے کرام کے ساتھ میرا بھی بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا، نہایت خوش اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا اور توقع سے کہیں زیادہ خاطر تواضع کی- اس جشن صد سالہ کے اجلاس عام میں آپ کو نقیب الاشراف فضیلۃ الشیخ احمد ظفر گیلانی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ، بغداد شریف اور دیگر علما و مشائخ کے ہاتھوں دستار فضیلت سے بھی نوازا گیا- اس موقع پر آپ کے ماموں جان حضرت سید محمد منظر چشتی نے اپنی لکھی ہوئی ایک تہنیتی نظم بھی پڑھی تھی، جس کے کچھ اشعار اس طرح تھے:

خدا کے فضل کا سر پر تمھیں سہرا مبارک ہو
نبی کے علم سے پایا ہے جو حصہ مبارک ہو
شہِ بغداد کے الطاف کا سایہ مبارک ہو
کرم بھی ہند کے سلطان کا بھیّا مبارک ہو
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

شہِ برکات کی برکاتِ بے حد تم نے پائی ہیں
ہوائیں روح کی تسکین کا سامان لائی ہیں
برسنے کو گھٹائیں رحمتوں کی آج آئی ہیں
تمھیں سالم میاں عالم ہوا بیٹا مبارک ہو
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

ضیاے علم سے تابندگی ہے اِس گھرانے میں
تمہارے علم کی بھی ہوگی شہرت اب زمانے میں
میں کہنا چاہتا ہوں تم سے یہ اپنے فسانے میں
نیابت اعلیٰ حضرت کی تمھیں پانا مبارک ہو
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

ضیاے علم سے روشن تمھیں دنیا ہے فرمانی
مدد فرمائیں گے ہر جا تمہاری غوث صمدانی
یہ عبد المقتدر سرکار کی ہے نور افشانی
یہ سہرا علم کا اے قادری دولھا مبارک ہو
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

یہ سچا قول ہے تاریخ دہراتی ہے اپنے کو
بہت بے چین ہے بادِ صبا یہ بات کہنے کو
کہ تم نے کر دیا پورا میاں سالم کے سپنے کو
تمھیں گزری ہوئی تاریخ دہرانا مبارک ہو
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو،

اس کے بعد مولانا موصوف نے اعلیٰ تعلیم کے لیے عالمِ اسلام کی سب سے عظیم اور قدیم یونیورسٹی جامعۃ الازہر الشریف، قاہرہ، مصر میں داخلہ لیا اور کئی سال وہاں رہ کر تفسیر وعلوم قرآن کی تعلیم حاصل کی اور اس میں تخصص کیا-

پھر جب وہ جامعہ ازہر سے علم وتحقیق کے اسلحوں سے مسلح ہو کر تحریر وتنقید اور بحث وتحقیق کی رزم گاہ میں اترے تو ماہ نامہ ''جام نور'' دہلی کے پلیٹ فارم سے حیرت انگیز برق رفتاری کے ساتھ اپنی مقبولیت کا سفر شروع کیا، ان کی تحریریں زبان و بیان، تحقیق وتفحص، اعتدال و توازن ہر زاویے سے اہل علم اور ارباب ذوق کے لیے جاذبیت کا باعث بنیں، ان کے چند وقیع مضامین اور پُرکشش مقالوں کے پڑھنے کے بعد میں بھی ان کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا-

''خامہ تلاشی'' جامِ نور کا ایک بڑا اہم اور مفید کالم تھا جو ''ابوالفیض معینی'' کے نام سے لکھا جاتا تھا، جامِ نور میں اس کالم کا آغاز اپریل ۲۰۰۵ء سے ہوا اور دسمبر ۲۰۰۶ء تقریباً پونے دو سال تک یہ سلسلۂ خیر و برکت چلا- جامِ نور اپریل ۲۰۰۶ء کے ''تحریری مباحثہ'' کے کالم میں ایک بار میں نے بھی قلمی شرکت کی تھی جس کا عنوان تھا: ''کیا مدارس میں عربی کی تدریس اصلاح کا تقاضا کرتی ہے؟'' یوں تو جامِ نور ملنے کے بعد اداریہ اور خامہ تلاشی کے کالم سب سے پہلے پڑھا کرتا تھا، مگر اس بار اشتیاق کچھ زیادہ ہی تھا کہ دیکھیں ابوالفیض معینی صاحب کے خامۂ زرنگار اور تیشۂ تنقید نے میرا کیا حشر کیا ہے؟ مگر جب اس کالم کو پڑھنا شروع کیا تو ابوالفیض معینی کی گوناگوں صلاحیتوں کے ساتھ ان کے فکری اعتدال وتوازن، انصاف پسندی اور حوصلہ افزائی کا قائل ہو گیا، انھوں نے لکھا تھا:

''اس مرتبہ ''تحریری مباحثہ'' کا عنوان ہے: ''کیا مدارس میں عربی کی تدریس اصلاح کا تقاضا کرتی ہے؟'' اس میں مولانا .... بغدادی، مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا ذکی اللہ مصباحی نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے- مولانا .... صاحب کے نام کے ساتھ ''بغدادی'' کی نسبت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غالباً عراق کے کسی جامعہ سے فارغ ہیں اور شاید ابھی ''تازہ واردِ بساطِ عشق'' ہیں، ان کے قلم کی کاٹ، غضب ناک لہجہ اور خطرناک تیور اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ وہ عربی زبان و ادب کی تعلیم میں ہندوستان کے مدارسِ اسلامیہ کو بھی بغداد و سامرہ کے عربی جامعات کے ہم پلہ دیکھنا چاہتے ہیں، البتہ مولانا نفیس احمد مصباحی صاحب کی تحریر میں اعتدال وتوازن کا عنصر غالب ہے، مولانا نے تمہید میں مدارسِ اسلامیہ کے موجودہ نصاب کی غرض و غایت کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے، اور آخر میں تحریر بھی قابل مطالعہ ہے-'' (خامہ تلاشی، ص: ۸۸، ادارہ فکر اسلامی دہلی، دسمبر ۲۰۰۹ء)

حیدرآباد، دکن کا پتا دیکھ کر کافی دنوں تک میں اور میرے احباب یہی سمجھتے رہے کہ ابوالفیض معینی صاحب، حیدرآباد، دکن کی کوئی ہمہ جہت اور ہر فن مولا شخصیت ہیں- لیکن دل کو اس پر مکمل اطمینان نہیں ہوتا تھا کیوں کہ اسلوبِ تحریر، پیرایۂ ادا اور زبان و بیان کا رنگ و آہنگ پکار پکار کے یہ کہتا تھا کہ ''خامہ تلاش'' کا تعلق جنوبی ہند سے نہیں ہے بلکہ وہ صوبۂ اتر پردیش ہی کا کوئی ماہر، تجربہ کار، ہمہ جہت صلاحیتوں کا مالک دیدہ ور ناقد اور محقق قلم کار ہے- پھر ''خامہ تلاشی'' کا کالم بند ہونے کے چھ مہینے کے بعد جامِ نور کے جولائی ۲۰۰۷ء کے شمارے میں ''مدیر جامِ نور کی ابوالفیض معینی سے ملاقات'' کے عنوان سے ان کا انٹرویو شائع ہوا جس سے سب پر ظاہر ہو گیا کہ ابوالفیض معینی کوئی اور نہیں، جامِ نور کے مشہور قلم کار، خانوادۂ عثمانیہ بدایوں کے چشم و چراغ، فاضل جامعہ ازہر، مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری ہی ہیں-

میں کیا؟ اور میری حقیقت کیا؟ سچی بات تو یہ ہے کہ بڑے بڑے دیدہ ور علما، محققین، ادبا اور زبان و ادب کے نکتہ رس حضرات بھی ابو الفیض معینی کی صورت میں مولانا اسید الحق بدایونی شہید سے متاثر ہوئے، اپنی بات کی تصدیق کے لیے میں یہاں دو چوٹی کے دیدہ ور ناقد و محقق قلم کاروں کے تاثرات پیش کرتا ہوں:

صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور فرماتے ہیں:

''مولا تعالیٰ ان (ابوالفیض معینی) کے درجات بلند فرمائے اور ہم میں ان کے امثال زیادہ فرمائے...... میں معینی صاحب کی علمی وسعت نظر اور گوناگوں صلاحیتوں کا عام قارئین سے کچھ زیادہ ہی معترف ہوں، اور ان کی اس خوبی کو بھی بنظر استحسان دیکھتا ہوں کہ نوجوان اہلِ قلم کی ہمت افزائی اور رہنمائی کے لیے ان کی تحریروں کو خاص توجہ دے کر اپنی مدح وتنقید کا نشانہ بناتے ہیں، بلکہ تنقید کم، تعریف، اصلاح اور حوصلہ افزائی زیادہ ہوتی ہے، تاکہ اس زمانۂ قحط الرجال میں جو چند افراد قرطاس وقلم سے وابستہ ہوئے ہیں، آئندہ بھی وابستہ رہیں، ساتھ ہی ان کی تحریروں میں پختگی اور جلا بھی پیدا ہوا-''

(مکتوب بنام مولانا خوشتر نورانی مدیر جامِ نور، مورخہ ۲۵ر شعبان ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۹ر اگست ۲۰۰۶ء)

شرفِ ملت حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی (خانقاہ برکاتیہ، بڑی سرکار، مارہرہ مطہرہ) فرماتے ہیں:

''آزادی کے بعد کے دور میں مذہبی صفحات میں تنقید و تبصرے کی روایت تو یقیناً ملتی ہے، لیکن جامِ نور کے صفحات میں مستقل کالم کے طور پر عزیز گرامی قدر مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کی ''خامہ تلاشی'' نے قارئین کے دل میں جیسی جگہ بنائی، اس کی مثال عنقا ہے- ''تجلی'' کے کالم ''مسجد سے مے خانے تک'' کا موازنہ بے سود ہے کہ اس کالم میں قاری کے لیے دلچسپی کا سبب وہ عناصر تھے جنھیں سنجیدہ اور متین ادب میں

احسن نہیں تصور کیا جاتا، مثلاً شخصی حملے، ذاتی عناد، برہمی اور پھکڑ پن-

''خامہ تلاشی'' کے قبول عام میں جن عناصر نے حصہ لیا وہ ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں ہیں- گہرا علم، وسیع معلومات، سخن فہمی، عمدہ نثر کا استعمال، صحت زبان، منطقی طریقۂ کار، طنز کا شائستہ انداز، ظریفانہ ذوق، بے باکی (گستاخی نہیں) احساس توازن، پاس اعتدال، ''خیال خاطر احباب'' اور.....ظرف نگاہ- یہ آخری بات کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے، سنجیدہ متین اور علمی تحریر کے اُفق پر ظرافت کی روپہلی چمک نے ان کالموں کو یادگار بنا دیا ہے-

مندرجہ بالا عناصر کہیں یکجا ہو بھی جائیں تب بھی بات نہیں بنتی جب تک سینے میں آگ نہ روشن ہو- جذبے کی یہی گرمی تو ایسے جاندار اور معنی خیز الفاظ بنتی ہے جو ہمیں اس تحریر میں نظر آتے ہیں جو سید شمیم گوہر کے تبصرے پر راجہ رشید محمود کی برہمی کے جواب کے طور پر معرضِ وجود میں آئی-

مدیر جامِ نور مولانا خوشتر نورانی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کے پیہم اصرار پر فاضل مصنف نے یہ کالم سپرد قلم کیے جواب ہماری مذہبی صحافتی تاریخ کا خوبصورت اور بامعنی حصہ ہیں-

ان دلکش تحریروں کے مصنف خانقاہ قادریہ، بدایوں شریف کے فرزند جلیل مولانا اسید الحق قادری کے لیے بے شمار دعائیں کہ ابھی انھیں بہت سے چراغ روشن کرنا ہیں-''

(پشت کتاب: ''خامہ تلاشی'' ادارہ فکر اسلامی، دہلی، ۲۰۰۹ء)

فون پر کبھی کبھار ان سے تبادلۂ خیال بھی ہوتا تھا- ۲۰۰۹ء کے اواخر میں ایک دن فون پر گفتگو کے دوران انھوں نے بتایا کہ ''مارچ ۲۰۱۰ء میں والد گرامی حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ، بدایوں شریف) کے عہد سجادگی کو پچاس سال مکمل ہونے جا رہے ہیں، اس دوران حضرت کی گوناگوں زرّیں خدمات کے تسلسل کو دیکھتے ہوئے بعض وابستگانِ سلسلہ قادریہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس موقع پر نہایت تزک و احتشام سے ''پچاس سالہ جشن سجادگی'' منایا جائے، اور اس زریں موقع پر اکابر خانقاہِ قادریہ اور علماے مدرسہ قادریہ کی پچاس کتابیں جدید آب و تاب اور موجودہ تحقیقی و اشاعتی معیار کے مطابق شائع کی جائیں، تاکہ یہ پچاس سالہ جشن یادگار بن جائے اور خانقاہ قادریہ کی اشاعتی خدمات کی تاریخ میں یہ جشن ایک سنگ میل ثابت ہو- اللہ کا شکر ہے کہ یہ اشاعتی منصوبہ منظور ہو گیا ہے، اور اس وقت اسی کی تکمیل کے لیے شب و روز ایک کرنے پڑ رہے ہیں-''

یہ سننے کے بعد میں نے حوصلہ افزائی کے لیے کچھ تعریفی کلمات کہے، اور پیشگی مبارک باد دی اور دل ان کی فکری عظمت، مومنانہ فراست اور قائدانہ بصیرت کا پہلے سے کہیں زیادہ معترف ہو گیا، اور پھر دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ اس دھن کے پکے مردِ مجاہد نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ صرف منصوبہ ہی نہ رہا بلکہ وہ عملی شکل میں دنیا کے سامنے آ گیا، اور ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰ء میں پچاس کتابوں کی اشاعت کا مقررہ ہدف تکمیل آشنا ہو گیا- پھر تین سال بعد ۱۴۳۴ھ / ۲۰۱۳ء میں حضرت علامہ شاہ مطیع الرسول محمد عبد المقتدر قادری بدایونی علیہ الرحمہ کے وصال کے سو سال مکمل ہونے پر ان کے صد سالہ عرس کے موقع پر تاج الفحول اکیڈمی کے اشاعتی سفر کی سو منزلیں پوری ہو گئیں اور اکیڈمی سے شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی-

یوں تو مولانا موصوف کی ساری تحریریں دل کش، معیاری اور متاثر کن ہیں لیکن درج ذیل کتابوں نے مجھے کچھ زیادہ ہی متاثر کیا:

☆ خیر آبادیات، ☆ عربی محاورات، ☆ قرآنِ کریم کی سائنسی تفسیر، ☆ خامۂ تلاشی، ☆ مقدمہ ''قصیدتان رائعتان-''

میں نے خاص طور پر موصوف کی شخصیت میں جو متاثر کن امتیازی اوصاف دیکھے وہ کچھ اس طرح ہیں:

(۱) حقائق کی تلاش و جستجو اور تحقیق و تفتیش کے بعد بات کہنے کی عادت-

(۲) مافی الضمیر کی آسان عصری اسلوب میں تعبیر و ترسیل-

(۳) دل کش پیرایے اور پُر اعتماد لہجے میں اپنی رائے کا اظہار-

(۴) جدید نافع کے ساتھ قدیم صالح کے دامن سے مضبوط وابستگی-

(۵) تحریر و تقریر دونوں میں اعتدال، توازن، اور انصاف پسندی-

(۶) غیروں کے ساتھ اپنوں کی اصلاح کی بھی مخلصانہ جدوجہد-

(۷) علم و عقل اور معرفت و بصیرت کی خوش گوار جامعیت-

(۸) ہر لحہ احساسِ توازن، پاسِ اعتدال اور خیالِ خاطر احباب-

(۹) اصاغر کی حوصلہ افزائی، اکابر کا احترام اور احباب کی دلجوئی اور اکرام-

(۱۰) اپنے خانوادے کی دیرینہ روایت کے مطابق شہنشاہ بغداد سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے والہانہ عقیدت اور ان کی اولاد اور جانشینوں سے مسلسل رابطہ-

اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں انھیں اس والہانہ تعلق اور حسن عقیدت کا یہ صلہ عطا فرمایا کہ دیارِ غوث اعظم میں نعمت شہادت سے سرفراز فرما کر ہمیشہ کے لیے سرکار غوث اعظم کے قدموں میں جگہ عنایت فرما دی- موصوف کی یہ سعادت ایسی قابلِ رشک ہے کہ اس پر ہزاروں سعادتیں قربان ہیں-

یہ شہادت ان کے لیے ضرور باعث صد سعادت ہے، لیکن اس سانحے نے پوری جماعت اہل سنت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، خاص طور سے جوان اور نوجوان علما اور قلم کاروں کو جن کے لیے آپ کی ذات ایک آئیڈیل اور نمونۂ عمل تھی، ان کی رحلت سے ایک آباد انجمن ویران ہو گئی- بقول حماسی شاعر ہشام بن عقبہ عدوی:

نَعَوْا بَاسِقَ الأفعالِ لَایَخلُفُونَهُ
تَکَادُ الجِبالُ الصُّمُّ منه تَصَدَّعُ
خَوَی المسجدُ المعمورُ بعدَ ابنِ دَلْهَمٍ
وَأمسیٰ بأوفی قومُه قد تَضَعْضَعُوْا

(آنے والوں نے ایسے بلند کارناموں کے حامل نوجوان کے موت کی خبر سنائی جس کے وہ نائب و جانشین نہیں ہو سکتے، قریب ہے کہ اس کی وجہ سے سخت اور مضبوط پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں-

اوفی ابن دلہم کے بعد آباد مسجد ویران ہو گئی اور اس سانحے سے اس کی قوم میں بھونچال آ گیا-)

اس کا سانحۂ ارتحال بلاشبہ ''موت العالِم موت العالَم'' کا مصداق ہے اور بقول حماسی شاعر عبدہ بن الطبیب:

فما کانَ قَیسٌ هُلْکُه هُلْكَ وَاحد
ولکنّه بُنیانُ قومٍ تَهَدّما

(قیس بن عاصم کی موت فردِ واحد کی موت نہیں، بلکہ وہ قوم کی عمارت تھے جو ڈھ گئی-).

آخر میں ڈاکٹر شکیل اعظمی صاحب کے وہ اشعار ان کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں جو انھوں نے شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی شان میں کہے تھے:

تیرے علمی کارنامے بخشیں گے تجھ کو دوام
آبِ زرّیں سے لکھے گا کل مورخ تیرا نام
تو نے نسل نو کو بخشا ہے شعور علم و فن
ہے تری ذاتِ گرامی لائق صد احترام

☐☐☐

☆ استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

بقیہ: حیات قابل تبریک اور ممات قابل صد رشک: اور پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ محبوب مکرم بھی ایسے ہیں، جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ الطاف و کرم اور بے پایاں نوازشات و عنایات سے مقام ولایت کے اوج ثریا پر فائز ہیں- دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے شہید بغداد پر تاجدار مدینہ کے فیوض و برکات کی بارشیں ہر لمحہ ہو رہی ہیں- کیا قسمت پائی ہے، ہم تو روضہ انور کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس رہے ہیں اور وہ ہیں کہ جلوۂ انور کی تابانیوں سے نگاہیں ہٹتی ہی نہیں کہ دوبارہ دیکھنے کی نوبت آئے اور میرا وجدان تو پکار رہا ہے کہ اب وہ وہاں ہیں، جہاں سے شہر مدینہ کا فاصلہ بھی گھٹ کر چند گز رہ گیا ہے- پلک جھپکتے کبھی ریاض الجنہ کی سرسبز و شاداب وادی میں اور کبھی اپنے مستقر اصلی میں......نہیں، بلکہ یوں رخ گھمایا اور جلوۂ محبوب سے شادکام ہو گئے اور ذرا سا رخ گھمایا اور مرکز عقیدت کونین کے جلوہائے تاباں کی زیارت سے کھل اٹھے- یہ اور بات کہ یہ احساس ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا کہ ہم کفار و مشرکین کے درمیان مکہ میں محفوظ رہے اور تم مدینہ جا کے شہید ہو گئے-

واہ رے اسید الحق! کیا حیات تھی اور کیا ممات ہے؟ بہتوں کی حیات پر لوگ ناز کرتے ہیں اور بہتوں کی ممات پر بھی ناز کرنے والے کم نہیں، مگر تاریخ اسلامی میں ایسے خوش نصیب انگلیوں پر گنے چنے ہوں گے، جن کی حیات قابل مبارک باد ہو اور ممات بھی قابل صد رشک- ☐☐☐

☆ استاذ: لون اسٹار کالج، ہیوسٹن (امریکہ)

مولانا مبارک حسین مصباحی☆

عزائم اور منصوبوں کے اک جہان کی موت

مولانا اسید الحق قادری نے اپنے علم وفن اور اخلاق وکردار سے ایک جہاں کو اپنا شیدائی بنالیا تھا

۴؍مارچ ۲۰۱۴ء کو بعد نمازِ مغرب خانقاہ قادریہ بدایوں کے چشم و چراغ حضرت مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کے تعلق سے یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ وہ بغداد شریف کے قریب دہشت گردوں کے حملے میں شہید ہوگئے- یہ خبر سن کر پہلے تو یقین نہیں آیا لیکن مختلف مقامات سے جب یہی فون آنے لگے اور اطمینانِ خاطر کے لیے ہم نے بھی مختلف مقامات پر فون کیے تو یقین ہوا اور زبان سے آیتِ استرجاع دوہرائی- مولا تعالی تنقید وتحقیق کے اس ابھرتے ستون کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے- آمین

افسوس راقم سطور ذہنی اور فکری طور پر بے حد محزون ومغموم ہے، مضامین کے انبار ہیں مگر دل ودماغ انتخاب کرنے سے قاصر ہیں کہ کیا لیا جائے اور کیا چھوڑا جائے- اب تو صرف ایک ہی بات بار بار دل و دماغ میں گشت کررہی ہے کہ مولا تعالی اپنے حبیب ﷺ کے طفیل شہید مکرم کو حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے خوشہ چینوں میں شامل فرمائے اور والدین کریمین، اہل تعلق اور اہلِ محبت کو صبر وشکر کی توفیق سے سرفراز فرمائے- آمین

راقم سطور بدایوں شریف متعدد بار حاضر ہوا، لیکن کبھی خانقاہ قادریہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا، یہ شاید جشن صد سالہ ۱۹۹۸ء سے پہلے کی بات ہے کہ اپنے ایک عزیز کے ساتھ خانقاہ عالیہ قادریہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا، اس وقت آفس میں علامہ اسید الحق قادری، مفتی عبد الحکیم نوری، جناب یٰسین علی عثمانی وغیرہ موجود تھے، یہ حضرات اس خادم کو دیکھ کر پھڑک گئے، مولانا اسید الحق قادری نے واقعی اپنی محبت کا حق ادا کردیا، ناشتے اور کھانے سے فراغت کے بعد آپ مجھے بدایوں کے معروف مزارات پر لے گئے، خانقاہی اکابر سے آپ کے تعلقات دیکھ کر ہم بے پناہ متاثر ہوئے اور خاص طور پر جب آپ اپنی خانقاہ کے بزرگوں کے مزارات پر لے کر پہنچے تو دل ودماغ نے بڑا گہرا اثر قبول کیا- مولانا اسید الحق قادری کے تعلق سے قدیم تعارف تھا مگر ملاقات کا یہ پہلا موقع تھا-

عام روایت یہی ہے کہ دنیا سے جانے والوں کو اچھے القاب و خطابات سے یاد کیا جاتا ہے، مگر اس وقت جو ہم لکھ رہے ہیں، وہ اس روایت کی پابندی نہیں بلکہ دل کی آواز ہے- مولانا اسید الحق قادری کی شہادت نے واقعی اہل سنت کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والا خلا پیدا کردیا ہے-

مولانا اسید الحق قادری علیہ الرحمہ کی دستارِ فضیلت تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی کے صد سالہ جشن میں ہوئی تھی- اس کانفرنس میں بڑی تعداد میں مشائخ عراق اور مفتی اعظم عدنان وغیرہ شخصیات نے بھی شرکت فرمائی تھی- اس جشن میں نقیب الاشراف حضرت شیخ احمد ظفر گیلانی سجادہ نشین آستانہ غوث اعظم بغداد شریف نے اپنے دست مبارک سے مولانا اسید الحق قادری کو جبہ پہنا کر جب عمامہ شریف باندھا تو پوری فضا نعروں کی گونج سے جھوم اٹھی- اس کانفرنس میں شرکت فرمانے والے علما اور مشائخ کی تعداد زیادہ تھی- اس موقع پر مولانا منظر چشتی (آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف) نے منظوم ہدیۂ تبریک پیش فرمایا تھا، اس کا ایک بند ذیل میں پڑھیے:

یہ سچا قول ہے تاریخ دہراتی ہے اپنے کو
بہت بے چین ہے بادِ صبا یہ بات کہنے کو
کہ تم نے کردیا پورا میاں سالم کے سپنے کو
تمھیں گزری ہوئی تاریخ دہرانی مبارک ہو
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

ہندوستان سے تعلیم مکمل کرکے آپ مصر گئے اور وہاں سے اعلیٰ تعلیم سے فراغت کے بعد ہندوستان لوٹے اور مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں

میں تدریس شروع فرمائی اور اپنے خاص انداز اور امتیازی نصاب سے طلبہ کو فارغ کیا- آپ عظیم محقق، بلند پایہ ناقد اور حیرت انگیز ترجمہ نگار تھے، آپ تصنیف وتالیف میں بھی امتیازی مقام رکھتے تھے، مطبوعہ کتب ورسائل کی تعداد کثیر ہے، جب کہ متعدد کتب غیر مطبوعہ ہیں- ان کے علاوہ پچاس سے زیادہ مقالات ومضامین ہندو پاک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوچکے ہیں- یہ کتابیں اس وقت زیر ترتیب وتصنیف تھیں، جن میں اکثر پر کافی کام ہوچکا ہے- (۱) امثال القرآن (۲) مطالعہ بخاری (۳) تیرہویں اور چودہویں صدی کے علمی معرکے (۴) مشاہیر کے خطوط خانوادۂ عثمانیہ کے نام-

ان کے علاوہ آپ نے عربی، فارسی کی کتابوں کے ترجمے، تحقیق اور تخریج فرمائی اور اپنے آبا واجداد کی کتابوں کو جدید ترتیب وتخریج اور تقدیم کے ساتھ شائع کیا- خانقاہ عالیہ قادریہ کے مشائخ اور مدرسہ قادریہ کے اکابر کی اب تک ۱۰۰؍ سے زیادہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں-

مارچ ۲۰۱۰ء میں تاج دارِ اہلِ سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے عہدِ سجادگی کو پچاس سال مکمل ہوئے، بعض وابستگان سلسلہ قادریہ نے خواہش ظاہر کی کہ اس موقع پر پچاس سالہ جشن منایا جائے، لیکن مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری نے فرمایا کہ اس جشن کو ہم جشن اشاعت کے طور پر منائیں گے- اس موقع پر اکابر خانقاہ قادریہ اور علماے مدرسہ قادریہ کی پچاس کتابیں جدید آب وتاب اور موجودہ تحقیقی واشاعتی خدمات کی تاریخ میں شائع کی جائیں گی تاکہ یہ پچاس سالہ جشن یادگار بن جائے اور خانقاہ قادریہ کی تاریخ میں یہ جشن سنگ میل ثابت ہو- حضرت صاحب سجادہ کی سرپرستی اور مولانا اسید الحق قادری کی محنت وجستجو سے یہ جشن اشاعت منایا گیا اور بحمدہ تعالی اب تک سو سے زیادہ کتابیں جدید رنگ وآہنگ کے ساتھ منظر عام پر آگئیں-

مولانا اسید الحق قادری ایک باکمال مدرس تھے، آپ نے درجنوں طلبہ کو درس دیا، اور انھیں اعلی کتابیں بھی پڑھائیں اور خاص بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے تلامذہ کو قرطاس وقلم کا بھی خوگر بنایا- ان مطبوعہ کتب میں بعض کتابیں آپ کے تلامذہ نے بھی مرتب فرمائیں- مولانا عظیم محقق وناقد بھی تھے- آپ نے مختلف موضوعات پر تحقیق وتنقید کا حق ادا کردیا- مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی کتابوں سے احادیث اور تفاسیر کا ذخیرہ اخذ فرمایا اور حق یہ ہے کہ تحقیق وتدوین کا حق ادا کردیا- ایک مقام پر ایک حدیث کا ترجمہ تو ملا مگر اس حدیث کا متن نہیں ملا، یہ ان کی دیانت داری تھی کہ انھوں نے اس مقام پر بیاض چھوڑ دی کہ اگر کسی محقق کو حدیث مل جائے تو اسے رقم کردیں اور مرتب کو مطلع فرمادیں- اس پر مولانا اسید الحق قادری کی نظر پڑی، آپ نے معمولی محنت سے اس حدیث کو تخریج کیا اور اسے ماہ نامہ "جامِ نور" دہلی میں بغرضِ اشاعت بھیج دیا- حیرت ومسرت یہ ہے کہ صرف سرسری طور پر نہیں بلکہ باضابطہ مولانا محمد حنیف رضوی کی محنتوں کو سراہا، انھیں مبارک باد دی اور اسی حوالے سے عالمِ عرب اور جامعہ ازہر مصر کا حوصلہ افزا رویہ بھی ظاہر کیا-

جامع الاحادیث کے مرتب نے اپنے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے:

> "پوری کتاب میں صرف ایک حدیث ایسی ہے جس کا متن مجھے نہیں مل سکا، اس کے لیے بیاض چھوڑ دی گئی ہے کہ اگر کسی صاحب کو وہ متن مل جائے تو اپنے نسخے میں تحریر کرلیں اور ہمیں مطلع فرمائیں، ہم شکریہ کے ساتھ آئندہ ایڈیشن میں شائع کردیں گے-"

(جامع الاحادیث، مقدمہ ص: ۱۲، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

مولانا اسید الحق قادری لکھتے ہیں:

"یہ عبارت پڑھ کر میں مرتب کی کشادہ قلبی اور علمی امانت ودیانت کا قائل ہوئے بنا نہیں رہ سکا، اگر وہ سرے سے اس حدیث کا ذکر ہی نہیں کرتے تو کون ان سے باز پرس کرسکتا تھا کہ ایک حدیث آپ نے درج نہیں کی ہے اور پھر فطری طور پر مجھے یہ تجسس بھی ہوا کہ آخر وہ کون سی حدیث ہے جو ایسے وسیع المطالعہ مرتب کی نگاہ سے بھی اوجھل رہی، تھوڑی سی تلاش کے بعد آخر وہ مقام مل گیا جہاں متن کے لیے بیاض خالی چھوڑی گئی ہے، جس حدیث کا متن نہیں مل سکا، وہ یہ ہے:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا،: فرشتہ جو رحمِ زن پر موکل ہے جب نطفہ رحم میں قرار پاتا ہے اسے رحم سے لے کر اپنی

ہتھیلی پر رکھ کر عرض کرتا ہے: اے رب میرے! بنے گا یا نہیں؟ اگر فرماتا ہے نہیں، تو اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر رحم سے نکل جاتا ہے اور اگر فرماتا ہے ہاں! تو عرض کرتا ہے اے میرے رب! اس کا رزق کیا ہے؟ زمین میں کہاں کہاں چلے گا؟ کیا عمر ہے؟ کیا کام کرے گا؟ ارشاد ہوتا ہے: لوحِ محفوظ میں دیکھ کہ اس میں نطفہ کا سب حال پائے گا، پھر فرشتہ وہاں کی مٹی لاتا ہے جہاں اس کو دفن ہونا ہے، اسے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے، یہ ہے اللہ تعالی کا فرمان کہ زمین ہی سے ہم نے تمھیں بنایا اور اسی میں پھر ہم تمھیں لے جائیں گے۔''

(جامع الاحادیث، ج:۲، ص:۲۵)

مولانا اسید الحق قادری نے اس کی تلاش میں کچھ محنت کی اور اس کا متن مل گیا- مولانا لکھتے ہیں، اگر درست ہو تو آئندہ ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے- حدیث درج ذیل ہے:

ان الملك الموكل بالارحام ياخذ النطفة من الرحم، فيضعها على كفه ثم يقول يارب مخلقة أوغير مخلقة؟ فان قال مخلقة قال ماالرزق؟ ما الاثر؟ ما الاجل؟ فيقال: انظر فى ام الكتاب فينظر فى اللوح فيجد فيه رزقه واثره واجله وعمله ثم ياخذ التراب الذى يدفن فى بقعته فيعجن به نطفته فذلك قوله الكريم منها خلقناكم وفيها نعيدكم.

حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں حدیث پاک کا ذکر فرمایا ہے- (نوادر الاصول فی احادیث الرسول، ج:۱، ص:۲۶۷، دار الجیل، بیروت، الطبع الاولی ۱۴۱۲ھ)

حدیث کا متن ذکر فرمانے کے بعد مولانا قادری لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حکیم ترمذی ہی کے حوالے سے امام سیوطی نے بھی اللالی المصنوعہ ج:۱، ص:۲۸۴، ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت الطبع الاولی، ۱۴۱۷ھ میں نقل کیا ہے-

امام قرطبی نے بھی اس حدیث کو اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) ج:۶، ص:۲۸۷، ۲۸۸، دار الشعب القاہرہ، المطبوعۃ الثانیہ، ۱۳۷۲ھ میں حافظ ابو نعیم کے حوالے سے نقل فرمایا ہے-

مولانا اسید الحق قادری اس تفصیل کے بعد لکھتے ہیں:

حکیم ترمذی اور ابو نعیم دونوں نے اس حدیث کو سیدنا ابن مسعود سے بطریق مرہ روایت کیا ہے، جامع الاحادیث میں نقل کردہ ترجمہ میں یہ جملہ بھی ہے کہ اگر فرماتا ہے، نہیں، تو اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر رحم سے نکل جاتا ہے-

اس کے بعد مولانا اسید الحق قادری لکھتے ہیں۔

ہم نے اوپر جو متن نقل کیا ہے اس میں یہ جملہ نہیں ہے، قرطبی والی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں ہے، دراصل یہ جملہ ایک دوسری روایت میں موجود ہے، جس کا ابتدائی حصہ تو ہماری نقل کردہ حدیث کے ہم معنی ہے، مگر آخری حصہ ذرا مختلف ہے، اس کو امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن مسعود سے بطریق علقمہ روایت کیا ہے- وہ حدیث یہ ہے:

النطفة اذا استقرت فى الرحم اخذها ملك بكفه فقال يا رب مخلقة أوغير مخلقة فان قيل غير مخلقة لم تكن نسمة وقذفتها الارحام دما وان قيل مخلقة قال أى رب ذكر او انثى شقى أو سعيد، الى آخر الحديث۔ (تفسیر الطبری، ج:۷، ص:۱۱۷، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ ابن کثیر نے بھی اس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر طبری کے حوالہ سے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے- (تفسیر ابن کثیر، ج:۳، ص:۲۰۸، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۱ھ) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے: اسناده صحيح وهو موقوف لفظا (فتح الباری، ج:۱، ص:۴۱۱، دار المعرفہ بیروت ۱۳۷۹ھ) اس حدیث کو حافظ ابن رجب علی حنبلی نے بھی نقل کیا ہے (جامع العلوم والحکم، ج:۱، ص:۵۰، دار المعرفہ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۸ھ)

(تحقیق و تفہیم، ص:۱۴۴، ادارہ فکر اسلامی، دہلی)

مولانا اسید الحق قادری کی روح کا اضطراب تھا کہ انھوں نے اس حدیث کے متن کا استخراج کیا، کیوں کہ ان کے خمیر میں جس مٹی کو گوندھا گیا تھا وہ حضرت غوثِ اعظم بغدادی کے قبرستان کی مٹی تھی-

مولانا اسید الحق قادری علم و روحانیت کے ماحول میں پروان چڑھے، علوم و فنون میں ان کی خانقاہ اور درس گاہ صدیوں سے مشہور ہے، تاریخی شواہد کی روشنی میں ان کی خانقاہ قادریہ ۸۰۰ سالہ قدیم ہے اور پورے تسلسل کے ساتھ یہ خانقاہ علم و روحانیت کی خدمات انجام دیتی رہی ہے- ان کے آبا و اجداد میں ایک سے ایک فضلاے روزگار گزرے ہیں، یہ اہلِ علم صرف اہلِ علم ہی نہیں بلکہ عشق و عرفان اور تصوف و روحانیت کے میدانوں میں بھی یکتاے روزگار تھے، اس عثمانی خاندان کی عقیدت و محبت کا رشتہ صدیوں سے خانقاہ عالیہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے ہے، مولانا ایک بلند پایۂ محقق اور عظیم مصنف ہونے کے باوجود تصوف و روحانیت کے معاملات میں بھی امتیازی مقام رکھتے تھے- ماہ نامہ ''جامِ نور'' دہلی کے علمی مباحثوں میں بھی آپ نے بھرپور لکھا، ایک بار جامِ نور کا عنوان تھا: ''دعوت و تبلیغ کے لیے خانقاہی نظام کتنا موثر ہے؟''

مولانا اسید الحق قادری نے ہندوستانی خانقاہوں کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے لکھا:

اگر ہمارے یہاں کے خانقاہی نظام کا تقابل مصر کے خانقاہی نظام سے کیا جائے تو یہ ہوش ربا حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو ایک چلتے پھرتے انسان اور ایک بے جان مردہ جسم میں ہوتا ہے- مثال کے طور پر میں یہاں چند باتوں کی طرف سرسری اشارہ کرنا چاہتا ہوں-

(تحقیق و تفہیم، ص:۲۵۴، ادارہ فکر اسلامی، دہلی)

مولانا نے مصر کے خانقاہی نظام کے آٹھ امتیازات شمار کرائے ہیں، ہم ذیل میں ان کی تلخیص رقم کرتے ہیں:

(۱) مصر کے مشائخ طریقت ذی علم ہوتے ہیں، آج تک مولانا کی ملاقات کسی ایسے شیخ سے نہیں ہوئی جس کو علمِ ظاہری کے بجائے علمِ لدنی کا دعوی ہو-

(۲) ہر خانقاہ میں نہایت پابندی سے اذکار و اوراد کی ہفتہ وار مجالس منعقد ہوتی ہیں اور یہ خصوصیت صرف قاہرہ مصر کی نہیں بلکہ دیگر مقامات پر بھی باضابطہ روحانی مجالس کا انعقاد ہوتا ہے-

(۳) بعض خانقاہوں میں ہفتہ وار درس قرآن، درس حدیث اور درسِ تصوف بھی ہوتا ہے-

(۴) خانقاہوں میں باہم کوئی چپقلش نہیں بلکہ حسب حیثیت ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں-

(۵) خانقاہی علما و مشائخ خود کو واجب التعظیم نہیں سمجھتے اور نہ دست بوسی اور قدم بوسی کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کا جھوٹا پانی تبرک کا پینا اور ایک دوسرے کے لیے تعظیماً کھڑے ہو جانا ان کی عادت میں شامل ہے-

مولانا اس کی مزید تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ سنیے، یمن کے ایک بزرگ ہیں، شیخ حبیب علی الجعفری، یہ جید عالم ہیں اور بہترین خطیب ہیں، مصر میں ان کے ہزاروں مریدین ہیں اور تقریبا ہر سال مصر کا دورہ کرتے ہیں، جب بھی مصر آتے ہیں تو مختلف خانقاہوں میں ان کے درس اور تقریریں ہوتی ہیں، متعدد بار یہ دیکھ کر مجھے ماضی کے صوفیہ یاد آ گئے کہ جس خانقاہ میں ان کے درس کی محفل تھی اس خانقاہ کے صاحب سجادہ نے اپنی خانقاہ میں آئے ہوئے بیسیوں لوگوں کو ان کا مرید کروایا، کیا ہندوستان میں کسی ایسے منظر کا آپ تصور کر سکتے ہیں؟ ہمارے یہاں تو حال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ دو شیر کسی طرح ایک جنگل میں رہنے پر سمجھوتہ کر لیں، مگر دو پیر ایک حلقے میں نہیں رہ سکتے -

(تحقیق و تفہیم، ص:۲۵۵، ادارہ فکر اسلامی، دہلی)

(۶) مصر میں مرید ہونے کے بعد اس میں واضح تبدیلی آ جاتی ہے آپ کسی مسجد میں باجماعت نماز ادا کریں، نماز کے بعد جو شخص تسبیح پڑھنا شروع کر دے، یا چھوٹا پنج سورہ نکال کر پڑھنا شروع کر دے تو آپ سمجھ لیں کہ یہ کسی کا مرید ہے-

(۷) یہاں خانقاہیں رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر اپنا کردار ادا کرتی ہیں، ایسی بہت سی خانقاہیں ہیں جہاں سے ازہر شریف کے مصری اور غیر ملکی طلبہ کے لیے ماہ وار وظیفے مقرر ہیں-

قاہرہ سے تقریبا آٹھ سو کلو میٹر دور جنوب میں ایک شہر ہے، الاقصر، وہاں مولانا اسید الحق قادری نے دو بار قیام فرمایا- ایک بار ۲۵ روز اور ایک بار ۱۲ روز- الاقصر میں تین بڑی خانقاہیں ہیں، خانقاہ طیب، خانقاہ رضوانیہ اور خانقاہ جیلانیہ، وہاں زمین و جائداد کے جھگڑے ہوں یا

گھریلو مسائل، عدالتوں اور کچہریوں میں مقدمہ بازی کے بجائے اس قسم کے زیادہ تر مسائل کا تصفیہ خانقاہی سطح پر کر دیا جاتا ہے۔

مولانا اسید الحق قادری کی نظر تاریخ و سیر پر بھی بہت گہری تھی اور یہ تحقیقی نظر صرف اپنے خانوادے کے اکابر تک محدود نہیں تھی بلکہ اہلِ سنت کی تاریخ ان کی نگاہوں میں رہتی تھی، گزشتہ دنوں جب استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی کا ڈیڑھ سو سالہ جشن منائے جانے کا منصوبہ بنا تو مولانا نے ''خیر آبادیات'' کے عنوان سے ایک انتہائی وقیع کتاب لکھی، اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

> زیرِ نظر کتاب ''خیر آبادیات'' ایک محققانہ، فاضلانہ اور مؤرخانہ دستاویز ہے، جسے ہند و پاک کے اہلِ علم و فضل نہ صرف قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے بلکہ اسے خیر آبادیات کا ایک گراں قدر مجموعہ اور بیش قیمت مرقع قرار دیں گے۔
>
> (خیر آبادیات، ص:۱۶، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

اس کتاب میں مصنف نے خانوادۂ خیر آباد کے متعدد گوشوں پر تحقیق فرمائی ہے، تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کا ایک ذیلی عنوان ہے: ''خانوادۂ خیر آباد کی اہلِ علم خواتین'' مولانا نے اس عنوان کے ضمن میں تین اہل علم خواتین کا تذکرہ بڑی خوب صورتی سے فرمایا ہے۔ یہ خواتین واقعی معقول و منقول اور علوم ادبیہ میں خاصا درک رکھتی تھیں، ان خواتین کا ذکر عام طور پر یک جا نہیں ملتا، بلکہ متعدد مقامات پر ضمناً ذکر آ گیا ہے، مولانا نے انتہائی محنت سے ان تین خواتین کے حوالے سے شواہد کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے۔ اب ہم ذیل میں مصنف کی تحقیقات کا خلاصہ رقم کرتے ہیں:

(۱) بی بی سعید النسا حرماں خیر آبادی: انھوں نے درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد علامہ فضل حق خیر آبادی سے کی، انھیں کے بارے میں مولانا عبد الحق خیر آبادی اکثر فرمایا کرتے تھے: اچھا ہوا سعید النسا بہن ہوئیں ورنہ ان کے سامنے ہمیں کون پوچھتا؟

(باغی ہندوستان، ص:۳۳۳)

بی بی حرماں خیر آبادی ایک بار ٹونک تشریف لے گئی تھیں، علامہ حکیم برکات احمد ٹونکی کے صاحب زادے مولانا حکیم سید محمد ٹونکی اپنا مشاہدہ تحریر فرماتے ہیں، ہم ذیل میں اس تاثر کا آخری حصہ نقل کرتے ہیں:

> مجھے اور میرے خاندان کو یہ عزت حاصل ہوئی، مجھے اچھی طرح یاد ہے اور آج بھی وہ تصویر آنکھوں میں پھر رہی ہے کہ استاذ الہند مولانا برکات احمد صاحب قبلہ بی بی صاحبہ کے سامنے گردن جھکائے مؤدب ایک بے علم انسان کی طرح بیٹھے ہیں اور ان کے جوشِ تقریر کا یہ عالم کہ کسی موضوع پر نہیں رکتیں، ضعیف القویٰ تھیں، کبیر سن تھیں، اعضا میں رعشہ تھا، مگر معلوم ہوتا تھا تمام قوتیں قوتِ ناطقہ میں منجذب ہو گئی ہیں، کیا تقریر تھی، کیا اتار چڑھاؤ تھا، کیا شستگی تھی، کیا برجستگی تھی، کیا پر رعب آواز تھی۔ (مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم، ص:۱۰۳، ۱۰۴)

حضرت حرماں خیر آبادی کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا، البتہ ان کی اردو اور فارسی شاعری کے کچھ نمونے مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے باغی ہندوستان میں اور مفتی نجم الحسن خیر آبادی نے ''خیر آباد کی ایک جھلک'' میں محفوظ کر دیے ہیں۔

(۲) حضرت ہاجرہ بی خیر آبادی: آپ مولانا عبد الحق خیر آبادی کی زوجہ محترمہ ہیں۔ مولانا برکات احمد ٹونکی مولانا عبد الحق خیر آبادی کی درس گاہ میں پڑھ رہے تھے تو ان کو احساس ہوا کہ اب وہ عالم ہو گئے، مگر حالات کے پیش نظر مولانا عبد الحق خیر آبادی سے اجازت لینے میں خوف محسوس ہوا تو آپ اجازت لینے کے لیے ان کے گھر پہنچے۔ بی بی صاحبہ نے پردے کے پیچھے سے پوچھا، بیٹا کتنا پڑھ لیا؟ مولانا نے ادب سے عرض کیا کہ نصابِ درس کی تکمیل کر لی ہے اور میر زاہد امورِ عامہ تک پڑھ لیا ہے۔ امور عامہ کا نام سن کر ہنستے ہوئے فرمایا: بھئی! امورِ عامہ تک پڑھ کر خود کو فارغ اور فاضل سمجھ رہے ہو؟ کیا میں امورِ عامہ کے متعلق کوئی سوال پوچھ سکتی ہوں؟ بیٹے امورِ عامہ تک تو اس خاندان کی مستورات بھی شد بد رکھتی ہیں، اس گفتگو کے بعد مولانا نے عرض کیا، میں اپنے فیصلے پر نادم ہوں، آپ سے استقلال کی دعا کی درخواست ہے۔

(ملخصاً: مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم، ص:۱۵۴، ۱۵۵)

(۳) بی بی رقیہ: آپ مولانا عبد الحق خیر آبادی کی صاحب زادی تھیں، یہ عالمہ اور فاضلہ تھیں، ان کی ایک کتاب جس کا آج تک کسی نے ذکر نہیں کیا: تفسیر طیبات بینات معروف بہ صراطِ مستقیم ہے۔ کتاب کا نام مولانا برکات احمد ٹونکی نے رکھا ہے۔ اس کتاب پر تصدیق و تقریظ علامہ برکات احمد ٹونکی اور مولانا بشیر احمد خاں رام پوری نے لکھی۔

مولانا اسید الحق قادری اس کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> اس تفسیر کا ایک نایاب قلمی نسخہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف (یوپی، انڈیا) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس نسخے کا عکس کتب خانہ قادریہ بدایوں میں ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، یہ تفسیر بڑی تقطیع پر ۹۷ اصفحات پر مشتمل ہے، جلی خط میں ہر صفحہ پر پندرہ سطریں ہیں، اس نسخے کے کاتب نثار احمد خیر آبادی بن مشیر احمد ابن بشیر احمد خان بہادر ہیں۔

مولانا اسید الحق قادری مزید لکھتے ہیں:

> کتاب کی زبان نہایت آسان ہے، ترجمہ بہت سادہ الفاظ میں کیا گیا ہے، تاکہ عام آدمی سمجھ سکے، تفسیر میں کسی قسم کے علمی مباحث کو نہیں چھیڑا گیا ہے، آیت کریمہ سے جو ایک عمومی مفہوم مستفاد ہوتا ہے، جس کا براہِ راست تعلق فرد یا معاشرے کی اصلاح سے ہے اس کو داعیانہ اور مصلحانہ اسلوب میں بڑی سادگی سے بیان کر دیا گیا ہے، کہیں کہیں اودھ کی عام بول چال کا اسلوب بھی نظر آتا ہے اور بعض جگہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنفہ آپ کے روبرو بیٹھ کر گفتگو فرما رہی ہیں۔
>
> (خیر آبادیات، ص:۳۲، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

مولانا اسید الحق قادری نے جامعہ ازہر مصر کے دورانِ تعلیم اپنے منصوبوں کی ایک ڈائری بنائی تھی، ان میں خاص طور پر بریلی سے اختلافات بھی مدِ نظر تھے، آپ نے اس میں لکھا تھا کہ کوئی بھی اختلاف طرفین کی پیش قدمیوں سے ہوتا ہے، اگر سامنے والا اپنی روش سے باز نہ آئے تو اختلاف ختم کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ ایک فریق اپنے بلند کردار و عمل کا مظاہرہ کرے اور صبر و تحمل کے ساتھ اپنے مثبت کاموں پر نظر رکھے۔ حضرت حافظِ ملت کا مشہور قول ہے ''ہر مخالفت کا جواب کام ہے۔'' مولانا اسید الحق قادری نے اس پر عمل بھی کیا اور اپنے خاندان اور تربیت یافتگان کو بھی اسی نہج پر چلنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے ہزار اختلافات کے باوجود رضویات کے حوالے سے بھی تحریریں لکھیں اور بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مقصد اور منزل کی جانب رواں دواں رہے اور خاص بات یہ ہے کہ جو کام ہو جاتے اس پر نشان لگا دیتے کہ یہ کام بحسن و خوبی ہو گیا، آپ کے چند کارنامے اور منصوبے ہم ذیل میں رقم کرتے ہیں:

(۱) خانقاہ عالیہ قادریہ کی توسیع: اس رخ پر آپ نے بھرپور توجہ دی، جدید عمارتیں بنوائیں اور مزید بنوانے کا ارادہ تھا، اب ارادہ یہ تھا کہ خانقاہ کا گیٹ سیدنا غوثِ اعظم عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے گیٹ کی طرح خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کا گیٹ بھی تعمیر کرائیں، اس سلسلے میں انجینئروں سے بھی رابطہ شروع کر دیا تھا۔

(۲) مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں کی نشاۃ ثانیہ: فرمائی، مولانا کا ارادہ تھا کہ بیرون شہر وسیع زمین حاصل کی جائے، اس سمت میں آپ نے کام شروع کر دیا تھا، وسیع زمین خرید لی تھی اور مزید زمین حاصل کرنے کا ارادہ تھا، مولانا نے باضابطہ تدریس کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ تین جماعتیں ۲۰/۲۰ طلبہ کی سندِ فراغت بھی حاصل کر چکی تھیں اور یہ تعلیم و تربیت کا سلسلہ بڑی تیزی سے جاری تھا۔ مولانا نے اب تک جن جماعتوں کو فارغ کیا تھا، انھیں اعدادیہ سے دورے تک خود پڑھایا اور قرطاس و قلم کی بھی تربیت دی۔

(۳) نقویہ کالج (برائے خواتین): بدایوں شہر میں پہلے ہی سے چل رہا تھا، آپ نے اس جانب بھی بھرپور توجہ دی، اس میں قریب دو ہزار بچیاں زیرِ تعلیم ہیں، اس کالج کا بھی ضلع بھر میں نمایاں کردار ہے۔

(۳) الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز: اسے ہندوستان کی دو بڑی یونیورسٹیز سے ملحق کرایا، اس میں ہر سال اسکول اور کالج کے طلبہ کی دینی اور علمی تربیت فرماتے اور آگے بڑھانے کی مسلسل کوشش فرماتے، اس طرح آپ نے عصری علوم و فنون کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

(۴) مدرسہ شمس العلوم بدایوں: یہ ادارہ ان کے آبا و اجداد کی محنتوں کا نتیجہ ہے، اس میں ایک بڑی لائبریری بنام ''مولانا عبد الماجد پبلک لائبریری'' کا قیام فرمایا اور عام طلبہ کے لیے ایک باضابطہ کمپیوٹر شعبہ قائم کیا۔

(۵) علمی مذاکرے اور ورک شاپ: مدرسہ عالیہ قادریہ کے زیرِ اہتمام مدارس کے طلبہ کے درمیان علمی مباحثے کراتے، اس میں دیگر مدارس کے ساتھ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ بھی شریک ہوئے۔ ان پروگراموں میں اہل علم و دانش کے موضوعاتی خطابات بھی ہوتے۔

بقیہ صفحہ 216 پر ملاحظہ کریں

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی☆

علامہ اسید الحق قادری ملک وملت کا سرمایہ تھے

علامہ اسید الحق کے لیے ہمارا سب سے بڑا خراج یہ ہوگا کہ ہم ان کے علمی مشن کو زندہ رکھیں

ہر شخص کو وقت معینہ پر اس جہان سے جانا ہے، ایک لمحہ پہلے نہ ایک لمحہ بعد- اس اٹل حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کم عمری، کم سنی یا جوانی کی موت دلِ حسرت زدہ کے لیے قیامت سے کم نہیں ہوتی - رہ رہ کر خیال آتا ہے، کاش تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی، کچھ دِنوں اور جی لیتے، کچھ اور کہہ لیتے، کچھ اور سن لیتے! ابھی تو بہت سی باتیں رہ گئیں، ابھی تو بہت سے کام رہ گئے- محبِ مکرم علامہ اسید الحق قادری کے حوالے سے بھی ایسے خیالات مدتوں آتے رہیں گے، تڑپاتے رہیں گے، عزیزوں کو بھی، احباب کو بھی اور دنیاے علم سے وابستہ اُن افراد کو بھی جن کے لیے درد و غم کا رشتہ، رشتۂ جاں سے زیادہ عزیز اور محترم ہوتا ہے-

اُن سے میرا غائبانہ تعارف ماہ نامہ ''جام نور'' نئی دہلی میں چھپنے والے اُن کے مضامین کے ذریعے ہوا- پختہ شعور، رچا ہوا ادبی ذوق، متوازن اندازِ فکر، لفظوں کے پیچھے سے جھانکتا ہوا تبحر علمی اور اِدّعائیت سے عاری طرزِ تکلم اچھا لگا اور ان کی شخصیت کا ایک خاکہ سا ذہن میں بن گیا- پھر ملاقاتیں ہوئیں اور وقفے وقفے سے ہوتی رہیں اور اس خاکے میں حقیقت کا رنگ بھرتا چلا گیا- وہ ایسے ہی تھے جیسا کہ ایک شریف، خلیق اور محبت سے بھرپور انسان اور عالمِ باعمل کو ہونا چاہیے-

جامعہ ازہر سے فراغت کے بعد انھوں نے بہت تیزی سے علمی حلقے میں اپنے لیے جگہ بنائی - ان کے بعض تحقیقی نتائج سے عدمِ اتفاق کا بھی اظہار کیا گیا، لیکن اختلاف کی نوعیت سراسر علمی رہی - خود موصوف کا موقف یہی تھا کہ ہماری فکر حرفِ آخر نہیں ہے- ہم پڑھتے لکھتے ہیں چیزوں کو سمجھنے کے لیے نہ کہ اپنے تعصّبات کو دوسروں کے سر منڈھنے کے لیے- درجِ ذیل اقتباس سے اُن کے طلب علم، اندازِ فکر اور طریق کار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے- فرماتے ہیں:

''یہ غالباً ۲۰۰۲ء کی بات ہے جب میں ازہر شریف (مصر) میں تفسیر وعلومِ قرآن کا طالب علم تھا، محبّ گرامی مولانا منظر الاسلام ازہری نے پروفیسر محمد احمد مسیر صاحب کی کتاب ''قضية التكفير في الفكر الاسلامي'' مطالعے کے لیے عنایت کی- اس کتاب میں مصنف نے دیگر مباحث کے ساتھ افتراقِ امت پر بھی گفتگو کی ہے- اس سلسلے میں مصنف نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس پر مجھے تھوڑا تامل ہوا، کچھ احباب سے تبادلۂ خیال کیا، مگر مسئلہ واضح نہ ہوسکا...... حق کی تلاش و جستجو بالآخر مجھے مطالعے کی میز پر لے آئی- میں نے اس موضوع پر تحقیقی مطالعے کا آغاز کردیا، رفتہ رفتہ گرہیں کھلتی گئیں، حقائق منکشف ہوئے، شک و تردّد ختم ہوا ...... پھر جب ذرا فرصت ہوئی تو اپنے حاصلِ مطالعہ کو مقالے کی شکل میں قلم بند کردیا مگر اگلے کئی سال تک مقالے کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی-'' (حرفِ آغاز، حدیث افتراقِ امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں، ص:٦، بدایوں، نومبر ۲۰۰۸ء)

یہ مقالہ ۲۰۰۵ء میں، مئی تا اگست جامِ نور کے چار شماروں میں قسط وار شائع ہوا- مضمون نگار کے نتائجِ فکر سے بعض حضرات نے بے اطمینانی ظاہر کی- چنانچہ مصنف نے اپنے موقف پر مزید غور وفکر کو ضروری خیال کیا- یہی مقالہ اضافے کے ساتھ نومبر ۲۰۰۸ء میں کتابی صورت میں منظر عام پر آیا تو اسید الحق صاحب نے حرفِ آغاز میں یہ وضاحت بھی کردی کہ:

''جامِ نور میں مقالے کی اِشاعت کے بعد بعض احباب نے اس میں اختیار کردہ مَوقِف پر تشویش کا اظہار کیا، لہٰذا میں نے پوری سنجیدگی اور کشادہ قلبی کے ساتھ مقالے پر نظر ثانی کی اور اس موضوع پر مزید مطالعہ کیا، جتنا مطالعہ کرتا گیا اتنا ہی اپنے اختیار کردہ موقف پر اطمینان میں اضافہ ہوتا گیا- میں نے مقالے میں بہت سے نئے حوالوں اور کچھ نئے مباحث کا

اضافہ کیا، جن مقامات پر غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی ان کو اور واضح کیا، اب کامل اطمینان کے بعد یہ مقالہ کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے- پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ اہل علم کی بارگاہ میں عرض ہے کہ مجھے نہ ہمہ دانی کا زعم ہے اور نہ ہی دعویِ عصمت- علومِ اسلامیہ کا ایک معمولی طالب علم ہوں جس سے ہر قسم کی غلطی کا صد فی صد امکان ہے، لہٰذا اگر کوئی سنجیدہ اور علمی تنقید سامنے آتی ہے تو مجھے مقالے پر نظر ثانی کرنے اور غلطی واضح ہونے کی صورت میں اپنی خطا کے اعتراف اور قبولِ حق میں کوئی تامل نہیں ہوگا-'' (حدیث افتراقِ امت- ص ص ٦-٧)

پیش نظر کتابچے کے مندرجات کی تصدیق یا تردید سے قطع نظر، مندرجہ بالا اقتباس کے ذریعے مصنف کے علمی انکسار اور خلوصِ نیت کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے- یہی اندازِ فکر اُن کی دوسری علمی تحریروں میں بھی نمایاں ہے- بلند بانگ دعوے ان کی تحریروں میں نظر نہیں آتے- وہ اپنی بات دھیمے لہجے میں کہتے ہیں، دلیلوں کی مدد سے کہتے ہیں اور زیر بحث موضوع تک گفتگو کو محدود رکھتے ہیں- درمیان میں اگر کوئی وضاحت طلب بات آجائے تو اسے غیر ضروری طور پر پھیلانے کے بجائے مختصراً بیان کرکے آگے بڑھ جاتے ہیں- مثلاً مذکورہ بالا کتابچے میں ایک مَوقع پر ملا علی قاری (شرح فقہ اکبر) اور علامہ سعد الدین تفتازانی (شرح المقاصد) کے اقتباسات میں ''اہلِ قبلہ'' کی تعریف میں ''ضروریاتِ دین'' کی اصطلاح آئی تو اسید الحق صاحب نے اس کی وضاحت کردی کہ ضروریاتِ دین سے کیا مراد ہے:

''ضروریاتِ دین کی جامع و مانع تعریف کیا ہے؟ اس سلسلے میں بڑی طویل بحثیں علما نے اپنی کتب میں لکھی ہیں، ہم ان بحثوں میں پڑ کر خواہ مخواہ مقالے کو طویل کرنا نہیں چاہتے- بس اتنا اشارہ کافی سمجھتے ہیں کہ ضروریاتِ دین میں صرف وہی مسائل شمار کیے جائیں گے جو قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ ہوں- رہے وہ مسائل جو قطعی الثبوت تو ہوں مگر ظنی الدلالۃ ہوں یا پھر قطعی الدلالۃ ہوں مگر ظنی الثبوت ہوں یا ظنی الثبوت بھی ہوں اور ظنی الدلالۃ بھی ہوں، ایسے مسائل ضروریاتِ دین میں شمار نہیں ہوں گے-'' (حدیث افتراقِ امت- ص ٦٢)

اسید الحق صاحب کے علمی اکتسابات پر تفصیل سے اظہارِ خیال کرنا فی الحال ممکن نہیں- تاہم ان کے زورِ قلم اور ادبی ذوق کا ذکر کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا- اس کا اظہار مذہبی مضامین میں بھی ہوا ہے لیکن زبان و بیان پر اُن کی دسترس کا اصل نمونہ وہ تحریریں ہیں جو ''خامہ تلاشی'' کے عنوان اور ابوالفیض معینی کے قلمی نام سے جامِ نور میں ایک مدت تک مسلسل چھپتی رہیں اور بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئیں- افسوس کہ خواہش کے باوجود ہمیں اس گفتگو کو بھی کسی آئندہ موقع کے لیے اٹھا رکھنا ہوگا- اب مجھے آخر میں ان کے تعمیری اندازِ فکر کے حوالے سے ایک بات کہہ کر اس مضمون کو ختم کرنا ہے-

شوال ۱۴۳۹ھ/ مارچ ۲۰۱۰ء کو خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کے موجودہ صاحب سجادہ تاجدارِ اہل سنت حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری مدظلہ کی عہد سجادگی کے پچاس برس مکمل ہونے کی خوشی میں بعض وابستگانِ سلسلہ نے ''جشن زرّیں'' منانے کی خواہش ظاہر کی- مولانا اسید الحق صاحب نے اس تقریب کو لفظی خراجِ عقیدت تک محدود رکھنے کے بجائے یہ تجویز پیش کی کہ:

''اس جشن کو ہم جشن اِشاعت کے طور پر منائیں گے- اس موقع پر اکابر خانوادۂ قادریہ اور علماے مدرسہ قادریہ کی پچاس کتابیں جدید آب وتاب اور موجودہ تحقیقی و اِشاعتی معیار کے مطابق شائع کی جائیں گی، تاکہ یہ پچاس سالہ جشن یادگار بن جائے اور آستانۂ قادریہ کی اِشاعتی خدمات کی تاریخ میں یہ جشن ایک سنگ میل ثابت ہو-''

(مثنوی غوثیہ، ص:۴، بدایوں، طبع جدید ۲۰۰۸ء)

منصوبے کو عملی شکل دینے میں تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں شریف کا ہر فرد ہمہ تن مصروف ہوگیا اور یکے بعد دیگرے کتابیں شائع ہوتی چلی گئیں- ملک وملت کے کام آنے والے اس دنیا سے رخصت ہوکر بھی دِلوں میں زندہ رہتے ہیں- ان کی یاد منانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اُن کے مشن کو آگے بڑھایا جائے- علامہ اسید الحق کے لیے بھی ہمارا سب سے بڑا خراجِ عقیدت یہی ہوگا کہ ان کی خواہشات کو عملی جامہ پہنایا جائے- تصنیف وتالیف، اِصلاحِ معاشرہ اور فروغِ علم میں اپنی سی کوشش کی جائے- ہوائی باتوں کے بجائے ٹھوس تعمیری کام کیے جائیں اور دِلوں کو توڑنے کے بجائے جوڑنے کی کوشش کی جائے-□□□□

☆استاذ: شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یوپی)

ڈاکٹر سید سراج اجملی ☆

خط بنام اسید خلد تبار

۲۰۱۴ء

عزیز گرامی قدر وشہید والا مرتبت اسید میاں صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی حیات ظاہری میں کبھی یہ توفیق نہ ہوسکی کہ آپ کو چند سطور تحریر کرتا-اس میں کچھ اپنی کاہلی، کچھ عدیم الفرصتی اور کچھ موبائل کی ایجاد کو دخل رہا ہے-اکثر فون کے ذریعے باتیں ہوگئیں اور تفصیلی مراسلت کو آئندہ کے لیے اُٹھا رکھا-کبھی یہ خیال میں نہیں آیا کہ آپ سے مکانی فاصلہ اتنا بڑھ جائے گا اور آپ اس فانی دنیا سے اپنی ابدی اور باقی قیام گاہ کو مراجعت فرما جائیں گے-ایسے ہی کسی موقع کے لیے ہمارے شاعر نے کہا ہے:

تھے پاس جب تو قیامت کا لطف آتا تھا
ہوئے جو دور تو یادوں کا حشر برپا ہے

اور اب یہ حال ہے کہ واقعتاً یادوں کا حشر برپا ہے-میں اکثر سوچتا ہوں کہ جب مجھ جیسے دور افتادہ مداح کی دلی کیفیت ایسی ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو آپ کے سفر وحضر کے ساتھی اور ہم نوالہ وہم پیالہ تھے-پھر جب آپ کے قریبی لوگوں اور عاشقوں مثلاً احمد مجتبیٰ صدیقی، اشفاق حمیدی، مظفر حسنین رومی گورکھ پوری، خوشتر نورانی اور قمر الہدیٰ فریدی کی حالت دیکھتا یا ان کے بارے میں سنتا ہوں تو ان کا خیال آتا ہے جن کی امیدوں کا مرکز اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور بازوؤں کی قوت آپ کی ذات والا صفات تھی، غرض:

بقدر پیمانہ تعلق ہر ایک دل میں ہے سوگ تیرا

میری تو ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی کہ آپ کے والد محترم مخدوم گرامی حضرت سالم میاں صاحب کی خدمت میں کلماتِ تعزیت نذر کروں، عطیف میاں کو، کہ چھوٹے ہیں، علی گڑھ کے واسطے سے ان سے ایک خاص رشتہ ہے اور کئی وجوہ سے مجھے بے حد عزیز ہیں، چند سطور لکھ کر بھیج دیں-اس درمیان جس جس سے آپ کا ذکر ہوا اور کس کس کا نام لوں کہ کس کس سے آپ کا ذکر ہوا، ہر ایک نے فرمائش کی کہ آپ کے بارے میں کچھ لکھوں-میرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا لکھوں؟ ابھی تو آپ نے اپنی جتنی کتابیں مجھ جیسے حقیر طالب علم کے "ذوقِ مطالعہ کی نذر" کی ہیں، انھیں ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں پایا-ان کی رسیدیں بھی آپ کو نہیں بھیج سکا اور آپ سے کل پانچ ملاقاتیں ہوئیں، جن میں پہلی ودوسری اور تیسری بدایوں شریف میں آپ کی خانقاہ میں کہ ایک مرتبہ آپ نے خانقاہ کے سمر ٹیچنگ پروگرام کے جلسہ تقسیم انعامات میں بلایا-دوسری مرتبہ کتب خانۂ قادریہ کے افتتاح اور نعتیہ مشاعرے کے موقع پر کہ جس میں آپ نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے اس گناہ گار کو عزت بخشی-اس مشاعرے کی یادیں پردۂ ذہن پر اس طرح تازہ ہیں، گویا کل کی بات ہو، اور ہے بھی کل ہی کی بات کہ چند برسوں کا زمانی فاصلہ یادوں کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا-اس نعتیہ مشاعرے میں آپ حضرات کی مہمان نوازی اور داد دینے کا انداز، پھر آپ کے والد ماجد کا آپ کے تعلق سے اظہارِ لطف وعنایت سب بار بار یاد آتا ہے-

کتب خانے (کہ جو شہر بدایوں کے مرکزی مقام پر واقع ہے) کی ایک ایک چیز کو نظرِ شفقت سے دیکھتے ہوئے حضرت کا بار بار کہنا کہ "بھیا نے اسے کیا بنا دیا"، "سب بھیا کی محنت ہے" وغیرہ آج شدت سے یاد آ رہا ہے-آپ ہی بتائیں، ان حضرت کو کہ جو آپ کی ایک ایک ادا دیکھ کر زندہ تھے کیوں کر پرسہ دوں اور کن الفاظ میں تلقین صبر کروں؟ کیسے ان کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی ہمت کروں کہ آپ کے "بھیا" اور آپ کے نورِ نظر جامِ شہادت نوش فرما کر آسودۂ خاک پاک بغداد ہوگئے-

دو شادیوں کے مواقع پر بھی آپ سے ملاقات بے حد یادگار اور پُر لطف رہی-پہلی عطیف میاں کی شادی کے موقع پر بدایوں شریف میں اور دوسری رومی کی شادی کے موقع پر گورکھ پور میں-پھر نجیب میاں کی سجادگی اور حضرت یحییٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم کے موقع

پر مارہرہ شریف میں-جہاں آپ اپنی پوری عالمانہ شان کے ساتھ خالص خانقاہی رنگ میں رنگے نظر آئے-

خانقاہی رنگ پر یاد آیا کہ آپ کو مراسم خانقاہ اور روایات صلہ رحمی ومواسنت نبھانے میں بھی کمال حاصل تھا، جس کا اعتراف آپ کا ہر مداح کرتا ہے-الٰہ آباد کے سفر کے موقع پر میری غیر موجودگی کے باوجود آپ کا دائرہ شاہ اجمل تشریف لے جانا اور میری خانقاہ میں تھوڑی سی وقت گزاری کا ایک ایک لمحہ میرے برادر عزیز ضیا میاں سلمہٗ کے حافظے میں تازہ ہے-ان سے تو آپ کی وہی پہلی اور آخری ملاقات تھی لیکن وہ (ضیا اجملی سلمہٗ) اور میرے گھر کے سبھی لوگ آپ کی خبر پر رنج وغم کی ایک ناقابل بیان کیفیت سے دوچار ہوئے اور سب نے آپ کے سفر دائرہ شاہ اجمل کو یاد کیا-آپ کی تعزیت اور ایصالِ ثواب کے لیے جلسہ کیا اور آپ کے اہلِ خاندان کے غم میں شرکت کی-

اسید میاں! آپ کی شخصیت میں اتنی اعلیٰ درجے کی جاذبیت اور کشش کا سبب اب میری سمجھ میں آتا ہے اور وہ ہے تواضع، فروتنی اور بے نفسی کی خانقاہی روایت اور بارِ علم سے جھکے ہوئے (مثال شاخ ثمردار) علمائے ربانی کی روایت کا انضمام کہ جس نے آپ کو ہر طبقۂ معاشرہ کے لیے پسندیدہ اور مقبول خاطر بنا دیا تھا-حیرت ہوتی ہے کہ اتنے کم عرصے میں آپ نے بڑے علمی موضوعات سے عہدہ برآ ہونے کی مثال قائم کی-جس روز آپ کی شہادت کی خبر آئی، اتفاق سے مجھے ایم.اے کی ایک کلاس میں اموی دور کی عربی شاعری کے بارے میں کچھ بتانا تھا-میں نے کلاس کو آپ کے ذکر سے شروع کیا اور پھر آپ کا مرتبہ قصیدۂ میمیہ مصنفہ فرزدق (در مدح امام زین العابدین علیہ السلام) آپ کے ایصالِ ثواب کے غرض سے پڑھا کر کلاس ختم کر دی-آپ یقین کریں کہ آپ کی بھیجی ہوئی کتابوں میں سے اکثر شعبہ میں میری میز پر اور الماری میں موجود ہیں اور ہر لمحہ آپ کی یاد دلاتی رہتی ہیں-یہ ان کتابوں کی بات ہے جو تاریخ، سیرت، ادب اور روایات سے متعلق ہیں کہ جن سے تھوڑا سا شغف مجھے بھی ہے ورنہ آپ کی وہ کتابیں جو فقہ، حدیث اور علوم نقلی سے متعلق ہیں اور جن پر آپ کی شہرت کا دارومدار ہے، میری دسترس میں نہیں-حیاتِ ظاہری کی مکمل چار دہائیاں بھی نہ ملنے پر اتنا بڑا کارنامہ انجام دینا صرف آپ ہی کے بس کی بات ہے-

یقیناً یہ کارنامہ آپ کے نام کو اس فانی دنیا میں ان شاء اللہ تا دیر باقی رکھے گا اور آپ کی دائمی زندگی کا انتظام تو اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کے ذریعے آپ کو جام شہادت نوش کروا کے کر ہی دیا ہے، جنھوں نے سرزمین عراق پر آپ کو مثال علی اکبر ابن الحسین علیہ السلام شہید کیا-

اسید میاں! وہاں کے حالات کا یہاں سے کیا مقابلہ! یہاں تو ایک بے چینی، ایک کسک اور اضطراب کی ایک صورت بوجوہ مستقل ہے-ظاہری بات ہے کہ ان کیفیات میں یہاں کے معاملات وحالات کو بہت دخل ہے جو روزانہ نئی نئی صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک صورت عزیزوں اور رفیقوں کی رخصتی بھی ہے، جن میں سے بہت سی بے حد غیر متوقع ہوتی ہیں-مثال میں اپنے یار عزیز اور بہترین آرٹسٹ خالد بن سہیل یا شاعر دوست خواجہ جاوید اختر کا نام پیش کر سکتا ہوں اور ان سب کے مقابلے سب سے واضح اور نمایاں مثال خود آپ کی ہے-آپ کی روانگی جس قدر غیر متوقع ہے اسے بس دل ہی جانتا ہے-مذکورہ بالا دونوں احباب سے خدا کرے آپ کی بھی وہ ملاقات ہو اور اللہ انھیں جنت کے اس حصے کی سیر کی بھی توفیق بخشے جہاں آپ تشریف فرما ہیں-آپ ہی کے حصے میں ۱۹۹۷ء میں رخصت ہونے والے شہید مکر ودغا میرے آقائے نعمت حضرت مولانا سید افضل اجملی رحمۃ اللہ علیہ سابق سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل بھی ہیں-ملاقات ہو تو سلام عرض کیجیے گا اور دائرہ شاہ اجمل میں اپنی حاضری کا ذکر کر کے وہاں کے تازہ حالات سے انھیں مطلع کر دیجیے گا-

جملہ شہدائے اسلام کی خدمات بابرکات میں ہدیۂ سلام پیش کر کے ہمارے لیے دعاؤں کی درخواست کیجیے گا اور سرکار بغداد سید الافراد سیدنا وشیخنا ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی جناب میں قدم بوسی عرض کیجیے گا-

اسید میاں! جوارِ سرکار غوث پاک میں ابدی آسودگی اور سرزمین عراق پر سنت علی اکبر ابن الحسین علیہ السلام کی ادائیگی کی سعادت کے سبب سے آپ پر بہت رشک آتا ہے-اس کا اظہار میں نے ایک قطعہ میں بھی کیا ہے جو آپ کی شہادت اور جلسۂ چہلم کی تاریخ کی مناسبت سے قطعۂ تاریخ بھی ہوگیا ہے-

اسے ملاحظہ کریں:

تاریخ شہادت بھائی اسید

۲۰۱۴ء

اے میرے اسید اے گلِ گلزار بدایوں
کر کے میرے دل کشت کو برباد ہے تو دفن
ہر ذرۂ خاک آج ترے شہر کا پیارے
مصروفِ بکا مائل فریاد ہے تو دفن
ہر پل متبسم وہ ترا روئے دل آرا
ہر اک کو دلاتا ہے تری یاد ہے تو دفن
جو لوگ کہ ہیں واقف اوصاف و خصائل
دل ان کا تری یاد سے آباد ہے تو دفن
ہر صاحبِ علم آج یہ کہتا ہے بصد غم
تابندہ ترا ایک اک ارشاد ہے تو دفن
ہو خلد میں تو شاد شہیدوں کے جلو میں
قاتل ترا تا حشر ہو ناشاد ہے تو دفن
دنیائے دنی غم میں ترے بال بکھیرے
اندھیر ہے اے نازش زہاد، ہے تو دفن
کہتی ہے ہمیشہ تھی تری عاشق صادق
اور کہتی ہے تجھ کو ستم ایجاد ہے تو دفن
جی بھر کے ہوا رشک سراج عجمی کو
۱۳
زیر قدم سید بغداد ہے تو دفن

۲۰۱۴=۱۳+۲۰۰۱

اللہ تبارک وتعالیٰ بطفیل مطلع قصیدۂ آدمیت و مقطعِ سلسلۂ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم آپ کے درجات میں روز افزوں ترقی فرمائے اور آپ کی طرح زندگی گزارنے کی اور جان سے گزر جانے کی توفیق جملہ فرزندانِ توحید کو کرامت فرمائے- آمین!

بہت جلد آپ سے ملاقات اور خدمت میں حاضری کا امید اور التماسِ دعا کے ساتھ رخصت- خاکسار

سراج اجملی

☆ استاذ: شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یوپی)

بقیہ: بڑوں کے لیے فخر عصر اور نسل نو کے لیے خضر عصر

اخیر میں اس حقیقت کے اظہار میں بھی کوئی باک نہیں کہ نئی نسل کا علم حدیث وتفسیر کی جانب خصوصی رجحان اور نئی نسل کے اندر تحقیقی مزاج کے نشو ونما پانے میں آپ کی شخصیت کا کلیدی رول ہے- نئے اور علمی موضوعات پر بتوسط ماہنامہ 'جامِ نور' آپ کے تحقیقی مقالات بڑے مؤثر کن ثابت ہوئے- ۲۰۱۱ء میں قائد جنگ آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی پر جب پورے ہندوستان میں علامہ کے ڈیڑھ سو سالہ جشن کی تقریبات منائی جارہی تھیں، آپ نے اور آپ کے رفیق خاص مولانا خوشتر نورانی نے اس تحریک کے روحِ رواں مولانا لیٰسین اختر مصباحی کی تحریک پر بالترتیب 'خیرآبادیات' اور 'علامہ فضلِ حق خیرآبادی: چند عنوانات' کے نام سے نہایت علمی و تحقیقی کتابیں قلم بند فرمائیں جو اسی وقت منظر عام پر بھی آئیں اور برصغیر کے معروف و مستند علمی حلقوں کو متاثر کیا- مصباحی صاحب نے ایک مجلس میں ان دونوں حضرات کی علمی خدمات کو سراہتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ:

"اگر اُسید الحق اور خوشتر نورانی جیسے اور پانچ چھ اصحابِ قلم پیدا ہو جائیں تو ہماری جماعت میں تحقیقی و علمی لٹریچر کا رونا نہیں رویا جائے گا-"

ابھی پچھلے مہینے کی بات ہے کہ راقم الحروف سے ایک ملاقات میں شیخ صاحب نے نئی نسل کے دو چار صاحبانِ فکر وقلم کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا تھا: "ارشاد صاحب! اپنی جماعت میں تحقیقی مزاج اور اچھے صاحبِ قلم کی کمی تو ضرور ہے لیکن نئی نسل میں مولانا ذیشان مصباحی اور مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی جیسے اصحابِ قلم کی نگارشات کو میں پڑھتا بھی ہوں اور ان حضرات کی شگفتہ اور علمی تحریر کا قائل بھی ہوں-"

اسے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شیخ صاحب ہمارے درمیان سے گئے تو ضرور ہیں لیکن افراد کی کمی کا مرثیہ لے کر نہیں بلکہ انھوں نے نئی نسل کے اندر اپنے تحقیقی کام کا بچشم خود ملاحظہ کیا- میرا تو دل یہ کہہ رہا ہے کہ ان کی روح آستانۂ غوثِ اعظم میں آسودگیِ خواب پر مسرور ہو رہی ہوگی کیوں کہ انھوں نے اپنے پیچھے اپنے احباب وتلامذہ کی ایک بڑی جماعت چھوڑی ہے جو ان کے کام اور مشن کی تکمیل ضرور کرے گی-

☆ ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، ہمدرد نگر، تغلق آباد، نئی دہلی

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی (پاکستان) ☆

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

میری آرزو ہے کہ حضرت اسید الحق قادری کی یاد میں ایک 'ریسرچ جرنل' جاری کیا جائے

آبروئے قلم، نباضِ عصر، محترم ومکرم مولانا خوشتر نورانی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگرچہ ٹیلیفون کے ذریعے آپ سے علم وعمل کے پیکر، شعور وآگہی کے نور سے آراستہ محقق اور سراپا اخلاص دوست علامہ اُسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے تعزیت کر لی تھی، مگر اب بھی آپ کو حضرت صاحبزادہ صاحب کی ڈھیروں یادیں سنانے اور آپ سے سننے کے لیے جی مچلتا ہے، مجھے مصر میں اُن کی ایک محدود رفاقت میسر رہی، اُن کی رحلت سے قبل مجھے خبر ہی نہ تھی کہ اُن کی محبت میری روح کی گہرائیوں میں اِس قدر رچ بس ہے، آپ کے ساتھ تو اُن کی طویل رفاقت رہی، بہت سے سمینارز اور کانفرنسز میں آپ اکٹھے شرکت کیا کرتے تھے، علمی اور تحقیقی کاموں میں بھی آپ ایک دوسرے سے مشاورت کیا کرتے تھے، اللہ ہمارے اِس عظیم دوست کے درجات بلند فرمائے، آپ کو صحت وسلامتی اور حوصلوں کی مزید بلندیاں عطا فرمائے، آپ کی گوناگوں صلاحیتوں کو امت کے لیے اور زیادہ نفع مند بنائے-

میری آرزو ہے کہ حضرت اُسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایک خالصتاً تحقیقی مجلّہ جاری فرمائیں، اِس سے بہت لوگوں کا بھلا ہوگا اور یہ امر حضرت اُسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روح کے لیے باعث تسکین بھی ہوگا، ہمارے یہاں پاکستان اور ہندوستان میں ایسے مجلّات کی بہت کمی ہے، اِن مجلّات میں شائع ہونے والے تحقیقی مقالات کے ذریعے یونیورسٹیوں کے اساتذہ کو ترقیاں ملتی ہیں، بلکہ ہمارے ہاں پی ایچ ڈی اسکالر کو کسی معیاری تحقیقی مجلّے میں ایک تحقیقی مقالہ لازماً چھپوانا پڑتا ہے، ہمارے اساتذہ اور پی ایچ ڈی اسکالرز کو تحقیقی مجلّات میں اپنے علمی مقالات چھپوانے میں انتہائی دشواری ہوتی ہے، اگر آپ اِس حوالے سے قدم اُٹھائیں تو میں بعد میں مزید گزارشات عرض کروں گا- ہندوستان میں وسعت علم وفکر کے حامل ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی صاحب سے بھی اِس حوالے سے رہنمائی لی جاسکتی ہے جو کہ میرے علم کے مطابق آپ سے اور حضرت اُسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بے لوث محبت کرنے والوں میں سے ہیں- ویسے بھی علمی، ادبی اور صحافتی دنیا میں آپ کا ایک وسیع حلقۂ احباب موجود ہے، آپ اس ریسرچ جرنل کے حوالے سے مجھے جو خدمت سونپیں گے میں اُس کے لیے حاضر ہوں- شریکِ غم ممتاز احمد سدیدی (لاہور، پاکستان)

چلچلاتی دھوپ اور لق و دق صحرا جیسی زندگی میں بعض لوگ بادِ بہاری کا خوشگوار جھونکا بن کر داخل ہوتے ہیں تو تن بدن کو جھلساتی دھوپ کی تمازت میں کمی کا احساس ہوتا ہے، مشامِ جاں محبت کی بے لوث خوشبو سے مہک اٹھتا ہے، بے کل اور بے قرار دل کی گہرائیوں میں راحت اور طمانیت کا احساس اترتا چلا جاتا ہے، بغداد شہر میں شہادت کا رتبہ اور حضرت غوثِ اعظم کے قدموں میں آرام گاہ پانے والے ہمارے فاضل دوست علامہ اُسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کو دست قدرت نے علم کے نور، اخلاقِ فاضلہ کی حلاوت اور خوئے دلنوازی سے مالا مال فرمایا تھا، اُس ہمدمِ دیرینہ کی محبت اور دوستی جس قدر باعث تسکین جاں تھی، اُس رونقِ محفل کی اچانک رحلت اُسی قدر صبر وقرار کو چھین لینے والی تھی، وہ زندہ رہے تو اِس شانِ دلربائی کے ساتھ کہ قلوب و اذہان میں اُن سے ملاقات کی تڑپ اور آنکھوں میں اُن کی دید کی پیاس تھی، اچانک اُن کی شہادت کی خبر سنتے ہی اُن سے ادنیٰ سی شناسائی رکھنے والے شخص کی آنکھوں سے بھی اشکوں کا سیلِ رواں جاری ہو گیا، میں نے علامہ اُسید الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد اُن کے حوالے سے کچھ لکھنے کی جب بھی کوشش کی تو میں نے جلتے بجھتے

الفاظ اور مسلسل الجھتے ہوئے تخیلات کے سامنے خود کو بے بس پایا، مجھے ہر مرتبہ یوں محسوس ہوا کہ الفاظ میرے قلم سے روٹھ گئے ہیں، میں جب بھی لکھنے بیٹھا کبھی ماضی کی خوشگوار یادوں میں کھو گیا اور کبھی ایک سجی سجائی محفل کی اچانک ویرانی میں الجھ گیا، میری بے بسی کی حالت کچھ یوں تھی:

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

علامہ اسید الحق قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے میں جب بھی کچھ لکھنے بیٹھا تو مجھے بے بسی کی ایک عجب کیفیت کا سامنا کرنا پڑا، شعور کی گہرائیوں سے نہ لفظوں کے موتی ابھر کر اوپر آئے نہ ہی معانی و افکار کا نزول ہوا، مگر اشکوں کا سیلِ رواں مجھے میری تمام تر بے بسی اور بینوائی کے ساتھ اپنے بہاؤ کے شکنجے میں لپیٹ کر بہت دور حسرت و یاس کی وادی میں لے گیا، قتیل شفائی کے بقول:

اڑتے اڑتے آس کا پنچھی دور افق میں ڈوب گیا
روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودائی کی

جب مجھے حضرت صاحبزادہ اُسید الحق صاحب کی شہادت کی اندوہناک خبر ملی تو کئی احباب سے تصدیق کرنے کے باوجود دل و دماغ اِس بات کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے کہ اتنا بڑا سانحہ ہو گیا ہے، پھر حضرت مولانا سالم میاں مدظلہ العالی سے تعزیت کرنے کا حوصلہ نہیں مل رہا تھا، مگر ایک دن میں نے ہمت کر کے مولانا مجاہد صاحب کے ذریعے حضرت سالم میاں مدظلہ العالی سے بات کی تو میں اُن کے صبر، اُن کے جذبۂ تسلیم و رضا اور اُن کی استقامت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا، زبان سے کسی کو صبر کی تلقین کرنا بہت آسان ہے مگر آزمائش کے وقت عملی طور پر صبر کے سانچے میں ڈھلنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، میں اب بھی سوچتا ہوں تو گھبرا اٹھتا ہوں کہ ہمارے مخدوم و محتشم حضرت سالم میاں مدظلہ العالی کے سامنے آپ کے عظیم بیٹے کی شہادت ہوئی، آدابِ فرزندی سے آگاہ ایک ایسا سراپا سعادت بیٹا اُن سے بچھڑا جو لاکھوں میں ایک تھا، مگر آپ شدید کرب کے اُن لمحوں میں بھی استقامت کے کوہِ گراں بنے رہے، قضا و قدر کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے رہے، میرا وجدان کہتا ہے کہ حضرت سالم میاں مدظلہ العالی کو یقیناً اُن نبوی کلمات کا اطمینان حاصل تھا جو آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رحلت پر فرمائے تھے، آقا کریم کی چشمانِ مبارک سے اشکوں کا سیل رواں جاری تھا، مگر آپ نے اِس کیفیت میں بھی امت کی تربیت کے لیے فرمایا: ان العین لتدمع وان القلب لیجزع و انا لفراقك لمحزونون یا ابراھیم، ولا نقول الا ما یرضی اللّٰہ عزوجل، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

میں نے حضرت سالم میاں مدظلہ العالی سے جب اپنی بے تابی اور بے قراری کا اظہار کیا تو آپ نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے عظیم فرزند حضرت صاحبزادہ اُسید الحق صاحب کے حوالے سے فرمایا: ''ایک تو وہ شہادت کا جام نوش کر کے ربّ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اور پھر اُنہیں حضور غوثِ پاک کے قدموں میں آرامگاہ ملی ہے۔'' حضرت نے مزید فرمایا: ''میں نے مولانا خوشتر نورانی صاحب سے بھی کہا تھا اور آپ کو بھی کہہ رہا ہوں، اب اگر مولانا اُسید الحق اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں تو ہمارے ساتھ تعلق نہ توڑ دینا۔'' میں نے عرض کیا: ''آپ سے جو تعلق خاطر پیدا ہو چکا ہے وہ ان شاء اللہ کبھی نہیں ٹوٹے گا، آپ بھی ہمیں اپنے بچوں کے ساتھ دعاؤں میں شامل رکھیں۔''

قاہرہ میں آٹھ سالہ قیام کے دوران نہ بھولنے والے جن معدودے چند لوگوں سے ملاقات ہوئی، اُن میں سے ایک صاحبزادہ اُسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں ایک روز جامع الازہر کی طرف سے مسجد سیدنا الحسین کی طرف جانے والے زیر زمین راستے کی سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ آتے جاتے مصریوں کے درمیان دو روشن ہندوستانی چہرے نظر آئے، اُن چہروں کی کشش نے مجھے رکنے پھر آگے بڑھ کر ملنے اور متعارف ہونے پر مجبور کر دیا، مدرسہ قادریہ بدایوں شریف اور حضرت علامہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خانوادے سے نسبت کا علم ہوا تو میرا پورا وجود خوشی کی کیفیت سے سرشار ہو گیا، شیخِ طریقت حضرت مولانا عبدالحمید سالم میاں بدایونی مدظلہ العالی اور اُن کے نورِ نظر صاحبزادہ اُسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب میں نے اپنا تعارف کروایا تو صاحبزادہ صاحب نے فرطِ مسرت سے فرمایا: ''تو آپ ہیں سدیدی صاحب؟ آپ حضرت شرف صاحب کے صاحبزادے ہیں؟ ہندوستان سے چلتے ہوئے ہمارے دوست نوشاد عالم صاحب نے آپ کا تذکرہ کیا تھا۔'' حضرت صاحبزادہ صاحب کی

زبان سے یہ محبت بھرے کلمات سن کر مجھے مزید خوشی ہوئی، صاحبزادہ صاحب نے والد گرامی حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری (رحمۃ اللہ) کی خیر و عافیت دریافت کی تو میں نے اُنہیں بتایا کہ چند روز میں والد گرامی اور حضرت سید وجاہت رسول قادری صاحب قاہرہ تشریف لا رہے ہیں، اِس پر دونوں حضرات نے نہایت خوشی کا اظہار کیا، اِن دونوں حضرات کے ہمراہ کچھ مزارات پر حاضری دی، پھر جب والد گرامی اور حضرت سید صاحب قاہرہ تشریف لائے تو یہ دونوں حضرات حضرت سالم میاں اور صاحبزادہ اسید الحق سے ملاقات کے لیے ہوٹل میں تشریف لے گئے، تب دونوں طرف سے ایک دوسرے کے لیے محبت اور احترام کے جذبات دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں، بعد میں علامہ اُسید الحق صاحب کے ساتھ ملاقاتیں جاری رہیں اور ہر ملاقات کے بعد اُن سے محبت اور اُنسیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہلی ملاقات کے حوالے سے حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا تھا:

''ستمبر ۱۹۹۹ء میں ازہر شریف میں میرا داخلہ کروانے کے لیے والد گرامی قدر حضرت شیخ عبدالحمید سالم قادری مدظلہ مجھے مصر لے گئے، ازہر شریف میں سب سے پہلے جس اردو بولنے والے طالب علم سے ملاقات ہوئی وہ فاضلِ جلیل ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی صاحب تھے، تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ آپ علامہ عبدالحکیم شرف صاحب کے فرزند ہیں اور یہاں ازہر میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، اُن سے ملاقات کر کے مجھے اپنائیت کا احساس ہوا، اور لاشعور میں اجنبی ملک میں تنہا رہنے کا جو ایک خوف سا تھا وہ ممتاز صاحب سے ملاقات کر کے اطمینان میں تبدیل ہو گیا، ممتاز صاحب نے بتایا کہ چند روز میں پاکستان سے شرف قادری صاحب اور حضرت سید وجاہت رسول قادری صاحب تشریف لانے والے ہیں، میرے لیے یہ اطلاع کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی، بہر حال یہ دونوں حضرات مصر تشریف لائے اور ایک دن اچانک ممتاز صاحب دونوں حضرات کو لے کر ہمارے ہوٹل پہنچ گئے، یہ شرف صاحب سے والد گرامی کی بھی پہلی ملاقات تھی اور میں بھی پہلی بار اُن کی زیارت کر رہا تھا، اُن کو دیکھ کر اور اُن کی گفتگو سن کر جو پہلا تاثر میرے ذہن پر قائم ہوا وہ یہ تھا کہ......ع

ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

اِس سفر میں اُن سے مزید چند بار نیاز حاصل ہوا، اُن کی کسرِ نفسی، تواضع، اخلاق اور خوردہ نوازی نے بے حد متاثر کیا، علم و فن کی ہمالیائی بلندیوں پر فائز ہونے کے باوجود ادنی سے ادنی طالب علم کے لیے بھی انکسار، تواضع اور شفقت بھرا سلوک کرنا، عظمت کا یہ پہلو یا تو میں نے اپنے استادِ گرامی امامِ علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب میں دیکھا یا پھر اِس کی جلوہ نمائی حضرت علامہ شرف صاحب میں نظر آئی۔''

حضرت والد گرامی علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری حضرت صاحبزادہ اسید الحق صاحب سے مل کر کئی وجہ سے بہت خوش ہوتے تھے، ایک بات تو یہ تھی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی ابن تاج الفحول حضرت شاہ عبدالقادر بدایونی رحمہما اللہ تعالیٰ کے پوتے ہیں، اِس خاندان سے حضرت والد گرامی کو کئی وجہ سے نہایت محبت تھی، ایک وجہ تو اِس خاندان کی علمی اور دینی خدمات تھیں، دوسری وجہ یہ تھی کہ تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ براہِ راست علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد تھے، تیسری وجہ یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اِس علمی اور روحانی خاندان کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے، چوتھی وجہ یہ تھی کہ اُن کے سامنے ایک عظیم علمی اور روحانی خانوادے کا ایک عظیم فرد نہ صرف علم کا نور اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے موجود تھا بلکہ اپنی پیشانی پر عجز و نیاز کا جھومر سجائے ہوئے تھا، وہ صرف مریدین سے احترام کروانا ہی نہیں بلکہ اپنی فطری سعادت مندی کے باعث اہل علم کا احترام کرنا بھی جانتا تھا۔ میں نے اُنہیں حضرت والد گرامی کے ساتھ جس محبت اور احترام سے ملتے ہوئے دیکھا وہ اُن کی سعادت مندی اور خاندانی عظمت کی واضح دلیل ہے، اُن کا حضرت والد گرامی صاحب جیسے ایک درویش منش آدمی سے جھک کر ملنا اور اُن کے سامنے غایت محبت کے ساتھ دو زانو ہو کر بیٹھنا مجھے کبھی نہیں بھولے گا۔

جن دنوں میں الازہر یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہا تھا علامہ اسید الحق صاحب نے مجھے بتایا کہ مدرسہ قادریہ بدایوں شریف کی لائبریری میں علامہ فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ تعالی کے قصائد کا ایک مجموعہ موجود ہے، میں نے جھٹ سے گزارش کی کہ مجھے اس کی کاپی عنایت ہو- حضرت صاحبزادہ صاحب ہندوستان سے واپس آئے تو اُنہوں نے علامہ خیرآبادی کے قصائد کی فوٹو کاپی عنایت فرمائی - میں نے شکریہ ادا کیا تو انہوں نے بڑی آہستگی سے فرمایا: ''یہ کئی وجہ سے تو میرا فرض تھا-'' ہمارے فاضل دوست محترم ثاقب رضا صاحب نے بھی راقم کو بتایا کہ علامہ اُسید الحق صاحب اُن کو بھی انٹرنیٹ کے ذریعے بعض اہم کتابیں مہیا فرمائیں- جناب ثاقب رضا صاحب نے مجھے علامہ اُسید الحق صاحب کے حوالے سے کچھ ایسی اہم باتیں بتائیں جو اُن کی فراخ دلی، تحمل، برداشت اور رواداری پر دلالت کرتی ہیں- یہاں لاہور میں ایسے کئی علم دوست احباب ہیں جن کے ساتھ صاحبزادہ مولانا اسید الحق صاحب کا معاملہ بہت مشفقانہ رہا ہے- خاص طور پر وہ کسی کے ساتھ بھی علمی تعاون سے گریز نہیں کرتے تھے، بلکہ انھیں اتنا نوازتے تھے جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا-

قاہرہ میں قیام کے دوران کئی مرتبہ حضرت مولانا عبدالحمید سالم میاں مدظلہ العالی سے نیاز حاصل ہوا، آپ جب بھی وہاں تشریف لائے میں ہر دفعہ اُن کی شفقتوں اور دعاؤں سے مالا مال ہوا، میں جب بھی اُن سے ملا اُن کی خاندانی وجاہت اور پھر بدایوں شہر کی طرف نسبت کے باعث آپ سے بہت زیادہ اُنسیت ہوئی، بدایوں شریف محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ تعالی کا شہر ہے، اِن دونوں نسبتوں کی وجہ سے حضرت مولانا سالم میاں اور اُن کے سراپا ادب فرزند ارجمند صاحبزادہ اُسید الحق صاحب سے ایک خاص محبت اور انسیت تھی اور ہمیشہ رہے گی-

حضرت علامہ اُسید الحق قادری بدایونی نے ہندوستان میں رہ کر دینی علوم نہایت توجہ اور محنت سے حاصل کیے اور خیرآبادی نسبت کے زیر اثر امامِ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رحمہ اللہ تعالی سے منطق وفلسفہ میں خصوصی استفادہ کیا، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالحمید سالم میاں مدظلہ العالی نے اپنے اِس سراپا سعادت بیٹے کی اِس عمدگی سے تربیت فرمائی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے دل میں اہلِ علم سے استفادہ کا ذوق وشوق کوٹ کوٹ کر بھر دیا- روایتی صاحبزادوں والی ذہنیت پیدا ہی نہیں ہونے دی، علامہ اسید الحق صاحب ہندوستان میں تعلیم حاصل کر چکے تو انہیں الازہر یونیورسٹی میں داخلہ دلوایا، یہ علامہ اسید الحق کا ذوق وشوق تھا کہ انہوں نے الازہر یونیورسٹی سے علوم القرآن میں گریجویشن کرنے کے بعد مصری دارالافتا سے فتوی نویسی کی ایک سالہ عملی تربیت حاصل کی-

علامہ اسید الحق قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالی کی والد گرامی حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ سے ۱۹۹۹ء میں ایک ملاقات ہوچکی تھی، ۱۵فروری ۲۰۰۴ء میں حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ مصر تشریف لائے تو علامہ اُسید الحق صاحب بہت اہتمام کے ساتھ حضرت والد گرامی سے ملنے کے لیے تشریف لاتے رہے-

عموماً ہوتا یوں ہے کہ ہم کسی بھی پیر خانہ کے ہر بڑے چھوٹے فرد تک کے لیے تو بچھتے چلے جاتے ہیں، کسی حد تک اپنے اُن اساتذہ کا بھی احترام کرتے ہیں جن سے ہم نے دینی علوم کا اکتساب کیا ہے، مگر ہمارے ہاں اِن دو رشتوں اور ناطوں کے بغیر کسی ذی علم شخصیت سے عقیدت، محبت اور احترام کا وہ تعلق پیدا نہیں ہوتا جو عموماً مشائخ اور پھر کسی حد تک اساتذہ سے استوار ہوتا ہے، مگر دینی مدرسے کے ایک شیخ الحدیث کا ہاتھ چومنے کی کوشش اور اِس قدر محبت کا اظہار علامہ اسید الحق قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالی جیسا سراپا ادب اور پیکر سعادت انسان ہی کرسکتا ہے، ہر کسی کو یہ ذوق میسر نہیں آتا- ایک پیرزادہ کسی عالم دین کی للہ فی اللہ اِس قدر تعظیم کرے! یہ معمولی بات نہیں، یہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی عظمت اور اُن کے گھر کی عمدہ تربیت کی علامت ہے-

حضرت علامہ اُسید الحق قادری کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا تو کئی دن تک یوں محسوس ہوتا رہا کہ جیسے صبر وقرار چھن گیا ہے، ہنسنا مسکرانا تو دور کی بات ہے کسی سے بات کرنے سے بھی طبیعت بیزار رہی، ایک دن صبح کی نماز کے بعد والدہ صاحبہ کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا تب میں نے اُن کی خدمت میں اپنی یہ کیفیت عرض کی تو اُنہوں نے فرمایا: ''اللہ تعالی کے فیصلوں کے سامنے سر جھکانا سیکھو، تم کیا جانو کہ حضور غوثِ پاک کے قدموں میں محوِ آرام تمہارے دوست کی تربت پر انوار و تجلیات کی کیسی بارشیں برس رہی ہوں گی- ہر آدمی کی دنیا سے واپسی کا ایک وقت مقرر ہے، پھر یہ بھی دیکھو کہ اُن کا خمیر حضور غوثِ پاک کے احاطے سے اٹھایا گیا تھا، جہاں کی مٹی تھی اپنے مقررہ وقت پر وہیں پہنچ گئی-'' مجھے والدہ صاحبہ کے اِن کلمات سے قدرے صبر وقرار نصیب ہوا-

گوجرہ سے ہمارے فاضل دوست حکیم عظمت اللہ نعمانی صاحب کو حضرت اُسید الحق قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالی سے غایت درجے کی محبت تھی، حکیم صاحب حضرت صاحبزادہ صاحب کو وقتاً فوقتاً کال کرتے رہتے تھے حضرت صاحبزادہ صاحب اُن کے محبت بھرے کلمات سے نہایت محظوظ ہوتے، حکیم صاحب نے مجھے بتایا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے وصال سے کچھ عرصہ قبل از خود اُن کو کال کی اور تقریباً سولہ منٹ تک شفقت بھری گفتگو فرماتے رہے، اُنہوں نے فرمایا: ''عموماً آپ ہی کال کیا کرتے ہیں، میں نے سوچا کہ آج میں بھی آپ کو کال کروں-'' یہی نہیں بلکہ حادثے والی رات میں حضرت صاحبزادہ نے حکیم صاحب کو خواب میں یہ اشارہ دے دیا تھا کہ اب ہم اِس دنیا میں نہیں رہے ہیں اور اگلے دن حکیم صاحب پر اُس وقت رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے جب اُنہیں حضرت صاحبزادہ صاحب کی شہادت کی خبر ملی-

بیقراری کے عالم میں گزشتہ دنوں میں اپنے سراپا شفقت دوست پروفیسر دلاور خان صاحب کے ساتھ حضرت علامہ اُسید الحق صاحب کے حوالے سے بات کر رہا تھا تو اُنہوں نے فرمایا: ''حضرت اسید الحق صاحب عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اہل سنت کی نشأۃ ثانیہ کے لیے کوشاں تھے، اُنہوں نے روایتی جمود کو توڑنے کے لیے علمی اور فکری محاذوں پر کام کیا، وہ اہل سنت کو عالمی سطح پر منظم کرنے کے لیے عرب مشائخ سے بھی رابطے کر رہے تھے-''

حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالی نے وصال سے کچھ عرصے پہلے ہمارے چھوٹے بھائی حافظ نثار احمد صاحب سے فرمایا تھا ۲۰۰۷ء میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی شہادت پر ڈیڑھ سو سال مکمل ہو جائیں گے، اِس موقع پر اور کچھ نہیں تو آپ کی تصنیف ''الثورۃ الہندیہ'' کا اردو ترجمہ ''باغی ہندوستان'' ہی شائع کردو اور اس کتاب کی پیشانی پر لکھنا: ''ڈیڑھ سو سالہ یوم جنگ آزادی کی مناسبت سے جدید اشاعت'' شومئی قسمت سے یہ کتاب حضرت والد صاحب کے وصال سے پہلے شائع نہ ہوسکی بلکہ بعد میں طبع ہو کر آئی، ۲۰۰۷ء میں علامہ فضل حق خیرآبادی کے حوالے سے پاکستان میں تو سمینارز کا اہتمام نہ کیا جاسکا مگر ہندوستان میں منفرد اسلوبِ نگارش کے حامل علامہ خوشتر نورانی اور حضرت علامہ اُسید الحق قادری کی کوششوں سے کئی سمینارز منعقد ہوئے، اِن دونوں حضرات نے علامہ فضل حق خیرآبادی کے حوالے سے باقاعدہ ایک تحریک کو از سرِ نو منظم کیا اور دونوں حضرات نے ''علامہ فضل حق خیرآبادی: چند عنوانات'' اور ''خیرآبادیات'' کے ناموں سے علی الترتیب وقیع، علمی اور منفرد لب ولہجے کی کتابیں لکھیں- یہ کتابیں پاکستان میں بھی شائع ہوئیں- علامہ اسید الحق صاحب نے اپنی کتاب پر مجھے کچھ لکھنے کے لیے حکم فرمایا تو ساتھ یہ بھی فرمایا: ''کوشش کریں کہ کتاب کے حوالے سے ہی لکھیں، میرے حوالے سے کچھ نہ لکھیں گے تو مجھے خوشی ہوگی-'' بہر حال میں نے وہ ایک مختصر تبصرہ لکھ کر ای میل کے ذریعے ارسال کردیا جسے انہوں نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ اِسے کتاب کے ساتھ شائع بھی فرمایا اور اس پسندیدگی کا تسلسل تھا کہ انہوں نے امام زین العابدین کی مدح میں فرزدق تمیمی کے قصیدے پر کچھ کام کیا تو ہمارے عزیز دوست جناب رضاء الحسن کے ذریعے مجھ خاکسار کو اِس رسالے پر تقریظ لکھنے کے لیے فرمایا، حضرت کی اس محبت کی برکت سے ایک مختصر مگر خوبصورت تقریظ ضبط تحریر میں آئی جو ہندوستان سے شائع ہونے والے اس کتابچے کا حصہ بنی ہے-

علامہ اُسید الحق قادری بدایونی صاحب جیسے دوست کی محبتوں کا قرض فقط ایک مضمون کے ذریعے چکایا نہ جائے گا، ان شاء اللہ آئندہ بھی اِس حوالے سے لکھتا رہوں گا- ایک وقت میری زندگی میں ایسا بھی آیا تھا جب مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ مجھ سے روشنیاں روٹھ گئی ہیں، میرے چاروں طرف تاریکیوں کا ڈیرہ ہے، میرے سر سے سائبان اُٹھ گیا ہے اور میں کسی لق ودق صحرا میں کڑی دھوپ کی تمازت سے جھلس رہا ہوں- جی ہاں مجھ پر یہ کیفیت والد گرامی حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کی رحلت کے وقت طاری ہوئی تھی جس سے میں اب بھی باہر نہیں نکل سکا- علامہ اسید الحق قادری کی رحلت سے پھر وہی کیفیت بنی ہوئی ہے- اللہ رب العزت ہم سبھوں کو صبر عطا کرے-□□□

☆اسسٹنٹ پروفیسر: منہاج یونیورسٹی، لاہور (پاکستان)

مولانا فروغ القادری☆

لوگ صدیوں میں اتنا کام نہیں کر پاتے

ایسا عالم، محقق، محشی، فلسفی، عاشق رسول، علوم شریعت کا ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خواں صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے

فاضل علوم شرقیہ، حضرۃ الافاضل، جامع معقول ومنقول، وارث علوم تاج الفحول، محقق عصر، علامۃ الدھر حضرت مولانا اسید الحق قادری عثمانی بدایونی کے سانحۂ ارتحال اور حادثاتی موت پر جس قدر طبعی رنج اور قلبی تکلیف پہنچی وہ میرے ضبط بیان سے باہر ہے- اس عظیم ملی وقومی نقصان پر جتنا بھی اظہار افسوس کیا جائے وہ کم ہے- علوم ومعارف کے جواہرات سے آراستہ اس طرح کی جامع الصفات شخصیات آفاق وانفس کی وسعتوں میں کبھی کبھی اور کہیں کہیں پیدا ہوتی ہیں- ایسا عالم، عارف، شارح، محشی، فلسفی، عاشق رسول، علوم شریعہ کا بے باک ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خواں صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے- اور شاید پھر صدیوں کے بعد پیدا ہو- قدرت نے انھیں اس جواں سالی میں جس علمی وفنی اختصاص سے نوازا تھا، اس حوالے سے ان کے معاصرین میں دور دور تک کوئی اور نظر نہیں آتا، انھوں نے کم عمری میں جس وسیع پیمانے پر عملی وقلمی کارنامہ انجام دیا ہے لوگ صدیوں میں اتنا کام کر نہیں پاتے- افسوس کہ ملت اسلامیہ کے اضطراب میں ڈھڑکنے والا دل ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا- رازی وغزالی کی درس گاہ فیض کی آبرو ہم سے اچانک رخصت ہوگئی، قوم وملت کا یہ غم خوار، عالم ربانی اب عرش الٰہی کے سایے میں محو خواب ہے- قبول ومغفرت کے پھول اور ملکوتی فرشتوں کی ہزار ہا رحمتیں ان کے وجود پاک پر برسائی جا رہی ہوں گی-

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو، ترے عفو بندہ نواز میں

علامہ اسید الحق قادری نور اللہ مرقدہ صرف برصغیر ہندو پاک ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ اور عالم انسانیت کا مشترکہ سرمایہ اور گراں قدر علمی میراث تھے- وہ ایک نادر دہر مفکر، بے باک ناقد، فکر انگیز خطیب، باصلاحیت مدرس، دقت طراز قلم کار، زمانہ ساز مدبر، حیات آفریں شخصیت اور اس عہد جدید میں ہزاروں نوجوان علما اور ارباب علم ودانش کے نقیب اعظم تھے- انھوں نے امت مسلمہ کی اجتماعی بیداری اور مسلک اہل سنت کی ترویج واشاعت کی راہوں میں ایک انقلاب انگیز اور تعمیری رنگ وآہنگ سے مرصع طرز تحریر کا فریضہ انجام دیا ہے- وہ قرآن وحدیث اور علوم اسلامیہ کے دیگر سرچشموں سے علم وعرفان کا نور حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی فکر وفلسفہ کی تہہ تک پہنچے ہوئے تھے- انھوں نے اپنے جدید اسلوب نگارش اور موثر ترین تنقیدی مضامین کے ذریعے سے مغربی تہذیب وتمدن کی حاکمانہ برتری اور علمی ترفع کے تار وپود بکھیر دیے تھے- ساتھ ہی مختلف سیمینارز میں پڑھے گئے اپنے وقیع اور محققانہ مقالات کے ذریعے سے بے شمار عہد حاضر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دلوں کو ایمانی لطافت سے سرشار اور عقلی وعملی دلائل سے مسلح کر دیا تھا-

بلاشبہ علامہ اسید الحق قادری کے علم اور معلومات کا دائرہ ان کی کم عمری کے باوجود حیران کن ہے، ان میں تقریباً ہر موضوع پر کلام کرنے کی باضابطہ صلاحیت موجود تھی- خواہ وہ مذہب ہو، فلسفہ ہو، سیاست ہو، معیشت ہو، سائنس ہو، فنون لطیفہ ہو یا پھر زبان وادب ہو، ہر موضوع پر ان کی رائے علم ودانش سے بھرپور اور دل پذیر ہوتی- ان کی ذات میں وسیع وعریض علم کے ساتھ ساتھ ایک فقید المثال علمی توازن اور فکری اعتدال بھی موجود ہے- طرز استدلال کی جامعیت اور لب ولہجے کی انفرادیت سے ان کی بے پناہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے- وہ کبھی بھی جذبات کو دلائل پر اثر انداز ہونے کی اجازت نہیں دیتے- میں یہ بات علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ عہد حاضر کے جواں سال علما میں ذہنی و فکری ظروف واحوال کے اعتبار سے علوم معقول ومنقول کی عظمت کا جس قدر انکشاف علامہ اسید الحق قادری پر ہوا ہے، کسی اور پر نہیں ہوا ہے-

علامہ اسید الحق قادری علیہ الرحمہ نے اپنی خداداد ذہانت کے ذریعے سے علم وحکمت، تحریر وتقریر، تعبیر وتبیین، تشریح وتوضیح کے میدان میں ایک وقیع اور جامع تصور پیش کیا ہے- ان کا دل مذہب ومسلک کے حوالے سے حد درجہ پرخلوص اور حساس تھا- یہی وجہ تھی کہ وہ مسلک اہل سنت کے موجودہ انتشار کے نتیجے میں دل گیر اور کبیدہ خاطر بھی تھے- ان کی تحریروں میں باضابطہ وضاحت اور صراحت تھی- پیچیدگی اور ابہام کا دور دور تک کوئی نام ونشان تک نہ تھا- آپ کی ہر تصنیف اپنے پورے ربط وضبط کے ساتھ کسی زندہ مسئلے اور اہم علمی واقعے سے بحث کرتی ہے- ان کی ہر کتاب میں رہنمائی، مآخذ ومراجع، مثبت تنقید اور تعمیری لوازمہ موجود ہے- ان کے وسیع وعمیق مطالعے اور تجزیے نے عصر حاضر کے ارباب قلم کو ایک نئی شاہراہ حیات سے آشنا کیا ہے، انھوں نے بہت کم وقت میں بہت زیادہ شاید اسی لیے ہی لکھا کہ قضا وقدر کے فیصلے انھیں بہت جلد ہم سے دور لے جانے والے تھے- سرعت تحریر میں مجھے ان کے معاصرین میں کوئی اور ان کا ہم پلہ نظر نہیں آتا-

علامہ اسید الحق قادری بدیوانی کی تحریری خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے موقف کی بنیاد موروثی توہمات وتخیلات کے بجائے مشاہدات وتجربات پر رکھی ہے- انھوں نے ایک جانب مظاہر قدرت کو آیات الٰہیہ کا تقدس عطا فرمایا اور افراد انسانی خصوصاً دینی درسگاہوں کے طلبہ کو کتاب فطرت سائنٹفک مطالعے اور مشاہدے کی جانب متوجہ کیا ہے- اور دوسری جانب سرد منطق کو استخراج کی تنگنایوں سے نکال کر استقرا کی وسعتوں اور پنہائیوں سے روشناس کرایا ہے- ان کی محققانہ درسی وغیر درسی تصنیفات اور عملی کاوشوں کو زمانہ یاد رکھے گا- وہ اسلام کا غیر فانی اثاثہ بن کر ہمارے دلوں کی کائنات میں بہت دیر تک زندہ رہیں گے- ان کی شرحیں لکھی جائیں گی- ان سے نظریات تشکیل دیے جائیں گے- اسے زرنگار ہاتھوں سے سنوارا جائے گا- ان کی ہمہ جہت عملی شخصیت اور فنی کارناموں کو مستقبل کے ارباب قلم مختلف حوالوں سے دیکھیں گے- گزرتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ مذہبی صحافت میں ان کی تنقید نگاری اور تخلیقات کی پرتیں کھل کر سامنے آئیں گی-

ابھی تو علم وفن کے بام ودران کے کارنامہائے حیات اور ذہبی دراکی کے انوار سے مزید روشن ہونے والے تھے- ابھی تو یہ ابر باراں مکمل برسا بھی نہ تھا- ابھی تو کشت ویراں پر فصل بہاری آئی بھی نہ تھی- ابھی تو مرغ شہرت نے آفاق وانفس کی وسعتوں میں بال وپر پیدا بھی نہیں کیے تھے- مجھے حد درجہ یقین تھا کہ امام علم وفن، استاذ زمن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ کے وصال سے جو مسند ارشاد خالی ہوگیا ہے، وہ علامہ اسید الحق قادری سے پر ہو جائے گا- مگر ہائے رے گردش ایام کی ستم ظریفی! کہ وہ دانائے راز بھی ہم سے اچانک غیر یقینی حالات میں ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا-

علامہ اسید الحق قادری اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے ہندو پاک کے ارباب علم ودانش میں یکساں تعارف رکھتے تھے، اس طرح کی شہرت کم لوگوں کو میسر آتی ہے- وہ اپنی گراں قدر قلمی خدمات کے ساتھ آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں......ع

مر کے کب ٹوٹا ہے یہ سلسلہ قید حیات

ارباب دعوت وعزیمت موت کے پردوں میں چھپ کر بھی اپنے عشاق کے دلوں پر حکومتیں کرتے ہیں- مجھے یقین ہے کہ رب قدیر دین وسنت کی خدمت کے لیے انہی میں سے ان کے اماثل پیدا فرمائے گا- علامہ اسید الحق قادری کے علمی مآثر کی حفاظت اور ان کے فکری تسلسل کی بقا کے لیے، ان کے قائم کردہ تاج الفحول اکیڈمی بدایونی اور الازہر انسٹی ٹیوٹ کو مزید محرک ہونے کی ضرورت ہے، تا کہ یہ کاروان علم وفن اپنی منزل آگہی کی جانب رواں دواں رہے- برطانیہ ویورپ کے علمائے اہل سنت نے بھی اس عظیم سانحے پر اپنے گہرے رنج وغم اور دلی صدمے کا اظہار کرتے ہوئے ان کی موت کو ملت اسلامیہ اہل سنت وجماعت کا عظیم نقصان قرار دیا ہے-

ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کے جملہ قائدین خصوصاً مفکر اسلام مولانا قمر الزماں اعظمی، مانچسٹر، مولانا شاہد رضا نعیمی، لندن، مولانا قاری محمد اسماعیل مصباحی، راچڈیل، مولانا ممتاز احمد اعظمی، بریڈفورڈ، مولانا محمد میاں مالیگ، برمنگھم، مولانا محمد ارشد مصباحی، مانچسٹر، اور مولانا غلام یزدانی مصباحی، لندن نے اپنے مشترکہ بیان میں علامہ اسید الحق قادری کی حادثاتی موت کو پوری علمی دنیا کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ہے- دعا ہے کہ مولیٰ اس شہید عشق ومحبت کی قبر پاک پر رحمتوں کے پھول برسائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے- آمین □□□

☆ورلڈ اسلامک مشن، کوئن میری اوینیو، گلاسگو (انگلینڈ)
email:mfquadri@hotmail.co.uk

ڈاکٹر غلام زرقانی☆

حیات قابل تبریک اور ممات قابل صد رشک

مولانا اسید الحق قادری جب تک زمین کے اوپر رہے ہمارے مرکز توجہ رہے اور اب نگاہ غوثیت کبریٰ کے حصار میں ہیں

علامہ اسید الحق عاصم القادری سے یوں تو سرسری طور پر میری ملاقات چار پانچ سالوں پیشتر ہوئی تھی، تاہم پچھلے سال ۲۰۱۲ء میں اپنے بھتیجے عزیزم منظر سبحانی کی تقریب شادی کے موقع پر آپ کے ساتھ قدرے تفصیل سے کئی نشستیں ہوئیں- موصوف مولانا خوشتر نورانی کے دولت کدے پر ٹھہرے ہوئے تھے اور میں اپنے بڑے بھائی جناب غلام ربانی صاحب دامت برکاتہ کے کمرے میں تھا- جہاں تک مجھے یاد ہے کہ شادی اور پھر دعوت ولیمہ، دونوں تقریبات میں شرکت کرنے کی وجہ سے موصوف کا قیام دو تین دنوں تک کھنچ گیا تھا- اس درمیان لوگ انتظام وانصرام میں مصروف رہتے تھے اور ہم بہت دیر تک مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کرتے رہتے- انہیں سنجیدہ لب و لہجے اور ناپ تول کر گفتگو کرنے پر قدرت تھی- علمی طنز و مزاح کے دوران باچھیں کھل جاتیں، تاہم بے ہنگم قہقہہ سے گریز کرتے- علوم وفنون پر دسترس کے باوجود وہ ہمیشہ دوسروں سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتے- کہنے کو تو وہ ایک بڑی خانقاہ کے شہزادہ اور ولی عہد بھی تھے، لیکن برصغیر کی خانقاہوں کے شہزادوں کے برعکس، آپ میں نخوت وغرور، تکبر وتعلی اور بڑائی نام کو نہ تھی، بلکہ یہ کہیے کہ طلب ونیاز اور عجز وانکساری کے جذبات انگ انگ سے عیاں رہتے تھے-

خیال رہے کہ یہ بات میں حسن عقیدت کے نشے میں نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے کیے ہوئے مشاہدات کی ترجمانی کر رہا ہوں- لگے ہاتھوں سن ہی لیجیے، ہم سب شادی کے لیے تیار کیے ہوئے عارضی ہال میں بیٹھے محو گفتگو تھے کہ اتنے میں شرف ملت حضرت محمد اشرف مارہروی (چیف انکم ٹیکس کمشنر، کولکاتہ) تشریف لے آئے- جوں ہی آمد کی اطلاع کانوں تک پہنچی، میں نے دیکھا کہ موصوف بھاگتے ہوئے صدر دروازے پر پہنچے- فرط عقیدت ومحبت سے حضرت شرف ملت کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور نہایت ہی سرعت کے ساتھ قدم بوسی کے لیے جھک گئے- تھوڑی دیر کے لیے میں سکتے میں آگیا کہ عمر کے لحاظ سے بہت چھوٹے سہی، لیکن علوم وفنون کے پس منظر میں اپنی طبعی عمر سے سالوں بڑے، پھر خانوادے کی نسبت سے نائب سجادہ، پھر عالمی شہرت وعزت کے حامل، اور عاجزی وفروتنی کا یہ عالم کہ ہزاروں کے سامنے اپنے مخدوم گرامی کی قدم بوسی میں کوئی عار نہیں- کہنے دیجیے کہ بلاشبہ ہزار کمالات وحسنات کے باوجود اپنے بزرگوں کی بارگاہ محمودیت میں نیازمندانہ جذبات نے انہیں اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز کر دیا تھا-

لوگ افسردہ ہیں کہ وہ بہت جلد ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئے- ٹھیک ہے، یہ حقیقت ہے اور اسے ہم تسلیم کیے لیتے ہیں، لیکن جو بات قابل رشک ہے وہ یہ کہ جب تک وہ زمین کے اوپر رہے، ہمارے مرکز توجہ رہے اور اب جب کہ زمین کے نیچے ہیں تو وہ غوثیت کبریٰ کی نگاہ توجہ کے حصار میں ہیں- بہت ممکن ہے کہ لوگوں کے نزدیک وہ اس لیے قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں اور ان کی کوششوں سے پچاسوں نسخے تحقیق وترتیب کے ساتھ شائع ہوئے، تاہم میری نگاہوں میں وہ تمام خدمات جلیلہ بہت ہی زیادہ تحسین وستائش کے لائق ہی کیوں نہ سہی، مگر شرف شہادت اور وہ بھی اپنے محبوب کی چوکھٹ پر، سارے کمالات واعزازات پر سبقت لے گیا ہے- ارے کسی کو ایک شرف مل جائے تو وہ قابل رشک ہو جاتا ہے، اور یہاں ایک نہیں، دو نہیں، تین تین شرافتیں اکٹھے ہو گئی ہیں- شرف شہادت، شہر محبوب میں پرواز روح اور بارگاہ غوثیت کی چوکھٹ میں تدفین- شرف شہادت کی عظمت وبزرگی کا اعلان قرآن مقدس کر رہا ہے اور دوسرے اور تیسرے شرف کی رفعت وبلندی خوش عقیدہ علمائے اسلام کے ارشادات سے ثابت ہو رہی ہے- بقیہ صفحہ 195 پر دیکھیں

مفتی سید ضیاء الدین نقش بندی☆

مولانا اسید الحق قادری: اسلاف شناس محقق

وہ ایک وسیع النظر، منصف مزاج عالم وفاضل تھے، جو جغرافیائی سطح پر عقیدت ومحبت کی تقسیم کے قائل نہ تھے

خانقاہ قادریہ بدایوں کے چشم وچراغ ''مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ'' کی رحلت سے علمی دنیا میں ایک عظیم خلا واقع ہو گیا، مختصر مدت میں علامہ نے علم وتحقیق کی روشنی سے ایک عالم کو منور کر دیا تھا- مولانا ایک دور اندیش عالم، عظیم مفکر، بلند پایہ محقق تھے، انہوں نے اپنی زندگی بحث وتحقیق، تصنیف وتالیف اور فروغ دین وسنیت کے لیے وقف کر دی تھی، ایک بندۂ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کیے بغیر کوئی سبیل نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں شہادت مقدر فرما دی تھی، مولانا نے ایک مبلغ اور داعی کی حیثیت سے زندگی گزاری، اور شہادت کی نعمت سے سرفرازی حاصل کی، کرم بالائے کرم یہ کہ سید الاولیا قطب الاقطاب غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کے قدمین کریمین میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوئی-

مولانا اسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعلق بیک وقت خانقاہ سے بھی تھا اور درسگاہ سے بھی، انہوں نے جامعہ ازہر سے فراغت حاصل کی اور قلیل عرصے میں تحقیق وتالیف کے ذریعے عظیم خدمات انجام دیں- مولانا کی فکر یہی رہی کہ نوخیز نسل کو زیور علم سے آراستہ وپیراستہ کیا جائے، اور تعلیم یافتہ طبقے کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے-

آپ کو جامعہ نظامیہ اور بانی جامعہ سے موروثی وروحانی وابستگی تھی، آپ کے جد امجد حضرت مفتی عبد القدیر بدایونی علیہ الرحمہ جامعہ نظامیہ میں مہتمم بالشان منصب پر فائز تھے- چنانچہ چند سال قبل جب مولانا کا حیدرآباد دورہ ہوا تو جامعہ نظامیہ کا تفصیلی دورہ فرمایا، بارگاہ حضرت بانی جامعہ میں حاضری دی، کتب خانہ اور بانی جامعہ کے نوادرات کا معائنہ فرمایا- مولانا شاہ فصیح الدین نظامی کے ہمراہ ''ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر'' پر تشریف لائے، ziaislamic.com ویب سائٹ کے تمام گوشوں کو بالتفصیل ملاحظہ کر کے فرمایا کہ:

''ادارے کی مختلف علمی، تحقیقی خدمات اور بطور خاص الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اشاعت اسلام کا یہ کام وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہے-''

سلف صالحین کے علمی سرمایے سے نوخیز نسل کو واقف کروانے میں بڑی دلچسپی تھی- تاریخ ہند وتذکرۂ اولیا وعلما میں بھی آپ کو مہارت تھی، شرق وغرب، شمال وجنوب کی تفریق کے بغیر تمام اہل اللہ اور اہل علم سے آپ کو بڑی محبت تھی، ہر صاحب فضل کے فضل کا اعتراف کرنا وہ اپنی علمی دیانت داری سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا عبد الوہاب بہاری رحمہ اللہ اور مولانا معین الدین اجمیری رحمہ اللہ کے درمیان منطقی قضیہ کے مقولات ثانیہ میں ہونے یا نہ ہونے کی نسبت مناظرہ کی نوبت آئی تو مولانا عبد الوہاب بہاری رحمہ اللہ نے اس شرط پر مناظرہ کی دعوت قبول کی کہ اس مناظرے کے حکم شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد انوار اللہ فاروقی، بانی جامعہ نظامیہ ہوں، اس پر مولانا معین الدین اجمیری راضی ہو گئے، جیسا کہ مولانا اسید الحق ذکر کرتے ہیں:

اس دعوت کو فقیر بالرأس والعین قبول کرتا ہے، بہتر ہے حیدرآباد چلیے، حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب دامت برکاتہم کو ہم بھی حکم تسلیم کرتے ہیں، اب آپ کو اس معاملے میں عجلت کرنا چاہیے، جس وقت روانگی کا ارادہ ہو فقیر کو بذریعہ تار مطلع فرمائیے اور بہتر ہو کہ جناب براہ اجمیر شریف حیدرآباد تشریف لے جائیں تاکہ دونوں کا ساتھ ہو جائے، سفر کی منزلیں بخدا لطف کے ساتھ طے ہوں گی، الغرض فقیر ارشاد کی تعمیل کے لیے حاضر ہے-'' (کھلی چٹھی کا کھلا خط: بحوالہ مولانا معین الدین اجمیری کردار وافکار: ص: ٦٧، ٦٨)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا اسید الحق رقمطراز ہیں:

''مولانا کی اس تحریر میں دو باتیں خاص طور سے قابل غور ہیں ایک تو اس سے شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

کا علمی مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صرف منقولات ہی کے امام نہیں، بلکہ معقولات میں بھی اس درجہ بلند مقام کے حامل تھے کہ منطق کے ایک الجھے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کے لیے اگر فریقین کسی کے علم اور دیانت و امانت پر اعتبار کر کے فیصل اور حکم ماننے پر آمادہ ہیں تو صرف آپ کی ذات گرامی ہے-

دوسرے اس عبارت سے مولانا معین الدین اجمیری کے خلوص اور کشادہ قلبی کا پتہ چلتا ہے کہ جس شخصیت سے آپ علمی میدان میں برسر پیکار ہیں اسی کو اس محبت کے ساتھ اپنا ہم سفر بنانے کی خواہش کر رہے ہیں، گویا ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ ہو، یہ ہے علمی مباحثے میں ہمارے اکابر و اسلاف کا کردار!

قصہ مختصر یہ کہ حیدرآباد کے سفر کی نوبت ہی نہیں آئی اور اسی درمیان شمس العلما مولانا عبدالوہاب بہاری صاحب کا سانحہ ارتحال پیش آ گیا، ان کی اچانک وفات سے یہ معاملہ کسی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے انجام کو پہنچا-''

(خیرآبادیات، ص: ۲۱۵، ۲۱۶)

بہر حال مولانا اسید الحق قادری ایک وسیع النظر، منصف مزاج عالم و فاضل تھے، جو جغرافیائی سطح پر عقیدت و محبت کی تقسیم کے قائل نہ تھے بلکہ '' الحب فی اللہ '' کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی کو وہ اپنے قلبی تعلق اور وابستگی کے لیے اساس و بنیاد سمجھتے تھے-

آپ کا سانحۂ ارتحال امت مسلمہ کے لیے بڑا خسارہ ہے، جب شہادت کی خبر عام ہوئی تو عالم اسلام کے مختلف طبقات کیا علما، کیا صلحا سب کے درمیان رنج و غم اور کرب و الم کی لہر دوڑ گئی، عوام و خواص نے اظہار تعزیت کے جلسے منعقد کیے، دین کی خدمت میں لیل و نہار گزارنے والے اس جان نثار کو زمانہ رہتی دنیا تک یاد رکھے گا- اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات کو بلند فرمائے، ان کے والدین کریمین اور جملہ اہل خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے- □□□

☆ شیخ الفقہ: جامعہ نظامیہ، بانی ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، حیدرآباد (دکن)

بقیہ: عزائم اور منصوبوں کے اک جہان کی موت

(۶) الازہر انسٹی ٹیوٹ بدایوں کی شاخیں: اس انسٹی ٹیوٹ کی پونے اور اورنگ آباد مہاراشٹر وغیرہ میں مختلف شاخیں بھی قائم کیں، جو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بڑی تندہی کے ساتھ خدمات انجام دے رہی ہیں-

(۷) عصری علوم کے طلبہ کا دینی ورک شاپ: گرمیوں کی تعطیلِ کلاں میں اسکول اور کالجز کے طلبہ کو باضابطہ علمی اور دینی معلومات فراہم کراتے- اس میں ہائی اسکول سے ایم. اے تک کے سیکڑوں طلبہ شریک ہوتے-

(۸) جامع مسجد شمسی بدایوں میں خطاب: اس جامع مسجد میں آپ ہر جمعہ کو خطاب فرماتے اور ہفتہ وار درس قرآن، درس تصوف اور درسِ حدیث بھی دیتے-

(۹) شخصیاتی انسائیکلو پیڈیا: اس عظیم کام کے لیے مولانا کا منصوبہ یہ تھا کہ آبا و اجداد کی کتابوں کی اشاعت کے بعد ایک '' عالمی شخصیاتی انسائیکلو پیڈیا'' مرتب فرمائیں، مولانا کا کہنا تھا کہ اس قسم کے کام عالمِ عرب میں ہوئے ہیں مگر افسوس برصغیر کی شخصیات کا اس میں کوئی ذکر نہیں اور اگر ہے بھی تو غلط طور پر ہے، اس کی اصلاح وقت کی بنیادی ضرورت ہے- مولانا کا فرمانا تھا کہ اس کام کو تنہا نہیں بلکہ ایک ٹیم ورک کے طور پر مکمل کیا جائے گا-

(۱۰) انٹرنیشنل صوفی کانفرنس: دہلی کے رام لیلا میدان میں جلد ہی ایک انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کا انعقاد بھی ان کے منصوبے میں شامل تھا- اس کے لیے باضابطہ پچاس لاکھ روپے کا تخمینہ تھا اور اس سلسلے میں بھی کام شروع ہو چکا تھا- مولانا اسید الحق قادری بدایونی عزائم اور منصوبوں کا ایک جہان لے کر دنیا سے چلے گئے، مولانا نے اپنے کردار و اخلاق سے ایک جہاں کو اپنا شیدائی اور فدائی بنا لیا تھا- ان کی رحلت کے بعد مختلف مقامات سے بے شمار تعزیتی فون آئے اور بڑی اہم شخصیتوں نے اظہارِ تعزیت بھی فرمایا، ان سب کی تفصیلات کا موقع نہیں-

دعا ہے مولا تعالیٰ ان کی خدمات کو عام فرمائے، ان کے والدین کریمین اور اہلِ تعلق اور اہلِ ارادت کو صبر عطا فرمائے آمین- □□□

☆ مدیر اعلیٰ: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

ڈاکٹر سید محمد اشرف اشرفی جیلانی ☆

علامہ اسید الحق قادری نے گہرے نقوش چھوڑے ہیں

اگر چہ عمر کم تھی، لیکن اس کم عمری میں علوم جدید و قدیم پر انھیں ماہرانہ دسترس حاصل تھی

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے ہم روزانہ ملتے ہیں، لیکن جب وہ دنیا سے جاتے ہیں تو ان کی یادیں بھی ان کے ساتھ چلی جاتی ہیں اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں- لیکن اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے ہماری ملاقات چند مرتبہ ہی ہو لیکن اپنی خداداد صلاحیتوں اور اخلاق حسنہ کی بدولت وہ اپنے گہرے نقوش ہم پر چھوڑ جاتے ہیں- ایسی ہی عظیم شخصیتوں میں سے ایک خانقاہ بدایوں شریف (انڈیا) کے سجادہ نشین تاجدار اہل سنت حضرت علامہ سالم میاں قادری بدایونی مدظلہ العالی کے فرزند و جانشین و ولی عہد حضرت علامہ صاحبزادہ اسید الحق عاصم میاں قادری بدایونی شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے جو گذشتہ دنوں اپنے والد، بھائی اور دیگر مریدین کے ہمراہ بغداد شریف حاضر ہوئے مزارات مقدسہ پر حاضری دی اور وہیں سفر کے دوران ایک حادثے کا شکار ہو کر جام شہادت نوش کر گئے-

موصوف بڑی خوبیوں کے حامل تھے، جید عالم دین، بہترین مقرر، محقق اور کم و بیش ایک درجن کتابوں کے مصنف اور تقریباً ایک سو کے قریب اپنے بزرگوں کی کتابوں کے مرتب، محقق، محشی اور مترجم تھے- اگر چہ عمر کم تھی، لیکن اس کم عمری میں علوم جدید و قدیم پر ماہرانہ دسترس حاصل تھی- ۳۹ رسال کی عمر میں درس نظامی بھی مکمل کیا، جامع ازہر سے ڈگری بھی حاصل کی اور کتابیں تصنیف فرمائیں اور اپنے بزرگوں کی کتابوں کی تحقیق و ترجمہ بھی کیا- قدرت نے ان سے یہ تمام کام اسی لیے کہ ان کو جلدی بلانا تھا- میری ان سے صرف تین مرتبہ ملاقات ہوئی، لیکن ان تین ملاقاتوں میں انھوں نے اپنی یادوں کے گہرے نقوش ذہن پر چھوڑ دیے-

راقم کے والد گرامی اشرف المشائخ حضرت ابو محمد شاہ سید احمد اشرف اشرفی الجیلانی قدس سرہ کے مرید نثار احمد اشرفی کی صاحبزادی کا نکاح ہونا تھا، انھوں نے راقم سے نکاح پڑھانے کی درخواست کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ بیٹی کے سسرال والے بدایوں سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا نکاح کی تقریب میں خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کے سجادہ نشین حضرت علامہ سالم میاں قادری بدایونی دامت برکاتہم العالیہ کے صاحبزادے جو، ان کے ولی عہد بھی ہیں، علامہ اسید الحق قادری بدایونی بھی تشریف لا رہے ہیں- راقم جب نکاح پڑھانے کے لیے ہال میں پہنچا تو ایک نوجوان شیروانی، پاجامہ اور جناح کیپ میں ملبوس کھڑے تھے- نثار صاحب نے تعارف کرایا کہ آپ بدایوں سے تشریف لائے ہیں- آپ کا نام اسید الحق ہے اور شیخ صاحب کی عرفیت سے مشہور ہیں-

معانقہ اور مصافحہ کے بعد گفتگو شروع ہوئی- راقم نے انھیں بہت ہی منکسر المزاج پایا، نکاح کے لیے جب ہم اسٹیج پر گئے تو ہم نے ان سے کہا کہ نکاح آپ پڑھائیں، عاصم میاں نے فوراً فرمایا کہ جب اولاد غوث الاعظم موجود ہو تو ہم یہ جرأت نہیں کر سکتے، چنانچہ راقم نے نکاح پڑھایا، نکاح کے بعد ہم دونوں نے ایک ہی میز پر کھانا کھایا، اس دوران مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، انھوں نے خانقاہ بدایوں میں ہونے والی روحانی تبلیغی خدمات اور اس کے تحت چلنے والے اداروں کے بارے میں تفصیلات بتائیں- اسی طرح راقم نے بھی درگاہ عالیہ اشرفیہ میں ہونے والی تقاریب علمی، روحانی اور تبلیغی میں لٹریچر اور دیگر کاموں کے متعلق بتایا اور ساتھ ہی ان کو درگاہ شریف آنے کی دعوت بھی دی جو انھوں نے قبول کر لی اور طے یہ پایا کہ دوسرے دن دوپہر کا کھانا وہ ہمارے ساتھ کھائیں گے- اسی دوران تیز بارش ہو گئی، شادی کیوں کہ اوپن ایئر میں ہو رہی تھی، اسی لیے ہم بارش سے بچنے کے لیے ہال کے آفس میں آ گئے- نثار احمد اشرفی صاحب نے فوراً واپسی کے لیے گاڑی کا انتظام کیا اور ہم عاصم میاں سے ملاقات کر کے گاڑی میں روانہ ہو گئے، وہ ہمیں چھوڑنے کے لیے بارش کے باوجود گاڑی تک آئے- اس ملاقات نے میرے ذہن پر ان کے متعلق بہت اچھا تاثر چھوڑا اور

ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ہماری بہت پرانی شناسائی تھی، نثار احمد اشرفی صاحب کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ دوسرے روز عاصم میاں کو ساتھ لے کر آئیں، چنانچہ دوسرے روز حسب وعدہ وہ درگاہ شریف تشریف لائے، پہلے راقم کے جدامجد قطب ربانی حضرت ابومخدوم شاہ سید محمد طاہر اشرف الاشرفی الجیلانی اور پھر والد گرامی اشرف المشائخ حضرت ابومحمد شاہ سید احمد اشرف اشرفی الجیلانی نوراللہ مرقد ہما کے مزارات مقدسہ پر حاضری دی- بعد ازاں ہمارے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا اس موقع پر راقم کے برادران صاحبزادہ حکیم سید اشرف جیلانی، صاحبزادہ سید اعراف اشرف جیلانی، صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف جیلانی اور صاحبزادہ حافظ سید جمال اشرف جیلانی زید مجد ہم بھی موجود تھے-

عاصم میاں ہم تمام برادران سے مل کر بہت خوش ہوئے، کھانے کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو رہی- ہندوستان اور پاکستان کے حالات اور یہاں ہونے والے علمی اور روحانی کاموں کے متعلق بھی تبادلہ خیال ہوا- راقم نے عاصم میاں کو ماہنامہ ''الاشرف'' نیز والد گرامی اور اپنی کتب کا ایک سیٹ پیش کیا- انھوں نے خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کا تعارفی رسالہ ہمیں دیا، ہم نے انھیں اپنی لائبریری بھی دکھائی جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے، انھوں نے ہمیں بدایوں شریف آنے کی بھی دعوت دی، چلتے وقت ہم نے انھیں ایک تحفہ دیا جس کے متعلق انھوں نے فرمایا ''میں صرف اس لیے قبول کر رہا ہوں کہ یہ درگاہ شریف کا تبرک ہے-'' تین دن کے بعد وہ بدایوں روانہ ہو گئے-

اس ملاقات کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد نثار احمد اشرفی صاحب کا فون آیا اور انھوں نے صاحبزادہ حکیم سید اشرف جیلانی صاحب کو بتایا کہ عاصم میاں بدایوں سے تشریف لائے ہیں اور آپ حضرات سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں- ہم نے ان سے کہا کہ وہ ہمارے ساتھ کھانا کھالیں لیکن نثار احمد صاحب نے بتایا کہ اس مرتبہ ان کی مصروفیات زیادہ ہیں- کئی پروگرام ہیں اور کیو ٹی وی پر بھی ریکارڈنگ ہے اس لیے وہ صرف درگاہ شریف پر حاضری اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں- جمعرات کا دن منتخب ہوا، ہم نے بتایا کہ دس بجے ذکر حلقہ ہوگا تو وہ ساڑھے دس بجے تشریف لے آئیں تا کہ ذکر کے بعد ان سے ملاقات ہو جائے، پونے گیارہ بجے وہ نثار صاحب کے ہمراہ تشریف لائے، مزارات پر حاضری کے بعد ہم سے ملاقات کی اور اپنی کئی کتب پیش کیں- یہ ہماری ان سے تیسری ملاقات تھی، بارہ بجے تک وہ درگاہ شریف میں رہے- اس مرتبہ وہ کچھ جلدی میں تھے، انھوں نے بتایا کہ یہاں سے جانے کے بعد کئی کتب جو تیار ہیں وہ منظر عام پر لانی ہیں، جب وہ جانے کے لیے روانہ ہوئے تو ہم نے انھیں درگاہ شریف کے دروازے تک رخصت کیا- یہ ہماری ان سے آخری ملاقات تھی- پاکستان سے جانے کے بعد انھوں نے ماہنامہ ''جام نور'' دہلی میں ایک مضمون لکھا، جس کا عنوان تھا: ''ہم نے دیکھا پاکستان'' دراصل یہ ان کا سفر نامہ تھا، انھوں نے اس سفر نامہ میں درگاہ شریف آنے کا ذکر کیا اور ہم دونوں بھائیوں کا بھی ذکر کیا، وہ بڑے فعال انسان تھے، خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کا انتظام اور وہاں ہونے والی تقاریب اور اس کے تحت چلنے والے اداروں کی نگرانی بھی کیا کرتے تھے- مستقبل میں ان کے بہت سے منصوبے تھے اور بہت سا علمی کام وہ کرنا چاہتے تھے، لیکن زندگی نے مہلت نہ دی اور وہ ۳۹ رسال کی عمر ہی میں دار فانی سے کوچ کر گئے، لیکن اس کم عمری میں بھی وہ بہت بڑے بڑے کام کر گئے-- جس وقت ان کی اچانک شہادت کی اطلاع ملی تو راقم فیصل آباد میں تھا، یہ خبر بجلی بن کر گری، ان کا ہنستا مسکراتا چہرہ نظروں کے سامنے گھوم گیا- اپنی شہادت سے صرف چودہ گھنٹے پہلے انھوں نے اپنی تصویر فیس بک پر ڈالی تھی، جس میں وہ اپنے والد اور بھائی کے ہمراہ حضور غوث پاک علیہ الرحمہ کی خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہیں- حضور سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ نے ان کی حاضری کو ایسا قبول فرمایا کہ انھیں اپنے پاس ہی رکھ لیا، ان کا جنازہ حضور غوث پاک علیہ الرحمہ کے قدموں میں رکھا گیا اور حاضرین نے سیدنا غوث پاک کی بارگاہ میں سلام پیش کیا اور پھر اعزاز کی بات یہ تھی کہ نقیب الاشراف جو سجادہ نشین حضرات ہیں ان کے قبرستان میں عاصم میاں کی تدفین ہوئی- اور ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کل قیامت میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ساتھ اٹھیں گے-

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے مرقد مبارک پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے والد گرامی کو اس عظیم صدمے کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے- □□□

☆ سجادہ نشین: درگاہ اشرفیہ، اشرف آباد، فردوس کالونی، کراچی (پاکستان)

ڈاکٹر عبدالسلام جیلانی ☆

عالمانہ وقار اور اسلامی شعار کا پیکر جمیل

شیخ صاحب آداب زندگی سے خوب واقف تھے، ہر شخص سے بڑے خلوص، اخلاق اور تواضع سے پیش آتے

بدایوں موجودہ صوبۂ اتر پردیش کا ایک ضلع ہے، اس کی سرزمین قدیم زمانے سے بڑی زرخیز اور مردم خیز رہی ہے- اس سرزمین سے علم وادب، تاریخ و تمدن اور رشد و ہدایت کے ایسے ایسے گل و لالہ، سمن و شہلا اور نرگس و چمپا کھلتے رہے ہیں کہ ان کی خوشبوؤں سے ہند اور بیرونِ ہند کے بیشتر حصے مہکتے رہے ہیں- عصر حاضر میں اسی سرزمین سے علم وادب اور رشد و ہدایت کی ایک کلی (بہ شکل علامہ اسید الحق قادری) کھلی جو پھول بننے اور خوشبوے ختن ہونے سے پہلے ہی مرجھا گئی-

غموں پر آنسو بہانا، مصیبتوں پر بے چینی و پریشانی ظاہر کرنا اور گم شدہ چیزوں پر رنج و غم کا اظہار کرنا فطری بات ہے اور جو چیز جتنی اہم اور عزیز ہوتی ہے اس کے کھو جانے کا غم اور افسوس بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے- بلاشبہ علامہ اسید الحق کی شہادت سے علم و حکمت، قوم و ملت اور اہل سنت کا جو نقصان ہوا ہے وہ یقیناً بہت بڑا نقصان ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نقصان کا غم اور افسوس بھی لوگوں کو بہت زیادہ ہوا ہے-

علامہ اسید الحق قادری عثمانی بدایونی ملقب بہ عاصم القادری معروف بہ شیخ صاحب ایک ذی استعداد عالم، بااخلاق، منکسر المزاج اور صالح فکر کے حامل انسان تھے- وہ کم عرصے میں ہی علوم اسلامیہ پر دست رس پاکر اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروے کار لاکر اتنے سارے علمی، ادبی، تبلیغی اور اصلاحی کام کر گئے کہ جن کی وجہ سے دورِ حاضر کے جید علما اور اپنی پاکیزہ طبیعت کی وجہ سے زمرۂ صوفیہ میں شمار ہوئے-

میانہ قد، سیاہ چشم، کشادہ پیشانی، غنچہ لب، گھنی داڑھی اور متبسم چہرہ نے ان کے پیکر کو جمال اور وسعت علمی، تیز فہمی، صاف گوئی، عجز و انکساری، علو ہمتی، بلند فکری اور حسن اخلاقی نے ان کی سیرت کو درجۂ کمال پر پہنچا دیا تھا-

شیخ صاحب طبعاً بہت سنجیدہ تھے- ان کی یہ سنجیدگی ان کی تقریر اور گفتگو میں صاف دکھائی دیتی تھی اور موجودہ تحریریں اس کی شہادت دیتی ہیں- وہ پیچیدہ، بناوٹی اور جذباتی گفتگو نہیں کرتے تھے اور نہ کبھی اپنی بات پر اَڑتے تھے- علما کے درمیان گفتگو کرتے تو انتہائی سنجیدگی و متانت سے اپنے دلائل رکھتے- علماے کرام ان پر غور کرتے اور قبول کرتے اور عام لوگوں کے درمیان باتیں کرتے تو قدیم اہلِ تصوف کے انداز میں آسان زبان میں کرتے کہ مخاطب کو پوری بات سمجھ میں آجاتی- قہقہہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے، ہاں! کسی بات پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے تو زیر لب مسکرا دیتے-

شیخ صاحب آداب زندگی سے خوب واقف تھے- وہ پورے طور پر عالمانہ شان اور اسلامی شعار میں رہتے تھے- لوگوں سے ملتے تو ان کی عمر اور ان کے مرتبے کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ملتے اور اسی انداز میں باتیں کرتے- کسی ناآشنا شخص سے بھی ان کی ملاقات ہو جاتی تو اسے ناآشنائی کا احساس نہیں ہونے دیتے- ہر شخص سے بڑے خلوص، اخلاق اور تواضع سے پیش آتے اور پہلی ہی ملاقات میں لوگوں کے دلوں پر اپنا دیرپا نقش چھوڑ جاتے- یہی وجہ تھی کہ وہ علما اور عوام دونوں کے درمیان یکساں طور پر مقبول تھے-

راقم الحروف کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ پہلی ہی ملاقات میں انھوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا- اس کے بعد ٹیلی فون کے ذریعہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا- ویسے ان سے میری بالمشافہ چار ملاقاتیں ہوئیں: پہلی ملاقات جامعہ صوفیہ کچھوچھہ شریف کے زیر اہتمام ایک سمینار (۲۰۰۶ء) میں ہوئی- حسنِ اتفاق سے ہم دونوں نے ایک ہی نشست میں اپنا اپنا مقالہ پیش کیا- بعد اختتام اجلاس ایک دوسرے سے متعارف ہوئے-

دوسری ملاقات دارالعلوم اصدقیہ بہار شریف (نالندہ، بہار) کے زیر اہتمام ایک سمینار میں ہوئی جو مختصر رہی- تیسری ملاقات مارہرہ شریف (یوپی) کے فکر و تدبیر کانفرنس (۲۰۱۱ء) میں ہوئی- بعد اختتام کانفرنس ہم (راقم حروف اور ڈاکٹر محب الحق شعبۂ سیاسیات، علی گڑھ) علی گڑھ کے لیے جلد لوٹنا چاہتے تھے اور جس گاڑی سے ہم لوگ گئے تھے اس کے بیشتر افراد بقیہ اجلاس مین شریک ہوکر تاخیر سے لوٹنا چاہتے تھے، اس لیے جناب ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی نے ہم دونوں کے لیے ایک اچھی صورت یہ نکالی کہ علامہ اسید الحق و مولانا خوشتر نورانی صاحبان جو اپنی گاڑی سے علی گڑھ ہی آرہے تھے، ہمیں ان کے ہمراہ کردیا اور ہم سب علی گڑھ کے لیے روانہ ہوگئے- سفر کا آغاز ہوتے ہی گفتگو کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا- شیخ صاحب نے ناچیز کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: ڈاکٹر صاحب! آپ سے میری پہلی ملاقات کچھوچھہ شریف میں ہوئی تھی- ناچیز نے عرض کیا: جی ہاں! آپ سے میری ملاقاتیں شریف جگہوں پر ہی ہوئی ہیں؛ پہلی کچھوچھہ شریف، دوسری بہار شریف، تیسری ہرہ شریف- اب دیکھیے اگلی ملاقات کس شریف جگہ پر ہوتی ہے- پر وہ مسکرائے اور بولے: شریف لوگوں سے شریف جگہوں پر ہی تیں ہوتی ہیں- ان شاءاللہ اگلی ملاقات بھی کسی شریف جگہ پر ہوگی اقعتاً اگلی ملاقات بدایوں شریف میں ہوئی- دورانِ سفر علی گڑھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی- اس میں سماع کا مسئلہ بھی چھڑ گیا- شیخ صاحب سلسلۂ قادریہ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سماع کے قائل نہیں تھے، اس لیے انھوں نے سماع کے عدم جواز پر بھرپور دلائل دیے، لیکن ناچیز چوں کہ سماع کا قائل ہے اس لیے قائل نہیں ہوا- اسی درمیان ہم لوگ علی گڑھ پہنچ گئے- شیخ صاحب خوشتر صاحب کے ہمراہ اپنے کسی رشتہ دار کے گھر چلے گئے اور ہم دونوں اپنے اپنے گھر-

شیخ صاحب سے ناچیز کی چوتھی اور آخری ملاقات بدایوں شریف (۲۰۱۳ء) میں ہوئی جو قابلِ یادگار رہی- دارالعلوم عالیہ قادریہ بدایوں میں طلبہ کے لیے سالانہ تعلیمی و تربیتی پروگرام منعقد ہوتے ہیں- اسی پروگرام میں علی گڑھ سے ناچیز اور نوشاد عالم چشتی صاحب بحیثیت جج بلائے گئے تھے، نیز مختلف مدارس کے علماے کرام بھی مدعو تھے- جب ناچیز خانقاہ قادریہ پہنچا تو شیخ صاحب اس حسنِ اخلاق اور تواضع سے پیش آئے اور اس والہانہ انداز میں میری عزت افزائی فرمائی کہ مجھے بے حد حیرانی ہوئی- حیران ہونے کی دو وجہیں تھیں: ایک تو ناچیز اس کے لائق نہیں تھا، دوسرے عصر حاضر کے اہل خانقاہ (باستثناے اِکّا دُکّا) عام لوگوں سے بنا غرض اس حسن اخلاق و تواضع سے پیش کہاں آتے ہیں-

بہر حال! پروگرام کئی نشستوں میں چلا- مسابقے کے کسی مسابقے میں تین طلبہ کے نمبر مساوی آگئے تو قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ ہوا اور اس کام کو انجام دینے کے لیے ناچیز سے کہا گیا کہ ڈاکٹر صاحب! ایک پرچی اس میں سے نکال دیجیے جب کہ حقیقت میں وہاں پر مجھ سے زیادہ لائق اور پرہیز گار علما اور خود شیخ صاحب موجود تھے- میں نے عرض کیا، حضرت! یہ کام تو ہم لوگ آلِ رسول ﷺ کی موجودگی میں نہیں کرتے، اس لیے آپ ہی انجام دیجیے- اس پر شیخ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا- ڈاکٹر صاحب! آج آپ مہمانِ آلِ رسولؐ ہیں، اس لیے یہ کام آپ ہی کریں گے- چنانچہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے اس میں سے ایک پرچی نکالی تو فیصل نامی بچے کے نام فیصلہ نکل کر آیا- رات کو تقسیم انعامات کا پروگرام شروع ہوا جس میں شریک علما نے اپنے اپنے تاثرات پیش کیے-

شیخ صاحب کی تقریباً ۳۹ سالہ زندگی (پیدائش ۶ر مئی ۱۹۷۵ء- شہادت ۴ر مارچ ۲۰۱۴ء، در بغداد شریف) کو جب ہم دو حصوں میں منقسم کرکے دیکھتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ان کی زندگی کا ابتدائی حصہ جو پیدائش سے ۲۲ سال تک ہے، وہ ان کے علم و ادب کے سیکھنے، دسترس پانے اور تجربات حاصل کرنے کا ہے- بلاشبہ انھوں نے پوری ایمان داری سے اس حصے کا استعمال کیا اور زیادہ سے زیادہ علوم و فنون، حکمت و معرفت اور تجربات کو سمیٹ کر اپنے دامن میں بھر لیا- دوسرا حصہ ۲۳ر سال سے ۳۹ر سال تک کا ہے جو سولہ سال پر مشتمل ہے اور یہ ان کی عملی زندگی کا ہے- اس زمانے میں وہ اپنی صلاحیتوں اور تجربوں کو بروے کار لاکر اتنے ڈھیر سارے کام کر گئے کہ ہم میں سے بیشتر تو اتنے کام اپنی پچاس سالہ عملی زندگی میں بھی نہیں کر پاتے ہیں- آپ کے شائع شدہ مقالات، کتابیں، دین کی تبلیغ و اشاعت جنھیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ آخر انھیں اتنے سارے کاموں کے لیے وقت کہاں سے مل جاتے تھے کہ وہ ان تمام کاموں کو ساتھ ساتھ کر لیتے تھے، جب کہ ہم

میں سے اکثر وقت کی کمی کا رونا رو رو کر اسے گزار دیتے ہیں-

بلاشبہ شیخ صاحب نے اپنی مختصر سی زندگی میں جو علمی، ادبی اور دینی خدمات انجام دیے ہیں وہ قابلِ رشک اور تقلید ہیں- ان کے علمی کاموں کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ کاموں کو اس تیزی سے نپٹا رہے تھے جیسے کوئی شخص شام کے وقت آفس میں اپنا بچا ہوا کام جلدی جلدی نپٹاتا ہے تاکہ کل کے لیے کچھ باقی نہ رہ جائے اور ہم لوگوں سے بھی کام کا تقاضا کرتے تھے- ساتھ دینے کو کہا کرتے تھے مگر ہم لوگ (بالخصوص ناچیز خود) یہ سوچ کر کہ ابھی وقت بہت ہے کچھ ساتھ نہیں دے سکے، جس کا اب احساس ہوتا ہے اور پچھتاوا بھی آتا ہے- اے کاش! انھیں دو چار کل اور مل جاتے تو شاید بہت حد تک کام نپٹ جاتے- ان کاموں کے تئیں! ان کے دل میں بہت سی آرزوئیں تھیں اور ہم لوگوں کو ان سے بہت سی امیدیں تھیں مگر، اے بسا آرزو کہ خاک شدہ-

ان کی علمی خدمات، ان کے اخلاق، ان کی باتیں یاد آتی رہیں گی اور ان کی کمی کھلتی رہے گی- ان کی علمی خدمات اور نگارشات پر گفتگو کرنا تو اہل علم کا حق ہے، جہاں تک ان کے دیگر اہم کارناموں کی بات ہے تو ان میں سے ایک کارنامہ جو میری نگاہ میں اہم ہے وہ یہ ہے کہ شیخ صاحب نے شمالی ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کو سائنٹفک انداز میں پیش کرنے، انھیں فروغ دینے اور قدیم صوفیانہ نظام کو بحال کرنے میں پہل کی اور انھیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کوشاں رہے-

شیخ صاحب اپنی نگارشات اور تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہونے والی دوسرے مؤلفین کی کتابیں ناچیز کے مطالعے کے لیے بھیجا کرتے اور جب میں کتاب کے ملنے کی اطلاع اور اس کے لیے شکریہ ادا کرتا تو کہتے، ڈاکٹر صاحب! ضرور پڑھیے گا، کہیں کوئی بات رہ گئی ہو تو اس کی نشان دہی کر دیجیے گا، اگلے ایڈیشن میں اسے درست کر دیا جائے گا- ابھی تین مہینے پہلے انھوں نے چند کتابیں بھیجی تھیں، ان میں سے چھوٹی چھوٹی دو کتابیں میں نے پڑھیں اور حسبِ معمول شکریہ ادا کرنے کے بعد عرض کیا، حضرت! لگتا ہے شائع ہونے سے پہلے فلاں فلاں کتابوں (نام عمداً ذکر نہیں کیا گیا) پر آپ کی نگاہ نہیں پڑی ہے- ذرا اس پر نگاہ ڈال لیجیے گا- میرے خیال سے ان میں پروف ریڈنگ کی کمی کے ساتھ ساتھ بعض جگہوں پر ترجمے میں بھی کمی رہ گئی ہے تو انھوں نے کہا، ٹھیک ہے ان جگہوں کی نشان دہی کر کے بھیج دیجیے- اگلے ایڈیشن میں ان کمیوں کو دور کر دیا جائے گا- پھر میں نے کہا، حضرت! لیکن یہ اصلاح نامہ میری طرف منسوب نہ ہونے پائے اس لیے کہ ایک تو میں خود ایک طالب علم ہوں، دوسرے علماے ہندوستان کے حالات سے آپ واقف ہیں، یہ لوگ کسی گروپ کا لیبل لگا کر میرے پیچھے پڑ جائیں گے- اس پر انھوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ڈاکٹر صاحب! آپ ڈرتے کیوں ہیں؟ اور ہر آدمی اگر اس طرح بچ بچا کر چلنے کی سوچ لے تو پھر کوئی علمی کام نہیں ہو پائے گا- کیا ہم ہی احمق ہیں کہ سب پر تنقید کرتے رہتے ہیں؟ میں نے کہا: حضرت! اس معاملے میں بھی آپ کو فضیلت و برتری حاصل ہے- آپ اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور زبانِ قلم سے برائی کو روکتے ہیں اور ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں- ناچیز دل میں غلط کو غلط کہہ کر ایمان کے ادنیٰ درجے پر ہے- اس پر وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائے، پھر سنجیدہ ہوکر بولے- ڈاکٹر صاحب! اکمل التاریخ کے آخر میں فارسی زبان میں شجرۂ طیبہ قادریہ تحریر ہے، اس کا اردو میں ترجمہ کر کے بھیج دیجیے گا- اگلے ایڈیشن میں اس کا ترجمہ بھی شائع کر دیا جائے گا اور مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں کے کتب خانے میں ایک قدیم فارسی مخطوطہ (جس کا نام اس وقت وہ نہیں بتا سکے تھے) ہے، اس کو بھی فرصت نکال کر ایڈٹ کر دیجیے گا- میں نے ان سے ان دونوں کاموں کے پورا کرنے کا [illegible] کر لیا تھا- اوّل الذکر کام (شجرۂ طیبہ قادریہ) کو ان شاءاللہ جلد ہی ترجمہ کر کے تاج الفحول اکیڈمی کو بھیج دوں گا-

ثانی الذکر کام کے لیے جو لوگ ادارے میں شعبۂ تصنیف و تالیف سے وابستہ ہیں ان سے میری درخواست ہے کہ اگر انھیں اس کے بارے میں علم ہو کہ شیخ صاحب اب اس کام کو کرنا یا کرانا چاہتے تھے تو وہ اس کی کوئی عکسی کاپی بھیج دیں، ان شاءاللہ ناچیز حسبِ وعدہ اس کام کو بھی پورا کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ کچھ حقِ دوستی ادا ہو جائے- احباب، وابستگان اور متعلقین کے لیے انھیں یہی بہترین خراجِ عقیدت پیش کرنا ہوگا کہ ان کی تحریک کی شمع کو روشن رکھیں، جس سے ان کی روح کو تسکین ملتی رہے- □□□

☆ استاذ: شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یوپی)

ڈاکٹر افضل مصباحی☆

بے مثال شہرت ومقبولیت کے مالک

مولانا شیخ اسید الحق قادری کی شہادت علم وفن اور تحقیق وتنقید کا بہت بڑا خسارہ ہے

نوجوان عالم دین مولانا شیخ اُسید الحق عاصم القادری ازہری کی شہادت سے علم وعرفان اور تحقیق وتنقید کی دنیا سونی ہو چکی ہے- وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے- دہشت گردوں کو کیا معلوم کہ وہ جس شخصیت کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنا رہے ہیں، اس سے ان کا مقصد تو پورا نہیں ہو سکتا، لیکن دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے بے شمار لوگوں کے دل ضرور ٹوٹ جائیں گے اور علم وفن کی بستی اجڑ جائے گی- شیخ اسید الحق شہید ازہری کی مختصر زندگی اور گراں قدر کارناموں کی طویل فہرست پر نظر دوڑاتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

شیخ صاحب سے میری پہلی ملاقات ماہنامہ 'ماہ نور' دہلی کے مٹیا محل دفتر میں ۲۰۰۶ء میں ہوئی تھی- اس وقت میں مذکورہ رسالے کی ادارت کے فرائض انجام دے رہا تھا- اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا- روزنامہ انقلاب، دہلی میں ایڈیٹوریل انچارج کے طور پر ملازمت کے دوران متعدد ملاقاتیں اور آئے دن ٹیلی فونک بات چیت کا سلسلہ جاری رہتا، کبھی کسی خبر کی اشاعت کے تعلق سے، تو کبھی کسی موضوع پر لکھنے لکھانے کے تعلق سے- ۲۰۱۲ء میں خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، ایٹہ میں میڈیا کی اہمیت پر منعقد سیمینار میں انہیں خاص طور پر سننے کا موقع ملا- ایسے ایسے قدیم رسالوں اور ماہناموں پر انہوں نے گفتگو کی اور تحقیقی کام پر زور دیا، جو ملت کے لیے بہت ہی گراں قدر سرمایہ ہو سکتے ہیں- معلوم نہیں کسی نے ان رسالوں پر تحقیقی کام کی طرف توجہ دی یا نہیں؟ ان کو میڈیا کی اہمیت کا بخوبی اندازہ تھا، وہ ہمیشہ اپ ڈیٹ رہتے اور 'فیس بک'، 'ٹویٹر' وغیرہ کے ذریعے اپنے دوستوں کو باخبر رکھتے تھے- شہادت سے ایک دن قبل تک بغداد میں ان کی کیا کیا سرگرمیاں رہیں، وہ سب ہم تک پہنچ رہی تھیں- میری یہ دلی خواہش تھی کہ روزنامہ انقلاب میں وہ مستقل کالم لکھیں، لیکن وہ ہمیشہ یہ کہہ کر معذرت کر لیتے کہ 'اخبارات میں جو کالم شائع ہوتے ہیں، وہ کافی مختصر ہوتے ہیں اور میں عادتاً طویل مضامین لکھتا ہوں'- اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ مختصر مضامین لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ تحقیقی کاموں میں اس قدر مصروف تھے کہ اخبار کے مستقل کالم کے لیے وقت نکالنا مشکل تھا-

۲۰۱۲ء میں عرس قادری کے موقع پر انہوں نے روزنامہ 'انقلاب' کے تمام ایڈیشن میں خصوصی ضمیمہ شائع کروانے کا اہتمام کیا- عام طور پر اخبارات میں ضمیمہ شائع کرانے کا مقصد ذاتی مفادات کا حصول ہوتا ہے، لیکن انہوں نے ضمیمہ کے لیے جو مواد فراہم کیا، اس کو دیکھ کر ان کی دور اندیشی اور ملت کے لیے ان کی اعلیٰ سوچ کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکا- خانقاہِ قادریہ بدایوں کے اکابرین کی دینی خدمات، اسلام کی تبلیغ کے لیے جامعہ ازہر مصر جیسے ادارے کے قیام کی اہمیت اور 'تاج الفحول اکیڈمی' کے توسط سے اسلامی لٹریچرز کی فراہمی پر خاص طور پر زور دیا گیا تھا- مذکورہ ضمیمہ کی رونمائی کے لیے راقم الحروف کو بدایوں آنے کی دعوت دی گئی- خانقاہ قادریہ بدایوں جانے کا یہ پہلا موقع تھا- عرس کے موقع پر بھیڑ بھاڑ کے باوجود پرتکلف کھانے کا اہتمام اور مہمانوں کی ضیافت کے لیے انتہائی اخلاق مند اساتذہ، مہذب طلبہ اور تربیت یافتہ مریدین ومتوسلین کی ایک لمبی قطار دیکھ کر بے انتہا مسرت ہوئی- مہمانوں کے استقبال، ان کی ضروریات کا خیال رکھنے اور ان کے قیام وطعام میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ رہ جائے، ان تمام نزاکتوں پر پل پل نگاہ رکھنے کے لیے افراد متعین تھے اور وقفے وقفے سے شیخ صاحب کا مہمانوں کے پاس آ آ کر خیریت دریافت کرنے کا طریقہ مسحور کن تھا- عرس کے دوران عام طور پر انتظامیہ کی طرف سے ایسا انتظام نہیں کیا جاتا کہ نماز کے اوقات میں تمام سرگرمیاں روک کر صرف اور صرف نماز کی ادائیگی کا خیال رکھا جائے، البتہ یہ چیز ہم نے شیخ صاحب کی خانقاہ میں دیکھی- اذان ہوتے ہی صفیں بچھ گئیں اور زائرین جن کو جہاں جگہ ملی صف بستہ ہو گئے- باجماعت نماز ادا کی اور خواہش مند حضرات حلقۂ ذکر میں بیٹھ گئے- خانقاہوں کا طرۂ امتیاز حلقۂ ذکر اور تصفیۂ قلوب ہی رہا ہے، جو اب ناپید ہوتا جا رہا ہے، البتہ یہاں میں نے اس کا اہتمام دیکھا اور بغداد سے تشریف لائے خانوادۂ غوث اعظم کے چشم وچراغ حضرت شیخ محمد توفیق گیلانی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں اذکار واوراد سے زائرین فیض یاب ہوئے- بعد نماز عشا کانفرنس کے دوران ادارے کے ایک طالب علم نے انتہائی دلکش انداز میں قراءت سبعہ میں قرآن کریم کی تلاوت اور دوسرے نے عربی زبان اور خوبصورت عربی لہجے میں شیخ بغداد کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کر کے ہر ایک کا دل جیت لیا- ان تمام سرگرمیوں میں شہید بغداد شیخ اسید الحق ازہری رحمۃ اللہ علیہ کی جہد مسلسل، اعلیٰ سوچ، تعمیری نظریہ اور ملت کے لیے مر مٹنے کا جذبہ صاف نظر آ رہا تھا- بدایوں سے واپسی پر ان تاثرات کا اظہار مشفق محترم شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں صاحب کے پاس کیا تو انہوں نے کہا کہ 'افضل یہ بہت پرانی خانقاہ ہے، یہاں کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع ہے اور یہاں تربیت پر خاص توجہ دی جاتی ہے'- میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا ہے کہ خانوادۂ برکاتیہ کے تمام ارباب حل وعقد شیخ صاحب سے بے پناہ محبت کرتے تھے-

سچ تو یہ ہے کہ شیخ صاحب نئی نسل کے لیے مشعل راہ تھے- تعلیم وتحقیق کی جس راہ کے وہ مسافر تھے، اس پر چلنے والوں کی تعداد بہت کم نظر آتی ہے- وہ ان موضوعات پر قلم اٹھاتے تھے، جن پر بہت کم یا بالکل ہی نہیں لکھا گیا ہو- 'خیرآبادیات' کے نام سے انہوں نے کتاب لکھ کر اسے ایک فن کی حیثیت عطا کر دی- ان کی پچاس سے زائد تصنیفات اہل علم کے لیے بیش قیمت تحفہ ہیں- اللہ تعالیٰ نے انہیں جو شکل وصورت عطا کی تھی، اس کی طرف ہر ایک کی نظر جا کر ٹک جاتی تھی- وہ اخلاق کے پیکر تھے- وہ ملنسار طبیعت کے مالک تھے- ان کے قول وفعل میں یکسانیت تھی- بڑوں کی عزت، چھوٹوں سے شفقت اور ہم عمروں کے ساتھ باہمی تعاون کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا- یہی وجہ ہے کہ اتنی کم عمری میں اللہ رب العزت نے انہیں جو مقبولیت عطا کی تھی، وہ اپنی مثال آپ ہے- تمام مکتب فکر کے علما کے درمیان ان کی جو عزت تھی، وہ شاید ہم نوجوان نسل میں سے کسی کو حاصل نہیں- اگر میں یہ کہوں کہ وہ دلوں کو فتح کر کے فاتح زمانہ بن چکے تھے تو شاید کسی کو اعتراض نہ ہو- میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تمام خوبیوں کے پیچھے ان کے والد محترم حضرت شیخ سالم میاں قادری مدظلہ العالی کی تربیت، ان کی دعائیں اور ملت کے لیے ایک مجاہد تیار کرنے کا جذبہ کارفرما تھا، جس میں انہیں کامیابی ملی- میں دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت انہیں اس کا اجر عطا فرمائے اور صبر وشکر کی توفیق دے- شیخ صاحب شہید میرے ہم عمر تھے، اس لیے ہم بلا جھجھک ان سے کسی بھی موضوع پر بحث کر لیتے تھے- وہ حق بات بولنے اور لکھنے سے کبھی اعراض نہیں کرتے تھے- ایک مرتبہ کسی نے شکایتاً ناچیز کے بارے میں ان سے کہا کہ 'افضل صاحب کی بہت بڑی کمی یہ ہے کہ وہ اخبار کے دفتر میں اپنے ہم مسلک لوگوں کو ترجیح دیتے ہیں'- اس پر جواباً انہوں نے کہا کہ 'یہ تو ان کی خوبی ہے جناب'! وہ اس بات سے بے حد خوش تھے کہ 'انقلاب' چھوڑنے کے بعد ناچیز کی جگہ ان کے خانوادے کے خوشہ چیں یامین انصاری نے سنبھالی- یامین انصاری نوجوان صحافی اور انقلاب دہلی کے ایڈیٹوریل انچارج ہیں-

مولانا اسید الحق ازہری اپنے پیچھے بہت ساری یادگاریں چھوڑ کر گئے ہیں- 'جام نور' میں تقریباً ہر ماہ ان کو پڑھنے والوں کو ہمیشہ ان کی یاد ستاتی رہے گی- ان کی شہادت علم وحکمت اور تحقیق وتنقید کا بہت بڑا خسارہ ہے- جس طرح انہیں بغداد میں شہید کیا گیا، یہ ملت کا بہت بڑا المیہ اور عالم اسلام میں پھیلی انارکی کا منہ بولتا ثبوت ہے- 'جام نور' کا یہ خصوصی شمارہ شہید بغداد کو صرف خراج عقیدت نہیں ہوگا، بلکہ نئی نسل کو آگے بڑھنے میں کلیدی کردار ادا کرے گا- اس لیے کہ اس کے قارئین میں نوجوان نسل کی بڑی تعداد شامل ہے-

□□□

☆استاذ: شعبۂ اردو، ڈاکٹر ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر (ایم پی)
email: afzalmisbahi@gmail.com

محمد احمد ترازی (پاکستان)☆

ایک ممتاز اسلامی اسکالر

مولانا اسید الحق قادری برصغیر پاک وہند میں علم وادب کی ایک معتبر شخصیت تھے

محترم السلام علیکم! کیا آپ وہی ترازی صاحب ہیں جن کی کتاب ''تحریک ختم نبوت سیّدنا صدیق اکبر تا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی ہے؟ یہ کتاب میری نظر سے گزری ہے، خانوادہ علیمیہ پر بہت خوب کاوش ہے، میں نے حال ہی مین ایک طویل مضمون قلم بند کیا ہے، آپ کی کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔

۲۴ر اپریل ۲۰۱۲ء کو شوشل میڈیا کی مشہور ویب سائٹ فیس بک پر محترم مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری شہید کا ہمارے نام یہ پہلا پیغام تھا جو آگے چل کر مزید رابطے کا سبب بنا۔ حضرت شہید سے دوسرا رابطہ ۲۹ر مئی ۲۰۱۲ء کو اُس وقت ہوا جب ہم نے اپنے فیس بک پیج پر علامہ عبدالحامد بدایونی اور مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کے جون ۱۹۵۷ء کے دورۂ روس سے متعلق تصاویر شیئر کیں تو علامہ اسید الحق قادری صاحب نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

جناب ترازی صاحب ''تاثرات روس'' ہمارے کتب خانے میں موجود ہے، لیکن مجھے ایک کتاب کی تلاش ہے، ممکن ہے آپ کے پاس ہو، علامہ بدایونی اور مولانا عبدالعلیم صدیقی کے ۱۹۴۶ء میں حجاز کا سفرنامہ حامد بھائی نے لکھا تھا ''وفد حجاز کی رپورٹ'' کے نام سے یہ کتاب اگر دستیاب ہوجائے تو میں بہت ممنون ہوں گا۔''

اِس کے بعد ۲۰ر مارچ ۲۰۱۳ء کو حضرت شہید کا برقی پیغام ملا: السلام علیکم! ایک ضرورت کے لیے تکلیف دے رہا ہوں، ثاقب بھائی سے بھی کہہ چکا ہوں، مجھے ''جے یو پی'' (جمعیۃ علمائے پاکستان) کی ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۷ء کے درمیان کی سالانہ رپورٹ درکار ہے، یہ غالباً ایک ساتھ شائع ہوئی ہے، دراصل اِن سالوں میں جے یو پی کا ایک وفد حجاز گیا تھا اور اُس نے شاہ سعود سے ملاقات کر کے گنبد خضرا شریف کے تحفظ کا مطالبہ کیا تھا، میں مولانا عبدالحامد بدایونی کا رسالہ ''الجواب المشکور'' شائع کر رہا ہوں، اُس کے مقدمے کے سلسلے میں مجھے معلومات درکار ہیں، اگر فرصت ہو تو اِس جانب توجہ فرمائیں۔''

حسن اتفاق کہ مولانا اُسید الحق قادری کی مطلوبہ دستاویزات اور ۱۹۵۲ء میں جے یو پی کے وفد کی رپورٹ ''تحفظ مسجد نبوی اور آثار مبارکہ'' عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہمارے ریکارڈ میں موجود تھی، جو ہم نے انہیں ارسال کردیں، آپ نے بے پناہ اظہار تشکر فرمایا اور ان دستاویزات کو بطور حوالہ استعمال کرنے کی اجازت طلب کی۔

اکتوبر ۲۰۱۳ء میں ہم نے اپنے فیس بیج پر ''فتاویٰ علماء طهران بجواز بناء الانبياء والائمة وزيارتهم عليم السلام'' سنہ اشاعت رجب ۱۳۸۱ھ اور مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی کا تقریباً ۷۰ سال قبل ۱۳۶۶ھ میں شائع ہونے والا ایک نادر عربی رسالہ جس پر اخوان المسلمین کے بانی شیخ حسن البنا کی تقریظ موجود ہے ''الفتوى النصوص فی بيان الضرائن و المكوس'' کے ٹائٹل پیج پر لگائے تو حضرت شہید نے اِن دونوں اہم رسالوں کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا، ہم نے دونوں رسالے انہیں ارسال فرماتے ہوئے گزارش کی کہ وہ ہمارے لیے'' الفتوى النصوص فی بیان الضرائن و المكوس'' کے اردو ترجمہ کا اہتمام فرمادیں، ہم اِس ترجمے کو افادہ عام کے لیے پاکستان میں شائع کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت جلد ترجمہ مکمل کر کے ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا، لیکن زندگی نے انہیں وعدۂ وفا کرنے کی مہلت نہیں دی۔ ۹ر نومبر ۲۰۱۳ء کو مولانا اسید الحق کی جانب سے ملنے والا پیغام:

''ہمارے ایک دوست مبلغ اسلام پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، میں نے آپ کا حوالہ دیا ہے، اگر ممکن ہو تو کچھ تعاون فرمادیں۔''

ہمارے نام حضرت کا آخری برقی مراسلہ ثابت ہوا، اور ملت اسلامیہ کا یہ نابغہ روزگار نوجوان خانوادۂ بدایونی کا چشم و چراغ اور عظیم اسلامی

اسکالر ۴ر مارچ ۲۰۱۴ء کو عراق میں دہشت گردی کا نشانہ بن کر ہمیں حیران و غمگین چھوڑ گیا۔

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

قارئین محترم! اپریل ۲۰۱۳ء سے قبل ہمارا علامہ اسید الحق عاصم قادری سے غائبانہ تعارف تھا، جس کی بنیاد ماہنامہ ''جام نور'' میں شائع ہونے والے آپ کے علمی و تحقیقی مضامین اور مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی پر پاکستان میں شائع ہونے والی کتاب ''خیرآبادیات'' تھی، گو پاک بھارت سرحدی دیوار نے ہمیں کبھی علامہ اسید الحق قادری سے شرف ملاقات کا موقع نہیں دیا، لیکن انٹرنیٹ کی دنیا سرحدی حدود و قیود کی پابند نہیں، آپ کہیں بھی کسی سے بھی رابطہ قائم کرسکتے ہیں، یوں نیٹ کے ذریعے علامہ اسید الحق قادری سے قائم ہونے والا یہ مختصر سا تعلق ہمارے لیے کسی اعزاز سے کم نہ تھا، ہم نے ہمیشہ اِس تعلق کو اپنے لیے باعث فخر و مسرت جانا اور مجلس احباب میں ذکر کرتے ہوئے نازاں وشاداں رہے۔ علامہ اسید الحق قادری خانوادۂ قادریہ بدایوں کی علمی، تہذیبی اور روحانی وراثتوں کے امین تھے، آپ حضرت مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی، تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی، مفتی اعظم سلاطین آصفیہ مولانا عبدالقدیر بدایونی اور حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری کے علوم و فضل کے حقیقی وارث تھے۔

صرف دس سال کے مختصر عرصے میں سو سے زائد کتابوں کی تخریج و تصحیح، تصنیف و تالیف اور تحقیق و تدوین کا حیرت انگیز اور فقید المثال کارنامہ انجام دے ڈالا، یوں صرف ۳۸ر سال کی عمر قلیل میں بزرگوں جیسے کام کرنے والے مولانا اسید الحق قادری نوجوان محقق اور ندرت فکر رکھنے والے عظیم اسلامی اسکالر کے روپ میں ملت اسلامیہ میں ممتاز مقام حاصل کر چکے تھے، انہوں نے اپنے خانوادے کی علمی و تصنیفی خدمات کو ایک نئے رنگ و آہنگ سے مزین کیا اور ''تاج الفحول اکیڈمی'' کے ذریعے اپنے بزرگوں کی سو سے زائد تصانیف اپنی تخریج و تحشیہ اور تقدیم کے ساتھ شائع کرنے اور بعض کتابوں کو ہندی، گجراتی اور انگریزی زبانوں میں منتقل کرنے کا بھی اہتمام کیا۔ اُن کی تصنیف و تالیف میں قرآن کی سائنسی تفسیر، خامہ تلاشی، خیرآبادیات، عربی محاورات، حدیث افتراق امت اور حدیث قدسی کو علمی و ادبی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے خاندان کی تاریخ کی ازسرنو اشاعت اور اپنے پیرخانے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کی تاریخ اور اکابر مارہرہ کی حیات و خدمات پر مبنی کتب کی اشاعت جدید ہے، علامہ اسید الحق نے مختلف علوم و فنون پر بھی قلم اٹھایا اور سیکڑوں تحقیقی مضامین سپرد قلم کیے، جو ماہنامہ ''جام نور'' کے صفحات کی زینت بن کر اُس کے علمی معیار میں اضافے کا سبب بنے۔

علامہ اسید الحق قادری کا شمار قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھنے والے نوجوان علما میں ہوتا تھا، آپ علوم عقلیہ و نقلیہ پر کامل عبور رکھتے تھے، مولانا اسید الحق قادری برصغیر پاک و ہند میں نوجوان علما کے سرخیل اور نئی نسل میں علم و ادب کی ایک معتبر شخصیت تھے، آپ صحیح معنوں میں عالم دین اور اپنے آباؤ اجداد کی وراثتوں کے امین اور اُن کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ حضرت علامہ اسید الحق قادری کی زندگی ''کم وقت میں زیادہ کام'' سے عبارت ہے، یہی وجہ ہے کہ کم عمری میں انہوں نے علمی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں، علمی و ادبی حلقوں کو اُن سے بڑی توقعات وابستہ تھیں، زندگی اگر وفا کرتی تو وہ اور بھی محیر العقول اور تاریخ ساز کارنامے انجام دیتے، مگر کاتب تقدیر کی دی ہوئی مہلت ہی اتنی تھی۔

زندگی میں ایک بار انہوں نے اِس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ ''جینے کے لیے مدینہ اور مرنے کے لیے بغداد پسند کرتا ہوں''، ربّ کعبہ کی قسم وہ کامیاب ہوگئے، اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے کی خواہش کو رتبہ شہادت سے اِس طرح بدلا کہ ملتِ اسلامیہ انہیں ہمیشہ ''شہیدِ بغداد'' کے نام سے یاد رکھے گی، آج دنیائے علم و تحقیق کے اِس ابھرتے ہوئے مفکر و مدبر، ممتاز محقق، متبحر عالم دین، محدث و فقیہ، قادر الکلام شاعر اور متحرک و فعال علم دوست شخصیت سے وابستہ چند متذکرہ یادیں ہمارا سرمایۂ افتخار ہیں، بلاشبہ شہید علامہ اسید الحق قادری ایک عبقری شخصیت تھے، انہوں نے تلاش و جستجو کو ایک نیا رنگ دیا اور عصری تقاضوں کے مطابق تحقیق و تنقید کے نئے زاویئے متعین کر کے میدان علم و ادب پر اپنے اَنمٹ نقوش چھوڑے، اُن کے چلے جانے سے ملت اسلامیہ کا جو عظیم نقصان ہوا، یقیناً اُس کی تلافی کئی دہائیوں تک ممکن نہیں ہے۔ □□□

☆ماہنامہ افق، کراچی (پاکستان)

مولانا نعمان احمد ازہری☆

مجلس احباب کا میر

مصر میں رضویات پر پہلی تین کتابوں کی اشاعت اسید میاں کے عطا کردہ بطور قرض پانچ سو ڈالر سے ہوئی تھی

خانوادۂ عثمانیہ بدایوں شریف کے بارے میں بچپن سے سنا کرتا تھا-۱۹۹۲ء میں پہلی بار اجمیر شریف کے سفر میں بدایوں شہر حاضری کا موقع ملا، مگر بڑی سرکار اور چھوٹی سرکار میں حاضری کے علاوہ مجھ جیسا مجہول شخص خانقاہ قادریہ میں باریابی سے محروم رہا-اس کے بعد ۱۹۹۸ء میں جامعہ ازہر مصر میں تعلیم حاصل کرنے کا شرف ملا- مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کوئی مئی، جون کا مہینہ تھا، دوپہر کی چلچلاتی دھوپ تھی، کھانے کے بعد تھوڑا آرام کر رہا تھا کہ میرے دوست مولانا گل محمد کشمیری آئے اور بتایا کہ میں بدایوں خانقاہ کے شیخ کو ساتھ لے کر آیا ہوں- ہاسٹل سے باہر دور محلہ میں مولانا جلال رضا، مولانا آفتاب احمد اور مولانا گل محمد کے ساتھ جب حضرت شیخ سالم القادری مدظلہ العالی سے ملاقات کا شرف ملا تو حضرت نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ''بھیا کا داخلہ ازہر میں کرانا ہے'' اسید میاں سے پہلی بار ملاقات پردیس میں ہوئی تھی، ہمدردی، اپنائیت اور غمگساری کی چمک جو آنکھوں میں جھلک رہی تھی اسے دیکھ کر وجدان بول اٹھا کہ ایسا دوست پردیس میں اللہ کی نعمت ہے- پھر اس کے بعد پانچ سال تک برابر قاہرہ کے قیام کے دوران آپ کے ساتھ تعلق رہا-اس درمیان تقریباً ہر سال آپ کے والد ماجد اور آپ کے برادر محترم مولانا عطیف میاں، محترم اکرام بھائی سے ملاقات کا شرف وہیں حاصل ہوتا-اسید میاں کے ساتھ تمام درگاہوں کی زیارت میں رفاقت رہی-طنطا، اسکندریہ، حمیثری اور دسوق وغیرہ کا سفر رہا-

ایک مرتبہ ہم پورے قافلے کے ساتھ جس میں مولانا جلال رضا صاحب، مولانا منظر الاسلام، مولانا گل محمد، مولانا آفتاب احمد اور اسید میاں شامل تھے-خادم جب بھی اپنے دوستوں کے ہمرکاب سفر میں ہوتا تو ان دوستوں کی نوازش ہوتی کہ مجھے ہی تنظیم کاری کی خدمت کا موقع ملتا-ہم طنطا کے سفر پر شام میں نکلنے والے تھے، میں نے چیئر کار کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ خریدا، میں ابھی ٹکٹ لے کر آیا نہ تھا کہ دوستوں نے سکنڈ کلاس چیئر کار میں اپنی اپنی جگہ محفوظ کر لی- جب میں پہنچا تو میں نے گزارش کی کہ میں نے سکنڈ کلاس کا نہیں تھرڈ کلاس کا ٹکٹ خریدا ہے- ہمیں دوسرے ڈبے میں چلنا چاہیے-دوستوں نے پہلے سے موڈ بنایا ہوا تھا کہ آج میری بات یکسر تسلیم نہیں کرنا ہے، تو انہوں نے بڑے تفریحی انداز میں فرمایا کہ آج ہم یہیں بیٹھیں گے، کون ہمیں اٹھائے گا؟ ہمارا تو پورا ہولڈ ہے-خاص بات یہ کہ یہ ٹرین ریزرویشن والی نہیں تھی جو پہلے آئے، جگہ پائے کا نظام تھا-ہم لوگ بہت پہلے ٹرین میں داخل ہوئے مگر غلط جگہ بیٹھنے کی وجہ سے. جب ٹرین چلی اور ٹی ٹی آیا تو پہلے تو ہمیں دوسرے ڈبے میں جانے کو کہا یا پنالٹی دے کر یہیں رہنے کو کہا، جو دلچسپ پہلو اس واقعہ کا ہے وہ یہ کہ سارے دوستوں نے پنالٹی دے کر یہیں رہنے کو ترجیح دی، مگر اسید میاں نے میری جانب دیکھا اور میرا اشارہ یہ رہا کہ میں نے ٹکٹ خریدا ہے اور جب آپ نے مجھے امیر بنایا تھا تو میری بات مان لینی چاہیے تھی، اور نہیں مانی تو اب میں مصر ہو گیا کہ پنالٹی نہیں دینا ہے اور ہم جگہ بدل لیں گے-جب ہم وہاں سے اٹھ گئے تو وہ جگہ تو پر ہو گئی اور جب اپنے ڈبے میں پہنچے تو ساری سیٹیں فل ہیں، سب لوگ ہمیں دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ سب سے پہلے آئے مگر یہاں کیوں نہیں بیٹھے اور ہم اس سفر میں دو گھنٹے کھڑے رہے-اسید میاں نے مجھے دیکھا اور ذرا تصرف کے ساتھ یہ مصرع پڑھا......ع

ہم جرم شرافت کی سزا جھیل رہے ہیں

سفر پورا ہو گیا، مگر اسید میاں نے اس سے آگے ہمیں دوسرا مصرع نہیں بتایا، اس کے بعد اس تاریخی سفر کا ذکر جب بھی ہوتا تو ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ وہی مصرع دہرا دیتے-

اسید میاں کی شخصیت ایسے غم گسار ہمدم کی تھی کہ مجھے فراموش کرنا مشکل ہے-میرے حالات کچھ یوں تھے کہ اسید میاں میرے لیے زیادہ مہربان تھے-میرے والد گرامی کا انتقال ہوا تو قاہرہ میں مقیم

سارے طلبہ تعزیت کے لیے تشریف لائے، اسید میاں بھی تشریف لائے اور تعزیت کے بعد فرمایا کہ اپنے گھر کا فون نمبر دیجیے-گھر کا نمبر لے کر میرے بھائیوں سے بھی بات کی اور اس کے بعد لگاتار دو دن تشریف لائے، جب کہ ان کی رہائش گاہ سے میرا ہاسٹل تقریباً دس کلو میٹر کے فاصلے پر تھا اور سٹی بس یا ٹیکسی کے ذریعے ہی آنا جانا تھا-مجھے اسید میاں سے زیادہ ملاقات کا موقع دینا شاید فطرت کو منظور تھا، کیوں کہ جس علاقے میں اسید میاں تھے اور جس علاقے میں میں تھا وہاں کوئی براہ راست سٹی بس شروع میں نہیں تھی-مگر ایک سال کے اندر ہی ایک نئے نمبر کی سٹی بس شروع ہو گئی، اتفاق سے انہی دنوں حضرت صاحب سجادہ حضور سالم میاں تشریف لائے تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اب تو ایک براہ راست نئی بس بھی شروع ہو گئی تو مسکرا کر فرمایا کہ ''بھیا سے ملاقاتوں کا اتفاق زیادہ ہوگا-'' دوستوں کے درمیان کسی ایک دوست کی الگ شناخت اور امتیازی شان ہو، ایسا کم ہوتا ہے-مگر اسید میاں کی شخصیت اتنی ممتاز تھی کہ وہ جس مجلس میں ہوتے تو میر کارواں ہوتے اور جس میں حاضر نہ ہو پاتے تو سب کو آپ کا ہی انتظار ہوتا-

اسید میاں کی ذات گرامی کتنی علم دوست تھی، اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ مولانا جلال رضا، مولانا منظر الاسلام اور مولانا گل محمد کشمیری نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے تین رسالے جو رد قادیانیت میں ہیں، عربی ترجمہ کر کے وہاں قاہرہ سے چھپوانے کی کوشش کی، خادم علمی کاموں میں کم تنظیمی کاموں میں پیش پیش رہا، جب یہ رسالے کمپوزنگ، پروف ریڈنگ کے مراحل سے گزر چکے تو میں نے جناب الحاج سعید نوری سے رابطہ کیا-کوئی پانچ سو ڈالر کی ضرورت تھی تو سعید نوری صاحب نے اسید میاں کو فون کر کے درخواست کی کہ آپ حضرات وہاں اہل سنت و جماعت کے فروغ کے لیے جو بھی کام ہو سکے کریں، پیسے کی پرواہ نہ کریں، جلد بھیجا جائے گا- اسید میاں نے فوراً ہم لوگوں سے مل کر فرمایا پیسہ آ جائے گا، لیکن یہ کام ابھی ہونا چاہیے، لہٰذا آپ نے اپنی جیب خاص سے پانچ سو ڈالر عنایت کیے اور کتاب چھپ کر منظر عام پر آ گئی-

ہر دم آپ کسی نئے کام کو شروع کرنے کی فکر میں رہتے تھے- آپ کی یہ مختصر مگر پائیدار علمی زندگی اس کی گواہ ہے-آپ نے قاہرہ میں ہم طلبہ کی ایک انجمن ''جمعية الطلبة الباحثين'' کی داغ بیل ڈالی اور الحمد للہ تمام سنی طلبہ اس دور میں ازہر میں پڑھنے والے اس سے وابستہ ہوئے-اس کے بعد مذکورہ بالا کتاب کے علاوہ دو مزید کتابیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ہی ترجمہ کر کے شائع کی گئیں- ایک کا نام ہے ''مقامع الحديد على خد المنطق الجديد'' اور دوسری کا نام ہے ''جزى الله عدوه بإبائه ختم النبوة-''

آپ کی شخصیت اتنی متوازن تھی کہ قاہرہ سے واپسی کے تقریباً دس سال ہو رہے، احمد آباد، سورت، دہلی، ممبئی اور بدایوں کے بہت سارے تبلیغی دوروں میں اسید میاں کا ساتھ رہا مگر میں نے سفر ہو یا حضر ہمیشہ آپ کو اپنے معمولات کا پابند پایا-اپنی شہادت سے دو روز قبل بھی ناچیز کم علم سے رابطہ کیا-آج کل میری مصروفیات کا انہیں اتنا لحاظ تھا کہ سلام کے بعد فرماتے ''جناب! ایک منٹ لوں گا آپ کا'' اگر کئی دنوں کے بعد یہ فون ہوتا تو ناچیز عربی میں ایک آدھ منٹ تک صرف خوش آمدید کے مختلف کلمات دہراتا تو اسید میاں کے عربی ذوق کو اتنی تسکین ملتی کہ کھل کر ہنستے-شہادت سے صرف دو روز قبل رات کے نو بج رہے تھے اور جماعت عشا میں صرف ایک منٹ باقی تھا کہ لمبے نمبروں والا فون لہرایا تو میں نے اٹھا لیا، فرمایا: ''اسید بول رہا ہوں بغداد سے، بہت جلدی میں ہوں''، میں نے عرض کیا ''حسب معمول'' تو ہنسے اور ایک استفسار کے بعد مع السلامہ ہو گیا-کوئی ڈیڑھ دو منٹ کی یہ آخری گفتگو ہی ہماری آخری یادگار بن کر رہ گئی-

ہمارے ازہری دوستوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے بہت فون مجھ ناچیز کے پاس آئے کہ اسید میاں کی شہادت ہمارے بڑے اچھے دوست سے محرومی ہے، مصر سے مولانا جلال رضا نے پہلے عراق عطیف میاں سے بات کی اور اس کے بعد ہی مجھے فون کیا اور ان کا دل چیرنے والا یہی جملہ تھا کہ ''شیخ! اسید میاں کی رحلت نے مجھے بہت رلایا'' امریکہ سے مولانا منظر الاسلام کا فون آیا کہ ''حضرت! اسید میاں یوں ہمیں داغ مفارقت دے گئے-'' ہم ان سارے تأثرات پر صرف اتنا عرض کر کے اپنی تسلی کا سامان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی یہی مرضی تھی، اور ہم اپنے رب کی مشیت سے راضی ہیں-□□□

☆استاد: جامعہ البرکات، انوپ شہر روڈ، جمال پور، علی گڑھ (یوپی)

ارشاد عالم نعمانی☆

بڑوں کے لیے فخرِ عصر اور نسلِ نو کے لیے خضرِ عصر

علامہ اسید الحق قادری کی علمی و تحقیقی صلاحیت اور فکری بصیرت نے بڑے بڑوں کو اعتراف پر مجبور کردیا

یوں تو اس دنیا میں سینکڑوں لوگ روزانہ آتے ہیں اور بہت سے لوگ موت کی آغوش میں ابدی نیند سو جاتے ہیں، لیکن ایسی شخصیت جن سے اکابر و اصاغر سبھوں کو سینکڑوں امیدیں وابستہ ہوں، جن کے علم و تحقیق کا شہرہ عام ہو، قوم و ملت اور فرد و جماعت کی اصلاح و خدمت کی سچی تصویر نگاہوں کے سامنے ہو، پوری قوم کو جس پر نہ صرف ناز ہو بلکہ وہ بڑوں کے لیے 'فخرِ عصر' اور نئی نسل کے لیے 'خضرِ عصر' کی حیثیت رکھتی ہو ان کی موت کی خبر پر انسان کا ذہن شدتِ غم و اندوہ کے باعث بے یقینی کا شکار ہو جاتا ہے، کیا واقعی ان کا انتقال ہو گیا؟ کیا واقعی علم و عمل کی جامع شخصیت اُٹھ گئی؟ کہیں یہ خبر جھوٹی تو نہیں؟ ہر طرف بے یقینی کی انتہائی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، طرح طرح کے سوال اس خبر کے بے یقینی ہونے کا تقاضا کر رہے ہوتے ہیں۔ خبر کی تصدیق پر مومن اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن پڑھنے کے بعد نہ صرف اس شخصیت کے سانحۂ ارتحال پر یقین کر لیتا ہے بلکہ مرضیِ مولیٰ پر راضی برضا رہتے ہوئے ان کی مغفرت اور بلندیِ درجات کے لیے دعا میں مصروف ہو جاتا ہے۔

کچھ یہی کیفیت میری بھی تھی۔ مورخہ ۴؍مارچ ۲۰۱۴ء کو اُس وقت جب فاضلِ جلیل، محققِ بے نظیر، آبروئے اہلِ سنت، چشم و چراغِ خانوادۂ عثمانیہ، ولی عہد خانقاہِ قادریہ بدایوں حضرت مولانا اُسید الحق عاصم القادری ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان کے سانحۂ ارتحال کی خبر ملی، اس تعلق سے راقم الحروف کے پاس سب سے پہلے محبِ گرامی مولانا نیاز احمد مصباحی صاحب کا فون آیا کہ مولانا اُسید الحق صاحب کے تعلق سے اس طرح کی خبریں آ رہی ہیں، پھر اس کے بعد تو پے در پے درجنوں فون اسی خبر کی تصدیق کے لیے آئے۔ میں اس وقت 'ماہِ نور' شمارہ اپریل کے لیے انتخابِ مضامین میں مصروف تھا۔ دس منٹ قبل ہی 'ماہِ نور' کے مدیر اعزازی ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی سے مضامین کے انتخاب پر گفتگو ہوئی تھی، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ ضرور اطلاع دیتے۔ میں ہر ایک کو نہایت اعتماد کے لہجے میں جواب دیتا چلا گیا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، ابھی تو کل ہی کی بات ہے، ان کے رفیقِ خاص مولانا خوشتر نورانی صاحب سے میری تفصیلی بات ہوئی تھی، انھوں نے مجھ سے آج کے بارے میں فرمایا تھا کہ بدایوں سے شیخ صاحب (مولانا اُسید الحق عاصم القادری) کے ایک عزیز شاگرد (مولانا عبد العلیم مجیدی) دہلی تشریف لا رہے ہیں۔ شیخ صاحب نے انھیں میری آنے والی کتاب 'تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ' کی تصحیح کے لیے بطورِ خاص بھیجا ہے اور دو دن بعد خود شیخ صاحب بغدادِ مقدس میں آستانۂ غوثِ اعظم پر حاضری کے بعد ہندوستان تشریف لا رہے ہیں۔ پھر وہ پوری کتاب لے کر بدایوں جائیں گے۔ اِن شاء اللہ رواں مہینے کے نصف تک یہ کتاب ان کی نظرِ ثانی کے بعد پریس کے حوالے کر دی جائے گی۔ پھر ابھی تو فیس بک پر ہم لوگوں نے ان کی بارگاہِ غوثیت (بغداد شریف) میں حاضری کی تفصیلات دیکھی تھیں، پھر ابھی تو سامنے کی بات ہے کہ جب وہ ۸؍فروری کو کیرلا عالمی انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کے بعد دہلی تشریف لائے تھے تو پورا ایک دن مولانا خوشتر نورانی کی رفاقت میں ان کے ساتھ تھا۔ انھیں 'جامعہ ہمدرد' کی سینٹرل لائبریری دیکھنی تھی۔ پورے دن ہم لوگ ان کے ساتھ رہے۔ مختلف موضوعات پر ان سے استفادہ کرتے رہے۔ اتنا ہنستا ہوا نورانی چہرہ، جواں سال، جواں طبیعت، خوش گفتار، کاروانِ علم و تحقیق کا یہ جانباز سپاہی کیسے اس قدر جلدی ہم سے رخصت ہو جائے گا۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس خیال نے نڈر بنا دیا تھا کہ اس سے قبل بھی ہمارے کئی اکابر کے سلسلے میں اسی طرح کی افواہ گرم ہوئی تھی، لیکن بعد میں وہ خبر غلط ثابت ہوئی۔ میں پورے طور سے مطمئن تھا کہ یہ خبر بھی اسی قبیل سے ہوگی اور ابھی تھوڑی دیر میں اس خبر کی تغلیط آ جائے گی، لیکن معاً بعد دوبارہ چشتی صاحب کا فون آیا کہ مولانا اُسید الحق صاحب کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟ میں نے کہا: کیا؟ انھوں نے فرمایا: وہ دہشت گردوں کی فائرنگ میں شہید ہو گئے۔ میں نے ان سے بھی یہی کہا: کیا واقعی ایسا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''ہاں! البتہ مجھے بھی اس خبر پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ ارشاد صاحب! جماعت اہلِ سنت کے لیے یہ حادثہ اس صدی کا سب سے بڑا خسارہ ہے۔ آپ کو میں بتا نہیں سکتا کہ اس سانحے سے جماعت کا عالمی و ملکی سطح پر کس قدر نقصان ہوا ہے۔ اُسید صاحب نئی نسل کے نمائندہ عالم اور ترجمان تھے، ان کے چلے جانے سے جماعتِ اہلِ سنت اپنے ایک مخلص اور جامع الصفات شخصیت سے محروم ہو گئی۔'' چشتی صاحب کا لہجہ نہایت غمناک و نمناک تھا اس لیے میرے بھی دل کی دھڑکن تیز ہونی شروع ہو گئی۔ ایسا محسوس ہوا کہ پیروں تلے زمین کھسک گئی ہو۔

بلاشبہ حضرت مولانا اُسید الحق قادری کی شخصیت اس دورِ قحط الرجال میں جماعتِ اہلِ سنت کے لیے ایک انمول سرمایہ تھی، ان کا علم، تفکر، ذہانت، استحضارِ علمی، تحقیقی صلاحیت، فکری بصیرت، علومِ اسلامیہ خصوصاً علم حدیث و تفسیر میں اختصاص و کمال، مختلف زبان و ادب پر مہارت ان کی شخصیت کے ایسے درخشاں پہلو تھے جس کا اعتراف نہایت مختصر عرصے میں بڑے بڑے اصحابِ علم و کمال نے کیا تھا اور آنے والے وقت میں اُن کے کمالِ علم و تحقیق کی بشارت دی تھی۔

آپ سے میری شناسائی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے زمانۂ طالب علمی ہی میں پہلی بار ماہنامہ 'جامِ نور' کے ذریعے 'حدیث افتراقِ امت: تحقیقی مطالعہ' کے ضمن میں ہوئی۔ اس اہم موضوع پر آپ کا یہ تحقیقی مقالہ غالباً تین قسطوں میں شائع ہوا تھا جو بعد میں مستقل کتاب کی شکل میں بھی تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوا۔ یہ مضمون آپ کی علمی و تحقیقی شناخت کا نقشِ اوّل ثابت ہوا۔ مختلف حلقوں سے اس پر مصنف کو دادِ تحقیق ملی، کچھ حضرات نے اختلافِ رائے بھی کیا۔ ہمارے احباب کے درمیان اس کا بڑا دلچسپ ذکر رہا۔ راقم الحروف نے اسی وقت 'جامِ نور' کے 'اظہارِ خیالات' کے کالم میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ساتھ ہی علم حدیث میں آپ کی تحقیقی کاوشوں پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک معروف حدیث ''من تشبه بقوم فهو منهم'' پر ایک تفصیلی و تحقیقی تحریر لکھنے کی فرمائش بھی کی تھی۔ خیر اس کے بعد آپ کی تحریروں کو پڑھنے کا ایسا اشتیاق پیدا ہوا کہ ہر ماہ بطورِ خاص آپ کی تحریریں پڑھتا اور استفادہ کرتا رہا۔

'قرآن کریم کی سائنسی تفسیر'، 'محافل میلاد میں موضوع روایات: ایک علمی مطالعہ'، 'اسلاف و اکابر کی کتابوں میں تحریف: ایک تحقیقی جائزہ' جیسی تحریریں قارئین کے لیے نہایت دلچسپی کے موضوعات ثابت ہوئے، ہمارے حلقۂ احباب میں آپ کی علمی صلاحیت، تحقیقی بصیرت اور فنی لیاقت کا پرزور تذکرہ رہا۔ سبھی لوگ آپ کے انتخابِ موضوعات اور پختگیِ فکر و قلم پر داد و تحسین دیتے نظر آئے۔

فراغت کے تیسرے سال (مارچ ۲۰۰۷ء) دار القلم دہلی حاضر ہوا۔ اسی سال دار القلم ہی میں آپ کی پہلی بار زیارت ہوئی۔ علمی و تحقیقی صلاحیت کا تو پہلے سے معترف تھا، جب آپ کے حسین و جمیل نورانی چہرے کی زیارت ہوئی اور عالمانہ رکھ رکھاؤ کو دیکھا تو ایک خوشگوار مسرت ہوئی کہ انھوں نے اپنے خاندانی ورثے میں علم و فضل کی وراثت کے ساتھ عالمانہ وقار بھی پایا ہے۔ وہ مجھ سے عمر میں کئی سال بڑے تھے اور میں ان کی علمیت کا دل سے قائل تھا، جیسے ہی میری ان سے ملاقات ہوئی، کسی نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا: یہ بھی ذیشان صاحب، نیاز مصباحی، ظفر برکاتی وغیرہ کے ہم درس ہیں۔ اسی درمیان میں نے ازراہِ عقیدت و احترام ان سے مصافحہ کے ساتھ ان کی دست بوسی کے لیے جھکا۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے محبت سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا: ارشاد صاحب! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم لوگ کام کی جانب توجہ دیں۔ یہ ان کا بڑکپن تھا ورنہ میں تو نہ صرف ان کی علمی صلاحیتوں کا قائل تھا بلکہ دل سے ان کی عظمتوں کا معترف بھی۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ جب جب آپ سے ملاقات ہوئی، آپ کی علم دوستی، اصاغر نوازی، حسنِ اخلاق اور جماعت کے تئیں مثبت پیش قدمی کے جذبات سے آپ کے ذہن و فکر کو لبریز پایا۔ علم و فن کے وہ میدان جن کی جانب عام طور سے توجہ نہیں دی جاتی، انھوں نے اپنے لیے ہمیشہ ایسے ہی نئے اور اچھوتے موضوعات کا انتخاب فرمایا اور اپنے احباب کو بھی اسی کی ترغیب دی۔

ایک مجلس میں آپ نے راقم الحروف سے اس کا براہِ راست اظہار بھی کیا تھا کہ ارشاد صاحب! بہت سارے موضوعات ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ موضوع کے تعلق سے ہمیشہ یہ پہلو ملحوظ رکھئے

کہ وہ ایسا گوشہ ہو جس پر کام کرنے کی ضرورت ہو، ساتھ ہی یہ بھی دیکھیے کہ اس موضوع پر کام کی افادیت کیا ہے- ان چیزوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے جب آپ کوئی تحریر قلم بند کریں گے تو ضرور اس کی پذیرائی ہوگی- میں نے ہمیشہ ان دونوں پہلوؤں کو لازم پکڑ لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ میں اس وقت تک قلم نہیں اُٹھاتا جب تک موضوع کی جدت اور قوم وملت کے لیے اس کی افادیت کا مجھے تیقن نہیں ہو جاتا- ابھی حال ہی کی ایک ملاقات میں مولانا خوشتر نورانی صاحب کے استفسار پر کہ ابھی کون سا کام زیرِ تکمیل ہے؟ انھوں نے فرمایا تھا کہ ''امثالِ قرآنی'' پر کام کر رہا ہوں- اس موضوع پر کام کی بے حد ضرورت ہے کیونکہ اس موضوع پر سوائے علامہ ابن تیمیہ کی ایک کتاب جو عربی زبان میں ہے، دوسری کوئی کتاب میری نظر سے اب تک نہیں گزری ہے- اس موضوع پر مواد کی دستیابی ہوگئی ہے، اِن شاءاللہ جلد ہی اس پر میری کتاب آ رہی ہے-

دنیا میں بہت سے باصلاحیت اور قابل کار لوگ ایسے ہیں جن کی زندگی کا نہ تو کوئی ہدف ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی نصب العین- وہ زندگی کو یوں ہی بے مقصد گزار دیتے ہیں- لیکن شیخ صاحب کی شخصیت ان عظیم شخصیات میں سے تھی جن کی زندگی کا واضح لائحۂ عمل تھا- انھوں نے زندگی گزارنے کے لیے مضبوط اور ٹھوس حکمت عملی پر مشتمل اپنا ایک لائحۂ عمل تیار کیا تھا، جس پر وہ مضبوطی کے ساتھ قائم تھے- انھوں نے اپنی زندگی کو پوری مستعدی کے ساتھ اسی شاہراہ پر لگا رکھا تھا-

۲۰۰۴ء سے اب تک کے مختصر عرصے میں علمی و تحقیقی، فکری و تنقیدی، دعوتی و تبلیغی اور تحریکی و تنظیمی مختلف جہات میں انھوں نے اپنی خدمات و کارنامے کے جو انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، وہ ان کی اقبال مندی اور جامع کمالات حیثیت کو بتانے کے لیے کافی ہیں- وہ بلاشبہ خانوادۂ قادریہ بدایوں کی آٹھ سو سالہ علمی و روحانی تاریخ کے سچے حامل و امین تھے- اپنے خانوادے کی باکمال علمی و روحانی تاریخ کے عہد حاضر میں سچی تصویر تھے، جس کا اعتراف نہ صرف ان کے ہم عصروں نے کیا بلکہ اس عہد کے اکابر و مشائخ نے بھی ان کے اس امتیازی وصف کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور دعاؤں و پذیرائیوں سے سرفراز کیا-

مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے متعدد مجلسوں میں راقم سے شیخ صاحب کی علمی و تحقیقی اور فکری بصیرت پر بڑے خوشگوار تاثرات سے نوازا- اسی طرح عصرِ حاضر کے معروف ادیب و نقاد ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی صاحب نے بھی کئی مجلسوں میں براہِ راست شیخ صاحب کی عظمت و صلاحیت کا اظہار کیا- نئی نسل اور موجودہ اکابر و مشائخ و دانشورانِ قوم کو ان سے بے پناہ امیدیں وابستہ تھیں-

جماعتی فلاح و بہبود، امت کی اصلاح و تذکیر اور خانقاہ قادریہ کی علمی وراثت کے منظر عام پر لانے نیز مدرسہ قادریہ کی تعمیر و ترقی کے لیے جو وسیع خاکہ انھوں نے بنایا تھا، سارے کام درمیان میں ہی چھوڑ کر وہ اپنے پیچھے سبھوں کو غم زدہ اور سوگوار کر کے خود بہت جلد آستانۂ غوثِ اعظم میں آسودۂ خاک ہوگئے- ان کثیر الجہات منصوبے کی تکمیل اور اس کے لیے شیخ صاحب جیسی موزوں شخصیت کا جب تصور آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، جانا تو ہر ایک کو ہے لیکن وہ اتنی جلدی ہم لوگوں سے رخصت ہو جائیں گے یہ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا- ابھی تو انھیں بہت سارے منصوبے و عزائم کی تکمیل کرنی تھی، لیکن مرضی مولیٰ کے آگے کسی کا بس نہیں چل سکتا- یہ اپنے آپ میں ہم گنہ گاروں کے لیے تسلی بخش ہے کہ دنیا میں ان سے کسی قدر ہمارا ابھی رشتۂ محبت و عقیدت استوار تھا- شیخ صاحب آپ چلے تو گئے لیکن آپ ہمیں ہمیشہ یاد آئیں گے- آپ کی وہ بات بھی ہم کبھی نہیں بھول سکتے کہ ارشاد صاحب! کام کی جانب توجہ دیجیے، دُنیا میں وہی لوگ یاد رکھے جاتے ہیں جو اپنے پیچھے پائیدار علمی سرمایہ چھوڑ کر جاتے ہیں- ورنہ کتنے انسان ہیں جنھیں زمانے نے یاد رکھا ہے- ہمیشہ کام اور صرف کام پر توجہ دینے کی ضرورت ہے- ہم آپ کی یہ بات بھی کبھی نہیں بھول سکتے کہ کام ہی انسان کو بڑا بناتا ہے، کوئی ماں کے پیٹ سے بڑا بن کر نہیں آتا-

شیخ صاحب کی شخصیت اس اعتبار سے بھی اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز تھی کہ ان کا اخلاق بہت بلند تھا- بڑوں کے سامنے اُن کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت آج کے اس اخلاق سوز ماحول میں اسلاف کی یاد دلاتا تھا- کون تھا جو آپ کی شخصیت سے مانوس اور خوش نہیں تھا- ہر کسی کے دل میں ان کی علمی عظمت اور بلندیِ اخلاق کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ ایک عظیم خانوادے کے چشم و چراغ تھے- وہ اپنے آبا و اجداد کے سچے علمی وارث ہونے کے ساتھ ساتھ عظمتِ کردار اور بلندیِ اخلاق کے بھی وارث تھے ——— بقیہ صفحہ 206 پر دیکھیں

مفتی ذوالفقار خان نعیمی☆

علامہ بدایونی کی علمی سخاوت بے مثال تھی

''پتہ نہیں لوگ علمی خزانے کو اپنی میراث کیوں سمجھتے ہیں، وہ تو اہل علم کا سرمایہ ہے''

بلاشبہ موت سے فرار نہیں الموت قدح کل نفس شاربوھا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

مگر شہید بارگاہ غوثیت مولانا شیخ اسید الحق قادری بدایونی کی خوش نصیبی ہے کہ موت کا جام شہادت کی شکل میں نوش فرما کر حیات ابدی کے حق دار ہوگئے اور وہ بھی غوث پاک کے قدموں میں جو کہ زندگی اور موت دونوں کی مقبولیت کی ضمانت ہے- شہید موصوف کا اچانک اس طرح داغ مفارقت دے جانا یقیناً ملت کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے- ابھی تو کچھ کر دکھانے کا دور شروع ہوا تھا، مگر قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا- کیا کیا سوچ رکھا تھا: یہ کرنا ہے، وہ کرنا ہے، مگر سب کچھ ادھورا چھوڑ چھاڑ کے اچانک ہی رخصت ہوگئے-

شہید موصوف احقر سے بے حد محبت فرماتے تھے- انہیں اپنے بڑے پن کا خوب احساس تھا، وہ جانتے تھے کہ خورد نوازی عظیم دولت ہوتی ہے- ہفتہ عشرے میں بات ہوتی رہتی تھی، کبھی وہ فون کر دیتے، کبھی میں- کبھی میں استصواب رائے کے لیے فون کرتا، کبھی وہ اظہار خیالات کے لیے فون کرتے- بغداد شریف جانے سے قریب پندرہ روز قبل مجھ سے شیر بیشہ اہل سنت کی کتاب ''دوامغ الحمیر'' کا مطالبہ کیا، میرے پاس نہ تھی، میں نے میثم عباس قادری (پاکستان) سے کہا، انہوں نے وہ کتاب مجھے اسکین کرا کے میل کی- بغداد روانہ ہونے سے دو روز قبل فون پر میں نے موصوف کو بتایا کہ میں نے آپ کو کتاب میل کر دی ہے، دیکھ لیں- شکریہ کے ساتھ فرمایا کہ اب تو بغداد سے آکر دیکھوں گا، میں نے کہا کب تشریف لے جا رہے ہیں؟ فرمایا پرسوں- میں نے کہا کہ اگر وقت مل جائے تو خصوصاً فقیر کے لیے دعا ضرور فرما دیجیے گا، کہا: ضرور ان شاءاللہ-

اس کے بعد وہ تو نہ آئے، مگر اچانک ایک فون آیا کہ شیخ صاحب کی شہادت ہوگئی- بخدا ایسا محسوس ہوا کہ پیروں تلے زمین کھسک گئی ہو، یقین نہ آیا، سوچا افواہ ہوگی، مگر چند منٹوں میں دسیوں فون آگئے کہ اب اس حادثۂ جانکاہ پر یقین کیے بغیر چارہ بھی نہ تھا، برجستہ منھ سے نکلا:

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

پھر میں نے ثاقب رضا قادری اور ''فیس بک'' سے جڑے لوگوں تک یہ افسوسناک خبر پہنچانے کی کوشش کی- جہاں تک ثاقب بھائی کا ماننا ہے پاکستان میں اکثر لوگوں کو میرے بتانے پر ہی خبر ہوئی اور پھر نفس اسلام، پاکستان اور لاہور، کراچی، ہندوستان کے اکثر مقامات سے خبر کی تصدیق کے لیے احقر کے پاس فون آئے اور وہ دن اسی مصروفیت میں کٹ گیا- رات ہوئی تو ذہن میں رہ رہ کے شیخ صاحب کی باتیں گردش کرنے لگیں، وہ مجھ سے کبھی کبھی کافی دیر باتیں کیا کرتے تھے- ابھی کی تو بات ہے- جب میں نے اپنی کتاب ''فتاوی اترا کھنڈ'' اور ''رکعات نماز'' طباعت سے پہلے ہی نیٹ پر اپلوڈ کر دی تو ایک دن فون آیا، بہت دیر تک بات ہوتی رہی اور اسی دوران پوچھ لیا کہ کتاب کیوں نہیں چھپوا رہے ہو؟ میں نے کہا: ابھی مکمل رقم کا انتظام نہیں ہوا ہے، فتاوی اترا کھنڈ کے لیے رقم ہے مگر رکعات والی کتاب کی گنجائش نہیں نکل پا رہی ہے، تو فرمایا: ''کتاب چھپواؤ جو خرچ ہوگا میں دوں گا، مگر بس ایک درخواست ہے-'' میں نے سوچا شاید ٹائٹل پر ناشر کے حوالے سے اپنی اکیڈمی کا نام لکھوانے کو کہیں گے، مگر حیرت ہوئی مجھے یہ سن کر جب انھوں نے کہا: ''میرا نام نہ نوک قلم پر آئے اور نہ نوک زبان پر'' میں نے سوچا: یااللہ! ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جو دین کا کام خالص دین کے لیے ہی کرتے ہیں؟ یقیناً اس جملے سے خوشی کی ایک لہر دل میں دوڑ گئی اور اس جملے سے بزرگوں کی یاد تازہ ہوگئی- خیر خواجہ بک ڈپو سے کتاب چھپی اور عرس اعلیٰ حضرت میں اس کا اجرا بھی ہوا- میں نے بریلی پہنچ کر اپنی یہ دونوں کتابیں جو مجھے اسی دن بریلی میں ملی تھیں اپنے بہنوئی صاحب کے ہاتھوں شیخ صاحب کو بھیج دیں، میں جامعۃ الرضا میں تھا کہ اچانک فون آیا: کہاں ہیں؟ میں نے کہا ''جامعۃ الرضا'' میں ہوں، کوئی حکم؟ کہا: نہیں بس مبارک باد کے لیے فون کیا تھا- مگر افسوس کہ کتاب

شایان شان نہیں چھپی، ہماری کتاب ''اکمل التاریخ'' کا بھی یہی حال ہوااور آپ کی اس کتاب کا بھی- میں نے کہا حضرت کتاب چھپ گئی یہی بہت ہے-ان شاء اللہ آئندہ شایان شان چھپ جائے گی-دعا میں یادرکھیں، آج اس کا اجرا کرانے کا ارادہ ہے، حضور تاج الشریعہ کے اسٹیج پر، فرمایا: بہت بہتر ہوگا اللہ کرم فرمائے-اگر ککرالہ آنا ہوتو ضرور تشریف لائیں، فقیر نے ٹھیک ہے کہہ کر اجازت طلب کی اور سلام-

اور جب عرس اعلیٰ حضرت سے فارغ ہوکر میں ککرالہ پہنچا تو میں نے فون کیا کہ آجاؤں؟ فرمایا آجایئے، میں پہنچا، نیچے کمرے میں آپ کے ساتھ پھپھوند شریف کے ایک بزرگوار تشریف فرما تھے، ظہر سے عصر تک باتیں ہوئیں- یہاں ان باتوں کا اظہار مناسب نہیں اور پھر اس کے بعد میں گھر آگیا اور پھر کاشی پور-اس کے بعد ملاقات نہیں ہوئی ہاں بات اکثر ہوتی رہی- میں نے کبھی کوئی مطالبہ کیا، نفی میں جواب نہیں پایا-

میں نے ایک دن فون کیا کہ مجھے ''اہل فقہ'' اخبار درکار ہے، فرمایا. بتائیں میں کیا کروں؟ میں نے کہا میں کسی بندے کو بھیجتا ہوں، کہا بھیج دو، میں نے اپنے ایک عزیز کو بھیجا اور وہاں سے اخبار کی دس سال کی فائلیں کاشی پور منگوالیں-یہ علمی سخاوت کی بہت بڑی مثال ہے، ورنہ میں نے ہندوستان میں بہت سے لوگوں کو دیکھا، کسی اخبار یا نادر رسالہ کی زیارت بھی نہیں کراتے، دینا تو بہت دور کی بات ہے-یہ علمی سخاوت انہیں اپنے معاصرین پر فوقیت دیتی ہوئی نظر آئی-خیر میں نے ان اخبارات سے استفادہ کیا، نئی جلد سازی کرائی اور قریب تین چار ماہ کے بعد بدایوں روانہ کیں اور حضرت کا شکریہ ادا کیا-ہاں! ایک بات اور میں نے موصوف کو فون کیا کہ اخبار کے کچھ پرچے تین تین چار چار عدد ہیں تو جواباً فرمایا اگر دو دو بھی ہوں تب بھی آپ کو مکمل اختیار ہے کہ آپ ایک ایک کاپی اپنے لیے ہماری جانب سے رکھ لیں- میں نے شکریہ کہا تو بولے اس میں شکریہ کی کیا بات ہے؟ میری کوئی چیز آپ کے کام آجائے اس سے بڑھ کر بھلا کیا خوشی ہوگی؟

جب میں نے اعلیٰ حضرت کے ایک نایاب فتوی پر کام کیا، حاشیہ تخریج، تقدیم کے بعد اسے ''انبیائے کرام گناہ سے پاک ہیں'' کے نام سے چھپوایا تو حضرت کو پیش کیا، تو فرمایا کہ ''اعلیٰ حضرت کے بہت سے فتوے تحفہ حنفیہ میں ہیں، آپ ان پر بھی کام کرو-'' میں نے کہا کہ کیسے ملیں گے؟ تو فرمایا: ''ہم دیں گے، تھوڑا وقت دے دو-'' میں نے کہا: ٹھیک ہے- پھر ایک بار میں نے فون کیا تو بولے کسی کو بھیج دو، میں نے اپنے ایک عزیز کو بھیج دیا، موصوف نے ''تحفہ حنفیہ'' کی ساری فائلیں جس میں اکثر بوسیدہ حالت میں تھیں، مجھے روانہ فرمادیں، میں نے ان فائلوں سے استفادہ کیا، کاپی کیا اور حسب اجازت ڈبل کاپی سے ایک عدد خود کے لیے رکھا اور سب کو مہینے اور سال کے اعتبار سے ترتیب دیا، جلد سازی کرائی اور پھر واپس بھیج دی- بہت خوش ہوئے کہ آپ نے انہیں نئی جان بخشی ہے، میں نے کہا: نہیں، جب میں ان فائلوں سے استفادہ کر ہی رہا تھا تو میرا حق تھا کہ انہیں ترتیب دے کر انہیں محفوظ بھی کروں- خیر اس طرح کی دریا دلی شاید کہیں نظر آئے-

میں نے کبھی پانچ سال پہلے لائبریری میں ایک کتاب ''دافع الفساد عن مرادآباد'' تلاش کی، نہیں ملی- میرے ساتھ موصوف نے بھی ڈھونڈی، نہیں ملی- میں چلا آیا اور بہت سے لوگوں سے معلوم کی، ڈھونڈنے کی کافی کوشش کی، مگر نہیں ملی، آخر مایوس ہوگیا، اعلیٰ حضرت اور تھانوی کے درمیان جو مناظرہ ۱۹۱۱ء میں طے پایا، اس کی مکمل روداد لکھ رہا تھا، اس لیے وہ رسالہ مجھے درکار تھا- خیر نہیں ملا، کام وہیں رک گیا- ابھی آٹھ دس ماہ قبل دن میں دس بجے فون آیا، میں اس وقت سوتا ہوں، رات کو جاگنے کے سبب-اس لیے آواز پہچان نہ سکا، تعارف کے بعد میں نے معذرت پیش کی کہ نیند میں تھا، پہچان نہ سکا، فرمایا کوئی بات نہیں آپ سوجائیں بعد میں بات کرتا ہوں، میں نے کہا: نہیں، فرمائیں اب جاگ چکا ہوں، فرمایا کہ کبھی آپ نے مجھ سے ''دافع الفساد'' کا ذکر کیا تھا، کیا وہ کتاب مل گئی آپ کو؟ میں نے کہا ابھی تک نہیں-فرمایا: مجھے مل گئی ہے اور شام تک اسکین کراکے میل کردوں گا، میں نے شکریہ ادا کیا اور شام کو دیکھا تو وہ رسالہ میرے میل ان باکس میں موجود تھا-

ایسی بے شماران کی سخاوتیں اور کرم فرمائیاں میرے حافظہ میں محفوظ ہیں- کتمان علم کی حرمت سے آگاہ ہونے کے باوجود لوگ کتمان علم سے نہیں چوکتے مگر اللہ درجات بلند فرمائے شیخ موصوف کے کہ کبھی کتمان علم نہیں کیا- اگر ہوا تو کبھی ''نا'' نہیں کہا- کہا کرتے تھے کہ ''پتہ نہیں لوگ علمی خزانے کو اپنی میراث کیوں سمجھتے ہیں، وہ تو اہل علم کا سرمایہ ہے، انہیں اس سے استفادے سے روکنا سراسر ناانصافی ہے-''

بقیہ صفحہ 238 پر ملاحظہ کریں

مفتی شمشاد حسین رضوی ☆

خانوادۂ عثمانی کے امتیازات وکمالات کا سچا جانشین

علامہ بدایونی اپنے خاندانی روایتوں کے امین تھے، تپتی ہوئی ریت اور جلتی ہوئی زمین کبھی ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکی

۴؍مارچ ۲۰۱۴ء کی شام بعد نماز مغرب موبائل کی گھنٹی بجتی ہے، میں نے موبائل رسیو کیا، مولانا محمد طفیل مصباحی نائب مدیر ''ماہنامہ اشرفیہ'' مبارک پور بول رہے تھے، انہوں نے پوچھا: کیا بدایوں میں سب خیریت ہے؟ میں نے کہا! اللہ تعالی کا فضل ہے-

پھر انہوں نے کہا: میں نے سنا ہے بغداد شریف میں گولی لگنے کے سبب مولانا اسید الحق شہید ہوگئے؟

میں نے کہا: آپ کو یہ اطلاع کہاں سے ملی؟

مولانا طفیل نے جواب دیا، پھپھوند شریف سے-

اتنی بات سنتے ہی میں شش وپنج میں پڑ گیا اور میں نے مولانا سے کہا: میں ابھی معلوم کرتا ہوں-

میں اپنے گھر سے سیدھا مدرسہ عالیہ قادریہ کے پرنسپل جناب ماسٹر حنیف صاحب کے گھر پہنچا-انہیں میں نے روہانسو دیکھا اور چہرے پر طاری مایوسی کے اثرات-اس کے فوراً ہی بعد پرنسپل صاحب بھی آستانہ عالیہ قادریہ پہنچ گئے اور ان کے پیچھے پیچھے میں بھی پہنچ گیا- دیکھا تو سڑک سے آستانے تک گلی بھری ہوئی تھی- مدرسہ کا صحن، مسجد کا آنگن اور آستانہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، جو سنتا دوڑا چلا آتا، شہر کی تمام دوکانیں بند ہوگئیں، سڑکیں ویران- اس طرح پورا بدایوں خاموشی کے آغوش میں پہنچ گیا- ہر ایک کے من میں ایک ہی سوال تھا، ایسا کیسے ہوا؟ وہ تو ایسے نہ تھے؟ انہوں نے روٹھنا سیکھا ہی نہ تھا، آج تک وہ ہم سے روٹھے نہیں، تو پھر آج کیسے روٹھ گئے؟ یہ وہ باتیں تھیں جنہیں ہر ایک کی خاموش زباں بول رہی تھیں-

ہر ایک کی خاموشی کیوں نا گویا ہو؟ کہ جانے والا کوئی معمولی آدمی نہ تھا، بلکہ وہ ایک اچھا انسان تھا، خوبیوں اور بے پناہ خصوصیات کا حامل تھا، اہل بدایوں کے لیے قابل رشک، اپنے خاندان کے لیے باعث فخر وناز تھا، وہ بدایوں کے تھے اور بدایوں ان کا تھا، ان کے دل میں بدایوں کے لیے جو احساس تھا، بدایوں والوں کے دلوں میں بھی ٹھیک وہی احساس تھا، ان کے آنے سے بدایوں والے خوش تھے اور بہت خوش تھے، ان کے چہروں سے ایسا محسوس ہوتا جیسے انہیں کھوئی ہوئی دولت مل گئی ہو اور جب شیخ اسید الحق قادری اہل بدایوں کے درمیاں ہوتے تو ان کے چہرے کی شگفتگی ہمیں یہ پیغام دیتی تھی:

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہوگئیں

مولانا اسید الحق اپنے خاندانی روایتوں کے پاسدار، اپنے بزرگوں کی خصوصیات، کمالات اور امتیازات کے امین تھے-ان کی ذات میں جو صلاحیتیں، استعدادیں پائی جاتی تھیں وہ سب انہیں ورثے میں ملی تھیں- یہ سچ ہے کہ خاندان میں جو بچہ آتا ہے وہ اپنے اباواجداد کا سربستہ راز ہوتا ہے، ان کی خوبیوں اور جاہ وجلال کا امین ہوتا ہے، بظاہر بچے کی ذات وفطرت سادہ ہوتی ہے، مگر جو دانشور ہوتا ہے جس کے پاس دیدۂ بینا ہوا کرتا ہے وہ اس سادہ سی ذات میں بھی چمن کی رعنائیوں اور گلشن کی بہاروں کو دیکھ لیتا ہے-

جامع ازہر مصر سے آنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو فراموش نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اپنے کردار وعمل کو اپنی فکری صلاحیتوں کا آئینہ دار بنا دیا، جہاں تک حوصلے کی بات ہے اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے حوصلے بلند تھے، ان کے عزائم میں بڑی پختگی پائی جاتی تھی، کام کتنا ہی مشکل اور کٹھن کیوں نہ ہو، انہوں نے اسے بھی بڑی خوبصورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ انجام دیا، تپتی ہوئی ریت، جلتی ہوئی زمیں اور دھنستا ہوا دلدل ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا- انہوں نے کئی ایک ملاقات میں فرمایا تھا:

مولانا! میرے سامنے بہت سے کام ہیں اور دشواریاں بھی بہت زیادہ ہیں- میں نے عرض کیا: حوصلہ بلند رکھیں، آپ تنہا نہیں ہیں، آپ

کے ساتھ آپ کے بزرگوں کی دعائیں ہیں، ان کے فیوض وبرکات ہیں، کوئی ان کا کام کرتا نہیں ہے بلکہ وہ خود اپنا کام کسی سے کروا لیا کرتے ہیں اور پھر آپ تو خود ان کے اپنے خون ہیں، تنہائی کا احساس کیوں کرتے ہیں؟ اپنے بزرگوں کے تئیں اسی اذعان ویقین نے ان کے اس شوق اور عزم مصمم کو مہمیز کیا اور شیخ صاحب آگے بڑھتے گئے اور اس قدر آگے بڑھے کہ کبھی پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا- ماحول کی شگفتگی اور فضا کی دلکشی کو دیکھتے ہوئے میں نے عرض کیا:

شیخ صاحب! مدرسہ شمس العلوم بھی آپ کا اپنا ادارہ ہے، یہ ادارہ بھی آپ کی توجہ کا مستحق ہے، دارالاقامہ نہ ہونے کے سبب طلبہ نہیں آتے ہیں اور اس کا برا اثر تعلیم پر بھی پڑتا ہے- اگر یہاں بھی طلبہ کے رہنے اور خورد ونوش کا انتظام ہو جائے تو اچھا ہوگا- آپ نے فرمایا، یہ بھی میرے منصوبے کا ایک حصہ ہے، دعا فرمائیں-

جہاں ایسے حالات ہوں، شیخ صاحب کے جانے کے غم سے کوئی نجات کیسے پا سکتا ہے؟ وہ اپنے پیچھے ایسے آثار وعکوس چھوڑ گئے ہیں کہ ہر پل ان کی یاد آتی رہے گی اور ان کے لبوں کی مسکان برسوں قلب و دماغ میں نور افشانی کرتی رہے گی-

یہ ایک حقیقت ہے کہ ارباب فکر چیزوں کی خوبصورتی، دلکشی اور ان کی رعنائیوں کو دیکھتے ہیں، ان کے بنانے والے کے جمال وکمال کے گہرے مطالعے میں کھو جایا کرتے ہیں، اس لیے کہ مصنوعات میں کچھ ایسی معنویت، جذب وکشش ہوتی ہے جن سے ذہن کا تبادر کہیں سے کہیں تک جا پہنچتا ہے، شیخ صاحب نے کیا نہیں کیا؟ انہوں نے اس قدر کیا کہ شاید ہی کوئی اتنا کر سکتا ہو؟ ان کی کرشمائی صلاحیتوں کی نمود کسی ایک جہت میں نہیں پائی جاتی ہے بلکہ مختلف جہتوں میں پھیلی ہوئی ہے، یہ نمود بھی کوئی سادہ نمود نہیں ہے، غور سے دیکھیے تو اس میں جدت طرازی، نئی آب وتاب اور جدید زمانے کی جھلک بھی پائی جاتی ہے، یہی وہ جھلک ہوتی ہے جس کے سبب شخصیت زندہ رہتی ہے، کارکردگی یادوں کا ذریعہ بن جاتی ہے- جہاں تک زندہ شخصیتوں کے رہنے کی بات ہے؟ تو انہیں تلاش کرنا بھی کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، صرف کامل توجہ اور گہری فکر سے کام لینے کی حاجت ہوتی ہے نہ روشنی پردوں میں رہتی ہے اور نہ خوشبوؤں کو پابہ زنجیر کیا جا سکتا ہے-

مدرسہ عالیہ قادریہ: سب سے اچھا کام وہ ہوتا ہے جو صحراؤں میں اجالا پھیلا دیتا ہے اور بیابانوں میں کیف وسرور کی خوشگوار فضا قائم کر دیتا ہے اور بے زبان پتھر کو بھی بولنے پر مجبور کر دیتا ہے- شیخ صاحب نے کچھ اسی طرح کے کاموں کو انجام دیا ہے، مثلاً:

الف: مدرسہ عالیہ قادریہ کی نشأۃ ثانیہ

ب: نظام تعلیم میں زبردست انقلاب

ج: نصاب تعلیم میں طلبہ کی نفسیات اور سائنسی دور کے تقاضوں میں تال میل-

د: طلبہ کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کے نظام میں انفرادیت

ہ: قابل ترین اساتذہ کا انتخاب

یہی وہ انداز کارکردگی ہوتا ہے جس کے سبب بے زبانوں کو بھی زباں مل جاتی ہے، انہوں نے اپنے حسن انتظام سے اہل علم وفن اور ارباب فکر ودانش کی ایسی ٹیم تیار کر لی جس کے سبب غیروں کے محتاج ہونے سے محفوظ ہو گئے اور اپنے آپ میں خود اعتمادی پیدا کر لی، ان کی یہی خود اعتمادی رشک خود اعتماداں ہے-

خانقاہ عالیہ قادریہ: ہندوستان میں بہت سی خانقاہیں ہیں، مگر شیخ صاحب نے اپنے والد گرامی کی سرپرستی میں اپنی خانقاہ کو ان سمتوں میں مائل بہ سفر کر دیا جہاں سے انفرادیت کا سراغ ملتا ہے اور بروں کو اچھا بنایا جاتا ہے- شیخ صاحب نے پہلے پہل یہ محسوس کیا تھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ خانقاہوں سے علم اُٹھتا جا رہا ہے اور شہزادگان بے علم ہوتے جا رہے ہیں؟ انہوں نے اپنے ایک مضمون میں کچھ اسی طرح کے اسباب وعلل کی تلاش کی تھی- یہ مضمون کوئی اور لکھتا تو یہ باعث حیرت نہیں ہوتا، مگر خود ایک مقدس خانقاہ کے شہزادہ ہونے کی حیثیت سے انہوں نے یہ مضمون لکھ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا-

عوامی رابطے: کہا جاتا ہے: چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے، یہ ایک محاورہ ہے اور برسوں کا تجربہ ہے لیکن مولانا اسید الحق قادری نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے- اجالوں کا مسافر اپنا پہلا قدم اندھیروں میں رکھتا ہے، انہوں نے اپنے آپ کو خانقاہ اور مدرسے کی چہار دیواریوں تک محدود نہیں رکھا، بلکہ عوام کے رابطے میں بھی آئے اور انہوں نے اہل بدایوں کے لیے بہت کچھ کیا، مثلاً:

● ربیع الاول کے موقع پر جامع مسجد میں سیرت کے موضوع پر پورے ۱۱ دنوں تک پروگرام-

● قرعہ اندازی کے ذریعے حج بیت اللہ کا پیکج-

● ربیع الاول کے موقع پر پورے ۱۲/ دنوں تک بدایوں کے مختلف محلوں میں جلسے-

● دینی وعصری طلبہ کے لیے ہر سال سمر کلاسیز کا انعقاد-

● ربیع الاول کے دنوں میں بدایوں کے سرکاری اور غیر سرکاری کالجوں میں جانا، کالج میں زیر تعلیم طلبہ سے مخاطب ہونا، ان کے سامنے اپنی بات رکھنا اور عید ربیع الاول کے تناسب سے تحفے تحائف پیش کرنا-

● بدایوں کے پڑھے لکھے افراد کے لیے ''مولانا عبد الماجد پبلک لائبریری'' کا قیام-

● ریسرچ اسکالر کے لیے متون، شروح، اور مواد کی فراہمی کی خاطر اپنے دل کے دروازے کو کھلا رکھنا-

● تشنگان علوم وفنون کے لیے ان کے مزاج کے مطابق استقبال، ضیافت، اور نیک خواہشات-

● نکتہ چیں افراد کے لیے بھی پھولوں کا حسین وخوش نما گلدستہ-

● تاج الفحول اکیڈمی کی شائع کتابوں کے ارسال کا موثر انتظام

یہ تمام چیزیں ''عوامی رابطے میں آتی ہیں، جو عوام کے دلوں سے اس قدر قریب ہو کیا وہ بھلائے جا سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں!

تصنیف وتالیف: تنقید نگاروں نے اپنے جائزے میں کہا ہے:

''سب سے زیادہ آسان تقریر کرنا ہوتا ہے، اس کے بعد درس وتدریس کا معاملہ آتا ہے، جہاں تک تصنیف وتالیف اور تخریج کی بات آتی ہے یہ کام سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے-'' مولانا اسید الحق نے اس مشکل کام کو بھی بحسن وخوبی انجام دیا، اپنی بات کو تحریری زباں دے دینا تو آسان ہوتا ہے، لیکن دوسروں کی باتوں کو اپنی زباں میں پیش کرنا بہت ہی زیادہ مشکل ہوتا ہے، دشوار اور کٹھن ہوا کرتا ہے- ہر کوئی اس راہ پر نہیں چل پاتا ہے، بہت سے چلنے والے افراد تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں اور کتنے ایسے بھی دکھائی دیتے ہیں جن کے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے ہیں مگر ''اسید الحق'' ایک ایسا فرد عظیم تھا، جو کبھی نہ تکان محسوس کرتا تھا اور نہ اپنے پاؤں میں آبلے کے پڑ جانے کی بات کہی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس سفر میں بھی کامیاب دکھائی دیتا ہے- یہ کامیابی ان کے اپنے بزرگوں کے فیضان نظر کا پتہ دیتی ہے- شیخ اسید الحق نے اس کے تعلق سے جو کاوشیں انجام دی ہیں وہ مختلف جہتوں میں پھیلی ہوئی ہیں-

الف: اپنے بزرگوں کی تصنیفات کی جدید طباعت

ب: تلخیص، توضیح اور تخریج

ج: احوال، سوانح، آثار اور عکوس

د: مقالے، مضامین، تنقیدات

ان کی تصانیف میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:

● سلاست، روانی

● لفظوں کی سبک روی، جملوں کی شگفتگی

● علمی فنی تحقیقات، مواد کی تلاش وتتبع

● متضاد روایتوں میں تطبیق کی کوشش بلیغ

● مضامین میں سائنسی تقاضوں کی آئینہ داری

● تنقیدی شعور کا بانکپن اور شوخ وشنگ

● معلومات میں وسعت، کشادگی وغیرہ وغیرہ

● تراکیب میں لفظوں کا حسن امتزاج

● بولتا ہوا انداز بیاں

کتابوں میں جہاں کہیں آپ اس طرح کی خصوصیات پائیں گے وہیں مولانا اسید الحق قادری کی یاد آئے گی، ان کا شگفتہ چہرہ اور ان کی بکھرتی ہوئی لبوں کی مسکان دکھائی دے گی- جانے والا ہم سب و چھوڑ کر چلا گیا، وہ اکیلا اور تنہا گیا ہے اور اپنی حیات کا بیش بہا سرمایہ اہل سنت وجماعت کے حوالے کر کے گیا ہے اور یہ پیغام دیتا ہوا گیا ہے:

جان کر من جملہ خاصان مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جا[illegible]

جانے والا بڑی شان سے گیا ہے، ان کی موت بڑی کامیاب موت ہے، روپ موت کا ضرور تھا، مگر کام مسیحائی کا تھا، اب اسید الحق اسید الحق نہ رہا، ان کی عظمت میں ایک اور اضافہ ہوا اور اب وہ ''شہید بغداد'' بن گیا ہے- اللہ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کی تربت پاک پر رحمتوں کی برسات کرے- آمین-□□□

☆پرنسپل: مدرسہ شمس العلوم، گھنٹہ گھر، بدایوں (یوپی)

مولانا افروز قادری چریاکوٹی ☆

علامہ اُسید الحق قادری عبقری عصر تھے

امام نووی اور علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے بھی زندگی کی چالیس بہاریں ہی دیکھی تھیں، علامہ بدایونی نے ان کی یاد تازہ کردی

جماعت اہل سنت کی عبقری شخصیت علامہ اُسید الحق عاصم القادری بدایونی کی بغداد شریف میں شہادت کی اندوہ ناک خبر نے مجھے بہت دیر تک کرب آثار لمحوں کے حصار میں رکھا- آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے اور دل تھا کہ قرار پکڑنے کو تیار نہ تھا کہ ایک عہد ساز سپوت جو پوری جماعت کے لیے سرمایۂ صد افتخار تھا، صد افسوس اَب وہ ہم میں نہ رہا-

یہ سچ ہے کہ علامہ جیسی عبقری الزمان شخصیت کو پانے کے لیے اَب صدیاں راہ تکیں گی اور زمانے چشم براہ رہیں گے؛ کیوں کہ ایسے دیدہ ور اور معارف پرور شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے!

ماضی وحال کی جماعتی سرگرمیوں پر تجزیاتی نظر رکھنے والے میری اس بات سے اِتفاق کریں گے کہ علامہ نے اپنے علمی کیریئر کا آغاز ایسے وقت میں کیا جب فیض وتحقیق کی جنس گراں مایہ بازارِ علم سے تقریباً اُٹھ چکی تھی، فکر ونظر کے زاویے دھندھلا سے گئے تھے، تعلیمی وتنظیمی اُمور بری طرح اِنحطاط وتعطل کا شکار تھے، تحقیقی مزاج مفلوج اور اپنی ذات سے اُوپر اُٹھ کر دوسروں کے لیے کچھ سوچنے کا شعور قریباً اپاہج ہو چکا تھا ایسے خشمگیں دور اور پُر آشوب حالات میں چمن اہل سنت کی حنا بندی اور علم وتحقیق کی گرتی ہوئی قدروں کو سنبھالا دینے کے لیے علامہ میدان میں اُترتے ہیں اور قریباً ڈیڑھ دہائیوں کی اَنتھک کوششوں اور اپنے مدبرانہ آئیڈیاز سے وہ اِنقلاب بپا کرتے ہیں کہ زمانہ عش عش کر اُٹھتا ہے- ایک طرف تعمیری ومثبت تنقید کا بازار گرم ہوتا ہے تو دوسری طرف روحانیت وخانقاہیت کا نظام بھی تازہ دم ہو جاتا ہے- ایک طرف مدارس وجامعات کے بام ودر علم وتحقیق کے سنجیدہ مزاج سے جگمگ ہو اُٹھتے ہیں تو دوسری طرف سماجی ومعاشرتی سرگرمیوں کی اُٹھان میں بھی خاطر خواہ اِضافہ ہوتا ہے، یعنی ہر سو رجائیت کی دھنک اور صالح اِنقلاب کی دھمک پھیلی محسوس ہوتی ہے-

یقیناً علامہ ہم میں ایک بافیض، قابل رشک اور باکمال زندگی گزار کر بے مثال شہادت سے ہمکنار ہوئے- ایسی حیات وممات خوش بختوں کا مقسوم ہوتی ہے اور کم لوگوں کے نصیبے میں آتی ہے- یہ بات علامہ کے حق میں بلا مبالغہ علیٰ رؤس الاشہاد کہی جا سکتی ہے کہ خدائے بخشندہ نے ان میں اوصافِ حجازی، ولولۂ حسانی، روحِ بلالی، اندازِ غزالی، شیفتگی جامی، عشق افروزیِ بوصیری، علمیت رازی، سوزِ رومی اور فکر اِقبالی کے ساتھ وہ سب کچھ ودیعت فرما دیا تھا جس کی فکر ومزاج کی تطہیر وتعمیر نیز ایک جماعت کی نشاۃِ ثانیہ میں ضرورت پیش آ سکتی ہے، اور پھر خوبی کی بات یہ کہ علامہ نے مبدأ فیاض کی بخشی ہوئی ان بہترین صلاحیتوں کا بھرپور اور فیاضانہ اِستعمال کر کے قلیل ترین عمر میں اپنے حصے کی جتنی شمعیں روشن کر سکتے تھے کر کے راہی ملک بقا ہوئے-

علامہ کی شہادت جہاں ایک طرف جماعت کا واقعی بہت بڑا نقصان ہے وہیں دوسری طرف نوجوان فضلا وعلما کے لیے عبرت وسبق کا نشان بھی ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا نہ رہیں- خدارا محض منصوبہ بندی، لمبی لمبی پلاننگ اور کبھی نہ ہاتھ آنے والی خوابوں کی تتلیاں پکڑنے میں خود کو اُلجھا کر 'خسر الدنیا والآخرۃ' کے مصداق نہ بنیں-

منصوبے تو یقیناً علامہ کے بھی بڑے عظیم وجلیل تھے؛ لیکن انھوں نے اپنی پلاننگ کو محض خواب وخیال ہی نہ رہنے دیا بلکہ اُن میں بڑی سبک رفتاری اور نہایت خوش اُسلوبی سے رنگ آفرینی بھی کرتے رہے، اور قلیل سی مدت میں سینکڑوں یادگار اور قابل تقلید مثالیں ہمارے سامنے چھوڑ گئے- ان سب پر مستزاد یہ کہ علامہ نے اپنی خداداد صلاحیت سے ایسی معنوی اولادیں پیدا کیں اور ایسے باکمال، شعور وآگہی سے مسلح اَفراد اپنے پیچھے چھوڑے جو ان شاء اللہ علامہ کے منصوبہ ہائے گونا گوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ جماعت کی علمی وفکری اُٹھان

میں بھی یقیناً اپنا اِحسان مندانہ کردار اَدا کریں گے-

یہ ایک ناقابل تردید سچائی ہے کہ علامہ کی پوری زندگی کام سے عبارت رہی، اور بے کاری کا ایک لمحہ بھی ان کی زندگی میں ہمیں کھوجے سے نہیں ملتا، اور یہ کوئی قصۂ دوشیں نہیں بس کل کی بات ہے- ان کی خدماتِ جلیلہ کا پرچم ابھی ہماری نگاہوں کے سامنے پوری تب وتاب کے ساتھ لہرا رہا ہے، اور ہم میں سے تقریباً ہر کوئی علامہ کے فکر وکاز سے پورے طور پر واقف وآشنا ہے- لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ علامہ کی بارگاہ میں وفادارانہ خراج یہی ہوگا کہ ہم بھی اپنی زندگی کے جس بھی موڑ پر کھڑے ہوں خواہ نوجوان ہوں یا جوان یا اَدھیڑ اپنے کردار وعمل سے جماعت کو ہمہ جہت قوت واِستحکام بخشنے میں اپنا مؤمنانہ اور داعیانہ کردار اَدا کریں-

اہل سنت کے جیالوں اور نوجوان علما وفضلا کو یہ پیغام دینے کی ضرورت اس لیے محسوس ہو رہی ہے کہ ہم میں بہت سوں کا معاملہ اِلا ماشاء اللہ یہ ہے کہ وہ پوری زندگی خود کو 'ناقص وکم سواد' ہی تصور فرماتے رہتے ہیں اور نتیجے میں کچھ نہ کر کے بالآخر داغِ حسرت لیے آخرت سدھار جاتے ہیں؛ حالاں کہ اپنی بے پایاں لیاقتوں اور علم وتجربات کے سیل بے کراں سے ایک زمانے کو مستفیض کرنے کی اُن میں صلاحیت موجود ہوتی ہے- اس طرح آنے والی نسلوں کو اپنے عظیم سرمایۂ فضل وکمال سے وہ محروم کر جاتے ہیں-

اس کی بنیادی وجہ جو مجھے سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ساری زندگی خود کو اِحساسِ کمتری کے آہنی حصار سے باہر ہی نہیں نکال پاتے؛ بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ اگر کچھ دوسرے کمزور عزم لوگ اُن کے ہتھے چڑھ جائیں تو انھیں بھی اپنے حصار کے اندر کھینچنے میں پوری چابک دستی کا مظاہرہ فرماتے ہیں- کاش! انھیں کوئی بتا دیتا کہ 'کامل' تو بس ایک ہی ذات ہوئی ہے اور وہ ہے ذاتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باقی کسی کو درجۂ کمال کہاں نصیب! لہٰذا اِعتراف 'نقص' کے ساتھ ہی اِنسان جتنا کچھ کر سکتا ہے کر لے کہ شاید یہی اُس کے لیے توشۂ راہ اور سرمایۂ بخشش بن جائے، بقولِ شاعر ؎

لئن لم یعظ العاصین من هو مذنب
فمن یعظ العاصین بعد محمّد

یعنی اگر ایک خطا کار کو یہ حق نہیں کہ وہ گنہ گار بندوں کو وعظ ونصیحت کرے تو پھر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گنہ گاروں کو نصیحت کرنے کا جواز کیسے ہے؟ (کیوں کہ آپ کے علاوہ نقص وخطا سے پاک ہونے کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا!)

تاریخ ہمیں ایسی کئی عہد ساز شخصیات کا پتا دیتی ہے جنھوں نے عمر تو بہت کم پائی مگر ان کے تعمیری وتخلیقی کارنامے بڑی بڑی عمر پانے والوں پر بازی مار لے گئے- امام محی الدین شرف نووی (م ۶۷۶ھ) کا نام تاریخ اسلام کے صفحات پر درخشاں حروف میں رقم ہے- وہ ساتویں صدی کے عظیم الشان محدث ہوئے ہیں اور تاریخ اسلام کی نابغۂ روزگار شخصیات کے دھارے میں شامل ہیں- سالہا سال شام کے 'دار الحدیث اشرفیہ' میں درس دیا اور جہاں شیخ تقی الدین سبکی اس تمنا میں جگہ جگہ سجدہ ریز ہوتے رہے کہ شاید ان کی پیشانی ایسی جگہ پڑ جائے جہاں امام نووی کے قدم پڑے ہیں (طبقاتِ شافعیہ: ۱۶۶/۵) ذرا اندازہ فرمائیں کہ اپنے پیچھے کوئی پانچ سو کتابوں کا گراں قدر تحفہ چھوڑ جانے والی یہ شخصیت زندگی کی فقط چالیس بہاریں ہی دیکھ سکی تھی کہ اس کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا-

یوں ہی فرنگی محل کے دورِ آخر کی ناقابل فراموش یادگار ابوالحسنات مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کو دیکھیں، اپنے دور میں بحر العلوم اور جامعیت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھے- آپ کی تصانیف تقریباً تمام علوم وفنون کا اِحاطہ کرتی ہیں- درسیات کی شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس پر آپ نے حاشیہ، تعلیق یا شرح نہ لکھی ہو- ایسی جامع کمالات شخصیت جب دنیا سے پردہ کرتی ہے تو اس کی عمر بھی یہی کوئی چالیس سے متجاوز نہ تھی-

ایسے جہابذۂ روزگار، صنادید دہر اور عہد ساز شخصیات میں علامہ اُسید الحق بھی بجا طور شمار کیے جانے کے لائق ہیں کہ ۳۹ سال کی عمر میں وہ کچھ کر گئے کہ بڑی بڑی عمر پانے والے جس کا تصور تک نہیں کر سکتے-

علامہ کا مایۂ امتیاز اُن کا مثبت انداز تھا جس نے انھیں دلجمعی اور تن دہی سے دونوں جہان کی سعادتیں بٹورنے والے کاموں میں ہمہ وقت جٹائے رکھا، اور ہر محاذ پر سرخرو رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر طبقے میں تمغہ مقبولیت عطا کیا- لہٰذا ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ مثبت سوچ اور تعمیری اَفکار وخیالات ہی اِنسان کی کامیابی کا زینہ ہوتے ہیں- تجربات شاہد ہیں کہ مثبت سوچ نے ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے- دین، دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں مثبت سوچ کی مرہونِ منت ہیں اور تمام ناکامیوں کی تہہ

میں کہیں نہ کہیں منفی سوچ ہی دکھائی دیتی ہے-انسان کے جملہ اَعمال و اَفعال میں سوچ کی حیثیت وہی ہے جو مکان کی تعمیر میں نقشہ کی ہوتی ہے-لہٰذا جیسا نقشہ، ویسا مکان، جیسی سوچ، ویسا انسان-

انسان کی عملی زندگی اس کی سوچوں کی ہی آئینہ دار ہوتی ہے- سوچ ایک بہت بڑا ہتھیار ہے، اگر اسے مثبت اِستعمال کرلیا جائے تو ہم بہت کچھ شکار کر سکتے ہیں اور اگر اسے منفی اِستعمال کیا جائے تو ہم خود شکار ہو سکتے ہیں، کاش! ہم اپنی سوچوں کا رُخ صحیح سمت پر لگا دیتے، اور اَوروں کے لیے نہ سہی تو کم از کم اپنی ذات کے لیے تو رحمت بن جاتے!

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

مضمون کے اختتام پر اپنے نوجوان دوستوں اور علامہ کے معتقدین ورفقا کو بجز اس کے اور کیا پیغام دوں کہ اہل سنت و جماعت کے فروغ واِستحکام کے سلسلے میں آپ دامے، درمے، قلمے، سخنے جو کچھ بھی خدمات انجام دے سکتے ہیں ضرور دیں، اور جلدی کریں، پروانۂ اجل کبھی بھی آسکتا ہے- اگر آپ جواں سالی میں علامہ کی موت سے بھی کچھ نہ سیکھ سکے تو خدا معلوم اب کون سا حادثۂ جاں کاہ آپ کو خوابیدگی کے حصار سے باہر لائے گا؟ زندگی کی شام وسحر کو اب سے نظام الاوقات کا پابند بنالیں اور اپنی لیاقت سے قوم وملت کی جتنی نفع رسانی اور فیض بخشی کر سکتے ہیں کرلیں اور یہ بات دل کی تختی پر نقش کرلیں کہ دنیا میں مصروف لوگ ہی کچھ کر پاتے ہیں؛ کیونکہ کاموں ہی نے تو انھیں مصروف کر رکھا ہے اور انھیں سے کام کی توقع بھی رکھی جا سکتی ہے- رہی بات فارغ بیٹھے رہنے والوں کی تو اُن کی بے کاری کبھی انھیں فرصت ہی نہیں دیتی کہ وہ کچھ مثبت کام کرسکیں؛ کیوں کہ وہ اپنی بے کاری وزیاں کاری ہی کو کارِ شاہی سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں- اُن سے آپ جب بھی کسی کام کے لیے کہیں، تو وہ اپنی بے جا مصروفیت کا ایسا ڈھنڈورا پیٹیں گے کہ آپ کو اپنی مصروفیت کا نشہ ہرن ہوتا نظر آنے لگے گا- اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسی بے کاری کا ایک لمحہ بھی کسی مسلمان کی زندگی میں نہ رکھے-

خدائے قدیر ومقتدر جل جلالہ علامہ کو غریق رحمت کرے اور جماعت میں اُن کے اَمثال بکثرت پیدا فرمائے- آمین □□□

☆ دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

بقیہ: علامہ بدایونی کی علمی سخاوت بے مثال تھی

مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی باتیں آج بھی دل پر نقش ہیں، اگر لکھنے پہ آؤں تو دفتر درکار ہے- خانقاہی اختلافات، اہل سنت کے مابین ناچاقیاں اکثر ہماری گفتگو کا محور یہی ہوتا تھا- کہتے تھے یا اللہ! کب وہ دن آئے گا جب اہل سنت کے باہمی اختلافات دور ہوں گے؟ پھر پلٹ کر کہتے کہ ''اختلافات تو مولانا ہمیشہ سے رہے ہیں اور پھر علما کی بہت ساری مثالیں دے ڈالتے-

کبھی کہا کرتے تھے کہ ''مولانا مخالفت کو دیکھ کر دل کرتا ہے دنیا چھوڑ دوں-'' میں ہنستا اور کہتا بس تھک گئے؟ حوصلہ رکھیں حضرت!

تندیٔ بادِ مخالف سے تُو نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

کہا کرتے تھے:

''میں کسی مخالفت کا جواب دینا نہیں چاہتا، ابا مجھے سمجھاتے رہتے ہیں-'' اس طرح مختلف امور پر عموماً باتیں ہوتیں-

ایک بار فرمایا کہ ''مولانا! گھر والوں کے علاوہ چند لوگ ہیں جن سے اپنا غم ہلکا کرلیا کرتا ہوں اور وہ میرے راز افشاں نہیں کرتے، ان میں سے ایک آپ ہو، جن پر میں ہر طرح سے اعتماد کرتا ہوں-'' کیا کیا لکھوں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟

سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

کافی طویل تحریر ہوگئی- یہ کوئی مضمون نہیں ہے، بس چند یادیں تھیں جنہیں تحریراً یاد کر کے دل کے غم کو ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے-

میں آپ کے بلکہ آپ کے گھر کے ہر فرد کے اس غم میں برابر کا شریک ہوں- میں کسی کام کا تو نہیں، پھر بھی اگر کہیں میری ضرورت ہو تو ضرور یاد فرمائیں- آخر میں ہدیہ تعزیت حدیث شریف کے درج ذیل جملوں کے ساتھ پیش ہے:

''إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ-'' □□□

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری/ ۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵)

☆ نوری دارالافتا، مدینہ مسجد، محلّہ علی خاں، کاشی پور (اتراکھنڈ)

مولانا سید نورالدین اصدق☆

علامہ اُسید الحق قادری کی ذات مجمع البحرین تھی

وہ خود شمع فروزاں تھے اور دوسروں کو بھی مثل شمع جلتا ہوا دیکھنے کے خواہاں تھے

۴ر مارچ ۲۰۱۴ء لہیری محلّہ بہار شریف میں ایک میٹنگ سے فراغت کے بعد احباب کی مجلس میں مشغول تھا، رات کے ۹ بجے تھے- اسی اثنا عزیز سعید جناب حافظ محمد شہنواز حسین رضوی علیگ کا علی گڑھ سے فون آیا- خیریت کے رسمی تبادلے کے بعد آں عزیز نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کا انتقال ہوگیا- انا للّٰہ و انا الیہ راجعون-

میں ایک دم سے چیخ پڑا کیا بکتے ہو؟ انہوں نے مضمحل آواز میں کہا، ہاں حضرت سچ کہتا ہوں- پھر بیک زبان نکلا، کہاں؟ کیسے اور کیوں کر؟ وغیرہ وغیرہ- مختصر گفتگو کی اور فون بند کیا- احباب سے اجازت چاہی، سب چونک پڑے- کیا ہوا؟ میں بدقت تمام صرف اتنا ہی کہہ سکا- میرے بہت اچھے دوست حضرت اسید میاں نہیں رہے- یہ کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا تھا- سبھوں نے سوگوارانہ مجھے رخصت کیا- گاڑی چلا کر ادارے تک پہنچنے میں ہمارے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اور چند منٹ کا یہ سفر بہت طویل ہوگیا تھا-

جب حواس باختہ ادارہ میں داخل ہوا، اساتذہ، رفقا اور عزیزان میری حالت کو دیکھ کر مجھے گھیر کر کھڑے ہوگئے- میں نے پہلا فون تصدیق کے لیے مخلص گرامی مولانا خوشتر نورانی کو لگایا- موبائل سوئچ آف آرہا تھا- اس کے بعد برادر مکرم مولانا سید شاہ سیف الدین اصدق چشتی کو لگایا، انہوں نے میرا فون فوراً ریسیو کیا اور جب میں نے اضمحلال سے استفسار کیا تو انہوں نے تصدیق کی اور رابطہ منقطع ہوگیا-

میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا، ذہن ودماغ پتھر کا ہوکر رہ گیا اور بس ایک ہی آواز آتی اس کا مد مقابل کوئی نہیں؟ نہ علم وادب میں، نہ زبان وقلم میں، نہ اخلاق وعادات میں- آہ! وہ کیسا قیمتی سرمایہ تھا ملت کا جماعت کا! ابھی تو اس کے جوہر نکھر کر سامنے آنا شروع ہوئے تھے- ابھی جماعت کی امیدیں ان سے وابستہ ہوئی تھیں، ہم ایسے المناک خبر کے متحمل کہاں تھے؟ میرے بھائی تمہیں ایسی بھی کیا جلدی تھی؟

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

پھر ان کی ایک ایک باتیں یاد آتی گئیں اور جی بھر کے رلاتی گئیں، وہ ملاقاتیں، وہ باتیں، وہ ادا وانداز جس کی مثالیں عہد حاضر میں ناپید ہیں- دل پکارتا، آہ اسید واہ اسید! وہ دل کے اس قدر قریب تھے، اس کا اندازہ مجھے پہلے کبھی نہ ہوسکا، سچ ہے:

وہ اشک بن کر مری چشم تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے

میں ۲۰۰۶ء میں ''حیات اصدق'' کی طباعت کے لیے دہلی گیا ہوا تھا- ایک روز برادر گرامی مولانا خوشتر نورانی کی ملاقات کی غرض سے مکتبہ جام نور پہنچا تو وہاں کچھ ہی دیر بعد ایک خوش قامت، وجیہہ، جامہ زیب، متبسم چہرہ وبشریٰ کی مالک جواں سال شخصیت رونق افروز ہوئی، مولانا خوشتر نورانی اور موجود افراد نے کھڑے ہوکر ان کا استقبال کیا، تقلیداً آداب مجلس کا خیال کرتے ہوئے میں بھی کھڑا ہوگیا- کیوں کہ میری اس نوا وارد شخصیت سے کبھی کی دید وشنید نہ تھی- ہمارے ملنے کے انداز سے خوشتر صاحب نے تاڑ لیا کہ دونوں ایک دوسرے سے ناواقف ہیں اور تعارف کے فرائض انجام دیتے ہوئے کہا کہ یہ مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری ازہری، ولی عہد خانقاہ قادریہ بدایوں شریف ہیں- میں نے کہا: نام سے واقف ہوں اور تحریریں بھی دیکھی ہیں، لیکن ملاقات کا شرف اب ملا ہے-

ہمارے درمیان رسمی سی گفتگو ہوئی لیکن ''مشک آنست کہ خود بوید'' کے مصداق اس مختصر ملاقات میں ہی اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص ذی علم بھی ہے اور باکمال بھی، ذی وجاہت بھی اور اخلاقیات کا اعلیٰ نمونہ بھی-

بہر حال میں ان سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا- میں نے کہا آپ تو بہت خوب لکھتے ہیں- ''جام شہود'' بھی آپ کی تحریروں کا منتظر ہے-

مسکرا کر فرمایا: کہاں حضرت! یہ تو آپ کا حسن ظن ہے اور ''جام نور'' کے لیے خوشتر صاحب کی زبردستی کی وجہ سے کچھ لکھ لیتا ہوں، ورنہ میں اس باب میں بہت سست واقع ہوا ہوں-'' دلچسپ بات تو یہ ہے کہ میں نے اپنے گرد و پیش کے حالات کے تناظر میں ان کی اس خاکساری کو حقیقت پر محمول کر لیا، کیوں کہ میں ان سے کماحقہٗ واقف نہ تھا-

جب تواتر کے ساتھ آپ کی معرکہ آرا تحریریں ماہنامہ ''جام نور'' میں آنے لگیں تو نہ صرف غلط فہمی کا ازالہ ہوا، بلکہ اور بھی بہت کچھ کا اندازہ ہوا- پھر تو صرف میں نہیں ایک زمانہ آپ کی قلمی صلاحیت کا معترف ہو گیا-

آپ کی ''خامہ تلاشی'' اور قلمی نام ''ابوالفیض معینی'' نے جو دھمال مچایا، وہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں- رب قدیر نے آپ کو غزالی و رازی کا علم عطا فرمایا تو دوسری طرف حضرت جنید و شبلی اور سرکار مخدوم جہاں کا عجز و انکسار دیا تھا- اللہ رے خاکساری جس کی نظیر عہد حاضر میں ڈھونڈے نہیں ملتی- پندار علم علامہ اسید کو چھو کر نہیں گذرا- ہر خرد و کلاں کی واہ واہی نے انھیں غیر متوازن نہیں کیا اور کمال تو یہ کہ بدخواہوں کی بدخواہی نے انھیں کبھی بدمزہ نہ ہونے دیا-

میں نے جام شہود کے ''خواجہ قیام اصدق نمبر'' کی اشاعت کے وقت ان کی خدمت میں مکتوبات اصدقی کے دو تین مکتوب ارسال کیے تھے (مکتوبات اصدقی حضرت سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی رضی اللہ عنہ کے مکاتیب کا گراں قدر مجموعہ ہے اور ان مکاتیب کی حیثیت صوفیائے متقدمین کے مکاتیب کی ہے) اور ان سے درخواست کی کہ آپ ترجمے کے ساتھ ساتھ ایک توضیحی مضمون رقم فرما دیں- ادارۂ جام شہود آپ کا ممنون کرم ہوگا- آپ نے وعدہ فرما لیا لیکن اپنی مصروفیات کی وجہ سے وفا نہ کر سکے، جس کا مجھے بہت ملال ہوا- بر بنائے قربت میں نے اپنے ملال کا ان سے اظہار کیا، کوئی اور ہوتا تو شاید نہ کہتا، کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا حضرت میں اسلاف کا خادم ہوں اور خدمت میرا کام ہے، لیکن پہلے میرے اوپر اپنے اسلاف کا حق ہے- میں نے سوچا ان کا حق ادا کر لوں، پھر آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی- پھر کہنے لگے ''عرس قادری'' میں خانقاہ قادریہ کے بزرگوں کی کتابیں آنی تھیں- لہٰذا ان مکاتیب کو دیکھنے کے باوجود میں کچھ نہ کر سکا، مجھے خود ملال ہے- ان مکاتیب سے صاحب مکتوب کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے- لہٰذا صرف شکایت دور کرنے کی غرض سے لکھنا انصاف کے تقاضے کے خلاف ہے- یہ قرض میرے اوپر باقی رہا-

اس خوبصورتی سے میرے ملال کو رفع کیا کہ میں مطمئن ہی نہیں بلکہ شرمندہ ہو گیا اور دل نے کہا بے شک ہر ایک پر پہلے اس کے آباد اجداد کا حق ہے- زمانہ جانتا ہے اسید میاں نے اس حق کو خوب خوب ادا کیا- اسی حق شناسی کے نتیجے میں حضرت اسید میاں نے وہ گنج گراں مایہ جو عوام و خواص کی نگاہوں سے اوجھل تھے، نئے زبان و قالب میں ڈھال کر عطا کیے جس کا احاطہ ہمارے اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں-

۱-۲/نومبر ۲۰۰۸ء کو ہم نے مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف بہار شریف کے پچیس سالہ جشن کے موقع پر دو روزہ عظیم الشان کل ہند ''تعلیمی کانفرنس'' کا انعقاد کیا تھا، جس میں ملک کی پچاس سے زائد قد آور، علمی و ادبی شخصیتوں نے اس بے بضاعت کی دعوت پر تشریف آوری کی زحمت گوارا کی- شہر کے حالات اس وقت کچھ ناساز گار ہو گئے تھے جس کا اثر کانفرنس کے نظم و نسق پر بھی پڑا جس کا اندازہ ہمیں بخوبی ہے اور ہم بہت اہم مہمانوں کا شایان شان خیر مقدم نہ کر سکے تھے- پھر بھی یہ کانفرنس بہار شریف کے لیے تاریخی حیثیت رکھتی ہے- میرے ایک مخلص دوست نے کہا بھی تھا، سید صاحب آپ کو اندازہ ہے کہ آپ نے کیسی کیسی شخصیتوں کو اکٹھا کر لیا ہے؟ میں نے حضرت اسید میاں کو اس کانفرنس میں مدعو کیا تھا اور وہ شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری مد فیوضہٗ (مارہرہ مطہرہ) اور مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ تشریف لائے- میں آج بھی خوشتر صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس موقع پر میری بڑی مدد فرمائی تھی-

سیمینار کی تین نشستوں میں پہلی نشست کا عنوان ''اسلام اور امن عالم'' تھا، اسید میاں صاحب نے اس عنوان کے تحت جب حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے عجب سماں باندھ دیا تھا- نادر نکتے، نایاب حوالہ جات، گفتار کی شیرینی، آواز کے مد و جزر نے عوام و خواص سبھوں کو اپنے حصار میں لے لیا تھا اور سب انگشت بدنداں تھے، جوان العمر

ہونے کے باوجود وسعت مطالعہ ایسا کہ جس کی تھاہ نہیں ملتی اور رات کے اجلاس عام میں میرے بے حد اصرار پر بہتوں کو ان کا خطیبانہ رنگ و آہنگ دیکھنے کو ملا- ایسا لگتا تھا جیسے آبشار پھوٹ پڑا ہو- بلا شبہ وہ شخص مجمع البحرین تھا، جس کے کمالات کا احاطہ میرے زبان و قلم سے بالاتر ہے- بیک وقت وہ محدث بھی تھا، فقیہ بھی تھا، مفسر بھی تھا، ادیب بھی تھا، ناقد بھی تھا، شاعر بھی تھا، مصنف بھی تھا، محشی بھی تھا، مرتب و مؤلف بھی-

اسی تعلیمی کانفرنس کے بطن سے مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کو ''الاصدق ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ'' ملا جس کا افتتاح حضرت شرف ملت سید محمد اشرف مارہروی نے فرمایا اور ''شہودی دار المطالعہ'' جس کا افتتاح حضرت علامہ اسید الحق بدایونی جیسی علم دوست شخصیت نے فرمایا- جہاں ان کے علاوہ دوسرے ڈھیروں دور رس فوائد و نتائج حاصل ہوئے وہیں جام شہود تعطل کا شکار ہوا- اخی محترم مولانا سیف الدین اصدق چشتی کے بار بار کہنے پر بھی میں ''جام شہود'' کی طرف متوجہ نہیں ہوا- پھر انہوں نے حضرت والد گرامی سے میری شکایت کی اور دوبارہ جام شہود کو منظر عام پر لانے کا مطالبہ کیا- بارگاہ عالیہ میں میری طلبی ہوئی اور حضرت والد گرامی نے میرا منشا جاننا چاہا- میں عرض حال کر کے خاموش ہو گیا- تھوڑی دیر سکوت رہا پھر حضرت نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں حکم صادر فرمایا، جام شہود نکلنا ہے اور میری حیات تک اسے بند کرنے کا خواب اپنے ذہن و دماغ سے نکال دیجیے-

مرتا کیا نہ کرتا، پھر نئے سرے سے اس کی طرف متوجہ ہوا اور مجلس ادارت کی ایک فہرست ترتیب دی- اسے حضرت والد گرامی کی خدمت میں پیش کیا جس کو ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام کے اضافے کے ساتھ جام شہود کی مجلس ادارت کے لیے منظور کر لیا گیا، پھر میں نے سبھوں سے منظوری حاصل کی-

جب حضرت علامہ اسید الحق سے مجلس ادارت کی ذمہ داری قبول کرنے کی فون پر درخواست کی تو انہوں نے معمولی عذر و معذرت کے بعد قبول فرما لیا اور کہنے لگے رسالہ نکلتا کیسے ہے؟ میں دل جلا تھا جواباً عرض کیا بتوکل علی اللہ، میرے جواب سے زیادہ میرے لہجے پر کھلکھلا کر ہنس پڑے- اس کے بعد فرمایا پھر تو کبھی بھی بند ہو سکتا ہے- میں نے کہا والد ماجد کی حیات تک بند ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے- پھر اسید میاں صاحب نے کہا، اس کے بعد آپ بند کر دیں گے؟ میں نے کہا، ایسا تو میں نے نہیں کہا، ہاں! اتنا ضرور ہے حالات پر انحصار ہے- اس کے بعد کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا، حضرت حالات بنتے نہیں ہیں، بنائے جاتے ہیں، حالات سے ہار نہیں مانی جاتی ہے، حالات کا مقابلہ کیا جاتا ہے- اسلاف کی کمائی سنبھالی جاتی ہے، لٹائی نہیں جاتی ہے- للہ یہ خیال بھی نہ لایئے گا- میری جانب سے تاج الفحول اکیڈمی کے لیے اندرون ٹائٹل کو خاص کر دیں اس کا جو بھی تعاون ہو ہمیں بتا دیں میں اکاؤنٹ میں ڈلوا دوں گا- میں نے کہا مضامین تو ہنستے ہوئے فرمایا وہ بھی گاہے بگاہے حاضر خدمت کروں گا- ہر شمارے کے لیے معذرت ہے اور رابطہ منقطع ہوا-

آہ! آج وہ پیارے بول کانوں میں گونجتے ہیں- وہ اپنے ہم عصروں کا بھی رہنما تھا، اپنے اسلاف کی امانتوں کا امین تھا، دوسروں کو بھی وہ امین دیکھنا چاہتا تھا، خود شمع فروزاں تھا، دوسروں کو بھی مثل شمع جلتا دیکھنے کا خواہاں تھا، خود متحرک و فعال تھا دوسروں کو بھی متحرک و فعال رکھنے کا آرزومند تھا-

حضرت علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی شناخت قادری اور قادریت تھی جس کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں ؎

غوث اعظم کی غلامی عاصم
اپنی پہچان ہے کیا ہوتا ہے

بارگاہ غوثیت مآب میں ان کی مقبولیت اور رشتے کا پتہ کوچۂ جاناں میں ان کی شہادت بتا رہی ہے اور قادریت کا انعام آغوش غوثیت میں دفن ہو کر پایا- اس نصیبے پہ کون نہ نازاں ہو! پوری جماعت کو ان کی شہادت نے ایسا جکڑا ہے کہ ان کی یاد میں ہزارہا دل تڑپ رہے ہیں، بے شمار آنکھیں اشکبار ہیں- آہ! قوم و ملت کا پاسباں جاتا رہا، شریعت و طریقت کا سنگم جاتا رہا، فکر و فن کا نگہباں جاتا رہا-

ہم سب آپ کی ترقی درجات کے لیے دعا گو ہیں اور شیخ ملت حضرت سالم میاں قادری مد فیوضہٗ (سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) حضرت مولانا عطیف میاں قادری اور دیگر اہلیان خانقاہ بدایوں کو بصد حسرت و افسوس تعزیت پیش کرتے ہیں- □□□

☆ مدیر: ماہنامہ ''جام شہود''، پکی تالاب، بہار شریف، نالندہ (بہار)

مولانا حسن سعید صفوی☆

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

افسوس صد افسوس کہ ایسا قابل رشک ستارہ اتنی جلدی افق عالم سے روپوش ہو گیا

صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی مشہور حدیث پاک ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اللہ لا ینتزع العِلم مِن الناسِ انتزاعا ولکن یقبِض العلماء فیرفع العِلم معھم الحدیث (اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے اچانک نہ اٹھالے گا بلکہ اللہ تعالیٰ علما کی روح قبض فرمائے گا اور علم کو ان کے رخصت ہونے سے اٹھائے گا)

برادر گرامی علامہ محقق مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری رحمہ اللہ کی شہادت کا سانحہ بھی اس حدیث شریف کی روشنی میں علم کی رخصتی کی طرف اشارہ ہے- افسوس صد افسوس کہ ایسا قابل رشک ستارہ اتنی جلدی افق عالم سے روپوش ہوگیا- ان کی شہادت کی خبر سنتے ہی دل پر غموں کا کوہ گراں آ پڑا، دل بجھ سا گیا اور حوصلے پست ہوتے ہوئے معلوم ہوئے- مجھے رہ رہ کر نابغۂ عصر فخر المتاخرین علامہ محمد عبد الحی فرنگی محلی رحمہ اللہ کا خیال آتا رہا اور ان سے علامہ شہید رحمہ اللہ میں کئی طرح کی مماثلت معلوم ہوئی- علمی میدان میں ژرف نگاہی، وسعت نظری، علوم، فنون میں پختگی اور پھر قریب قریب ایک ہی عمر میں دونوں کی اس سرائے فانی سے رخصتی- حضرت امام لکھنوی بھی تقریباً ۳۹ رسال کچھ ماہ کی عمر میں رخصت ہوئے اور فاضل بدایونی بھی اسی کے قریب عمر میں شہید ہوئے، رحمہما اللہ تعالیٰ-

بدایوں وہ زرخیز خطہ ہے جہاں ایسے ایسے نابغہ روزگار شخصیتوں نے آنکھیں کھولیں ہیں جن پر نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا کو فخر ہے- اسی سرزمین کو سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس اللہ سرہ کی بھی جائے ولادت ہونے کا شرف حاصل ہے- ان گنت علما، بے شمار اولیا اور لاتعداد شہدا آج بھی وہاں آرام فرما ہیں- اسی زرخیز خطہ کا علم وفضل سے معمور اور حسب ونسب سے مشہور وہ گھرانا جس میں علامہ شاہ عین الحق عبد المجید عثمانی قادری، سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول قادری اور تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی رحمہم اللہ جیسے آفتاب وماہتاب رونما ہوئے، اسی گھرانے میں فخر اسلاف علامہ اسید الحق عثمانی قادری نے آنکھیں کھولیں، اس خاندان کی خدمات صدیوں پر محیط ہیں، گویا بقول غالب:

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری

دین کے یہ سپاہی صدیوں سے دین متین کی خدمت میں مصروف رہے اور بحمدہ تعالیٰ آج بھی سلسلہ جاری وساری ہے-

یہ بھی کیا نصیب ہے کہ ولادت حضور سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس اللہ روحہ کے شہر بدایوں شریف میں اور شہادت غوث اعظم محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ کے دیار بغداد شریف میں ہوئی- بلا شبہ یہ اللہ رب العزت کا فضل ہے جس میں کسب کا کوئی اختیار نہیں- ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء-

راقم کو جس وقت یہ دل فگار خبر ملی، اس وقت جو صدمہ ہوا اس کا حال بیان سے باہر ہے-

ہم آج تک ہیں چوٹ وہ دل پر لیے ہوئے

دل کسی صورت سے ماننے کو تیار نہیں ہو رہا تھا اور یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب خبر آئے گی کہ آپ سلامت ہیں، لیکن:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

خبر سنتے ہی حضرت پیر ومرشد گرامی عارف باللہ شاہ احسان اللہ محمدی ابو سعید صفوی حفظہ اللہ ورعاہ کی خدمت میں فون کیا اور خبر دی، جن سے علامہ شہید کو قلبی لگاو اور نسبت جبی تھی اور آپ سے حضرت پیر ومرشد کو بے پناہ محبت رہی- راقم کو خوب یاد ہے کہ جب اس نے حضرت پیر ومرشد کے دورۂ مصر کی وہ تصویر جس میں سابق مفتی جمہوریہ علامہ مفتی علی جمعہ مدظلہ آپ کی ضیافت فرما رہے تھے، فیس بک پر لگائی تھی تو آپ نے کمنٹ کیا تھا کہ ''ماشاء اللہ اپنے وقت کے دو عظیم عارف باللہ ایک ساتھ-'' اس ناچیز پر آپ کے الطاف ونوازش کا جو حال رہا، وہ یاد آتا ہے اور دل خون ہوتا ہے-

بشِرِ الصابِرِین فرمانست　　　در شکایت گناہ می بینم

ارشاد ربانی ہے کہ ''صبر کرنے والوں کو بشارت ہو'' اس لیے شکوہ وشکایت میں گناہ سمجھتا ہوں- راقم کا جب ازہر شریف آنے کا ارادہ نہیں تھا تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آپ ازہر شریف ضرور جائیں اور اگر ارادہ نہیں ہو رہا ہے تو بدایوں شریف آ جائیں اور ہمیں خدمت کا موقع دیں، یہ از راہ ذرہ نوازی ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ خود میرے لیے شرف کا باعث ہوتا-

دہلی کے دوران قیام پہلی مرتبہ بدایوں شریف کا سفر آپ کے ساتھ کار میں نصیب ہوا- وہ سفر بھی کیا یادگار سفر ہے، کافی باتیں ہوئیں، دوران سفر مجھ سے فرمانے لگے کہ مجھے حضرت امیر خسرو کا کلام ''چھاپ تلک سب چھینی رے موسے نینا ملائے کے'' بہت پسند ہے، اکثر سنتا ہوں- اس کے بعد آپ جب خانقاہ عالیہ عارفیہ میں غالبا دوسری مرتبہ عرس اور ''یوم غزالی'' میں شریک ہوئے تو اس غزل کو قل کی محفل میں فرمائش کر کے سنا-

بڑوں کا حد درجہ ادب اور چھوٹوں پر بے پناہ شفقت آپ کی ایسی عادت تھی جس نے آپ کو ہر دلعزیز بنا دیا تھا- دہلی میں ایک مرتبہ آپ نے راقم سے پوچھا کہ آپ تصوف کو کیا سمجھتے ہیں؟ راقم نے عرض کیا کہ تصوف تو سراسر ادب ہے، جو جتنا مؤدب ہوگا اسی قدر صوفی ہوگا، تو فرمانے لگے کہ صحیح کہا آپ نے- حضرات صوفیہ نے فرمایا ہے کہ التصوف کله أدب فمن زاد علیك بالادب زاد علیك بالتصوف.

احقر کو حضرت مخدوم شیخ سعد خیر آبادی قدس سرہ کا ارشاد یاد آیا کہ آپ مجمع السلوک شریف میں فرماتے ہیں: التصوف کله أدب، لکلِ وقت أدب ولکل مقام أدب، فمن لزم الأدب بلغ مبلغ الرجال (تصوف سراسر ادب ہے، ہر وقت اور ہر مقام کے لیے ادب خاص ہے، تو جس نے ادب کو لازم جانا وہ مردانِ خدا کے مرتبہ کو پہنچا)

از خدا خواہیم توفیق ادب　　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

بے شک علمائے ربانیین رخصت ہو رہے ہیں، لیکن لا تزال طائفة من أمتي قائمة علی الحق کی نوید یہ پیغام دے رہی ہے کہ اس امت کے اہل حق کے گروہ میں ایسے جانباز ہمیشہ موجود رہیں گے جو بلالومۃ لائم دین حق کی خدمت میں مصروف رہیں گے اور لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم ان کے مخالفین اور اعدا ان کا کچھ نا بگاڑ سکیں گے- اللہ رب العزت جماعت اہل سنت کو علامہ محقق رحمہ اللہ کا قائم مقام عطا فرمائے اور ہمیں اپنے اسلاف کی روش پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے- حق تعالیٰ مخدوم گرامی حضرت علامہ شیخ عبد الحمید سالم قادری حفظہ اللہ کا سایہ دراز فرمائے اور اہل خانہ وسلسلہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا قرب خاص عطا فرمائے، آمین-

□□□

☆الازہر الشریف، قاہرہ (مصر)

ایک علمی، دینی اور تاریخی بحث پر مشتمل دلچسپ کتاب

سر سید کے مذہبی عقائد وافکار: ایک مکالمہ

ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرتسر ۱۹۴۶ء کی فائل سے

صفحات: 104　　از: مولانا خوشتر نورانی　　قیمت: 70

یہ بحث ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرتسر ۱۹۴۶ء کے شماروں میں سر سید کے مذہبی معتقدات پر ہوئی تھی، جس میں کئی سر کردہ علما مثلاً پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، پروفیسر مولانا حامد حسن قادری، حضرت علامہ ارشد القادری اور قارئین نے حصہ لیا تھا-

تقسیم کار: مکتبہ جام نور، 422 مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-۶　ناشر: ادارۂ فکر اسلامی، دہلی

مولانا صادق رضا مصباحی☆

نسل نو کے سب سے بڑے محسن

آج جماعت میں جو علمی و تحقیقی شعور پیدا ہوا ہے اس کے پیچھے مولانا بدایونی کی قلمی و فکری تحریک کا بڑا حصہ ہے

مولانا اسید الحق قادری برصغیر کے ممتاز عالم دین، عظیم ناقد و محقق اور بے مثال تحریر و قلم کے مالک تو تھے ہی، عصر حاضر میں جدید قلم کاروں کے سرپرست اور مربی بھی تھے اور ہم سب کے ہیرو اور آئیڈیل بھی- کام کرنے والوں کی اس بھیڑ میں مولانا وہ تنہا شخصیت ہیں جو آج کے فاضل نو جوانوں اور تعمیری سوچ رکھنے والی نسل کے مقتدیٰ تھے-ان کی عمر اور ان کے کام کی طویل ترین فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو واقعی کام کرنے کی بہت جلدی تھی -انہیں شاید معلوم تھا کہ میرا وقت قریب تر ہے، اس لیے جلدی جلدی اپنے حصے کا کام کر ڈالو-۳۹ سال کی مختصر سی عمر میں ان کی تصنیفات، تالیفات، تراجم کی تعداد تقریباً ساٹھ تک پہنچتی ہے اور ان کے علاوہ ایک سو سے زائد وہ علمی و تحقیقی کتابیں ہیں جو انہوں نے اپنی زیر نگرانی لکھوائیں- مولانا موصوف سے میری زیادہ ملاقاتیں نہیں رہیں، کل ملا کر تین چار سے زیادہ نہیں لیکن ان مختصر ملاقاتوں نے مولانا کی سحر طراز شخصیت کے جو اثرات مجھ پر قائم کیے وہ شاید ہی کبھی دھندلے ہوں-

مولانا سے میرا تعارف تو اسی وقت ہو چکا تھا جب وہ ازہر شریف کے دوران طالب علمی جام نور میں اپنی قیمتی اور وقیع تحریروں سے محظوظ کراتے تھے-جب وہ مکمل طور پر اپنے وطن بدایوں شریف تشریف لے آئے پھر تو وہ اتنے برق رفتار ہو گئے گویا تعمیری، تحقیقی، علمی، تخلیقی اور فکری مہمات ان میں فروکش ہو گئی ہوں-ان کے مقالات مسلسل جام نور میں شائع ہوتے رہے اور علمی تحقیقی کتابیں بھی منظر عام پر آتی رہیں اور علمی دنیا کو سیراب کرتی رہیں اور اس وقت تو ان کی عظمت و شہرت کو گویا پر لگ گئے جب انہوں نے جام نور میں ''خامہ تلاشی'' شروع کی اور برصغیر کی علمی دنیا میں دھوم مچا دی -جب تک یہ کالم شائع ہوتا رہا، طلبہ کیا، اساتذہ اور محققین بھی اس کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے رہے- خامہ تلاش نے ہر اعتبار سے قارئین کو ایسا متاثر کیا کہ یہ تاثر آج تک قائم و دائم ہے-مولانا کی مقبولیت کا اہم ترین حوالہ یہی ''خامہ تلاشی'' ہے-

مولانا اسید الحق قادری اپنی خانقاہی اور مشربی بنیادوں پر تو شیخ تھے ہی اپنی علمی، فکری، تحقیقی، ادبی، تنقیدی اور نظریاتی بنیادوں پر بھی وہ شیخ کے مقام پر فائز تھے-ان سب کے علاوہ وہ انسان بھی بہت بڑے تھے- ہمارے درمیان ایک سے ایک علما، فقہا، فضلا اور دانشور موجود ہیں مگر ان میں انسان کم ہی نظر آتے ہیں- مولانا قادری ان سب عظمتوں کے ساتھ انسانیت کی بلندی پر بھی براجمان تھے-ان سے ملنا، سننا، جاننا اور پڑھنا بڑا دل چسپ اور پر اثر تجربہ ہوتا تھا-وہ جب بھی اپنے چھوٹوں سے ملاقات کرتے تو ان کی حوصلہ افزائی کرتے، ان کے کاموں کی تعریف کرتے، مشورے دیتے اور جب بات سے بات نکلتی تو علمی، تحقیقی، فکری اور معاشرتی امور زیر بحث آتے اور پھر ان کی فکری زرخیزی، علمی گہرائی و گیرائی اور ادبی و تنقیدی بصیرت کے جلوے بکھرتے-ان کی گفتگو چھوٹوں کے لیے بڑی حوصلہ بخش ثابت ہوتی- میں نے ماضی قریب کے علما و مشائخ میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں سنا ہے کہ ایک بار کوئی ان سے ملاقات کر لیتا تو پھر ان سے دوبارہ ملنے کا مشتاق رہتا- بلا مبالغہ حضرت مولانا قادری کے سلسلے میں میں بالکل یہی کیفیت اپنے اندر پاتا ہوں-میری طرح ہر چھوٹا اور جونیئر یہ گواہی دے گا کہ مولانا کی شخصیت ان کے لیے کس درجہ محرک تھی-وہ خود کام کے آدمی تھے اور کام کرنے والوں ہی کو پسند بھی کرتے تھے-

گزشتہ سال دسمبر کے مہینے میں مولانا اپنی ہمشیرہ کے علاج کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لیے ممبئی تشریف لائے تھے-ایک دن فیس بک پر ان کی تصاویر دیکھیں کہ وہ قلابہ ممبئی کی سینٹرل لائبریری کی مرکزی سیڑھیوں اور لائبریری میں کتابوں کے درمیان ہیں، میں نے انہیں میسج

کیا کہ ''حضرت! آپ ممبئی میں ہیں؟'' میں نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو مولانا نے جواب میں لکھا کہ ''اگر آپ وہی ہیں جو ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی میں مضامین لکھتے ہیں تو مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی-'' مولانا کے اس جواب کو پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ وہ پڑھنے لکھنے والوں سے کس قدر محبت فرماتے تھے-

اسی ملاقات کے سلسلے میں ان سے کئی مرتبہ فون پر بات ہوئی- وقت طے ہوا لیکن ان کو عین موقع پر کوئی کام نکل آیا اور وہ پونہ تشریف لے گئے-ان کی مصروفیات اتنی تھیں کہ وہ وقت نہیں نکال پا رہے تھے- ممبئی سے بدایوں کی رخصتی سے ایک دن قبل بات ہوئی تو فرمانے لگے ''آپ ملاقات ضرور کر لیجیے، ورنہ مجھے بہت افسوس رہے گا، آپ کو مجھے اپنی کچھ تازہ کتابیں بھی دینی ہیں-'' ممبئی سینٹرل اسٹیشن کے سامنے زیر تعمیر ایک ٹاور کے ایک کمرے میں ان سے ملاقات ہوئی- کمرے میں داخل ہوتے ہی فرمایا: ''آپ تو وہی ہیں جو مقابلۂ حدیث میں بدایوں شریف تشریف لائے تھے-'' میرے ساتھ مولانا مظہر حسین علیمی مدیر معاون ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی بھی تھے- بے حد خوش ہوئے- گفتگو کے دوران علمی و فکری و جماعتی امور پر پر مغز گفتگو کرتے رہے اور کام کرنے والوں کو سراہتے رہے-مولانا مظہر حسین علیمی نے مولانا اسید الحق صاحب قبلہ کو ''سنی دعوت اسلامی'' کی چند تازہ مطبوعات پیش کیں- کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے اور سنی دعوت اسلامی اور امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاکر علی نوری صاحب قبلہ کو سراہتے رہے- حسب وعدہ مجھے اپنی کچھ کتابیں تبصرے کے لیے عنایت فرمائیں لیکن افسوس ان کتابوں کے تبصرے کا وقت نہیں آ پایا، مگر اس سے پہلے ہی مولانا کا وقت اجل آ پہنچا- دوران گفتگو فرمانے لگے کہ ممبئی کی سینٹرل لائبریری میں انگریزی مآخذ کی بڑی اہم اہم کتابیں ہیں اور یہاں مستشرقین کی کتابوں کے اصل نسخے بھی موجود ہیں- مولانا ان مستشرقین کی بات کر رہے تھے جن کے حوالے مثبت یا منفی نقطۂ نظر سے سیرت نبوی میں پیش کیے جاتے ہیں- لکھنے پڑھنے والے نئے قلم کاروں پر گفتگو کا رخ ہوا تو فرمانے لگے کہ مجھے کام کرنے والے نو جوانوں سے بہت محبت ہے- جماعت اہل سنت کے موجودہ احوال کا تذکرہ چھڑا تو نہایت افسوس کے ساتھ گویا ہوئے کہ اگر آپ سے ذرا سی چوک ہو جائے اور آپ کی گفتگو کچھ لوگوں کے ذہنی سانچے میں فٹ نہ ہو سکے تو یہ لوگ آپ کی ساری خدمات پر یک لخت پانی پھیر دیتے ہیں-اس ملاقات میں مولانا اپنے ساتھ کھانا کھانے کا بھی اصرار کرتے رہے اور اپنے خادم سے کھانا لانے کو بھی کہہ دیا مگر ہم لوگ اس لیے واپس آ گئے کہ دیگر حضرات ملاقات کے لیے آنے والے تھے اور کمرے میں جگہ تنگ تھی- ہمیں کیا معلوم تھا کہ مولانا سے یہ آخری ملاقات ہے-آج افسوس ہو رہا ہے کہ اگر ہم مولانا کے ساتھ کھانا کھا لیتے تو کچھ دیر اور ان کی علمی گفتگو سے استفادہ کرتے- ہم لوگ جب واپس آنے کے لیے کھڑے ہوئے تو مولانا بھی کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میں اپنے ہر ملاقاتی سے تین چیزوں کی دعا کے لیے ضرور کہتا ہوں- آپ سے بھی کہہ رہا ہوں-علم نافع، عمل صالح اور خاتمہ بالخیر- ان کی گفتگو تکلف سے عاری ہوتی، بالکل حقیقی، جو وہ کہتے خلوص دل سے ہی کہتے تھے-

۲۰۰۷ء میں میں ''المجمع الاسلامی'' مبارک پور سے مقابلۂ علوم حدیث میں شرکت کے لیے خانقاہ قادریہ بدایوں شریف حاضر ہوا- یہ مقابلہ مولانا نے منعقد کیا تھا اور اس میں جامعہ اشرفیہ، دار العلوم علیمیہ اور نیز ہندوستان کے دیگر مدارس کے بہت سارے طلبہ شریک تھے- میرا دعویٰ ہے کہ اس مقابلے میں شرکت کرنے والا ہر طالب علم مولانا کے اخلاق عالیہ کی گواہی دے گا- مولانا ہر ایک سے بڑی محبت سے پیش آئے-

خانقاہیں تو بہت سی ہیں اور وہاں کے شاہزادگان بھی بہت سے ہیں، مگر ہمارے اس خانقاہی شاہ زادے اور عظیم المرتبت شہید راہ بغداد کی مثال دور دور تک نہیں پیش کی جا سکتی- اپنے آبا و اجداد کے علمی و فکری سرمائے کو عوام و خواص تک پہنچانے کا جو آغاز انہوں نے کیا اور جس حسن ترتیب، سلیقے اور تسلسل سے کیا وہ برصغیر کی خانقاہی تاریخ کا ناقابل فراموش عنوان ہے- انہوں نے اپنی آبائی خانقاہ، خانقاہ قادریہ کو کبھی اپنے لیے رزق کا ماخذ نہیں بنایا، اس لیے بجا طور پر بانگ دہل یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اپنی خانقاہی عظمتوں پر اپنا سنگھاسن جمانے والے دیگر خانقاہی شاہ زادوں کے لیے درس عبرت ہیں ہمارے مولانا اسید الحق-

مولانا کی عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جو حضرات اور بڑی شخصیات جلدی کسی سے متاثر نہیں ہوتیں وہ بھی ان سے حد درجہ متاثر تھیں- ان جیسا نو جوان عالم دین اور مختلف حیثیتوں کا مالک پوری جماعت

میں کہیں نظر نہیں آتا- یہ بات شاید کسی کو مبالغہ محسوس ہو لیکن یہ مبالغہ نہیں حقیقتِ واقعہ ہے- علمی اختلافات اپنی جگہ لیکن ان کی خدمات اور ان خدمات کے اثرات سے انکار ان کے بڑے سے بڑے معاند کو بھی ممکن نہیں- واقعہ یہ ہے کہ صحیح معنوں میں بڑے اور قائد وہی ہوتے ہیں جن کی شخصیت اور خدمات کے اثرات معاشرے پر قائم ہوں اور یہ اثرات دیرپا اور پائیدار بھی ہوں- بڑی شخصیتوں کی عظمت کو ناپنے کا بس ایک یہی پیمانہ ہے، اس سے قطع نظر کہ لوگ وقتی طور پر ان کے بارے میں کیسی رائے رکھتے ہیں- اس تناظر میں مولانا اسید الحق قادری ہمارے معاشرے کی بڑی عظیم شخصیت تھے اور برصغیر میں اہل سنت کے ایک عظیم نوجوان قائد- کوئی انہیں پسند کرے یا نہ کرے لیکن اس سے مولانا کی بزرگی اور عظمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا-

مولانا نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ ان کی شخصیت اہل سنت کے لیے کس قدر اہمیت کی حامل تھی- انہوں نے بتا دیا کہ اپنے فضل و کمال اور اپنے منہ میاں مٹھو بن کر نعرہ لگانے، دعوی بلند کرنے اور چیخ و پکار مچانے سے کچھ نہیں ہوگا- آپ جو ہو پہلے اسے ثابت کر دکھاؤ- اس کے بعد دنیا مانے گی کہ آپ کیا ہو- مولانا نے واقعتاً اپنے آپ کو ثابت کر دیا اور ایسا ثابت کیا کہ دور جدید میں اتنی کم عمری میں بیک وقت اتنا زبردست محقق، مصنف، تنقید نگار، صائب الرائے، دانشور، مفکر، مدبر، مرتب، مترجم، خطیب، شاعر، مدرس اور پیر طریقت کسی نے دیکھا، نہ سنا-

مولانا اسید الحق اگر چاہتے تو ازہر سے فراغت کے بعد کوئی بہت بڑا جامعہ قائم کر دیتے، عمارت پر عمارت تعمیر کراتے، ملک و بیرونِ ملک تقریریں کر کے چندہ کرتے، دست بوسی کراتے- یہ ان کے لیے کوئی مشکل مرحلہ نہیں تھا کیوں کہ وہ خود ایک بڑی خانقاہ کے شاہ زادے تھے- ان کے والد گرامی کے مریدین کا ایک بہت بڑا حلقہ موجود ہے- اگر وہ چاہ لیتے تو پوری آن بان شان کے ساتھ یہ کام کر گزرتے مگر انہوں نے اس کے برخلاف روایت سے الگ ہٹ کر ایسا راستہ منتخب کیا جو واقعتاً بہت دشوار گزار ہے- انہوں نے مدرسہ قادریہ میں محنتی طلبہ رکھے اور باشعور اساتذہ کا تقرر کیا، انہیں کو سنوارا، نکھارا اور انہیں فکر و تحقیق کے بالمقابل کھڑا کیا- اس طرح انہوں نے کام کرنے والے افراد (مختصر ہی سہی) جماعت اہل سنت کے حوالے کیے- میرے خیال میں ان کے دماغ میں یہ بات ضرور رہی ہوگی کہ مدرسے تو قائم کرنے والے بہت ہیں مگر افراد تیار کرنے والے کم ہی لوگ ہیں- ان کی نظر توسیع سے زیادہ استحکام پر تھی، اس لیے انہوں نے مدرسے کی توسیع سے زیادہ افراد کی تربیت پر توجہ دی- اندازہ فرمایئے کہ اگر وہ اپنی طبعی عمر کے ساتھ رخصت ہوتے تو ان کے کام کے اثرات کس قدر ہوتے- جس تیزی سے وہ کام کر رہے تھے اس اعتبار سے کیا کوئی ان کے کام کی جامعیت، وسعت اور طوالت کا اندازہ کر سکتا ہے؟

کیا جماعت میں کوئی ہے جو مولانا اسید الحق کی طرح چھوٹوں کو بھی ساتھ لے کر چل سکے؟ بڑے تو بہت ہیں، دو چار جملے حوصلہ افزائی کرنے والے بھی مل جائیں گے لیکن ان میں مولانا اسید الحق کوئی نہیں- میں پورے دعوی اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نئی نسل کا باشعور طبقہ جتنا زیادہ ان کی شخصیت سے متاثر تھا کسی اور سے نہیں- ان نوجوانوں پر مولانا کی قلمی و فکری تحریک کے جتنے اثرات ہیں، اتنے کسی اور کے نہیں- آج جماعت میں جو شعور پیدا ہوا ہے اس کے پیچھے مولانا کی یہی قلمی و فکری تحریک کارفرما ہے- مولانا موصوف اور ان کے نہایت قریبی دوست مولانا خوشتر نورانی جماعت اہل سنت میں قلمی انقلاب، ذہنی بیداری اور صالح تنقیدی شعور کے بانی اور محرک ہیں- ان کی تحریروں نے شعور پیدا کیا اور روایت سے ہٹ کر کام کرنے کا اور سوچنے کا حوصلہ بخشا- مولانا دورِ جدید کے وہ تنہا مجاہد تھے جنہوں نے بے جا روایت پرستی، اندھی عقیدت، خطائے بزرگاں گرفتن خطا است، کے مصنوعی بت پاش پاش کیے ہیں- انہوں نے اپنی خامہ تلاشی کے ذریعے اپنے ہی مقالات پر سخت تنقیدیں کر کے، چھوٹے تو کیا بڑے اور سینئر قلم کاروں پر خوب صورت نقد و جرح کے ذریعے نئی نسل کو ایک تعمیری اور تخلیقی شعور بخشا ہے- اس لیے میرے نزدیک ان کی تنقیدات و اختلافات مذموم نہیں، محمود ہیں- الحمد للہ! اب جماعت کا شعور بہت حد تک بیدار ہو چکا ہے- اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مولانا اسید الحق قادری دورِ جدید میں نسلِ نو کے سب سے بڑے محسن کی حیثیت سے کھڑے نظر آئیں گے- انہیں اللہ عز و جل نے غالباً اسی لیے دنیا میں بھیجا ہی تھا- یہ ذمہ داری انہوں نے بحسن و خوبی انجام دی اور اللہ کے حضور حاضر ہوگئے

بقیہ صفحہ 291 پر ملاحظہ کریں

(۷)

کمالات و امتیازات

احمد جاوید☆

ایک تھا 'خامہ تلاش'

کسے خبر تھی کہ یہ قطب وقت اتنی جلدی اس دنیا سے اٹھ جائے گا اور ایک عالم سوگ میں ڈوبا ہوگا!

یاد نہیں آتا کہ ان سے میری پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی، مولانا خوشتر نورانی کے یہاں، مولانا یٰسین اختر مصباحی کی کسی مجلس میں یا شاید کہیں اور کسی جلسہ یا سیمینار میں- امکان غالب یہی ہے کہ دارالقلم میں ہوئی ہوگی یا جام نور کے دفتر میں، جہاں ان کا آنا جانا زیادہ تھا اور وہ دہلی میں دوران سفر چند گھنٹے بھی ٹھہرتے تو ذاکر نگر میں واقع ان ادبی و علمی خانقاہوں کو اپنی آمد کا شرف ضرور بخشتے- ہاں! اتنا ضرور یاد ہے کہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہ تھے بلکہ اس وقت تک کم از کم میری کیفیت یہ تھی کہ گلشن علم و ادب کے اس مہکتے پھول کو تو ہم نہ جانے کب سے جانتے ہیں- ہماری اس گہری شناسائی کا وسیلہ 'جام نور' کے اوراق اور ان کے وہ محققانہ مضامین تھے جن کو پڑھ کر دل ہر بار اس جذبہ سے سرشار ہو جاتا کہ......ع

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں ہے

کسی کی تحریروں کو پڑھ کر آپ اس کی جو تصویر بناتے ہیں، اکثر ملاقات کے بعد وہ بکھر جاتی ہے- میری طرح آپ نے بھی اپنے احباب سے بارہا سنا ہوگا کہ فلاں شخص سے مل کر بڑی مایوسی ہوئی- ایک شخص بڑی خوبصورت نثر لکھتا ہے، اچھے شعر کہتا ہے، اس کی علمی و ادبی نگارشات فکر انگیز ہوتی ہیں لیکن ملیے تو آپ اس کی شخصیت میں وہی حسن اور وہی وجاہت ڈھونڈتے رہ جائیں گے- فکر انگیز مضامین لکھنے والا قلم کار ایک بے فکرا، کھلنڈرا اور پھوہڑ شخص نکلے گا- ایک ادیب و شاعر کے کلام میں آپ بڑا حوصلہ اور جوش عمل پاتے ہیں، لیکن اس کی شخصیت اس کے برعکس بزدلی و بے عملی کا نمونہ ہوتی ہے، کوئی مصنف آپ کو اپنی تحریروں میں بڑا قد آور نظر آتا ہوگا لیکن قریب جائیں تو بونا اور بالشتیہ نکلے گا لیکن میں جس تصویر کا ذکر کر رہا ہوں وہ ملاقاتوں کے ساتھ مزید نکھرتی چلی گئی- پہلے سے زیادہ روشن اور گہری ہوتی گئی- جو علمی و ادبی گہرائی، گیرائی، شائستگی، شگفتگی اور وقار تحریروں میں تھی وہی شخصیت میں بھی تھی- روشن چہرہ، بے داغ و کشادہ پیشانی، گلاب کی پنکھڑیوں سے نازک اور مسکراتے ہونٹ، وضع قطع، لباس اور رفتار و گفتار میں بے پناہ سلیقہ و شائستگی، مطالعہ بڑا وسیع، جدید و قدیم علوم و فنون پر گہری نظر، ایک سے زائد زبانوں اور ان کے محاوروں پر اہل زبان کی سی گرفت لیکن پندار علم تھا کہ چھو کر نہ گزرا تھا- وقار اور عاجزی کا ایسا سنگم کہ دیکھئے تو دیکھتے رہ جایئے- اوسط قد کے اس وجیہ نوجوان کی عظمتیں اب سوچتا ہوں تو لگتا ہے کہ اس بلندی تک دیکھنے میں بھی اچھے اچھوں کی ٹوپیاں گر جائیں-

ہم ایک دوسرے کے بہت بے تکلف دوست نہ تھے، ہماری عمروں میں بھی تقریباً دس سال کا فرق تھا، پھر بھی وہ اور ان کے بے تکلف دوستوں کی مجلسوں میں شریک رہنے کے مواقع ملتے رہے اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان میں اور ان کے دوسرے احباب میں یہ فرق تھا کہ بے تکلف مجلسی گفتگو میں بھی کبھی کوئی ہلکی بات ان کی زبان پر نہ آتی- ایسا نہیں تھا کہ وہ وقار و شائستگی اوڑھے رہتے بلکہ ان کے طنز کی کاٹ اوروں سے تیز ہوتی، ان کے برجستہ مزاح سے آپ دیر تک محظوظ ہو سکتے تھے- خوشتر نورانی، صبیح رحمانی، احمد مجتبیٰ صدیقی، ذیشان مصباحی اور کئی دوسرے احباب بعد میں بھی اس سے لطف اندوز ہوتے، دوستوں کے درمیان نقل کرتے، ان کے کئی معنی خیز فقرے اور برجستہ جملے ضرب المثل کی طرح استعمال کیے جانے لگے تھے- بزرگوں میں پروفیسر طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر شرر مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مولانا سید رکن الدین اصدق، ڈاکٹر سید شمیم گوہر، راجہ رشید محمود اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی جیسے اصحاب نقد و نظر ان کے طنز کی کاٹ کے قائل تھے یا اس کا سامنا کر چکے تھے، لیکن کیا مجال کہ کبھی وقار و شائستگی پر کوئی آنچ آئی ہو- بات کہنے کا سلیقہ کوئی ان سے سیکھتا- وہ

ایک باکمال خطیب بھی تھے لیکن قلم اور زبان دونوں پر ان کی ایسی مضبوط گرفت تھی کہ بزرگوں کی محفل میں ہوں یا دوستوں اور عزیزوں کے درمیان، انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہوتے- نگہ بلند، جاں پرسوز اور سخن دلنواز کی ایک ایسی من موہنی تصویر جو سارے زمانے کو اپنے ہالے میں سمیٹ لینے کی قوت رکھتی تھی-

شہید بغداد علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری ازہری کی یادیں کم از کم میرے لیے مستقبل کے ہندوستان میں ملت مظلوم کے ایک میر کارواں کی مرگ ناگہاں کا ماتم ہے جو اچانک اس قافلے کو چھوڑ کر جو اس کا منتظر تھا، اندیکھی منزلوں کے سفر پر چلا گیا- اس نوجوان عالم و محقق، صوفی، متکلم اور فقیہ میں مارہرہ والے علامہ شاہ عبدالمجید عین الحق عثمانی بدایونی کا پرتو دیکھتے تھے، حیدرآباد والوں کو اس میں مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی اور مولانا مفتی شاہ عبدالمقتدر بدایونی کی جھلک نظر آتی ہوگی، اس کی شخصیت میں آج کے تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی دیکھنے والوں کی بھی کمی نہیں رہی ہوگی لیکن میں اس عالم، محقق اور خطیب میں مولانا عبدالماجد بدایونی دیکھتا تھا- بے شک یہ اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی سوچ کا معاملہ ہے اور اسید میاں کی شخصیت کا کمال بھی یہی تھا کہ ہر شخص اپنے ذوق اور اپنی طلب کے مطابق اس چشمہ شیریں سے حسب توفیق اپنی پیاس بجھا سکتا تھا- میری رائے سے آپ کو اختلاف ہو سکتا ہے- عین ممکن ہے کہ ملک میں مسلمانوں کی باشعور و صالح قیادت کے فقدان میں یہ ایک سیاسی و سماجی مبصر کی آرزوئے محض ہو لیکن سچ مانیے کہ میری آنکھیں اتحاد امت و احیائے ملت کی ایک ہمہ گیر تحریک کی امامت و قیادت کی صلاحیتیں آج کے اس پرآشوب دور میں اگر کسی نوجوان میں دیکھتی تھیں تو وہ اسید الحق قادری بدایونی تھے- ان کی شہادت پر میرے تأثرات پڑھ کر جمعیۃ علمائے ہند کے ایک مرکزی رہنما نے اس رد عمل کا اظہار کیا کہ 'جانے والا بڑا ہونہار، بڑے کام کا تھا لیکن مارنے والا کیا اسے مار سکتا ہے، اسے تو زندگی مل گئی، بڑا پیارا انسان تھا وہ؟' تو لگا کہ میرا خیال غلط نہ تھا- ملک کی مسلکی صورت حال اور مشربی رقابتوں پر گہری نگاہ رکھنے والے ایک بڑے باخبر عالم نے دہلی میں دوران گفتگو بتایا کہ ''مسلک'' کے بعض بڑے سربرآوردہ قائدین خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کے اس نوجوان نائب صاحب سجادہ کی اٹھان سے خائف تھے تو احساس ہوا کہ اپنے ہی نہیں غیر بھی اس میں یہ امکان دیکھتے تھے، ورنہ جاہ پسند علما و مشائخ میں اس سے خوف کے کیا معنی؟

یہ غالباً ۲۰۰۴ء کا واقعہ ہے جب ''جام نور'' میں تواتر کے ساتھ مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری ازہری کی نگارشات آنے لگیں اور ان کے محققانہ تیور نے قارئین کو چونکایا- میں بھی ان میں سے ایک تھا جن کو اگر اس دینی جریدے میں صرف ایک مضمون پڑھنا ہوتا تو وہ مضمون مولانا ازہری بدایونی کا ہوتا تھا- یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ یہ نام نظر آئے اور آپ سرسری گزر جائیں- جام نور کے مستقل قلم کاروں میں اس نام نے اپنی ایک منفرد شناخت بنا لی تھی- سلیس و شگفتہ نثر، صاف ستھری بامحاورہ زبان، موضوع کے ساتھ مکمل انصاف، قاری کے ذہن میں اٹھنے والے گوناگوں سوالوں کے تشفی بخش جوابات، تحریر برائے تحریر نہیں بلکہ تحریر برائے تحقیق کی عمدہ مثال جس میں ایک معقولی ذہن کا شعور بھی جھلکتا تھا، سائنس اور ریاضی کا علم بھی جھانکتا تھا، زبان و ادب اور تاریخ پر گہری نگاہ بھی متوجہ کرتی تھی اور قرآن و حدیث کا گہرا علم بھی بولتا تھا- لیکن ان کی شخصیت کا جوہر ہم پر صحیح معنوں میں اس وقت کھلا جب انہوں نے جام نور کے صفحات پر 'ابوالفیض معینی' کے نام سے خامہ تلاشی شروع کی- ابتدا میں تو یہ معمہ ایک سربستہ راز تھا کہ یہ کس عبقری کے قلم کا جوہر ہے- بڑے بڑے علما و دانشوران حیران تھے کہ یہ کون ہو سکتا ہے- اکثر کی رائے تھی کہ یہ کوئی ایک شخص نہیں ہو سکتا جو حدیث اور اصول حدیث پر بھی بات کر رہا ہے، شعر و سخن پر بھی گفتگو کر رہا ہے، ادب، تاریخ اور زبان پر بھی کلام کرتا ہے، تفسیر و علوم قرآن میں بھی اتنا ہی درک رکھتا ہے اور معقولات میں بھی اتھارٹی ہے- اس کالم کے لیے ایک پوری پنچایت بیٹھتی ہوگی اور مختلف علوم و فنون کے ماہر الگ الگ افراد کی کئی کئی دنوں کی محنت کے نتیجے میں یہ تین صفحات تیار ہوتے ہوں گے- کسی کے گمان میں نہیں تھا کہ یہ ایک پچیس تیس سال کے جوان کی صرف تین چار گھنٹے کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے-

''خامہ تلاشی'' نے بہت سے نازک آبگینوں کو ٹھیس پہنچائی، کئی بحثوں کے دروازے کھولے جن سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا لیکن خود ''خامہ تلاش'' کی شخصیت بھی ''جام نور'' کے صفحات پر ایک

عرصے تک موضوع بحث بنی رہی اور یہاں تک کہا گیا کہ اگر یہ ایک ہی شخص ہے تو انسان نہیں ہوسکتا، کوئی جن یا فرشتہ ہوگا- خوبی یہ تھی کہ خود اپنے مضامین پر بھی وہ اسی خوبصورتی و غیر جانب داری سے تبصرے کرتے اور اپنی فروگزاشتوں کی بھی اسی سادگی و بے باکی سے نشاندہی کرتے جس بے خوفی اور خود اعتمادی کے ساتھ دوسرے مصنفین کی گرفت کرتے- یاد آتا ہے کہ ان ہی دنوں پروفیسر فاروق احمد صدیقی سے میری ملاقات ہوئی، وہ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، جاننا چاہتے تھے کہ ابوالفیض معینی واقعی کوئی حقیقی شخصیت ہے یا یہ کالم کئی افراد مل کر لکھتے ہیں؟ مجھے احساس ہوا کہ اس کالم کو جام نور کے باشعور قارئین کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے کیسی اہمیت و مقبولیت حاصل ہے- یہ ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا کہ خامہ تلاشی کا آئیڈیا "جام نور" کے ایڈیٹر کو "نعت رنگ" (کراچی) کے ہر نئے شمارے میں اس کے گزشتہ شمارے کی مشمولات پر مولانا کوکب نورانی کے تفصیلی مکتوب سے آیا تھا، لیکن مشکل یہ تھی کہ "نعت رنگ" کی طرح جام نور کا کوئی ایک موضوع نہ تھا، یہ تو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتا ہے- بہت غور و فکر کے بعد قرعۂ فال علامہ اسید الحق قادری کے نام نکلا اور انہوں نے بھی اس شرط پر یہ ذمہ داری قبول کرلی کہ ہر ماہ جام نور کی جملہ مشمولات پر تنقیدی نظر ڈالیں گے اور رسالہ کا اداریہ اور ادارتی نوٹ بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہوگا- پھر انہوں نے یہ ذمہ داری جس خوبی سے نبھائی اس پر مرحوم ڈاکٹر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (لاہور) کی گواہی ملاحظہ کریں:

"مجھے ابوالفیض معینی کی 'خامہ تلاشی' نے دعوت تحریر دے کر 'خامہ فرسائی' پر آمادہ کردیا- میں آپ کے دوسرے قارئین کی طرح 'خامہ تلاشی' کے کالم کو دلچسپی سے پڑھتا ہوں- معینی صاحب بڑے ہی لطیف انداز میں جام نور کے صفحات کی خامہ تلاشی کرتے ہیں- بعض اوقات ان تحریروں کے دامن کی رفوگری بھی کرتے جاتے ہیں، لغزشوں سے آگاہ کرتے ہیں اور ہمیں احتیاط سے قلم رانی پر آمادہ کرتے ہیں- مجھے معینی صاحب کی خامہ تلاشی نے کئی اہل قلم کی یادوں کی خوشبو سے خوش کام کیا ہے- کراچی کے مشفق خواجہ 'خامہ بگوش' لکھا کرتے تھے- کسی زمانے میں آغا شورش کاشمیری 'چٹان' کے 'قلم قتلے' میں نوکیلے جملے لکھا کرتے تھے۔ مجھے عبد المجید سالک اور غلام رسول مہر کے کالم یاد آتے ہیں تو 'خامہ تلاشی' کی اہمیت بڑھ جاتی ہے- مولانا ظفر علی خان کے 'زمیندار' میں لکھے ہوئے 'مطائبات' یاد آتے ہیں- مولانا ابوالکلام کی غبار خاطر کی رعنائیاں ابھی تک یاد ہیں- دربار اکبری کے فیضی کی "بانگ قلم دریں شب تار، بس چہ معنی خفتہ کرد بیدار" یاد آتی ہے تو خامہ تلاشی کی داد دیتا ہوں .... جو لطافت و نفاست معینی صاحب کی خامہ تلاشی میں ہے اس کا جواب نہیں، بعض دفعہ ان کی تحریروں پر گماں ہوتا ہے کہ وہ بررخسارۂ حور، باروشنائی نور، بقلم سرور لکھی جارہی ہیں-" (جام نور، جون ۲۰۰۶ء)

جو تحریریں خامہ تلاشی کے نام سے اپریل ۲۰۰۵ء سے دسمبر ۲۰۰۶ء تک ہر ماہ لکھی گئیں اور پھر قارئین کے مطالبے پر ۲۰۰۹ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئیں (جس کے ساتھ پردہ اٹھا کہ خامہ تلاش کوئی اور نہیں علامہ اسید الحق قادری بدایونی ہی ہیں) وہ محض گل افشانی گفتار نہ تھیں، ان میں علوم و فنون کا گہرا وفور تھا جو ہر کسی کو چونکا تا تھا اور کمال تو یہ ہے کہ یہ سلسلہ پہلی خامہ تلاشی سے ہی شروع ہوا اور آخر تک جاری رہا، ذرا اسلوب تنقید دیکھیں:

"فن شاعری اور حسان الہند پر شرر صاحب نے جو تنقیدی نظر ڈالی ہے، وہ ماہر فن کی حیثیت سے ان ہی کا حصہ ہے اور ان کو زیب بھی دیتی ہے، شرر صاحب کو اس کتاب کے سرورق پر بھی تبصرہ کرنا چاہیے تھا جس میں مولانا ہمدانی صاحب کے میزان عقیدت کے ایک پلہ میں حدائق بخشش ہے تو دوسرے پلہ میں اردو کے تمام 'نام نہاد صف اول کے شعرا' کے دواوین- کیا یہ سرورق کسی صحت مند فکری رویہ کی عکاسی کرتا ہے؟"

اور یہ کہ:

"حضرت مدنی میاں صاحب کی نعت پاک نے اس مرتبہ منظومات کے کالم کی زینت اور معیار دونوں میں اضافہ کیا ہے ...... معنوی اعتبار سے یہ شعر ہمیں بہت پسند آیا:

اللہ اللہ رفعت اشک غم ہجر نبی
جونہی ٹپکا آنکھ سے تسبیح کا دانہ بنا

ہماری اپنی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے لہذا ہمیں نہیں معلوم کہ توالی اضافت کا کیا قاعدہ ہے؟ اب یہ شرر مصباحی صاحب ہی بتائیں گے کہ ایک مصرعے میں لگاتار تین سے زیادہ اضافتیں جائز ہیں یا نہیں؟" (جام نور، مئی ۲۰۰۵ء)

اب ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کے جوابی مراسلے کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ کریں جس سے 'خامہ تلاش' کے اسلوب نگارش کی افادیت و معنویت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے:

"محترم مدنی میاں صاحب کے نعتیہ کلام کی تعریف و توصیف کے بعد توالی اضافت کا ذکر جس انداز میں کیا گیا ہے، یہ طرز تحریر ایک پختہ ذہن اور بالغ نظر نقاد کا ہی ہوسکتا ہے- اگرچہ شعر کی تعریف کو مقدم اور توالی اضافت کے تعلق سے استفسار کو مؤخر کیا گیا ہے لیکن سخن گسترانہ بات اسی جزء مؤخر میں ہے- یہاں شرر مصباحی سے اصلا استفسار مقصود نہیں ہے بلکہ استفسار کے پردے میں ایک شعری عیب کو طشت از بام کرنا ہے- جہاں تک مجھے معلوم ہے، اساتذہ فن کے یہاں تین سے زائد اضافتیں خلاف فصاحت ہیں، گو غالب بھی اس سے محفوظ نہیں ہے- (جام نور، جون ۲۰۰۵ء)

کسی فقہی سیمینار بورڈ کے ایک سیمینار کی رپورٹ پر 'خامہ تلاش' کے تبصرے کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ کریں:

"پہلے ہمارے یہاں مدرسوں کے نام مدرسہ یا دارالعلوم ہوا کرتے تھے- کسی نے اپنے مدرسہ کا نام جامعہ رکھ لیا تو آناً فاناً ہندوستان کے طول و عرض میں سینکڑوں جامعات اور مجوزہ یونیورسٹیاں معرض وجود میں آگئیں- کہیں سے 'تربیت افتا' کا نعرہ لگایا گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار مدرسوں میں 'تربیت افتا' اور 'تخصص فی الافتا' کے 'شعبے' قائم ہوگئے- اب جبکہ فقہی بورڈوں اور شرعی کاؤنسلوں کے قیام کا آغاز ہو ہی گیا ہے تو ہمیں ایسا لگتا ہے کہ اب ہر دوسرے تیسرے مدرسہ میں فقہی بورڈ قائم ہوتے دیر نہیں لگے گی- دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ ان سیمیناروں میں ایسے مسائل پر بحث کی جارہی ہے جن میں اتنی زیادہ بحث و تمحیص کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے- مثلاً گل منجن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ بم کے ذریعے مچھلیوں کا شکار کرنا کیسا ہے؟ وغیرہ وغیرہ- ان سوالات کے جوابات تو آپ کسی بھی ذمہ دار دارالافتا سے معلوم کرسکتے ہیں- ہمارے خیال میں یہ اور اس قسم کے سوالات اتنے پیچیدہ ہیں ہی نہیں کہ ان کے حل کے لیے ایک فقہی بورڈ کی تشکیل کرنا پڑے-" (جام نور، اپریل ۲۰۰۵ء)

ایک خامہ تلاشی سے یہ اقتباس:

"اداریہ میں ایک دو جگہ ہمیں زبان و بیان کے رخ سے بھی تأمل ہے- مثلاً آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں...... ہمارے مذہبی حلقوں میں لفظ کرم نوازی استعمال ہوتا ہے- اداریہ میں بھی ایک جگہ استعمال کیا گیا ہے، مگر ہماری ناقص رائے میں یہ ترکیب درست نہیں ہے-

مولانا اسید الحق بدایونی کا مضمون 'حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں' غالباً ایک طویل مضمون ہے جس کی یہ پہلی قسط ہے- ایک فاضل ازہر سے جس قسم کے تحقیقی مضامین کی توقع کی جاسکتی ہے، مولانا اس پر ہمیشہ پورے اترتے ہیں- حدیث افتراق امت کے آخری جز کلہا فی النار الا واحدۃ پر انہوں نے تحقیقی بحث کرتے ہوئے اس کو کثرت طرق کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے، ہماری ناقص معلومات کی حد تک یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ مطلقاً ہر ضعیف الاسناد حدیث تعدد طرق کی وجہ سے حسن قرار دے دی جائے- (جام نور، جون ۲۰۰۵ء)

اکتوبر ۲۰۰۵ء کی خامہ تلاشی کا یہ ابتدائیہ بھی دیکھیں:

"جوش ملیح آبادی نے اپنی خودنوشت سوانح 'یادوں کی بارات' ماہر القادری مدیر 'فاران' کو اس نوٹ کے ساتھ ارسال کی تھی کہ 'جناب ماہر! لیجیے بکرا حاضر ہے، شوق سے ذبح فرمایئے اور پھر ماہر القادری نے بھی اس شان سے بکرا ذبح کیا کہ تقریباً ۶۰ صفحات میں تنقید کا حق ادا کردیا- ہمارے دوست مولانا خوشتر نورانی بھی کچھ اسی قسم کے نوٹ کے ساتھ ہر ماہ جام نور کی ایک کاپی ہمیں ارسال کردیتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ خود ان کی اپنی تحریریں ہی اب تک قربانی کا بکرا بنتی چلی آرہی ہیں-"

ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی ایک تنقید کے ردعمل میں راجا رشید محمود کے ناشائستہ وغیر مہذب حملے پر 'خامہ تلاش' کے لہجے کی کاٹ ملاحظہ کریں:

''ہمارے پیش نظر اخوت اسلامی کا آفاقی تصور ہے جس کی بنیاد پر ہم سرحدوں اور اور زبانوں کے تعصب کو ناپسند کرتے ہیں لہٰذا اہم جواب آں غزل کے رنگ میں 'مملکت خدام نعت کے راجا' اور نعت کے موضوع پر 'دنیا میں سب سے زیادہ کام' کرنے والے محترم رشید محمود صاحب سے یہ پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ اگر نعت کے ایک مصرعہ میں ایک ہندی لفظ (اپکار) استعمال کرنا صرف اس بنیاد پر گردن زدنی جرم ہے کہ ہندی ہندوؤں کی زبان ہے تو کیا پنجابی انبیا ومرسلین اور اہل جنت کی زبان ہے، جس میں راجا صاحب نے تین مجموعہائے نعت لکھ کر ثواب دارین حاصل کیا ہے؟؟ اگر ہندوستان کے غریب مسلمان ہندو معاشرت، ہندو سیاست اور ہندوانہ تعلیم کے زیر اثر دینی شعائر سے مغائرت اور مخاصمت کرنے پر مجبور ہیں تو ان کی مجبوری سمجھ میں آتی ہے مگر مملکت خداداد کے ان 'خالص مسلمانوں' کی کیا مجبوری ہے جو نظام اسلام اور حدود شریعت کے نفاذ کی شب وروز مخالفت کر کے مغربی طرز زندگی، مغربی نظام تعلیم اور مغربی نظام حکومت کے نفاذ کی راہ میں خالص اسلامی جہاد کا مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں؟

..........راجا صاحب معاف فرمائیں ہم ان سے دست بستہ ان ہی کے الفاظ میں وہی التجا کریں گے جو انہوں نے محترم ڈاکٹر شمیم گوہر سے کی ہے کہ 'ازراہ کرم شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر نہ پھینکیں'۔'' (جام نور، اگست ۲۰۰۶ء)

ان کے فکری اعتدال کا یہ رنگ بھی دیکھیں۔ تقسیم کے مسئلہ اور سیاست (ہندو پاک) کی الجھی ہوئی گتھیوں پر شاید اس سے زیادہ متوازن اور سلجھی ہوئی رائے ہو نہیں سکتی:

''خوشتر صاحب نے (اداریہ میں) تقسیم ہند کو ''گندی سیاست کا نتیجہ'' اور سیاسی بساط پر چالیں کھیلنے والوں کی ''بازی گری'' قرار دیا ہے۔ اس موضوع پر ہندو پاک میں گزشتہ نصف صدی میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ حقیقت کی تلاش مشکل ہو گئی ہے۔ تقسیم کے عوامل کو کوئی خالص مذہبی قرار دیتا ہے تو کوئی خالص سیاسی، کچھ لوگ اس کو نیم مذہبی نیم سیاسی تحریک بتاتے ہیں۔ تقسیم سے قبل کے حالات کا اگر منصفانہ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذہب، سیاست اور مستقبل کا خوف یہ تینوں ایک ناگزیر مثلث کی شکل اختیار کر گئے تھے جس کے تینوں اضلاع باہم کچھ ایسے پیوست تھے کہ ان کو اقلیدس کے خطوط پر بھی الگ کرنا ناممکن تھا۔ آج یہ کہنا آسان ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ ہو جاتا اور یہ نہ ہوتا تو ایسا ہوتا مگر جو کچھ ہوا اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس حقیقت سے کوئی آنکھیں نہیں چرا سکتا۔ خوشتر صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہرحال کسی حد تک حقیقت ہے مگر پھر بھی تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔ اگر یہاں اجمالاً ہی سہی تھوڑی سی روشنی ہمارے پاکستانی احباب کے احساسات وجذبات پر بھی ڈال دی گئی ہوتی کہ خود وہ لوگ تقسیم کو کس انداز میں دیکھتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ تقسیم ان کے حق میں کتنی مضر یا مفید ثابت ہوئی ہے تو کسی کو تحریر میں یک قطبیت یا عدم توازن کا شکوہ بھی نہ ہوتا اور صحافتی غیر جانبداری کا حق بھی ادا ہو جاتا۔'' (جام نور، جون ۲۰۰۵ء)

اعتماد واستحضار علمی کا یہ رنگ بھی دیکھیں:

''معجزہ شق القمر کی احادیث کے بارے میں مولانا منظر (الاسلام ازہری) صاحب فرماتے ہیں 'راقم کی تحقیق کے مطابق اس مضمون کی حدیث چھ جلیل القدر صحابۂ کرام سے مروی ہے۔' اب ظاہر ہے کہ منظر صاحب جیسے وسیع المطالعہ محقق کی اس 'ازہری تحقیق' کے سامنے خامہ تلاش جیسا محدود المطالعہ لب کشائی کی جرأت کیسے کر سکتا ہے؟ ہاں! البتہ اس پر اظہار تعجب کا حق تو ہمیں ہے ہی کہ بالکل وہی تحقیق حافظ ابن کثیر اور امام سیوطی کی بھی ہے۔ ان دونوں حضرات نے بھی اس معجزہ کے سلسلہ میں صرف چھ صحابہ کا ذکر کیا ہے۔ (سیوطی: الدر المنثور ج:۷ اور ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ج:) منظر صاحب تلاش وتحقیق جاری رکھیں ممکن ہے کہ ان چھ کے علاوہ اور بھی کچھ صحابہ کے اسمائے گرامی ان کو مل جائیں جن سے باسناد صحیح

اس مضمون کی حدیث مروی ہے۔ اگر تلاش میں کامیابی نہ ہو تو اس کم سواد 'محدود المطالعہ' کو ضرور مطلع کریں، ممکن ہے یہ اپنے ہندوستانی مطالعے کی روشنی میں ان کی کچھ مدد کر سکے اور چھ اسما کی فہرست میں تین ناموں کا اور اضافہ ہو جائے۔''

(جام نور، ستمبر ۲۰۰۶ء)

خامہ تلاش کی یادوں کے جزیرے میں اترنے کے لیے 'خامہ تلاشی' کا ایک اور مطالعہ ناگزیر تھا، لیکن کیا بتائیں کہ یہ مطالعہ دل پر کتنا شاق گزرا، اس دوران ہماری آنکھیں کتنی بار بھیگیں اور آخری 'خامہ تلاشی' کے اس حصے کو پڑھتے ہوئے ہماری کیفیت کیا تھی، بس اتنا سمجھ لیجیے کہ میں اپنی ہچکیوں کو روک نہیں سکا:

''ہاں! 'خامہ تلاش' آپ سے اجازت چاہتا ہے۔ اب شاید کبھی اس سے آپ کی ملاقات نہ ہو۔ آپ سمجھ لیں کہ ایک خانہ بدوش تھا جو کسی نامعلوم مقام سے آپ کی بستی میں وارد ہوا، کچھ دن آپ کے ساتھ گزارے اور جب دل بھر گیا تو اپنا سامان اٹھا کر کسی نامعلوم مقام کی طرف کوچ کر گیا۔ خانہ بدوش تو خانہ بدوش ہوتا ہے، اس کی شناخت اور معرفت کا کوئی معتبر حوالہ نہیں ہوتا۔ اب خامہ تلاش جام نور کے صفحات پر تو موجود نہیں ہوگا، مگر قارئین کے دلوں میں، ذہنوں میں، تذکروں میں، تبصروں میں اور ان کے احساسات وخیالات میں ایک طویل عرصے تک اس کی یادیں اس کو زندہ رکھیں گی۔''

اور اس اعلان رخصت پر ایک فاضل مراسلہ نگار کے ان الفاظ پر تو ہماری چیخ نکل گئی:

''جیسے کوئی قطب وقت دنیا سے اٹھ رہا ہے اور سارا عالم اسلام سوگ میں ڈوبا ہوا ہے:

گماں مبر کہ چوں تو بگزری جہاں بگزشت
ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی ست''

کسے خبر تھی کہ یہ قطب وقت واقعی اتنی جلدی اس دنیا سے اٹھ جائے گا اور ایک عالم سوگ میں ڈوبا ہوگا! □□□

☆انچارج ایڈیٹر: روزنامہ 'انقلاب' پٹنہ (بہار)
email:ahmadjwd@gmail.co

بقیہ: مولانا اسید الحق قادری اور 'جام نور'

شورش کے قلم قتلے، آزاد کی غبار خاطر اور ظفر علی خاں کے مطائبات سے تشبیہ دی ہو، اس کے بعد مجھ جیسے نو آموز کے اعتراف کی حیثیت ''یہ منھ اور مسور کی دال'' کی رہ جاتی ہے۔''

(خامہ تلاشی، ص:۶)

اسی میں ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

''کہتے ہیں کہ ایک شخص میں علم حدیث، تفسیر، منطق وفلسفہ، تاریخ، زبان وادب، شعر وسخن، خطابت وقلم اور عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں مہارت کی یکجائی عنقا ہے۔ اگر کسی شخص میں ہو تو یہ یکجائی، شخصیت کی جامعیت کی توثیق کرتی ہے۔ ایسی گوناگوں اور جامعیت کی حامل شخصیت کے لیے لغت میں لفظ ''عبقری'' ملتا ہے، جسے اسید الحق صاحب کی طرف اگر کوئی منسوب کرے تو کم از کم مجھ سے توثیق کی امید نہ رکھے۔ ویسے 'خامہ تلاشی' کو پڑھ کر بڑے بڑے فاضلین علوم اسلامیہ نے یہ ریمارک دیا ہے: ''یہ کسی ایک شخص کا کارنامہ نہیں، بلکہ چند ماہرین فنون کی کوششوں کا نتیجہ ہے''۔ اب ہم ٹھہرے موروثی مقلد، بڑوں کی تمام باتوں کو ٹھکرا دینا بھی ہمیں زیب نہیں دیتا۔'' (خامہ تلاشی، ص:۸)

درج بالا پیرا سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خوشتر صاحب کے نزدیک علامہ عاصم قادری علیہ الرحمہ کے اندر ایک علمی شخصیت کے لیے درکار تمام صلاحیتیں موجود تھیں اور وہ ''عبقری وقت'' بھی تھے، جس کا انہیں اعتراف بھی ہے یہ اور بات ہے کہ ان کے لیے لب ولہجہ دوستانہ اختیار کیا گیا ہے۔

آخری بات: ہمیں قوی امید ہے کہ ہمارے ممدوح شہید بھی بفضلہ تعالیٰ بعد شہادت ہمارے دلوں کی زمین پر حکومت کرتے رہیں گے، روحانی طور پر اپنی پاکیزہ فکر کی روشنیاں لٹاتے رہیں گے اور ہمیں اپنے فیوض وبرکات سے مالامال کرتے رہیں گے اور ان کے لیے ہمارا حقیقی خراج عقیدت یہ ہوگا کہ ہم ان کے متعین کردہ تعمیری ومثبت خطوط پر چلیں اور ان کے چھوڑے ہوئے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں □□□

☆استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

مولانا محمد طفیل احمد مصباحی☆

مولانا اسید الحق قادری: ایک عظیم محقق

زندگی سراپا حرکت وعمل کا نام ہے- حرکت وعمل اور مثبت سرگرمیوں کی بدولت ہی زندگی ایک کامیاب زندگی کہلاتی ہے- ممتاز ناقد ومحقق مولانا اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی زندگی حرکت وعمل سے عبارت تھی- وہ جب تک باحیات رہے، عمل پیہم اور جہد مسلسل کی چلتی پھرتی تصویر بنے رہے اور ہمیشہ مثبت اور تعمیری کاموں میں لگے رہے- دس پندرہ سالوں میں وہ جس قدر علمی، تحقیقی اور قلمی کارنامے انجام دے گئے، وہ بجائے خود حیرت ناک امر ہے-

مولانا اسید الحق قادری بہت سارے اوصاف وخصوصیات کے مالک تھے- عالم، فاضل، مفتی، محدث ہونے کے ساتھ ایک عظیم تنقید نگار اور باکمال محقق بھی تھے- نوجوان علما میں تحقیق وتنقید کے اعتبار سے آپ کی ایک منفرد پہچان تھی- آج حال یہ ہے کہ ہر کس وناکس کو ''محقق عصر'' کہہ دیا جاتا ہے- لیکن مولانا اسید الحق قادری صاحب حقیقت میں محقق عصر تھے اور اہل سنت کے نوجوان محققین کے سالار اور میر کارواں تھے- ہمارے دعویٰ کی دلیل مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی مندرجہ ذیل کتابیں ہیں: (۱) تحقیق وتفہیم (مضامین کا مجموعہ) (۲) حدیث افتراق امت (۳) عربی محاورات (۴) خامہ تلاشی (۵) مقدمہ قصیدتان رائعتان (اردو)-

مولانا اسید الحق قادری کے اندر تحقیق وتنقید کا فطری ملکہ موجود تھا- یہی وجہ ہے کہ ان کی اکثر تحریریں زیور تحقیق سے آراستہ ہیں- ہماری جماعت میں علما، فقہا، قلم کاروں اور فن کاروں کی کمی نہیں ہے، لیکن ارباب تحقیق وتنقید کی قلت ہے- مولانا اسید الحق تحقیق وتنقید کے میدان میں جماعت کی طرف سے ایک طرح کا فرض کفایہ ادا کر رہے تھے مگر افسوس! وہ بہت جلد ہم سے رخصت ہو گئے- اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے-

تحقیق کسے کہتے ہیں؟

لغت میں تحقیق کہتے ہیں ''حق کو ثابت کرنا اور غلط امور کی نشان دہی کرنا'' اور ادب کی اصطلاح میں ''تحقیق ایک ایسے طرز مطالعہ کا نام ہے، جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے-'' (تحقیق کا فن، ص:۳، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ)

قاضی عبدالودود (ولد قاضی عبدالوحید خلیفۂ اعلیٰ حضرت بریلوی) کے بقول ''تحقیق کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے-'' (تحقیق کا فن، ص:۳)

دراصل تحقیق میں غیر معلوم حقائق کا علم حاصل کیا جاتا ہے اور معلوم حقائق کی تفتیش اور چھان بین کی جاتی ہے- یعنی جو حقائق ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں، انھیں کھوجنا اور منظر عام پر لانا- اسی طرح جو حقائق سامنے ہیں لیکن دھندلے ہیں- ان کے دھندلے پن کو دور کر کے انھیں ایک صاف وشفاف اور غبار آئینہ بنا دیا، یہ کام تحقیق اور محقق کا ہے-

محقق کے اوصاف:

ایک کامیاب محقق واسکالر کے اندر مندرجہ ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) حق گوئی (۲) غیر جانب داری (۳) اخلاقی بلندی (۴) محنت ومشقت کا جذبہ (۵) غیر مقلدانہ ذہن ومزاج (۶) مضبوط قوت حافظہ (۷) تاریخی شعور (۸) اردو کے علاوہ دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے واقفیت (۹) ادبی علوم سے آگاہی (۱۰) ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہونا-

ان کے علاوہ اور بھی اوصاف ہیں جن سے ایک محقق کو متصف ہونا ضروری ہے لیکن ''تلک عشرۃ کاملۃ'' کے مطابق صرف دس اوصاف شمار کرانے پر ہی ہم نے اکتفا کیا ہے-

اپنے آپ کو محقق کہلانا یا پھر کسی کو محقق جیسے بھاری بھر کم خطاب

سے یاد کرنا بہت آسان ہے، لیکن حقیقت میں یہ محقق ہونا سینے کے بل رینگنے کے مترادف ہے-

مندرجہ بالا اصول تحقیق کی روشنی میں جب ہم مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی فکر وشخصیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی ذات میں ایک ''عظیم محقق'' کا عکس جمیل صاف دکھائی دیتا ہے- تحقیق جو ایک ادبی مشغلہ سے زیادہ ایک مسلک، ایک ذہنی رویہ اور تلاش حق کی ایک منظم تحریک ہے، مولانا اسید الحق فکر وشعور کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد اس تحریک کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے تادم حیات منسلک رہے اور اپنے تحقیقی کارناموں سے ثابت کر دیا کہ یہ بدایونی شہزادہ بھی اکیسویں صدی کے اوائل میں جادۂ تحقیق کا ایک پرعزم اور تیز رفتار مسافر ہے- دقت نظر، گہری بصیرت اور وسعت مطالعہ تحقیق کے لازمی اجزا ہیں اور یہ چیزیں مولانا کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھیں- تحدیث نعمت کے طور پر ایک جگہ انھوں نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے- وہ اپنی کتاب ''احادیث قدسیہ'' میں لکھتے ہیں: ''میرے مخلص دوست اور کرم فرما مولانا منظر الاسلام ازہری جو دقت نظر اور وسعت مطالعہ میں مجھ سے فائق ہیں-''

یہ دراصل مولانا موصوف کی عاجزی تھی ورنہ دقت نظر اور وسعت مطالعہ میں اسید الحق صاحب، منظر الاسلام ازہری دام ظلہ سے فائق نہیں تو کم بھی نہیں تھے، تاہم سیاق عبارت سے اتنا تو طے ہے اسید صاحب کے اندر بھی دقت نظر اور مطالعہ کی وسعت پائی جاتی ہے- محقق بدایونی کی دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا اعتراف ہر ایک نے کیا ہے- چند سال پیشتر جب ماہ نامہ جام نور، دہلی کے صفحات پر ''خامہ تلاشی'' کے کالم میں اسید الحق صاحب اپنے رخ زیبا پہ ''ابوالفیض معینی'' کا نقاب اوڑھے اپنی تحقیق وتنقید کا فیض بانٹ رہے تھے، اسی وقت سے اہل علم کو مولانا کی علمی وجاہت اور ان کی تحقیقی لیاقت کا اندازہ ہو گیا تھا- اکابر علما ومشائخ تک آپ کے علمی لیاقت اور ادبی وتحقیقی مہارت کے معترف ہیں-

راقم الحروف نے جب جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالشکور صاحب قبلہ دامت برکاتہم کو اسید الحق صاحب کی شہادت ووفات کی خبر سنائی تو آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے اسی وقت فرمایا ''مولانا اسید بڑے قیمتی آدمی تھے-'' ایک بزرگ عالم ربانی کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے- اسید الحق صاحب واقعی قیمتی تھے- ایک قیمتی جوہر جس کی قدر ومنزلت کا اندازہ مردم شناس افراد ہی لگا سکتے ہیں-

مایۂ ناز اور کامیاب محقق کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ اس کے اندر محنت ومشقت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہو- اس جہت سے دیکھا جائے تو مولانا موصوف بڑے محنتی اور جفاکش انسان تھے- دوران تصنیف وتحقیق متعلقہ مواد کی فراہمی کے لیے اپنے شب وروز ایک کر دیتے تھے- کتابوں کی اوراق گردانی اور ہندوستان کی بڑی لائبریریوں کی خاک چھاننے میں انھوں نے اپنی زندگی کا ایک بیش قیمت حصہ صرف کیا- تب کہیں جا کے میدان تحقیق کے شہسوار بن کر چمکے- اس سلسلے میں محب گرامی جناب احمد جاوید صاحب (ایڈیٹر روزنامہ انقلاب) کا یہ مبنی بر حقیقت تاثر ملاحظہ کریں:

''کبھی یہ نوجوان پیرزادہ کچھوچھہ کی خانقاہ میں مخطوطات کو کھنگال رہا ہے، کبھی رام پور کی رضا لائبریری میں اوراق پارینہ سے علم کے موتی چن رہا ہے، کبھی بہار شریف، پھلواری شریف اور پٹنہ کی خانقاہوں اور کتب خانوں کا سفر کرتا ہے تو کبھی بمبئی اور حیدر آباد کے علمی مراکز میں سرگرداں ہے-''

محقق کے اوصاف میں سے ایک یہ بھی ہے ان کا ذہن وفکر مقلدانہ نہیں بلکہ مجتہدانہ ہو- کسی دانش ور کا قول ہے کہ ''ایمان بالغیب اور تقلید یہ مذہب میں جائز ہے، لیکن تحقیق میں تقلید ناجائز ہے-''

مولانا اسید الحق ازہری زندگی بھر اس تحقیقی اصول پر کاربند رہے- بہت ساری ضعیف اور موضوع روایات (احادیث) جو برسوں سے عوام وخواص میں مقبول ورائج تھیں- آپ نے فنی نقطۂ نظر سے ان پر کلام کیا اور اکابر پرستی (Hero Worship) کی قدیم روایت سے ہٹ کر اکابر کی کتابوں میں موجود ضعیف وموضوع روایات کو واضح کیا- تفسیر روح البیان جس کے مصنف ومفسر حضرت علامہ اسماعیل حقی قدس سرہ ہیں، اس کتاب کے بارے میں اسید صاحب نے اپنی ہمت وجرأت اور تحقیقی اصول کو اپناتے ہوئے برجستہ لکھا کہ ''اس کتاب میں بہت سارے مقامات آہ وفغاں اور بھی ہیں-''

غرض کہ اسید صاحب ایک مجتہدانہ فکر وذہن رکھنے والے محقق اور

اسلامی اسکالر تھے-مقلد ہوتے ہوئے بھی میدان تحقیق وتنقید میں غیر مقلدانہ ذہنیت کے حامل تھے اور یہ چیز ایک کامیاب تحقیق کے لیے ضروری ہے-حق گوئی اور غیر جانب داری بھی تحقیق کا ایک نمایاں پہلو ہے-آپ کی حق گوئی وبے باکی نے اچھے اچھوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا-قلم کے تقدس اور تحقیق جیسے پاکیزہ شعبۂ ادب کی حرمت کا آپ نے بہر گام خیال رکھا اور سامنے والوں کو اچھا لگے یا برا، اس کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ حق بات لکھی اور تحقیق کے اصول کا خیال کیا-تعصب اور جانبداری کی بلا سے اللہ بچائے!

اسید الحق قادری صاحب کی تحریر میں راقم الحروف نے ایک خاص وصف یہ پایا کہ ان کی تحریر میں تعصب، جانب داری اور علاقائیت کا متعفن عنصر شامل نہیں ہے اور یہ دراصل تحقیق کے اس اصول کی بجا آوری ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''محقق کی تحریر تعصب اور جانب داری سے پاک ہو-'' یعنی ایک دیانت دار محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ متعصب اور جانب دار ہو-

جام نور دہلی کے مقبول ترین کالم ''خامہ تلاشی'' میں محقق بدایونی مولانا اسید الحق ازہری (ابو الفیض معینی) نے تحقیق وتنقید اور تجزیہ وتبصرہ کے دوران ہر قسم کے مضامین پر اپنے گراں قدر تأثرات وآرا کا اظہار کیا ہے اور مضمون نگار کہاں کا باشندہ ہے؟

کس مدرسے کا فارغ ہے؟ اور کس خانقاہ سے وابستہ ہے؟ ان باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اور صرف مواد ومشمولات کا تحقیقی جائزہ لیا ہے اور یہ چیز اسید صاحب کے کمال فن اور تحقیقی اصول ومناہج سے ان کی گہری واقفیت کی دلیل ہے اور جہاں تک تحقیقی کارواں کو بحسن وخوبی منزل تک پہنچانے اور منصب تحقیق سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لیے ''تاریخی شعور'' کی بات ہے تو مولانا اسید الحق محقق بدایوں تاریخی شعور وادراک میں بھی اپنے اقران ومعاصرین میں فائق تھے-اس کا نمونہ ہمیں ان کی ان تحریرات میں نظر آتا ہے، جہاں انھوں نے اسمائے رجال پر محدثانہ اور محققانہ گفتگو کی ہے-

تحقیقی مضامین کا مجموعہ ''تحقیق وتفہیم'' اور ''خیر آبادیات'' آپ کے محققانہ فکر وذہن کی روشن دلیل ہیں-''قصیدتان رائعتان: ایک تحقیقی مطالعہ'' یہ گراں قدر علمی وتحقیقی مبسوط مقالہ مولانا اسید الحق قادری ازہری کے دور اخیر کی خوب صورت یادگار ہے-محقق بدایونی نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں قصیدے کا عروضی اور لسانی جائزہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر رشید عبیدی بغدادی کی شرح وتحقیق کا محققانہ اور ناقدانہ جائزہ لیا ہے، اس سے اسید صاحب کی تحقیقی عظمت کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے-

یہ کتاب ''قصیدتان رائعتان'' تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں سے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے-ص: ۱۵ تا ۱۰۰ یعنی ۸۶ صفحات پر مشتمل مولانا اسید الحق صاحب کا اس کتاب پر مبسوط تحقیقی مقدمہ ہے-مقدمہ کی سطر سطر سے مولانا اسید الحق صاحب کی فنی، لسانی اور عروضی مہارت عیاں ہے-سبحان اللہ! محقق ہو تو ایسا-ع

ایک مرکز پہ سمٹ آئے ہیں جوہر سارے

خلاصۂ کلام یہ کہ اسید صاحب عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ایک باکمال محقق اور بے مثال ناقد تھے-وہ کام کے انسان تھے اور تاحیات دینی، علمی اور تحقیقی کام انجام دیتے رہے-وہ خود بھی کام کرتے تھے اور کام کرنے والوں کو پسند کرتے تھے-یہی وجہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی دینی، علمی اور تصنیفی خدمات سے وہ بے حد متاثر تھے-

استاذ گرامی حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی دام ظلہ نے جس وقت ''التبنیہ المسدد '' لکھی تھی تو مولانا اسید الحق نے عربی میں خط لکھ کر انہیں مبارک باد پیش کی تھی-اسی طرح حضرت مولانا محمد ناظم علی مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ) نے جب ''أخطا ابن تیمیة '' کا اردو ترجمہ کیا اور راقم الحروف نے اس پر ماہ نامہ اشرفیہ میں تبصرہ لکھا تو مولانا اسید الحق قادری صاحب نے بذریعۂ فون اس کام کو سراہا اور راقم الحروف سے کہا کہ ''میری طرف سے مولانا ناظم علی مصباحی'' کو مبارک باد پیش کر دینا-''

دو سال قبل جب مجھے ''تفسیر عزیزی'' فارسی نسخہ کی ضرورت پڑتی تھی تو میں نے مولانا اسید الحق قادری بدایونی صاحب سے رابطہ کیا تھا-انھوں نے فرمایا کہ آپ بدایوں تشریف لائیں میں مطلوبہ فارسی نسخہ آپ کو مہیا کر دوں گا-

اللہ رب العزت انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اوران کے اہل خانہ کو صبر جمیل، آمین-□□□

☆ نائب مدیر: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی☆

علامہ اسید الحق بدایونی اور امام احمد رضا بریلوی

شہید بغداد مولانا اسید الحق قادری کے فرجد حضرت تاج الفحول بدایونی اور امام احمد رضا بریلوی علیہم الرحمۃ والرضوان دونوں ہی کا مشترک سرمایہ اور طرۂ امتیاز، اسلام وسُنیت کی خدمت، مارہرہ مطہرہ کی غلامی اور بدمذہبیّت کا رد وابطال تھا-بدایوں اور بریلی میں تقریباً پچاس کیلو میٹر کا زمینی فاصلہ ہونے کے باوجود وہاں کے رہنے والے دونوں بزرگوں کی شخصیتیں ایک دوسرے سے جدا نہیں تھیں، بلکہ وہ درحقیقت ایک ہی حقیقت کے دو مظہر تھے، جیسا کہ امام احمد رضا نے فرمایا ہے:

نہ تو مجھ سے جدا نہ میں تجھ سے
میں ترا تو مرا محبّ رسول
غلطی کی ترا مرا کیسا؟
تو مَنْ ومَنْ تو یا محبّ رسول

حضرت تاج الفحول کو ''تاج الفحول'' کا خطاب امام احمد رضا نے دیا تھا اور امام احمد رضا کی مجددیت کا اعلان تاج الفحول کے بڑے صاحبزادے صاحب الاقتدار حضرت مولانا عبد المقتدر نے فرمایا تھا-حضرت تاج الفحول کا وصال ہوا اور حضرت صاحب الاقتدار مسند آرائے سجادہ ہوئے تو ایک فرعی مسئلہ ''محل اذان'' میں، بدایوں کے بعض منتسبین کا بریلی سے اختلاف ہو گیا اور سوال وجواب ہونے لگے کہ اسی دوران حضرت صاحب الاقتدار علیہ الرحمہ نے جام وصال نوش فرمایا-ان دنوں امام احمد رضا سخت بیمار تھے؛ اس لیے خود جنازہ میں شریک نہیں ہو سکے اور اپنے بڑے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں کو قائم مقام کر کے بھیجا-

پھر تاج الفحول علیہ الرحمۃ کے چھوٹے صاحب زادے، عاشق الرسول حضرت مولانا عبد القدیر کا دور سجادگی آیا اور بغداد معلّٰی سے حضور غوث پاک کے ایک شہزادے بدایوں تشریف لائے تو بریلی سے امام احمد رضا کے چھوٹے صاحب زادے حضور مفتی اعظم علالت کی وجہ سے، شہزادے کو دعوت دینے خود نہ جا سکے تو حضرت عاشق الرسول کو شفارش کے لیے خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے خلوص ومحبت اور وداد ویگانگت کا مظاہرہ ہوتا ہے-خط کے الفاظ ہیں:

''حضرت رفیع الدرجت مولانا المکرّم ذی المُجد والکرم عاشق الرسول زیدت معالیہ!

بعد سلام، سنت اسلام، عرض مرام! طالب خیر بحمدہ تعالیٰ مع الخیر ہے-شاہزادۂ سرکارِ غوثیت کا ورود مسعودِ بدایوں معلوم ہوا-آپ کی قسمت قابلِ ہزار رشک ہے-اِمسال معذوری سے حاضری نہ ہوئی تو سرکار غوثیت مدار، آقائے نامدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرم فرمایا کہ شاہزادۂ والاتبار کو بھیج دیا-آپ نے کیسی عظیم دولت گھر بیٹھے پائی-آپ کی عنایت مبذول ہوئی اور شاہزادۂ سرکارِ قادری کا کرم ہوا، تو ان شاءَ المولیٰ، فقیرِ بے توقیر، اَدنیٰ گدائے کوئے حضور پُرنور غوث اعظم رضی اللہ عنہ بھی، اِس سرکاری کرم سے محروم نہ رہے گا......الخ

والسلام مع الاکرام
فقیر گدائے کوئے قادری
مصطفٰے رضا نوری غفرلہ

اور انہوں نے سفارش کر کے یہ دعوت منظور کرائی-اس طرح حضور غوث پاک کے وہ شہزادے بریلی بھی تشریف لائے-

یہ تو تاج الفحول اور ان کے صاحبزادگان اور امام احمد رضا اور ان کے صاحبزادگان کے خلوص ومحبت اور وداد ویگانگت کی صورت تھی-اب خود شہید بغداد، مولانا اُسید الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے تعلق خاطر اور محبت کے چند حوالے دیکھیے:

(۱)

استاذ گرامی امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ مدرسہ قادریہ، بدایوں سے دارالعلوم نورالحق، چرہ محمد پور، ضلع فیض آباد تشریف لائے تو مولانا اسیدالحق کو بھی ساتھ لیتے آئے- چند دنوں بعد حضرت امام علم وفن نے مجھ فقیر رضوی کو بلا کر تدریس کے لیے مامور فرمایا اور مولانا اسیدالحق کی تعلیم کا خصوصی ذمہ عطا کیا-

اس لیے مولانا نے مجھ فقیر رضوی سے بھی اصول فقہ اور علم کلام کی بعض کتابیں پڑھیں- پھر جب قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے مجبور کر کے مجھے ادارۂ شرعیہ بہار بلالیا اور اس کی خدمت سپرد کی تو مولانا اسیدالحق پورے طور پر حضرت امام علم وفن سے متعلق ہوگئے اور درس نظامی کی تکمیل کے علاوہ معقولات کی منتہی کتابیں پڑھ کر جامع ازہر مصر گئے-

اسی دوران ایک بار میں امام علم وفن سے شرف ملاقات کے لیے دارالعلوم نورالحق، چرہ محمد پور، حاضر ہوا تو بہت سے حضرات کی موجودگی میں مولانا اسیدالحق کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا ایک واقعہ سنایا، جس کی تصدیق مولانا کی مصر سے واپسی کے بعد مجھے خود ان کی زبانی بھی ہوگئی- واقعہ یہ تھا کہ مولانا نے بدایوں میں اپنے احباب کے درمیان برسبیل تذکرہ امام احمد رضا کو مجدد کہہ دیا تو خانقاہ قادریہ کے منتسبین میں سے ایک معروف شخص (جن کو مولانا سے حد درجہ تعلق خاطر تھا) نے کہا کہ آپ بھی اپنی زبان سے انہیں مجدد کہیں گے؟

تو مولانا نے برجستہ جواب دیا:

"جناب عالی! میں اپنے جد امجد کو تو جھوٹا نہیں کہہ سکتا یاد رکھیے کہ اُن کو پہلی بار بر سر اجلاس، اور اجلاس بھی وہ جس میں ملک بھر کے عمائد علما و مشائخ بالخصوص جد امجد کے والد گرامی حضرت تاج الفحول بھی موجود تھے، میرے جد امجد نے انہیں مجدد کہا ہے- اس لیے کان کھول کر سن لیجیے کہ اگر کوئی ان کی مجددیت کا انکار کر رہا ہے تو وہ درحقیقت میرے جد امجد کو جھٹلا رہا ہے اور میں اسے کبھی برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی میرے جد امجد کو میرے سامنے جھٹلائے- لہٰذا آئندہ کبھی اس طرح کی بات زبان پر لانے کی کوشش نہ کیجیے گا-"

(۲)

مولانا اسیدالحق مصر سے واپس آئے تو پہلے سے زیادہ دور اندیش اور بالغ نظر ہوچکے تھے- اہل سنت کی صفوں میں انتشار اور ان کے بالمقابل غیروں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار دیکھ کر مضطرب و بے قرار ہوگئے- اہل سُنّت میں اتحاد کے لیے سب سے پہلے خانوادۂ امام احمد رضا کا انتخاب فرمایا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے نظم "دوستی کا ہاتھ" لکھ کر شائع کرائی جو آپ کے سامنے ہے:

مرے عزیز مرے دوست میرے ہم سایہ
ہمارے بیچ جدائی کو اک صدی گزری
نہ تم کو مجھ پہ بھروسہ نہ مجھ کو تم پہ یقیں
اسی نفاق و عداوت میں زندگی گزری
وہ جس کا نقش کفِ پا ہمارے سینے میں
اسی کی یاد سے آباد تیرا سینہ ہے
وہ جس کے فیض سے ہم نے بلندیاں پائیں
اسی کا نام مبارک ترا وظیفہ ہے
ہماری کشت پہ برسا ہے جو سحاب کرم
اسی کے فیض کی بارش تمہارے آنگن میں
وہ جس کی بو سے معطر مشامِ جاں ہے مرا
اسی گلاب کی رنگت تمہارے گلشن میں
وہ بادہ خانہ جہاں ہم نے مے گساری کی
شراب تم بھی اسی میکدے کی پیتے ہو
ہے جس نگاہ کی مستی ہماری آنکھوں میں
اسی نگاہ سے مخمور تم بھی رہتے ہو
جو عندلیب مرے باغ میں چہکتا ہے
اسی کی نغمہ سرائی ترے گلستاں میں
وہ شمع جس سے منور ہے طاقِ دل میری
اسی کی ضو سے اجالا ترے شبستاں میں
وہ بجلیاں جو مرے آشیاں کو تکتی ہیں
وہی حریف تمہارے نگار خانے کی
تمہارا گلشن صد رنگ جس کی زد پر ہے

وہی خزاں ہے عدو میرے آشیانے کی
غرض کہ فرق نہیں کوئی ہم میں بنیادی
نہ فکر میں نہ عقیدے نہ دین و مذہب میں
نہ اختلاف خیالات کا نہ مسلک کا
نہ کوئی فرق ہمارے تمہارے مشرب میں
اگر یہ سچ ہے تو اے محترم حریف مرے
کوئی جواز نہیں ہم میں دشمنی کے لیے
"اگر تمہاری انا ہی کا ہے سوال تو پھر
چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لیے"

(۳)

جب نام نہاد عمل بر حدیث کے دعوے داروں نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ احادیث کے ہوتے ہوئے بھی مسائل شرعیہ کے استنباط میں محض اپنے قیاس و رائے سے کام لیتے تھے؛ کیوں کہ علم حدیث میں اُن کو بہت کم درک تھا تو ماضی بعید میں علامہ ابن ہمام اور علامہ نورالحق دہلوی اور ماضی قریب میں امام احمد رضا کے "جان پدر، بلکہ از جان بہتر" ملک العلما، سید ظفرالدین بہاری علیہ الرحمۃ نے "صحیح البہاری" لکھ کر ثابت کیا کہ امام ابوحنیفہ، بخاری و مسلم سمیت تمام محدثین حتیٰ کہ دوسرے ائمۂ مجتہدین سے بھی زیادہ احادیث کے جانکار اور ان پر عمل پیرا تھے- مجموعی طور پر تمام محدثین نے جتنی حدیثیں روایت کی ہیں ان سے کہیں زیادہ حدیثیں تنہا امام اعظم ابوحنیفہ سے مروی ہیں-

کہا جاتا ہے کہ بخاری شریف میں مکررات کے ساتھ سات ہزار سے کچھ زائد اور مکررات کو حذف کرنے کے بعد کم وبیش ساڑھے چار ہزار حدیثیں ہیں مگر امام اعظم ابوحنیفہ کی مرویات ستر ہزار سے زائد ہیں- ملا علی قاری نے امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھا ہے:

ان الامام ذکر فی تصانیفہ بضع وسبعین الف حدیث- بے شک امام نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں-

حضرت علامہ امیر یمانی کے بیان کے مطابق نفس متن کے اعتبار سے صحیح احادیث جن میں شرعی احکام کے علاوہ قصص وامثال، مستقبل کی پیشین گوئیاں، قرب قیامت کے آثار، قبر کے احوال اور حشر ونشر کے حالات سب بیان ہوئے ہیں، چار ہزار چار سو ہیں:

ان جملة الاحاديث المسندة عن النبي صلى الله عليه وسلم يعني الصحيحة بلاتكرار اربعة آلاف و ماة-

تو بلاشبہ معمول بہا حدیثیں جن کو اصطلاح میں "سنن" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس سے کم ہوں گی جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے مسائل کے تحت جو احادیث بیان فرمائی ہیں وہ نفس متن کے اعتبار سے بھی چار ہزار ہیں جس سے واضح ہے کہ تمام سنن یعنی معمول بہا حدیثیں جن سے احکام مرتب ہوتے ہیں، آپ کے پیش نظر تھیں-

امام اعظم تو امام اعظم ہی تھے، چودھویں صدی ہجری میں امام اعظم کے سچے جانشین "امام احمد رضا" جن کے بارے میں محافظ کتب حرم علامہ سید اسماعیل مکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

واللہ اقول والحق اقول: لوراها ابو حنيفة النعمان لأقرت عينه وجعل مؤلفه من جملة الاصحاب- میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور صحیح کہتا ہوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ آپ کے یہ فتاویٰ دیکھتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور وہ ان کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل کر لیتے-

ان کے تعلق سے بھی بعض غیر مقلدین اور ان کے ریزہ خواروں نے جب یہ کہا کہ حدیث دانی میں اُن کا پایہ کم تھا تو حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی پرنسپل جامعہ نوریہ، بریلی شریف نے امام احمد رضا کی تقریباً ایک ہزار کتابوں میں سے صرف تین سو کتابوں سے جو اُن کے دسترس میں آئیں، دس ہزار احادیث کا مجموعہ تیار کیا اور تخریج کے ساتھ "جامع الاحادیث" کے نام سے تقریباً چھ ہزار صفحات پر مشتمل دس جلدوں میں شائع کیا اور اس کی جلد: ۲ ص: ۲۵ میں مذکور حدیث:

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتہ جو رحم زن پر موکل ہے جب نطفہ رحم میں قرار پاتا ہے، اسے رحم سے لے کر اپنی ہتھیلی پر رکھ کر عرض کرتا ہے: اے رب میرے! بنے گا یا نہیں؟ اگر فرماتا ہے: نہیں! تو اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر رحم سے نکل جاتا ہے اور اگر فرماتا ہے ہاں! تو عرض کرتا ہے: اے میرے رب! اس کا رزق کیا ہے؟ زمین میں کہاں کہاں

چلے گا؟ کیا عمر ہے؟ کیا کام کرے گا؟ ارشاد ہوتا ہے: لوح محفوظ میں دیکھ کہ اس میں نطفہ کا سب حال پائے گا- پھر فرشتہ وہاں کی مٹی لاتا ہے جہاں اس کو دفن ہونا ہے، اسے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ زمین ہی سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں پھر ہم تمہیں لے جائیں گے''-

کے تعلق سے اپنے مقدمہ ص:۱۲ میں تحریر فرمایا:

''پوری کتاب میں صرف ایک حدیث ایسی ہے جس کا متن مجھے نہیں مل سکا- اس کے لیے بیاض چھوڑ دی گئی ہے کہ اگر کسی صاحب کو وہ متن مل جائے تو اپنے نسخہ میں تحریر کر لیں اور ہمیں مطلع فرمائیں، ہم شکریہ کے ساتھ آئندہ ایڈیشن میں شائع کر دیں گے-''

تو اِسی شہید بغداد مولانا اسید الحق مرحوم نے اس کی تخریج کی جو ماہ نامہ جام نور نومبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی- موصوف نے تحریر فرمایا:

''الحمد للہ! اس کا متن تلاش کرنے میں کامیابی نصیب ہوئی، اپنی تلاش و جستجو کا حاصل حاضر خدمت کرنے کی جرأت کر رہا ہوں- اگر درست ہو تو آئندہ ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے- حکیم ترمذی نے اپنی کتاب ''نوادر الاصول'' میں اس حدیث پاک کا ذکر فرمایا ہے-

حدیث کا متن یہ ہے:

ان الملك الموكل بالارحام ياخذ النطفة من الرحم فيضعها على كفه ثم يقول يارب مخلقة او غير مخلقة فان قال مخلقة قال ماالرزق ماالاثر ماالاجل؟ فيقال انظر فى ام الكتاب فينظر فى اللوح فيجد فيه رزقه واثره واجله وعمله ثم ياخذ التراب الذى يدفن فى بقعته فيعجن به نطفته فذلك قوله الكريم منها خلقنا كم وفيها نعيد كم-

اس حدیث کو حکیم ترمذی ہی کے حوالے سے امام سیوطی نے بھی اللآلی المصنوعة میں نقل کیا ہے- امام قرطبی نے بھی اس حدیث کو اپنی تفسیر میں حافظ ابو نعیم کے حوالے سے نقل کیا ہے- حکیم ترمذی اور ابو نعیم دونوں نے اس حدیث کو سیدنا ابن مسعود سے بطریق مرہ روایت کیا ہے- جامع الاحادیث میں نقل کردہ ترجمہ میں یہ جملہ بھی ہے کہ ''اگر فرماتا ہے نہیں تو اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر رحم سے نکل جاتا ہے-'' ہم نے اوپر جو متن نقل کیا ہے اس میں یہ جملہ نہیں ہے، قرطبی والی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں ہے، دراصل یہ جملہ ایک دوسری روایت میں موجود ہے جس کا ابتدائی حصہ تو ہماری نقل کردہ حدیث کے ہم معنی ہے مگر آخری حصہ ذرا مختلف ہے، اس کو امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن مسعود سے بطریق علقمہ روایت کیا ہے- وہ حدیث یہ ہے: النطفة اذا استقرت فى الرحم اخذها ملك بكفه فقال يا رب مخلقة او غير مخلقة فان قيل غير مخلقة لم تكن نسمة وقذفتها الارحام دماً وان قيل مخلقة قال اى رب ذكر او انثى شقى او سعيد، الى آخر الحديث حافظ ابن کثیر نے بھی اس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر کے حوالے سے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے- حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے: ''اسناده صحيح وهو موقوف لفظاً- اس حدیث کو حافظ ابن رجب حنبلی نے بھی نقل کیا ہے-''

(۴)

امام احمد رضا نے فتاویٰ رضویہ میں عمامہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حدیث: اعتموا خالفوا على الامم من قبلكم ذکر کیا ہے اور اس کا ترجمہ فرمایا ہے ''عمامے باندھو، اگلی امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے-''

اس پر ایک صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے اس ترجمہ کو غلط قرار دیا اور کہا کہ اس کا یہ ترجمہ صحیح نہیں کیوں کہ یہ حدیث عمامہ سے متعلق نہیں، بلکہ عشا کی نماز سے متعلق ہے، اس لیے صحیح ترجمہ یہ ہے: ''عشا کی نماز کو پہلی تہائی رات میں ادا کرو-'' مگر اس کا جواب، ہم خواجہ تاشان رضویت میں ایک سے بڑھ کر ایک محدث اور فاضل موجود رہنے کے باوجود کسی نے نہیں دیا، اس کا جواب اسی شہید بغداد نے لکھ کر ماہ نامہ ''جام نور'' میں شائع کرایا جس سے معترض کا مُنھ بند اور قلم خاموش ہوا- انہوں نے ''حدیث عمامہ پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ'' کے

زیر عنوان لکھا:

''امام بیہقی نے اپنی کتاب ''شعب الایمان'' میں خالد بن معدان سے ایک مرسل حدیث پاک نقل فرمائی ہے:

اعتموا خالفوا على الامم من قبلكم-

مذکورہ حدیث کو امام سیوطی نے جامع صغیر اور متقی الہندی نے کنز العمال میں بھی نقل کیا ہے- اس حدیث کے پہلے لفظ ''اعتموا'' میں دو احتمال ہو سکتے ہیں: (۱) یہ ''اِعتِمام'' (باب افتعال) سے مشتق ہے، اس صورت میں اس کو ''اِعتَمّوا'' پڑھا جائے گا، اور اس کا ترجمہ ہوگا ''عمامہ باندھو''- (۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ''اِعتام'' (باب افعال) سے مشتق ہے اس صورت میں اس کو ''اَعتِمُوا'' پڑھا جائے گا، اور اس کا معنی ہوگا ''عشا کی نماز کو پہلی تہائی رات میں ادا کرو-''

فتاویٰ رضویہ میں اسی حدیث کو فضائلِ عمامہ کے باب میں ذکر کیا گیا ہے اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: ''عمامے باندھو، اگلی امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے-'' حدیث کا یہ ترجمہ بالکل درست اور حدیث کے سیاق و سباق کے عین مطابق ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، مگر ایک معاصر فاضل و محقق نے اس ترجمہ کو ''حدیث کی غیر معتبر توجیہ'' قرار دیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

''کسی معتبر ذریعہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس حدیث کا فضائلِ عمامہ کے باب سے بھی کچھ تعلق ہے- دراصل ''اعتموا'' کے لفظ سے وہم ہوتا ہے کہ یہ باب ''اعتمام'' سے مشتق ہے، جو عمامہ باندھنے کے معنی میں ہے، حالاں کہ وہ باب ''اعتام'' سے مشتق ہے اور حدیث مذکور میں عشا کی نماز کے متعلق یہ حکم جاری کیا گیا ہے کہ اسے تہائی رات کے پہلے حصے میں ادا کیا جائے-''

اپنے دعوے کے ثبوت میں فاضلِ محترم نے علامہ عزیزی کی السراج المنير شرح الجامع الصغير اور علامہ عبد الرؤف المناوی کی فيض القدير شرح الجامع الصغير کا حوالہ بھی دیا ہے- علامہ عزیزی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اعتموا بفتح الهمزه وسكون العين المهملة وكسر المثناة الفوقانية اى اخروا صلاة العشاء الى العتمة-

ترجمہ: اعتموا میں ہمزہ پر زبر، عین ساکن، تا پر زیر- معنی یہ ہے کہ عشا کی نماز کو پہلی تہائی رات تک مؤخر کرو-''

اس کے بعد فاضل محترم نے فیض القدیر سے علامہ مناوی کی ایک طویل عبارت نقل فرمائی ہے، اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''علامہ مناوی کی اس پوری بحث کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کا تعلق عمامہ سے نہیں ہے، بلکہ اس میں نماز عشا کی اہمیت و افضلیت کا بیان ہے-''

اس کے بعد فاضل محترم نے ابو داؤد شریف کی ایک حدیث سے اس معنی کی تائید پیش کی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

''فاضل بریلوی نے حدیث کا جو ترجمہ پیش کیا ہے وہ غالباً علامہ مناوی کی اس تحریر سے متأثر ہے وقيل هو اعتموا اى البسوا العمائم ويؤيد السبب الآتى عليه ففيه ان التعميم من خصائص هذه الامة مگر یہ ضعیف قول چند وجوہ سے باطل ہے''-

اس کے بعد فاضلِ محترم نے اس ''ضعیف قول'' کے باطل ہونے کی پانچ وجوہ ذکر کی ہیں- فاضل محترم کی پوری بحث پڑھنے کے بعد بادی النظر میں ایسا لگتا ہے کہ واقعی یہاں صاحبِ فتاویٰ رضویہ سے ترجمہ کرنے میں تسامح ہوا ہے، لیکن اس بے بضاعت راقم الحروف نے جب اس حدیث کا تحقیقی مطالعہ کیا تو مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے- (۱) اس حدیث پاک کا عشا کے وقت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ عمامہ کی فضیلت ہی میں وارد ہوئی ہے- (۲) فتاویٰ رضویہ میں مذکور ترجمہ بالکل درست ہے- (۳) جن شارحین نے اس حدیث کو عشا کی فضیلت سے متعلق کیا ہے انہوں نے صرف حدیث کے ایک جز کو پیش نظر رکھا اور حدیث کے سیاق و سباق پر غور نہیں فرمایا- اب ہم ان تینوں امور کا دلائل کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں- .... ہم نے ابتدا میں ذکر کیا تھا کہ یہ

حدیث شعب الایمان، جامع صغیر اور کنز العمال میں موجود ہے، کافی تلاش کے باوجود فی الحال ان تین کتابوں کے علاوہ اور کہیں اس حدیث کی موجودگی کا علم راقم کو نہیں ہے، جامع صغیر اور کنز العمال دونوں میں اس حدیث کے بعد ''ھب'' کا نشان بنایا گیا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ مذکورہ دونوں کتابوں میں اگر ''ھب'' کی علامت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے، گویا اس حدیث کا اصل ماخذ ''شعب الایمان'' ہے-
اب اگر عشا کے وقت سے اس حدیث کا ذرا بھی تعلق ہوتا تو امام بیہقی اس کو'' باب مواقیت الصلاۃ'' یا ''باب فضائل العشاء'' وغیرہ کے تحت ذکر کرتے لیکن شاید آپ کو حیرت ہوگی کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو''باب فی الملابس والاوانی'' (کپڑوں اور برتنوں کا باب) میں درج کیا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس کو اس باب میں ''فصلٌ فی العمائم'' (فصل عمامہ کے بارے میں) کے تحت رکھا ہے- یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام بیہقی کے نزدیک بھی یہ حدیث عمامہ سے متعلق ہے-

اس حدیث کے فضائل عمامہ سے متعلق ہونے کی سب سے بڑی دلیل اس کا سیاق وسباق ہے، اگر سیاق وسباق پر غور کر لیا جائے تو پھر کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے- جامع صغیر اور کنز العمال میں اس حدیث کا صرف ایک جز مذکور ہے (اس کی وجہ آگے آ رہی ہے) مگر اس حدیث کے اصل ماخذ ''شعب الایمان'' میں یہ پوری حدیث نقل کی گئی ہے- ملاحظہ فرمائیے:

خالد بن معدان قال اُتی النبی ﷺ بثیاب من الصدقة فقسمھا بین اصحابه فقال 'عتموا خالفوا علی الامم من قبلکم- ترجمہ-: خالد بن معدان نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس صدقہ کے کچھ کپڑے آئے تو آپ نے ان کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرما دیا اور فرمایا: اعتموا الی آخرہ) حدیث پاک کو اگر اس سیاق وسباق کی روشنی میں ملاحظہ کریں تو اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق عمامہ سے ہے- حضور ﷺ کا اپنے صحابہ کو کپڑے تقسیم فرماتے ہوئے (جن میں عمامہ کا ہونا عین قرین قیاس ہے-) ارشاد فرمانا کہ '' اعتموا'' اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ لفظ اعتموا سے عمامہ باندھنے کا حکم فرما رہے ہیں- اگر بالفرض یہاں اعتموا سے عشا کی نماز مراد ہو تو پھر راقم الحروف حدیث کے ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان کوئی ربط سمجھنے سے قاصر ہے، کیوں کہ کپڑے تقسیم فرمانے اور عشا کی نماز کے وقت کی فضیلت بیان کرنے میں بظاہر کوئی ربط نظر نہیں آتا-
امام سیوطی نے جامع صغیر میں صرف ''احادیث قولیہ'' ذکر کرنے کا التزام فرمایا ہے، لہٰذا آپ نے حدیث کا پہلا جز (کپڑے تقسیم فرمانا) جس کا تعلق ''حدیث فعلی'' سے ہے، اس کو چھوڑ کر صرف وہ جز نقل فرمایا جو'' حدیث قولی'' ہے یعنی اعتموا الخ اب چوں کہ جامع صغیر کی ترتیب ابواب وفصول پر نہیں ہے بلکہ حدیث قولی کے پہلے حرف کا اعتبار کرتے ہوئے حروف معجم کی ترتیب پر احادیث کو درج کیا گیا ہے لہٰذا اگر کسی حدیث کے کسی لفظ میں کوئی ایسا ابہام یا احتمال ہے جس کی بنیاد پر اس حدیث کے باب یا موضوع کے تعین میں دشواری ہو تو صرف جامع صغیر دیکھ کر حتمی طور پر یہ طے نہیں کیا جا سکتا کہ اس حدیث کا تعلق کس باب سے ہوگا، جامع صغیر کی اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے امام علی بن حسام الدین چشتی برہان پوری المعروف بالمتقی الہندی نے کتاب ''کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال'' تالیف فرمائی، جس میں امام سیوطی کی تین کتابوں جامع صغیر، جامع کبیر اور زیادۃ الجامع کی احادیث کو ابواب وفصول پر ترتیب دیا، ابواب و فصول کی یہ ترتیب گویا مذکورہ تین کتابوں میں موجود احادیث کی شرح کی منزل میں ہے- مصر کے بلند پایہ محدث اور ازہر شریف میں شعبۂ حدیث کے پروفیسر علامہ عبدالمہدی عبد القادر کنز العمال کی اس خوبی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شریف میں شعبۂ حدیث کے پروفیسر علامہ عبدالمہدی عبد القادر کنز العمال کی اس خوبی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جمع احادیث الجامع الصغیر وزوائدہ وبوبھا علی حسب الابواب الفقھیة، وتلك الابواب والفصول والتراجم بمنزلة الشرح للاحادیث۔ (ترجمہ: جامع صغیر کی احادیث کو جمع کیا اور پھر ابواب فقہیہ کے اعتبار سے ان کی تبویب کی، یہ ابواب، فصلیں اور تراجم احادیث کی شرح کی منزل میں ہیں-) اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر جامع صغیر کی کسی حدیث کے باب کے تعین میں اختلاف ہو تو اس کے تصفیہ کے لیے کنز العمال سے رہنمائی لی جا سکتی ہے- اب دیکھنا یہ ہے کہ جامع صغیر کی زیر بحث حدیث کو علامہ برہان پوری نے کنز العمال میں کس باب کے تحت درج کیا ہے؟
کنز العمال میں تیسرا باب لباس کے بیان میں ہے (الباب الثالث فی اللباس) اس باب میں دو فصلیں ہیں، پہلی فصل لباس کے آداب کے بیان میں ہے (الفصل الاول فی آدابه) اس فصل میں چند فروع ہیں، ان میں ایک فرع کا عنوان ہے: ''فرع فی العمائم'' اس فرع میں عمامہ کے متعلق چند احادیث درج کی گئی ہیں، جن میں پانچویں حدیث یہی زیر بحث حدیث ہے [۷] گویا صاحب کنز العمال کے نزدیک بھی عشا کے وقت سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث عمامہ کے باب سے متعلق ہے-
فاضل محترم نے جامع صغیر کی دو شروح (السراج المنیر للعزیزی اور فیض القدیر للمناوی) کا حوالہ بھی دیا ہے- مذکورہ دونوں شروح اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں اور یہ درست ہے کہ ان میں اس لفظ کی تشریح اس کو ''اعتام'' سے مشتق مان کر کی گئی ہے، لیکن جامع صغیر کے ایک اور جلیل القدر شارح علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد المتبولی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس کو عمامہ کے متعلق ہی تسلیم کیا ہے- آپ نے ''الاستدراك النضیر'' کے نام سے جامع صغیر کی شرح فرمائی ہے، اس کا ایک نایاب مخطوطہ ازہر شریف کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اس کے متعلقہ صفحے کی فوٹو کاپی ہمارے پیش نظر ہے، اُس میں آپ اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے- ''قال اعتموا ای تعمموا یعنی البسوا العمامة قال خالفوا علی الامم الخ فیه الامر بمخالفة من قبلنا حیث لم یرد فی شرعنا وان من قبلنا کانوا لایعتمون وسببه کما فی الشعب اتی النبی ﷺ بثیاب من الصدقة فقسمھا بین اصحابه وقال اعتموا خالفوا فذکرہ وروی ابن عدی والبیھقی من طریق خالد بن معدان عن عبادۃ مرفوعاً علیکم بالعمائم فانھا سیما الملائکة وارخوا لھا خلف ظھورکم ولو قیل متن الحدیث جید بھٰذہ الطرق لم یبعد وفیه ندب لبس العمائم خصوصاً عند ارادۃ الصلاۃ ونحوھا-''
کیا اس واضح عبارت کے بعد بھی اب اس بات میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق عمامہ سے نہیں ہے-
ان سب حوالوں سے قطع نظر اگر عربی لغت اور زبان کے محاورات کی رو سے اس معاملہ کا جائزہ لیا جائے تو بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس حدیث میں ''اعتموا'' سے عمامہ باندھنا ہی مراد ہے- اس لیے کہ ''اَعتَمَ'' کا معنیٰ ''صلیٰ العشاء فی العتمة'' (اس نے رات کی پہلی تہائی میں عشا کی نماز پڑھی-) محل نظر ہے، بلکہ ''اعتم'' کا معنیٰ ''دخل فی العتمة'' (وہ رات کی اول تہائی میں داخل ہوا-) ہے، لغت کی معتبر کتاب مختار الصحاح میں ہے ''اَعتَمنا من العتمة کاصبحنا من الصبح'' خود فاضل محترم نے علامہ مناوی کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس میں بھی یہی ہے- ''یقال اعتم الرجل اذا دخل فی العتمة کما یقال اصبح اذا دخل فی الصباح'' لہٰذا اگر اول تہائی شب میں عشا کی نماز پڑھنے کا مفہوم ادا کرنا ہو تو صرف ''اعتم'' کافی نہیں ہوگا، بلکہ اس کے بعد ''ب'' حرف جر کے صلے کے ساتھ لفظ

اس کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں، مثلاً امام احمد اپنی مسند میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اَعتَم رسول اللّٰہ ﷺ بالعشاء" مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے "اَعتَم نبی اللّٰہ ﷺ ذات لیلۃ بالعشاء" چونکہ عشا کی نماز کو بھی "العتمۃ" کہا گیا ہے، لہٰذا صحیح ابن حبان میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کے الفاظ یہ ہیں: "اَعتَم رسول اللّٰہ ﷺ بالعتمۃ" دیکھا آپ نے جہاں بھی "عشا کی نماز اول تہائی شب میں ادا کرنے" کا مفہوم بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہاں صرف "اَعتَم" کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ عشا یا صلاۃ وغیرہ بھی لانا ضروری ہوتا ہے، فاضل محترم نے ابو داؤد شریف کی جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں بھی ترکیب کی یہی نوعیت ہے: "اَعتِمُوا بھٰذہ الصلوٰۃ" اس کے برخلاف جہاں صرف "اَعتَم" ہوتا ہے، اس سے عشاء کی نماز نہیں بلکہ رات کے تہائی حصے میں داخل ہونا مراد ہوتا ہے، مثلاً امام احمد اپنی مسند میں اور ابن خزیمہ اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "ان رسول اللّٰہ ﷺ اَعتَمَ ذات لیلۃ حتیٰ ذھب عامۃ اللیل وحتیٰ نام اھل المسجد فخرج فصلیٰ" اس حدیث پاک میں "اَعتَم" بغیر صلے کے استعمال ہوا ہے لہٰذا یہاں اس سے عشا کی نماز نہیں بلکہ رات کے پہلے تہائی حصے میں داخل ہونا مراد ہے- اس پر قرینہ یہ ہے کہ اگر آپ اس "اعتم" سے "صلیٰ العشاء فی العتمۃ" مراد لیں تو حدیث کے آخری الفاظ "فخرج فصلیٰ" بے معنیٰ ہو کر رہ جائیں گے- ہمیں تلاش بسیار کے باوجود کوئی ایسی روایت نہیں مل سکی جس میں صرف "اَعتَم" ہو اور وہاں عشا کی نماز اول تہائی شب میں پڑھنا مراد ہو- اب اس وضاحت کی روشنی میں اگر زیر بحث حدیث پر غور کیا جائے تو اس میں بھی لفظ "اَعتِموا" حرف جار "ب" اور مجرور "عشا" یا "صلاۃ" کے بغیر آیا ہے اس لیے عربی لغت اور محاورے کی رو سے یہاں "اَعتِموا" سے "صلوا العشاء فی العتمۃ" مراد لینا درست معلوم نہیں ہوتا، لہٰذا یہاں "اَعتِموا" نہیں بلکہ "اِعتَمّوا" پڑھنا درست ہونا چاہیے، کیونکہ "اِعتَمّوا" بغیر کسی صلے کے عمامہ باندھنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے-

ان تمام دلائل کے بعد بھی ہم یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ "علامہ مناوی اور علامہ عزیزی نے اس حدیث کی غیر معتبر توجیہ کی ہے"، کیوں کہ ممکن ہے ان حضرات کے پاس اس توجیہ کی کوئی ایسی وجہِ ترجیح ہو جس تک ہماری ناقص نگاہ نہیں پہنچ پا رہی ہے-

ہم نے ابتدا میں ذکر کیا تھا کہ فاضلِ محترم نے اس حدیث سے عمامہ مراد ہونے کو پانچ وجوہ سے باطل کیا ہے، ان پانچوں وجوہ پر بھی گفتگو ہو سکتی ہے، مگر ان جلیل القدر ائمۂ فن کی تصریحات اور لغت کی شہادت کے بعد اب ہمارے خیال میں ان وجوہ پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی-"

(جامِ نور دسمبر ۲۰۰۶ء)

(۵)

حدیث میں ہے کہ "عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے ایک فرقہ نجات یافتہ ہوگا باقی تمام فرقے جہنمی ہوں گے-"

"امت" کی دو قسمیں ہیں: (۱) امت دعوت (۲) امت اجابت- اسی طرح جہنمی بھی دو طرح کے ہوں گے- (۱) جو ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے- (۲) جو جہنم میں اپنے کیے کی سزا پا کر بالآخر اس سے نکل آئیں گے- اکثر شارحین حدیث نے اس حدیث کے تحت لفظ "امت" سے مراد "امت اجابت" لے کر "جہنمی" کے تعلق سے بڑی بحثیں کی ہیں- جن حضرات کے نزدیک یہاں جہنمی سے مراد 'ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہنا' ہے، ان کے نزدیک جو حضرات دعویٔ ایمان کے ساتھ کفر کے مرتکب ہیں جیسے شیعوں کا وہ طبقہ جو قرآن کو ناقص مانتا ہے، وہابیوں کا وہ طبقہ جو حضور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کو شرعاً ممکن بتاتا ہے، وغیرہ وغیرہ، وہ

امت اجابت میں ہونے کے باوجود ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے- اور جن حضرات کے نزدیک یہاں جہنمی سے مراد "جہنم میں اپنے کیے کی سزا پا کر اس سے نکل آئیں گے-" ہے، ان کے نزدیک دعویٔ ایمان کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرنے والے امت اجابت میں داخل ہی نہیں رہتے ہیں، امت اجابت سے نکل کر امت دعوت میں داخل ہو جاتے ہیں- شارحین کے اس اختلاف سے ایک نیا اختلاف رونما ہوتا ہے کہ حدیث پاک میں جن بہتر فرقوں کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے، آیا وہ بہتر فرقے کفار و مرتدین کے ہیں یا صرف اہل بدعت اور گمراہوں کے؟ اول الذکر حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں ہوں گے اور موخر الذکر حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ وہ اپنے کیے کی سزا پا کر جہنم سے نکل آئیں گے-

بلاشبہ ہر فریق کے پاس اپنے اپنے موقف پر دلائل ہیں، اس لیے کسی بھی موقف کو بالکلیہ غلط و باطل نہیں کہا جا سکتا ہے، البتہ راجح و مرجوح کی بات الگ ہے- محقق دوانی، امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، مولانا عبد الحلیم، مولانا محمد نعیم، مولانا عبد الحی فرنگی محلی، مولانا انوار اللہ فاروقی، اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث پاک میں جن بہتر فرقوں کے جہنمی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے، وہ بہتر فرقے ہمیشہ ہمیش جہنم میں نہیں رہیں گے، بلکہ اپنے کیے کی سزا پا کر جہنم سے نکل آئیں گے- چنانچہ مکتوبات امام ربانی جلد سوم صفحہ ۶۷ مطبع نول کشور لکھنؤ مکتوب نمبر ۶۷ میں ہے:

"باید دانست کہ مراد از قول آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ و السلام کہ در حدیث تفریق ایں امت بہ ہفتاد و دو فرقہ واقع شدہ است کلھم فی النار الا واحدۃ دخولِ شان است در نار و مکثِ شان است در عذاب آں، نہ خلود در نار و دوام در عذابِ آں کہ منافی ایمان است و مخصوص بکفار است-" جاننا چاہیے کہ سرور عالم ﷺ کہ ارشاد مبارک کلھم فی النار الا واحدۃ جو حدیث افتراق امت میں آیا ہے اس سے مراد ان کا جہنم میں داخل ہونا اور عذاب میں کچھ وقت گزارنا ہے نہ کہ خلود فی النار اور عذاب میں ہمیشہ ہمیش رہنا، جو ایمان کا منافی اور کفار کے ساتھ مخصوص ہے-"

مولانا عبد الحی کے مجموعہ فتاویٰ ۱/۸۹ مطبع یوسفی ۱۳۱۴ھ میں ہے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا تھا کہ بعد میرے امت میری کے تہتر فرقے ہو جائیں گے، ایک ناجی اور سب ناری ہوں گے- آیا ناری سے مراد کفار ہیں یا مسلمان فاسقان؟ کہ بہ سبب عصیاں کے دوزخی ہو جائیں گے- بعضے کہتے ہیں کہ سب اہل ہوا کافر ہیں، ایک فرقہ مسلمان ہے جس کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں-

الجواب: کتب عقائد اور فقہ میں اس طرح لکھا ہے کہ بہتر فرقے جو اہل ہوا ہیں ایک بھی کافر نہیں-

اس فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے مولانا محمد نعیم فرنگی محلی لکھتے ہیں: فی الواقع حدیث افتراق امت میں ناری سے مراد مسلمین فاسقین ہیں، شامت عصیاں سے دوزخ میں جاویں گے-"

اس موقف پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بہتروں فرقے اگر جہنم سے نکل آئیں تو پھر اہل سنت کے وہ افراد جو اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں جائیں گے اور ان جہنمی فرقوں میں فرق کیا ہوگا؟ حضرت محقق دوانی شرح عقائد جلالیہ صفحہ ۱۴ مطبع علویہ لکھنؤ ۱۲۷۰ھ میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کلھا فی النار من حیث الاعتقاد فلا یرد انہ لو ارید الخلود فیھا فھو خلاف الاجماع فان المؤمنین لا یخلدون فی النار و ان ارید بہ مجرد الدخول فھو مشترک بین الفرق اذ مامن فرقۃ الا و بعضھم عصاۃ بہتر فرقے عقیدے کے اعتبار سے دوزخی ہوں گے، لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ مسلمان بالاجماع ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے- اور اگر اس سے مراد جہنم میں جا کر اپنے کیے کی سزا پا کر نکل آنا ہے تو یہ بات تمام فرقوں میں مشترک ہے، کیوں کہ ہر فرقے میں کچھ نہ کچھ گناہ گار ضرور ہیں-"

حاشیہ میں مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی فرماتے ہیں

"وجہ عدم الورود انا نختار الشق الثانی ای مجرد الدخول فی النار و لا نسلم انہ مشترک بین الفرق

فان دخول الفرق الهالكة فی النار من حیث الاعتقاد، و افراد الفرقة الناجیة وان تدخل فی النار لکنهم لا یدخلون من حیث الاعتقاد بل ان دخلوا فمن حیث العمل-اعتراض اس لیے نہیں پڑے گا کہ ہم دوسری شق یعنی جہنم میں جاکر اپنے کیے کی سزا پانے کے بعد نکل آنا مراد لیتے ہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کہ یہ بات تمام فرقوں میں مشترک ہے ؛ اس لیے کہ ہلاک ہونے والے فرقوں کا جہنم میں جانا ان کے عقائد کی وجہ سے ہوگا اور فرقۂ ناجیہ کے افراد اگر دوزخ میں جائیں گے تو عقائد کی وجہ سے نہیں، عمل کی وجہ سے جائیں گے-''

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ صفحہ ۱۹/۱۷ افضل المطابع کلکتہ ۱۲۵۲ھ میں فرماتے ہیں:

''مراد بدخول نار ونجات ازاں بجہت عقیدہ است نہ عمل، والا دخول فرقۂ ناجیہ در نار بجزائے عمل نیز جائز است-ایں فرق ہمہ اہل قبلہ اند وتکفیر آنہا مذہب اہل سنت و جماعت نہ، اگرچہ کفر بر آنہا لازم آمد-

ان فرقوں کے جہنم میں داخل ہونے اور اس سے نجات پانے سے مراد یہ ہے کہ وہ عقیدے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے عمل کی وجہ سے نہیں-ورنہ عمل کی وجہ سے فرقۂ ناجیہ کا بھی جہنم میں جانا ممکن ہے-یہ تمام فرقے اہل قبلہ ہیں، مذہب اہل سنت کے مطابق ان کی تکفیر نہیں ہوگی، اگرچہ ان پہ کفر لازم آتا ہو-''

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۲۶/۲۵ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ میں فرماتے ہیں:

علما پنج، شش جواب ازیں شبہ نوشتہ اند کہ در شرح عقائد ملا جلال وحواشی آں مذکور و مسطور اند-ومنتخب اجوبۂ مذکورہ سہ جواب است-جواب اول کہ ارجح واقویٰ ست جواب محقق دوانی است کہ باختیار شق ثانی جواب دادہ اند-حاصلش آں کہ مراد دخول است من حیث الاعتقاد فرقہ ناجیہ را اصلاً از جہت اعتقاد دخول نار نخواہد شد، اگرچہ از جہت تقصیرات عمل در نار داخل شوند-

علما نے اس شبہ کے پانچ چھ جوابات دیے ہیں، جو شرح عقائد ملا جلال اور اس کے حواشی میں مذکور ہیں-ان جوابات میں سے تین جواب منتخب ہیں-پہلا جواب جو سب سے زیادہ راجح اور قوی ہے، وہ محقق دوانی کا جواب ہے جو انہوں نے شق ثانی کو اختیار کر کے دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دخول من حیث الاعتقاد مراد ہے اور فرقۂ ناجیہ اعتقاد کی وجہ سے جہنم میں میں نہیں جائے گا، اگرچہ عمل میں کوتاہی کی وجہ سے دوزخ میں جائے-''

امام احمد رضا نے بھی فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۲۴۷ تا ۲۴۸ میں مندرج رسالہ سبحن السبوح کے تازیانہ ۱۱، ۱۲، ۱۳ کے تحت تکمیل جمیل میں شاہ اسماعیل دہلوی کا رد کرتے ہوئے یہی موقف اپنایا ہے، فرماتے ہیں:

اقول: او جھوٹی نظیروں سے بے چارے عوام کو چھلنے والے! اس تفرقہ کی سچی نظیر دیکھ: مسلمان کو، اہل بدعت کے بہتر فرقے پورے گنا کر کہیے: رافضی، وہابی، خارجی، معتزلی، جبری، قدری، ناصبی وغیرہ نہیں تو بے شک اس کی بڑی تعریف ہوئی اور بعینہ یہی کلمات کسی کافر کے حق میں کہیے تو کچھ تعریف نہیں-حالاں کہ یہ سالبہ قضیے دونوں جگہ قطعاً صادق-تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمان باوجود قدرت رافضی، وہابی ہونے سے بچا، لہٰذا محمود ہوا-اور اس کافر کو رافضی، وہابی ہونے پر قدرت ہی نہ تھی لہٰذا مدح نہ ٹھہرا؟ کوئی جاہل سا جاہل یہ فرق نہ سمجھے گا بلکہ تفرقہ وہی ہے کہ جب یہ فرقے اہل قبلہ کے ہیں تو مسلمان کے حق میں ان بہتر کی نفی، سُنّی ہونے کا اثبات کرے گی، لہٰذا اعظم مدائح سے ہوا اور کافر سرے سے مقسم یعنی کلمہ گوہی سے خارج، تو ان کی نفی سے کسی وصف محمود کا اس کے لیے اثبات نہ نکلا، ولہٰذا مفید مدح نہ ٹھہرا-''

مولانا اسید الحق نے بھی اپنی کتاب ''حدیث افتراق امت'' میں اسی موقف کو راجح قرار دیتے ہوئے اختیار کیا ہے، لکھتے ہیں:

''گزشتہ صفحات میں ہم نے زیر بحث حدیث میں ''فی النار'' سے دخول فی النار مراد لینے کے لیے اکابر علمائے اہل سنت کے حوالے پیش کیے تھے، لہٰذا ہم بھی..........کے دامن میں پناہ لیتے ہوئے یہاں ''فی النار'' سے ''دخول فی النار'' مراد لینے ہی کو ترجیح دیتے ہیں-''

(۶)

دو سال پہلے میں نے بنگال کے اپنے ادارہ میں آل بنگال مدارس کے طلبہ کا اردو، عربی، انگریزی اور بنگلہ زبانوں میں مختلف عناوین پر تحریری و تقریری مسابقہ کرایا تھا، جس میں جج کی حیثیت سے شہید موصوف بھی تھے-مسابقہ کے اختتام پر انہوں نے اپنی تقریر میں اعلی حضرت امام احمد رضا کے تعلق سے جو کچھ کہا تھا اس کی یاد آج بھی سامعین کے ذہنوں میں تازہ ہوگی اور میری معلومات کی حد تک کسی نے بھی اعلیٰ حضرت سے متعلق اس طرح کی بات نہیں کہی ہے-انہوں نے کہا تھا:

''حضرات! سو سال پہلے میرے جد امجد کی پٹنہ کانفرنس میں بزبان اردو فرمائی ہوئی بات کی صدائے بازگشت آج یہاں کے طلبہ کی اردو کے ساتھ عربی، انگریزی اور بنگلہ کی تحریروں اور تقریروں میں پا کر میں بے حد مسرور ہوا-......اعلیٰ حضرت مجدد تھے تو اس کا ادراک سب سے پہلے میرے ہی جد امجد کو ہوا اور انہوں نے ہی دنیا کو اس سے باخبر کیا-.......اعلیٰ حضرت اس لیے اعلیٰ حضرت نہیں تھے کہ اُنہوں نے ڈھیر ساری کتابیں لکھیں، ڈھیر ساری کتابیں تو بہت سے لوگوں نے لکھی ہیں مگر اُن کو اعلیٰ حضرت کوئی نہیں کہتا-اعلیٰ حضرت کی ڈھیر ساری کتابیں نہیں ہوتیں، صرف الفضل الموهبی، اجلی لاعلام ان الفتوىٰ مطلقاً علی قول الامام اور آداب التخریج یہ تین کتابیں ہی ہوتیں تو بھی اُن کے اعلیٰ حضرت ہونے کے لیے کافی تھیں-''

(۷)

عراق کے نامور ادیب وشاعر اور محقق و ناقد جناب ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن عبیدی نے ''قصیدتان رائعتان'' مصنفہ امام احمد رضا پر ''شاعر من الهند'' کے عنوان سے تحقیقی کام کیا تو جہاں انہوں نے اس کے محاسن کا کھلے دل سے اعتراف کیا، وہیں اپنی سمجھ کے مطابق کچھ نحوی، لغوی اور عروضی خامیوں کی بھی نشان دہی کی تو ہم خواجہ تاشان رضویت ہزار دعوائے عقیدت کے باوجود کچھ نہ کر سکے اور اسی شہید بغداد نے بڑھ کر امام احمد رضا کی محبت کا حق ادا کیا اور ''قصیدتان رائعتان'' کا اردو ترجمہ اپنے ایک شاگرد سے کرا کر اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا، جس میں ان قصائد کی موضوعاتی، فکری، عروضی محاسن کو دکھاتے ہوئے ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن عبیدی کے اعتراضات کی حقیقت واضح کی ہے اور حوالوں میں علم اللغات، علم العروض اور علم النحو کی معتمد و مستند کتابوں کے ساتھ ساتھ عرب کے نامور شعرا امرأ القیس، ابو التمام اور راعی النمیری وغیرہ کے اشعار پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ اعتراضات دراصل عراق کے اس نامور ادیب و شاعر اور محقق و ناقد جناب ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن عبیدی کی امام احمد رضا کے مدارک علمی تک نارسائی کا نتیجہ ہیں-

خلاصۂ کلام یہ کہ مولانا اسید الحق کی تحریر و تقریر اور گفتار و کردار سے یہ بات کہیں دور دور تک نظر نہیں آتی کہ انہیں امام احمد رضا قادری بریلوی یا خانوادۂ رضویہ سے کسی طرح کا کوئی تعصب ہو-وہ مثبت فکر و مزاج کے حامل ایک علمی اور عملی انسان تھے اور ہر علمی اور عملی آدمی کو پسند کرتے تھے، اس لیے ان سے یہ بہت بعید تھا کہ تعصب، عناد، فتنہ پروری اور نفاق جیسے سفلی جذبات ان کو چھو کر بھی گزرتے-اس بات سے ان کا قد اور بھی بلند ہو جاتا ہے کہ اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بعض نادان دوست ان پر تحریر و تقریر میں اوچھے حملے بھی کیا کرتے تھے، لیکن مولانا موصوف ایسی مذبوحی حرکتوں کے رد عمل میں ہمیشہ خاموش ہی رہے اور کبھی بھی جواب آں غزل کا رنگ اختیار نہیں کیا-وہ ہر صورت میں جماعت میں اتحاد چاہتے تھے اور وہ اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے-

□□□

☆ بانی ومہتمم: جامعہ نوریہ، شام پور، رائے گنج ضلع اتر دیناج پور (بنگال)
email:mmrizvi@gmail.com

شہباز عالم مصباحی☆

مولانا اسید الحق قادری اور 'جام نور'

جام نور کی نشاۃ ثانیہ:

اپنے بڑے بزرگوں سے سنا، پڑھا اور خود کا بھی اعتراف ہے کہ ماضی قریب میں جماعت اہل سنت میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کی شخصیت رہبر و رہنما کی حیثیت سے تسلیم کی گئی اور آج بھی تسلیم کی جاتی ہے، لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ عمومی طور پر اعلیٰ حضرت سے جماعت کا لگاؤ جذباتی اور رسمی ہی رہا، حقیقی، واقعی اور معنوی لگاؤ سے جماعت کوسوں دور ہی رہی- میرے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ کم از کم اعلیٰ حضرت نے فروغ اہل سنت کے لیے جو دس نکاتی پروگرام مرتب کیا تھا، اس پر ہوشمندوں کی ایک چھوٹی سی تعداد کو چھوڑ کر عام طور سے جماعت نے عمل نہیں کیا- اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتوں میں جماعت نے اعلیٰ حضرت کی علمی، تحقیقی، تدقیقی اور اجتہادی روش کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا سمجھنے کے باوجود دیدہ و دانستہ اپنے ذاتی مفادات کے پیش نظر اپنی ایک الگ ڈگر بنائی جو عندالتحقیق 'روش رضا' سے لگا نہیں کھاتی- یہی بات ایک لمبے عرصے سے جماعت کی نوجوان نسلوں کو ستا رہی تھی جس کا شدید احساس خاص طور سے مدیر جام نور محترم مولانا خوشتر نورانی کو ہوا اور اس خاص احساس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی رگوں میں جماعت کی عبقری شخصیت رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا خون دوڑ رہا ہے اور آپ کی آنکھوں میں جماعت کے لیے علامہ کے دیکھے ہوئے خواب سجے ہوئے ہیں- اسی احساس کے پیش نظر مولانا خوشتر نورانی نے اکتوبر ۲۰۰۲ء میں جام نور کی نشاۃ ثانیہ کی-

جام نور کے سویں شمارے میں رسالۂ ہٰذا کی نشاۃ کے تعلق سے مدیر محترم نے اداریہ میں ''چند سوالات پوری توانائی کے ساتھ اپنے جوابات کے منتظر تھے، وہ یہ ہیں'' کے ذیل میں جو باتیں لکھی ہیں، آپ کو ان میں اعلیٰ حضرت کے دس نکاتی پروگرام کی ہی بازگشت سنائی دے گی- یہ اور بات ہے کہ اسلوب منفرد اور خوشترانہ ہے- مزید اطمینان کے لیے محولہ بالا اداریہ پڑھ سکتے ہیں- آغاز نشاۃ یعنی اکتوبر ۲۰۰۲ء سے جام نور مسلسل جماعت کے فکری رویوں میں تبدیلی لانے کی مثبت کوشش کر رہا ہے، ہر جہت سے جماعت میں فراموش کردہ اسلامی انقلاب لانے کی دعوت دے رہا ہے اور ہر جگہ کہنے سے زیادہ کرنے کا پیغام پہنچا رہا ہے- جام نور کا یہ سلسلہ جاری ہے اور دعا ہے کہ یہ جام صدیوں تک جماعت کے میخانوں میں پلایا جاتا رہے-

علامہ اسید الحق قادری اور جام نور:

روز آغاز سے ''بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چل'' ماہ نامہ جام نور کی پالیسی رہی جس سے مدیر جام نور کے دیرینہ رفیق، ممتاز ناقد و محقق، شہید بغداد، عالم ربانی، علامہ اسید الحق عاصم قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمہ بخوبی واقف تھے، بلکہ ایک حد تک اس پالیسی کے وضع میں خود علامہ عاصم قادری بھی شریک تھے، جسے مولانا خوشتر نورانی صاحب بہتر طور پر بتا سکتے ہیں اور اگر شریک نہیں بھی تھے تو اس پالیسی سے انہیں پورا اتفاق تھا جو شریک ہونے کے برابر ہے- اسی پالیسی کے پیش نظر اور پھر خود اپنی عقابی فکر کے باعث علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری شروع ہی سے جام نور کے صفحات پر قارئین کے روبرو بہت کم نالۂ درد اکثر دوائے دل جیسے وہ مقالات/ خیالات/ تنقیدات/ مکتوبات/ منظومات لے کر حاضر ہوئے جن سے خصوصاً اہل سنت کے قارئین کی فکر و نظر کو نئی جلا ملی، نئے گوشے دکھے، نئی سمتیں سوجھیں اور زبان و ادب کے صحیح معیار معلوم ہوئے-

علامہ عاصم قادری کی ان تمام کوششوں کے پیچھے جماعت کی عظمت رفتہ کی بحالی کے عوامل ہی کارفرما تھے، نہ کہ وہ ان سے اپنے ہمالیائی معلوماتی ذہن اور اپنی قلمی و فکری بصیرت کا جماعت سے اعتراف

کروانا چاہتے تھے، بلکہ درحقیقت وہ مخلصانہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن تھے اور جماعت اہل سنت کے اکابرین کی علمی، فقہی، تحقیقی، تدقیقی، تجدیدی، دعوتی، اصلاحی، عملی اور سماجی طرز کی پیروی کر رہے تھے، جس سے پوری جماعت کو بالعموم اور نئی نسل کو بالخصوص یہ درس دے رہے تھے کہ تقریباً ایک صدی پہلے اگر ہندوستان بھر میں جماعت اہل سنت کے وابستگان کی تعداد ۹۰ یا ۹۵ فی صد تھی تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس دور کے ہر فرد اکابر دین و دعوت، علم و عمل، فکر و بصیرت، فقہ و فتاوی، عقیدہ و کلام، قرآن و علوم قرآن، حدیث و رجال، تصوف و اخلاق، تاریخ و سیر، نقد و نظر، شعر و سخن، زبان و ادب کے خود جلوہ ریز و نور بیز پیکر جمیل تھے نہ کہ صرف 'پدرم سلطان بود' کے نام نہاد علمبردار- اس لیے اگر وہی پرانے دن لوٹانے ہیں تو پھر اسی قدیم تعمیری طرز کی باخلاص پیروی کرنی ہوگی، یہ اور بات ہے کہ 'شراب کہن در جام نو' کا اصول اپنانا ہوگا- اس فکر کے ساتھ جام نور کا آغاز ہوا اور جلد ہی اس فکر نے جام نور کے پلیٹ فارم سے تحریک کی شکل اختیار کر لی- اس تحریک کے قائدین میں علامہ اسید الحق سرفہرست تھے، انھوں نے اس پلیٹ فارم سے اُس فکر کو عام کرنے کے لیے اور امت کی فکری اور علمی تشکیل نو کے لیے مسلسل لکھنا شروع کیا، بلکہ اگر یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ انھوں نے تعلیم سے فراغت کے بعد ''جام نور'' کے علاوہ کسی دوسرے رسالے کے لیے مستقل، مسلسل اور خصوصی طور پر کچھ نہیں لکھا- جام نور میں انہی مضامین اور مقالات کی اشاعت سے ان کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا- خود علامہ عاصم قادری کے بقول جامعہ ازہر، مصر جانے سے پہلے وہ اردو میں خوب لکھتے تھے جو انہی کی خانقاہ سے جاری ماہ نامہ 'مظہر حق' میں شائع ہوتے تھے، مصر جانے کے بعد اردو میں لکھنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور حواس پر عربی سوار ہو گئی، البتہ جام نور کے مدیر مولانا خوشتر نورانی کے کافی اصرار پر انہوں نے اردو میں دوبارہ لکھنا شروع کیا اور پھر پوری جلوہ سامانی کے ساتھ لکھتے گئے-

سب سے پہلے جام نور، مئی ۲۰۰۳ء میں ان کی ایک نظم 'نالۂ درد' کے عنوان سے شائع ہوئی اور آخری تحریر 'شرح قصیدتان رائعتان: ایک تنقیدی مطالعہ' اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں قسط وار چھپی- یہاں علامہ بدایونی کے اُن مضامین، مقالات اور نظموں کی فہرست دی جا رہی ہے جو جام نور میں شائع ہوئے :- اس فہرست میں ممکن ہے کہ کوئی مقالہ شمار میں آنے سے رہ گیا ہو، جسے میری ناقص تلاش کا نتیجہ سمجھا جائے-

۱- تصویر کا ایک رخ (اپریل، ۲۰۰۴ء) ۲- ابوریحان البیرونی (جون، ۲۰۰۴ء) ۳- دعوت و تبلیغ کے لیے خانقاہی نظام کتنا مؤثر ہے؟ (جون، ۲۰۰۴ء) ۴- عربی اور اردو محاورات کا تقابلی جائزہ (جولائی، ۲۰۰۴ء) ۵- ہم نامی کا مغالطہ (اگست، ۲۰۰۴ء) ۶- مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی (ستمبر، ۲۰۰۴ء) ۷- آج اہل خانقاہ کی نئی نسل تعلیم سے دور کیوں ہے؟ (دسمبر، ۲۰۰۴ء) ۸- فضیلۃ الشیخ السید محمد علوی المالکی: ایک تأثر (جنوری، ۲۰۰۵ء) ۹- دوستی کا ہاتھ (نظم) (جنوری، ۲۰۰۵ء) ۱۰- الحاد سے ایمان تک (فروری تا مارچ، ۲۰۰۵ء) ۱۱- حدیث افتراق امت: تحقیقی مطالعے کی روشنی میں (مئی تا اگست، ۲۰۰۵ء) ۱۲- تلاش عظمت رفتہ: خانوادۂ عثمانیہ بدایوں کی آٹھ سو سالہ زریں تاریخ کے پس منظر میں (ستمبر، ۲۰۰۵ء) ۱۳- نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیت (اکتوبر، ۲۰۰۵ء) ۱۴- متن حدیث کی بازیافت (نومبر، ۲۰۰۵ء) ۱۵- تبرک بالآثار کے خلاف ایک روایت کا علمی جائزہ (دسمبر، ۲۰۰۵ء) ۱۶- نماز میں رفع الیدین کے مسئلہ پر ایک دلچسپ مباحثہ (جنوری، ۲۰۰۶ء) ۱۷- یوسف القرضاوی اور جماعت سلفیہ (فروری، ۲۰۰۶ء) ۱۸- ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام (اپریل، ۲۰۰۶ء) ۱۹- جماعت اہل سنت کا حقیقی تعارف کیا ہے؟ (مئی، ۲۰۰۶ء) ۲۰- جماعت سلفیہ کے لیے دعوت فکر (جون، ۲۰۰۶ء) ۲۱- قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ (اگست تا نومبر، ۲۰۰۶ء) ۲۲- فتاوی رضویہ کی عبارت پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ (دسمبر، ۲۰۰۶ء) ۲۳- کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟ (جون تا جولائی، ۲۰۰۷ء) ۲۴- مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی (اگست، ۲۰۰۷ء) ۲۵- اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر (اکتوبر، ۲۰۰۷ء) ۲۶- تحفظ توحید کے نام پر کتب اسلاف میں تحریف (دسمبر، ۲۰۰۷ء) ۲۷- پروفیسر ایوب قادری کی سخن گستری سخن فہمی کے تناظر میں (فروری، ۲۰۰۸ء) ۲۸- کشف الظنون: ایک تحقیقی مطالعہ (جون، ۲۰۰۸ء) ۲۹- احادیث قدسیہ: ایک تحقیقی جائزہ (نومبر، ۲۰۰۸ء) ۳۰- ہم نامی کا مغالطہ (نومبر، ۲۰۰۸ء) ۳۱- سیدنا

شاہ ابوالحسین احمد نوری کی بارگاہ میں حاضری (دسمبر، ۲۰۰۸ء) ۳۲-لبیک اللھم لبیک (فروری، ۲۰۰۹ء) ۳۳-تشہد کے سلسلے میں ایک مغالطے کا تحقیقی جائزہ (مارچ، ۲۰۰۹ء) ۳۴-مطبع اہل سنت وجماعت بریلی: تاریخی پس منظر (مئی، ۲۰۰۹ء) ۳۵-دینی کام کے معنی اور تقاضے کیا ہیں؟ (جولائی، ۲۰۰۹ء) ۳۶-سرور کائنات امت کے احوال سے باخبر ہیں (اگست، ۲۰۰۹ء) ۳۷-مولانا ابوالکلام آزاد کا تسامح (اکتوبر، ۲۰۰۹ء) ۳۸-دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے (اپریل، ۲۰۱۰ء) ۳۹-شمس مارہرہ اور رسالہ آداب السالکین (جون، ۲۰۱۰ء) ۴۰-شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم (ستمبر، ۲۰۱۰ء) ۴۱-تقریروں میں موضوع روایات ایک لمحۂ فکریہ (اکتوبر ونومبر، ۲۰۱۰ء) ۴۲-فضل حق، فضل رسول اور آزردہ (دسمبر، ۲۰۱۱ء) ۴۳-خانوادۂ خیرآباد کی اہل علم خواتین (جولائی، ۲۰۱۱ء) ۴۴-علامہ فضل حق خیرآبادی کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں (اگست، ۲۰۱۱ء) ۴۵-علامہ فضل حق خیرآبادی: ایک تحقیقی جائزہ (ستمبر، ۲۰۱۱ء) ۴۶-علامہ فضل حق خیرآبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی (اکتوبر، ۲۰۱۱ء) ۴۷-عربی محاورات وتعبیرات: ایک جائزہ (نومبر، ۲۰۱۱ء) ۴۸-سندالمتکلمین مولانا حیدر علی فیض آبادی (جون، ۲۰۱۲ء) ۴۹-فرزدق تمیمی کا قصیدۂ میمیہ: ایک تحقیقی مطالعہ (اگست، ۲۰۱۲ء) ۵۰-خانوادۂ قادریہ بدایوں اور خانوادۂ علیمیہ: تعلقات و روابط (جنوری، ۲۰۱۳ء) ۵۱-قصیدۂ بانت سعاد: ایک تحقیقی مطالعہ (فروری و مارچ، ۲۰۱۳ء) ۵۲-مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضریٰ (اپریل، ۲۰۱۳ء) ۵۳-شمس مارہرہ اور سراج الہند: علمی و روحانی روابط (مئی، ۲۰۱۳ء) ۵۴-تو کجا بہر تماشہ می روی (نومبر، ۲۰۱۳ء) ۵۵-شرح قصید تان رائعتان: ایک تنقیدی مطالعہ (اکتوبر تا دسمبر، ۲۰۱۳ء)-

یہ وہ بیش بہا فکر انگیز وملت ساز مقالات ونگارشات ومنظومات ہیں جنھیں ہماری جماعت میں موضوع قلم وسخن بنانا تو دور کی بات سوچا بھی نہیں جاتا تھا-اس سے پہلے تو ہم (باستثنائے بعض) صرف ثبوت میلاد، فاتحہ، قیام، عرس، نذر و نیاز، چادر وغیرہ پر 'خامہ فرسائی' کرتے تھے جو کہ جماعت کا صرف ایک مباحی واستحبابی گوشہ تھا نہ کہ فرضی وواجبی ذمہ داری اور اس پر مستزاد یہ کہ ہم اپنی ان 'مبارک تحریروں' کو ہمدوش ثریا گردانتے تھے-خدا مولانا اسید الحق قادری کے درجات ہزاروں ہزار بلند فرمائے کہ انہوں نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور ہمیں لکھنے پڑھنے کا صحیح شعور عطا کردیا-ان کے علاوہ مدیر جام نور مولانا خوشتر نورانی کے پیہم اصرار پر علامہ عاصم قادری نے جام نور میں اپریل ۲۰۰۵ء سے دسمبر ۲۰۰۶ء تک ''خامہ تلاشی'' کے عنوان سے جو کالم لکھے اس کی مثال مذہبی صحافت میں عنقا ہے-خوشتر صاحب کے بقول:

''اس کالم نے خامہ تلاش کی فکر ونظر کی برنائی، منفرد اسلوب تحریر، ظرافت اور نقد و بحث کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے مذہبی صحافت کی تاریخ میں مقبولیت اور اثرات کا نیا ریکارڈ قائم کیا-''

(ماہ نامہ جام نور، سواں شمارہ، اداریہ، ص:۸)

''خامہ تلاشی'' کی بے انتہا مقبولیت کے وجوہات بقول حضرت سید محمد اشرف قادری مارہروی، یہ تھے:

''(خامہ تلاش کا) گہرا علم، وسیع معلومات، سخن فہمی، عمدہ نثر کا استعمال، صحت زبان، منطقی طریقۂ کار، طنز کا شائستہ انداز، ظریفانہ ذوق، بے باکی (گستاخی نہیں)، احساس توازن، پاس اعتدال، ''خیال خاطر احباب''......اور ظرف نگاہ''

(خامہ تلاشی، پشت ورق)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کے زاویۂ نظر سے خامہ تلاش کی بڑی خوبی یہ تھی کہ:

''شعر وادب کے تعلق سے وہ جو بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں جس کے لیے ان کے پاس ٹھوس دلائل ہیں اکثر اسے بھی وہ اپنی فہم ناقص کے حوالے کردیتے ہیں، یوں مخاطب یا مشار الیہ کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے، قارئین رسالہ کی معلومات میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے اور بدگمانی بھی راہ نہیں پاتی-''

(ماہ نامہ جام نور، سواں شمارہ، ص:۳۸)

خامہ تلاش کی مذکورہ تمام خوبیوں کے اثرات کو باشعور اہل قلم نے قبول کیا اور بہت سے اہل قلم ان کے اسلوب نقد کی تقلید کی کوشش کرنے لگے اور اس طرح علمی دنیا میں ایک صحت مند علمی وفکری انقلاب آیا-

مولانا خوشتر نورانی جام نور کے اس عہد کو ''دور زریں'' قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کالم کی وجہ سے ''اس کے قارئین کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا اور اس کی شہرت ہند و پاک کے وسیع حلقے تک پہنچ گئی-'' (ماہ نامہ جام نور، سواں شمارہ، اداریہ، ص:۸)

علامہ عاصم قادری نے جام نور کے تمام اہم کالمز جیسے اداریہ، پس منظر و پیش منظر، شخصیات اسلام، تحریری مباحثہ، حالات حاضرہ، تذکار، روبرو، جہان ادب، اظہار خیالات، حاصل مطالعہ، قلبی واردات، دیوان عام، منظومات، آپ نے کہا، کو اپنی قیمتی تحریروں سے زینت بخشی اور جام نور کو یہ شرف حاصل رہا کہ علامہ کی تمام تحریریں (دو چار مقالات چھوڑ کر) اولین طور پر اسی میں شائع ہوئیں-اصل میں علامہ عاصم قادری جام نور کو اپنا رسالہ سمجھتے تھے اور اس سے اپنوں جیسی محبت کرتے تھے جو کہ ان کے تعمیر پسند ذہن کی دلیل تھی، کیونکہ انہیں جام نور سے اس علمی و فکری انقلاب کی آہٹ محسوس ہو رہی تھی جسے ان کی آنکھیں عملی دنیا میں ہمہ جہت انداز میں دیکھنے کی منتظر تھیں اور جس کی طرف وہ انفرادی طور پر بڑی تیزی سے قدم بڑھا رہے تھے-

مدیر جام نور سے تعلقات:

یہ بہت ہوتا ہے کہ دو دیرینہ رفیق کچھ دور چل کر رقیب بن جاتے ہیں اور رقیب بھی ایسے کہ ان کی رقابت کے سامنے عداوت شرمندہ ہو جائے، لیکن رفاقت میں رقابت کا یہ مرض ان افراد کے مابین حائل ہوتا ہے جن کا رشتۂ رفاقت خلوص پر مبنی نہ ہو، بلکہ اس کی ترجیحات میں ذاتی مفادات ہوں-ظاہر ہے جو دوستی مفادات پر مبنی ہو وہ مفادات کے غائب ہونے سے خود بھی غائب ہو جائے گی، لیکن اسی دنیا میں ذاتی مفادات سے پاک خالص ومخلص دوستوں کی ایک ایسی تعداد بھی ہمیشہ رہی ہے، جن کی دوستی سدا بہار ہوتی ہے، لوگ ان کی دوستی پر رشک کرتے ہیں اور حوالے کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہی دوستیاں کبھی یہ گمان بھی دے جاتی ہیں کہ دوستی ہر رشتے سے بڑھ کر ہے-علامہ اسید الحق قادری سے مدیر جام نور کے تعلقات بھی ''خالص دوستانہ'' تھے، اس دوستانہ تعلق میں درج بالا سے یکسر مختلف ایک خاص قسم کی رقابت بھی تھی، لیکن یہ رقابت معاصرانہ تھی، رشک کی حد تک تھی، حسد، کینہ اور بغض جیسی نصیب دشمناں بیماریاں اس میں نہ تھیں-یہی وہ رقابت ہے جو مذموم نہیں، بلکہ محمود کہلاتی ہے اور اسے رقابت نہیں، بلکہ خوشتر صاحب کے لفظوں میں کمال رفاقت کا نام دیا جا سکتا ہے-ان کی یہ ''خالص دوستی'' کیسے اور کب شروع ہوئی اسے مدیر جام نور ہی کے حسین لب ولہجے میں ملاحظہ کریں:

''۱۹۹۱ء میں میرے دادا محترم (علامہ ارشد القادری) نے مجھے امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب سے اکتساب علم کے لیے مدرسہ قادریہ بدایوں بھیجا، اس وقت میری عمر کوئی پندرہ سولہ برس ہوگی، اس بے ریشی کی عمر میں نہ تو خانوادۂ عثمانی کی علمی جلالت وشوکت کا اندازہ تھا، نہ مدرسہ قادریہ کی درسگاہی قدامت اور مرکزیت کا علم اور نہ ان دونوں سے تاریخ کے بے رحمانہ سلوک کا سراغ-اس عہد ناواقفیت میں پہلی بار اس مدرسے ہی میں اپنی ہی عمر کے ایک وجیہ اور پر وقار نوجوان کو دیکھا، دیکھتا رہ گیا-چہرے پر بلا کی جاذبیت نے مجبور کیا کہ اس کا اتا پتا معلوم کروں، معلوم ہوا کہ یہ حضرت صاحب سجادہ کے فرزند ''اسید الحق'' ہیں، جنھیں پیار سے احباب واقارب اور مریدین ومتوسلین ''بھیا'' کہتے ہیں......

ان کی آنکھوں میں تیرتی ذہانت، چہرے پر پُر وقار تمکنت اور پیشانی سے پھوٹتی خاندانی مجد وشرافت کی کرن نے دل میں اسی وقت مجھ سے سرگوشی کی کہ یہ نوجوان آگے چل کر یقیناً ایک نئی تاریخ رقم کرے گا-'' (خامہ تلاشی، ص:۷)

خوشتر صاحب کے شخصیت شناس ذہن کا یہ اندازہ سو فی صد درست ثابت ہوا اور یقیناً ان کے اس بلند نصیب ساتھی نے علمی، فکری، قلمی اور عملی میدانوں میں ہر جہت سے ایک نئی پیش رفت کی جس کے نتائج خیز اثرات کسی بھی پیش رفت کے سامنے آتے ہی محسوس کیے گئے اور اب ایک لمبے عرصے تک جماعت کی زلف برہم کو سنوارنے والے تعمیر پسند افراد کے درمیان محسوس کیے جاتے رہیں گے-اس کے ساتھ اس بانصیب نے بارگاہ صمدیت سے ایک انوکھی موت حاصل کر کے میدان اجل میں بھی ایک قابل فخر جھنڈا نصب کرنے کا شرف حاصل کیا جو یقیناً لائق صد رشک ہے-

مدرسہ قادریہ کے بعد ان دونوں دوستوں کے درمیان تعلیمی انہماک اور معاصرانہ رقابت میں اول آنے کی کوشش میں ایک وقتی عدم ربطگی بھی رہی، لیکن پھر ۲۰۰۳ء میں ماہ نامہ جام نور ہی کے حوالے سے دونوں دوستوں کے پرانے اور دیرینہ تعلقات استوار ہوئے اور اب

ایسے استوار ہوئے کہ پھر عدم ربطگی کو دوبارہ مجال گستاخی نہ ہوئی۔

یہ دیرینہ رفیق جب مصر سے لوٹے تو خوشتر صاحب کی مسرتوں کی انتہا نہ تھی، جس کا اظہار انہوں نے شمارۂ جام نور اکتوبر ۲۰۰۴ء میں کیا۔

تعلقات کے استوار ہوتے ہی دونوں دوستوں نے سیکڑوں جماعتی وملی اور علمی مسائل میں افکار وخیالات کے تبادلے کیے، ایک دوسرے کی فکری رہنمائی کی، فکری ہم آہنگی تو پہلے ہی سے تھی اور اب دونوں نے اپنی انفرادیت کے ساتھ جماعت کی تعمیر وترقی اور اس کی عظمت رفتہ کی بحالی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا، جس کے لیے دونوں نے عملی جہتیں متعین کیں اور ہر جگہ دونوں ایک دوسرے کے دست وباز و بنے نظر آئے۔ اس ہم خیال ودستگیر رفیق کے اچانک چلے جانے سے خوشتر صاحب کو جو تکلیف اور غم لاحق ہوا ہوگا وہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا، کسی شاعر کے بقول:

جانے کو تو جائے گا جو آیا ہے عدم سے
افسوس تو اس کا ہے وہ پہلے گئے ہم سے

لیکن شاید مولانا اسید الحق اپنی اس ناگہانی شہادت سے خوشتر صاحب کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لو دوست میں نے اس پاکیزہ رشتۂ رفاقت کو حیات جاوداں بخش دی، جسے اب کسی کی نظر بد نہیں لگ سکتی۔ اب خوشتر صاحب جب تک رہیں گے اس خلد بداماں دوست کی یادوں کی شمع ان کے سینے میں فروزاں رہے گی اور ہزاروں محفلوں خاص طور سے میخانۂ جام نور میں گاہے بگاہے چراغاں بھی ہوتے رہیں گے۔

مولانا اسید الحق قادری مدیر جام نور کی نظر میں:

مدیر جام نور مولانا خوشتر نورانی کی نظر میں علامہ اسید الحق عاصم قادری کا کیا مقام ومرتبہ تھا، وہ انہیں صرف اپنا ہم مرتبہ دوست مانتے تھے، یا ہر جہت سے اپنے سے فزوں تر یا پھر فائق اقران۔ آیئے اس بات کا جائزہ علامہ عاصم قادری کے لیے مولانا خوشتر نورانی کی لکھی تحریروں سے ہی لیتے ہیں۔ جام نور، شمارہ ستمبر ۲۰۰۴ء میں علامہ عاصم قادری سے لیے گئے انٹرویو کے لیے لکھے تعارفی باکس میں مدیر جام نور نے یوں اعتراف حقیقت کیا ہے:

''ہندو پاک میں خانقاہوں کے علمی وروحانی روایتوں کے دور انحطاط میں موصوف کی بلند پایہ فکر، علمی اٹھان، تحقیقی مزاج اور قابل تقلید موروثی اوصاف یقیناً آج مسند نشینان خانقاہ کے شہزادوں کے لیے عبرت انگیز بھی ہے اور قابل رشک بھی، جس کا ثبوت آپ نے اپنی عالمانہ تحریروں کے ذریعہ جام نور کے صفحات میں فراہم کردیا ہے۔ اپنے قلم سے ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کو یہ خراج کسی رفاقت ومحبت کا نتیجہ نہیں بلکہ حقیقت کا ایک برملا اعتراف ہے۔''

کتاب ''خامہ تلاشی'' کے آغاز میں خوشتر صاحب نے ابتدائی کلمات تحریر کیے ہیں جو ''سرگزشت رقابت'' کے عنوان سے ہیں، جس میں وہ لکھتے ہیں:

''۲۰۰۵ء کے اوائل میں جام نور کے ذریعے نئی نسل کی علمی، فکری اور قلمی رہنمائی کے لیے جب میرے ذہن میں ایک نئے کالم 'خامہ تلاشی' کا پلاٹ تیار ہو رہا تھا تو اس کی انجام دہی کے لیے سب سے مشکل مرحلہ تھا ''شخصیت کا انتخاب''، میں نے سوچا، مذہبی ادب میں 'نقد ونظر' تلوار کی دھار پر چلنے کا فن ہے، اس کے لیے بصیرت، ظرافت اور گہری نظر کے ساتھ جملہ علوم متداولہ اور زبان وبیان پر درک ہونا چاہیے اور اس دور قحط الرجال میں بظاہر ایسی صفتوں پر مشتمل شخصیت کا ملنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہے۔ اس تعلق سے میں نے بہت غور وفکر کیا، لیکن حیرت ہے کہ جب جب غور کرتا تو گھوم پھر کر ایک ہی شخص ذہن کی اسکرین پر جم جاتا، وہ شخص کوئی اور نہیں اسید الحق تھے۔''

اسی ''سرگزشت رقابت'' میں لکھتے ہیں:

''اب میرے لیے کوئی چارہ نہیں کہ قلم کی امانت اور راست گوئی کا تقاضا ہے کہ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کا خاموشی سے اعتراف کرلیا جائے، لیکن ان کی صلاحیتوں کے اعتراف کے لیے علم وفضل کے ساتھ وسیع الخیالی لازمی ہے جو فی الحال مجھ میں مفقود ہے، اس لیے شاید میں ایسا نہ کرسکوں، پھر بھی ان کی محبت مجھ سے یہ کام کروالے تو یہ ان کی کرامت ہوگی۔ ویسے جس کے علم وفن کی دھوم برصغیر ہندو پاک میں مچی ہو اور جس کی خامہ تلاشی کو اہل علم نے فیضی کی بانگ درا، مشفق خواجہ کے خامہ بگوش،

بقیہ صفحہ 253 پر ملاحظہ کریں

سینہ تالیف حیدر☆

کل وقتی شعری مزاج کا جز وقتی شاعر

مولانا اسید الحق قادری اگر مسلسل شعر کہتے رہتے تو یقیناً اپنے عہد کے بڑے شعرا میں ان کا شمار ہوتا

مولانا اسید الحق قادری کے متعلق یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انھیں خدا نے شعر کہنے کی صلاحیت بھی عطا کی تھی۔ یہ بات الگ ہے کہ موزونی طبع کے باوجود شعر وشاعری کو انھوں نے کل وقتی مشغلہ نہیں بنایا اور بہت کم شعر کہے، لیکن ان کے جتنے اشعار ہمیں دستیاب ہیں اس سے ان کی شعری صلاحیتوں کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اسید الحق صاحب کا جتنا کلام اس وقت میرے سامنے ہے اس میں ایک حمد، چار نعتیں، ایک منقبت اور چھ دیگر نظموں کا شمار ہوتا ہے۔ شاعری ان کے معمولات زندگی میں ثانوی حیثیت رکھتی تھی، لیکن اس ثانویت کے باوجود جتنا کلام وہ زینت قرطاس بنا گئے وہ ایسا انتخاب ہے جو بڑے سے بڑے حمد، نعت اور منقبت نگاروں کے کلیات پر بھاری ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ کلام بھی انھوں نے اپنے اس عہد میں کہا تھا جس دوران وہ اکتساب علم کر رہے تھے اور ان کا تعلیمی سفر جاری تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کا سارا دھیان دینی علوم اور اپنے اکابرین کی علمی خدمات کی طرف مبذول ہوگیا۔ پھر اس کام میں ایسے مصروف ہوئے کہ شاعری کی جانب توجہ کرنا ہی چھوڑ دی۔ جن لوگوں نے بھی مولانا اسید الحق قاردی سے ملاقات کی ہے وہ اس بات کا اعتراف کریں گے کہ مولانا اسید الحق مزاجاً ایک قادر الکلام شاعر معلوم ہوتے تھے۔ خود میں نے کئی بار اس بات کا ذکر ان سے کیا تھا کہ آپ کو شعر کہتے رہنا چاہیے کیوں کہ آپ کو اللہ نے شعر کہنے کی جس صلاحیت سے نوازا ہے آپ اس کا حق ادا کرسکیں، اس کے جواب میں وہ اپنے مخصوص تبسم کے ساتھ کیا فرماتے تھے، اس بات کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں لیکن یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اسید الحق قادری ایک ایسی شخصیت کا نام تھا جو 'کل وقتی شعری مزاج کا جز وقتی شاعر' کہا جاسکتا ہے۔

مولانا اسید الحق کا علمی اور ادبی مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انھوں نے عربی اور فارسی ادب کا مطالعہ تو کیا ہی تھا لیکن اردو ادب پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی۔ اردو کے کئی کلاسکی شعرا کا کلام ان کی نوک زبان پر رہتا تھا۔ حالاں کہ اسید الحق نئی نسل کے نمائندے تھے لیکن جس علمی اور ادبی سرزمین (بدایوں) اور خانقاہ (عالیہ قادریہ، بدایوں) سے ان کا تعلق تھا اس سے بعید از قیاس نہیں کہ انھیں اتنے اشعار کیسے یاد ہو گئے ہوں گے۔ نظامی عروضی سمرقندی نے چہار مقالہ میں شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے شاعر ہونے کی جن علامتوں کو گنوایا ہے اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس وقت تک کسی شخص کو شاعر تسلیم نہیں کیا جاسکتا جب تک اس شخص کو ہر موضوع پر پانچ ہزار شعر یاد نہ ہوں آج اس قاعدے کو پوری طرح نہ صحیح اگر اس طرح بھی منطبق کیا جائے کہ ہر شاعر کو کم سے کم پانچ ہزار شعر یاد ہوں تب ہی کسی کو شاعر تسلیم کیا جائے گا تو بہت کم ایسے شعرا ملیں گے جن پر اس اصول کی تطبیق کھری اترے گی، لیکن اسید صاحب کی شخصیت اس عہد میں میرے علم کے مطابق ان دو چار حضرات میں شمار ہوتی ہے، جسے پانچ ہزار نہیں تو اس کے اریب قریب اشعار تو یاد ہی ہوں گے۔ اس سے ان کی موزوں طبیعت کا علم ہوتا ہے۔ اکثر اوقات وہ شکوۂ شکایت بھی شعر یا مصرعوں کے ذریعے کیا کرتے تھے۔ جس دوران دہلی میں مولانا اسید الحق اور مولانا خوشتر نورانی کی علامہ فضل حق خیرآبادی پر کتابوں کی رسم اجرا عمل میں آئی اس کے بعد ان سے چھ، سات مہینے تک میری کوئی گفتگو نہ رہ سکی۔ میں اپنے کاموں میں مصروف تھا وہ اپنے کاموں میں کہ اچانک ایک روز انھوں نے فیس بک پر مجھے میسج کیا کہ 'میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو' میں بہت شرمندہ ہوا اور فوراً ان کا حال احوال طلب کیا۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ انھیں موضوع کے مطابق کتنے اشعار یاد تھے۔ بہر کیف! مجھے ان کو شاعر ماننے میں کچھ کلام نہیں لیکن شاعری کوئی تمغہ نہیں ہے جسے عطا کر

کے یہ کہہ دیا جائے کہ فلاں صاحب شاعر ہیں کیوں کہ ان کے پاس شعر کہنے کی سند ہے- ہر شاعر اپنے کلام سے اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس میں شعر کہنے کی کتنی صلاحیت پوشیدہ ہے- وہ کس معیار کے اشعار کہہ سکتا ہے، اس کا کلام اپنے بعد آنے والی نسلوں کو اور خود اس کے معاصرین کو کس حد تک متاثر کرتا ہے- اسید الحق قادری کی شاعری پر بھی بہت سے سوال قائم ہوتے ہیں مثلاً وہ شاعر تھے تو کس معیار کے اشعار ان کے وہاں پائے جاتے ہیں؟ ان کے اشعار آفاقی تناظر میں شعر کی تعریف سے کتنے قریب ہیں؟ ان کے کلام میں کس جذبے کی مقدار زیادہ ہے؟ اور کیا انھیں ایسا شاعر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ان کے کلام سے کسی نوع کا ادبی، علمی، فکری، جذباتی اور مشاہداتی استفادہ کیا جا سکے؟ یا انفرادی طور پر ان کے کلام کی اپنی کوئی اہمیت ہے؟ وغیرہ-

شعر کو کن بنیادوں پر شعر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اس پر بہت سے مفکرین اور شعرا نے اپنی آرا درج کی ہیں۔ جن میں اصمعی، ابن رشیق اور ملٹن کی آرا میرے نزدیک زیادہ معتبر ہیں۔ اصمعی کہتا ہے:

'شعر وہ ہے جس کے معنی الفاظ سے پہلے ذہن میں آجائیں-'

ابن رشیق فرماتے ہیں: 'شعر وہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو ہر شخص کو یہ خیال ہو کہ میں بھی ایسا کہہ سکتا ہوں، مگر جب ویسا کہنے کا ارادہ کیا جائے تو معجز بیان عاجز ہو جائیں-'

اور بقول ملٹن:

'شعر وہ ہے، جو سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو'

ان تینوں بنیادوں پر کھرا اترنے کے باوجود بھی اگر شعر، شعر نہیں ہے تو اس کے متعلق کسی اور رائے پر غور کیا جائے گا- اس بات کی وضاحت یہاں ضروری ہے کہ جن اشعار میں کسی قسم کا عیب یا سقم موجود ہو یہاں ایسے اشعار کی گفتگو نہیں ہو رہی بلکہ جو اشعار اپنی مبادیاتی سطح سے ہر طور کامیاب ہو کر اس صف میں شامل ہو جائیں جس پر علویت کے ساتھ شعر اور غیر شعر ہونے کی بحث ملحوظ ہو- یہاں ایسے اشعار کی بات ہو رہی ہے- اب اسید صاحب ان شرائط پر کس حد تک کھرے اترتے ہیں اس کا فیصلہ ان کی شاعری کے مطالعے سے کیا جا سکتا ہے- ان کی ایک نظم 'نالۂ درد' کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے جس سے سادہ اسلوب، جوش بیان، اصلیت پسندی، اصمعی کی رائے اور ابن رشیق کے خیال کی ترجمانی ہوتی ہے- اس نظم کا مطلع ہے:

مجھ سے احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھو
عید کا دن ہے مسرت کا ترانہ لکھو

اب اشعار ملاحظہ کیجیے:

مگر افسوس میں کس دل سے کروں یار کی بات
کس زباں سے میں کروں زلف طرحدار کی بات
کس قلم سے لکھوں رعنائی و گلزار کی بات
کیسے لکھوں گل و بلبل لب و رخسار کی بات
مجھ کو آتا ہے فلسطین کے بچوں کا خیال
ان کے سینوں میں اترتے ہوئے نیزوں کا خیال
نوجواں بیٹوں کو روتی ہوئی ماؤں کا خیال
خون سے بھیگی ہوئی ان کی رداؤں کا خیال
غرب اردن کے شہیدوں کا خیال آتا ہے
کبھی غزہ کے یتیموں کا خیال آتا ہے
ان کی مایوس نگاہوں کا خیال آتا ہے
گریہ کرتی ہوئی آنکھوں کا خیال آتا ہے
میرے بغداد پہ چھائے ہیں قضا کے بادل
ظلم کے جور کے وحشت کے جفا کے بادل
فقر و افلاس کے فاقے کے وبا کے بادل
آفت و رنج و مصیبت کے عنا کے بادل
میرے گجرات میں انسانوں کے کٹتے ہوئے سر
بے کسوں مفلسوں مجبوروں کے کٹتے ہوئے سر
بھوک اور پیاس سے بچوں کے بلکنے کا خیال
خاک اور خون میں لاشوں کے تڑپنے کا خیال
میرے کشمیر سے رونے کی صدا آتی ہے
میرے قندھار سے آواز بکا آتی ہے
میرے کابل میں مکانوں سے دھواں اٹھتا ہے
میرے شیشان کی گلیوں میں لہو بہتا ہے
پھر بھی احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھوں
عید کا دن ہے کوئی شوخ سا نغمہ لکھوں

ان اشعار کے مطالعے سے خود اندازہ ہو جاتا ہے کہ شاعر نے کس شدید جذبے کو اپنے الفاظ کے ذریعے کامیابی سے بیان کیا ہے- اک عجیب سا تسلسل ہے جو کہیں منقطع نہیں ہوتا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کو ان تمام علاقوں میں اور ان تمام بستیوں میں ہونے والے حادثات اپنے گھر میں ہوتے معلوم ہو رہے ہیں- ایک گہرا کرب ہے جس میں ڈوب کر وہ ان اشعار تک رسائی حاصل کر رہا ہے- اس نظم میں اسید صاحب نے اپنی جودت طبع سے اس بات کا احساس بھی دلایا ہے کہ شاعر کتنا حساس ہوتا ہے- نظم کا کردار جو بنیادی طور پر شاعر ہے اس سے اس کے احباب مطالبہ کر رہے ہیں کہ عید کا موقع ہے اسے اس خوشی کے موقعے پر کوئی قصیدہ رقم کرنا چاہیے اس میں بھی کئی پہلو پوشیدہ ہیں کہ شاعر یہ پیغام دے رہا ہے کہ قصیدہ جو شاعری کی ایک صنف ہے اس کا کہنا اس دور میں یا اس عہد میں درست نہیں کیوں کہ ہماری قوم پوری دنیا میں جس ظلم و استبداد کا شکار ہو رہی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کچھ عملی کام کریں نہ کہ قصائد اور غزل خوانی میں اپنا وقت ضائع کیا جائے-

بہر کیف! ہم شاعر کے حساس ہونے کی بات کر رہے تھے- ظاہر ہے کہ جو احباب شاعر سے قصیدہ رقم کرنے کو کہہ رہے ہیں وہ خود قصیدہ کہنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا وہ غیر شاعر ہیں اور شاعر جو اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے وہ شاعر حساس ہے، اسے اپنے لوگوں پر ہونے والے مظالم کا شدت سے احساس ہو رہا ہے اور اپنے دوستوں کو ان کی بے حسی پر شرمندہ کر رہا ہے کہ تم جس دن کو خوشی کا دن سمجھ رہے ہو حقیقتاً وہ غم کا دن ہے کہ ہماری قوم پر ہر طرف سے مصیبت کے بادل چھاتے چلے جا رہے ہیں، جس کا ہم لوگوں کو رائی برابر احساس نہیں- یہ وقت اس کا نہیں کہ خوشیاں منائی جائیں یہ تو تدابیر کا وقت ہے، اپنے احتساب کا وقت ہے، جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکے کہ آخر ہم اتنے مظالم کا شکار کیوں ہو رہے ہیں- یہ اور اسی طرح کے کئی اور پہلو اس نظم میں پوشیدہ ہیں جس کا بغور جائزہ لیا جائے تو اس ایک نظم پر طویل سے طویل تر گفتگو کی جا سکتی ہے- ایک اہم بات اور ہے کہ شاعر کی لفظیات پر غور کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اس کو الفاظ کے برتنے کے فن پر کتنی قدرت حاصل تھی- مثلاً زلف طرح دار، رعنائی گلزار، گل و بلبل، لب و رخسار، آفت و رنج و مصیبت اور آواز بکا یہ ایسی تراکیب ہیں جو ہماری کلاسکی شاعری میں کثرت سے استعمال ہوئی ہیں اور ہم کئی حوالوں سے ان تراکیب کا مطالعہ کر چکے ہیں- پھر بھی اسید صاحب کے کلام میں یہ مختلف انداز میں نہ صحیح تو اتنی برمحل نظر آتی ہیں کہ ایسے الفاظ بھی جن سے نئی شاعری کے خراب ہونے کا خدشہ رہتا ہے اس کے برعکس ان تراکیب کے استعمال سے یہ اشعار بھلے محسوس ہوتے ہیں- اسی طرح دوسرے الفاظ بھی اتنے تنوع اور جامعیت کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں کہ نظم میں پرفیکشن پیدا ہو گیا ہے- ساتھ ہی شاعر نے احوال شہر کو اسی ترتیب سے باندھا ہے جس ترتیب سے ان شہروں کے غموں کا احساس کسی حساس شخص کو مغموم کر سکتا ہے- ہم شعری آہنگ کو نظر میں رکھیں تو شاعر نے جس ترتیب سے شہروں کو بیان کیا ہے اس کی حکمت بھی ہماری سمجھ میں آ جائے گی- مثلاً فلسطین، اردن، غزہ، بغداد، گجرات، کشمیر، قندھار، کابل اور شیشان یہ ترتیب نظم میں اس طرح استعمال ہوئی ہے کہ شعر کا آہنگ اس سے بتدریج بلند ہوتا جا رہا ہے اور المیے میں جس قسم کے آہنگ کی ضرورت ہوتی ہے یہ اسما اس آہنگ کو پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو رہے ہیں- دیگر الفاظ پر نظر کیجئے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح شاعر اسما اور الفاظ کے اشتراک سے اس نظم میں المیے کی کیفیت کو بام عروج تک لے جاتا ہے- ہر نئے شہر کا نام اس جگہ استعمال میں آیا ہے جس جگہ شاعر کو اس بات کا خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ اب واقعے کو بدلنے کی ضرورت ہے ورنہ بحث میں تاثیر قائم نہ رہے گی- یہ ہی ایک شاعر کی پہچان ہے کہ وہ اپنے کلام کے ذریعے قاری کو باندھنا جانتا ہے- اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کس حد تک ایک قاری کا ذہن کسی واقعے سے محظوظ و منغض ہوتا ہے اور کس مقام پہ طبیعت کو تغیر کی ضرورت ہوتی ہے- شاعر کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا لیکن وہ مصلحت اتنی تیزی سے عمل میں آتی ہے کہ کسی کو اس کے شعوری ہونے کا احساس ہی نہیں ہو پاتا- یہ سب شاعر کی ذہنی کارکردگیوں اور اس کی ذہنی اپج کی قوت کا کمال ہے اور اسی سے کسی شاعر کے اعلیٰ و ادنیٰ ہونے میں تمیز کیا جا سکتا ہے- اسید صاحب کے ذہن پر خیالات کا بہت تیزی سے نزول ہوتا ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں- بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس آمد کو اسی سلیقے سے ترتیب دینے کے فن سے آشنا ہیں جس تیزی سے وہ خیالات ان پر اترتے ہیں-

یہ بات صرف ان کی نظموں ہی میں نہیں ہے، بلکہ دیگر اصناف میں بھی وہ اسی قدرت کے ساتھ شعر کہتے ہیں- زندگی نے اسید صاحب کا ساتھ بہت جلد چھوڑ دیا ورنہ مجھے یقین تھا کہ ایک نہ ایک روز اسید صاحب اس فن کے لیے بھی وقت نکالیں گے اور کسے معلوم کتنے اشعار وہ روز کہتے ہوں جسے یہاں وہاں لکھ کر چھوڑ گئے ہوں یا صرف ذہن میں ان اشعار کا نقش محفوظ ہو جو صاحب ذہن کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ہم سے دور ہو گیا- میں اوپر گنوا چکا ہوں کہ ان کا کتنا کلام مجھ تک پہنچا ہے، لیکن اس قلیل عرصے میں وہ تین اصناف پر طبع آزمائی کر چکے تھے اور ان تینوں اصناف کے ذریعے انھوں نے بامقصد اشعار کا انتخاب ہم تک پہنچایا- اسید صاحب کو غزل سے بھی لگاؤ تھا لیکن صرف ایسی غزل جو فنی اعتبار سے مکمل ہو- انھیں اپنے سے پیشتر شعرا میں احمد فراز کی بعض غزلوں نے متاثر کیا جن میں سے احمد فراز کی ایک مشہور غزل کی ردیف پر انھوں نے چند نعتیہ اشعار کہے اس میں سے دو شعر ملاحظہ کیجیے:

خرام ناز پہ نبض جہاں ٹھہرتی ہے
فرشتے عرش کے پہلو بدل کے دیکھتے ہیں
وہ بخش دیتے ہیں قدموں پہ گرنے والوں کو
سو ہم بھی قدموں پہ ان کے مچل کے دیکھتے ہیں

یہ اشعار اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسید صاحب کو نعت و منقبت سے جو لگاؤ تھا وہ دیگر اصناف سے نہ تھا- ایک منقبت جو 'استمداد بحضور غوث الثقلین' کے عنوان سے انھوں نے کہی، اس میں ایک مقام پر اپنے چار مصروں کے ساتھ شاہ حمزہ عینی مارہروی کے مشہور شعر کی جو تضمین کی وہ اس خیال کو تقوت پہنچاتی ہے- اشعار دیکھئے:

تو بھی گر چاہتا ہے غم کا مداوا یوں کر
ایک جملے میں علاج غم فردا یوں کر
دل بیمار کو اک آن میں اچھا یوں کر
آ در غوث پہ اور عرض تمنا یوں کر
غوث اعظم بمن بے سرو ساماں مددے
قبلہ جاں مددے کعبہ ایماں مددے

اسید الحق قادری کا شعری مزاج ان کے آبا و اجداد کی شاعری سے ملتا جلتا ہے- وہ اپنے خاندانی بزرگ شعرا کے شعری اسلوب سے ہم آہنگی کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے ہیں جس کا اعتراف انھوں نے اپنی ایک نظم 'میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں' میں کیا ہے- یہ بات صرف شعر و شاعری کی حد تک محدود نہیں، بلکہ جملہ اوصاف کو وہ اپنے خانوادے سے اخذ کرنا چاہتے ہیں اور عادات و اطوار سے لے کر علوم و فنون تک ہر ایک چیز کے لیے دست بہ دعا ہیں کہ اپنے اکابرین سے کچھ حصہ ان کو بھی نصیب ہو- مذکورہ نظم کو پڑھتے وقت ایسا لگتا ہے کہ شاعر کی پرورش جس ماحول میں ہوئی ہے اس نے شاعر کو اس بات کا احساس دلا دیا ہے کہ یہاں زندگی کو آراستہ و پیراستہ کرنے کی ہر شئے موجود ہے- بس ان اوصاف کو اپنے باطن میں روشن کرنے کی ضرورت ہے جس سے ایک باوقار اور پرسکون زندگی حاصل کی جاسکتی ہے، لیکن یہ ان کی حقیقت پسندی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے اوصاف حمیدہ کو اپنے اندر جتنا بھی پاتے ہیں وہ نا کے برابر ہے- انھیں کسی طرح کی خوش فہمی نہیں ہے کہ نسل در نسل وہ اوصاف سب میں منتقل ہوتے چلے گئے ہیں، بلکہ وہ اسے انفرادی ارتقا کے زمرے میں شمار کرتے ہیں- انھیں اطمینان ہے کہ ان اوصاف سے جس طرح ان کے دیگر اہلِ خانہ متصف ہیں وہ بھی ایک دن اپنی کوشش سے ان اوصاف کو خود میں روشن کرلیں گے- یہ حقیقت پسندی ہی انھیں دوسروں سے الگ کرتی ہے- اس نظم کا پہلا بند دیکھئے جس میں وہ کس امید اور بھروسے کے ساتھ ان چیزوں کو تلاش کر رہے ہیں جو ان کے خون میں شامل ہیں:

میں تیز دھوپ میں سایہ تلاش کرتا ہوں
سیاہ شب میں اجالا تلاش کرتا ہوں
نشان پائے مسیحا تلاش کرتا ہوں
ہلال عید تمنا تلاش کرتا ہوں
میں زندگی کا قرینہ تلاش کرتا ہوں
میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں

دیکھیے کہ شاعر کسی باہری دنیا سے کچھ حاصل کرنے کی خواہش ظاہر نہیں کر رہا ہے اور اسے اس بات کا بھرپور احساس ہے کہ جو عظمت اور جو زندگی کا قرینہ اسے تلاش کرنا ہے وہ اس کا اپنا اثاثہ ہے- یہ اظہار ہمیں دھوکے میں ڈال سکتا ہے لیکن یہ کمال شعر ہے کہ ایک ہی مصرع میں شاعر اپنی اس شئے کو تلاش کرنے کی بات کر رہا ہے جو خود اس کی اپنی

ہے- ظاہر ہے کہ عظمت رفتہ کوئی لکڑی کا کھلونا نہیں ہے نہ ہی کوئی ایسی چیز ہے جسے کوئی چرا سکے- وہ تو صرف ایک احساس ہے جو ردِ عمل کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے، جس کا حصول شاعر کو ان اعمال کی طرف ڈھکیل رہا ہے جہاں اسے اپنے مقصد میں کامیابی مل سکتی ہے- ایک بات اور غور طلب ہے کہ شاعر کو اس بات کا شکوہ نہیں ہے کہ وہ اپنی بے توجہی کی وجہ سے اس عظمت کو کھو چکا ہے بلکہ اسے یہ خیال پریشان کر رہا ہے کہ یہی وہ عمر ہے جس عمر میں اپنے اجداد کے ورثے کو خود میں منتقل کیا جاسکتا ہے- یہی وہ زمانہ ہے جس زمانے میں اپنے مشاہدات اور مجاہدات سے اس عظمت کے حصول کی طرف قدم بڑھایا جاسکتا ہے- جس میں سخاوت عثمان، حضور غوث اعظم کے فیضان، معین حق کے قلم دان، جناب شیخ کے دامان اور نگاہ مقتدر آقا وغیرہ جیسی بیش قیمتی اشیا محفوظ ہیں، جو اس بات کی منتظر ہیں کہ ان کا وارث انھیں حاصل کر کے زمانے میں اپنی مثال قائم کرے- اسید صاحب کی شاعری اتنی جذباتی اور معنی خیز ہے کہ اس پر سیر حاصل گفتگو کی جاسکتی ہے- اس کم سے کم کلام میں اتنے پہلو پوشیدہ ہیں جو ایک متلاشی کو حیران کر دیں گے- اسید صاحب ایسے شاعر نہیں ہیں جن کی شاعری سے صرف محظوظ ہوا جاسکے یا کسی نوع کی ذہنی آسودگی حاصل کی جاسکے بلکہ ان کے اشعار ذہن کو سوتے سے جگاتے ہیں، فکر کی دعوت دیتے ہیں، جھنجھوڑتے ہیں اور اپنے مقصد زندگی کی طرف مائل کرتے ہیں- ان کے کلام سے ایسے لوگ ہرگز محظوظ نہیں ہو سکتے جو شاعری کو صرف تفنن طبع کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اس کے برعکس ان کی شاعری کو ایسے اشخاص اپنی پلکوں پر اٹھاتے پھریں گے جو بامقصد زندگی گزارنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اشعار کا بغور مطالعہ کیا جائے ان کی زندگی کے ہر ہر پہلو سے آشنا ہوا جائے- اس عہد میں انفرادیت کو بہت اہمیت دی جاتی ہے لہٰذا انفرادی سطح پر اپنے اعمال کا احتساب کرنے والوں اور اجتماعی سطح پر ایک متحرک کی مانند اپنے مزاج کو تشکیل دینے والوں کے نزدیک اس طرح کی شاعری اہم قرار پاتی ہے- اپنی ایک چھوٹی سی نظم 'دوستی کا ہاتھ' میں جو پیغام انھوں نے دیا ہے وہ اس بات کا ضامن ہے کہ ایسی شاعری بہت کارآمد ثابت ہو سکتی ہے جو تالیف قلب کا کام انجام دے- احمد فراز کے شعر پر ختم ہونے والی اس نظم میں شاعر نے جس اعلی ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ایک بڑے ذہن کی علامت ہے- یہاں نظم کے اقتباس سے بات سمجھ میں نہیں آئے گی لہٰذا پوری نظم ملاحظہ فرمائیں:

مرے عزیز مرے دوست میرے ہم سایہ
ہمارے بیچ جدائی کو اک صدی گذری
نہ تم کو مجھ پہ بھروسہ نہ مجھ کو تم پہ یقیں
اسی نفاق و عداوت میں زندگی گذری
وہ جس کا نقشِ کفِ پا ہمارے سینے میں
اسی کی یاد سے آباد تیرا سینہ ہے
وہ جس کے فیض سے ہم نے بلندیاں پائیں
اسی کا نام مبارک ترا وظیفہ ہے
ہماری کشت پہ برسا ہے جو سحاب کرم
اسی کے فیض کی بارش تمھارے آنگن میں
وہ جس کی بو سے معطر مشام جاں ہے مرا
اسی گلاب کی رنگت تمہارے گلشن میں
وہ بادہ خانہ جہاں ہم نے مئے گساری کی
شراب تم بھی اسی میکدے کی پیتے ہو
ہے جس نگاہ کی مستی ہماری آنکھوں میں
اسی نگاہ سے مخمور تم بھی رہتے ہو
جو عندلیب مرے باغ میں چہکتا ہے
اسی کی نغمہ سرائی ترے گلستاں میں
وہ شمع جس سے منور ہے طاق دل میری
اسی کی ضو سے اجالا ترے شبستاں میں
وہ بجلیاں جو مرے آشیاں کو تکتی ہیں
وہی حریف تمہارے نگار خانے کی
تمہارا گلشن صد رنگ جس کی زد پر ہے
وہی خزاں ہے عدو میرے آشیانے کی
غرض کہ فرق نہیں کوئی ہم میں بنیادی
نہ فکر میں نہ عقیدے نہ دین و مذہب میں
نہ اختلاف خیالات کا نہ مسلک کا

نہ کوئی فرق ہمارے تمہارے مشرب میں
اگر یہ سچ ہے تو اے محترم حریف مرے
کوئی جواز نہیں ہم میں دشمنی کے لیے
'اگر تمہاری انا ہی کا ہے سوال تو پھر
چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لئے'

میں اس بات سے آشنا ہوں کہ اسید صاحب نے کس اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ اس نظم میں کیا ہے لیکن پھر بھی میں اس کے اظہار سے پیغام کو محدود نہیں کرنا چاہتا- یہ نظم ہر اس شخص ہر اس جماعت اور ہر اس ملک کے لیے سبق آموز ہے جو کسی بھی قسم کی عداوت اور نفاق میں مبتلا رہتا ہے اور صرف اپنی انا کی بنیاد پر اس لڑائی کو نسل در نسل منتقل کرتا چلا جاتا ہے- یہ آفاقی تناظر اور آسان زبان میں کہی گئی ایک ایسی نظم ہے جس سے ہر رنگ و نسل کے اذہان مستفید ہو سکتے ہیں- ایک بات اور غور طلب ہے کہ جس شخص کو کسی طرح کا سبق حاصل کرنا ہے یا اپنی زندگی کو کسی اصول سے مزین کرنا ہے تو اس کے لیے ایک واقعہ ہی کافی ہے اور جسے کسی طرح کی نصیحت درکار نہیں اس کے لیے پند و نصح کی تمام کتب بیکار محض ہیں- اسید صاحب کی اس نظم سے جن لوگوں کو سبق حاصل کرنا ہے وہ کر لیں گے اور جنہیں نہیں کرنا وہ صرف اسے تنقید کا نشانہ بنا کر آگے بڑھ جائیں گے-

(۲)

میر نے ہر صنف میں شعر کہے ہیں- اس لیے بھی انھیں اردو کا بڑا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے لیکن جن شعرا کے یہاں اس اہتمام کا فقدان ہے- ان میں بھی کسی نہ کسی نوع کی عظمت پوشیدہ ہے- ایسے شاعر اپنی اسی صنف کے حوالے سے مشہور ہوئے ہیں جس میں انھوں نے کمال دکھایا- مثلاً انیس کو دنیا مرثیے کے حوالے سے جانتی ہے- سودا کو قصائد کے حوالے سے میر حسن کو مثنوی کے حوالے سے اور امجد حیدر آبادی کو رباعی کی وجہ سے- یہ بات الگ ہے کہ ان شعرا نے من جملہ نہ سہی دیگر کچھ اور اصناف میں بھی اشعار کہے ہیں لیکن یہ تمام شعرا کسی ایک صنف کے حوالے سے زیادہ مقبول ہیں- میر نے بھی اپنی غزل کے ذریعے جو شہرت حاصل کی وہ دوسری اصناف سے انھیں حاصل نہ ہو سکی، لیکن نعت اور منقبت میں اس قدر کے شعرا بہت کم نظر آتے ہیں- نعت کے حوالے سے اگر محسن کاکوروی کو اردو ادب کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو ہمارے لیے دوسرا نام تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا- اس کی کیا وجوہات ہیں اس سے قطع نظر یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اردو میں محسن کاکوروی کو چھوڑ کر حمد و نعت و منقبت کے حوالے سے بہت شاعری ہوئی ہے اور بہت اچھی ہوئی ہے، جس کا مطالعہ کرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح عشق کے حقیقی جذبے کی بنا غزل اور قصیدہ نہیں کہا جا سکتا اسی طرح حمد، نعت اور منقبت بھی نہیں کہی جا سکتی- فرق صرف اتنا ہے کہ ایک طرف عشق مجازی ہے تو دوسری طرف عشق حقیقی- جب ہم غزل میں اس تخصیص کے قائل ہیں کہ مجازی کا اطلاق حقیقی کے معنی پر بھی کیا جا سکتا ہے تو جو اشعار کلیتاً اس بوقلمونی سے آراستہ ہیں ان کو اتنی اہمیت کیوں نہ دی جائے- انسان کی ذہنی و دلی وابستگی جس شئے سے ہوتی ہے وہ اسی کی جانب مائل ہوتا ہے- اسید الحق نے جو نعتیہ کلام اپنے پیچھے چھوڑا ہے وہ کسی طور ایک اچھے غزل گو یا ایک اچھے نظم نگار سے کم رتبہ نہیں- یہ ان کے رجحان کی بات ہے کہ انھوں نے اپنی صلاحیت کو ایک مقدس ہستی سے منسلک کیا اور اپنے اشعار میں ان کی مدح سرائی کو اپنے لیے بہتر جانا- صرف اس لیے اگر کسی شاعر کو کلیتاً نظر انداز کر دیا جائے کہ اس نے محدود دائرے میں رہ کر شعر کہے ہیں یا کسی فرد واحد سے منسلک ہو کر اس فن میں طبع آزمائی کی ہے تو دنیا کی کئی زبانوں میں ہونے والی شاعری کا ایک بڑا ذخیرہ بے کار ہو جائے گا جو اس انفرادیت کو ملحوظ رکھ کر کہا گیا ہے اور کہا جا رہا ہے- ہر محدود نقطۂ نظر میں ایک آفاقیت پوشیدہ ہوتی ہے اور اسید الحق عاصم القادری کی شاعری اسی آفاقیت کا خزینہ ہے- جو ایک محور تک محیط ہے لیکن اس احاطے میں ایسے مذہبی و ثقافتی اصول پوشیدہ ہیں جو انسانی زندگی میں بہت کار آمد ثابت ہوئے ہیں- ان کے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجیے- ان اشعار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسید الحق جیسے اذہان جس سمت اپنی فکر کو موڑ دیں وہاں کیا کیا گل کھلا سکتے ہیں:

رسول وہ جو رسولوں کا تاجدار ہوا
وہ جس کا ذکر دوائے دل فگار ہوا
رسول وہ جسے محبوب کردگار کہیں
رسول وہ جسے قدرت کا شاہکار کہیں

☆☆☆

جب تصور میں بسا لیں آنکھیں
ساری دنیا سے اٹھا لیں آنکھیں
خاک طیبہ ہے خبر دار قمر
اس کی آنکھوں میں جو ڈالی آنکھیں

☆☆☆

سنا ہے لالہ طیبہ کی تازہ کاری کو
لباس گل سے شگوفے نکل کے دیکھتے ہیں
خرام ناز پہ نبض جہاں ٹھہرتی ہے
فرشتے عرش کے پہلو بدل کے دیکھتے ہیں

☆☆☆

تابانی در عدن رخشانی لعل یمن
دندان انور کی ضیا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
تاج سر کسریٰ کہاں پیشانی زہرہ کہاں
نعلین پاک مصطفیٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

☆☆☆

بصارت کر رہی ہوگی طواف گنبد خضرا
بصیرت کی جبیں پر عکس روئے مصطفیٰ ہوگا
بوصیری، جامی و قدسی قصائد لکھ رہے ہوں گے
کوئی حسان نعت سرور دیں پڑھ رہا ہوگا

اسید صاحب اس میدان میں جس شاعر سے سب سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں وہ امام احمد رضا خاں بریلوی کی ذات ہے- اس کے علاوہ ان کی کل شاعری لہجے کے مطابق علامہ اقبالؔ اور جوشؔ سے قریب نظر آتی ہے- اس بات کو میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ اسید الحق جس عہد میں شعر کہہ رہے تھے وہ ان کا عہد طالب علمی تھا- اس عہد میں زیادہ تر لوگ انھیں شعرا سے متاثر ہوتے ہیں- لہٰذا اسید صاحب بھی اسی رنگ میں شعر کہتے نظر آتے ہیں لیکن یہ اشعار تجرباتی نوعیت کے ہیں پھر بھی ان میں اتنا بلند آہنگ پایا جاتا ہے کہ اگر وہ مسلسل شعر کہتے رہتے تو یقیناً اپنے عہد کے بڑے شعرا میں ان کا شمار ہوتا- اخیر میں اس بات کا اظہار کرنا بھی میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مولانا اسید الحق جتنے اچھے شاعر تھے اس سے کہیں زیادہ اچھے انسان تھے- اچھا شعر کہنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا ایک اچھا انسان کہلانا ہے- اسید الحق صاحب نے جیسے اشعار کہے ویسے یا اس سے بہتر اشعار کہے جا سکتے ہیں میرا طلسم اس دن ٹوٹے گا جس دن میں ان سے بہتر انسان دیکھوں گا- □□□

☆ فورتھ فلور، فلیٹ نمبر ۳۶۵، گلی نمبر ۶، ذاکر نگر، اوکھلا، نئی دہلی

ایک تأثر

(علامہ شیخ اسید الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر)

اے شہنشاہ گرامی، مرحبا صد مرحبا
اہل دل ،اہل قلم ،اہل وفا صد مرحبا
تم نقیب وقت تھے، تم قوم کے معمار تھے
تم تھے دریا علم کا، تم صاحب کردار تھے
خودنمائی سے، غرور و تمکنت سے دور تھے
خوش روی، سادہ مزاجی کے لیے مشہور تھے
تم نے زندہ کی وطن میں وہ فضا وہ دل کشی
جس نے بخشی قوم کے لرزیدہ ہونٹوں کو ہنسی
زندگی اب کون ڈھونڈھے گا خس و خاشاک میں
کون ڈالے گا تبسم دیدۂ نم ناک میں
کوئی شئے دین محمد سے سوا پیاری نہ تھی
حق نوا ایسے کہ اپنی جان کی پروا نہ کی
تذکرہ پہنچا تمہارا جب زبان عام تک
حق ہی حق آیا نظر آغاز سے انجام تک
تم وہاں پہنچے جہاں ہیں رحمتیں ہی رحمتیں
ڈھونڈتی پھرتی ہے دنیا جن کے در کی نسبتیں
سنیت کو ناز ہے تم پر تمہارے کام پر
قادریت فخر کرتی ہے تمہارے نام پر

محمد فیروز ظفر بدایونی
فرشوری ٹولہ، بدایوں (یوپی)

سید نورین علی حق☆

مولانا اسید الحق قادری کی مکتوب نگاری

ممتاز ناقد و محقق حضرت مولانا شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری عثمانی (۱۹۷۵ء-۲۰۱۴ء) کا تعارف کرانا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا- حقیقت یہ ہے کہ علم و عمل، فہم و شعور، درک و ادراک، طریقۂ تزکیہ وتصفیۂ قلوب، بصارت و بصیرت کا خزانہ نسلاً بعد نسل سینہ بہ سینہ پہنچ کر ان کے سینے کو گنجینۂ علوم و فنون بنا دیا تھا اور اس پر مستزاد ان کا اکتساب تھا اور جب دونوں کا ملن ہوا تو ان کا نشہ دو آتشہ ہو گیا-

تحقیق، تنقید، ادب، حدیث، فقہ، تفسیر ہر ایک فن پر انہوں نے اپنا ہاتھ آزمایا اور ایسا آزمایا کہ زمانے نے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا- ان کی تحقیقی و تنقیدی کاوشیں جگ ظاہر ہیں اور عام طور پر ان کی ان اعلیٰ صلاحیتوں سے لوگ واقف ہیں- انہوں نے جام نور میں مکمل ایک دہائی تک لکھا اور نہ صرف یہ کہ لکھا بلکہ نئی نسل کو لکھنے کا سلیقہ بھی سکھایا- ان کے مضامین، ان کی کتب، ان کی جرح و تعدیل اور تخریج، ان کی تحقیق و تنقید سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے- عام طور پر وہ ان تحریروں میں طنز و مزاح کا سہارا نہیں لیتے تھے- انتہائی سنجیدگی کے ساتھ لکھنے اور پڑھنے والا ان کے مضامین کو پڑھ کر ان کی تنقیدی و تحقیقی جانفشانیوں پر سر دھنتا، لیکن اب تک ان کے خطوط پردۂ خفا میں تھے اور ان خطوط سے وہی لوگ واقف تھے، جن کے نام وہ لکھے گئے تھے- شیخ ۱۹۹۹ء میں حصول تعلیم کے لیے مصر گئے، یہ وہی زمانہ تھا جب مکتوب نگاری آخری سانسیں لے رہی تھی- میرے خیال میں ۲۰۰۵ء تک خطوط لکھے گئے اس کے بعد موبائل نے مکتوب نگاری کی ضرورت ختم کر دی-

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالتے، اسے پوری دلجمعی کے ساتھ کرتے بصورت دیگر بہت خوبصورت انداز میں معذرت کر لیتے اور جس فن پر کام کرتے اس کے تقاضوں کو پورا کرتے- شاید یہی وجہ رہی کہ ''خامہ تلاشی'' پر آئے تو کیا چھوٹا کیا بڑا، کیا کم عمر کیا، ضعیف العمر سب پر تنقیدیں کیں اور خصوصیات بھی بیان کیں- اب جن لوگوں کو ان کی تنقید ہضم نہیں ہو سکی یا ان کی خوش فہمی کے برخلاف ان پر تنقید کی گئی تو انہوں نے خامہ تلاشی کے ''خ'' کے نقطے کو نیچے کر کے ناراضگی کا اظہار کیا- ان کے سینکڑوں تحقیقی مضامین شائع ہوئے، جنہیں عام طور پر پسند کیا گیا اور ''خیر آبادیات'' لکھ کر تو انہوں نے خود کو ذمہ دار اور سنجیدہ محققین کی فہرست میں ڈال دیا-

تفسیر، حدیث، تحقیق، تنقید کے ساتھ ساتھ انہوں نے خطوط نگاری کے تقاضوں کو بھی پورا کیا ہے- جہاں تکلفات و تصنعات کا شائبہ تک نظر نہیں آتا- عام سی تحریر، طنز و مزاح، مجلسی انداز گفتگو، سادہ و پرکار، حسین و رنگین نثر کا نمونہ اور محفلوں کو لالہ زار کر دینے والے خطوط لکھے- ان کے تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مطالعہ کرنے والوں کو بعض خطوط پڑھ کر یقین نہیں آئے گا کہ شیخ اتنے خوش طبیعت اور مرنجاں مرنج فطرت کے مالک تھے-

ہندوستان کے جس ماحول میں انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی وہاں آج بھی فتویٰ نویسی کی زبان عام ہے- لیکن انہوں نے خود کو رائج عیوب سے محفوظ رکھتے ہوئے معروضی اور سحر انگیز اسلوب کو اختیار کیا اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تأمل نہیں ہے کہ انہوں نے خود کو کنویں کا مینڈک بھی نہیں بنایا- ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کے تحت انہوں نے تمام تر مسلکی و فکری اور نظریاتی اختلافات کے باوجود ادب برائے زندگی، ادب برائے ادب اور اسلامی ادب کے دعویداروں کو بھی خوب پڑھا بلکہ جام پر جام لنڈھائے اور دوسروں کے بند اور مقید اذہان کو کشادہ کرنے کی بھی خوش کن کوششیں کیں-

اب تک ان کے جو خطوط یکجا ہو سکے ہیں ان میں خطوط نویسی کی

تمام تر ارفع و اعلیٰ قدریں موجود ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، مرزا اسد اللہ خاں غالب، مولانا ابوالکلام آزاد، رشید حسن خاں اور رشید احمد صدیقی کی ارواح ایک جسم میں حلول کر گئی ہیں اور اس جسم کا ایک جز و ہاتھ جب خط لکھنے کے لیے قلم اٹھاتا ہے تو وہ مجموعہ شریعت و طریقت اور ادب و شعر ہو جاتا ہے- ان خطوط میں کہیں تفسیر و حدیث اور تصوف کی بحثیں ہیں تو جابجا برمحل اشعار بھی بکھرے پڑے ہیں اور کہیں مرزا غالب کا مزاح اور ان کی مجلسی گفتگو نظر آتی ہے تو کہیں آزاد کی طرح عربی و فارسی اشعار اور فارسی تراکیب ذہن و دل کو مسحور کر دیتے ہیں- ان خطوط میں رشید احمد صدیقی کا سا مزاحیہ و طنزیہ اسلوب بھی در آیا ہے اور رشید حسن خاں کے محققانہ اسلوب کی جھلک بھی یہاں موجود ہے-

مذہبی حلقوں میں آج بھی لمبے لمبے القابات کا استعمال عام ہے- بڑوں کو جب لکھا جاتا ہے تو آسمان و زمین کے قلابے ملا دیے جاتے ہیں- اس کے برعکس شیخ اسید الحق قادری اپنے خطوط بہت ہی عام طریقے پر شروع کرتے ہیں- بڑوں کو مکرمی و محترمی اور چھوٹوں کو بھائی تنویر، بھائی فلاں جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں- البتہ بھائی تنویر یا کسی اور بھائی کو یاد کرنے کے بعد وہ بارک اللہ لکم وفیکم ووفقکم لما یحبہ ویرضاہ لکھنا نہیں بھولتے- اس کے بعد اسلامی طریقے پر سلام لکھتے ہیں اور سلام کے بعد ایک بہت ہی پر معنی اور خدا کی نعمتوں کا ذکر کرنے والا جملہ رقم کرتے ہیں، جس سے احساس ہوتا ہے کہ لکھنے والے خدا کی رحمتوں اور نعمتوں کے اظہار میں رطب اللسان ہیں اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ کچھ ایسا بھی ہے، جسے وہ بیان نہ کر کے خدا پر چھوڑ رہے ہیں وہ جملہ یہ ہے ''ہر حال میں خدا کا شکر ہے''-

ان کے زیادہ تر خطوط وہ ہیں، جنہیں انہوں نے مصر کے دوران قیام لکھا ہے- عام طور پر طالب علم ہاسٹل میں جب قیام پذیر ہوتے ہیں تو انہیں اپنے گھر، اپنے خاندان، اپنے محلّہ، اپنے شہر کی یادیں بہت ستاتی ہیں، حالانکہ فراغت کے بعد سالوں سال اپنے شہر کی یاد نہیں آتی- ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ''ہر حال میں خدا کا شکر ہے'' اس جملے میں ہجر و فراق کی کسک ہے اور کئی جگہ انہوں نے اپنے خطوط میں اپنوں اور اپنے شہر کی یادوں کا ذکر بھی کیا ہے-

ھو القادر:

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بہت مشہور علمی و فکری نسباً عثمانی اور طریقتاً قادری بدایونی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے خاندان میں ہندوستان کے سب سے بڑے اور معروف قادری مرکز خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ سے سلسلہ قادریہ پہنچا تھا- انہیں اپنے والد ماجد تاجدار اہل سنت، سراپا شفقت و محبت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ العالی سے بیعت وارادات اور اجازت و خلافت حاصل تھی، گویا وہ پورے کے پورے قادری تھے مگر نام نہاد قادریوں کی طرح چشتی گستاخ نہیں تھے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں اور اپنے بزرگوں کے دشمنوں کے بھی گستاخ نہیں تھے- قادری شرافت و نجابت اور رعب داب ان کے وجود سے جھلکتی تھی- سلسلہ قادریہ کے سرخیل و رہنما اور بانی حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آتے ہی ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا، اس وقت علامۂ وقت شیخ اسید الحق کہیں گم ہو جاتا اور باقی جو رہتا وہ صرف اور صرف صوفی اسید الحق ہوتا- غنیۃ الطالبین کا سچا پکا عاشق اور طالب علم ہوتا- شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے تمام خطوط میں سب سے پہلے بسم اللہ کی جگہ ھو القادر لکھتے ہیں- القادر اللہ کے صفاتی ناموں میں سے ہے اور اسی القادر کے ساتھ عبد منسلک ہو کر عبدالقادر بنتا ہے، جو شیخ عبدالقادر جیلانی کا نام ہے- اسی طرح کبھی کبھی وہ اپنے خطوط میں رب مقتدر، رب قادر کا بھی استعمال کرتے ہیں- تاج الفحول علامہ شاہ عبدالقادر بدایونی اور علامہ عبدالمقتدر بدایونی رحمۃ اللہ علیہما آپ کے خاندانی بزرگ تھے- یہ تصوف کا ارفع ترین مقام ہے کہ اپنے شیوخ کے ذریعے اوپر کی جانب سفر کیا جائے- شاید کہیں نہ کہیں یہاں بھی نسبت کی تلاش و جستجو شیخ میں موجود نظر آتی ہے-

اسلام و تصوف:

عام طور پر مدرسہ قادریہ بدایوں کے طلبہ خط کے ذریعہ شیخ سے مشورے کیا کرتے تھے، جس کا جواب وہ مصر سے ضرور دیا کرتے تھے- لہٰذا طلبہ کے اکثر خطوط میں اسلام اور تصوف کا ذکر ضرور ہوتا ہے- صراط مستقیم پر چلنے اور اسلامی طریقوں کی تعلیم وہ اپنے خطوط کے ذریعے طلبہ کو دیا کرتے تھے- چوں کہ وہ ہندوستان سے فضیلت کر کے مصر گئے تھے اور وہاں جا کر ان کے مطالعے میں اضافہ اور توازن و اعتدال پیدا

ہوا تھا، جس کا اظہار خطوط کی ہر سطر سے ہوتا ہے، یہ بھی ایک بڑی بات تھی کہ مدرسہ قادریہ، بدایوں کے طلبہ مصر میں موجود شیخ سے مشورے کیا کرتے تھے- اس کا صاف مطلب ہے کہ اس وقت بھی درجات عالیہ کے طلبہ کو ان کے علمی وفکری تفوق وبرتری اور حسن اخلاق کا بھی احساس تھا-

مطالعے کی ترغیب:

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کے خطوط کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں دور طالب علمی سے ہی مطالعے کی سخت ترین عادت تھی، وہ خود بہت زیادہ پڑھتے تھے اور مشاہدین بتاتے ہیں کہ مصر میں ان کی قیام گاہ میں بھی کافی قیمتی کتابیں موجود تھیں، جن سے ان کے احباب بھی استفادہ کیا کرتے تھے- وہ اپنے خطوط میں بھی مطالعے پر جابجا زور دیتے ہیں اور ایک ایک موضوع پر کئی کئی کتابوں کا نام درج کرتے ہیں- مجھے بھی ان سے اس سلسلے میں کافی استفادہ کا موقع ملا ہے- اگر میں کبھی فون کرتا اور کسی موضوع پر کتاب دریافت کرتا تو ایک موضوع پر بیک وقت کئی کتابوں کا نام لیتے اور جب میں کسی کتاب کے بارے میں کہتا کہ یہ کتاب دہلی میں نہیں مل رہی ہے تو وہ کہتے میرے پاس موجود ہے، دیکھتا ہوں آپ تک یہ کتاب کس طرح پہنچ سکتی ہے- اگر کسی نادر ونایاب کتاب کی اشاعت عالم عرب سے ہوتی اور اس کی سافٹ فائل ان کے پاس موجود ہوتی یا اس کا لنک انہیں معلوم ہوتا تو وہ فوری اس کا حوالہ دیتے اور کئی بار وہ خود لنک یا سافٹ فائل بھیج دیتے-

کتاب الشفا کے حوالے سے ان کے خط کا اقتباس دیکھیں:

''یہ پڑھ کر مسرت ہوئی کہ تم نے کتاب الشفا کا مطالعہ شروع کردیا ہے- اس کتاب کے مصنف حضرت امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ اپنی صدی کے مجدد تھے اور علم وفضل، ورع وتقویٰ کے علاوہ عشق رسالت مآب کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے- عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے- بعض صاحب دل اور اہل کشف بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبول ہے، بلکہ بعض خوش نصیبوں کو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اس کے مطالعے کی ترغیب دی ہے- شاید یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے اولیا، علما اور عرفا اس کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں- بڑے بڑے علمانے اس کے درس اور اس کی شرح کو اپنی سعادت سمجھا- اس کی متعدد شروحات میں علامہ خفاجی کی ''نسیم الریاض'' شرح شفاء قاضی عیاض اور ملا سلطان بن علی قاری کی ''شرح شفاء'' بہت مشہور اور مقبول ہیں- حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی نے ایک مستقل کتاب لکھ کر کتاب الشفاء کی احادیث کی صحت وتخریج پر محققانہ اور محدثانہ بحث کی ہے- شہزادۂ غوث اعظم حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے حالات میں میں نے کہیں پڑھا تھا کہ وہ سفر وحضر میں دو کتابیں ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے ایک تو یہی کتاب الشفاء اور دوسری علامہ شطنوفی کی بہجۃ الاسرار شریف (یہ کتاب سرکار غوث پاک روحی لہ فدا کے حالات طیبات میں ہے) ہمارے اکابرین کو بھی اس کتاب سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا- چنانچہ حضور سیف اللہ المسلول نے اپنی معرکہ آرا کتاب ''المعتقد المنتقد'' میں جابجا اس کا حوالہ دیا ہے اور قاضی عیاض کا نام محبت اور احترام سے لکھا ہے-

کتاب الشفاء کے مطالعے سے سب سے پہلا اثر جو قاری کے دل پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ محبت وتعظیم اور جذبۂ ادب واحترام میں پختگی آجاتی ہے-''

غیر متعصبانہ رویہ:

شیخ اسید الحق قادری ازہری وسیع القلب اور وسیع الذہن شخصیت کے مالک تھے- دیگر مذاہب ومسالک کی کتابوں پر ان کی گہری نظر تھی- انہوں نے مطالعے کے معاملے میں کبھی بھی مسلک کو درمیان میں آنے نہیں دیا- شاید یہی وجہ رہی کہ محققانہ مزاج رکھنے کے باوجود ان کی تحریریں قارئین کو کبھی خشک محسوس نہیں ہوئیں- منفرد اسلوب انہیں جہاں ملا، انہوں نے مطالعہ کیا اور اپنے مسلک کے تحفظات کے باوجود کتابوں اور اسالیب کو سمجھا اور اپنے متعلقین کو بھی سمجھایا-

حالاں کہ آج بھی سنی مدارس میں رواج عام ہے کہ وہ دیگر مذاہب ومسالک کے مصنفین کی کتابوں کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں- اس کے برعکس انہوں نے خود بھی دوسروں کو پڑھا اور علمی استفادے کے لیے پڑھنے کا مشورہ بھی دیا، شاید اس کے پس پشت جامع ازہر، مصر کا علمی و

تحقیقی ماحول رہا ہو، جسے انہوں نے اپنی زندگی کے لیے حرز جاں بنایا تھا- انہوں نے اپنے کئی خطوط میں مدرسہ قادریہ، بدایوں کے طلبہ کو بھی اس کی ترغیب دی مگر ایسے لوگوں کی تمام باتوں کو من وعن قبول کرنے سے اجتناب کرنے کی تنبیہ بھی کی-

دراصل وہ عقائد کے حوالے سے اپنے متعلقین کو اتنا پختہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کسی بھی مصنف کی کتاب کے مطالعے کے باوجود ان کے اپنے نظریات اور مسلکی رجحانات میں تزلزل نہ آنے پائے، جس کی جیتی جاگتی مثال خود ان کی ذات گرامی تھی-

عالمی منظر نامے پر نظر:

شیخ اسید الحق قادری کو جتنا پڑھنے پڑھانے کا شوق تھا اسی قدر سیر وسیاحت اور لائبریریوں کا چکر لگانے کا بھی شوق تھا- وہ ہندوستان میں ہوں، مصر میں ہوں، پاکستان میں ہوں، یا کہیں اور ہوں یا اپنے آخری سفر بغداد پر ہوں- ہر جگہ وہ لائبریریوں کی تلاش کرلیا کرتے تھے اور اپنے زیادہ تر اوقات لائبریریوں میں صرف کرتے تھے- ہندوستان کے کئی شہروں کا سفر تو وہ صرف لائبریریوں سے استفادے کے لیے کیا کرتے تھے- اس دوران انہیں تلخ تجربات ومشاہدات بھی پیش آتے تھے، جس پر انہوں نے اپنے کئی خطوط میں ردعمل بھی پیش کیا ہے- شیخ کا کوئی ایسا خط نہیں ہے جسے انہوں نے کسی کو تصور میں رکھ کر لکھ دیا ہو اور اس کے نام روانہ نہ کیا ہو، اپنے سفر عمان کے سلسلے میں ایک خط میں انہوں نے لکھا ہے، جس میں مزاح کا پہلو بھی پیدا کردیا ہے جسے پڑھ کر عالمی فکر پر ایک عام انسان کو حیرت بھی ہوتی ہے اور ان کا جملہ فوری اسے ہنسنے پر بھی مجبور کردیتا ہے:

''فارسی کی ایک مشہور مثل ہے کہ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، کچھ یہی حال میرے سفر عمان کا بھی ہوا- ایک سال سے اس سفر کے خواب دیکھ رہا تھا، مگر سارے خوابوں پر پانی پھر گیا- اللہ کے بندوں نے ویزہ ہی نہیں دیا- دراصل فلسطین کے پڑوس میں ہونے کی وجہ سے عمان بھی بہت حساس ہے- اس لیے ویزہ وغیرہ میں یہ بہت محتاط ہیں اور پھر اللہ کے کرم سے ہمارے روئے زیبا پر ایک عدد ریش مبارک بھی جلوہ گر ہے- داڑھی کو طالبان کے ملاؤں نے ایسا بدنام کردیا ہے کہ لوگ ہمیں دیکھ کر فوراً یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم بھی طالبانی قسم کے کوئی مجاہد ہیں اور عمان کے راستہ اسرائیل جانا چاہتے ہیں تاکہ وہاں جاکر آتنک پھیلائیں-

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے''

شعور مقصد کے ادارک پر زور

ہر باشعور شخص کو موجودہ دنیا کے مسلمانوں کے زوال وانحطاط کی داستانوں پر رونا آتا ہے- البتہ ان میں کچھ اس احساس کو نظر انداز کردیتے ہیں اور کچھ زوال وانحطاط کے اسباب پر گہرائی کے ساتھ غور وفکر کرتے ہیں- گہرائی کے ساتھ غور وفکر کرنے والے بھی بعض دفعہ جذباتی ہوکر کچھ ایسا کرتے ہیں، جو خود ہی مزید زوال کا سبب بن جاتا ہے اور بعض بڑے تحمل اور صبر کے ساتھ زوال کے اسباب کی تلاش کے بعد اس کے تدارک اور علاج کی تلاش میں سرگرداں ہوجاتے ہیں-

ان میں کم عمری کے باوصف شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بھی ہیں، جنہوں نے زوال کے ادراک کے بعد اپنی سطح تک اس کے تدارک وعلاج میں لگ گئے اور تاحیات اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں للہ فی اللہ لگے رہے- عام طور پر بڑی بڑی اسلامی نام کی تحریکیں حصول مقصد کی راہ پر گامزن ہوکر یہ بھول گئیں کہ حصول مقصد سے پہلے بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جس کا حصول، حصول مقصد سے پہلے ضروری ہوتا ہے- ہمارے شیخ حصول مقصد سے پہلے شعور مقصد کی بیداری کے لیے تحریک چلانا چاہتے ہیں اور وہ تاکید کرتے ہیں کہ پہلے شعور مقصد کی بیداری کی طرف توجہ مرکوز کی جائے- ان بڑی بڑی اور حساس باتوں کو انہوں نے بڑی آسانی کے ساتھ مجلسی انداز گفتگو میں کہی ہیں، جن سے صرف ان کا مخاطب ہی مستفید نہیں ہوگا بلکہ اس زمانے کے تمام مسلمانوں کے لیے وہ باتیں ازحد ضروری ہیں-

''کسی بھی مقصد کے حصول سے پہلے ایک مرحلہ ہوتا ہے جسے ہم شعور مقصد کا مرحلہ کہتے ہیں، مقصد کا حصول بہت حد تک اس کے شعور پر منحصر ہوتا ہے، جسے ہم شعور مقصد کا مرحلہ کہتے ہیں- مقصد کا حصول بہت حد تک اس کے شعور پر منحصر ہوتا ہے، اگر مقصد کا صحیح شعور نہ ہو تو حصول مقصد کی سعی اور تگ ودو کرنا قوت کا ضیاع اور سعی لاحاصل کی صورت میں سامنے

آتا ہے-''

اس زمانے کی کسی خانقاہ کا شہزادہ اپنے دور طالب علمی میں اگر اس طرح کی فلسفیانہ باتیں کررہا ہوتو اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی پرواز کیا ہوگی-

خود پسندی سے اجتناب اور خودشناسی کا اعتراف:

جس زمانے میں ہم سانس لے رہے ہیں، اس میں عام طور پر خانقاہیں، سجادہ نشینان اور شہزادگان والاشان قولی نفی کے باوجود عملی خود پسندی میں گرفتار ہیں، شاید اسی لیے ایک خانقاہ کے تعلقات دوسری خانقاہ سے بہتر اور خوش گوار نہیں ہیں- حالانکہ صوفیائے متقدمین عام طور پر اس مہلک مرض، یعنی خوپسندی سے دورونفور رہنے کی ہدایتیں دیتے رہتے ہیں اور خود بھی خود پسندی سے اجتناب کر کے عملی ثبوت پیش کیا ہے جب کہ اس وقت منظرنامہ پوری طرح اس کے برعکس نظر آتا ہے اور جب شیوخ کرام ہی خود پسندی سے محفوظ نہیں ہیں تو شہزادگان اور مریدین سے تو اس کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی- ظاہر ہے کہ ایسی دگرگوں صورت حال میں رسم تصوف تو باقی ہے البتہ روح تصوف کو ہم دفن کر چکے ہیں- عام طور پر خود پسندی سے دور رہنے کی تلقین کرنا تو دور کی بات ہے- بے شمار شیوخ کرام کو یہ بھی نہیں معلوم کہ خودشناسی نام کی کوئی چڑیا بھی ہے- یہاں ایک اقتباس دیکھیں، جو کتاب التصوف، رسالہ قشیریہ، غنیۃ الطالبین کی عبارت نہیں، حضرت مولانا اسید الحق قادری کے خط کا ایک اقتباس ہے:

''اگر صوفیائے کرام کی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کے سفر کی پہلی منزل نفس کشی ہوتی ہے-نفس کشی کا مفہوم بہت وسیع ہے، اس میں انا کو مارنا، خود پسندی، خود پرستی، خودنمائی کے بتوں کو دفن کرنا وغیرہ سب شامل ہیں-خود پسندی خودفریبی کی طرف لے جاتی ہے اور خود فریبی ہلاکت کی طرف-

صوفیہ فرماتے ہیں کہ حصول مقصد کے لیے خودشناسی (جس کو ہم شعود مقصد سے تعبیر کرتے ہیں) جتنی ضروری ہے خود پسندی اتنی ہی مضر، صوفیہ کے نظریۂ نفس کشی کی جتنی ضرورت ہمیں آج ہے اتنی شاید ماضی میں کبھی نہیں تھی، جب تک انانیت خودغرضی، خود پسندی اور خودنمائی کے بتوں کو توڑا نہیں جائے گا-حصول مقصد کی خواہش ایک مثبت فکر سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھے گی-''

خلوص وللہیت کی دعوت اور مشن کی کامیابی کی فکر:

مولانا شیخ اسید الحق قادری اپنے دیگر معاصرین اور ساتھیوں سے بہت مختلف ممتاز اور منفرد فکر کے مالک تھے-ان کا سنہرا ماضی انہیں مسلسل آواز دے رہا تھا- وہ اپنی خانقاہ کے بکھرے ہوئے کاموں اور نادر ونایاب کتابوں کی اشاعت، گم شدہ کڑیوں کے تسلسل اور عظمت رفتہ کی بازیافت کے لیے کوشاں تھے اور بہت حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب بھی تھے-لوگ جس قدر انہیں فارغ البال سمجھتے تھے، وہ اس سے زیادہ فکر مند رہتے تھے-قوم وملت اور خانقاہوں کے اتحاد کے لیے، دین کی دعوت واشاعت کے لیے، خانقاہوں کے عملی رویوں کی کامیابی کے لیے وہ پورے خلوص اور للہیت کے ساتھ کام کرتے تھے اور اپنے متعلقین کو بھی خلوص وللہیت کی برملا دعوت دیتے تھے، جس کا ذکر کئی خطوط میں بھی ملتا ہے- ظاہر ہے کہ دور طالب علمی میں اس طرح کی باتیں اور عزائم وہ اپنے بزرگوں اور والد ماجد سے تو نہیں کرتے ہوں گے البتہ دوستوں اور مدرسہ قادریہ کے طلبہ سے ضرور کرتے تھے تاکہ وہ اپنی طرح دیگر قلوب واذہان کو بھی خلوص وللہیت اور نیک نیتی کی ترغیب دے سکیں- اس کے ساتھ ان کے دل ودماغ میں مستقبل کے بے شمار اور خوش گوار عزائم اور خطوط بھی تھے، جن پر چل کر یقیناً انہیں کامیابی مل رہی تھی، ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ہمیں مستقبل میں ان شاء اللہ بہت کچھ کرنا ہے اور موجودہ ڈھرے سے ہٹ کر کرنا ہے اس کے لیے ابھی سے ذہن بنانا ہے اور راہیں ہموار کرنا ہے-''

اسی طرح وہ خلوص وللہیت سے عاری کسی کام کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ خلوص وللہیت سے عاری کام کو نہ کرنا پسند کرتے تھے:

''اگر ان سارے علمی کاموں اور مطالعے وغیرہ کی غرض دنیاوی شہرت وناموری ہو اور یہ آرزو ہو کہ لوگ ہمیں بھی محقق وغیرہ سمجھیں تو پھر خدا کے واسطے یہ کاوشیں پہلی فرصت میں ترک کردو- اگر یہ ذہنیت پیدا ہوگئی (یا اگر ہے تو ختم نہ کی گئی) تو یہ سمجھ لو کہ ہمارا مشن شروع ہونے سے پہلے ہی ناکام ہوگیا- اسلام کے ایک سچے خادم کی ذہنیت اور Tendency ہونا چاہیے-''

شیخ کے خطوط میں جابجا مستحکم عزائم وارادے اور مشن کا ذکر ملتا ہے- اس کے علاوہ کئی جگہ عظمت رفتہ کی بازیافت کی باتیں بھی کی گئی ہیں- نثر میں تو اس طرح کے تذکرے ہیں ہی- ان کے ایک خط میں انہی کا ایک شعر بھی موجود ہے، جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی عظمت رفتہ کی تلاش میں کس قدر سرگرداں تھے:

اب ایک پل کی بھی فرصت نہیں ہے عاصم کو
وہ اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہے

اشعار کا برمحل استعمال:

ان کے ہر خط میں ایک آدھ شعر ضرور درج ہوتا ہے- وہ بذات خود بہت اچھے شاعر تھے- اس کے علاوہ شاعری کے عظیم سرمایہ پر بھی ان کی گہری نظر تھی- سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی گفتگو میں بھی برمحل اشعار کا استعمال کرتے تھے اور خطوط میں بھی-- کبھی خط کو پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ وہ خود گفتگو کررہے ہیں اور یہی وہ نازک مرحلہ ہوتا ہے- جب میں سسکیاں لینے پر مجبور ہوجاتا ہوں، اے کاش............ان کے خطوط میں بے شمار ایسے مقامات ہیں، جہاں انہوں نے برمحل اشعار درج کیے ہیں- وہ چوں کہ عربی داں، فارسی داں اور اردو داں بھی تھے، تینوں زبانوں پر انہیں یکساں قدرت حاصل تھی- اس لیے عربی، فارسی اور سب سے زیادہ اردو کے اشعار استعمال ہوئے ہیں- اشعار کا ان کے پاس ایسا انتخاب تھا، جسے سن کر کوئی بھی دل خوش گوار مسرتوں سے ہم کنار ہوجاتا ہے-

اپنی شاعری کا ذکر:

خطوط میں انہوں نے جابجا اپنی شاعری کا بھی ذکر کیا ہے- ان کی ایسی ایسی پرکیف نظمیں ہیں، جنہیں پڑھ کر قاری سر دھنتا ہے لیکن اکثر وہ اپنے خطوط میں اپنے شاعر ہونے کی نفی کرتے ہیں اور خود ہی کہیں کہیں اپنے اشعار بھی درج کر دیتے ہیں- ان خطوط کے مطابق امتحانات کے زمانے میں وہ خوب شاعری کرتے تھے اور کئی خطوط میں کئی اشعار بھی رقم ہیں- بدایوں کے شعرا انہیں منظوم خطوط لکھا کرتے تھے اور وہ اس کا منظوم جواب بھی مہیا کردیتے تھے- خاص طور پر منظوم خط کا حوالہ نجمی بدایونی کے نام کے ساتھ آتا ہے-- کبھی کبھی وہ مزاحاً اپنی شاعری کے تعلق سے کہتے تھے:

''میری شاعری کچھ ''دھوبیانہ'' قسم کی ہے، یعنی جس طرح دھوبی کہنے سے کبھی گدھے پر نہیں بیٹھتا اسی طرح مجھ سے بھی کسی کی فرمائش پر آج تک ایک شعر نہیں ہوا- ویسے مجھ سے سہرے کی فرمائش یوں بھی خطرے سے خالی نہیں ہے کہ کہیں ذہنی رو بہک جائے اور میں سہرے میں مرثیہ لکھ ڈالوں-''

لیکن اس اقتباس کو پڑھ کر یہ فیصلہ قطعی طور پر نہیں کیا جانا چاہیے کہ وہ شاعری پر قدرت نہیں رکھتے تھے- حقیقت یہ ہے کہ وہ عام طور پر کسی کی فرمائش پر کچھ بھی لکھنا پسند نہیں کرتے تھے- ان کا نظریہ تھا کہ کسی کی فرمائش پر بہت اچھا نہیں لکھا جاسکتا- لکھنا وہ چاہیے جس کی طرف اپنی طبیعت مائل ہو- انہوں نے کافی اچھی نظمیں لکھی ہیں، تضمین کی ہے، منظوم خطوط لکھے ہیں- ان کی شاعری یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ وہ شاعری پر بھی قدرت رکھتے تھے- بدایوں، بریلی تنازع کے خاتمے کی کوشش کے طور پر لکھی گئی ان کی نظم کس جذب دروں اور جذبات واحساسات قلبی کے ساتھ لکھی گئی ہے اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے، جسے اس تنازع کے بارے میں کچھ معلوم ہو اور اس نے وہ نظم پڑھ رکھی ہو-

طنز ومزاح:

شیخ کی ذات ہمہ جہت اور ہمہ گیر تھی- انہوں نے جس طرح تفسیر وحدیث، فقہ وفتاویٰ، تاریخ وتدوین، تحقیق وتنقید کے میدان میں گھوڑے دوڑائے- اسی طرح طنز ومزاح میں بھی ان کا جواب نہیں ہے- منطق وفلسفہ اور فقہ پڑھ کر انہوں نے خود کو خشک محض نہیں بنایا- ادب کا بھی گہرائی وگیرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور طبیعت میں شوخی ومزاح بھی پایا تھا- لیکن وہ ہر چیز کے اصل مقام سے بخوبی واقف تھے- طبیعت میں شادابی ہوتی ہے، تو ایک خط میں کئی ایسے مقام آتے ہیں، جہاں نہ چاہتے ہوئے بھی قاری کو ہنسنا پڑتا ہے- ورنہ تو ہر خط میں چند جملے ایسے ضرور ہوتے ہیں، جنہیں پڑھ کر قاری کے دل کی کلیاں کھل اٹھیں-

مزاح کے چند جملے دیکھیں:

"آپ اور تسنیم میاں یہ اعتراف کرلیں کہ آپ "دونوں میرے دوسالانہ زرتعاون" کی جلیبی، سموسے منگا کر کھا گئے ہیں-"

"گزشتہ ایک ہفتہ سے کسی فضول اور فالتو قسم کے کام میں وقت ضائع کرنے کو دل چاہ رہا تھا، سوچا آپ کو خط ہی لکھ دوں-"

اسی طرح وہ جب طنز کرتے ہیں تو ان کے مخاطب کے پاس ہنس کر گزرنے اور محسوس کرنے کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ میں نہیں ہوتا:

"مجھے یقین ہے کہ آپ نے میرے ہر خط کا جواب نہایت تفصیل کے ساتھ اپنے قلم حق رقم سے رقم فرمایا ہوگا- اب یہ میری خوش نصیبی ہے یا آپ کی کہ آپ کے وہ سارے تفصیلی خط ڈاک کی بد نظمی کا شکار ہو کر مجھ تک نہیں پہنچ سکے، جس طرح میرے وہ بے شمار خطوط، جو میں نے لکھے ہی نہیں تھے ڈاک کے حسن انتظام کی وجہ سے آج تک احباب کو نہیں ملے-"

اس کے علاوہ وہ طنزیہ ومزاحیہ جملے لکھنے کے بعد کہیں کہیں اشعار بھی استعمال کرتے ہیں، جس سے ان جملوں اور شعر دونوں کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے-

سادگی و پرکاری:

شیخ اسید الحق قادری خطوط نویسی میں اخفائے ذات کے قائل نظر نہیں آتے- بے تکلفی اور سادگی و پرکاری ان کے خطوط کی بڑی خصوصیت ہے- عربی و فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر قدرت ومہارت کے باوجود ان کے خطوط میں بالکل عام فہم اور سامنے کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں- البتہ الفاظ کی نشست و برخاست ایسی جاذب نظر ہوتی ہے کہ پڑھ کر مزا بھی آتا ہے اور تقلید کو بھی دل بے قرار ہو جاتا ہے- ان کے خطوط میں بڑی سے بڑی علمی وفکری باتیں بھی موجود ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی باتیں بھی-

وہ نام لکھ لکھ کر اپنے انتہائی قریبی لوگوں تک سلام بھی پہنچاتے ہیں- بے جا تکلفات کا ان خطوط پر کوئی سایہ نظر نہیں آتا- الفاظ کے انتخاب اور مطالب میں وہ کاوش نہیں کرتے- بالکل عام فہم اور بول چال کی زبان استعمال کرتے ہیں- البتہ جابجا اردو کے محاورات ضرور استعمال کرتے ہیں، محاوراتی زبان پر انہیں خاصی دسترس حاصل ہے- ان کی ذات کے اندر موجود عاجزی وانکساری کی جھلکیاں ان کے خطوط میں موجود ہیں- وہ اپنی شان میں استعمال کیے گئے اشعار و جملے اور کتابوں کے انتساب سے روکتے ہیں اور خط لکھنے والے کو بارہا تلقین کرتے ہیں کہ وہ عام ڈاک سے اپنے خطوط روانہ کیا کرے-

خطوط کا آخری حصہ:

شیخ کے خطوط کے تمام حصے اس قابل ہیں کہ ان کا ذکر بالتفصیل کیا جائے- میں نے ان کے خطوط کی ابتدائی سطروں کا بھی تذکرہ کیا ہے اور یہاں آخری حصے کا ذکر کر رہا ہوں- شیخ اپنے خطوط کے آخری حصے میں عام طور پر عام رواج کے مطابق اپنے اقربا کو سلام بھیجتے ہیں اور رب قادر حامی وناصر یا رب مقتدر حامی وناصر پر اپنے خطوط ختم کردیتے ہیں اور آخر میں صرف "اسید الحق" اور اس کے بعد "احقر طلبہ مدرسہ قادریہ" رقم کرتے ہیں- یہاں بھی عاجزی وانکساری کی انتہا ہے کہ مدرسہ قادریہ کے مالک ہو کر خود کو "احقر طلبہ" لکھ رہے ہیں- حالاں کہ اگر وہ کچھ نہ لکھیں پھر بھی کسی کو شکوہ نہیں ہوگا لیکن طلبہ سے ان کا تعلق خاطر اس قدر تھا کہ وہ ہمیشہ خود کو طلبہ کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے-

آخری بات:

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کے خطوط صرف اردو میں ہی نہیں عربی میں بھی موجود ہیں، اور عربی خطوط کے کچھ نمونے میرے پاس بھی موجود ہیں- البتہ ان عربی خطوط میں اپنی خانقاہ، اپنے مدرسہ، اپنے بزرگوں کی خدمات وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے یا خط لکھ کر کسی عربی شیخ کو اپنی خانقاہ کے جلسے میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے- اب تک میرے پاس کوئی ایسا عربی خط نہیں پہنچا، جس سے ان کی داخلی کیفیات کا احساس ہو سکے- لہٰذا میں نے اردو خطوط پر بحث کی ہے-

مجھے لگتا ہے کہ شیخ کے زیادہ تر خطوط جب یکجا ہو جائیں گے تو یہ خطوط، خطوط نویسی کے آخری دور کے یادگار خطوط ثابت ہوں گے- اگر مرزا غالب خطوط نگاری کی ارتقائی تاریخ میں اہمیت رکھتے ہیں تو شیخ اسید الحق قادری خطوط نویسی کے آخری دور کے اہم خطوط نگاروں میں شمار کیے جائیں گے-

□□□

☆ کاپی ایڈیٹر: اردو نیوز چینل، دوردرشن، نئی دہلی

email:alihaqnrn@yahoo.com

محمد ثاقب رضا قادری (پاکستان)☆

مولانا اسید الحق قادری: محسن رضویات

شہید بغداد، عالم ربانی حضرت شیخ اسید الحق قادری کا چہلم قریب ہے، مگر ان کی جدائی کا زخم ہنوز تازہ ہے، سوچ وفکر کی قوت قریباً مصلوب ہے- ۱۷ جولائی ۲۰۱۱ء سے ان کی شہادت سے ایک روز قبل تک تقریباً روزانہ ایک بار اور کبھی متعدد مرتبہ بذریعہ فیس بک گفتگو کا سلسلہ رہا، کبھی کبھار فون پر بات ہو جاتی اور کبھی کبھار برقی خطوط کے ذریعے بھی متصل رابطہ رہا- فیس بک پر اُن کے ساتھ برادرانہ رشتہ قائم ہوا، اُن کے لطف وعنایات کی بارش فقیر قادری پر پیہم برستی رہی- تحقیقی کام میں جب جب مجھے کوئی اشکال ہوا، حضرت نے بروقت رہنمائی کا فریضہ نبھایا- علمی تعاون کرنے میں اس قدر فراخ دل شخصیت میں نے آج تک نہیں دیکھی، اس تین سالہ رفاقت میں مجھے کبھی بیگانگی کا احساس نہیں ہوا، کتب خانہ قادریہ (بدایوں) سے میں یوں ہی مستفید ہوتا رہا جیسے کہ میرا ذاتی کتب خانہ ہو- جب کسی کتاب کی ضرورت پڑی، قبلہ شیخ صاحب نے فوراً ارسال کردی بلکہ بعض اوقات خود ارشاد فرماتے کہ اس موضوع سے متعلق فلاں فلاں کتب آپ کے پاس ہیں؟ اگر نہیں تو میں بھیج دیتا ہوں- اللہ اکبر! علم دوستی اور کشادہ قلبی کا یہ انداز بے شک آپ ہی کا خاصہ تھی-

مجھے یاد ہے جن دنوں ہم علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ پر ویب سائٹ ڈیزائن کر رہے تھے تو ہم نے مواد کی فراہمی کے لیے پاک وہند کی کئی اہل علم شخصیات سے رابطہ کیا اور تعاون کے خواستگار ہوئے، مگر یہ سب کوششیں تقریباً بے سُود رہیں، کسی نے جھاڑا، لتاڑا تو کسی نے وعدۂ فردا پر ٹالا، مگر قربان جایئے شیخ اُسید الحق قادری کے؛ جنہوں نے غیر مشروط تعاون کی حامی بھری بلکہ اس کام کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کئی نایاب چیزیں اور قلمی مخطوطے عنایت فرمائے اور ہماری درخواست پر علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے علم وفضل پر ایک ویڈیو خطاب ریکارڈ کروا کر بھی عنایت کیا جو کہ ۲۰ راگست ۲۰۱۱ء کو علامہ کی ویب سائٹ (www.FazleHaq.com) اور فیس بک پیج کے ذریعے نشر کیا گیا-

وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، وہ حافظ بھی تھے قاری بھی تھے، عالم شریعت بھی اور پیر طریقت بھی، شیخ الحدیث والتفسیر، محدث، محقق، مدقق، مفتی شرع بھی اور مورخ بھی، وہ ادیب بھی تھے اور خطیب بھی، شاعر و ناقد بھی- الغرض! وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس مصرع کے مصداق تھے؛

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

شیخ صاحب پیکر سوز وگداز، خوش اخلاق، باکردار، منکسر المزاج، منبع صدق واخلاص، پابند شریعت، عامل طریقت، حامل زہد وتقوی، صاحب فہم وبصیرت اور مدبرانہ اور قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے- ان کا دل جذبۂ خدمت دین سے سرشار تھا، یہی درد تھا جو اُن کو ہمہ وقت مسلک حقہ اہل سنت کی ترویج کے لیے کوشاں رکھتا تھا-

قبلہ شیخ صاحب کی شہادت سے لے کر تادم تحریر میں اس معاملے میں نہایت متذبذب رہا کہ آخر کیا لکھوں؛

اُس ایک شخص میں پنہاں تھی خوبیاں کیا کیا
ہزار لوگ ملیں گے مگر کہاں وہ شخص

چند دن قبل کسی عاقبت نا اندیش نے شیخ صاحب کو فیس بک پر "مخالف اعلیٰ حضرت" لکھا، شیخ صاحب اپنی حیات میں بھی بعض حاسدین جاہلین کی جانب سے اس پروپیگنڈے کا شکار رہے، ان جاہلوں کے نزدیک بس اعلیٰ حضرت کا نام جپتے رہنا ہی مسلک کی سچی خدمت ہے- نہ ان کو اعلیٰ حضرت کی تعلیمات سے کوئی واقفیت ہے اور نہ ہی ان کی کتب سے کچھ سروکار- بس "مسلک اعلیٰ حضرت" کی آڑ میں سنیت

کے بخیے ادھیڑنے پر ہی مدار ہے-

ہمارے ایک مخلص دوست ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی نے اپنی ایک نظم میں قبلہ شیخ صاحب کو "محسن رضویات" لکھا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ بجا طور پر اس کے حق دار ہیں، ہماری چند سطور آئندہ سے یہ بات بجا طور پر ثابت ہو جائے گی-قبلہ شیخ صاحب کتب اعلیٰ حضرت پر اس قدر گہری نظر رکھتے تھے کہ ایک بار فرمایا کہ میں اعلیٰ حضرت کے معاملے میں ڈی لٹ ہوں-(پی ایچ ڈی سے آگے کی ڈگری ہے)

جن دنوں راقم الحروف اور مولانا افروز قادری، استاذ زمن مولانا حسن رضا حسن کے مجموعہ رسائل کی ترتیب و تدوین میں مصروف عمل تھے، قبلہ شیخ صاحب نے ذاتی دل چسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس قدر دست تعاون دراز کیا کہ مولانا حسن رضا کی بعض ایسی نایاب تصانیف جن کا ہمیں علم بھی نہ تھا، عنایت فرمائیں بلکہ اکثر خود فون کر کے پوچھتے کہ کیا آپ کو مولانا حسن کی فلاں تصنیف کا علم ہے؟ یا آپ کو دستیاب ہوگئی؟ اگر نہیں تو ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے، میں بھیج دیتا ہوں-

رسائل وکلیات حسن کی تدوین و ترتیب اور رضویات سے متعلقہ دیگر تحقیقی کام کے لیے قبلہ شیخ صاحب نے جو کتب مہیا فرمائیں اُن کے اسما درج ذیل ہیں:

۱-ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ
(بذریعہ برقی مکتوب ۲۳ستمبر ۲۰۱۱ء)

۲-بے موقع فریاد کے مہذب جواب (دیکھیے حاشیہ:۱)

۳-ماہ وار رسالہ قہر الدیان علی مرتد بقادیان (اول شمارہ)
(بذریعہ برقی مکتوب، مورخہ ۲۱ستمبر ۲۰۱۱ء)

۴-مثنوی وسائل بخشش (دیکھیے حاشیہ:۲)

۵-سوالات حقائق نما برروٴس ندوۃ العلما
(ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۲۶کتوبر ۲۰۱۱ء) (دیکھیے حاشیہ:۴)

۶-مولانا حسن رضا کا ایک تعزیتی مکتوب حضرت مولانا عبد القیوم قادری بدایونی کی شہادت کے موقع پر
(بذریعہ برقی مکتوب مورخہ ۱۱مارچ ۲۰۱۲ء)

۷-تحفۂ حنفیہ کی فائلز سے قطعۂ تاریخ وصال مولانا عبد القیوم قادری بدایونی-
(ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۱مارچ ۲۰۱۲ء) (دیکھیے حاشیہ:۳)

۸-قصیدہ در مدح شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ ('ماہ تابان اوج معرفت'یعنی عرس قادری ۱۳۰۰ھ کی روداد سے)
(برقی مکتوب مورخہ ۱۲۶کتوبر ۲۰۱۱) (دیکھیے حاشیہ:۴)

۹-تحفۂ حنفیہ کی فائلز سے ندوہ کے متعلق ایک مضمون "مدائح صدر ثانی ندوہ مع پرچہ سوالات" (دیکھیے حاشیہ:۵)

۱۰-فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ
(برقی مکتوب مورخہ ۱۲۶کتوبر ۲۰۱۱ء)

۱۱-تزک مرتضوی کے ناشر مولانا غلام شبر قادری صاحب کے حالات (ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۱۶گست ۲۰۱۲ء) (دیکھیے حاشیہ:۶)

۱۲-العسل المصفی فی عقائد ارباب سنۃ المصطفی (۱۲۹۸ھ) مصنفہ حضرت ابو الحسین نوری علیہ الرحمۃ مطبوعہ جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ میرٹھ سے مولانا حسن رضا کا قطعۂ تاریخ طباعت (فارسی)
(ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۱۶گست ۲۰۱۲ء)

۱۳-کشکول فقیر قادری
(ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۲۴کتوبر ۲۰۱۲ء)
(کتاب کی ترتیب مکمل ہو چکی تھی کہ ایک دوست نے بتایا کہ کشکول فقیر قادری بھی مولانا حسن کی تصنیف ہے، راقم نے فی الفور شیخ صاحب سے رابطہ کیا اور انہوں نے پہلی فرصت میں ہی یہ کتاب مجھے عنایت فرمادی، مفتی عبد المبین نعمانی صاحب نے اسے مولانا حسن کی تصنیف لکھا ہے، مگر کتاب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مولانا حسن کی تصنیف نہیں، بلکہ متفرق شعرا کے کلام کا مجموعہ ہے)

۱۴-قصیدہ معراجیہ پر تضمین (برقی مکتوب مورخہ ۳ستمبر ۲۰۱۳ء)

۱۵-دستور العمل مجلس علمائے اہل سنت ومطبع اہل سنت و جماعت واقع شہر بانس بریلی (ہم راہ مکتوب مورخہ ۱۳کتوبر ۲۰۱۳ء)

۱۶-فتح خیبر (ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۸اگست ۲۰۱۱ء)

۱۷-قصیدتان رائعتان کے اصل مخطوطہ کا عکس

۱۸-**لوامع البها فی المصر الجمعة الاربع عقبیها**
(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس رسالہ کا واحد قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہے ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا-شیخ صاحب نے مجھے اس کے دو تین صفحات عنایت فرمائے تھے اور فرمایا تھا کہ میں ان شاء اللہ اس رسالہ کو ترجمہ وتخریج کے ساتھ منظر عام پر لاؤں گا)

اس کے علاوہ بھی کئی ایک نادر حوالہ جات عنایت فرمائے اور ہمارے کام کو بہت سراہا- رسائل کی ترتیب و تدوین کے دوران بعض مقامات پر شکستہ عبارات اور پیچیدہ ہندی الفاظ کی تصحیح بھی شیخ صاحب نے فرمائی-

رسائل وکلیات حسن کے آخر میں ہم نے "جہان حسن" لانے کا اعلان بھی کیا تھا، جب قبلہ شیخ صاحب کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فقیر کے نام اپنے برقی مکتوب (برقی مکتوب ۴/اپریل ۲۰۱۲ء) میں یہ پیغام ارسال فرمایا: "امید ہے کہ 'جہان حسن' کا کام چل رہا ہوگا، اس سلسلے میں میرے لائق جو بھی خدمت ہو مطلع فرمائیں-"

مولانا حسن رضا کے کام کے دوران میں بلا جھجک ان سے مختلف کتب ورسائل کا مطالبہ کرتا رہا، اور ضروری معلومات بھی حاصل کرتا رہا اور شیخ صاحب ہمیشہ فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے میرے سوالات کا جواب دیتے اور کتب ورسائل ودیگر ضروری حوالہ جات فراہم کرتے رہے-

شیخ صاحب کی علم دوستی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب فقیر قادری نے اخبار "الفقیہ" کے اشاریے پر کام شروع کیا تو شیخ صاحب نے خود فرمایا کہ اس کی کچھ فائلز ہمارے کتب خانہ میں ہیں، میں وہ بھی چیک کروں گا لیکن وہ فائلز اخبار اہل فقہ (امرتسر) کی فائلز تھیں-فقیر قادری کی درخواست پر انہوں نے اخبار اہل فقہ کے سات سال کی فائلز اور رسالہ تحفہ حنفیہ کی فائلز مجھے عنایت فرمادیں-

مولانا عبید اللہ مکی قادری بدایونی علیہ الرحمہ مصنف "تنبیہ الغفول عن علم غیب الرسول" (متوفی:۱۳۱۵ھ) کے وصال پر اعلیٰ حضرت نے عربی میں دو قطعات تواریخ رقم فرمائے تھے، فصیح وبلیغ عربی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت نے ہر مصرع سے سن وصال کا استخراج فرمایا ہے- یہ قطعات مولانا کی کتاب تنبیہ الغفول کے ساتھ ہی شائع ہوئے-جب فقیر قادری نے شیخ صاحب کو بتایا کہ ایک صاحب اعلیٰ حضرت کے متفرق قطعات اور تقاریظ جمع کر رہے ہیں تو انہوں نے ان قطعات کو اسکین کروا کر بھیجا-

سید صابر حسین شاہ بخاری نے اپنی کتاب "تقاریظ اعلیٰ حضرت" میں ان کو شامل کیا یونہی "فتاوی القدوہ" پر اعلیٰ حضرت کی تقریظ بھی شامل کی-میں نے فیس بک پر "فتاوی السنہ لالجام الفتنہ" کا سرورق لگایا اور ساتھ لکھ دیا کہ اس کے کچھ صفحات فقیر کے پاس نہیں، اس پر شیخ صاحب نے میسج کیا کہ آپ کے پاس جو صفحات نہیں وہ مجھ سے حاصل کرلیں-

راقم کی درخواست پر ڈاکٹر مشاہد رضوی نے اعلیٰ حضرت کے کلام پر لکھی تضامین اور طرز رضا کی پیروی (یعنی برزمین اعلیٰ حضرت) میں لکھا جانے والے کلام کو جمع کرنا شروع کیا تو شیخ صاحب نے اس کام میں بھی نہایت تعاون فرمایا اور کئی نادر ونایاب تضامین وکلام عنایت فرمایا-

معارف رضا کے شمارہ بابت اپریل ۲۰۱۳ء میں ڈاکٹر مسعود صاحب کے مکتوب بنام محمد صادق قصوری شائع ہوئے، ایک مکتوب میں ڈاکٹر صاحب نے صادق قصوری صاحب سے کہا تھا کہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں ایک قلمی کتاب "**مظهر العلماء فی تراجم العلماء والکملاء**" مؤلفہ محمد حسنین، ہے اگر اس کتاب سے امام احمد رضا کے حالات نقل فرما کر بھیج دیں تو ممنون ہوں گا-" (صفحہ:۴۵)

۲۰مئی ۲۰۱۳ء کو شیخ صاحب سے ہونے والی گفتگو میں راقم نے اس کتاب کا تقاضا کیا، فرمایا: آپ نے اس کا ذکر کہاں پڑھا؟ میں نے عرض کیا: معارف رضا میں-فرمایا: غالباً یہ واحد نسخہ ہے، کمپوز ہو چکا ہے-ڈاکٹر ایوب قادری نے تذکرہ علمائے ہند کے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کتاب بدایوں میں موجود ہے-

میں نے عرض کیا: کیا اس میں اعلیٰ حضرت کا ذکر ہے؟

فرمایا: نہ صرف اعلیٰ حضرت بلکہ تھانوی، گنگوہی، نانوتوی اور سرسید سب کا ہی ذکر ہے، چھاپنے کی ہمت ہے؟

میں نے عرض کیا کوئی بات نہیں، یوں تو قرآن کریم میں شیطان کا ذکر بھی ملتا ہے-

فرمایا: آپ کو ان پیج فائل بھیج دوں؟

میں نے عرض کیا: نیکی اور پوچھ پوچھ؟

فرمایا: مگر پہلے حلف اٹھائیں کہ کسی دوسرے کو فارورڈ نہیں کریں گے اور نہ ہی پرنٹ نکالیں گے- میں نے حامی بھری تو فرمایا: آپ کا دسترخوان بہت وسیع ہے، اس لیے آپ کو کچھ دیتے ہوئے ڈر لگتا ہے-

خیر حضرت نے اس کی فائل بھیج دی تھی-

شیخ صاحب کو اگر کسی کتاب کی تلاش ہوتی تو فقیر کو حکم فرماتے اور

میری ہر ممکن کوشش ہوتی کہ جلد از جلد اس کی تعمیل ہو، چنانچہ مولانا عبدالحامد بدایونی کی کتاب ''نظامِ عمل'' مولانا غلام قادر بھیروی کا ترجمہ ''بوارق محمدیہ''، امثال القرآن اور دیگر کئی کتب شیخ صاحب کو فقیر نے ارسال کیں۔

شہادت سے تقریباً دو تین ماہ قبل سے بعض معاندین حاسدین کی بے جا مخالفت والزام تراشیوں کے سبب شیخ صاحب نہایت رنجیدہ و مغموم رہا کرتے تھے، اس عرصے میں میرے ساتھ بھی کچھ خاص بات نہ فرماتے، بس سلام ومزاج پُرسی کے بعد رخصت ہو جاتے، ۲۴ جنوری ۲۰۱۴ کو حضرت نے نہایت افسردگی میں یہ میسیج کیا:

''بغداد کو جاتے ہیں کہ وہاں فریاد کا سننے والا ہے۔''

جب اس قدر دُکھی دل کے ساتھ اُنہوں نے بارگاہ غوثیت میں التجا کی ہوگی:

لطف فرما کہ ہے طوفان بلا میں کشتی
آ گئی حوصلۂ ذوق عمل میں پستی
آج ویران ہے پھر سے مرے دل کی بستی
ما گدایم و تو سلطان دو عالم ہستی
از تو داریم طمع یا شہ جیلاں مددے
غوث اعظم بمن بے سر و ساماں مددے

(کلام شیخ اسید الحق قادری)

نہ جانے اُن کے قلب حزیں پر کیا کیا کیفیات گزرتی ہوں گی کہ اُن کی یہ التجا باب اجابت میں یوں مقبول ہوگئی کہ سرکار غوث اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے اس عاشق صادق کو ہند کے اس ستم زدہ ماحول میں واپس بھیجنا منظور نہ فرمایا اور اپنے جوار میں آرام کی نیند سُلانا منظور کیا۔

کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ شیخ اسید الحق قادری عین عالم شباب میں یوں رخصت ہو جائیں گے۔ شیخ صاحب کی اچانک شہادت نے لاکھوں دلوں کو رنج وغم سے نڈھال کر دیا اور حال یہ ہے کہ آج اتنے دن گزر جانے کے باوجود یقین نہیں آ رہا، یونہی لگتا ہے کہ جیسے یہ سب خواب ہو۔ بہر کیف رضائے مولیٰ کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ اللہ کریم اُن کے درجات بلند فرمائے۔ اہل خاندان ودیگر لواحقین، معتقدین، متوسلین اور تمام جماعت کو صبر جمیل عطا فرمائے اور شیخ صاحب کے مشن کو جاری رکھنے اور پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت وتوفیق میسر فرمائے۔ بلاشبہ کسی علمی شخصیت کا رخصت ہو جانا ایک عظیم رنج کا سبب ہوتا ہے مگر اس سے بڑھ کر دُکھ اس کے مشن کے فوت ہو جانے کا ہے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ ہمیں شیخ صاحب کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور خانقاہ قادریہ بدایوں سے جس علمی تحریک کا آغاز قبلہ شیخ صاحب نے فرمایا تھا اسے تا صبح قیامت جاری رکھے۔ آمین

آفریں اُن پر محبت ہی رہا جن کا شعار
نفرتوں کی راہ میں کوہِ گراں ثابت ہوئے
دیکھنے کو اُن کے اُونچا دیکھنا کتنا پڑا
کچھ زمیں کے لوگ تھے جو آسماں ثابت ہوئے

حواشی

قبلہ شیخ صاحب سے مولانا حسن رضا کے مجموعۂ تصانیف کے ضمن میں جو خط وکتابت ہوئی وہ ہدیۂ قارئین ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد دیگر خطوط بھی پیش کیے جائیں گے۔

(۱) برقی مکتوب مورخہ ۱۲ مارچ ۲۰۱۱ء: (اس مکتوب کے ہم راہ مولانا حسن کی کتاب 'بے موقع فریاد کے مہذب جواب' عنایت فرمائی)

سلام مسنون! کتاب بھیجنے میں تاخیر ہوئی، اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، ذرا مصروف ہو گیا تھا۔

(۲) برقی مکتوب مورخہ ۹ فروری ۲۰۱۱ء: (اس برقی مکتوب کے ہم راہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ''نظم معطر'' جو کہ وسائل بخشش کے ساتھ شائع ہوئی تھی، اس کا عکس عنایت فرمایا اور تحریر کیا)

یہ وسائل بخشش کے آخر میں شائع ہوئی ہے۔ میں صرف اتنا ہی لایا تھا، اگر اب وہاں (یعنی خانقاہ صمدیہ پھپھوند، شیخ صاحب کے نانا کی خانقاہ) جانا ہوا تو یاد رکھوں گا [کچھ دن بعد (۱۲ مارچ ۲۰۱۱ء) شیخ صاحب کو وسائل بخشش کا ایک نسخہ اپنے کتب خانہ سے ہی مل گیا چنانچہ شیخ صاحب نے فقیر قادری کو بذریعہ فون اس کی اطلاع دی اور فرمایا کہ وہ یہ نسخہ اسکین کروا کر ای میل کر رہے رہیں]

(۳) برقی مکتوب مورخہ ۱۱ مارچ ۲۰۱۲ء:

مکرمی ومحترمی! سلام مسنون! مزاج گرامی؟ ''وفد حجاز کی رپورٹ'' کا انتظار ہے۔ آپ کے لیے دو تحفے ارسال کر رہا ہوں، مولانا حسن رضا صاحب علیہ الرحمہ کا ایک خط اور ایک قطعہ تاریخ جو مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی کی وفات کے موقع کے ہیں۔ مولانا عبدالقیوم قادری کی وفات کے موقع پر جتنے تعزیتی خطوط آئے تھے وہ سب ایک رجسٹر میں نقل کر لیے گئے تھے، یہ رجسٹر کتب خانہ قادریہ بدایوں شریف میں محفوظ ہے، اس کے صفحہ ۱۹/ پر مولانا حسن کا یہ خط نقل کیا گیا ہے، خط کی کمپوزنگ اور عکس دونوں ارسال خدمت ہیں۔ عکس میں جو تحریر ہے وہ مولانا حسن کی نہیں ہے، بلکہ کسی اور کی ہے جس نے یہ تمام خط رجسٹر میں نقل کیے ہوں گے۔ قطعہ تاریخ ماہنامہ تحفہ حنفیہ سے لیا گیا ہے اس کا مکمل حوالہ آخر میں درج ہے۔ والسلام...... اسید الحق قادری

(۴) برقی مکتوب مورخہ ۲۶/ اکتوبر ۲۰۱۱ء

مکرمی! السلام علیکم...... حضرت مولانا حسن رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قصیدہ حاضر ہے جو آپ نے سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کی مدح میں نظم کیا تھا۔ یہ قصیدہ شاعر نے سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے سالانہ عرس کے موقع پر ۲/ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۰ھ کو درگاہ قادریہ بدایوں شریف میں خود پیش کیا تھا، اُس سال عرس میں پیش کردہ تمام نعتیہ اور منقبتیہ کلام اگلے سال کے عرس ۱۳۰۱ھ میں ''ماہ تابان اوج معرفت'' کے تاریخی نام سے شائع کر دیا گیا تھا۔ یہ صفحات اسی کتاب سے لیے گئے ہیں، یاد رہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بھی پابندی سے ہر سال اِس عرس میں شرکت فرمایا کرتے تھے، چنانچہ سنہ ۱۳۰۰ھ والے عرس میں بھی آپ شریک تھے اور اس موقع پر آپ نے سیف اللہ المسلول کی مدح میں دو عربی قصیدے نظم فرمائے تھے، یہ دونوں عربی قصیدے خود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے قلم سے لکھے ہوئے کتب خانہ قادری میں محفوظ ہیں، ان میں سے ایک قصیدہ (دالیہ) ''ماہ تابان اوج معرفت'' میں شائع کر دیا گیا تھا۔

قصیدہ دالیہ کے آخر میں ایک شعر میں دو تاریخیں برآمد فرمائی ہیں، پہلے مصرع میں صاحب عرس حضرت سیف اللہ المسلول کی سنہ وفات ۱۲۸۹ھ برآمد ہوتی ہے جب کہ دوسرے مصرع سے عرس کی تاریخ سنہ ۱۳۰۰ھ نکلتی ہے، شعر درج ذیل ہے:

فضل الرسول مؤبّد — یا فضل عرس أماجد

باقی کچھ چیزیں اور ارسال خدمت ہیں، سوالات حقائق نما کا مقدمہ آپ کے حسب خواہش حاضر ہے۔ ندوۃ العلما والے معاملے میں دو فتوے تھے، ایک فتویٰ جس پر علمائے حرمین کی تصدیقات تھیں، اس کا نام فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین تھا، جب کہ ایک فتویٰ علمائے ہند کا تھا جس کا نام فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ تھا، ثانی الذکر کے مرتب ومؤلف مولانا حسن رضا قادری صاحب تھے، یہ بھی حاضر خدمت ہے۔

طالب دعا: اسید الحق قادری

(۵) برقی مکتوب مورخہ ۱۵/ مارچ ۲۰۱۲ء

السلام علیکم! محسن کاکوروی کے قصیدہ کا مطلوبہ صفحہ حاضر ہے۔ کلیات محسن میں مولانا حسن رضا صاحب کی کتاب کا قطعۂ تاریخ بھی مل گیا، وہ بھی حاضر ہے۔ تحفۂ حنفیہ پٹنہ سے مولانا حسن کی ایک تحریر بھی حاضر ہے۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

(۶) برقی مکتوب مورخہ ۱۶/ اگست ۲۰۱۲ء

سلام مسنون! مولانا غلام شبر صاحب کے خود نوشت حالات حاضر ہیں۔ ان کی وفات ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں ہوئی تھی۔ □□□

☆ ایم اے علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور (پاکستان)

بقیہ: نسل نو کے سب سے بڑے محسن:

ہم ان کی حیات میں اپنے احباب سے جب بھی ان کا تذکرہ کرتے سب کا متفقہ طور پر فیصلہ یہی ہوتا کہ مولانا اگر اسی طرح کام کرتے رہے تو ان کی فتوحات کی فہرست اتنی طویل ہو جائے گی کہ برصغیر کی تاریخ ان پر بجا طور پر فخر کرے گی۔ اہل علم طبقے کے بعض حضرات شاید اعلانیہ طور پر ان کے بارے میں اعترافِ حقیقت کرنے سے پس وپیش کریں لیکن انہیں بھی یہ احساس ضرور ہے کہ مولانا علم وفضل کے روشن ترین چراغ تھے۔ ان کی شہادت سے نہ صرف چراغ گل ہو گیا ہے بلکہ اہل سنت کا بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔ لکھنے پڑھنے والے جدید قلم کاران کے جانے سے خود کو بے آسرا محسوس کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس اکابر تو بہت ہیں لیکن نوجوانوں کو ایک نوجوان ہی اچھے ڈھنگ سے سمجھ سکتا ہے۔ مولانا بڑے ضرور تھے لیکن وہ چھوٹوں سے بالکل بے تکلف تھے۔ وہ چھوٹوں کو ان کے چھوٹے پن کا احساس قطعی نہیں ہونے دیتے تھے۔ یہ ان کا سب سے بڑا کمال تھا اور سب سے عظیم ہونے کا استعارہ۔ دلِ مضطرب پوچھ رہا ہے کہ کیا اب کوئی دوسرا اسید الحق ہے؟.... کوئی ہے؟.... اگر ہو تو برائے کرم مجھے خبر ضرور کیجیے گا۔ □□□

☆ ماہنامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئی (مہاراشٹر)

محمد رضاء الحسن قادری (لاہور)☆

ایسا بھی اک شخص تھا جو ملا نہیں اور بچھڑ گیا

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کا پاکستان کے علمی حلقوں میں کتابی تعارف اور راقم سے ان کے مراسم کی کہانی

نومبر ۲۰۱۰ء میں مولانا اُسید الحق قادری اور مولانا خوشتر نورانی جب پاکستان کے دورے پر کراچی وارد ہوئے اُس وقت تک چوں کہ دونوں صاحبان سے میری کوئی ذاتی تعلق داری نہیں تھی، صرف نام کی حد تک شناسائی اور کام سے کسی قدر واقفیت تھی، اِتفاق سے کسی واسطے سے اُن کی آمد کی بروقت اِطلاع بھی نہ ہوسکی، بلکہ یہ خبر مجھے اُس وقت موصول ہوئی جب کہ اِن حضرات کی ہندوستان واپسی میں ایک یا دو روز باقی تھے- لاہور سے فوراً کراچی جانا میرے جیسے بندے کے لیے تقریباً اتنا ہی مشکل ہے جتنا دہلی جانا- لہٰذا اِس منصوبے کو بالاے طاق رکھ کر اپنی سی کوشش کر کے رابطہ نمبر حاصل کیا، تاکہ کم از کم فون پہ ہی شرف گفتگو حاصل ہو جائے- چناں چہ ایک آدھ دن نمبر حاصل کرنے میں صرف ہو گیا، بقیہ وقت اس سوچ بچار میں بیت گیا کہ کب رابطہ کرنا مناسب ہے؟ اور کیسا انداز گفتگو اِن کے شایانِ شان ہوگا؟ اور کیا بات کرنی موزوں رہے گی؟ اور مقاصد کلام کیا ہیں؟ وغیرہ، اِدھر ۹ر دسمبر کو دو حضرات کا یہ قافلہ وطن واپس ہولیا اور ہم ابھی تک فیصلہ ہی نہ کر پائے- دراصل وہ دور میرا نوبالغی کا تھا، معزز لوگوں کے حضور لب کشائی کے آداب ابھی تک میں نے سیکھے نہ تھے، اِس لیے یہ جھجک اور ہچکچاہٹ کافی عرصے تک میرے لیے حجاب بنی رہی- دھیرے دھیرے یہ منزل طے ہوتی گئی اور آج وہ وقت ہے کہ اِس رابطے اور سعی پیہم نے پاک و ہند کی نہ ختم ہونے والی رُکاوٹوں اور دوسری دُنیا کے طویل ترین فاصلوں کو کالعدم ثابت کر دیا ہے-

مجھے حضرت مولانا اُسید الحق رحمۃ اللہ علیہ کا علمی وتحقیقی حوالے سے صحیح تعارف سال ۲۰۱۱ء میں ہوا جب اُن کا ترجمہ وترتیب شدہ ''مجموعہ رسائل فضل رسول'' پاکستان میں مکتبہ برکات المدینہ، کراچی سے نومبر ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا اور سال ۲۰۱۱ء میں لاہور کی مارکیٹوں میں آیا- یہ تعارف اتنا باکمال تھا کہ لازوال بن گیا جس نے تحقیق وعلم کی دُنیا میں ہمیشہ کے لیے آپ کا مرید ومسترشد بنا دیا- اِس مجموعۂ رسائل کو پاکستان میں اِتنا پسند کیا گیا کہ چند ہی روز میں ملک کے نظریاتی حلقوں میں یہ مقبول ومتداول ہو گیا اور ہم مسلک شائقین ایک دوسرے کو مبارک بادیاں پیش کرتے رہے اور مخالفین سر پیٹتے رہ گئے- خود راقم نے اپنے نوعمر سے مکتبہ دار الاسلام کے لیے مختلف اوقات میں مجموعی طور پر کم و بیش ۱۰۰ر نسخے منگوائے اور علمی حلقوں میں پہنچائے، جس کا اہل علم نے نہایت شان دار خیر مقدم کیا- گو کہ اِس سے پہلے حضرت کی تالیف ''احادیث قدسیہ'' جمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ/ جون ۲۰۱۰ء میں اسی مکتبہ سے چھپی تھی اور ''جامِ نور'' میں بھی تواتر کے ساتھ مضامین چھپتے رہتے تھے، لیکن پاکستان کے اکثر علمی حلقوں میں مجموعہ رسائل ہی آپ کے خاندانی اور کتابی تعارف کا سبب بنا، کیوں کہ تب تک نہ تو مذکورۃ الصدر کتاب بام عروج کو پہنچ سکی، نہ ہی ''جامِ نور'' کی یہاں مستقل دست یابی ممکن ہوتی تھی- بلاشبہ یہ ایسا تاریخ ساز کام تھا کہ اس نے اہل سنت کے علمی و تحقیقی حلقوں میں اکابر کے ورثے کو اوّل تا آخر بازیاب کرانے اور اس کی نشاۃ ثانیہ کرنے کی طرح ڈال دی-

راقم کے ذاتی مراسم اسی سال ۲۰۱۱ء کے ماہ اپریل میں اُستوار ہوئے جب میں نے پہلی بار حضرت سے تاج الفحول اکیڈمی کی چند مطبوعہ کتب بہ غرضِ طباعت منگوانے کے لیے رابطہ کیا تو آپ نے جواباً یہ خط (بہ ذریعہ ای میل) لکھا، جو آپ کے ہاتھ سے ہی ٹائپ کیا ہوا حاضر خدمت ہے:

''مکرمی جناب محمد رضاء الحسن صاحب...... السلام علیکم

آپ کے اِشاعتی کام اور دینی جذبے کو دیکھ کر خوشی ہوئی، تاج الفحول اکیڈمی کی فہرست مطبوعات حاضر ہے-

'تذکرہ فضل رسول' اور 'تاج الفحول: حیات وخدمات' کی کمپوزنگ ہمارے پاس نہیں ہے، اگر آپ کہیں تو بذریعہ ڈاک کتاب بھجوادی جائے، 'قصیدتان رائعتان' اور 'اکمل التاریخ' ابھی طبع نہیں ہوئی ہیں، ان پر کام چل رہا ہے، ان شاء اللہ رمضان المبارک تک منظر عام پر آجائیں گی، مثنوی غوثیہ کی سافٹ کاپی ارسال کر رہا ہوں، اگر شائع کریں تو اس سے پہلے مجھے مطلع کر دیں-

رب قدیر آپ کی حسنات قبول فرمائے-

اُسید الحق قادری''

اُس وقت جن دو کتابوں کی شدید حاجت تھی ان پر ابھی تک کام مکمل نہیں ہوا تھا، پھر جن کتب کی مزید طلب تھی وہ مطبوعہ تو تھیں لیکن ان کی کمپوزنگ موجود نہیں تھی، اور فوری طور پر انھیں ڈاک سے منگوانا کافی بوجھ لگ رہا تھا، لہٰذا یہ پروگرام ملتوی کر دیا گیا- جب کہ مثنوی کی اشاعت کو کسی مناسب موقع کے لیے روک لیا گیا-

دوسرا رابطہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ کے ڈیڑھ صد سالہ سنہ شہادت جسے حضرت علامہ ہی سے منسوب کیا گیا، کی تیاریوں کے سلسلے میں ہوا- راقم اپنے اِدارے سے علامہ خیر آبادی کا رسالہ ''الروض المجود'' مع ترجمہ از حکیم سیّد محمود احمد برکاتی، شائع کر رہا تھا، اس کی ابتدا میں حالاتِ مصنف شامل کرنے تھے جو میں خود ہی ترتیب دے رہا تھا- حضرت خیر آبادی کی تصانیف کے ضمن میں ''اِمتناع النظیر'' کے بعد ایک فتویٰ بابت مولوی حیدر علی ٹونکی کے متعلق خبر ہوئی جس کا کسی ذریعے سے سراغ نہ لگ سکا- دراصل یہ فتویٰ ''شفاعتِ مصطفی'' (ترجمہ تحقیق فتویٰ) کے پاکستانی ایڈیشن میں نہیں ہے، جب کہ انڈین اشاعت میں موجود ہے جو میری رسائی سے باہر تھی- علاوہ ازیں ''اِمتناع النظیر'' کے علامہ فضل حق خیر آبادی سے اِنتساب کے سلسلے میں ایک غلط فہمی پائی جاتی تھی اس کا اِزالہ کرنا تھا- میری نظر میں اس فتوے کے حصول اور غلط فہمی کے اِزالے کے لیے سب سے موزوں حضرت اُسید صاحب کی ذاتِ گرامی تھی- راقم نے آپ سے اِس مشکل کا ذکر کیا، حضرت کی عنایات کو بھلا کیوں کر بھلایا جا سکتا ہے، آں حضور نے اس فتوے کے قلمی نسخے (جو کتب خانہ قادریہ کی زینت تھا) کی تصاویر بنوا کر مع تفصیلات جو ان کی زیر تصنیف کتاب ''خیر آبادیات'' میں شامل تھیں، بھیج دیں، ساتھ ہی ''اِمتناع النظیر'' کے حوالے سے بھی مواد بھیج دیا- آپ کا وہ مکتوبِ گرامی درج ذیل ہے:

''جناب...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

فتویٰ حاضر خدمت ہے- یہ قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں شریف میں محفوظ ہے، فتوے کی بعض تفصیلات جو میں نے اپنی کتاب 'خیر آبادیات' میں لکھی ہیں، درج ذیل ہیں.................''

اس کے بعد ''خیر آبادیات'' (مسودہ از ص ۱۶۵ تا ص ۱۶۹، مطبوعہ از ص ۱۶۸ تا ۱۷۱) ''فتوائے تکفیر'' والی مبحث اخیر تک درج ہے-

اور پھر ''علامہ کی کتاب امتناع النظیر کے بارے میں چند گزارشات'' کے عنوان سے ''خیر آبادیات'' (مسودہ از ص ۱۶۱ تا ص ۱۶۴، مطبوعہ از ص ۱۶۴ تا ۱۶۷) کی ''رسالہ امتناع النظیر'' والی مکمل بحث نقل ہے-

''خیر آبادیات'' کے مندرجات پر چند اِشکالات پیش آئے، جن کا حل راقم نے اس خط کے ذریعے استفسار کیا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

حضرت! آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود جس فراخ دِلی سے میری گزارش کو اہمیت دی ہے اور اِتنی جلد اِتنے قیمتی مواد کی فراہمی کو ممکن بنایا ہے- میں آپ کی اس بندہ نوازی کو کبھی بھول نہیں سکوں گا- ہر وقت دُعا گو ہوں کہ اللہ کریم اپنے نیک بندوں کے طفیل آپ کے اِخلاصِ عظیم کو آپ کے لیے دُنیا و آخرت میں کفارۂ تقصیرات بنائے-

حضرت! ایک بات مجھے کھٹک رہی ہے کہ 'اِمتناع النظیر' کے متعلق آپ نے لکھا:

''(خارجی دلیل:) یہ رسالہ علامہ کے شاگرد مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے نام سے منظر عام پر آیا تھا-''

۱- کیا اِمتناع النظیر کی کوئی اشاعت مولانا ہدایت اللہ رام پوری کے نام سے بھی ہو چکی ہے؟

۲- سلمہ سہول صاحبہ نے اپنی کتاب میں اِمتناع النظیر کو ایک جگہ ''علامہ کے ایک شاگرد (نام نہیں دیا)'' کی تصنیف بتایا ہے اور دوسری جگہ ''غالباً مولانا ہدایت اللہ رام پوری'' لکھا

ہے اور اب اُن کا کہنا یہ ہے کہ یہ مولانا ہدایت اللہ کی بھی تصنیف نہیں ہے، بل کہ کسی اور کی ہے (جن کا نام اُنھیں اُس وقت مستحضر نہیں تھا- کہہ رہی تھیں کہ اُنھوں نے اپنے کاغذات میں لکھ رکھا ہے، فرصت ملنے پر بتا دیں گی)-

اِس مقدمہ کے پیش نظر میری گزارش یہ ہے کہ کیا جیسے اِس کتاب پر مولانا ہدایت اللہ صاحب کی تصنیف کا شبہ کیا جا رہا ہے، کیا حضرت علامہ کے کسی اور شاگرد کی طرف بھی اِس شک کا رُخ ہوسکتا ہے؟

۳-''علامہ کی کتاب امتناع النظیر کے بارے میں چند گزارشات'' والا مضمون جہاں سے شروع ہو رہا ہے وہاں آپ نے یہ لکھا ہے:

''حیدر علی ٹونکی کے سابق الذکر رسالے کے جواب میں خود علامہ نے قلم اٹھایا، اور رسالہ ''امتناع النظیر'' تصنیف کیا-''

کیا یہ رسالہ یا اِس کا نام دریافت ہوا ہے؟

باقی، حضرت آپ نے جو علامہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے حوالے سے اور کتاب کے اُسلوبی نقطہ نظر سے جو ٹھوس شواہد اکٹھے کیے ہیں، اُن سے اِس کتاب کا علامہ فضل حق خیر آبادی کی تصنیف ہونا سو فی صد ثابت ہو رہا ہے- اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمر میں برکتیں عطا فرمائے-

آپ کی کتاب ''خیر آبادیات'' اِنڈیا میں چھپ چکی ہے؟ اور پاکستان میں کب اور کہاں سے چھپے گی؟

جواب کا منتظر

محمد رضاء الحسن قادری

آپ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے اس کا تفصیلی جواب مرحمت فرمایا:

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

راقم کے ناقص خیال میں امتناع النظیر کی پہلی اشاعت وہی ہے جو مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے کی ہے، اس سے پہلے اس کی اشاعت کا کوئی ثبوت میری نظر سے نہیں گزرا، میں نے جو یہ لکھا ہے کہ ''منظر عام آیا'' اس سے مراد طباعت نہیں ہے بلکہ اس زمانے میں کسی کتاب کے منظر عام پر آنے کا مطلب یہی تھا کہ کتاب کے قلمی نسخے منظر عام پر آئے اور اس کی شہرت ہوئی، امتناع النظیر مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے علاوہ کسی اور شاگرد کے نام سے منسوب ہوئی تھی اس کا مجھے علم نہیں، اگر محترمہ سلمہ صاحبہ یہ کہہ رہی ہیں تو ضرور ان کے پاس اس کی کوئی مضبوط بنیاد ضرور ہوگی، مگر علامہ کے ہاتھ کا اصل نسخہ مولانا ہدایت اللہ صاحب کے پاس ہونا اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ مولانا ہدایت اللہ ہی کے نام سے مشتہر ہوئی ہوگی، واللہ اعلم-

تحقیق الفتویٰ کے جواب میں حیدر علی ٹونکی نے جو رسالہ لکھا تھا وہ آج تک نظر سے نہیں گزرا اور نہ اس کا نام معلوم ہوا، حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے سید حیدر علی ٹونکی کے اس رسالے کا نام ''صیانة الاناس من وسوسة الخناس'' تحریر کیا ہے، ان کے اتباع میں بعد کے بہت سے اہل قلم نے بھی یہی لکھ دیا، مگر یہ درست نہیں ہے، صیانة الاناس علامہ فضل حق کی تحقیق الفتویٰ کے جواب میں نہیں، بلکہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی کتاب فصل الخطاب (مقولات عشر) کے جواب میں لکھی گئی تھی، جو فخر المطابع دہلی سے ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوئی-

مولانا شاہ عبدالصمد سہسوانی (وفات: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید حیدر علی ٹونکی نے تحقیق الفتویٰ کے جواب میں دو رسالے لکھے تھے، ایک مختصر جس کا جواب بدایوں سے دیا گیا اور دوسرا قدرے تفصیلی جس کا جواب مولانا عبدالحق کانپوری نے دیا، لکھتے ہیں:

بعد مدت دراز مولوی حیدر علی نے ایک رسالہ مختصرہ صغیرہ بنام نہاد جواب تحقیق الفتویٰ کے لکھا کہ وہ رسالہ بتوسط منشی اظہار حسین صاحب سہسوانی کے بدایوں میں پہنچا اور جواب اس کا لکھا گیا کہ بتوسط اہل سہسوان مولوی حیدر علی کے پاس پہنچا اور انہوں نے جواب اس کا تو نہ لکھا مگر بعد مدت پھر تحقیق الفتویٰ کا جواب کبیر لکھا اور اس میں اکثر اعتراضات مولوی

فضل حق صاحب سے کلام مولوی اسماعیل پر سکوت کیا چند اعتراضوں کا جواب پریشان دیا، مولوی عبدالحق صاحب بن شاہ عبدالرسول صاحب کانپوری تلمیذ مولوی فضل حق صاحب نے اس کا جواب نہایت بسط کے ساتھ لکھا، اس کا جواب بھی مولوی حیدر علی یا ان کے اتباع سے نہ ہوسکا-

(افادات صمدیہ: ص ۱۹/۲۰)

سید حیدر علی ٹونکی کے رسالہ صغیرہ کے جواب میں بدایوں سے جو رسالہ لکھا گیا تھا اس کا مخطوطہ کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے، یہ فارسی میں ۴۱/اوراق (۸۱/صفحات) کا رسالہ ہے، اس پر مصنف کا نام درج نہیں ہے، اسلوب تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا ہے، اگرچہ رسم الخط آپ کا نہیں ہے، حمد و صلاۃ کے بعد مصنف رسالہ لکھتے ہیں:

ترجمہ: برادر صاحب گرامی مرتبت اعز وارشد نور العین شیخ اظہار حسین (اسعده الله فی الدارین)

بعد سلام مسنون، فاضل کامل رأس المدققین سند المحققین لوذعی المعی مولوی حیدر علی رامپوری زاد افاداتہ کی وہ تحریر خاکسار کو عنایت کی جو اُس فتوے کے رد میں ہے جو امام زماں فرید دوراں الاستاذ المطلق مولوی فضل حق ازداد برکاتہ کی فکر صامت اور ذہن ثاقب کا نتیجہ ہے، جو انہوں نے شفاعت کے بیان میں تقویت الایمان کی ایک عبارت کے متعلق دیا تھا، جو کچھ میری شکستہ خیال میں آیا اس کے اظہار کا اصرار کیا گیا، تو حال یہ ہے کہ مولوی فضل حق صاحب علمی کمالات کی جامعیت اور از اول تا آخر علوم عقلیہ و نقلیہ کے احاطہ میں اس زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے الا ماشاء اللہ، جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا ہے وہ یہی ہے باقی پوشیدہ باتوں کو تو اللہ ہی جانتا ہے، اُس زمانے میں کہ جب انہوں نے یہ فتویٰ لکھا تھا اس فرقے کے ارکان اور اس طائفے کے اعیان جو اس کے شروع کرنے والے اور بانی مبانی تھے وہ خود موجود تھے، انہوں نے (اس فتوے کی وجہ سے) کیا کیا رنج نہ اٹھائے اور کیا کیا پیچ و تاب نہ کھایا، اور کتنا جگر خون نہ کیا مگر مقابلے کی تاب نہ لاکر ساکت ہوگئے، الخ- (رسالہ تردید حیدر علی ٹونکی قلمی، ص:۱)

(خیر آبادیات، ص: ۱۶۰/ص: ۱۶۱)

''خیر آبادیات'' ابھی شائع نہیں ہوئی ہے، دو تین حضرات سے اس پر تاثرات لکھوانا ہے، ان کے پاس گئی ہوئی ہے، ان شاء اللہ رمضان کے آخری ہفتے میں آجائے گی، پاکستان میں بھی اشاعت جلد ہی ہوگی-

دعا میں یاد رکھیں، مَیں آپ سے واقف نہیں ہوں، محض اسلام وسنیت کے رشتے کی وجہ سے یہ تعاون کر رہا ہوں، اس کے بدلے دعائے خیر کے علاوہ آپ سے اور کچھ نہیں چاہتا-

فقط

اُسید الحق قادری

اِس آخری پیرے پر غور فرمائیں! خلوص لوجہ اللہ اور دردِ دین کا کتنا اُجلا، اعلیٰ اور پیارا نمونہ ہے- فجزاه الله تعالیٰ احسن الجزاء یوم الجزاء-

تیسرا رابطہ آپ کی تازہ طبع یافتہ کتاب ''عربی محاورات'' سے ہوا- راقم نے حضرت سے اِس کتاب کو پاکستان میں اپنی زیر نگرانی چھپوانے کے لیے لکھا اور ساتھ ہی کتاب کی رائلٹی کے متعلق پوچھا تو آپ نے کتاب کا مختصر تعارُف اور اس پر اہل علم کے تاثرات نقل کر کے بھیج دیے- اس کے آخر میں یہ نوٹ بھی تھا:

''اگر آپ کتاب شائع کرنا چاہتے ہیں تو میں خوشی سے اس کی اجازت دیتا ہوں، میرے والد محترم فرماتے ہیں کہ 'بیٹا ہم لوگ علم کے خادم ہیں، کتب فروش نہیں'، لہٰذا کتاب کی اشاعت سے مجھے رائلٹی وغیرہ کی طلب بھی نہیں ہے، اس کتاب سے اگر طلبہ فائدہ اٹھالیں تو یہی میری کمائی ہے، باقی رہا مالی منافع تو گزارش ہے کہ اس کو آئندہ اور کسی مفید کتاب کی اشاعت میں لگا دیں-

کتاب میں کسی قسم کا تبدیلی کا آپ کو حق نہیں ہوگا، جس طرح انڈیا میں شائع ہو رہی ہے بالکل ویسا ہی شائع کریں، جام نور کے پاکستانی ایڈیشن میں ہم کتاب کا اِشتہار شائع کروا دیں

گے۔اگر آپ تیار ہوں تو میں کتاب آپ کی خدمت میں ارسال کردوں؟ فقط

اُسید الحق قادری

جواباً اس ناچیز نے یہ عریضہ لکھا:

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا شیخ اسید الحق صاحب تحقق علمہ!

آپ کا نیاز نامہ پڑھ کر قلبی سکینت حاصل ہوئی۔آپ مجھ ہیچ میرز کے ساتھ جو معاملہ فرماتے ہیں (یقیناً اوروں کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہوگا)، واقعی اگر اُس میں للّٰہیت اور آپ کا بڑا پن شامل نہ ہوتو شاید ایسا ممکن نہ ہو۔میں ہمہ دم اللہ رب العزت سے آپ کے حق میں خیر کا طالب ہوں۔

آپ نے کتاب کا مختصر تعارف اور مثالاً ایک محاورہ بھی منقول کیا، اس سے کتاب کے اُسلوب سے واقفیت تو ہوئی، مگر اس کے محتویات سے دل چسپی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ماشاء اللہ آپ جیسے لوگ جس موضوع کو ہاتھ ڈالیں گے، اُس سے کماحقہ نباہ کریں گے اور سچی بات یہ ہے کہ نتائج ہماری توقعات سے بہت آگے کے ہوتے ہیں۔

آپ نے میری گزارش کی قدر فرمائی اور اس پر مزید کرم کہ رائلٹی وغیرہ کی قید سے آزاد کردیا؛ اس فراخ دلی پر میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔لیکن میں یہ ضرور چاہوں گا کہ آپ جب کبھی پاکستان تشریف لائیں گے تو میں آپ کو آپ کے حسبِ منشا کچھ نہ کچھ علمی مواد (جو میری استطاعت میں ہو) فراہم کروں جو سب میری بہ خوشی رائلٹی کے علاوہ ہوگا۔

کتاب میں تبدیلی کے حوالے سے آپ کا فرمانا بالکل جائز ہے کہ متن میں آپ کے علاوہ کوئی شخص آپ کی بلا اجازت تغیر نہیں کرسکتا، لیکن حضرت! آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''جس طرح انڈیا میں شائع ہورہی ہے بالکل ویسا ہی شائع کریں'' اِس میں میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

۱۔میں جو کتابیں اب تک کمپوزنگ میں چھاپ چکا ہوں، ان میں میں نے پیج سائز، فونٹ سائز، لائن سپیس وغیرہ کی مقداریں مخصوص کی ہوئی ہیں۔

مثلاً پیج سائز: 4.25×7.25۔فونٹ سائز: 15، لائن سپیس: 21.7 اور انھی کے مطابق سرخیوں کے مختلف سائز مقرر کر رکھے ہیں۔

۲۔میرے پاس جو اردو کمپوزنگ کا پروگرام ہے اُس میں صلی اللہ علیہ وسلم، رحمۃ اللہ علیہ، رضی اللہ عنہ وغیرہ دعائیہ جملے طغروں کی شکل میں ہیں جو جگہ بھی کم گھیرتے ہیں۔

۳۔مجھے تحریر میں بہ طورِ خاص اِملا کی باریکیوں اور محاسن کو اُجاگر کرنے کا شوق ہے۔اُس میں کئی طرح کی چیزیں ہیں۔مثلاً: چاہئے کو چاہیے، لئے کو لیے، کئے کو کیے وغیرہ.....الفاظ کو الگ الگ کر کے لکھنا۔ جیسے کیونکہ کو کیوں کہ، بزبان کو بہ زبان، ذیشان کو ذی شان وغیرہ.....کئی عام غلطیاں جواب غلطیاں سمجھی ہی نہیں جاتیں جیسے مع: اس کو عموماً بمع بھی لکھتے ہیں اور خورونوش: اس کو خوردونوش پڑھتے ہیں۔اش اش کرنا: اسے عش عش کہتے ہیں وغیرہ.....پھر کچھ الفاظ کے اِملا میں کوتاہی ہوتی ہے جیسے قراءت کو قرأت، مرآت کو مرأت (مرآۃ الگ ہے) اور اسی طرح توجیہ کو توجیہہ اور تشبیہ کو تشبیہہ وغیرہ۔

یہ ساری باتیں میں نے وضاحتاً اس لیے لکھ دیں کہ آپ مکمل اِطمینان رہے اور یقیناً آپ کی دل چسپی بھی بڑھی ہوگی۔

انسب کاموں سے لازماً کتاب کے حسن میں اِضافہ ہوگا اور یہ سارا کام میں خود کرتا ہوں۔یہ بھی پریشانی نہیں ہوتی کہ کسی اناڑی کمپوزر کو کام دیا ہے، کہیں وہ خرابی پیدا نہ کرے۔اُمید ہے کہ آپ میری اِس چھوٹی سی گزارش کو تحسین کی نگاہ سے دیکھیں گے۔خوشتر نورانی صاحب کی کتاب میں بھی ان تمام امور کا اِلتزام کیا گیا ہے۔

آپ مجھے کتاب بھیج دیں۔میں تقریباً ایک ڈیڑھ ہفتے میں اپنے جو کام شروع کر رکھے ہیں ان سے فارغ ہو جاؤں گا تو فوراً آپ کی کتاب پر کام شروع کردوں گا۔اللہ خیر فرمائے تو اِس ماہ کے آخر میں، نہیں تو اگلے مہینے کی اِبتدا میں ہی بفضلہ تعالیٰ کتاب چھپ جائے گی۔ نیاز مند

محمد رضاء الحسن قادری

اِس کے بعد آپ کا یہ خط ملا:

''محترمی......السلام علیکم

آپ کا جواب پڑھ لیا، شکریہ، املا کے سلسلے میں جو باتیں آپ نے لکھی ہیں وہ پسند آئیں، ان میں سے اکثر کی پابندی میں خود کرتا ہوں، مثلاً چاہیے، لیے اور کیوں کہ وغیرہ۔ پھر بھی آپ اپنے ذوق کی تسکین کرلیں اور جہاں املا تبدیل کرنا چاہیں کرلیں، مگر عربی عبارتوں کو ویسا ہی رہنے دیں۔

کتاب کا مسودہ حاضر خدمت ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ مسودہ آپ کسی کو میل نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی کو کاپی کر کے دیں گے، آپ کو یہ شرط شاید غیر ضروری معلوم ہو مگر مجھے اس سلسلے میں کئی تلخ تجربے ہو چکے ہیں اس لیے احتیاط کرتا ہوں، کتاب کی اشاعت سے قبل میں کسی کو بھی کتاب کا مسودہ نہیں دیتا ہوں۔

کتاب کے آخر میں جو تاج الفحول اکیڈمی کی مطبوعات کی فہرست ہے اسے نکال دیں، تعارف مصنف اگر باقی رہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر چاہیں تو اس کو بھی نکال دیں مجھے اعتراض نہیں ہے۔اگر آپ چاہیں تو چند سطروں میں ایک ابتدائیہ پاکستانی ایڈیشن کے لیے لکھ دوں، جس میں آپ کے مکتبے کو کتاب کی اشاعت کی اجازت بھی ہو۔

ڈاکٹر علیم اشرف جائسی صاحب کی تقریظ میں نے کتاب کے بیک ٹائٹل پر دی ہے، آپ بھی ایسا ہی کرسکتے ہیں، اور اگر کوئی دشواری ہو تو ڈاکٹر مصطفی شریف صاحب کی تقریظ کے بعد کتاب میں شامل کرلیں، فہرست میں نام بڑھا دیں۔

جام نور کے آئندہ شمارے میں ہندوستانی اور پاکستانی دونوں ایڈیشنز کا اشتہار دے دیا جائے گا۔

کتاب حاضر ہے، مطالعہ کریں اور اپنی رائے سے نوازیں۔

مخلص

اسید الحق قادری

حضرت نے یہ بھی حکم فرمایا تھا کہ کتاب چھپنے کے بعد پاکستان میں چند حضرات کو کتاب کا ایک ایک نسخہ بھجوا دیا جائے۔

بحمد اللہ تعالیٰ ''عربی محاورات'' اِس ناچیز کی سعی سے پاکستان میں مکتبہ بہارِ شریعت، لاہور سے رجب ۱۴۳۳ھ/ مئی ۲۰۱۲ء میں چھپی۔ لیکن ناشر کو مذکورہ حضرات تک کتاب پہنچانے کی ہمت و توفیق نہیں ہوئی۔کتاب کی طباعت کے بعد مصنف سے معلوم ہوا کہ مولانا رابع حسنی ندوی (دار العلوم ندوۃ العلما، لکھنؤ)، مولانا سعید اعظمی ندوی (مدیر مجلّہ ''البحث الاسلامی'') اور مولانا وثیق ندوی (صدرِ شعبۂ عربی) کتاب کے پہلے ایڈیشن پر تاثرات لکھے تھے جو ابھی تک شائع نہیں ہوسکے۔

دسمبر ۲۰۱۲ء میں ناچیز نے اپنے اِدارے سے ''دفاعِ سیّدنا امیر معاویہ'' کے نام سے اکابر علماے اہلِ سنت کے رسائل کا مجموعہ چھاپنے کا اِرادہ کیا، جس میں شیخ محمد حیات سندھی کا ''رسالۃ فی فضل معاویہ''، علامہ عبد العزیز پرہاروی کا ''الناہیہ عن طعن امیر المؤمنین معاویہ''، مولانا عبد الرشید جھنگوی رحمہم اللہ کا ''حضرت سیّدنا امیر معاویہ کے بارے کیے گئے چند سوالات کے جوابات'' اور پیر سائیں غلام رسول قاسمی کا ''صافیہ لما وقع بین علی ومعاویہ'' کے علاوہ تاج الفحول حضرت شاہ عبد القادر بدایونی رحمہ اللہ کا مصنفہ رسالہ ''تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ'' بھی شامل ہونا تھا، چناں چہ حضرت الشیخ سے گزارش کی گئی کہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں سے اس کی اِس رسالے کی جو اِشاعت ہوئی ہے اور اُس پر آپ نے پیش لفظ لکھا ہے اُس کی کمپوزڈ فائل بھیج دی جائے۔ آپ نے اپنی عادت کے مطابق شفقت فرماتے ہوئے وہ فائل بھیج دی جسے مجموعہ رسائل میں شامل کرلیا گیا۔پانچ رسائل کا یہ مجموعہ راقم کی ترتیب اور کنز العلما حضرت ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب کے تحت الاشراف صفر ۱۴۳۴ھ/ جنوری ۲۰۱۳ء میں شائع کیا گیا۔اس سلسلے کی اگلی جلد ان شاء اللہ اسی سال آرہی ہے، جس میں حسبِ سابق اسلاف علما کے نایاب رسائل شامل ہوں گے۔

سال ۲۰۱۲ء میں دار الاسلام نے اِعتقادیاتِ اِسلام کے سلسلے میں عقائدِ اِسلامیہ سُنّیہ حنفیہ ماتریدیہ کے متون تحقیق وترجمہ کے ساتھ شائع کرنے کا وقیع و وسیع منصوبہ بنایا۔اِس میں کثیر تعداد میں ائمہ اِسلام اہل سنت کے مصنفات متون کو شامل کیا گیا۔ انھی دنوں ''فیس بک'' پر حضرت تاج الفحول کے رسالہ ''احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام''

مترجمہ مولانا دلشاد احمد قادری بہ نام ''اِسلام کے بنیادی عقائد'' مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی کا ٹائٹل نظر پڑا جو حضرت اُسید الحق مرحوم نے اپنے اکاؤنٹ سے شیئر کیا تھا- چناں چہ رابطہ قائم کیا گیا اور اِعتقادیات کے مذکورہ منصوبے کا تعارُف کرایا گیا اور رسالہ حاصل کرنے کی عرض کی گئی- آں جناب نے کرم فرماتے ہوئے رسالہ کی کمپوزنگ اِرسال فرمادی- حضرت عزوجل کے لطف وکرم سے یہ رسالہ انوارُالاسلام، چشتیاں شریف (بہاول نگر) سے ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ/ جنوری ۲۰۱۳ء میں قاری محمد عبداللہ حنفی عرفانی نے بہ تعاون قاری محمد ظفر اِقبال مظہری نے شائع کیا-

پاکستان میں کچھ عرصے سے مولود ناموں کے مجموعے چھپ رہے ہیں- اِس وقت تک مختلف حضرات کے مرتبہ ایک درجن سے زائد مجموعہ ہائے رسائل چھپ چکے ہیں جن میں سو سے بھی زیادہ میلاد نامے (بہ شرطِ صحت) محفوظ ہو چکے ہیں- چند سال قبل حضرت سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ کا ''مولودِ منظوم'' کے قدیم نسخہ کا عکس القلم لائبریری کی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کیا تھا- بعد میں تاج الفحول اکیڈمی کی فہرست کو دیکھنے سے پتہ چلا کہ یہ مولود نامہ بدایوں سے ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ/ دسمبر ۲۰۰۹ء میں چھپ چکا ہے- دو سال پہلے محترم صلاح الدین سعیدی صاحب نے راقم سے منگوانے کا کہا تھا، وہ اپنے زیرِ ترتیب مجموعہ رسائل میں اسے شائع کرنا چاہتے تھے، لیکن وقت کی کمی کے باعث ناچیز حاصل نہ کر سکا اور ان کا مجموعہ رسائل بھی چھپ گیا- پچھلے سال محترمی میثم عباس رضوی صاحب نے بھی نادر و نایاب رسائل میلاد ترتیب دیے لیکن ان رسائل کا خصوصی موضوع منکرینِ میلاد (وہابیہ) پر رد و قدح بھی ہے، چناں چہ حضرت اُسید صاحب سے درخواست کی گئی کہ مولود نامہ مذکور کی فائل ہمیں ای میل کر دیں- آپ نے فائل بھیج دی اور یہ ''میلادِ مصطفیٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں'' میں شامل ہو کر صفر ۱۴۳۵ھ/ دسمبر ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا-

اِتنی کتب و رسائل کی اِشاعت کے بعد تو تاج الفحول اکیڈمی سے جو بھی نئی کتاب چھپتی ناچیز بلا جھجک فون یا ای میل کے ذریعے حضرت سے رابطہ کرتا اور مطلوبہ کتاب کی منگوالیا کرتا- کئی کتب کی مجلس مشاورت میں حضرت الشیخ مولانا اسید الحق قادری کا نام شامل رہا- آپ کے قیمتی آرا سے روشنی حاصل کرتے ہوئے دارُالاسلام نے کام یابی اور ترقی کی کئی منازل طے کی ہیں- اعطاہ اللّٰہ مقامہ فی اعلٰی علّیین-

دریں ایام پاکستان کے کونوں کھدروں میں فرقۂ تفضیلیہ کے جراثیم کافی تیزی سے پرورش پا رہے ہیں اور کافی ہاتھ پاؤں بھی مار رہے ہیں- اپنی شرم ناک سرگرمیوں کے باعث اِعتقادی طور پر تو وہ اہل سنت کے لیے نقصان دہ ہیں ہی، مزید یہ کہ وہ اپنے مطلب کے لیے دو نمبر سنیوں (اہل سنت وَلَی جماعت) کو بھی اِستعمال کر رہے ہیں- پچھلے سال ایک تفضیلی اِدارے مکتبہ اہل بیت اطہار، لاہور نے ایک برائے نام سنی سیّد مہر حسین شاہ بخاری کا رسالہ ''القول المقبول فی مدح اولاد الرسول'' شائع کیا جو عرب کے مشہور شاعر فرزدق کے اِمام زین العابدین رحمہ اللہ کی شان میں لکھے ہوئے قصیدہ ترجمہ ہے- تفضیلی حضرات کو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اہل بیت کا اِکلوتا وارث سمجھتے ہیں، حالاں کہ اِن کے پاس صرف یہی ایک موضوع ہے اور انھیں اُس پر بھی کما حقہ کام کرنے کا سلیقہ نہیں آتا- فرزدق تمیمی (متوفی ۱۱۰ھ) کے اسی قصیدۂ میمیہ کی بابت حضرت اُسید الحق رحمہ اللہ کا ایک مضمون ''جامِ نور'' کے اگست ۲۰۱۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا- راقم نے اس کے لیے حضرت سے رابطہ کیا تو آپ نے اپنا مضمون اِرسال کر دیا- جب مضمون میرے پاس پہنچا اور مَیں نے اُسے پڑھا تو بے حد حیران ہوا کہ اِس مختصر سے قصیدے کے بارے میں اتنی کثیر معلومات! سبحان اللہ! ایسا لگا کہ ''القول المقبول'' کی اِس مضمون کے سامنے کچھ حیثیت نہیں ہے، اور پھر تفضیلی حضرات کا اِس پر اِترانا خفتِ عقل کے سوا کچھ نہیں ہے- یہ مضمون بہ جائے خود ایک کتابچہ تھا، خیال ہوا کہ اسے کتابی صورت میں منظر عام پر لانا چاہیے- حضرت عالی مرتبت مرحوم سے فرمائش کی گئی، ناچیز کے کہنے پر آپ نے اس میں کچھ اِضافات فرمائے اور میرے ہی مشورے پر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری صاحب سے تقریظ لکھوائی گئی- اِس صورت حال کا تذکرہ اور خاک سار کے لیے دُعاؤں اور نیک تمناؤں کا اِظہار حضرت نے اِبتدائیہ میں یوں کیا ہے:

''کچھ ماہ قبل لاہور کے ایک فعال اور بلند حوصلہ نوجوان جناب محمد رضاء الحسن قادری (مالکِ مکتبہ دارالاسلام، لاہور) نے خواہش ظاہر کی کہ وہ مذکورہ مضمون کتابچے کی شکل میں اپنے مکتبے سے شائع کرنا چاہتے ہیں- مَیں نے بہ خوشی اجازت کے ساتھ مضمون کی سافٹ کاپی بھی ان کی خدمت میں بھیج دی، انھوں نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اس پر گرامی قدر مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری سے تقریظ لکھوالیں، مَیں نے یہ تجویز بھی بہ خوشی منظور کر لی، کیوں کہ عربی شعر و ادب اور اس کی تاریخ مکرمی ممتاز صاحب کا خاص موضوع ہے، وہ میرے دیرینہ کرم فرما ہیں اور ازہر شریف کے رشتے سے میرے سینیر اور بڑے بھائی ہیں- رضاء الحسن صاحب نے ممتاز صاحب سے تقریظ حاصل کر کے کتاب اشاعت کے لیے تیار کر لی، لیکن کسی وجہ سے اُس وقت اس کی اشاعت عمل میں نہیں آسکی............ جناب محمد رضاء الحسن صاحب اب دوبارہ مستعد ہو گئے ہیں اور عن قریب یہ کتاب لاہور سے بھی شائع ہو رہی ہے- اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے-''

الحمدللہ یہ قصیدۂ حمیدہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے محرم ۱۴۳۵ھ/ نومبر ۲۰۱۳ میں اور دارُالاسلام لاہور سے موسوم بہ ''مدحتِ اِمام زین العابدین رحمہ اللہ'' ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ/ جنوری ۲۰۱۴ء کو چھپ گیا-

''تذکرۂ نوری'': قاضی غلام شبر قادری بدایونی اور ''قصیدتان رائعتان'': اعلیٰ حضرت اِمام احمد رضا خان بریلوی بھی جیسے ہی شائع ہوئے اور ان دونوں کے سرورق Facebook پر نمودار ہوئے، حضرت سے رابطہ کر کے ان کی اِن پیج فائلز منگوائی گئیں، یکے بعد دیگرے ان کی فائلز موصول ہوئیں- ان کے ملتے ہی ٹریسنگ پیپر پر نکال کر ناشرین کے سپرد کر دیا گیا- اِن شاءاللہ الرحمٰن اوّل الذکر کتاب نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی (دارالنور)، لاہور اور آخر الذکر کتب خانہ اِمام احمد رضا، لاہور سے چھپ کر منظر عام پر آنے والی ہیں- خدا کرے ان کے اسباب جلد مہیا ہوں-

سالِ گزشتہ میں ''اکمل التاریخ'': مولانا ضیاء القادری بدایونی کی بدایوں میں اِشاعت کی خبر ملی، ناچیز کے پاس اس کے حصہ اول کا قدیم نسخہ وجود تھا جس میں حضرت شاہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ کے تذکرہ کے ضمن میں ڈیڑھ صد علما و فضلا کا تذکرہ بھی آ گیا تھا- اُس کی اِشاعتِ نو کی خبر سنتے ہی منہ میں پانی بھر آیا- فون پر رابطہ کیا اور کتاب کو پاکستان میں اپنے اِدارے سے طبع و نشر کرنے کی اِجازت چاہی اور فائل بھیجنے کا تقاضا کیا- اِرشاد فرمایا کہ مطبوعہ ایڈیشن میں کچھ تصحیحات ہونا باقی ہیں، جیسے ہی کام مکمل ہو گا، کتاب بھیج دی جائے گی- ساتھ ہی حضرت نے یہ بھی اِستفسار فرمایا کہ پاکستان میں اِس ضخامت کی کتاب چھاپنے پر کتنی لاگت آتی ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ حضور! آپ کی کتاب ''عربی محاورات'' جو کہ اس سے نصف ہے اُس پر قریباً ۷۰ یا ۸۰ روپے خرچ آیا تھا، ''اکمل التاریخ'' کا آپ دوگنا کر لیجیے- معاً راقم نے یہ بھی عرض کیا کہ قبلہ! آپ کی جانب سے ہمیں اتنی قیمتی کتاب تحقیق اور کمپوزنگ اور تصحیح کے ساتھ مل رہی ہے، یہ آپ کا ہمارے ساتھ کیا کم تعاون ہے؟ بہ صورتِ رقم تعاون کی آپ ہرگز زحمت نہ فرمایئے! اِس پر آپ نے جو الفاظ فرمائے وہ میرے لیے سرمایۂ دُنیا و عقبیٰ ہیں- فرمانے لگے:

''آپ لوگ اتنے کٹھن حالات میں نایاب علمی کتب کی اِشاعت کے لیے کوشش کر رہے ہیں، ایسی کوئی بھی کتاب چھاپنا بہت بڑا اِمتحان ہوتا ہے اور ان کی نکاسی اس سے بھی زیادہ جان جوکھم کا کام ہے، خصوصاً وہ کتاب جو کسی ایک خانوادے کے تذکرے پر مشتمل ہو، اُس کے قارئین کا حلقہ اور زیادہ محدود ہوتا ہے- چوں کہ یہ کتاب ہمارے خاندان کے متعلق لکھی گئی ہے اِس لیے اِس کی اِشاعت میں آپ سے مالی تعاون کرنا ہمارا حق بنتا ہے- کراچی میں ہمارے کچھ اِرادت مند اربابِ ثروت ہیں، اُن سے مَیں کہوں گا تو وہ آپ سے ربط پیدا کر لیں گے اور آپ اُس ایڈیشن کو چھاپ کر مخصوص تعداد کے وہ نسخے پاکستان کے اہل علم و قلم تک اور لائبریریوں میں نیز مجلّات میں تبصرہ کے لیے بھجوا دیں گے-''
(بہ لفظ آں بہ قدرِ حفظ)

ناچیز نے اس فرمانِ شاہی پر سرِ تسلیم خم کر دیا- کئی ماہ کام کے ختم ہونے کا اِنتظار کیا- اس عرصہ میں جب بھی فون پر یا ای میل پر رابطہ ہوا، راقم اِستفسار کرتا رہا- ۱۴ر فروری کو حضرت کی جو آخری ای میل آئی اُس کے الفاظ یہ تھے:

''اکمل التاریخ میں ابھی کچھ کام ہے، فی الحال اُس (قصیدۂ میمیہ) کو شائع فرمائیں''

انہی دنوں بندہ نے ایک صفحہ پر یادداشت کے لیے ''اکمل التاریخ''

کے علاوہ ''حدیثِ اِفتراقِ اُمت''، ''مولانا فیض احمد بدایونی'' (ڈاکٹر ایوب قادری) پر آپ کا مقدمہ اور تاج الفحول اکیڈمی کی ۲۰۱۰ء کی فہرستِ کتب کے مطابق زیرِ طبع کتب ''دربارِ حق و ہدایت''، مرتبہ: قاضی عبد الوحید فردوسی، ''قولِ سدید'' (ردِ خلافتِ معاویہ و یزید): مولانا ضیا احمد صدیقی بدایونی اور حضرت سیف اللہ المسلول کی غیر مطبوعہ کتب کے نام لکھے تھے اور ''مولودِ منظوم (مع اِنتخابِ نعت و مناقب)'': حضرت سیف اللہ المسلول، ترتیب و تقدیم: مولانا اُسید الحق قادری، ''دیوانِ تاج الفحول'' پر فہرست میں ہی نشانات لگائے تھے، اِرادہ یہ تھا کہ ان میں سے جو کتب بدایوں میں چھپ چکی ہیں وہ ابھی منگوالی جائیں اور جوں جوں باقی رسائل اور کتابیں چھپتی جائیں توں توں منگوائی جاتی رہیں- اُدھر ''برکاتِ مارہرہ'': مولوی طفیل احمد صدیقی بدایونی، ''تذکرۂ شمس مارہرہ'': مولانا اُسید الحق قادری، ''تنبیہ الخلوق'' اور ''آداب السالکین'': حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی، مجھے خانقاہِ قادریہ کے ایڈریس سے ای میل میں آئی تھیں اور فیس بک پر بھی ان کے ٹائٹل دیکھے تھے، ان کے نام بھی راقم نے اسی صفحہ پر نوٹ کر لیے- یہ صفحہ میرے کمپیوٹر کے پاس رکھا رہتا اور روزانہ کئی بار اس پر نظر ٹھہرتی اور ہر روز ان کتابوں کے نام کئی مرتبہ میرے ذہن نشین ہوتے رہتے- کئی دن بیت چکے تھے کہ حضرت سے بات نہیں ہوئی تھی، سوچا آج فون کرلوں...... پھر سوچا آج نہیں یار، پھر کسی دن سہی...... دوسرے روز خیال آیا...... آج کرنا چاہیے...... اچھا، آج بھی نہیں...... چلو، کوئی بات نہیں...... دو تین دن بعد دل چاہا کہ آج تو رابطہ کرنا ہے...... اور ضرور کرنا ہے...... ٹھیک ہے...... یہ منگل کا دن ہے، عصر کا وقت ہے اور وہ بھی ختم ہونے کو ہے، پتہ نہیں وہاں کیا ٹائم ہو رہا ہوگا، کہیں نماز کا وقت نہ ہو...... اوہ ہو، بھئی! ٹرائی تو کرو! کوئی حرج نہیں...... نمبر نکالا، ڈائل کیا، ساتھ ہی منقطع کر دیا...... چلو، چھوڑو، ایک گھنٹے بعد رابطہ کر لینا...... مارکیٹ سے گھر کا رُخ کیا...... راستے میں اذانِ مغرب ہوئی...... نماز سے فارغ ہو کر گھر پہنچا...... کھانا کھایا...... اور خیال ہی خیال میں یہ منصوبہ بنا رہا تھا کہ ابھی حضرت کو فون کرنا ہے اور یہ یہ معروضات پیش کرنی ہیں...... ابھی چند لمحے بھی نہ بیتے تھے کہ موبائل پر SMS کی گھنٹی بجی- موبائل ہاتھ میں تھاما...... میسج کھولا، یہ ہمارے دوست جناب ثاقب رضا قادری صاحب کا میسج تھا...... لکھا تھا:

''اہل سنت کا بہت بڑا نقصان......''

حیرت و اِستعجاب اور سناٹے کے عالم میں بقیہ میسج پڑھنے کے لیے نیچے کیا تو شیخ اُسید الحق ہی کا نام لکھا تھا- آپ کا نام پڑھتے ہی ایسے لگا جیسے میری اپنی جان نکلنے لگی ہو- دل سے صدا آنے لگی: کیا ہو گیا؟ خدا خیر کرے! اللہ قدم قدم پر ان کی حفاظت کرے!...... پل بھر میں بہت سے خطرات و حوادث دماغ میں چکرانے لگے...... ہاتھ تھرانے لگے، آنکھیں پتھرانے لگیں، دل کانپنے لگا...... اسی کیفیت میں بقیہ میسج پڑھنے کے لیے نیچے کیا تو پتہ چلا کہ قضا نے آپ کے لیے شہادت کا فرمان لکھ دیا ہے...... اس الم ناک حادثے کی خبر پڑھ کر کیا بتاؤں کیا حالت رہی...... کئی دن بعد تک یہ معاملہ رہا جیسے حواس ساتھ نہیں دے رہے...... اور آج بھی آپ کی شہادت کا صدمہ زخمِ تازہ روز کی طرح آپ کی جدائی کا اِحساس دلاتا رہا ہے...... ہائے پھوٹا نصیبہ!

میرے گوشۂ فکر میں میری جان سے عزیز تر
ایسا بھی اک شخص تھا جو ملا نہیں اور بچھڑ گیا

جب سے ''مجموعہ رسائل فضل رسول'' اور ''خیر آبادیات'' شائع ہوئی ہیں، مارکیٹ میں قریباً روزانہ بلا ناغہ حضرت اُسید الحق مرحوم کا تذکرہ ہوتا تھا، جب بھی کچھ لوگ مل بیٹھ کر اپنی پس ماندگیوں اور کوتاہیوں کا تذکرہ کر رہے ہوتے اور کبھی ہمیں موقع ہاتھ آجاتا تو ہم وہاں اپنے جن محققین، مفکرین اور علما کا ذکر کر کے فخر و مباہات کرتے اور قلوب کو جلا اور ولولوں کو تازگی بخشتے ان میں صفِ اول کے دانش وروں میں حضرت سیّدی علامہ اُسید الحق رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر بھی ہوتا اور ہر ایک کے دل سے ان کے لیے برکت و نصرت کی دُعائیں نکلتیں اور واقعتاً اتنے مختصر عرصے میں اُنھوں نے جتنا وقیع کام کیا ہے یہ برکت ہی ہے، نصرتِ اِلٰہیہ کے بغیر اِتنا کام اتنے کم عرصے میں ممکن نہیں- کبھی کبھی یہ ناچیز اپنے احباب کے سامنے ناز و تفاخر کے ساتھ کہہ دیا کرتا کہ علامہ اُسید صاحب جتنا کام کر رہے ہیں اُمید ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اگلے چند سالوں میں خانوادۂ بدایوں کا تمام تر علمی ورثہ زندہ کر ڈالیں گے اور یہ ان کے لیے ناممکن نہیں تھا- مگر ربِ ذوالجلال کی حکمت کے آگے کسی کا بس نہیں چل سکتا- خداے لم یزل اہل سنت کو مرحوم کا سچا وارث اور جانشین عطا فرمائے-

مجھے اپنی زندگی میں دو شخصیات کی وفات کا سب سے زیادہ دُکھ ہوا: ان میں ایک پاکستان کے علامۂ جلیل حکیم الامت اِمامِ اہل سنت فاتحِ مناظرۂ جھنگ اشرف العلما شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی رحمہ اللہ ہیں جن کا وصال ۱۲؍ رجب ۱۴۳۴ھ/ ۲۳ مئی ۲۰۱۳ء کو ہوا، ان کی مرقدِ منور ڈیرہ اشرف آباد نزد فروکہ مضافات سرگودھا میں واقع ہے- دوسرے ممتاز ناقد و محقق شہیدِ بغداد عالمِ ربانی حضرت علامہ شیخ اُسید الحق قادری عثمانی بدایونی رحمہ اللہ ہیں، جن کا مزار پُر انوار بغدادِ معلّٰی میں اِحاطہ روضۂ حضور غوث الاعظم میں ہے- ان حضرات سے راقم کی جتنی قربت رہی دین کی حقیقی روح کو سمجھنے کا موقع ملا اور انھی حضرات نے ہی دُنیاوی اقدار سے صحیح معنوں میں رُوشناس بھی کرایا- رحمٰن ان سے راضی ہو اور ہمیشہ ان کو اپنی آغوشِ رحمت میں رکھے-

حضرت مولانا اُسید الحق قادری مرحوم کی شخصیت کی عظمت ایک تو خود اُن کی خاندانی شہرت کی وجہ سے تھی، دوسرا علم و ادب اور ادب و تحقیق کی دُنیا میں اُنھوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں کے وہ جوہر دکھائے کہ بلاشک بدایوں بل کہ ہند کی تاریخ میں اُنھیں ایک مرجع کی حیثیت حاصل ہوگی- اس پر ان کا قلمی سرمایہ شاہد عدل ہے- اہل پاکستان پر قرض ہے کہ وہ حضرت شیخ صاحب کی کتب کی از اوّل تا آخر اِشاعت کریں اور تکرار و تسلسل کے ساتھ کرتے رہیں، تا کہ اہل علم اُن کے اِستفادے سے کسی لمحے بھی محروم نہ رہیں- گزشتہ صفحات میں جن کتب کی طباعت کا تذکرہ ہو چکا ان کے علاوہ ''خیر آبادیات'' مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور سے اکتوبر ۲۰۱۱ء میں، ''قرآنِ کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ'' مکتبہ برکات المدینہ کراچی سے شوال ۱۴۳۳ھ/ ستمبر ۲۰۱۲ء میں، تقدیم بر ''شوارقِ صمدیہ ترجمہ و تلخیص بوارقِ محمدیہ''، مطبع اہل سنت و جماعت، لاہور سے ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ/ اکتوبر ۲۰۱۲ء میں اور ترجمہ ردِ روافض، مجموعہ ''شیعوں کے عقائد'' میں مکتبہ برکات المدینہ کراچی سے شعبان جولائی ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔ ''صحیح البہاری'': مولانا ظفر الدین بہاری کو مولانا محمد حسین عطاری نے اپنے اِدارہ دارُ النعمان، کراچی سے رمضان ۱۴۳۲ھ/ اگست ۲۰۱۱ء میں شائع کیا تو اس کے شروع میں شیخ صاحب کی تقریظ بھی شائع کی- اس کے علاوہ موصوف ''تحقیق و تفہیم'' اور ''خامہ تلاشی'' کو پاکستان میں شائع کرنے کا اِرادہ رکھتے ہیں، خداوند قدوس اُنھیں طباعت کے وسائل جلد مہیا فرمائے- ان کے علاوہ جو کتب اس وقت تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکیں، اللہ عزوجل کی مدد و نصرت سے دارُ الاسلام اُنھیں اسی سال تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے منگوا کر پاکستان میں شائع کرے گا- و باللّٰہ التوفیق -

دوست احباب تو علمی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہی ہیں، وہ بھی کبھی کبھی کسی غرض یا مقصد کے تحت، اور بعض اوقات ان کی جانب سے بھی اِنقباض ہو جاتا ہے، مگر بغیر شناسائی یا تعارف اور تعلق کے مدد کرنا یقیناً حیرت انگیز اور کسی اِنسان کی حقیقی عظمت اور بڑے پن کی دلیل ہے- مولانا اُسید الحق قادری رحمہ اللہ حقیقت میں بہت بڑے اِنسان تھے اور اپنے قد سے کہیں زیادہ اونچے اقدار کے مالک تھے- جب آپ ۲۰۱۰ء میں پاکستان کے دورے پر آئے تو ہمارے دوست مولانا محمد فاروق قادری (مجھے پرانی کتابوں کی صحیح معرفت ان سے اور چند دوسرے دوستوں سے حاصل ہوئی ہے) نے آپ سے ملاقات کی، اُنھیں ردِ وہابیت کے کچھ قدیم ترین نوادر مطلوب تھے- حضرت کے دورہ سے واپسی پر جب میری فاروق بھائی سے بات ہوئی تو ان کے تاثرات کے الفاظ یہ تھے: ''رضا بھائی! وہ بہت بڑے دل کے آدمی ہیں-'' اور واقعی ہم نے انھیں اس سے کہیں بڑے دل والا پایا- مَیں نے اپنی مختصر سی زندگی میں تحقیق اور کتاب کے تعلق سے اِتنا فراخ دل اِنسان کبھی نہیں دیکھا اور شاید کبھی دیکھ بھی نہ سکوں- بے لوث خدمتِ علم آپ پر ختم تھی- دو واقعات جو میرے سامنے کے ہیں حاضرِ خدمت کر رہا ہوں:

لاہور سے ایک نوجوان محمد فہد علی رضا (منتظم کتاب محل) نے حضرت سے دورۂ پاکستان کے دوران فون پر رابطہ کیا اور حضرت سیف اللہ المسلول رحمہ اللہ کی کتاب ''البوارق المحمدیة لرجم الشیاطین النجدیة'' کے قدیم ایڈیشن کی عکسی طباعت کی خواہش کا اِظہار کیا، حضرت نے بغیر کسی جان پہچان کے بدایوں پہنچنے پر قدیم نسخہ بھیجنے کی ہامی بھر لی- یقین فرمائیے کہ سفر سے واپسی کے دو یا تین ہفتے میں ہی کتاب کا اصل نسخہ بہ ذریعہ ڈاک اپنے خرچ پر پاکستان بھیج دیا اور نہ کوئی وعدہ لیا، نہ ہی معاہدہ کیا- لیکن اِس بندۂ خدا نے آج لگ بھگ ساڑھے چار سال گزرنے کے بعد بھی اپنا وعدہ نہیں نبھایا اور کتاب کا قیمتی ترین نسخہ یہاں کے ایک عالم مولانا مفتی فضل احمد چشتی صاحب (سندر شریف) کو

مہنگے داموں بیچ دیا- راقم نے انھی حضرت کے اِیما پر دارُ الاسلام سے رجب ۱۴۳۵ھ/مئی ۲۰۱۴ء کو اِس تاریخی کتاب کی عکسی اِشاعت کردی ہے- کتاب کا ایک نسخۂ قدیمہ اِدارہ کو مولانا موصوف کے کتب خانہ سے اور دوسرا نسخہ جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور کی لائبریری سے مولانا وسیم رضا سعیدی کے توسط سے دست یاب ہوا ہے- اِبتدا میں حضرت اُسید الحق قادری مرحوم کا مقدمہ ''بوارقِ محمدیہ: ایک مطالعہ'' شامل کیا گیا ہے-

ہمارے ایک کرم فرما حضرت مولانا وارث علی صاحب (مہتمم جامعہ عنایت القرآن والسنہ، کاہنہ، لاہور) نے پاکستان میں اِمامِ حکمت وکلام حضرت علامہ محمد فضل حق چشتی خیر آبادی رحمہ اللہ کی کتاب ''اِمتناع النظیر'' کا ترجمہ، الحمد للہ مکمل فرمالیا ہے- ترجمہ کرتے وقت اُنھیں کتاب کے مطبوعہ نسخے میں کئی مقامات پر تردّد ہوا، ''خیر آبادیات'' کے مطالعہ سے اُن پر یہ امر منکشف ہوا کہ کتب خانۂ قادریہ بدایوں میں کتاب کا وہ مخطوط موجود ہے جس سے محقق پروفیسر علامہ سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری رحمہ اللہ نے اِستفادہ کیا تھا، سوچا کہ اُسے دیکھنا چاہیے، شاید یہ پریشانی دور ہوجائے- چناں چہ نومبر ۲۰۱۳ء میں حضرت اُسید صاحب مرحوم سے فون پر رابطہ کیا اور مخطوطہ کے عکس کے حصول کی فرمائش کی گئی- چند ہی دن میں آپ نے اُس مکمل مخطوطے کی تصاویر بنوا کر راقم کے ای میل ایڈریس پر بھیج دیں- دارُ الاسلام سے ''اِمتناع النظیر'' (فارسی) طباعت کے مراحل طے کر رہی ہے، اس میں مخطوطہ کے نمونہ صفحات شائع کیے جائیں گے-

اپنے تو پھر اپنے ہوتے ہیں، اَجنبیوں اور بیگانوں سے جس کا یہ حسن سلوک ہو اُس کے خلوصِ دل اور صفاے نیت کا اندازہ کون کرسکتا ہے- میرے حسن ظن میں شیخ صاحب اس شعر کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے:

دشمن بھی جو چاہے میری چھاؤں میں بیٹھے
میں اک گھنا پیڑ سر راہ گزر ہوں

آپ اپنی تمام تر مصروفیات علی الخصوص تدریس و تحقیق و خانقاہ کے تھکا دینے والے مشاغل کے باوجود متعلقین و مستفیدین کو وقت دینے میں بخل نہیں کیا کرتے تھے- جس وقت کوئی بات پوچھی یا چیز طلب کی اسی دن اس کا جواب آجاتا یا اگر وہ مواد موجود ہوتا تو اگلے دن وہ میل باکس میں پہنچ جایا کرتا تھا- اس فقیر کو اہل علم وفن کی مشغولیات کا پوری طرح سے اِدراک و اِحساس ہے، اِس لیے ضروری کام پڑنے پر ہی رابطہ کرتا ہوں اور وہ بھی اتنے وقت کے لیے جس سے کہ ان کی بامقصد اور مفید سرگرمیوں میں مخل نہ ہوجاؤں- حضرت سے بھی کوشش ہوتی کہ ایسا ہی سلسلہ رہے اور الحمد للہ ایسا ہی ہوا، سوائے ایک مرتبہ کے- ہوا یوں کہ ''عربی محاورات'' پریس میں جانے کے لیے تیار تھی، مصنف کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ اگر ممکن ہو تو کتاب روک لی جائے، بعض جگہ تصحیح کرنی ہے! اُدھر خود آپ سفر پر روانہ ہوگئے، اس وجہ سے چند دن رابطہ منقطع رہا- اب مجھے اِس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ سفر میں ہیں، اس لیے مَیں نے اس تصحیح نامے کے لیے کئی میسج کیے اور جواب کا اِنتظار کرتا رہا، مگر کوئی جواب نہ آیا، اُن دنوں فون پر رابطہ نہیں تھا اس لیے ای میل کے ذریعہ ہی پیغام رسانی ہوتی رہی- اِدھر ناشر کو کتاب چھاپنے کی جلدی تھی، چناں چہ راقم نے خود ہی پروف پڑھ کر جہاں لفظی اغلاط نظر آئیں درست کر کے کتاب پریس کے حوالے کردی- بعد میں جب آپ سفر سے واپس ہوئے تو آپ نے میری ای میلز کا جواب عطا فرمایا اور میری بے صبری پر ذرا بھی خفگی نہیں فرمائی- اِدھر اپنا حال سن لیجیے! پچھلے سال عرسِ قادری پر تاج الفحول اکیڈمی اپنی ۱۰۰؍مطبوعات کی فہرست شائع کر رہی تھی، جس کے سرورق پر انڈیا اور خاص طور پر پاکستان سے اکیڈمی کی طبع ہونے والی کتب کے ٹائٹلز دیے جانے تھے- چوں کہ میری معرفت ابھی تک پاکستان میں صرف ''عربی محاورات'' ہی چھپی تھی لہٰذا اس کے ٹائٹل کی فائل بھیجنے کا مجھے ہی کہا گیا- اب معاملہ یہ ہوا کہ ناشر کو کئی بار کہنے کے باوجود اُن سے فائل بھیجنے میں سستی ہوگئی، اِس دوران حضرت نے شاید ایک بار پھر یاد دہانی کرائی، لیکن تعمیلِ اِرشاد نہیں ہوسکی- آخر کار **Facebook** سے ایک دھندلی سی تصویر لے کر اس کی صفائی کر کے فہرست میں شائع کردی گئی- کام تو چل گیا، لیکن ناشر اور اِس کاہل کی غفلت سے آپ کے حکم کی بجا آوری نہیں ہوسکی- اس کے بعد ناچیز نے ایک سے زیادہ مرتبہ معذرت کرنے کی کوشش کی، جسے آپ نے بڑے ہی مشفقانہ انداز میں ٹال دیا اور مجھے شرمندگی کا ذرہ بھر اِحساس نہیں ہونے دیا-

محترم مولانا خوشتر نورانی صاحب کی کتاب ''علامہ فضل حق خیر آبادی: چند عنوانات'' چھاپتے ہوئے سیٹنگ میں کچھ معمولی سی بے

اِحتیاطیاں ہوئیں، اگر اگلا ایڈیشن (راقم کی کوشش ہے کہ آئندہ ایڈیشن پاکستان کے کسی انٹرنیشنل اِدارے سے شائع ہو، الحمد للہ انڈیا میں بھی یہ کتاب حکومت ہند کا ادارہ 'قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان' نئی دہلی سے چھپ چکی ہے) چھاپنے کا موقع ملا تو اِن شاء اللہ اِن کی تلافی کی جائے گی، لیکن اس کا شاید انھیں اتنا قلق نہ تھا، جتنا کتاب کی پشت پر آویزاں حضرت غازی ملک ممتاز حسین قادری حفظہ اللہ اور ان سے متعلقہ تصاویر پر رنج ہوا- راقم نے معذرت بھی کی اور یقین دلانے کی کوشش کی کہ آئندہ ایسی جسارت نہیں ہوگی، مگر طبعِ نازنیں نے گوارا نہیں فرمایا، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پاکستان میں نورانی صاحب کی کتابیں چھپنے کا سلسلہ بند ہوگیا- مذکورہ کتاب کے علاوہ مصنف کی دوسری کتاب ''دورِ جدید کے بعض مسلم مسائل: ایک بازدید'' بھی راقم کی تحریک پر ہمارے دوست حسن محمد زاہد قادری نے والضحیٰ پبلی کیشنز لاہور سے شائع کی- اِس سے قبل اور بعد حضرت کی کوئی کتاب پاکستان میں شائع نہیں ہوئی- یعنی آں محترم کی کتابوں کی پاکستان میں اِشاعت کا شرف (اب تک) اوّل و آخر راقم کو ہی حاصل ہے- والحمد للّٰہ! خیر، اس ''سانحہ'' کی خبر مولانا اُسید الحق رحمہ اللہ تک غالباً مصنف کی طرف سے بھی گئی اور دیگر ذرائع نے بھی اُنھیں باخبر کردیا، تو ایک بار فون پر بات چیت کے دوران مَیں نے اِس قضیہ کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے عرض کی کہ قبلہ! آپ ہی کوئی راہ نکالیے! آپ نے مسکراتے ہوئے کافی بے تکلفی سے فرمایا کہ ''آپ فکر نہیں کریں! خوشتر جذباتی آدمی ہے، مَیں اسے سمجھا لوں گا-'' اِس کے بعد نہ جانے کوئی بات ہوئی یا نہیں- لیکن اگر یہ بات آگے نہ بھی بڑھی ہو تو مضمون کے اِس حصے کو پڑھنے کے بعد ہمیں خوشتر نورانی صاحب جیسے عالی فکر، وسیع القلب اور سیر چشم انسان سے یہی توقع ہے کہ وہ اپنے ظرف کے مطابق معاملہ فرمائیں اور اس قسم کی چھوٹی باتوں کو علمی رشتوں کے درمیان حائل نہیں ہونے دیں گے- □□□

☆ مدیر: مجلّہ ''حجۃ الاسلام''، مؤسس: دارُ الاسلام، لاہور (پاکستان)
darulislam21@yahoo.com

مولانا خوشتر نورانی کی شاہکار علمی وتحقیقی کتاب

علامہ فضل حق خیر آبادی: چند عنوانات

(صفحات: ۲۴۸ قیمت: ۹۱/-)

کا تیسرا ایڈیشن

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی (وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند)

سے اضافے کے ساتھ شائع ہوگیا ہے-

- علامہ فضل حق خیر آبادی اور ۱۸۵۷ء کے معرکے میں ان کے کردار کے بارے میں آپ نے حرفِ آخر لکھ دیا ہے- (پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی)
- یہ کتاب اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام تحریروں میں اپنے معیار تحریر و تحقیق کے لحاظ سے فائق ہے- (حکیم سید محمود احمد برکاتی)
- یہ کتاب اتنے غیر جذباتی، معروضی اور تحقیقی اوصاف سے متصف ہے کہ یقیناً اس کا شمار اردو کی اعلیٰ تحقیقی کتب میں کیا جاسکتا ہے-

(پروفیسر سید حسین الحق)

(۸)

علمی آثار

محمد ارشاد عالم نعمانی☆

مولانا اسید الحق قادری
اور
کتب اسلاف کی تحقیق واشاعت: ایک تعارف

'خانوادۂ عثمانیہ قادریہ' بدایوں برصغیر ہندوپاک کا ایک ممتاز دینی، علمی اور روحانی خانوادہ ہے، جس کی علمی وروحانی تاریخ کا دائرہ صدیوں پر محیط ہے۔ خصوصیت کے ساتھ پچھلے دوسو سال کی تاریخ میں اس عظیم خانوادے میں ایسی ایسی باکمال شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں جن کی علمی، عملی اور تحریکی زندگی آج بھی گم گشتگانِ راہ کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس عظیم خانوادے کے اکابر واسلاف نے اپنے اپنے عہد میں علم وروحانیت، اصلاحِ فکر واعتقاد اور زبان وادب کی خدمت وآب یاری میں جو عہد ساز خدمات وکارنامے انجام دیے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، جن کے بارِ احسان سے سوادِ اعظم اہلِ سنت وجماعت کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔

عقائد وکلام، تحقیق وافتا، تصوف وسلوک، تاریخ وسیر، تذکرہ وسوانح، تفسیر وحدیث، ردِّ فرق واحزاب، لسانیات، زبان وادب غرضیکہ علوم وفنون کے ہر میدان میں انھوں نے اپنی علم ودانش کے چشمۂ صافی سے دنیائے علم وادب کو خوب خوب سیراب وفیض یاب کیا اور آج بھی اصحابِ علم وفضل اپنے ظرف کے مطابق سیراب ہورہے ہیں۔

شاہ عین الحق عبد المجید قادری (ولادت: ۲۹ر رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ/اپریل ۱۷۶۴ء۔ وصال: ۱۷ر محرم الحرام ۱۲۶۳ھ) کے ذریعے فیضانِ خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی روشنی سے خانقاہِ قادریہ بدایوں کی شکل میں رُشد وہدایت اور روحانیت وطریقت کے جس خانقاہی نظام اور معروف تصنیف 'ہدایت الاسلام' کے ذریعے سلسلۂ تحریر وقلم کی جو شاندار روایت قائم ہوئی وہ ہر دَور میں جاری رہی۔

اشاعت جدید کے روحِ رواں:

شخصیات خانوادۂ قادریہ بدایوں اور علمائے مدرسہ قادریہ بدایوں (سالِ قیام ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء بموقع دستاربندی سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری) کی علمی وتصنیفی خدمات ہر دَور میں سوادِ اعظم اہلِ سنت کے ذخیرۂ کتب میں بیش قیمت اضافہ ثابت ہوتی رہیں، لیکن وہ بیش قیمت تصانیف اپنی پہلی اشاعت کے بعد دوبارہ نہ چھپنے کی وجہ سے عصرِ حاضر کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہوچکی تھیں، جن کی دوبارہ اشاعت کا خیال خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کے متحرک وفعال فاضل، ممتاز ناقد ومحقق حضرت مولانا اُسید الحق قادری ازہری (ولادت: ۲۳ر ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/۶ر مئی ۱۹۷۵ء شہادت ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/۴ر مارچ ۲۰۱۴ء) کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ اگست ۲۰۰۴ء میں وہ جامعہ ازہر قاہرہ مصر سے تفسیر وفقہ میں تخصص کی تعلیم کے بعد ہندوستان واپس آئے اور ۲۰۰۷ء سے باضابطہ اپنے اکابر واسلاف کے ورثۂ علمی کی اشاعت کی جانب اپنی توجہ مبذول کی۔

محرم ۱۴۲۸ھ/جنوری ۲۰۰۷ء سے باضابطہ اس کام کا آغاز سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف لطیف 'احقاقِ حق' کی اشاعت سے کیا اور سات سال (جنوری ۲۰۰۷ء تا مارچ ۲۰۱۴ء) کی نہایت مختصر مدت میں مختلف علوم اسلامی اور فنونِ ادبیہ میں اپنی درجنوں علمی تصانیف کے علاوہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں (سالِ قیام ۱۹۹۱ء) کے زیر اہتمام اپنے اکابر واسلاف اور علمائے مدرسہ قادریہ کی مختلف علوم وفنون پر مشتمل کتابوں کی جدید ترتیب، ترجمہ، تسہیل، تحقیق، تحشیہ، تعلیق، تخریج اور تقدیم وتعارف کے ساتھ اشاعت فرمائی، وہ نہایت حیرت انگیز بھی ہے اور قابلِ صد افتخار بھی۔ اکابر واسلاف بدایوں کے ورثۂ علمی کے تحفظ میں انھوں نے جو قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے وہ ہمیشہ ان کی علمی وتحریکی شخصیت کی یاد دلاتی رہے گی۔

اشاعت جدید کے مقاصد:

اسلاف واکابر کی اشاعت وتصانیف کے پیچھے ان کے کیا مقاصد کارفرما تھے، اس کی تفصیل ذیل میں خود انھیں کی زبانی ملاحظہ کیجیے:

''عظیم المرتبت اسلاف کے ورثا اور اخلاف کی یہ ذمہ داری بھی ہے اور سعادت بھی کہ وہ اپنے اسلاف کی روایات کو برقرار رکھیں، ان کے آثارِ علمیہ کی حفاظت کریں اور ان کی علمی وفنی خدمات اُجاگر کر کے ان کا فیض اگلی نسلوں تک منتقل کریں- ان کتابوں کی جدید اشاعت سعادت مندی کی دلیل اور اسی احساسِ ذمہ داری کا نتیجہ ہے-

ان کتابوں کی جدید اشاعت اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ فرزندانِ مدرسہ عالیہ قادریہ اور خادمانِ خانقاہِ عالیہ قادریہ آج بھی اپنے اکابر کے مسلک ومنہاج پر نہ صرف مضبوطی سے قائم ہیں بلکہ مسلکِ حق کی اشاعت اور باطل افکار کے ردّ و ابطال کی ذمہ داری بھی بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں-

آج کفر وضلالت اور بدعقیدگی ولادینیت نئے نئے پیراہن بدل کر سامنے آرہی ہے، حق وباطل میں امتیاز مشکل ہو رہا ہے، افراط وتفریط کی گرم بازاری ہے، ایسے غیر یقینی حالات میں اپنے اکابر واسلاف کے فکری اور نظریاتی تسلسل سے منسلک رہنے میں ہی میں سلامتی ہے- ان کتابوں کی جدید اشاعت اسی فکری وابستگی اور نظریاتی تسلسل کے استحکام، مضبوطی اور استواری کی جانب ایک ٹھوس اور کامیاب قدم ہے-''

(بیک ٹائٹل کی تحریر سے ایک اقتباس، کیٹلاگ 'تاج الفحول اکیڈمی کی ۱۰۰ مطبوعات')

اشاعت جدید: منزل بہ منزل

اسلاف شناسی، ورثۂ اسلاف کی حفاظت اور فکر اسلاف سے غیر معمولی وابستگی، مسلک حق کی اشاعت اور باطل افکار وعقائد کا رد و ابطال یہ وہ اہم مقاصد تھے جن کے پیشِ نظر انھوں نے تصانیفِ اسلاف اور ان کی سیرت وسوانح پر مشتمل قدیم ونایاب اور جدید کتابوں کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا- اس اہم منصوبے کو سلسلہ وار مرحلۂ اشاعت میں تقسیم کیا-

(۱) ۱۴۳۰ھ/۲۰۱۰ء میں (بموقع پچاس سالہ عہد سجادگی شیخِ طریقت تاج دار اہل سنت حضرت شاہ عبدالحمید سالم القادری دام ظلہ العالی) تاج الفحول اکیڈمی کی جانب سے قدیم وجدید پچاس کتابوں کی اشاعت کا اعلان کیا گیا- اس پہلے مرحلۂ اشاعت میں اسلاف کی درجنوں کتابوں کی اشاعتِ جدید کی رونمائی ۱۶ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ/۴ر جنوری ۲۰۱۰ء عرسِ قادری کے مبارک موقع پر جشنِ زرّیں عہد سجادگی کی خوشگوار تقریب 'جشنِ اشاعت' میں کی گئی-

(۲) پھر دوسرے مرحلۂ اشاعت کے طور پر ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء میں قدوۃ الواصلین، زبدۃ العارفین مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہٗ (وصال: محرم ۱۳۳۴ھ/ دسمبر ۱۹۱۵ء) کے صد سالہ عرس کے موقع پر سو مطبوعات تاج الفحول اکیڈمی کا اعلان کیا گیا اور اس مبارک تقریب میں بھی متعدد تصانیفِ اسلاف کی اشاعتِ جدید اور رونمائی کی گئی- اسی دوسرے مرحلۂ اشاعت میں ان کے والد گرامی مولانا شیخ عبدالحمید سالم القادری (زیب سجادہ خانقاہِ قادریہ بدایوں) نے انھیں اس امر پر آمادہ کیا کہ:

''جب مدرسہ قادریہ سے اسلاف شناسی کی تحریک کا آغاز کیا گیا ہے تو ہمارے حضرات مشائخ مارہرہ پر بھی کام ہونا چاہیے-''

(ابتدائیہ، بقلم مولانا اُسید الحق قادری مشمولہ تذکرۂ نوری، مصنفہ مولانا غلام شبّر قادری بدایونی، رجب ۱۴۳۴ھ/ مئی ۲۰۱۳ء، ص ۱۷)

اس لیے انھوں نے اکابر مارہرہ کی تصانیف کے علاوہ اکابرینِ مارہرہ کی سیرت وسوانح پر مشتمل قدیم ونایاب کتابوں کی اشاعت کی جانب بھی توجہ دی اور متعدد کتابیں جدید آب وتاب کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی سے شائع کیں-

(۳) تیسرے مرحلۂ اشاعت سال ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء کے لیے اخبارات ورسائل میں ایک جامع اشاعتی منصوبے کا اعلان کیا گیا- اس رپورٹ کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے جو تصانیف اکابر بدایوں کی اشاعت سے متعلق ہے:

''اکیڈمی نے سال ۲۰۱۴ء کے لیے بھی ایک جامع اشاعتی منصوبہ تیار کیا ہے جس کے تحت نومبر ۲۰۱۴ء میں ہونے والے عرسِ قادری تک پندرہ کتابیں لانے کا عزم کیا گیا ہے- زیر ترتیب وطباعت کتابوں میں حضرت مولانا فضل رسول بدایونی کی معرکۃ الآرا کتاب 'سیف الجبار' کے علاوہ 'مجموعۂ رسائل فضل رسول'، 'مجموعۂ رسائل تاج الفحول'، 'نظامِ عمل' مصنفہ مولانا عبدالماجد بدایونی وغیرہ شامل ہیں- حافظ عبدالقیوم قادری نے کہا کہ مولانا اُسید الحق قادری 'سیف الجبار' پر تحقیقی کام کر رہے ہیں- ان کی تحقیق وترتیب اور مبسوط مقدمے کے ساتھ یہ تاریخی اہمیت کی کتاب جلد ہی اکیڈمی شائع کرنے جارہی ہے- میٹنگ کی صدارت تاج الفحول اکیڈمی کے صدر الحاج خواجہ احتشام الدین قادری نے کی- مولانا اُسید الحق قادری، مولانا عطیف قادری، مفتی دلشاد احمد قادری اور مولانا عبدالعلیم مجیدی سمیت اکیڈمی کے اہم اراکین نے شرکت کی-'' (رپورٹ 'مثبت اور تعمیری کام کرنا وقت کی اہم ضرورت' مطبوعہ متعدد اخبارات ورسائل)

افراد سازی:

تحریکِ اسلاف شناسی اور ورثۂ اسلاف کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط ٹیم کی بھی ضرورت تھی- اس تحریک کے روحِ رواں کو اس امر کا بھی بخوبی ادراک تھا کہ دو سو سال پر محیط اپنے اسلاف کی علمی امانت کو قوم کے سامنے لانے کے لیے انھیں علمی وتحقیقی اور تصنیفی صلاحیتوں سے آراستہ ایک مخلص جماعت کی بھی ضرورت ہے- اس لیے انھوں نے علمی وتحقیقی مصروفیات اور تصنیفی واشاعتی امور پر بھرپور توجہ مرکوز رکھنے کے ساتھ افراد سازی کا بھی خصوصی خیال رکھا- چنانچہ انھوں نے اس کے لیے ۲۰۰۵ء سے مدرسہ قادریہ بدایوں میں اپنی درس گاہِ علم وفیض بھی آراستہ کی- اپنے آبا واجداد کی اس علمی یادگار کی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ بحال کرنے کے لیے انھوں نے اپنی پوری توانائی لگادی- آپ اس ادارہ کے شیخ الحدیث بھی تھے اور صدر المدرسین بھی- ادارہ کے معیارِ تعلیم کو پختہ اور مثالی بنانے کے لیے طلبہ کے داخلہ کے سلسلے میں یہ ضروری دفعہ بھی رکھی کہ درمیانِ جماعت میں داخلہ نہیں لیا جائے گا- اس کا بڑا فائدہ یہ سامنے آیا کہ اگست ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۱۴ء کی نہایت مختصر مدت میں کئی ایک باصلاحیت طلبہ آپ کی درس گاہ سے فارغ ہو کر اسی ادارے میں آپ کی زیر نگرانی تدریس وتصنیف کا اہم فریضہ بحسن وخوبی انجام دینے میں مصروف ہوگئے- انھوں نے اپنے مختصر زمانۂ تدریس میں طلبۂ مدرسہ قادریہ کی ذہنی وفکری تربیت اور خفیہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے متعدد جہات پر اپنی توجہ مبذول کی- ایک جانب ان طلبہ کے اندر تحریک وتبلیغ کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے مختلف مدارس وجامعات کے اربابِ علم ودانش سے استفادہ کا موقع فراہم کیا تو دوسری جانب ان کے اندر تحقیقی، تصنیفی اور علمی ذوق کی استواری کے لیے تربیتِ تصنیف کا بھی مستقل شعبہ تشکیل دے دیا تھا- ان کا معمول تھا کہ وہ ہر سال طلبہ مدرسہ قادریہ کے لیے عرسِ قادری کے موقع پر سالانہ تحریری وتقریری مسابقے کا اہتمام کرواتے اور اس میں اس میدان کی کسی نہ کسی تجربہ کار شخصیت کو بلا کر ان سے توسیعی خطاب کراتے- ایک جگہ اپنے تلامذہ کی تحقیقی صلاحیت کی نشو ونما پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات میرے لیے شکر اور مسرت کا باعث ہے کہ مدرسہ قادریہ میں اب ایسے افراد پیدا ہو رہے ہیں جو نہ صرف یہ کہ علمی اور تحقیقی ذوق رکھتے ہیں بلکہ اپنے اسلاف کے علمی سرمایے کی حفاظت اور اس کی اشاعتِ جدید کا جذبہ بھی رکھتے ہیں-''

(ابتدائیہ، مسئلہ قیامِ تعظیمی، مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، طبع جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ/ مارچ ۲۰۱۳ء، ص ۱۲)

یہ اقتباس اس حقیقت کو بتانے کے لیے کافی ہے کہ محققِ عصر حضرت مولانا اُسید الحق قادری نے اکابر بدایوں کے ورثۂ علمی کے تحفظ واشاعت کی جو منصوبہ بند اور منظم تحریک اپنے پیچھے چھوڑی ہے، اس کے لیے ایک حد تک افراد بھی تیار کر دیا تھا اس لیے مجھے امید قوی ہے کہ آپ کے شاگردانِ عزیز اس مشن کی لو کو کبھی مدھم نہیں ہونے دیں گے بلکہ اس اہم مشن کی تکمیل کے لیے وہ ہر ممکن حد تک کوشاں رہیں گے- اِن شاءاللہ العزیز-

طلبۂ مدرسہ قادریہ کے اندر تصنیفی ذوق کی استواری میں مولانا اُسید الحق قادری کے اس وصف خاص کا بھی بے پناہ دخل ہے کہ انھوں نے اپنے عزیز شاگردوں سے تحقیق وترتیب کتبِ اسلاف میں اگر تھوڑا بہت بھی علمی کام لیا تو وہ اثاثۂ علمی اپنے نام کے بجائے انھیں کے نام سے منظرِ عام پر لایا تاکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی ہو اور ان کے اندر زیادہ سے زیادہ علمی کام کرنے کا جذبۂ بیکراں پیدا ہو- یہ وہ ممتاز اور نادر صفت

ہے جو دیگر حضرات کے لیے بھی نمونۂ عمل کی حیثیت رکھتا ہے جو ایسے موقع پر اپنی شہرت و نیک نامی کا تو خیال رکھتے ہیں لیکن طلبہ کی عزت افزائی اور حوصلہ بخشی کے پہلو کو پورے طور سے نظر انداز کر جاتے ہیں۔

اشاعتِ جدید کی خصوصیات:

مولانا اُسید الحق قادری کی علمی و قلمی قیادت میں اکابر و اسلاف کی تصانیف اور ان کی سیرت و سوانح پر مشتمل قدیم و نایاب کتابوں کی اشاعتِ جدید کی خصوصیات و امتیازات حسب ذیل ہیں:

● جدید معیارِ طباعت اور طرزِ املا و کتابت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

● ہر کتاب میں فہرستِ مشمولات جدید طریقے کے مطابق شروع میں دیا گیا ہے، موضوعاتی فہرست میں فہرست مضمون کے سامنے صفحات بھی درج کر دیا گیا ہے، بیشتر کتابوں میں فہرستِ مشمولات مرتب/مترجم کے قلم سے ہے۔

● ہر کتاب پر شروع میں کتاب اور صاحبِ کتاب کا ایک جامع تعارف شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کے مطالعہ کے مطابق ہر کتاب اور صاحبِ کتاب کا تعارف مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے تحریر کردہ ہے۔

● کتاب کے تعارف میں طبعِ قدیم کی اشاعتی تفصیلات کے ساتھ سببِ تالیف اور مشمولاتِ کتاب کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

● مصنف کے تعارف میں سیرت و شخصیت کے ساتھ ان کی دینی و علمی خدمات کا معلوماتی تعارف بھی قلم بند کیا گیا ہے۔ قلمی و تصنیفی خدمات کا تعارف بھی بطورِ خاص کرایا گیا ہے۔

● حوالہ جات کی تخریج و ترتیب میں جدید طریقۂ تخریج و ترتیب پر بھرپور دھیان دیا گیا ہے۔

● آیاتِ قرآنیہ کی تخریج میں سورت کا نام اور آیت نمبر درج کیا گیا ہے، کیونکہ آیاتِ قرآنیہ کی تخریج میں موجودہ وقت میں یہی رائج ہے۔

● احادیث کی تخریج میں جدید طریقۂ تخریج کے اصول پر عمل کرتے ہوئے کتاب، باب اور حدیث نمبر درج کیا گیا ہے۔

● اصل کتاب میں حوالہ کی عبارتوں کے لیے حاشیہ میں صرف کتاب کا نام اور جلد و صفحہ کی نشاندہی کی گئی ہے، باقی تفصیلات ماخذ و مراجع کے عنوان سے کتاب کے آخر میں درج کی گئی ہیں۔

● ماخذ و مراجع کی ترتیب میں کتابوں کے نام حروفِ تہجی کے اعتبار سے درج کی گئی ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے: پہلے کتاب کا نام، پھر مصنف (مع سنِ وصال اگر ضرورت ہو تو) پھر مطبع کا نام، مقامِ طبع پھر سنِ طبع۔ ماخذ و مراجع کی فہرست میں یہی طریقہ رائج بھی ہے۔

● جدید طریقے کے مطابق کاپی رائٹ کے صفحہ میں پہلے کتاب کا نام، پھر اس کے نیچے مصنف کا نام، اس کے بعد سنِ طبعِ اوّل یا طبعِ قدیم، پھر سنِ طبعِ جدید درج کیا گیا ہے۔

● ہر کتاب یا صاحبِ کتاب کی مناسبت سے کاپی رائٹ کے صفحہ کے بعد ایک علاحدہ صفحہ کسی نہ کسی اہم شخصیت سے منسوب ہے۔ ہر کتاب پر مولانا اُسید الحق قادری کا نام بطور انتساب کردہ درج ہے۔

● اسلاف کی کتابوں کو قدیم 'تاریخی نام' کے بجائے مختصر اور آسان عرفی نام سے شائع کیا گیا ہے، نام کے انتخاب میں ان کے قدیم نام کی روح کا خیال رکھا گیا ہے اور مناسب نام تجویز کیا گیا ہے۔

● ہر کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب اور طباعت معیاری ہے۔

مطبوعہ تصانیف و رسائل کی فہرست:

اسلاف و اکابر بدایوں کی قدیم و نایاب کتابوں کی اشاعت کا آغاز یوں تو ۱۹۹۸ء سے ہی حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی کے عرس صد سالہ سے ہو چکا تھا، اس وقت کی دو مطبوعات "تاج الفحول: حیات و خدمات" اور ماہ نامہ مظہر حق کا تاریخی "تاج الفحول نمبر" اس سیاق میں خاصا اہم ہیں، لیکن وہ حضرت شیخ صاحب کی طالب علمی کا زمانہ تھا، اس اشاعت کا باضابطہ آغاز از ہر شریف سے شیخ صاحب کی واپسی کے بعد محرم ۱۴۲۹ھ/ جنوری ۲۰۰۷ء سے ہوا۔ پہلی کتاب 'احقاقِ حق' کے نام سے چھپی جو شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے۔ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ/ مارچ ۲۰۱۴ء تک تاج الفحول اکیڈمی کے زیر اہتمام اسلاف کی پچاس کتابیں طبع ہو چکی ہیں، جب کہ اکیڈمی کی مجموعی مطبوعات سو سے زائد ہیں۔ ہر ایک کتاب کا مختصر تعارف لکھنے سے پہلے مطبوعہ تصانیف و رسائل کی ایک اجمالی فہرست ذیل میں درج کی جا رہی ہے تاکہ شائع شدہ کتابیں ایک نظر میں سامنے آ سکیں، فہرست کی ترتیب سنہ اشاعت کے اعتبار سے درج کی گئی ہے تاکہ سال بہ سال اکیڈمی کی

اس تعلق سے پیش قدمی کا ایک واضح نقشہ بھی سامنے آ جائے۔

۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء کی مطبوعہ کتابیں:

● احقاقِ حق (مسئلہ توسل و استعانت کی تحقیق)
سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری بدایونی

● عقیدۂ شفاعت کتاب و سنت کی روشنی میں
سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری بدایونی

● تذکارِ محبوب (تذکرہ مولانا عبد القدیر بدایونی)
مولانا عبد الرحیم قادری بدایونی

● جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد: مولانا فیض احمد بدایونی
پروفیسر محمد ایوب قادری

۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء کی مطبوعہ کتابیں:

● الکلام السدید، تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی

● سنت مصافحہ، تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی

● خطباتِ صدارت عاشق الرسول مولانا شاہ عبد القدیر بدایونی
، مرتب: مولانا اُسید الحق قادری

● مثنوی غوثیہ، مولانا شاہ عبد القدیر بدایونی

● فلاح دارین، مولانا عبد الماجد قادری بدایونی

● عرس کی شرعی حیثیت، مولانا عبد الماجد قادری بدایونی

● عقائد اہل سنت، مولانا عبد الحامد قادری بدایونی

● دعوتِ عمل، مولانا عبد الماجد قادری بدایونی

● مردے سنتے ہیں، مولانا حکیم محمد عبد القیوم شہید قادری بدایونی

● مضامینِ شہید، مولانا حکیم محمد عبد القیوم شہید قادری بدایونی

● ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل
مولانا حکیم محمد عبد القیوم شہید قادری بدایونی

● احکام قبور، مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی

● ریاض القرأت، مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی

● تذکرۂ فضلِ رسول، مولانا انوار الحق قادری عثمانی بدایونی

● تذکرۂ ماجد، مولانا اسید الحق قادری

۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء کی مطبوعہ کتابیں:

● زیارتِ روضۂ رسول
سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی

● حرزِ معظم، سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی

● فصل الخطاب، سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی

● اختلافی مسائل پر تاریخی فتوی
سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی

● مولودِ منظوم، سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی

● ردِّ روافض، تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی

● شارحۃ الصدور فی احکام القبور
مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری بدایونی

● الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ، حضرت سید احمد بن زینی دحلان شافعی مکی، ترجمہ: مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری بدایونی

● مختصر سیرتِ خیر البشر، مولانا محمد عبد الہادی ہادی القادری بدایونی

● باقیاتِ ہادی، مولانا محمد عبد الہادی ہادی القادری بدایونی

● خمیازۂ حیات، مولانا محمد عبد الہادی ہادی القادری بدایونی

● احوال و مقامات، مولانا محمد عبد الہادی ہادی القادری بدایونی

۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء کی مطبوعہ کتابیں:

● مجموعہ رسائلِ فضلِ رسول، سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی، ترتیب: مولانا اُسید الحق قادری بدایونی

● عظمتِ غوثِ اعظم، مولانا محبّ احمد قادری بدایونی

● نگارشاتِ محبّ احمد، مولانا محبّ احمد قادری بدایونی

۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء کی مطبوعہ کتابیں

● خواجہ غلام نظام الدین قادری: حیات و خدمات
ترتیب: محمد تنویر خاں قادری بدایونی

۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء کی مطبوعہ کتابیں

● تحقیق التراویح، سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی

● وہابی تحریک: تاریخ اور عقائد
مولانا شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی

● تبکیت النجدی (مسئلہ امتناع نظیر کا تحقیقی جائزہ)

● شیخ ابن تیمیہ کے عقائد و افکار
حافظ بخاری مولانا سید عبد الصمد چشتی سہسوانی

- اسلام کے بنیادی عقائد
تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
- شمس الایمان (مسئلہ توسل واستعانت کی تحقیق)
مولانا محمد محی الدین عثمانی بدایونی
- فلسفہ عباداتِ اسلامی، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
- قصیدہ بانت سعاد (ترجمہ وتشریح)، مولانا عاصم اقبال مجیدی
- اسلام میں محبتِ الٰہی کا تصور، شیخ حازم نائف ابوغزالہ (عمان)
اُردو ترجمہ: مولانا دلشاد احمد قادری
- سیف اللہ المسلول کا علمی مقام، مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی
- تذکرہ خانوادۂ قادریہ، مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی

۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء کی مطبوعہ کتابیں:

- مسئلہ قیام تعظیمی، مفتی حسین احمد مقتدری بدایونی
- الجواب المشکور، مولانا محمد عبدالماجد قادری بدایونی
- تذکرۂ نوری، مولانا غلام شبر قادری بدایونی
- اکابر بدایوں، مولانا احمد حسین قادری گنوری

۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء (بموقع جشن دوصد سالہ عرس شمس مارہرہ):

- آداب السالکین، شمس مارہرہ آل احمد اچھے میاں مارہروی
- برکاتِ مارہرہ، طفیل احمد صدیقی بدایونی
- تذکرہ شمس مارہرہ، مولانا اُسید الحق قادری بدایونی

۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء کی مطبوعہ کتابیں:

- اکمل التاریخ (اوّل، دوم)، مولانا یعقوب ضیاء القادری بدایونی
- قصیدتانِ رائعتان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی

۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء کے ایک جامع اشاعتی منصوبے میں اکابر بدایوں کی جن کتابوں کی اشاعت کا اعلان ہو چکا تھا وہ یہ ہیں:

- تلخیص الحق، سیف اللہ المسلول شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی
- سیف الجبار سیف اللہ المسلول شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی
- تصحیح المسائل، سیف اللہ المسلول شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی
- مکاتیب فضلِ رسول
سیف اللہ المسلول شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی
- سیف الاسلام، تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی
- تحفۂ فیض، تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی
- خلاصۃ العقائد، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
- عورت اور قرآن، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
- الہدیۃ القادریۃ والمقامات البغدادیۃ، مولانا فیض احمد بدایونی
- صولتِ قادریہ، مولانا حکیم سراج الحق عثمانی بدایونی
- تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال، مولانا حافظ بخش قادری
- تنبیہ الغفول عن علم غیب الرسول، مولانا عبیداللہ مکی بدایونی
- صون الایمان عن وساوس قرن الشیطان، مولانا محب احمد قادری
- مظہر العلماء وتراجم الکملاء، مولانا سید محمد حسین سید پوری بدایونی
- نظامِ عمل، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

(دیکھیے کیٹلاگ 'تاج الفحول اکیڈمی کی ۱۰۰ مطبوعات'، ص ۸)

۲۰۱۴ء کے جامع اشاعتی منصوبے کے تحت مندرجہ بالا کتابوں میں سے کتنی کتابیں اب تک پریس کے حوالے کی جا چکی تھیں، راقم الحروف کو اس کا علم نہیں۔

تعارف تصانیف:

محقق عصر مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری نے اپنے اسلاف کے جن کتابوں کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ وہ متنوع موضوعات پر مشتمل ہے- ذیل میں سن اشاعت کے لحاظ سے ان کتابوں کا تعارف درج کیا جا رہا ہے- تعارفِ تصانیف کے لئے راقم الحروف نے مندرجہ ذیل دو مرکزی عنوان کا انتخاب کیا ہے:

(۱) کتب عقائد وکلام: (۲) اسلاف شناسی- تاکہ کتابوں کے تعارف میں آسانی بھی ہو اور محققِ عصر کی حسنِ نظر کا واضح نقشہ بھی سامنے آ جائے- ذیل میں پہلے 'کتبِ عقائد وکلام' کا سلسلہ وار تعارف کرایا جائے گا پھر اس کے بعد 'اسلاف شناسی' کے تعلق سے مطبوعہ تصانیف کا تعارف درج کیا جائے گا- واضح رہے کہ تعارف کتاب کے ذیل میں جو اشاعتی تفصیلات اور موضوع کتاب کے تعارف میں مولانا اسید الحق قادری کی ان تحریروں سے بطور خاص استفادہ کیا گیا ہے جو ہر کتاب کے شروع میں ابتدائیہ کے تحت انہوں نے تحریر فرمایا ہے-

کتبِ عقائد وکلام:

ذیل میں سنہ اشاعت کے لحاظ سے سلسلہ واران کتابوں کا

تعارف کرایا جا رہا ہے جو عقائد وکلام اور اصلاحِ فکر واعتقاد کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ کچھ متفرق موضوعات پر کتابوں کا تعارف بھی اسی عنوان کے ذیل میں شامل کر لیا گیا ہے-

- **احقاق حق**: یہ کتاب سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے- کتاب کا پورا نام 'احقاق الحق وابطال الباطل' ہے- اصل رسالہ فارسی زبان میں ہے- مولانا اُسید الحق قادری کے اندازے کے مطابق یہ کتاب ۱۲۶۵ھ کے آس پاس لکھی گئی- اس کتاب میں مسئلۂ توسّل واستعانت پر بے نظیر تحقیقی گفتگو کی گئی ہے اور استعانت کے سلسلے میں شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کی بعض عبارتوں کا تحقیقی وعلمی جواب دیا گیا ہے- تقریباً ۱۲۶۵ھ میں یہ کتاب فارسی زبان میں شائع ہوئی-

مولانا اُسید الحق قادری نے ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصے کے بعد اس کی پہلی اشاعت تاج الفحول اکیڈمی سے محرم ۱۴۲۸ھ/ جنوری ۲۰۰۷ء میں کیا، پھر اسی ادارہ سے دوبارہ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ/ مئی ۲۰۰۹ء میں اس کی اشاعت عمل میں آئی- ابتدائیہ مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے جس میں کتاب اور مصنف کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے- تعارفِ مصنف کے لیے مولانا عبدالحکیم شرف قادری کی ۲۳ر صفحات پر مشتمل ایک قیمتی تحریر بھی شاملِ اشاعت ہے- علامہ شرف قادری کی یہ تحریر پہلی بار سیف الجبار (مصنفہ شاہ فضلِ رسول بدایوں، مطبوعہ مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۷۲ء) بطور مقدمہ شائع ہوئی تھی- تاج الفحول اکیڈمی کا نسخہ اصل فارسی کے بجائے پوری کتاب کا اُردو ترجمہ ہے اور حوالہ جات کی تخریج وتحقیق سے مزین ہے۔ ترجمہ وترتیبِ جدید، تحقیق وتخریج اور حوالہ جات کا اہم کام مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دیا ہے- بقول مترجم:

> ''یہ لفظی اور حرفی ترجمہ نہیں ہے بلکہ اگر اس کو تلخیص واختصار کہا جائے تو شاید زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لیے اصل کتاب کی ہر عبارت اور ہر لفظ کا ترجمہ میں پایا جانا ضروری نہیں ہے-''
> (ابتدائیہ، ص ۶)

عقیدہ شفاعت کتاب وسنت کی روشنی میں:

یہ کتاب بھی شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے جو بقول مرتب مولانا اسید الحق قادری مصنف کی جانب سے ۱۲۶۸ھ میں تالیف کی گئی- شاہ فضل رسول بدایونی نے شاہ اسماعیل دہلوی کی نہایت متنازعہ اور گمراہ کن کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے رد بلیغ اور تنقیدی محاسبے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے- کتاب کا پورا نام ''فوز المومنین بشفاعۃ الشافعین'' ہے- یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۶۸ھ میں مطبع مفید الخلائق دہلی سے شائع ہوئی- ۱۳۱۰ھ/ ۱۹۹۸ء میں مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی کی تسہیل کے ساتھ ماہ نامہ مظہر حق بدایوں میں اپریل تا اکتوبر ۱۹۹۸ء قسط وار شائع ہوئی-

۱۴۲۹ھ/ جنوری ۲۰۰۹ء میں یہ کتاب مولانا اسید الحق قادری کی ترتیب، تسہیل اور تخریج اور حواشی وتعلیقات کے ساتھ آسان عرفی نام ''عقیدۂ شفاعت- کتاب وسنت کی روشنی میں'' کے نام سے منظرِ عام پر آئی ہے- کتاب کی عام افادی پہلو کے پیش نظر اس کا ہندی ایڈیشن بھی تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہو چکا ہے- کل صفحات ۱۲۰ ہے- اَخیر میں ایک صفحہ میں طبعِ اول کے سرورق کا عکس بھی دے دیا گیا جو تحقیق وتدوین کا موجودہ رائج طریقہ ہے ساتھ ہی فہرست مشمولات بھی کتاب کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے تاکہ مضامین کتاب سے عام قاری کے لیے استفادہ آسان ہو جائے-

کتاب، مشمولات کتاب اور اشاعت جدید میں کتاب کی ترتیب وتسہیل اور تخریج وتحقیق کے لیے امور ملحوظہ کی تفصیل پر مشتمل ۳ر صفحات میں ایک ابتدائیہ بھی مرتب کے قلم سے شامل ہے-

مرتب موصوف نے مشمولات کتاب کا جامع تعارف ان الفاظ میں قلم بند کیا ہے:

> ''شاہ اسماعیل دہلوی صاحب نے ''تقویۃ الایمان'' میں دوسرے مسائل کے ساتھ شفاعت کے مسئلہ پر بھی بحث کی ہے- انہوں نے شفاعت کی تین قسمیں کی ہیں- شفاعت بالوجاہت، شفاعت بالمحبت اور شفاعت بالاذن- ان میں شاہ صاحب نے اول الذکر دو قسموں کا انکار کیا ہے اور صرف تیسری قسم کو جائز مانا ہے- زیر نظر کتاب میں مصنف نے پہلے شفاعت کے سلسلے میں اہلِ سنت کے موقف کو کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے اور اس کے بعد شفاعت کے متعلق ''تقویۃ

الایمان'' کی پوری بحث کا تنقیدی جائزہ لیا ہے- شاہ صاحب کے بعض حامیوں نے شفاعت کے مسئلہ میں ان کا دفاع کرتے ہوئے ''تنبیہ الغافلین'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا تھا- ''فوز المومنین'' کے مصنف نے آخر میں اس رسالہ کا بھی تنقیدی محاسبہ کیا ہے- پوری کتاب مصنف کی تحقیقی گہرائی، وسعت مطالعہ اور تنقیدی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے-'' (ص۵، ابتدائیہ)

الکلام السدید:

رسالے کا پورا نام 'الکلام السدید فی تحریر الاسانید' ہے- یہ تاریخی نام ہے جس سے اس رسالہ کا سنِ تالیف ۱۲۹۶ھ برآمد ہوتا ہے- یہ رسالہ تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی تصنیف ہے- انھوں نے یہ کتاب اپنے شاگرد رشید مولانا محمد حسن اسرائیلی سنبھلی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۰۵ھ) کی فرمائش پر تحریر کیا تھا- اس میں آپ نے اپنی وہ تمام اسناد اور اجازتیں جمع فرمادی ہیں جو آپ کو محدّث مکہ حضرت شیخ جمال بن عمر مکی سے حاصل تھیں- ۱۳۰۸ھ میں اس کتاب کا ایک عربی نسخہ مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہوا- ۱۲۹/رسال بعد اس کا طبعِ جدید ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں مطبع تاج الفحول اکیڈمی سے اشاعت پذیر ہوا- اصل رسالہ عربی زبان میں ہے، مولانا اسید الحق قادری ازہری نے اس کا اُردو ترجمہ کیا ہے اور یہ اُردو ترجمہ ہی اکیڈمی سے چھپا ہے- تعارف کتاب کے لیے ابتدائیہ اور تعارفِ مصنف کے لیے ایک مختصر مقدمہ مترجم کے قلم سے ہے، اخیر میں نسخۂ مطبوعہ مطبع مجتبائی کا عکس بھی دے دیا گیا ہے-

سنت مصافحہ:

یہ کتاب بھی تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی تصنیف ہے- کتاب کا اصل نام 'مناصحه فی تحقیق مسائل المصافحه' ہے- یہ تاریخی نام ہے جس سے رسالہ کا سنِ تصنیف ۱۲۹۸ھ برآمد ہوتا ہے- اصل رسالہ عربی زبان میں ہے- مولانا اُسید الحق قادری نے اس کا اُردو ترجمہ اور احادیث مبارکہ واقوالِ علما کی تخریج بھی فرمائی ہے- آغازِ کتاب میں ۶/صفحات پر مشتمل 'ابتدائیہ' قلم بند کیا ہے جس میں انھوں نے صاحبِ کتاب اور کتاب کا مختصراً تعارف کرایا ہے-

مصنفِ کتاب مقصد تالیف اور مشمولاتِ کتاب کو بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے 'مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحه' نامی رسالہ دوستوں اور احباب کی نصیحت اور اسلامی بھائیوں کی اصلاح کے واسطے تحریر کیا ہے، میں بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ مصافحہ کے مسائل میں زبان درازی کرتے ہیں اور لڑائی جھگڑا کر کے شدت اختیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ انھوں نے مسائلِ جزئیہ فرعیہ میں تمام اہل اسلام پر کفر و گمراہی کا حکم لگادیا ہے اور اپنے وہم و خیال کی پیدا کردہ باطل اور جھوٹی باتوں کو ثابت کرنے میں پوری قوت صرف کردی- میں اللہ رب العزت کی ذات سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے اہلِ حق و صلاح کے اقوال میں تطبیق اور مسائل مصافحہ میں تحقیق کی توفیق عطا فرمائے-'' (ص۱۱، احکام مصافحہ، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، طبع جدید ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء)

خطبات صدارت:

یہ کتاب مختلف قومی وملّی اجلاس میں حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی کے پڑھے گئے خطباتِ صدارت میں تین خطبہ صدارت کا مجموعہ ہے- کتاب میں جن اجلاسوں اور کانفرنسوں کے خطباتِ صدارت شامل ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱- خطبۂ صدارت مؤتمر تحفظ حقوق شرعی، منعقدہ ۲۹/رجب ۱۳۵۳ھ/ ۱۸/نومبر ۱۹۳۳ء بمقام کانپور

۲- خطبۂ صدارت مجلس استقبالیہ: اجلاس جمعیۃ علما ہند بمقام بدایوں، منعقدہ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ/ ۱۹-۲۰-۲۱/اکتوبر ۱۹۵۳ء، زیر صدارت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری

۳- خطبۂ صدارت آل انڈیا نظام کانفرنس، منعقدہ لاہور، ۱۹۲۶ء

ان خطباتِ صدارت کی ترتیب مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دی ہے- حضرت مفتیِ اعظم عدالت عالیہ مملکت آصفیہ حیدرآباد کے پچاسویں یومِ وصال (۳/شوال ۱۴۲۹ھ/ اکتوبر ۲۰۰۸ء) کے مبارک موقع پر تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام کتابی صورت میں اس کی پہلی اشاعت ہوئی ہے- شروع میں تین صفحات پر ایک

تعارفی تحریر بھی مرتب نے قلم بند کی ہے، جس میں ان خطباتِ صدارت کا تعارف ساتھ ہی حضرت عاشق الرسول کی سیاسی بصیرت، ملّی قیادت، ملکی اور بین الاقوامی مسائل و تحریکات میں شمولیت اور قائدانہ کردار پر مختصر روشنی ڈالی ہے- مرتب موصوف نے خطباتِ صدارت پر اپنے تأثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''ان خطباتِ صدارت سے حضرت عاشق الرسول کی سیاسی بصیرت، دینی حمیت، قوم وملت کے مسائل و مصائب پر ان کی تڑپ، ملّی زبوں حالی پر ان کی فکرمندی، ملت کے روشن مستقبل کے لیے ان کے عزائم و جذبات پر بھرپور روشنی پڑتی ہے-'' (ص۶، ابتدائیہ)

ان خطباتِ صدارت کے علاوہ حضرت عاشق الرسول کی ملّی اور سیاسی فکر و شخصیت کے عمدہ جائزہ پر مشتمل پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمہ کا ایک وقیع مضمون 'مولانا عبدالقدیر بدایونی اور سیاست قدیمہ و جدیدہ' مطبوعہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۸ء بھی شاملِ اشاعت کیا ہے-

بطور مقدمہ تیس صفحات میں حضرت عاشق الرسول کے احوال، دینی، ملّی اور ادبی خدمات پر مشتمل ایک جاندار مضمون بھی مرتب موصوف نے تحریر کیا ہے، جو نہایت معلوماتی اور لائقِ مطالعہ ہے-

مثنوی غوثیہ:

یہ کتاب بھی عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدایونی کی تصنیف ہے، جو ۹۵/اشعار پر مشتمل ہے- یہ مثنوی مخصوص حالات کے زیر اثر بارگاہِ غوثیت میں استغاثہ واستمداد کے طور پر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۱۹ء میں نظم کی گئی- یہ مثنوی پہلی بار ۱۳۴۰ھ میں مطبع حسینی پریس حیدرآباد سے طبع ہوئی- مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب کے ساتھ یہ مثنوی ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ/ نومبر ۲۰۰۸ء میں ۴۵/صفحات پر مشتمل شائع ہوئی ہے- مثنوی کے اشعار کتاب کے ص ۴۱ تا ص ۴۵ پر شامل ہیں-

عرض مرتب کے تحت مولانا اُسید الحق قادری لکھتے ہیں:

''(اس مثنوی میں) ممدوح سے والہانہ محبت، جذبۂ خودسپردگی، ناز و نیازِ عشق اور قلبی واردات کا بے ساختہ اظہار اپنی جگہ لیکن اگر محض زبان و بیان کے رُخ سے مثنوی کا جائزہ لیا جائے تو انکشاف ہوگا کہ اس پہلو سے بھی یہ مثنوی اعلیٰ شعری کمال کا ایک بے داغ نمونہ ہے-'' (ص۶، عرض مرتب)

بقول ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی:

''اس کی زبان و بیان کی حلاوت، عالمانہ بصیرت، الفاظ کی شستگی، تراکیب کی برجستگی، صفِ شعرا میں بھی آپ کو امامت کا حق دار کرتی ہے-'' (ص۹، تقریظ)

آغازِ کتاب میں مرتب کتاب مولانا اُسید الحق قادری نے عرض مرتب اور صاحبِ مثنوی کی حیات و شخصیت پر اپنا تحریر کردہ ایک تفصیلی مضمون کے علاوہ 'مثنوی غوثیہ: ایک جائزہ' کے تحت انھوں نے مثنوی کا تاریخی پس منظر، مثنویِ غوثیہ کی تلمیحات پر اچھی گفتگو کی ہے-

فلاحِ دارین:

(۲۵۰/احادیث مبارکہ کا مستند مجموعہ): کتاب کے مؤلف نبیرۂ تاج الفحول مولانا عبدالماجد قادری بدایونی ہیں- کتاب کا اصل نام 'فلاحِ دارین باتباع سید الکونین' ہے، جو عقائد، عبادات، اخلاق و آداب، تہذیب نفس، معاملات، مبشرات و منذرات سے متعلق منتخب احادیث کا ایک مستند مجموعہ ہے- یہ کتاب ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۱ء میں تالیف کی گئی- پہلی اشاعت کی تصحیح، کتابت اور نظر ثانی کا کام حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی (مدرس مدرسہ قادریہ بدایوں) نے کی- زیر نظر اشاعت میں احادیث کی تخریج و تصحیح کا کام نوجوان فاضل مولانا دلشاد احمد قادری نے اپنے استاذِ محترم، محققِ عصر مولانا اُسید الحق قادری کی زیر نگرانی اور علمی معاونت سے انجام دیا ہے- شروع کتاب (ص:۹ تا ۲۷) میں مؤلفِ کتاب حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کی شخصیت اور خدمات پر ایک تفصیلی مضمون بقلم مولانا اُسید الحق عاصم قادری تعارفِ مصنف کے بطور شامل ہے-

اس وقیع تحریر میں انھوں نے مولانا عبدالماجد قادری کے احوال، مدرسہ شمس العلوم کا احیا اور جدید کاری، قومی و سیاسی خدمات، خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء)، جمعیۃ علما ہند، جمعیۃ علما کانپور میں بحیثیت صدر، رکن اساسی اور بانیان شرکت و شمولیت، مذہبی مناظرے، تبلیغی کانفرنس کا انعقاد، جوہرِ خطابت اور قلمی خدمات کا تفصیلی و تحقیقی ذکر کیا ہے-

مصنفِ کتاب کے تعلق سے اپنے تعارفی مضمون میں 'ایک شبہ کا ازالہ' کے عنوان کے تحت مولانا اُسید الحق قادری لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالماجد بدایونی کے بارے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ انھوں نے ایک تقریر میں گاندھی جی کو مبعوث من اللہ کہا تھا یا یہ کہا تھا کہ اللہ نے انھیں مذکر بنا کر بھیجا ہے۔' اس زمانے میں اس بات کا کافی چرچا رہا اور آج بھی یہ جملہ مولانا بدایونی کی طرف منسوب کر کے وقتاً فوقتاً لکھ دیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں جب اس کی شہرت ہوئی تو حلقۂ علما میں ایک بے چینی پھیل گئی۔ بات دارالافتا تک پہنچی اور مولانا عبدالماجد بدایونی کے خلاف فتوے صادر کیے گئے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں اس سلسلے میں وضاحت کر دی جائے تا کہ مولانا بدایونی کے بارے میں کوئی غلط فہمی راہ نہ پا سکے۔'' (ص ۲۳)

پھر مولانا حبیب الرحمٰن قادری بدایونی کی کتاب 'البیان' میں مولانا بدایونی کے وضاحتی مکتوب کی روشنی میں اس پہلو پر تحقیقی گفتگو قلم بند کرنے کے بعد اخیر میں رقم طراز ہیں:

''مولانا عبدالماجد بدایونی کی صفائی اور برأت کے لیے خود ان کی یہ وضاحتیں بہت کافی ہیں، ان کو قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔'' (ایضاً ص ۲۷)

عرس کی شرعی حیثیت:

زیر نظر کتاب 'عرس کی شرعی حیثیت' حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کے دو رسائل کا مجموعہ ہے: (۱) فتویٰ جوازِ عرس (۲) القول السدید۔ یہ دونوں رسائل بالترتیب ۱۳۲۹ھ اور ۱۳۳۰ھ میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئے تھے۔

زیر نظر کتاب میں پہلا رسالہ ص ۳۰ تا ۵۲ جب کہ دوسرا رسالہ ۵۳ تا ۱۴۵ رصفحات پر مشتمل ہے۔ شروع میں دونوں رسائل کی فہرست مشمولات ۲ صفحات، اس کے بعد حرف آغاز ۳ صفحات جب کہ صاحبِ کتاب کی شخصیت اور خدمات پر تفصیلی مضمون ۱۰ تا ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں تحریر مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے۔ حرف آغاز میں دونوں کتابوں کا جامع تعارف ہے۔ کتاب کی ترتیب جدید و تخریج مولانا دلشاد احمد قادری نے آپ کی زیر نگرانی انجام دیا ہے۔ تحقیق و تحشیہ مولانا اُسید الحق قادری کے قلم کا مرہونِ منت ہے۔ جدید ترتیب و تخریج اور تحشیہ و تعلیق نے کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت میں اضافہ کے ساتھ اس سے عام قارئین کے لیے استفادہ کی راہ کو آسان تر کر دیا ہے۔

عقائد اہل سنت:

یہ کتاب نبیرۂ فضلِ رسول مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی (وصال ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) کی تصنیف ہے۔ 'عقائد اہلِ سنت' کا اصل نام 'تصحیح العقائد' ہے۔ یہ کتاب ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں تالیف کی گئی تھی۔ اب تک ہندو پاک کے متعدد اشاعتی ادارے سے اس کی طباعت ہو چکی ہے۔ پہلی بار یہ کتاب ۱۹۴۴ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی۔ ۱۳۹۸ھ/۱۹۵۱ء میں شرکت حنفیہ لاہور، ۹۵-۱۹۹۶ء میں طلبۂ جماعت خامسہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ۲۰۰۰ء میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان سے اس کی اشاعت عمل میں آئی اور اب ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ/ نومبر ۲۰۰۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے جدید آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے۔

آغازِ کتاب میں ابتدائیہ (۳ رصفحات) کے بعد صاحبِ کتاب مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کی سیرت و خدمات پر مولانا سید محمد فاروق القادری (پاکستان) کا تفصیلی مضمون شاملِ اشاعت ہے۔ مولانا فاروق قادری کنسلٹنٹ اسلامک اسٹڈیز نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن کراچی کا تعارفِ مصنف پر یہ وقیع مضمون کتاب کے ص ۱۱ سے شروع ہو کر ص ۲۸ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا عاشق الرسول مفتی عبدالقدیر بدایونی، مفتی محمد ابراہیم قادری مفتی اعظم بمبئی، مفتی محمد قدیر بخش مفتی ریاست جے پور کی تقریظ ہے جو کتاب کی اہمیت کو بتانے کے لیے کافی ہے۔ تخریج و تحقیق کا کام مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے انجام دیا ہے۔ ان کی تحقیقی صلاحیت پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ابتدائیہ میں مولانا اُسید الحق قادری تحریر فرماتے ہیں:

''کتاب کی تخریج اور نظرِ ثانی وغیرہ کا مشکل کام عزیز گرامی مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے انجام دیا ہے۔ مولانا گذشتہ دو سال سے راقم الحروف کے زیر نگرانی تخریج و تحقیق کا کام کر رہے ہیں، پڑھنے پڑھانے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ مزاج تحقیقی ہے، محنتی اور جفاکش ہیں۔'' (ص ۹، ابتدائیہ)

دعوت عمل:

یہ کتاب بھی نبیرۂ تاج الفحول مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی کی تصنیف ہے، جو نواب سر نظامت جنگ بہادر وزیر سیاسیات مملکت آصفیہ حیدر آباد کی خواہش و فرمائش پر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں لکھی گئی اور پہلی مرتبہ ۱۳۵۲ھ ہی میں اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی۔ ۱۴۲۹ھ/نومبر ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے اس کی جدید اشاعت عمل میں آئی ہے، جو ۷۰ رصفحات پر مشتمل ہے۔

آغازِ کتاب سے پہلے ابتدائیہ کے تحت کتاب اور صاحب کتاب کا اجمالی تعارف کرایا گیا ہے جو مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے، جب کہ تعارفِ مصنف کے لیے پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری (سابق چیئر مین شعبۂ علوم اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی، پاکستان) کا جامع مضمون مطبوعہ 'مجلّہ نذرانۂ عقیدت' بموقع 'مولانا بدایونی کانفرنس ۲۰۰۴ء' شاملِ اشاعت ہے۔

مختلف عنوانات پر مسلمانوں کی اصلاح کے لیے آیاتِ قرآنی کا ایک خوبصورت انتخاب ہے اور بقول مصنف:

''اگر ان آیات کو ہر مسلمان ترجمہ کے ساتھ یاد کر کے اپنی زندگی کے لمحات میں غور و فکر کرتا رہے کہ میں نے اس لائحۂ عمل کے خلاف کس طرح قدم اُٹھایا اور کتنا موافق عمل کیا اور مجھے اب کیا کرنا چاہیے تو بلاشبہ ہماری اصلاح ہو جائے گی اور مقاصد جلیلہ میں نمایاں کامیابی نظر آنے لگے گی۔'' (ص ۷۰)

مردے سنتے ہیں:

یہ کتاب مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری کی تصنیف ہے۔ طبع اوّل ۱۳۱۸ھ میں مطبع حنفیہ پٹنہ جبکہ طبع جدید ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے منظر عام پر آیا ہے۔ کتاب کا اصل نام 'سماع الاموات بالاحادیث والآثار' ہے۔ یہ رسالہ سماع اموات اور روحوں سے مدد طلب کرنے پر عدم جواز کے فتویٰ مطبوعہ ماہنامہ 'آثار السنن' پٹنہ، شمارہ ۳ کے جواب میں قلم بند کیا گیا جو پہلے دو قسطوں میں اہلِ سنت و جماعت کے معروف رسالہ ماہنامہ 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ بابت محرم ۱۳۱۸ھ اور بابت صفر ۱۳۱۸ھ میں طبع ہوا۔ پھر اسے قاضی عبدالوحید فردوسی مدیر ماہنامہ 'تحفۂ حنفیہ' نے اپنے اشاعتی ادارہ مطبع حنفیہ پٹنہ سے علاحدہ کتابی شکل میں شائع کیا۔ زیر نظر اشاعت تسہیل و ترتیب جدید اور تخریج و ترجمہ عربی و فارسی عبارات کے بعد شائع ہوئی ہے۔

'حرفِ آغاز' کے عنوان سے مولانا اُسید الحق قادری نے رسالہ کا تعارف اور سببِ تالیف تحریر کیا ہے جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔

'تعارفِ مصنف' کے نام سے ۱۱ رصفحات میں مصنف کتاب کے احوال و خدمات پر مشتمل تحریر بھی شاملِ اشاعت ہے۔ یہ تحریر بھی مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے۔

جدید ترتیب، تسہیل، تخریج حوالہ جات اور ترجمہ عربی و فارسی عبارات مولانا دلشاد احمد قادری کے قلم سے ہے۔ شروع میں فہرست مشمولات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

مضامینِ شہید:

یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی کے مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ سبھی تحریریں انھوں نے ۱۳۱۵ھ اور ۱۳۱۸ھ کے درمیانی عرصے میں لکھیں اور ماہ نامہ 'تحفۂ حنفیہ' میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ شفاعت، علم، حق کی بلندی، شبِ برأت، رمضان المبارک جیسے اہم موضوعات پر مضامین کا یہ گلدستہ عوام و خواص سب کے لیے مفید ہے۔

ان مقالات کی ترتیب و تخریج صاحبزادہ مولانا محمد عطیف قادری نے انجام دی ہے۔ شروع میں دو صفحات میں 'حرفِ آغاز' کے عنوان سے اس کی تفصیل بھی انھوں نے قلم بند کر دی ہے کہ کتاب میں شامل یہ مضامین کب اور کس پرچے یا مجلّہ میں شائع ہوئے۔

صاحبِ کتاب کے تعارف و شخصیت اور خدمات و کارنامے پر دو اہم تحریریں بھی مرتب موصوف نے شاملِ اشاعت کی ہیں: (۱) 'تعارفِ مصنف'، بقلم مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری، ص ۸ تا ۱۸ (۲) حکیم عبدالقیوم شہید: حیات و شخصیت' بقلم مولانا محمد عبدالحئی صدیقی قادری۔ مولانا شہید پر یہ مضمون مرتب نے ماہنامہ 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ (جلد ۴، شمارہ ۹-۱۰، بابت رمضان و شوال ۱۳۱۸ھ) سے لیا ہے۔

ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل:

یہ کتاب بھی مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی کی ہے۔ یہ کتاب مدرسہ اہلِ سنت (پٹنہ) کے بانی و مہتمم اور ماہنامہ 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ

کے مدیر و منتظم حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی کی فرمائش پر آپ نے قلم بند فرمایا- یہ مقالہ پہلے ماہنامہ 'تحفۂ حنفیہ' میں قسط وار (جلد۲، شمارہ۲ تا شمارہ۶، جمادی الآخر ۱۳۱۶ھ تا شوال المکرم ۱۳۱۶ھ) شائع ہوا- پھر مطبع اہلِ سنت پٹنہ سے کتابی شکل میں قاضی صاحب کے زیر اہتمام پہلی بار ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوا اور پھر اس کے بعد ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں اس کی جدید اشاعت مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب و تقدیم کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی سے (۶۸ صفحات) عمل میں آئی-

یہ کتاب بقول مرتب:

''آج سے تیرہ سو سال پہلے لکھی گئی تھی- اس ایک صدی میں کتنے انقلابات آئے، ماہ و سال نے کتنی کروٹیں لیں اور زمانے کے پلوں کے نیچے سے کتنا پانی بہہ گیا، اس کے باوجود اس کتاب کی اہمیت وافادیت آج بھی اتنی ہی ہے جتنی اس کے عہد تالیف میں تھی- مصنف نے جن خامیوں کو ہمارے زوال کا سبب قرار دیا تھا وہ آج بھی جیوں کی تیوں ہمارے اندر موجود ہیں اور ترقی وعزت کے لیے جن زینوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا وہ آج بھی کسی آنے والے کی راہ تک رہے ہیں-''
(ص۸، حرفِ آغاز)

احکام قبور:

۸۰ صفحات پر مشتمل اس اہم کتاب کے مصنف مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی ہیں- کتاب کا پورا نام 'البناء المتین فی احکام قبور المسلمین' ہے- یہ تاریخی نام ہے جس سے رسالہ کا سن تالیف (۱۳۴۴ھ) برآمد ہوتا ہے- اسی سال یہ کتاب پہلی بار بدایوں سے طبع ہوئی- ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے مولانا دلشاد احمد قادری کی تخریج و تحقیق کے ساتھ منظرِ عام پر آیا ہے- مسلمانوں کی قبر کی حرمت اور تعظیم، ایذائے اموات مسلم سے احتراز اور مشائخ و بزرگ اور صالح علما کی قبروں کو پختہ بنائے جانے کے جواز پر یہ ایک جامع رسالہ ہے- پوری کتاب مدلل و مستند دلائل و حوالہ جات سے آراستہ ہے- زیر نظر اشاعت میں 'ابتدائیہ' کے عنوان سے صاحبِ کتاب کا بڑا معلوماتی تذکرہ شاملِ اشاعت ہے جو مولانا اُسید الحق قادری کے قلم حقیقت رقم سے ہے- حوالہ جات کی تخریج و تحقیق کا کام مولانا دلشاد احمد قادری نے انجام دیا ہے- کتاب کے اخیر میں دو صفحات میں مولانا حبیب الرحمٰن قادری بدایونی اور مفتی محمد عبدالقدیر قادری بدایونی کی تصدیقات بھی ہیں-

ریاض القرأت:

یہ کتاب بھی مفتی محمد ابراہیم قادری کی تالیف کردہ ہے جو انھوں نے ۱۳۴۸ھ میں تحریر فرمایا تھا اور اسی سال یہ کتاب امیر الاقبال پریس بدایوں سے اشاعت پذیر ہوا- قاری محمد شان رضا قادری (استاذ حفظ و تجوید مدرسہ قادریہ بدایوں) کی ترتیب جدید اور اضافہ مفید کے ساتھ ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ/نومبر ۲۰۰۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوئی ہے- یہ رسالہ اپنے اختصار کے باوجود جامع اور علم تجوید و قرأت کے مبتدی طلبہ کے لیے بے حد مفید ہے- قاری محمد شان رضا قادری نے مولانا اُسید الحق قادری کی زیر نگرانی بڑی سلیقہ مندی سے رسالہ کے قدیم زبان و اسلوب کی تسہیل، ترتیبِ جدید اور بعض جگہ مفید چیزوں کا اضافہ کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب درسی کتب میں شامل کیے جانے کے مستحق ہوگئی ہے- پوری کتاب ۱۸/اسباق پر مشتمل ہے اور ہر سبق میں فن قرأت کے مبادیات کو بیان کیا گیا ہے- امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب فنِ تجوید کے طلبہ کے لیے بیش قیمت تحفہ ثابت ہوگی- شروع کتاب میں ایک صفحہ میں 'ابتدائیہ' ہے جو کتاب کے جامع تعارف پر ہے- اس کے بعد 'تعارفِ مصنف' کے عنوان سے صاحبِ کتاب کے احوال و آثار پر مشتمل ایک وقیع مضمون بھی مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے زینت کتاب ہے-

زیارت روضۂ رسول:

یہ کتاب سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کی تصنیف ہے- کتاب کا اصل نام 'اکمال فی بحث شد الرحال' ہے- یہ کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے اس کا سن تالیف (۱۲۶۶ھ) برآمد ہوتا ہے- اصل رسالہ فارسی زبان میں ہے- 'منتھی المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال' نامی رسالہ کے مشمولات کے متعلق سات سوالات کا علمی و تحقیقی جواب ہے- پہلی بار یہ کتاب ۱۲۶۶ھ میں مطبع الٰہی سے شائع ہوا تھا- ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں یہ کتاب اپنی پہلی اشاعت کے تقریباً ۱۶۹/سال بعد مولانا اُسید الحق

قادری کے ترجمہ اور ترتیب جدید سے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے 'زیارتِ روضۂ رسول' کے عرفی نام سے شائع ہوا ہے جو ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے- یہ اشاعت فارسی کے بجائے صرف اُردو ترجمہ پر مشتمل ہے- اس اشاعت میں 'حرفِ آغاز' (۷/صفحات) بقلم مترجم اور 'تعارفِ مصنف' بقلم علامہ عبدالحکیم شرف قادری لاہوری شاملِ اشاعت ہے- کتاب کے سببِ تالیف کو بتاتے ہوئے مترجم موصوف 'حرفِ آغاز' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی صدرالدین آزردہ (م ۱۲۵۸ھ) صدر الصدور دہلی نے ۱۲۶۴ھ میں روضۂ رسول کی زیارت کے مسئلہ پر 'منتھی المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال' نامی رسالہ تالیف کیا جو اسی سال شائع ہو کر منظرِ عام پر آیا- رسالہ پر استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی سعداللہ مرادآبادی نے تقریظات تحریر فرمائیں..... منتھی المقال اپنے موضوع پر ایک تحقیقی اور جامع کتاب ہے- اس سے مسئلہ زیارت کی تحقیق و وضاحت کے ساتھ مفتی صدر الدین آزردہ صاحب کے وسعت مطالعہ، علمی گہرائی اور تحقیقی اسلوب کا پتہ چلتا ہے- منتھی المقال کی پہلی اشاعت کے بعد کسی صاحب نے اس کے مباحث کے سلسلے میں سات سوالات لکھ کر سیف اللہ المسلول کی خدمت میں بھیجے- زیر نظر رسالہ دراصل انھیں سات سوالات کے جواب پر مشتمل ہے-'' (ص۶، حرفِ آغاز)

حرز معظم:

یہ کتاب بھی سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کی تصنیف ہے، آثار و تبرکات سے برکت و تعظیم اس کتاب کا موضوع ہے- 'حرزِ معظم' کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے سن تالیف (۱۲۶۵ھ) برآمد ہوتا ہے- یہ کتاب آپ نے اُردو زبان میں تصنیف فرمائی- پھر آپ کے صاحبزادۂ گرامی تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی نے حاجی محمد خاں صاحب بہادر کی فرمائش پر اس کا فارسی میں ترجمہ کیا، جو 'مجموعۂ رسائل وفرائد' کے نام سے شائع ہوا- اس مجموعہ میں 'حرزِ معظم' کے علاوہ تین رسائل اور ہیں- یہ مجموعہ مطبع کوہ نور لاہور سے ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں شائع ہوا- مولانا اُسید الحق قادری نے اسی فارسی والے نسخہ کو اردو ترجمہ و تخریج کے ساتھ رمضان ۱۴۳۰ھ/ستمبر ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے شائع کیا ہے- اس ایڈیشن میں پوری کتاب کا سلیس اُردو ترجمہ اور حوالہ جات کی تخریج شاملِ اشاعت ہے- 'حرفِ آغاز' مترجم کے قلم سے ہے- 'تعارفِ مصنف' کے لیے انھوں نے علامہ شرف قادری کی تحریر کو شامل کیا ہے- صفحات کی تعداد ۵۶/ ہے- 'حرفِ آغاز' میں پوری کتاب کا ایک جامع تعارف ان الفاظ میں قلم بند کیا گیا ہے:

''رسالہ (کتاب) کو مصنف نے تین فصلوں پر منقسم کیا ہے- پہلی فصل میں تبرکاتِ اصلیہ سے خیر و برکت حاصل کرنے کا بیان ہے، جس کے لیے مصنف نے قرآنی آیات، معتبر تفاسیر، صحیح احادیث اور علما کے اقوال سے استدلال کیا ہے- رسالہ کے زمانۂ تالیف میں جو لوگ تبرکات و آثار کی تعظیم و تکریم اور ان سے خیر و برکت حاصل کرنے کے منکر تھے وہ خاندانی طور پر بھی اور علمی طور پر بھی اپنا شجرہ شاہ ولی اللہ اور ان کے مدرسہ سے جوڑتے تھے، اسی لیے مصنف نے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی تفسیر 'فتح العزیز' اور ان کے والد مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ملفوظات و مکتوبات سے خاص طور پر حوالے نقل کیے ہیں- اب اگر تبرکات کے سلسلے میں کوئی فتویٰ شرک و بدعت صادر ہوتا ہے تو اس کی زد میں سب سے پہلے خانوادۂ شاہ ولی اللہ دہلی آتا ہے-

دوسری فصل میں تبرکاتِ مثالیہ غیر منصوصہ کے سلسلے میں بحث کی گئی ہے اور تیسری فصل میں تبرکاتِ مثالیہ مصنوعہ کو معرضِ بحث میں لایا گیا ہے-'' (ص۶، حرفِ آغاز)

فصل الخطاب:

یہ کتاب بھی مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کی تصنیف ہے- رسالہ کا پورا نام 'فصل الخطاب بین السنی و بین احزاب عدو الوھاب' ہے- یہ رسالہ کا تاریخی نام ہے جس سے سن تالیف (۱۲۶۸ھ) برآمد ہوتا ہے- یہ رسالہ پہلی بار ۱۲۶۸ھ میں مطبع مفید الخلائق دہلی سے شائع ہوا- ۱۶۲/سال بعد مولانا اُسید الحق قادری نے

رمضان ۱۴۳۰ھ/ستمبر ۲۰۰۹ء میں تسہیل، ترتیب اور تخریج کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی سے شائع کیا، جو ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے- اصل رسالہ کی ترتیب بقول مترجم یہ ہے:

''آپ نے (شاہ فضلِ رسول بدایونی) شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کی کتاب تقویۃ الایمان اور صراطِ مستقیم سے دس اقوال کا انتخاب کیا ہے، اور یہ دِکھایا ہے کہ یہ اقوال اہلِ سنت کے مخالف ہیں اور معتزلہ، خوارج یا شیعہ وغیرہ کے عقائد و نظریات کے موافق ہیں- پھر ان عقائد ونظریات کی تردید میں آپ نے علمائے اہلِ سنت اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتب سے استدلال کیا ہے- پھر آپ نے اس پوری بحث کو استفتا کی شکل دے کر علما کی رائے طلب کی، اس وقت کے اٹھارہ جلیل القدر علما (جن میں اکثر خانوادۂ ولی اللّٰہی کے فیض یافتہ ہیں) نے متفقہ طور پر اس بات کی تائید وتصدیق کی کہ: قائل کی دسوں باتیں باطل ہیں، حق کے مخالف ہیں، ان اقوال کا قائل اور جو شخص ان اقوال کو حق سمجھے سب اہلِ سنت سے خارج ہیں-'' (ص ۶، ابتدائیہ)

اس میں بھی تعارفِ مصنف کے لیے علامہ شرف قادری کا مضمون شاملِ اشاعت ہے- تسہیل کے وقت یہ کوشش کی گئی ہے کہ مصنف کا اسلوب اور لب ولہجہ ممکنہ حد تک برقرار رہے- اس لیے عموماً الفاظ کی تقدیم وتاخیر کے علاوہ اور کوئی تصرف نہیں کیا گیا ہے- متن میں اُردو، عربی، فارسی عبارات کے ترجمے کردیے گئے ہیں اور حتیٰ الامکان عبارتوں کی تخریج کردی گئی ہے-

اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ:

یہ کتاب اہلِ سنت و جماعت کے معمولات ومراسم پر ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استفتا کا جواب ہے- یہ فتویٰ سب سے پہلے مطبع مفید الخلائق دہلی سے ۱۲۶۸ھ میں شائع ہوا، اس کے بعد دوسری بار اسی مطبوعہ نسخہ سے منقول ہوکر 'اکمل التاریخ' مصنفہ مولانا ضیاء القادری میں ۱۳۳۴ھ میں طبع ہوا- اصل استفتا وفتویٰ فارسی زبان میں ہے- سب سے پہلے اس کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر شیخ علیم الدین قادری قدیری مرید و خادم خاص مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی نے ۱۹۷۰-۱۹۸۰ء کے درمیانی برسوں میں کیا اور اپنے ادارہ مدینۃ العلم کلکتہ سے شائع کیا- بعد میں یہ ترجمہ ماہ نامہ 'مظہرِ حق' بدایوں اور پاکستان سے شائع ہوا- ۴۰-۴۵ سال کے بعد مولانا اُسید الحق قادری کے ترجمہ و ترتیب جدید کے ساتھ رمضان ۱۴۳۰ھ/ستمبر ۲۰۰۹ء میں جدید آب وتاب کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے منظرِ عام پر آیا ہے- اس تازہ اشاعت میں تعارفِ مصنف کے لیے علامہ شرف قادری کا وہی مضمون شاملِ اشاعت ہے جو دیگر کتبِ سیف اللہ المسلول پر چھپا ہے- 'حرفِ آغاز' مرتب کتاب کے قلم سے ہے جس میں اس کتاب کی تاریخی وعلمی اور تحقیقی حیثیت اور اس فتویٰ کے بعض جملے پر مخالفینِ اہلِ سنت کے مغالطے اور شبہات کا مسکت جواب بھی دیا گیا ہے- کتاب کے نئے ترجمہ کی ضرورت کو بتاتے ہوئے مترجم کتاب تحریر فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر (شیخ علیم الدین قادری قدیری) صاحب کا ترجمہ سلیس اور عمدہ تھا مگر اس کو ۳۰-۴۰ برس گزر گئے، لہٰذا بعض وجوہات کی بنیاد پر ازسرنو ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، راقم الحروف نے اپنی کم علمی کے باوجود فارسی کو اُردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے، ساتھ ہی یہ اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ مصنف رسالہ نے جہاں علما کی عربی عبارات لکھنے کے بجائے صرف فارسی ترجمہ لکھنے پر اکتفا کیا تھا، اب اصل کتابوں کی طرف رجوع کرکے ساتھ میں عربی عبارات بھی شامل کردی گئی ہیں اور حتیٰ الامکان آیات، احادیث اور عبارتوں کی تخریج بھی کردی گئی ہے-'' (ص ۸، حرفِ آغاز)

فتویٰ کی تاریخی وعلمی حیثیت کے پیشِ نظر رضا اکیڈمی ممبئی کے زیر اہتمام تاج الفحول اکیڈمی کا یہی ایڈیشن دوبارہ منظرِ عام پر آچکا ہے-

مولودِ منظوم (مع انتخاب نعت ومناقب):

سیف اللہ المسلول کے شعری کلام کا مجموعہ ہے، جو میلادنامہ یا مولود اور نعت ومناقب پر مشتمل ہے- میلادنامہ مع قصائد کے نام سے سیف اللہ المسلول کا مجموعہ کلام 'تذکرہ شعرائے بدایوں' کے مطابق ۱۲۹۲ھ رفیق یاور الدولہ ریاست علی خلف الصدق نواب سرفراز الدولہ کی فرمائش پر مطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن میں چھپا، جس کا ایک نسخہ

انجمن ترقی اُردو (پاکستان) کراچی میں موجود ہے- (جلد ۲، ص ۲۲۹)

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب سے جو نسخہ ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ/دسمبر ۲۰۰۹ء میں سامنے آیا ہے وہ بقولِ مرتب:

''مولانا عبدالماجد بدایونی کی اجازت واہتمام اور نواب سید خواجہ غلام محمد عرف حفیظ اللہ خاں بہادر ساکن حیدرآباد کی فرمائش پر مطبع قادری بدایوں سے ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوا، جو ۱۲۴ر صفحات پر مشتمل تھا اور اس میں مولود منظوم کے علاوہ اُردو نعت ومناقب، ۲۶ر فارسی غزلیات اور ۱۰ر مخمس شامل تھے-'' (ص ۹، ابتدائیہ)

نسخۂ تاج الفحول اکیڈمی مرتبہ مولانا اُسید الحق قادری ۱۷۴ر صفحات پر مشتمل ہے- شروع میں بطور تقدیم سات صفحات پر ایک ابتدائیہ ہے جس میں حضرت سیف اللہ المسلول کی عربی، فارسی اور اُردو میں بہاریہ شاعری نیز نعت ومناقب، نظم نگاری پر بڑی اچھی گفتگو کی گئی ہے-

ردِّ روافض:

یہ کتاب تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر قادر بدایونی کی شیعہ و روافض کے ردّ میں چار رسائل کا مجموعہ ہے- یہ چاروں رسائل حضرت تاج الفحول کے شاگرد رشید اور خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے جلیل القدر فرزند حضرت مولانا سید شاہ حیدر حسینی برکاتی مارہروی قدس سرہٗ کے سوال کے جواب میں تصنیف کیے گئے- چاروں رسائل کے نام یہ ہیں: (۱) ردّ روافض (۲) تکملہ ردّ روافض (۳) اظہار الحق (۴) تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ- مولانا سید شاہ حیدر حسینی برکاتی مارہروی نے اسی زمانے میں ان رسائل کو ترتیب دے کر شائع کروایا-

پہلا رسالہ معاصر علمائے بدایوں، بریلی، رام پور، مرادآباد، فرنگی محل کی تصدیقات کے ساتھ ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۵ء میں مطبع صبح صادق سیتاپور سے شائع ہوا- دوسرا رسالہ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۶ء میں اسی ادارے سے منظرِ عام پر آیا- تیسرا رسالہ بھی جمادی الثانی ۱۲۹۳ھ/جولائی ۱۸۷۶ء میں اسی ادارے سے طبع ہوا اور چوتھا رسالہ پہلی مرتبہ مطبع ماہتاب ہند میرٹھ سے مارچ ۱۸۷۶ء میں اشاعت پذیر ہوا- بعد میں یہ چوتھا رسالہ مولانا شاہ حسین گردیزی کے اُردو ترجمہ کے ساتھ 'اختلافِ علی ومعاویہ' کے نام سے محدث سورتی اکیڈمی کراچی سے شائع ہوا، پھر یہی کتاب ۱۹۹۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے طبع ہوا- اب یہ چاروں رسائل ایک ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں ۱۱۶ صفحات پر مشتمل طبع ہوا ہے- بحیثیت مرتب حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی مارہروی کا نام باقی رکھا گیا ہے جو اس کے اصل مرتب تھے- البتہ شروع کے تینوں رسائل فارسی زبان میں تھے اس لیے اس کا اُردو ترجمہ مولانا اُسید الحق قادری نے کردیا ہے جب کہ آخر الذکر رسالہ کے ساتھ مولانا شاہ حسین گردیزی (پاکستان) کا نام درج ہے جو اس کے اصل مترجم ہیں- البتہ مولانا گردیزی نے طوالت کے خوف سے عربی و فارسی عبارتوں کا صرف ترجمہ شامل کیا تھا- اس ایڈیشن میں مولانا اُسید الحق قادری نے عربی و فارسی عبارتیں درج کرنے کے ساتھ مولانا گردیزی کے ترجمہ پر نظرِ ثانی بھی کی ہے اور چاروں رسائل اور اس کے مرتب کے تعارف کے لیے ایک شاندار مقدمہ 'ابتدائیہ' کے نام سے تحریر کیا ہے- ان ساری خصوصیات کی وجہ سے عام قاری کے لیے کتاب سے استفادہ آسان ہوگیا ہے-

شارحۃ الصدور:

یہ کتاب مولانا مفتی محمد حبیب الرحمٰن قادری بدایونی (فاضل مدرسہ قادریہ بدایوں، جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ/جولائی ۱۹۰۸ء) کی تصنیف ہے 'شارحۃ الصدور فی احکام القبور' کتاب کا تاریخی نام ہے، جس سے کتاب کا سن تالیف (۱۳۴۴ھ) برآمد ہوتا ہے- ۱۳۴۵ھ میں نعیمی پریس مرادآباد سے اس کی پہلی اشاعت عمل میں آئی- اس کا دوسرا نام 'ارغام النجدیہ' ہے جس سے اس کا سنِ طبع برآمد ہوتا ہے- ۸۵ سال بعد تاج الفحول اکیڈمی سے اس کی دوبارہ اشاعت ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں سامنے آئی ہے- عصری تقاضے کے پیشِ نظر اسلوبِ بیان کی تسہیل اور حوالہ جات کی تخریج مولانا محمد خالد رضا قادری (شاگرد عزیز مولانا اُسید الحق قادری) نے اپنے استاذ محترم کی نگرانی میں انجام دیا ہے- اس کام کی تحسین کرتے ہوئے مولانا اُسید الحق قادری فرماتے ہیں:

''یہ کتاب ان کی پہلی کوشش ہے جس کو انھوں نے کامیابی کے ساتھ مکمل کیا ہے، حتیٰ الامکان کتاب میں موجود آیات و

احادیث اور عربی عبارتوں کی تخریج کردی گئی ہے- عربی و فارسی عبارتوں پر نظرِ ثانی کرکے ان کو آج کے زمانے کے مطابق عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں کہیں مصنف نے کسی عبارت کے چند ابتدائی الفاظ لکھ کر 'الخ آخرہ' سے اس کی طرف اشارہ کیا تھا، ایسے مقامات پر اصل ماخذ کی طرف رجوع کرکے پوری عبارت درج کردی گئی ہے-''

(ص ۱۵، ابتدائیہ)

اس طبعِ جدید میں مولانا اُسید الحق قادری نے مصنفِ کتاب کے تعارف کے لیے دس صفحات میں بطورِ تقدیم 'ابتدائیہ' قلم بند کیا ہے، جس میں انھوں نے صاحبِ کتاب کے شخصی تعارف کے ساتھ ان کی علمی، دینی، قومی، ملّی اور قلمی خدمات کا ایک بہترین نقشہ کھینچا ہے- صاحبِ کتاب کا تعارف اور مختلف موضوعات پر ان کی گیارہ کتابوں کا وقیع تعارف پہلی بار اسی مقدمہ کے ذریعے سامنے آیا ہے-

الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ:

یہ کتاب شیخ الاسلام مولانا سید احمد بن زینی دحلان مکی (ولادت ۱۲۳۱ھ مکہ مکرمہ، وصال محرم ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء، مدینہ منورہ) کی عربی تصنیف ہے، جس کا اُردو ترجمہ مولانا حبیب الرحمٰن قادری نے شیخ غلام حسین چشتی وزیر آبادی کی فرمائش پر کیا اور انھیں کے صرفہ سے اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور سے پہلی بار یہ کتاب چھپی- تاج الفحول اکیڈمی سے اس کا طبعِ جدید ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں سامنے آیا ہے- نظرِ ثانی کا کام مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دیا ہے اور جدید طرزِ کتابت کے ساتھ بعض جگہ ذیلی عناوین کا اضافہ کرکے کتاب کے حسن میں مزید چار چاند لگا دیا ہے- پوری کتاب ۷۶ر صفحات پر مشتمل ہے، شروع میں چار صفحات میں 'ابتدائیہ' ہے جس میں صاحبِ کتاب اور مترجم کتاب کا جامع تعارف تحریر کیا گیا ہے- یہ کتاب تحریکِ وہابیت کے اصلی روپ کو جاننے کے لیے ایک عربی مصنف کے قلم سے ہے- اس لیے کتاب کی اہمیت سے کسی کا انکار ممکن نہیں-

مختصر سیرت خیر البشر:

یہ کتاب مولانا محمد عبد الہادی قادری بدایونی (ولادت ۱۳ر رجب ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء، وصال ۱۱ر محرم ۱۴۱۵ھ/۲۲ر جون ۱۹۹۴ء) کی تصنیف ہے- یہ پہلی بار ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ/ دسمبر ۲۰۰۹ء میں مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی سے منظرِ عام پر آیا ہے- اس رسالہ کا نام مولانا اُسید الحق قادری نے خود تجویز فرمایا ہے- مرتب موصوف کو رسالہ کا مسودہ بخط مصنف ان کی صاحبزادی بیگم سید اکرام احمد رزاقی (اورنگ آباد) کے ذریعہ دستیاب ہوا- سیرتِ رسول کے موضوع پر نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ یہ ایک اہم کتاب ہے- کتاب کے آغاز میں مصنف کا مختصر تعارف اور رسالہ کے مسودہ کی حصول یابی کی تفصیل اور تعارفِ مشمولات پر 'حرفِ آغاز' کے نام سے دو صفحاتی تحریر بقلم مرتب شاملِ اشاعت ہے-

باقیاتِ ہادی:

یہ کتاب مولانا محمد عبد الہادی کے عربی، فارسی اور اُردو مقالات و مضامین اور خطوط و مکاتیب کا مجموعہ ہے، جس کی ترتیب پہلی بار مولانا اُسید الحق قادری نے دی ہے- ذو الحجہ ۱۴۳۰ھ/ دسمبر ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے منظرِ عام پر آئی ہے- مشمولات کتاب اس طرح ہے:

(الف) مضامینِ ہادی: اس کے تحت مولانا ہادی کے آٹھ اُردو مقالات ہیں- (ب) مکاتیبِ ہادی: اس کے تحت مختلف اہلِ علم و ادب کے نام خطوط و مکاتیب کا انتخاب ہے- (ج) فغانِ ہادی: اس حصہ میں پہلے عربی، فارسی پھر اُردو نعت و مناقب، اس کے بعد ردیف وار غزلیات کا ایک انتخاب شامل ہے- (د) مقالاتِ الاموی: اس حصہ میں مولانا ہادی کے ان عربی مضامین کو شاملِ اشاعت کیا گیا ہے جو 'الاشعہ' میگزین نظام کالج حیدر آباد میں ۶۰ر اور ۷۰ کی دہائی میں اشاعت پذیر ہوئے- یہ مجموعہ مقالات و کلام ۲۱۲ر صفحات پر مشتمل ہے- شروع میں 'حرفِ آغاز' کے عنوان سے بقلم مرتب ایک مختصر تحریر بھی ہے جس میں مضامین و مشمولات اور صاحبِ قلم کا تعارف کرایا گیا ہے-

خمیازۂ حیات:

مولانا محمد عبد الہادی بدایونی ہادؔی القادری کا مجموعۂ کلام ہے- یہ مجموعہ کلام بقول مولانا اُسید الحق قادری خود مصنف کا مرتب کردہ ہے اور پروفیسر شمیم حنفی کی تقریظ بھی مصنف کی فرمائش پر قلم بند ہوئی، ساتھ میں ایک تفصیلی مقدمہ بھی 'تانک جھانک' کے عنوان سے مصنف نے قلم بند کیا تھا، لیکن کسی نامعلوم وجہ سے یہ مجموعہ کلام ان کی حیات میں شائع

نہیں ہوسکا- کتب خانہ قادریہ میں موجود قلمی بیاض کو پہلی بار رمضان ۱۴۳۰ھ/ستمبر ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے شائع کیا- اس ایڈیشن میں 'خمیازۂ حیات' پر ایک نظر بقلم ڈاکٹر سید سراج الدین اجملی (شعبۂ اُردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) شامل ہے جب کہ دو صفحات میں 'حرفِ آغاز' کے عنوان سے مجموعۂ 'خمیازۂ حیات' پر ایک تعارفی تحریر بھی مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے-

مجموعہ رسائل فضلِ رسول:

یہ کتاب سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی کے درج ذیل پانچ رسائل کا مجموعہ ہے: (۱) رسالہ فضل الخطاب (۲) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ (۳) اکمال فی بحث شد الرحال (زیارتِ روضۂ رسول) (۴) رسالہ حرزِ معظم (۵) فوز المومنین بشفاعۃ الشافعین (عقیدۂ شفاعت)- یہ مجموعہ رسائل رضا اکیڈمی ممبئی سے ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء میں شائع ہوا- ترتیب و ترجمہ اور تعارفِ کتاب و مصنف ہر کتاب کے آغاز میں مولانا اُسید الحق قادری نے تحریر کیا ہے- تقریظ شرفِ ملت حضرت سید شاہ اشرف میاں قادری مارہروی نے رقم فرمایا ہے، جب کہ ۶۵ صفحات پر مشتمل تفصیلی مقدمہ مولانا یٰسین اختر مصباحی دار القلم دہلی کے قلم گوہر رقم سے ہے- شرفِ ملت حضرت سید شاہ اشرف میاں قادری مارہروی نے اپنی تقریظ اور رئیس التحریر مولانا یٰسین اختر مصباحی نے مرتب کتاب کو اس علمی اور تحقیقی کام پر پرزور الفاظ میں تحسین کی ہے اور ان کی علمی عظمت اور تحقیقی صلاحیت کا خوب خوب اعتراف کیا ہے-

'مجموعہ رسائلِ فضلِ رسول' کا دوسرا ایڈیشن پاکستان سے مکتبہ برکات المدینہ کراچی اور دار النعمان کراچی کے اشتراک و اہتمام سے ۱۴۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء میں منظرِ عام پر آچکا ہے-

عظمتِ غوثِ اعظم:

یہ کتاب مولانا محبّ احمد قادری بدایونی (ولادت: ۱۲۶۶ھ- وصال ۲۱ر ربیع الآخر ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) تلمیذ حضرت تاج الفحول شاہ عبد القادر بدایونی کی تصنیف ہے- رسالے کا اصل نام 'الکلام الحق الجلی فی کون اقدام امام الاقطاب علی عُنق کل ولی' ہے جس سے رسالے کا سنہ تالیف ۱۲۹۹ھ برآمد ہوتا ہے- یہ رسالہ پہلی بار ۱۳۰۰ھ میں مطبع انوارِ محمدی لکھنؤ سے اصل نام کے ساتھ شائع ہوا- رمضان ۱۴۳۱ھ/ستمبر ۲۰۱۰ء میں یہ کتاب ۱۳۱ر سال بعد دوبارہ مولانا دلشاد احمد قادری کی ترتیب جدید و تخریج کے ساتھ شائع ہوئی ہے-

یہ کتاب ارشادِ غوثِ اعظم 'قدمی ھذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ' (میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) کے تعلق سے ایک اہم استفادہ کا جواب ہے- مصنف نے جوابِ استفتا کے لیے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کتاب 'زبدۃ الاسرار' سے خصوصی استفادہ کیا ہے- فتویٰ کی تصدیق و تائید کرنے والے اکابر علما و مشائخ میں مطیع الرسول مولانا شاہ عبد المقتدر قادری بدایونی، مولانا حکیم عبد القیوم شہید قادری بدایونی، مولانا فضل مجید قادری فاروقی اور مولانا حافظ بخش آنولوی کا نام درج ہے-

نگارشاتِ محبّ احمد:

یہ کتاب بھی مولانا محبّ احمد قادری بدایونی کے مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے- ان مقالات و نگارشات کی حصولیابی اور ترتیب کا اہم کام مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دیا ہے- رمضان ۱۴۳۱ھ/ اگست ۲۰۱۰ء میں اس کی پہلی اشاعت تاج الفحول اکیڈمی کے زیرِ اہتمام ہوئی ہے- زیرِ نظر مجموعہ مقالات ۱۴۰ر صفحات پر مشتمل ہے- بشمول فہرستِ مشمولات کے ایک ابتدائیہ ۲ر صفحات اور تعارفِ مصنف پر ایک وقیع مضمون بعنوان 'علامہ محبّ احمد بدایونی: حیات و خدمات' ۹ر صفحات میں ہے، جو مرتبہ کتاب مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے-

تعارفِ مصنف کے تحت مضمون میں انھوں نے صاحبِ نگارشات کی سیرت و سوانح کے ساتھ ان کی ۱۰ر مستقل تصانیف کا نہایت جامع تعارف قلم بند کیا ہے- ص ۱۷ تا ص ۱۳۷ مختلف موضوعات پر صاحبِ نگارشات کے مقالات کا ایک انتخاب ہے- اخیر میں 'مرتب ایک نظر میں' کے زیرِ عنوان مرتب کے مختصر حالات اور قلمی خدمات کی تفصیل ہے-

مقالات کا تعارف کراتے ہوئے مرتب کتاب لکھتے ہیں:

''زیرِ نظر مضامین (دو کے استثنا کے ساتھ) قاضی عبد الوحید فردوسی، مہتمم 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ (جو مولانا محبّ احمد کے مخلص دوست تھے-) کی فرمائش پر آج سے ایک صدی قبل قلم بند کیے گئے تھے، ان مضامین میں زیادہ تر وہ ہیں جو ماہ نامہ 'تحفۂ

حنفیہ' کی وقتی ضرورتوں کے پیشِ نظر لکھے گوے ہیں- مثلاً مہینوں کے فضائل، دعا اور آدابِ دعا اور سنتِ تراویح وغیرہ- ندائے یارسول اللہ اور علمِ غیب سے متعلق مضمون ماہنامہ 'شمس العلوم' بدایوں کے لیے لکھے گئے اور اسی میں شائع بھی ہوئے- ان میں کچھ مضامین تحقیقی نوعیت کے ہیں، جو صرف علما کو مخاطب بنا کر لکھے گئے ہیں اور بعض عوام کے لیے لکھے گئے تھے جن میں خطیبانہ اسلوب غالب ہے-" (ص۶، ابتدائیہ)

تحقیق التراویح:

یہ کتاب نور العارفین سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قادری مارہروی کی تصنیف ہے- 'تحقیق التراویح' یہ کتاب کا تاریخی نام ہے، جس سے سنِ تالیف ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۵ء) برآمد ہوتا ہے- پوری کتاب عربی زبان میں تھی جو پہلی بار ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ/فروری ۱۸۷۵ء میں مطبع غالب الاخبار سیتاپور سے شائع ہوئی اور اب دوسری بار ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء میں اس کا اُردو ترجمہ بقلم مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے منظرِ عام پر آیا- اس اشاعت میں عربی کے بجائے صرف اُردو ترجمہ کی اشاعت ہوئی ہے-

تعارفِ مصنف کے بطور ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی (جوائنٹ سکریٹری جامعۃ البرکات علی گڑھ) کا ایک قیمتی مضمون بعنوان 'نور العارفین سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ' شاملِ اشاعت ہے- ص ۱۱ پر امینِ ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری مارہروی سجادہ نشین خانقاہِ قادریہ مارہرہ مطہرہ کا ایک پیغام بھی شاملِ کتاب ہے، جس میں آپ نے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام 'تحقیق التراویح' کے اُردو ترجمہ کی اشاعت پر اظہارِ مسرت فرمایا ہے اور مولانا اُسید الحق قادری کے علمی و تحقیقی کاموں کو عمدہ پیرایۂ بیان میں سراہا ہے-

وہابی تحریک: تاریخ اور عقائد:

یہ کتاب مولانا شاہ فضل رسول قادری کی تصنیف 'بوارقِ محمدیہ' (سال تصنیف ۱۲۶۵ھ، سالِ اشاعت ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء) کے ابتدائی حصے کا ترجمہ ہے جو 'شوارق صمدیہ ترجمہ بوارقِ محمدیہ' کے نام سے ۳۲/ صفحات پر مشتمل ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں مطبع گلزارِ محمدی لاہور سے طبع ہوا- کتاب کے مترجم قطب لاہور مولانا غلام قادر بھیروی، بھیرہ پاکستان (ولادت ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء- وصال ۱۹/ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ/۱۰/اپریل ۱۹۰۹ء) ہیں- تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ/مئی ۲۰۱۲ء میں ۶۷/صفحات پر مشتمل منظرِ عام آیا ہے- اس کی ترتیب جدید اور تصحیح کا اہم کام مولانا خالد قادری مجیدی (شاگرد رشید مولانا اُسید الحق قادری) نے انجام دیا ہے-

اس ایڈیشن میں فہرست مشمولات کا اضافہ کیا گیا ہے، ساتھ ہی کتاب کے تعارف پر 'بوارقِ محمدیہ: ایک تعارف' کے عنوان سے ۲۶/ صفحات کی ایک علمی و تحقیقی تحریر بھی کتاب کے آغاز میں ہے جو مولانا اُسید الحق قادری کے گوہر فشاں قلم سے ہے- دو صفحات میں 'ابتدائیہ' بھی انھوں نے ہی قلم بند کیا ہے جس میں اس ایڈیشن کی خصوصیات کو تحریر کیا گیا ہے- 'بوارقِ محمدیہ' کی کچھ اہم خصوصیات کی وجہ سے مولانا اُسید الحق قادری اس پر تفصیلی کام کا ارادہ بھی رکھتے تھے، جس کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے اپنے 'ابتدائیہ' میں کیا ہے-

تمکیت المجدی (مسئلہ امتناعِ نظیر کا تحقیقی جائزہ):

یہ کتاب سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضلِ رسول بدایونی کی تصنیف ہے- فارسی زبان میں یہ رسالہ ۱۲۴/صفحات پر مشتمل ہے جو مولانا سید حیدر علی ٹونکی کے ایک رسالے (کلام الفاضل الکبیر) کی تردید اور علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے دفاع میں ۱۲۷۸ھ میں لکھا گیا- یہ رسالہ اس لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل ہے، تصنیف کے بعد پہلی بار جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ/مئی ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے اصل قلمی مخطوطے کا عکس شائع کیا گیا ہے- ۲۰۱۱ء تک یہ کتاب مرتب کے دسترسِ معلومات سے باہر تھی- جنوری ۲۰۱۲ء میں کتب خانہ قادریہ کے شعبۂ مخطوطات میں ایک مجموعۂ رسائل (جس میں سات قلمی رسائل ہیں-) میں یہ کتاب انھیں ملی- رسالے کی بازیافت کے بعد انھوں نے چاہا کہ تحشیہ اور تخریج کے بعد اسے منظرِ عام پر لایا جائے مگر بقول ان کے:

"اِس رسالے کی بازیافت کا تذکرہ میں نے حضرت مولانا لیس اختر مصباحی مدظلہٗ سے کیا اور اس کی اشاعت کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا- انھوں نے فرمایا کہ اس کی جدید کمپوزنگ اور ترجمہ و تحشیہ کا کام بعد میں ہوتا رہے گا- اگر یہ مخطوطہ خوش خط ہے تو سردست آپ اسی کا عکس شائع کر دیجیے تاکہ یہ محفوظ

ہو جائے- میں نے اس مشورے کو قبول کرتے ہوئے اس کی عکسی اشاعت کا فیصلہ کیا-" (ص۱۴، تقدیم)

کتاب کی ترتیب مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دی ہے اور مخطوطے کے تعارف کے لیے نو صفحات پر مشتمل ایک قیمتی مقدمہ بھی قلم بند کیا ہے- پوری کتاب ۱۲۴/صفحات پر مشتمل ہے-

شیخ ابن تیمیہ کے عقائد و افکار: ایک تنقیدی جائزہ:

یہ کتاب حافظ بخاری مولانا سید شاہ عبد الصمد چشتی سہسوانی (ولادت: ۱۲۶۹ھ/مئی ۱۸۵۳ء، وصال: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کی تصنیف ہے- کتاب کا اصل نام 'تبعید الشیاطین بامداد جنود الحق المبین' ہے- یہ کتاب ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں لکھی گئی اور اسی سال اس کی پہلی اشاعت انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ کے زیر اہتمام متوسط تقطیع کے ۶۴/صفحات میں عمل میں آئی- دوسری اشاعت بموقع عرسِ صد سالہ حافظ بخاری (۲۰۰۳ء) 'ابن تیمیہ اور علمائے حق' کے نام سے 'انجمن حافظ بخاری کچھوچھ شریف' کے زیر اہتمام ہوئی اور اب تیسری اشاعت مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) کی ترتیب جدید، تخریج اور ترجمے کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شوال ۱۴۳۲ھ/ستمبر ۲۰۱۲ء میں 'شیخ ابن تیمیہ کے عقائد و افکار: ایک تنقیدی جائزہ' کے نام سے عمل میں آئی ہے- تعارفِ مصنف کے لیے مولانا مجاہد رضا قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) کا مضمون 'حافظ بخاری: حیات و خدمات' (مطبوعہ ماہ نامہ 'جامِ نور' شمارہ جولائی ۲۰۱۱ء) شاملِ کتاب ہے- مولانا اُسید الحق قادری نے بطور تقدیم ۱۱/صفحات پر مشتمل ایک شاندار 'ابتدائیہ' بھی لکھا ہے، جس میں انھوں نے کتاب اور مصنف کتاب کا دلچسپ اور معلوماتی تعارف کرایا ہے- کتاب کا انتساب مصنف کتاب کے علمی اور روحانی وارث و جانشین، افتخارِ اہلِ سنت، فرد الوقت حضرت سید شاہ محمد اکبر چشتی مودودی قدس اللہ سرہٗ و رحمۃ اللہ علیہ کے نام کیا گیا ہے-

اسلام کے بنیادی عقائد:

یہ کتاب تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی کی تصنیف ہے- اصل کتاب عربی زبان میں ہے- اصل نام 'احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام' ہے- یہ رسالہ ۱۲۹۷ھ/۸۰-۱۸۷۹ء میں مدارسِ اسلامیہ کے طلبہ کے نصابِ علم عقائد و کلام کے پیشِ نظر تصنیف کی گئی- اس وقت یہ بعض مدارس کے نصاب میں بھی شامل کی گئی تھی-

۱۳۰۰ھ میں اس کا اُردو ترجمہ تاج الفحول کے ایک شاگرد عزیز مولانا غلام سادات صدیقی بدایونی نے کیا جو مطبع شگوفہ فیض سے شائع ہوا- ۱۳۳/سال بعد مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے مولانا اُسید الحق قادری کی تحریک و نگرانی میں از سرِ نو اس کا ترجمہ کیا ہے، جو رمضان ۱۴۳۳ھ/اگست ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہوا ہے-

مولانا اُسید الحق قادری کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب مدرسہ اہلِ سنت پٹنہ (قیام ۱۳۱۸ھ) اور مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے نصاب میں مدتوں شامل رہی-

مولانا حکیم عبد الماجد قادری بدایونی نے اُردو زبان میں 'خلاصۃ العقائد' کے نام سے اس کی شرح لکھی، مولانا عبد الماجد کی یہ شرح بھی ایک زمانے تک مدرسہ شمس العلوم میں پڑھائی جاتی رہی- (ص۷، ابتدائیہ)

خوشی کی بات ہے کہ ایک صدی بعد پھر سے اس کتاب کو مدرسہ قادریہ بدایوں کے نصابِ تعلیم میں مولانا اُسید الحق قادری نے شامل فرما دیا ہے، یہ رسالہ جماعت ثانیہ میں پڑھایا جاتا ہے اور زبانی یاد بھی کرایا جاتا ہے- مولانا اُسید الحق قادری صاحب اس رسالے کی ایک جامع شرح لکھنے کا بھی ارادہ رکھتے تھے جو مدرسہ قادریہ کے طلبہ جماعتِ رابعہ یا خامسہ کے نصاب میں شامل ہوتی- اب تک وہ کام کس مرحلے میں تھا اس کا راقم الحروف کو صحیح علم نہیں ہے-

شمس الایمان:

یہ کتاب مولانا محمد محی الدین عثمانی قادری (ولادت: ۱۷/صفر ۱۲۳۰ھ/ستمبر ۱۸۲۷ء- وصال ۶/ذی قعدہ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء بعمر ۲۷ سال) خلف اکبر مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے- یہ رسالہ سراج الایمان مصنفہ مولانا سید سراج احمد سہسوانی (ولادت: ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء- وفات: ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء) کے جواب میں ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں لکھا گیا جو پہلی بار ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ/اکتوبر ۱۸۵۰ء میں مطبع دہلی اُردو اخبار دہلی سے شائع ہوا- ۱۶۷/سال بعد حافظ عبد العلیم قادری مجیدی

(شاگردرشید مولانا اُسید الحق قادری) کی ترتیب جدید وتصحیح کے ساتھ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ/ مئی ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے منظرِ عام پر آئی ہے- کتاب کے آغاز میں بطور تقدیم پانچ صفحات میں مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے 'ابتدائیہ' ہے، جس میں کتاب اور صاحبِ کتاب کا پہلی بار اتنا بھرپور تعارف کرایا گیا ہے- پوری کتاب ۵۶/ صفحات پر مشتمل ہے-اس کتاب میں مسئلہ توسّل واستعانت پر علمی و تحقیقی بحث کی گئی ہے-

فلسفہ عباداتِ اسلامی:

یہ کتاب مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کی تصنیف ہے جو ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں لکھی گئی- اس کتاب میں مصنف نے اسلامی عبادات کی حکمتوں اوران میں پوشیدہ سماجی، معاشرتی اورعمرانی اسرارو مصالح کو اُجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے-۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں پہلی بار مدینہ پبلشنگ ہاؤس کراچی سے طبع ہوئی - پھر ربیع الاوّل ۱۴۳۱ھ/ فروری ۲۰۱۰ء میں اشاعتِ اوّل کا عکس جناب ظہورالدین امرتسری نے ادارہ پاکستان شناسی، لاہور پاکستان سے شائع کیا اور اب جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ/ مئی ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے اشاعت ثانی کا عکسی ایڈیشن شائع کیا ہے، البتہ حالاتِ مصنف کے تعلق سے دوسری اشاعت میں شامل جناب سید ظہور الدین امرتسری کا مضمون اس اشاعت میں کسی وجہ سے شاملِ اشاعت نہیں ہے- ہاں! ڈاکٹر سید محمد قمر علی (پروفیسر شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی) کا مضمون 'مولانا عبدالماجد بدایونی: ایک بالغ نظر مصلح' حسبِ سابق اس اشاعت میں بھی باقی رکھا گیا ہے، جو مصنف کتاب کی اصلاحی اور دعوتی خدمات پر ایک قیمتی تحریر ہے- کتاب کا انتساب ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

قصیدہ بانت سعاد:

شاعرِ دربارِ رسالت، صحابی جلیل حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا 'قصیدۂ بانت سعاد' ہمیشہ سے اہلِ علم وادب کے درمیان توجہ کا مرکز رہا ہے- اس قصیدہ کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ اسے حضرت کعب بن زہیر نے اپنے گناہوں سے معافی کی طلب کے طور پر بارگاہِ رسول میں پیش کیا گیا، جو شرف قبولیت کی دولت سے سرفراز ہوا- قبولیتِ عامہ اور فنی وادبی خصوصیات کی وجہ سے ہر دَور میں اہلِ علم نے اس کی شرح و تعلیق کا فریضہ انجام دیا-

یہ قصیدہ عربی زبان میں ہے- مدرسہ قادریہ بدایوں کے ایک نوجوان فاضل مولانا عاصم اقبال مجیدی (تلمیذ رشید مولانا اُسید الحق قادری) نے اپنے عہدِ طالبِ علمی میں اپنے استاذِ گرامی کی زیرِ نگرانی اس کے ترجمہ وتشریح کا علمی کام انجام دیا اور یہ قصیدہ ان کے مشفق استاذ کی نظرِ ثانی اور ایک قیمتی مقدمے کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی سے ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ/ نومبر ۲۰۱۲ء میں ۸۴/ صفحات پر مشتمل منظرِ عام پر آیا- مولانا اُسید الحق قادری کا علمی وتحقیقی مقدمہ 'قصیدہ بانت سعاد: ایک تعارف' ۴۰/ صفحات پر محیط ہے، اس میں انھوں نے قصیدہ نگار کا تعارف، قصیدہ کا تاریخی پس منظر، قصیدے کا موضوعاتی جائزہ، قصیدہ کی اہمیت وخصوصیت، قصیدہ کے تعلق سے اہلِ علم وتاریخ کے بیان کردہ واقعات کا تحقیقی وعلمی جائزہ، قصیدہ کی مقبولیت اور اس قصیدے کے تعلق سے عرب دُنیا اور ہندوستانی اہلِ علم کی شروحات کا تعارفی جائزہ جس شرح وبسط اور تحقیق وتجزیہ کے ساتھ پیش کیا ہے یہ ان ہی کے قلم اعجاز رقم کا حصہ ہے- پہلی بار اُردو زبان میں راقم الحروف کی نگاہ سے اس قصیدے کا اتنا جامع علمی وتحقیقی جائزہ گزرا ہے- موصوف کا یہ مقدمہ اصل کتاب کے ص ۴۸ تک ہے، ص ۵۰ سے مولانا عاصم اقبال مجیدی کے قلم سے اس قصیدے کے ترجمہ وتشریح کا آغاز ہوتا ہے جو آخر کتاب ص ۸۲ پر ختم ہوتا ہے-

اسلام میں محبتِ الٰہی کا تصور:

یہ کتاب شیخ حازم نائف ابوغزالہ (عمان، اُردن) کی شاہ کار عربی تصنیف 'المحبة الالٰهية فى الاسلام' کا اُردو ترجمہ ہے-اس کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا اُسید الحق قادری کی خواہش وتحریک پر مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے بڑی محنت، مہارت اور خوش اسلوبی سے کیا ہے- عربی کتاب کی دوسری اشاعت دارالامام النووی عمان سے ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء میں ہوئی - اسی نسخہ کو سامنے رکھ کر مولانا نے ترجمہ کا کام کیا ہے- یہ اُردو ترجمہ ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء میں طبع اوّل کی شکل میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیرِ اہتمام اشاعت پذیر ہوا ہے- تین صفحات میں مشمولاتِ کتاب کی فہرست ہے، پھر تین صفحات میں مولانا اُسید الحق قادری کا 'ابتدائیہ' ہے، جس میں انھوں نے کتاب اور صاحبِ

کتاب کا جامع اور بصیرت افروز تعارف تحریر کیا ہے- ص ۱۱ سے اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے جس کا اختتام ص ۱۰۴ پر ہوا ہے- اس طرح پوری کتاب ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے- مولانا اُسید الحق قادری نے 'ابتدائیہ' کے اخیر پیراگراف میں کتاب سے اس توقع کا اظہار کیا ہے کہ یہ کتاب عوام وخواص دونوں کے لیے مفید ثابت ہوگی- اس کے ذریعے سے دلوں میں محبتِ حقیقی کے چراغ روشن ہوں گے- اگر سینے میں ایک مرتبہ عشق کی چنگاری بھڑک اُٹھے تو اس کو شعلہ بجوالہ بنتے دیر نہیں لگتی- (ص ۱۰)

مسئلہ قیامِ تعظیمی:

یہ کتاب مولانا مفتی حسین احمد مقتدری بدایونی کی تصنیف ہے- کتاب کا پورا نام 'تحقيق العلماء الكرام فى مسئلة استحباب القيام' ہے- محفلِ میلاد کے بعد کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے جواز اور اس تعلق سے مخالفین کے شکوک وشبہات اور الزامات کے ازالہ پر یہ ایک علمی وتحقیقی کتاب ہے- ۱۳۳۶ھ/ ۱۸-۱۹۱۷ء میں یہ کتاب پہلی بار مطبع قادری بدایوں سے ۹۶/ صفحات میں چھپی- ۹۸/ سال کے بعد 'مسئلہ قیامِ تعظیمی' کے نام سے مولانا خالد قادری مجیدی (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) کے ترجمہ عربی وفارسی عبارات اور حوالہ جات کی تخریج وتحقیق کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ/ مارچ ۲۰۱۳ء میں دوبارہ شائع ہوئی ہے- کتاب کا یہ ایڈیشن ۱۶۰/ صفحات پر مشتمل ہے- کتاب اور صاحبِ کتاب کا جامع تعارف 'ابتدائیہ' کے عنوان سے مولانا اُسید الحق قادری کا تحریر کردہ ہے جو سات صفحات پر مشتمل ہے- شروع میں فہرست مشمولات اور اخیر میں مآخذ و مراجع کی ایک جامع فہرست دی گئی ہے- مصنف کے معاصر علما ومشائخ کی تقریظات وتصدیقات سے یہ کتاب مزین ہے-

الجواب المشکور:

یہ کتاب مولانا محمد عبدالماجد قادری بدایونی کی دو اہم تحریروں کا مجموعہ ہے: (۱) الجواب المشكور على أسئلة القبور (۲) جامع فتویٰ (مع تصدیقات علمائے ہندوستان وپاکستان)- پہلی کتاب عربی زبان میں جب کہ دوسری کتاب اُردو زبان میں ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء میں لکھی گئی اور اسی سال مرکزی انجمن تبلیغِ اسلام کراچی سے مولانا محمد محسن فقیہ شافعی (ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے اسلام) کے زیرِ اہتمام علاحدہ علاحدہ طبع ہوئی- 'الجواب المشکور' میں عربی زبان میں شاہ سعود کے نام مولانا عبدالحامد قادری کا ایک تفصیلی ناصحانہ ومصلحانہ خط اور شیخ محمود حسین ربیع (اساذ جامعہ ازہر مصر) کا عربی زبان میں شاندار مقدمہ شاملِ اشاعت تھا- ۵۳/ سال بعد یہ دونوں کتابیں ایک ساتھ 'الجواب المشکور' کے نام سے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے مولانا دلشاد احمد قادری کے ترجمہ وترتیب جدید اور مولانا اُسید الحق قادری کے شان دار معلوماتی وتاریخی مقدمہ کے ساتھ منظرِ عام پر آیا ہے- یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں سعودی حکومت کی جانب سے دیگر مقاماتِ مقدسہ کے ساتھ گنبدِ خضریٰ کو منہدم کرنے کے غلط اور ناپاک عزائم کے خلاف تاریخی فتویٰ کی شکل میں لکھی گئی- ترتیب جدید میں فتویٰ کے متن کے لیے 'جامع فتویٰ' کے اصلی متن کو باقی رکھا گیا ہے، ساتھ ہی تصدیقاتِ علما ومشائخ کے لیے 'جامع فتویٰ' کے متن کو ہی باقی رکھا گیا ہے- اس کے علاوہ دیگر مشمولاتِ 'الجواب المشکور' کا اُردو ترجمہ شاملِ اشاعت کیا گیا ہے- شروع میں فہرستِ مشمولات اور اخیر میں تحفظ گنبد خضریٰ (۱۹۵۲ء) کے پس منظر میں مولانا بدایونی کی جانب سے مرکزی انجمن تبلیغ اسلام و جمعیۃ علمائے پاکستان کے زیرِ اہتمام مطبوعہ حسبِ ذیل چار رسائل کے ٹائٹل پیج کا عکس شاملِ اشاعت ہے- (۱) الجواب المشكور عن اسئلة القبور صاحب الفضیلہ مولانا الشیخ محمد عبدالحامد قادری بدایونی (۲) ممالکِ عربیہ اور ایران کا سفرنامہ- مرتبہ مولانا شاہ عبدالحامد قادری بدایونی (۳) مسجد نبوی اور آثارِ مبارکہ کے تحفظ کا مطالبہ- مرتبہ مولانا محمد محسن فقیہ شافعی (۴) جامع فتوی- مجاہد ملت مولانا شاہ محمد عبدالحامد قادری بدایونی-

مولانا اُسید الحق قادری کا مقدمہ 'مولانا عبدالماجد بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضریٰ' جہاں موصوف کی تاریخی معلومات کا شاہکار ہے وہیں مولانا بدایونی کی اس تحریک کے تعلق سے عالمگیر خدمات کا حسین مرقع بھی ہے-

آداب السالکین:

یہ کتاب شمس مارہرہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری مارہروی (ولادت: ۲۸/ رمضان المبارک ۱۲۶۰ھ، وصال: ۱۷/ ربیع الاوّل ۱۲۳۵ھ) کی تصنیف ہے- آدابِ سلوک وذکر واشغال پر یہ

ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے- اصل کتاب فارسی زبان میں ہے جس کا اردو ترجمہ پہلی بار تاج العلماء، مؤرخ خانوادۂ برکاتیہ مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہروی صاحب 'اصح التواریخ' نے کیا- اس ترجمہ کی پہلی اشاعت ۱۹۱۵ء میں مطبع ادبی لکھنؤ سے ہوئی، جس میں اُردو ترجمہ کے ساتھ اصل فارسی متن کو بھی شاملِ اشاعت کیا گیا- دوسری بار بزمِ قاسمی برکاتی کانپور کے زیر اہتمام صرف اُردو ترجمہ کی اشاعت عمل میں آئی-

امینِ ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری (سجادہ نشین خانقاہِ قادریہ مارہرہ مطہرہ) نے ۱۹۸۷ء میں اس کا ازسرِ نو ترجمہ کیا اور اس پر ایک شاندار مقدمہ بھی تحریر کیا، جس کی اشاعت ۱۹۸۷ء میں برکاتی پبلشرز کراچی سے ہوئی- محرم ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء میں بموقع جشن دوسوسالہ حضور شمس مارہرہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی کی ترتیب جدید وتصحیح کے ساتھ اس کا طبعِ جدید منظرِ عام پر آیا ہے-

اسلاف شناسی (حصہ الف) اکابرین مارہرہ:

ذیل میں پہلے ان ساری کتابوں کا سن وار تعارف کرایا جارہا ہے، جو خانقاہِ قادریہ عثمانیہ بدایوں کے پیر خانہ مارہرہ شریف کے اکابر ومشائخ اور بزرگان واسلاف کی حیات وخدمات پر بسلسلہ 'اسلاف شناسی' تاج الفحول اکیڈمی کی جانب سے شائع کیا گیا- اس سلسلے میں اسلاف کی نایاب کتابوں کے ساتھ مولانا اسید الحق قادری کی ایک مستقل تصنیف کا بھی تعارفی جائزہ سپردِ قلم کیا گیا ہے جو کہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں، لیکن ایسا صرف اس مقصد کے تحت کیا گیا ہے تاکہ بسلسلہ اسلاف شناسی جو کتابیں طبع ہوئیں ان سب کا ایک ساتھ ذکر ہوجائے-

تذکرۂ نوری:

یہ قاضی غلام شبر قادری بدایونی (وصال: ۱۳۱۶ھ/ ۱۹۲۷ء) کی تصنیف ہے، جو نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کے مرید وخلیفہ تھے- کتاب کا اصل نام 'مدائحِ حضور نور' ہے- یہ کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے سنِ تالیف ۱۳۳۳ھ برآمد ہوتا ہے- اس کا دوسرا نام 'تنویر العین من کنز مدائح السید ابی الحسین' ہے، جس کے اعداد ۱۳۳۴ھ ہوتے ہیں- مولانا اُسید الحق قادری کی تحقیق کے مطابق ۱۳۳۳ھ آغازِ تالیف اور ۱۳۳۴ھ تکمیل وطباعت کا سن ہے- (ص ۱۹، ابتدائیہ)

یہ کتاب خانوادۂ قادریہ کے گلِ سرسبد، نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کے حالات طیبات کا مفصل تذکرہ ہے جس کی ترتیب اس طرح ہے کہ کتاب کے آغاز میں مؤلف کے قلم سے ایک طویل مقدمہ ہے، جو ص ۳۴ سے ۱۴۱ صفحات پر محیط ہے- اس کے بعد گیارہ ابواب اور ایک خاتمہ ہے، جس میں حضرت نوری میاں کی ولادت سے وقت رحلت تک کے سارے احوال وآثار کو قلم بند کیا گیا ہے- اخیر میں 'حالاتِ مؤلف' کے عنوان سے مؤلف نے اپنے احوال بھی قلم بند کیے ہیں جو کتاب کے ص ۲۸۴ سے ۲۹۹ پر مشتمل ہے-

کتاب کی پہلی اشاعت امیر الاقبال پریس بدایوں سے دو حصے میں ہوئی- دوسرا حصہ پروفیسر ایوب قادری کی ترتیب وتقدیم اور حضرت عبد المجید اقبال میاں قادری (برادرِ اکبر شیخ عبد الحمید سالم القادری زیب سجادہ خانقاہِ قادریہ بدایوں) کے پیش لفظ کے ساتھ دار الاشاعت رضویہ لائل پور (پاکستان) سے ۱۹۹۶ء میں ہوئی-

کتاب کا عرفی نام 'تذکرۂ نوری' بقول مولانا اُسید الحق قادری: پروفیسر ایوب قادری کا تجویز کردہ ہے- اسی عرفی نام کے ساتھ یہ کتاب رجب ۱۴۳۴ھ/ مئی ۲۰۱۳ء میں مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب وتقدیم اور شرفِ ملت حضرت سید محمد اشرف قادری مارہروی کی تقریظ کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے اشاعت پذیر ہوئی ہے-

حضرت سید اشرف میاں قادری کتاب کی استنادی حیثیت کو بتاتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''مارہرہ مطہرہ اور بدایوں شریف کے بزرگوں کے حوالے سے جو مخصوص روایات اس کتاب میں ملتی ہیں ان کو مرشد گرامی تاج العلماء حضرت سید اولاد رسول محمد میاں نے بھی اپنی تاریخی کتاب 'تاریخ خاندانِ برکات' (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) میں مختصراً لکھا ہے اور میں نے اپنے بزرگوں کی زبانی بھی سنا ہے- جب یہ بات تصور میں رکھ کر تذکرۂ نوری پڑھتا ہوں تو 'تذکرۂ نوری' کے استناد کا وزن بڑھ جاتا ہے-'' (ص ۱۵، تقریظ)

اپنی اسی تقریظ میں انھوں نے مولانا اُسید الحق قادری کے علمی اندازِ تحقیق، متوازن فکر، مومنانہ فراست اور علمی تبحر کی تحسین کی ہے-

تفصیل کے لیے ص ۱۵ و ۱۶ کا مطالعہ کیا جانا چاہیے-

برکات مارہرہ:

یہ مولوی طفیل احمد متولی صدیقی بدایونی (وصال: ۱۹۴۴ء) کی تالیف ہے- یہ اکابر ومشائخ خانوادۂ برکاتیہ کی حیات وخدمات کا ایک اجمالی تذکرہ ہے، جس میں صاحبِ البرکات حضرت سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی سے حضرت شیخ سیدنا شاہ غلام محی الدین امیر عالم تک گیارہ مشائخ کرام کا مستند تذکرہ ہے- شروع میں خانوادۂ برکاتیہ کے اجمالی تعارف وتاریخ پر مؤلف کے قلم سے ایک قیمتی مقدمہ اور اخیر میں تبرکاتِ مارہرہ کے عنوان سے خانقاہِ برکاتیہ میں موجود آثار وتبرکات کے تعارف اور اعراس کی کیفیت واحوال پر تفصیل سے قیمتی معلومات کو جمع کردیا گیا ہے- یہ کتاب ۱۳۳۱ھ/۱۳۳۲ھ میں تالیف کی گئی اور اسی سال ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی- اپنی پہلی اور آخری اشاعت کے ساتھ ہی یہ کتاب عرصۂ دراز سے نایاب تھی جو مکمل ایک صدی بعد ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء میں مولانا عبد العلیم قادری مجیدی (شاگرد رشید مولانا اسید الحق قادری) کی ترتیب جدید اور تصحیح کے ساتھ دوبارہ چھپی ہے- کل صفحات ۱۷۲ ہیں- ص ۱۶ پر کتاب کے طبعِ اوّل کا سرورق بھی شاملِ اشاعت ہے- طبعِ جدید کا 'ابتدائیہ' مولانا اُسید الحق قادری نے تحریر کیا ہے جس میں کتاب اور صاحبِ کتاب کا تعارف کرایا گیا ہے-

تذکرہ شمس مارہرہ:

یہ کتاب شمس مارہرہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی (ولادت ۱۱۶۰ھ- وصال ۱۲۳۵ء) کی سیرت وسوانح اور روحانی وعلمی خدمات پر مشتمل ہے کتاب کے مصنف مولانا اسید الحق قادری ہیں- یہ کتاب ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے، جو انہوں نے جشن صد سالہ حضرت شمس مارہرہ ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء کے موقع سے ترتیب دیا اور تاج الفحول اکیڈمی کے سلسلۂ مطبوعات ۱۰۶ کے تحت محرم ۱۴۳۵ھ/ ۱۵ نومبر ۲۰۱۳ء میں اس کی پہلی اشاعت ہوئی ہے- شمس مارہرہ کی سوانح وخدمات پر یہ پہلی مطبوعہ کتاب ہے- تحدیث نعمت کے طور پر کتاب کے ''ابتدائیہ'' میں اس کا اظہار کرتے ہوئے مؤلف کتاب لکھتے ہیں:

''یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ خانوادۂ برکاتیہ کے دیگر اکابر اولیا کے مقابلے میں حضرت شمس مارہرہ پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے- آپ کی حیات میں آپ کے مریدین وخلفا نے اور بعد وصال دیگر اہل ارادت نے آپ کے حالات وسوانح پر متعدد کتابیں ترتیب دیں، جن میں آثار احمدی، ہدایۃ الخلوق فارسی (مصنفہ مولانا شاہ محمد افضل صدیقی بدایونی متوفی ۱۸۴۶ مرید وخلیفہ حضرت شمس مارہرہ) گلشن ابرار اور تنبیہ الخلوق (ترجمہ اردو وہدایت الخلوق مولوی مجاہد الدین ذاکر دایونی متوفی ۱۳۳۴ھ) وغیرہ قابل ذکر ہیں- مگر حیرت کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی کتاب زیرِ طبع سے آراستہ نہیں ہوسکیں اور بعض کے بارے میں علم نہیں کہ محفوظ بھی ہیں یادست برد زمانہ کا شکار ہوکر مفقود ہوگئیں- مطبوعہ خاندانی تذکروں میں یادیگر اکابر مارہرہ کی سوانح (مثلاً تاریخ خاندان برکات، مدائح حضور نور اور برکات مارہرہ وغیرہ) میں حضرت شمس مارہرہ کا تذکرہ ضرور آیا لیکن میری معلومات کی حد تک حضرت شمس مارہرہ کی کوئی علاحدہ مستقل سوانح شائع نہیں ہوئی- اسی کے پیش نظر حضور شمس مارہرہ قدس سرہ کی ایک مفصل سوانح کی تالیف وترتیب میری برسوں پرانی خواہش تھی مصر کے دورانِ قیام زمانۂ طالب علمی میں میں نے تصنیف وتالیف کے سلسلے میں اپنے فرائض، حقوق اور قرضوں کی ایک فہرست بنائی تھی جس میں فرض یا قرض کے طور پر ''سوانح آل احمد'' نامی کتاب کا خاکہ بھی بنایا تھا-

مجھے اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہے کہ یہ مختصر تعارف کتاب نہ حضور شمس مارہرہ کی عظیم شخصیت کے شایانِ شان تعارف کا حق ادا کرتی ہے اور نہ میری دیرینہ آرزو کی تکمیل ہے- ہاں! البتہ اس مختصر اور حقیر سی کاوش کو یہ فخر ضرور حاصل ہے کہ گذشتہ دوسوسال میں یہ شمسِ مارہرہ کی پہلی مطبوعہ سوانح ہے-''

یہ مؤلف کا انکسار وتواضع وار بزرگانِ مارہرہ سے قلبی وروحانی تعلق کا ایک اظہار ہے ورنہ راقم الحروف کی نگاہ میں موصوف کی یہ تصنیف حضرت شمس مارہرہ کی شخصیت پر نہایت علمی ومعلوماتی کتاب ہے- خانوادۂ عثمانیہ بدایوں وخانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے درمیان

حضرت شمس مارہرہ کی روحانی وتذکیری شخصیت پہلی کڑی ہے، جن سے خانوادۂ عثمانیہ میں سلسلۂ قادریہ کا اجرا ہوا- اپنے خانوادہ کے اسی روحانی وابستگی کی وجہ سے مصنف کتاب دیگر مشائخ مارہرہ خاص طور سے حضرت شمس مارہرہ سے جوان کی روحانی موروثی وابستگی ہے، اس کے پیش نظر انہوں نے اپنے مذکورہ جذبات کا اظہار کیا ہے- ابتدائیہ کے اخیر میں انہوں نے اس عزم کا بھی اظہار کیا ہے کہ: ''تاہم آل مجیدی وآل احمدی ہونے کی حیثیت سے ایک مبسوط ''سوانح آل احمد'' کی تالیف وترتیب کو میں اب بھی اپنا فرض اور اپنے قلم پر قرض سمجھتا ہوں-'' (ص۱۰ ایضا)

میں سمجھتا ہوں کہ مصنف کے شاگردان عزیز میں سے کوئی آپ کے اس عزم کی تکمیل ضرور کریں گے-

اسلاف شناسی (حصہ ب) اکابرین بدایوں:

ذیل میں اکابرین بدایوں کی حیات اور خدمات وکارنامے پر مشتمل قدیم ونایاب کتابوں کی اشاعت جدید کے تعارف کے ساتھ فرزندان مدرسہ قادریہ کی جدید تصانیف وتالیف کا تعارف بھی شامل ہے اور اس میں بھی وہی مقصد پیش نظر ہے کہ 'بسلسلۂ اسلاف شناسی' مولانا اسید الحق قادری کی خدمات کا ایک واضح نقشہ سامنے آجائے- اس تعلق سے مطبوعات تاج الفحول اکیڈمی (سال قیام ۱۹۹۱ء) وادارہ مظہر حق بدایوں (سال قیام ۱۹۸۵ء) کی صرف اسلاف واکابر کے تذکرہ پر مشتمل مطبوعات کا بھی ایک مختصر جائزہ لے لیا گیا ہے-

تذکار محبوب:

یہ کتاب مولانا عبدالرحیم قادری کی تالیف ہے- کتاب میں سابق مفتی اعظم ریاست حیدرآباد دکن حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی (ولادت: ۱۱رشوال ۱۳۱۱ھ/اپریل ۱۸۹۴ء- وصال: ۱۷رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ/اپریل ۱۹۱۳ء) کے مختصر مگر جامع احوال کا تذکرہ ہے، جوان کے وصال پر ارباب علم ودانش کے تعزیتی مکاتیب وتاثرات اور اخبارات ورسائل میں ان کے سانحۂ ارتحال پر مجالس تعزیت وایصال ثواب کی رپورٹ ارباب ادب کی جانب سے ان کی شان میں کہے گئے مناقب، قطعات تاریخ وصال کا ایک حسین مرقع ہے-

یہ کتاب پہلی بار ۱۳۷۹ھ میں فاطمی پریس بدایوں سے طبع ہوا اور اب ۴۹ر سال بعد ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں اس کا طبع جدید تاج الفحول اکیڈمی سے سامنے آیا ہے-

مرتب کتاب کو دربار غوثیہ کے صاحب سجادہ ونقیب الاشراف حضرت مولانا سید پیر ابراہیم سیف الدین گیلانی کے بڑے پڑپوتے سیدنا عبدالقادر الگیلانی نے 'طاؤس الملائکۃ' کا خطاب عطا فرمایا تھا-

اس کتاب پر مولانا اُسید الحق قادری نے دو صفحات میں معلوماتی ابتدائیہ قلم بند کیا ہے جس میں انھوں نے حضرت عاشق الرسول کے ساتھ مؤلف کتاب کا ایسا جامع تذکرہ تحریر فرمایا ہے جس سے صاحب تذکرہ کے ساتھ مؤلف کتاب کی شخصیت اور خدمات کا بھی ایک واضح نقشہ سامنے آجاتا ہے-

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد: مولانا فیض احمد بدایونی:

یہ کتاب مجاہد انقلاب ۱۸۵۷ء حضرت مولانا فیض احمد بدایونی کی سوانح حیات اور خدمات کا تذکرہ ہے- کتاب کے مصنف معروف محقق وادیب پروفیسر محمد ایوب قادری (ولادت: ۱۹۲۶ء- وصال: ۲۵رنومبر ۱۹۸۳ء) ہیں- مصنف کتاب نے نہایت جستجو اور محنت سے مولانا فیض احمد بدایونی کے تعلق سے تاریخی معلومات کو جمع کیا ہے- یہ کتاب پہلی بار ۱۸۵۷ء میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی پاکستان سے طبع ہوئی- زیر نظر اشاعت مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب جدید کے ساتھ (بموقع ڈیڑھ سو سالہ جشن جنگ آزادی ۱۸۵۷ء) ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے سامنے آئی ہے- ترتیب جدید کے ساتھ اس پر ممتاز ناقد ومحقق مولانا اُسید الحق قادری نے ۲۱ر صفحات پر مشتمل ایک شاندار تحقیقی وعلمی مقدمہ بھی تحریر کیا ہے- اس مقدمے کے مطالعے سے موصوف کی تاریخی معلومات اور تاریخی حقائق سے آگاہی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے- پروفیسر ایوب قادری علمی وتاریخی دُنیا کا ایک معروف نام ہے- ان کی رائے سے اختلاف وہی شخص کرسکتا ہے جو تاریخی معلومات وحقائق پر گہری نظر رکھتا ہو- علمی وتحقیقی میدان میں اختلاف رائے کا حق ہے لیکن اس کے لیے خالص علمی وادبی اور تحقیقی اسلوب بھی ہونا چاہیے- اگر اس کے برعکس مناظرانہ اور مجادلانہ اسلوب کو اختیار کیا جائے تو وہ علمی دُنیا میں لائق التفات نہ ہوگا-

مرتب موصوف نے پروفیسر ایوب قادری کی کئی فروگذاشتوں پر تنقیدیں بھی کی ہیں لیکن کہیں بھی انھوں نے اپنے اسلوب کو جذبات آمیز نہیں ہونے دیا ہے بلکہ علمی اسلوب میں انھوں نے پروفیسر صاحب کی فروگذاشتوں کی نشاندہی کی ہے اور اس کے تعلق سے تاریخی حوالوں سے اپنی گفتگو کو پیش کیا ہے-

اس مبسوط مقدمے میں انھوں نے مجاہد آزادی کے تعلق سے ایوب قادری کے دو معروضے اور سخن گستری پر علمی پیرایۂ بیان اور لطیف تنقیدی اسلوب میں جو فاضلانہ ومحققانہ اور معروضی گفتگو کی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے- ایوب قادری کے دو معروضے یہ ہیں:

(۱) مولانا فیض احمد بدایونی کے خاندان والوں نے ان کے مجاہدانہ کردار پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور جہاد آزادی میں ان کی شرکت کا یا تو تذکرہ ہی نہیں کیا یا اگر کیا تو بڑے مبہم انداز میں-

(۲) مولانا فیض احمد بدایونی کے سال وفات کا تعین نہیں کیا جاسکتا، لیکن بعض تذکرہ نگاروں نے ۱۲۷۴ھ کو ان کا سال وفات تحریر کیا ہے جب کہ بادی النظر میں سال وفات ۱۲۷۳ھ کا تعین ہوتا ہے حالاں کہ ۱۲۷۵ھ تک مولانا کا باحیات ہونا یقینی ہے-

ان دونوں معروضات کا تحقیقی وتنقیدی جواب مقدمے کے ص:۹ تا ص:۲۵ پر تحریر کرنے کے بعد مقدمہ نگار لکھتے ہیں:

''ہمیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ ہماری ان معروضات کو دیکھنے اور اپنی سخن گستری کا دفاع کرنے کے لیے آج ایوب قادری صاحب مرحوم اس دُنیا میں موجود نہیں ہیں، تاہم ہمارا ضمیر اس پر مطمئن ہے کہ ہم نے یہ گزارشات نیک نیتی کے ساتھ دلائل کی روشنی میں کی ہیں- خدانخواستہ ڈاکٹر قادری مرحوم کی ذات پر حملہ یا اُن کے متعلقین کی دل آزاری مقصود نہیں ہے- اگر کسی وفات یافتہ شخص کی رائے سے اختلاف یا اس تحقیق پر تنقید کوئی جرم ہوتا تو قادری مرحوم مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا انوار الحق بدایونی، قاضی معین الدین کیفی اور مولوی رحمن علی کی عبارتوں پر تنقید کرکے اس جرم کے ہرگز مرتکب نہ ہوتے (کہ) جس وقت ڈاکٹر صاحب زیر نظر رسالہ میں ان حضرات کی عبارتوں پر سخن گسترانہ فرما رہے تھے- اس وقت یہ چاروں حضرات پردہ فرما چکے تھے-'' (ص ۲۵، مقدمہ)

اخیر میں ایوب قادری صاحب کی مولانا فیض احمد عثمانی کے احوال وآثار پر مشتمل اس رسالہ کی تصنیف پر ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے استدراک کے عنوان سے بعض تاریخی تسامحات کی اصلاح بھی کی ہے- وہ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر ایوب قادری کی طرح ان کے رسالہ کا پایہ بھی مسلم ہے تاہم رسالہ میں بعض جگہ کچھ تاریخی تسامحات راہ پاگئے ہیں لیکن ایسے معمولی تسامحات سے محقق کی دیگر تحقیقات کے استناد واعتبار پر حرف نہیں آتا- ڈاکٹر ایوب قادری مرحوم نے رسالہ میں لکھا ہے کہ: مولانا فیض احمد بدایونی کو ان کے ماموں مولانا فضل رسول کی صاحبزادی منسوب تھیں، جن سے صرف ایک صاحبزادے مولانا حکیم سراج الحق تھے-''

یہ بات درست نہیں ہے، مولانا فیض احمد بدایونی کی شادی مولانا فضل رسول بدایونی کے چچا مولانا محمد شفیع عثمانی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی- البتہ مولانا فیض احمد کے صاحبزادے حکیم سراج الحق کو مولانا فضل رسول کی صاحبزادی منسوب تھیں- (ایضاً ص ۲۶)

تذکرۂ فضل رسول:

کتاب کا اصل نام 'طوالع الانوار فی محامد اکمل الکاملین الابرار' ہے- یہ تاریخی نام ہے، جس سے کتاب کا سن تالیف (۱۲۹۶ھ) برآمد ہوتا ہے- یہ کتاب مولانا انوار الحق قادری عثمانی بدایونی کی تالیف ہے جو پہلی بار صفر ۱۲۹۷ھ/جنوری ۱۹۸۰ء میں مطبع صبح صادق سیتاپور سے طبع ہوئی- سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی سیرت وسوانح کے سلسلے میں یہ کتاب بنیادی اور اولین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، کیوں کہ یہ کتاب صاحب سوانح کی وفات (۱۲۹۸ھ) کے صرف سات سال بعد ۱۲۹۶ھ میں تالیف کی گئی- مؤلف کتاب صاحب تذکرہ کے مرید بھی تھے اور بھانجے بھی اس لیے انھوں نے بچشم خود عینی حالات وواقعات کا تذکرہ کیا ہے یا ان واقعات کو ہی کتاب میں جگہ دی ہے جو حالات کے عینی شاہدین کی زبانی سنے- کتاب میں آٹھ ایسے مکاتیب بھی شامل اشاعت ہیں جو پہلی بار

اسی کتاب کی زینت ہیں۔

کتاب عرصہ دراز سے کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہو چکی تھی، تقریباً ۱۳۰ سال بعد مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب جدید وتسہیل سے محرم ۱۴۲۹ھ/جنوری ۲۰۰۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوئی ہے۔

تذکرۂ ماجد:

یہ کتاب نبیرۂ فضل رسول، مجاہد آزادی حضرت مولانا حکیم عبدالماجد قادری، عثمانی کی حیات وخدمات پر ارباب علم ودانش کے چند اہم اور وقیع مضامین کا مجموعہ ہے، جن کی ترتیب وتقدیم مولانا اسید الحق قادری نے انجام دی ہے- یہ کتاب ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے اور تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے رجب ۱۴۲۹ھ/جولائی ۲۰۰۸ء میں اس کی پہلی اشاعت عمل میں آئی ہے- مشمولات کتاب کی تفصیل حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبدالماجد بدایونی شخصیت اور خدمات بقلم مولانا اسید الحق قادری-

(۲) مولانا عبدالماجد بدایونی کا خاندان- یہ تحریر اکمل التواریخ مصنفہ مولانا ضیاء القادری بدایونی اور "نسب نامۂ خاندان عثمانی" مرتبہ محمد فرید اقبال قادری کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے-

(۳) تذکرۂ طیبہ: یہ تحریر مولانا ضیاء القادری بدایونی کی ہے جو مستقل کتاب کی صورت میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی-

(۴) مدرسہ شمس العلوم بدایوں- یہ تحریر پروفیسر ایوب قادری کی ہے جسے مرتب نے انسائیکلوپیڈیا آف بدایوں جلد چہارم سے لیا ہے-

(۵) خطیب الامہ مولانا عبدالماجد بدایونی- یہ تحریر مولانا سید سلیمان ندوی مشمولہ "تواریخ وصل وانتقال" ادبی پریس لکھنؤ ۱۹۳۱ء

(۶) حضرت مولانا عبدالماجد مرحوم کی خطابت- تحریر سید حسن ریاض مشمولہ "تواریخ وصل وانتقال"

(۷) مثنوی مشق تقریر- از مولانا ضیاء القادری

(۸) پارہ ہائے جگر (مرثیہ) از مولوی تولا حسین تولا بدایونی

(۹) کلام منظور- از مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

یہ کتاب مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد بدایونی کی شخصیت و خدمات کے تعلق سے تاج الفحول اکیڈمی کی ایک اہم پیش کش ہے جو مولانا عبدالماجد بدایونی کے ۱۲۵ ویں یوم ولادت (شعبان ۱۴۲۹ھ) کے موقع پر منعقدہ تاریخی "جشن ماجد" میں پیش کیا گیا- اسی موقع سے مولانا عبدالماجد پبلک لائبریری کا جشن افتتاح بھی ہوا اور اسی موقع پر نہایت قلیل مدت میں یہ کتاب ترتیب دی گئی- کتاب اپنے موضوع پر مختصر ضرور ہے لیکن ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے-

اعتراف حقیقت کے طور پر مرتب کتاب لکھتے ہیں:

"یہ کتاب کسی مستقل تحقیقی اور سوانحی کام کے زمرے میں نہیں آتی، محض وقتی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر ترتیب دی گئی ہے- ہاں! البتہ مولانا بدایونی پر آئندہ تحقیقی اور تفصیلی کام کرنے والوں کے لیے نشان منزل نہ سہی سراغ راہ تو ضرور فراہم کرتی ہے-" (ص: ۸/حرف آغاز)

احوال ومقامات:

خانوادۂ قادریہ بدایوں کی دو عظیم شخصیت مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی اور عاشق الرسول مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی کی سوانح حیات اور خدمات وکارنامے کا تذکرہ ہے، جو مولانا عبدالہادی قادری کے قلم سے ہے، جسے ۱۹۹۱ء میں قلم بند کیا گیا اور اسی سال بدایوں سے طبع ہوا- تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے ۱۰۰ صفحات پر مشتمل اس کا طبع جدید ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ/دسمبر ۲۰۰۹ء میں مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب جدید وتلخیص کے ساتھ سامنے آیا ہے-

خواجہ غلام نظام الدین: حیات وخدمات:

یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، نواسہ تاج الفحول، مجاہد سنیت خواجہ غلام نظام الدین قادری بدایونی (ولادت ۱۳۱۶ھ/۹۹-۱۸۹۸ء وصال ۱۹/ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ/۵/ستمبر ۱۹۸۵ء بعمر ۸۹ سال) کے احوال وآثار اور دینی وملی خدمات کی سرگزشت ہے- اس کتاب کی ترتیب جناب محمد تنویر خاں قادری بدایونی (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے مولانا اُسید الحق قادری کی زیر نگرانی کی ہے- محرم ۱۴۳۳ھ/دسمبر ۲۰۱۱ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے اس کی پہلی طباعت ہوئی- کتاب کا انتساب صاحب تذکرہ کے صاحبزادے شیخ طریقت حضرت الحاج خواجہ احتشام الدین قادری بدایونی موجودہ امام عیدگاہ بدایوں کے نام کیا گیا ہے-

سیف اللہ المسلول کا علمی مقام:

یہ کتاب مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی (فاضل مدرسہ قادریہ

بدایوں) کی تالیف ہے، جو ایک طویل مقالہ کی شکل میں پہلی بار طلبہ مدرسہ قادریہ بدایوں کے درمیان سالانہ علمی مذاکرے میں ۴/جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ/۲۶/اپریل ۲۰۱۲ء کو بعنوان 'سیف اللہ المسلول ارباب علم ودانش کی نظر میں' پیش کیا گیا- بعد میں یہی مقالہ کچھ حذف واضافہ کے ساتھ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ/نومبر ۲۰۱۲ء میں 'سیف اللہ المسلول کا علمی مقام: اولیا، علما، مؤرخین اور معاصرین کی نظر میں' کے نام سے کتابی شکل میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوا-

کتاب حسب ذیل مرکزی عنوانات پر مشتمل ہے:

(۱) سیف اللہ المسلول: ایک تعارف (۲) سیف اللہ المسلول بارگاہِ رسالت میں (۳) سیف اللہ المسلول اور علمائے حرمین شریفین (۴) سیف اللہ المسلول بغداد شریف میں (۵) سیف اللہ المسلول اور فیضانِ چشت (۶) سیف اللہ المسلول اکابر مارہرہ مطہرہ کی نظر میں (۷) سیف اللہ المسلول کا مقام ہم عصروں کی نظر میں (۸۰) سیف اللہ المسلول اور بادشاہ بہادر شاہ ظفر (۹۰) سیف اللہ المسلول متاخر علما ومشائخ کی نظر میں (۱۰) سیف اللہ المسلول مؤرخین کی نظر میں (۱۱) سیف اللہ المسلول عصر حاضر کے ارباب علم وتحقیق کی نظر میں-

اس طرح مؤلف کتاب نے سینکڑوں ماخذ ومصادر سے تحقیق و تتبع اور تلاش وجستجو کے بعد ان مرکزی موضوعات کے تحت منتخب اور مستند مواد کو جمع کیا ہے- اس راہ میں انھیں کیا کچھ محنت ووقت کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، اس سے وہی لوگ صحیح طور سے واقف ہو سکتے ہیں جنھوں نے اس دشت کی سیاحی کی ہے-

تذکرہ خانوادۂ قادریہ:

یہ کتاب ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، خانوادۂ عثمانیہ قادریہ بدایوں کی شخصیات پر مشتمل متداول ومستند تذکروں میں شامل مواد و مشمولات کا ایک خوبصورت انتخاب ہے-

یہ کام مولانا اسید الحق قادری کے ایک چہیتے اور محبوب نظر شاگرد مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی نے آپ کی نگرانی وتحریک پر انجام دیا ہے- اس کتاب کی افادیت کو بتاتے ہوئے مولانا اسید الحق قادری ابتدائیہ کے تحت لکھتے ہیں:

"علامہ فضل حق خیرآبادی کے سلسلے میں ڈاکٹر معین الدین عقیل کا ایک مقالہ نظر سے گذرا تھا جس میں انہوں نے اُن تمام اہم ماخذ ومراجع کی نشان دہی کردی تھی جن میں علامہ کا تذکرہ موجود تھا- اس کے ریسرچ اسکالرز اور اہل قلم کو سہولت ہوگئی کہ وہ علامہ کے سلسلے میں مواد کی تلاش کے لیے سرگرداں نہیں رہیں گے بلکہ سارا مواد ایک نظر میں ان کے پیش نظر ہوگا- اس مقالے کو دیکھ کر خیال آیا کہ اکابر خانوادۂ قادریہ کے سلسلے میں بھی اسی قسم کی ایک کتاب مرتب کرادی جائے تا کہ ان حضرات کے متعلق اہل تذکرہ وسیر نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ایک جگہ جمع ہو جائے اور یہ کتاب آگے آنے والوں کے لیے حوالے کا کام کرے- اسی خیال کی عملی شکل اس کتاب کی صورت میں آپ کے پیش نظر ہے-" (۹/ابتدائیہ)

مزید لکھتے ہیں:

"زیر نظر کتاب میں خانوادۂ قادریہ کے تمام اہل علم وفضل کے تذکرے کو جمع نہیں کیا گیا ہے بلکہ صرف تیرہویں صدی اور چودہویں صدی کے بعض اکابر کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے جن شخصیات کا انتخاب کیا گیا ہے وہ اپنی علمی، دینی اور روحانی خدمات کے سلسلے میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں-

ابتدائیہ کے اخیر میں طلبہ مدرسہ قادریہ کی علمی وتحقیقی اور اپنے اسلاف سے وابستگی پر انہوں نے اپنے جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ یہاں کے طلبہ کی روشن مستقبل کا غماز ہے- ان دعائیہ کلمات کو آپ بھی پڑھیے، وہ لکھتے ہیں:

"یہ بات میرے لیے انتہائی مسرت اور اطمینان کا باعث ہے کہ مدرسہ قادریہ کے طلبہ کی موجودہ نسل میں بعض طلبہ خصوصیت کے ساتھ علمی وتحقیقی مزاج، تحریر وتصنیف کا ذوق اور مخلصانہ دینی خدمات کا جذبہ رکھتے ہیں- اس پر اپنے اکابر واسلاف سے گہرا رشتہ عقیدت ومحبت مستزاد مرتب کتاب عزیزی عبدالعلیم قادری مجیدی کا شمار بھی موصوف کے روشن اور تابناک مستقبل کا متمنی بھی ہوں اور اس کے لیے دعا گو بھی- رب قدیر ومقتدر دارین کی برکات عطا فرمائے- آمین

(ص ۱۲/ابتدائیہ)

اکابر بدایوں:

یہ کتاب مولانا احمد حسین قادری گنوری کی ہے جس میں انہوں نے مندرجہ ذیل پانچ اکابر خانوادہ عثمانیہ قادریہ کے احوال وخدمات کو قلم بند کیا ہے:

(۱) شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی (۲) سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی (۳) تاج الفحول، مظہر حق مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی (۴) سرکار صاحب الاقتدار مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی (۵) شیخ المشائخ، عاشق الرسول مولانا شاہ عبدالقدیر قادری بدایونی۔

یہ کتاب مولف نے بعض مخلص وابستگان خانقاہ کی فرمائش پر ۱۹۸۵ء میں قلم بند کیا تھا جو اسی وقت اکتوبر ۱۹۸۵ میں ''ادارہ مظہر حق بدایوں'' کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوا- مولانا اسید الحق قادری لکھتے ہیں:

> ''زیر نظر کتاب مولانا (احمد حسین قادری گنوری) نے خانقاہِ قادریہ سے وابستہ مریدین ومعتقدین کی فرمائش پر ترتیب دی تھی- لہٰذا اس طبقے کو سامنے رکھ کر مواد اور اسلوب کا انتخاب کیا ہے- کتاب کی زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے ساتھ ہی ہر بزرگ کے تذکرہ میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے-''
>
> (ص ۵/ابتدائیہ)

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ/مارچ ۲۰۱۳ء میں کتاب کا طبع جدید مولانا عاصم اقبال مجیدی (تلمیذ عزیز مولانا اسید الحق قادری) کی ترتیب جدید کے ساتھ ۶۰/صفحات پر مشتمل منظر عام پر آئی ہے-

اکمل التاریخ:

اکابر خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں بالخصوص سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی کی سب سے مفصل اور جامع سوانح حیات اور خدمات کا تذکرہ ہے- کتاب دو حصوں میں ہے- پہلے حصے میں مؤلف کتاب مولانا محمد یعقوب حسن ضیاء القادری بدایونی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ و خانوادۂ عثمانیہ کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطری (قاضی القضاۃ علاقہ بدایوں بعہد سلطان شمس الدین التمش سے لے کر صاحب تذکرہ کے والد ماجد شاہ عین الحق عبدالمجید قادری قدس سرہ تک کے اکابر خانوادۂ عثمانیہ کا جامع تذکرہ تحریر کیا ہے، جب کہ دوسرا حصہ حضرت سیف اللہ المسلول اور آپ کے سلسلۂ اجداد واخلاف، اساتذہ وتلامذہ، خلفا ومریدین تصانیف ومکاتیب، کرامات ومعالجات وارمشاغل ومعمولات سبھی چیزوں کا احاطہ کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے اور دونوں حصوں میں جابہ جا حواشی کے تحت بدایوں کے دیگر نامور علما وفضلا خصوصاً سلسلہ قادریہ سے وابستہ علما ومشائخ کا مختصراً ذکر بھی کیا ہے- ان خصوصیات کی وجہ سے یہ کتاب خانوادہ عثمانیہ کے علما ومشائخ خصوصاً سیف اللہ المسلول کی سیرت وخدمات کے تعلق سے اہل علم وارباب تحقیق کے دمیان یہ کتاب ہمیشہ سے ایک مستند مآخذ اور حوالے کی کتاب کے طور پر مقبول رہی-

یہ کتاب پہلی بار جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ/مارچ ۱۹۱۶ء میں مطبع قادری مولوی محلہ بدایوں سے مولوی عبدالصمد صاحب سرور مقتدری کے زیر اہتمام باجازت محرکِ تصنیف مولانا عبدالماجد قادری بدایونی شائع ہوئی- طبع اول الگ الگ دو حصوں میں اشاعت پذیر ہوا تھا، اب یہ دونوں حصے ایک ساتھ رمضان ۱۴۳۴ھ/جولائی ۲۰۱۳ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام تقریباً ایک صدی بعد ممتاز محقق و ناقد حضرت مولانا اسید الحق قادری کی ترتیب جدید مختصر ضروری حواشی اور وقیع ضمیمہ کے ساتھ منظر عام پر آئی ہیں-

کتاب کا پہلا حصہ ص ۲۸ سے ۱۸۲ صفحات پر مشتمل ہے- دوسرا حصہ ص ۱۸۳ سے ۳۷۵ صفحات تک ہے۔ پھر ص ۳۷۷ سے ''ضمیمہ اکمل التاریخ'' مرتبہ اسیدُ الحق قادری کا آغاز ہوتا ہے جو کتاب کے ص ۴۵۸ تک ہے- اخیر میں ''مرتب ایک نظر میں'' کے زیر عنوان ۲ صفحات میں مرتب کی سوانح اور قلمی خدمات کی فہرست ہے- اس کے علاوہ شروع میں ۱۳/صفحات میں فہرست مشمولات ہے اور ۷/صفحات میں مرتب کے قلم سے ایک ابتدائیہ بھی ہے جس میں اکمل التاریخ کا تعارف اور ترتیب جدید میں مرتب کی جانب سے انجام دیے گئے تحقیقی وتدوینی امور کی تفصیلات اور کتاب کی استنادی وتاریخی حیثیت پر مورخین ومحققین کی آرا کا ذکر ہے-

ضمیمہ اکمل التاریخ میں مرتب نے (ص ۳۷۷ تا ۳۹۱) تعارف تصانیف سیف اللہ المسلول، کے تحت سیف اللہ المسلول کی ۱۱/کتابوں

کا تحقیقی، علمی اور تاریخی تعارف قلم بند کیا ہے- پھر (ص ۳۹۲ تا ۴۰۹) حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی سے لے کر خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کے موجودہ صاحب سجادہ اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالحمید سالم القادری تک متعدد علما ومشائخ خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے- ص ۴۱۰ پر شاہ عبدالمقتدر بدایونی کی جانب سے شاہ عبدالقدیر بدایونی کو ملی اجازت وخلافت کی ایک نقل شامل ہے- پھر ۴۱۱ تا ۴۲۰ مصنف اکمل التاریخ مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی کی سوانح حیات اور قلمی خدمات پر تفصیلی تحریر ہے- راقم الحروف کے خیال سے ہندوستان میں پہلی بار کسی نے خانوادۂ قادریہ کے اس اہم مورخ پر اتنی معلوماتی اور تفصیلی تحریر لکھی ہے- اس کے بعد ''اکمل التاریخ پر نقد و نظر: ایک جائزہ'' کے عنوان سے اکمل التاریخ کے بعض مندرجات کے تعلق سے عہد مصنف ہی میں بعض افراد کی جانب سے لکھے گئے کتب و رسائل کا تنقیدی وتحقیقی جائزہ لیا گیا ہے- یہ تحریر (۴۲۱ تا ۴۳۴) ۱۳/صفحات پر مشتمل ہے، جو مرتب کی تحقیقی وتنقیدی اور تاریخی بصیرت و معلومات کا شاہکار ہے-

اس کے بعد اکابر ومشائخ خانوادۂ عثمانیہ کے 'اسناد حدیث، شجرۂ طریقت، سلسلہ تلمذ' کا بیان ہے جو ص ۴۳۵ تا ۴۴۴ پر مشتمل ہے- پھر فرید اقبال قادری ابن حضرت عبدالمجید اقبال قادری کی علم الانساب پر ایک اہم تحریر 'نسب نامہ خاندانِ عثمانی بدایوں' شامل اشاعت ہے جو ص ۴۴۵ سے شروع ہو کر ۴۵۷ پر ختم ہوتا ہے- اخیر میں 'حادثہ جانکاہ' کے عنوان سے مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری کی ایک تعزیتی تحریر جو شاہ عبدالمقتدر بدایونی کے وصال پرملال پر تحریر کی گئی تھی، شامل اشاعت ہے-

قصیدتان رائعتان (اردو ترجمہ وتشریح):

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ) کے دو عربی قصائد (۱) قصیدۂ نونیہ ''مدائح فضل الرسول، (۲) قصیدۂ دالیہ ''حمائد فضل الرسول'' کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ۱۳۰۰ھ میں ۳۱۲/اشعار پر مشتمل عربی زبان میں نظم کیا- یہ دونوں عربی قصائد آپ نے سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی اور تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کی مدح ومنقبت میں آج سے ۱۳۵ سال پہلے کہے- دونوں قصائد کا عربی متن پہلی بار ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۸ء میں المجمع الاسلامی مبارک پور سے بخط مصنف عکسی طباعت کی صورت میں سامنے آیا اور پھر اس کے بعد متعدد اداروں کی جانب سے یہ اشاعت پذیر ہوا- کئی مدارس کے عربی زبان وادب کی تعلیم کے بطور شاملِ نصاب بھی ہوا، لیکن اب تک اس کا اردو ترجمہ وتشریح اہل علم پر قرض تھا، جس کی شاندار ادائیگی کا کام خانقاہ قادریہ عثمانیہ کے نامور فرزند حضرت مولانا اسید الحق قادری کی زیر نگرانی عمل میں آیا- قصیدے کا اردو ترجمہ وتشریح اور قصیدے پر نہایت علمی وتحقیقی فنی وتاریخی مبسوط تقدیم ''قصیدتان رائعتان'' ایک تحقیق مقالہ'' کے ساتھ پہلی بار تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام ابھی حال ہی میں ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ/اکتوبر ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آیا ہے-

اس کتاب پر شروع میں امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری (زیب سجادہ خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف) کی تقریظ مبارک ۴/صفحات پر مشتمل ہے، جو بقول مقدمہ نگار:

> ''اس قصیدے پر تقریظ لکھنے کے لیے سب سے موزوں ترین شخصیت ہیں کہ ان قصائد کے ممدوح اور شاعر وناظم دونوں حضرات کی بیعت وارادت اور عقیدت ومحبت کا سلسلہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے ملتا ہے-''

راقم بھی موصوف کے اس اظہار ''منت شناسی'' پر صاد کرتا ہے- اس کے بعد مولانا اسید الحق قادری کا ابتدائیہ ہے جس میں انہوں نے اس قصیدے کے ترجمہ وتشریح کے داعیے اور ترجمہ وتشریح کی خصوصیات پر ۴ صفحات میں اچھی روشنی ڈالی ہے-

پھر اس کے بعد ص ۱۵ تا ۱۰۰ کل ۸۵ صفحات میں ان کا طویل تحقیقی مقدمہ ہے- اس مقدمے میں انہوں نے تمہید وتعارف، قصیدے کی تالیف وسبب تالیف، قصیدے کا تاریخی نام، اشعار کی تعداد، قصیدے کے مخطوطات وخطی نسخے کا تعارف، مختلف اشاعتیں اور تحقیقی کام، دونوں قصائد کا موضوعاتی جائزہ، قصیدے کی مقبولیت، قصیدے کے اہم پہلو، قصیدے کا عروضی ولسانی جائزہ جیسے اہم مرکزی موضوعات اور اس کے تحت متعدد ذیلی عناوین پر معلومات افزا، بصیرت افروز تحقیقی گفتگو سپرد قرطاس کی ہے- اس کے بعد ڈاکٹر عبیدی عراقی (ولادت ۱۹۴۰ء وصال ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء) کی عربی زبان میں شرح وتحقیق مطبوعہ

الجمع الرضوی العلمیی بغداد ۲۰۰۲ء کا تنقیدی جائزہ قلم بند کیا ہے۔ یہ علمی و تنقیدی جائزہ ص ۵۲ تا ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقدمے کے سارے مباحث اور گوشے نہایت علمی و تحقیقی اور معلوماتی ہونے کے باوجود مقدمے کا یہ حصہ بطور خاص مطالعہ کیے جانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس گوشے میں مقدمہ نگار نے جس علمی آگاہی اور بصیرت کے ساتھ قصائد امام احمد رضا پر ڈاکٹر عبیدی عراقی صاحب کی تنقید کا علمی تجزیہ و محاسبہ ومحاکمہ کیا ہے، وہ انہیں کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

ص ۱۰۱ سے قصیدے کا ترجمہ و تشریح شروع ہوتا ہے۔ ترجمہ و تشریح کا یہ کام مولانا اسید الحق قادری کے ایک عزیز شاگرد مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے اپنے استاذ گرامی کے حکم وخواہش پر انجام دیا ہے۔

پہلے قصیدۂ نونیہ 'مدائح فضل الرسول' کا ترجمہ و تشریح ہے جو ص ۱۰۳ تا ۲۲۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس قصیدے میں اشعار کی تعداد ۲۴۳ ہے۔ اس کے بعد قصیدۂ دالیہ 'حماید فضل الرسول' کا ترجمہ و تشریح ص ۲۳۰ سے ۲۵۲ صفحات پر ہے۔ اس قصیدے کے تحت ۷۰ اشعار ہیں۔ اس طرح دونوں قصائد کے کل اشعار کی تعداد ۳۱۲ ہے۔ پھر ۲۵۲ و ۲۵۴ پر کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ واحد مخطوطہ بخطِ مصنف کے پہلے اور آخری صفحے کا عکس دیا گیا ہے۔

اخیر میں راقم الحروف امین ملت حضرت سید شاہ امین میاں قادری برکاتی برکاتی مدظلہ العالی کی تقریظ سے ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہے جو در حقیقت جماعتِ اہلِ سنت کی شیرازہ بندی کے لیے ان کے مخلصانہ جذبات کی ترجمانی کے ساتھ سبھی غلامانِ مارہرہ کے لیے ایک اہم پیغام کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت امین ملت فرماتے ہیں:

''۳۱۳ اشعار پر مشتمل ان قصیدوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ نے جامع معقول ومنقول سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول قادری برکاتی بدایونی قدس سرہ کی بارگاہ میں جس عقیدت اور محبت کا اظہار فرمایا ہے، اس کا انداز تو قارئین ان قصیدوں کو پڑھ کر ہی لگا سکتے ہیں، میں تو صرف یہ کہوں گا کہ جیسی محبت، عقیدت اور ربط ہمارے ان اکابر کے مابین ہوا کرتا تھا اگر اس کا عشر عشیر بھی ہمیں حاصل ہو جائے تو آج ہماری جماعت کا عالم ہی نرالا ہو۔'' (ص ۷ تقریظ)

تاج الفحول: حیات وخدمات:

یہ کتاب تاج الفحول، محبِ رسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی سوانح حیات اور خدمات پر مشتمل ہے جو آپ کے صد سالہ عرس کے موقع پر ادارہ مظہر حق بدایوں کے زیر اہتمام اکتوبر ۱۹۹۸ء میں منظر عام پر آئی۔ کتاب کے مولف مفتی عبدالحکیم نوری (سابق مدیر ماہ نامہ مظہر حق بدایوں) ہیں۔ پوری کتاب ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مشمولات کتاب کو مؤلف نے ۶ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب۔ تاج الفحول، مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کے خاندانی پس منظر اور ان کے سلسلۂ اجداد کے ذکر پر مشتمل ہے۔

دوسرا باب۔ تاج الفحول کی حیات کے تحت ولادت، تعلیم و تربیت، اجازت حدیث، بیعت وخلافت، حج و زیارت، سفر آخرت، کرامت، اولاد و اخلاف اور اساتذۂ معقولات ومنقولات کا خوب صورت ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں خدمات کے تحت مؤلف نے حضرت تاج الفحول کی تدریسی خدمات، فتویٰ نویسی، دعوت وتبلیغ، سلسلۂ بیعت وارشاد اور مختلف تحریکات میں آپ کے قائدانہ کردار اور آخر میں تصانیف کا تعارف اور آپ کی تصنیفی خدمات کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

باب چہارم شاعری کے تحت۔ حضرت تاج الفحول کی شاعرانہ عظمت اور مجموعۂ شاعری ''درشہوار عقیدت'' (۱۲۹۹ھ) کا تجزیاتی و تاریخی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ پانچویں باب معاصرین واکابرین کے تحت مؤلف کتاب نے حضرت تاج الفحول کی علمی عظمت اور قائدانہ حیثیت کے اعتراف پر مشتمل اکابر و معاصرین کے اقوال وارشادات کو پیش کیا ہے۔ اس باب کے تحت انھوں نے سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی، مولانا عبدالسمیع بیدل رام پوری، قاضی عبد الوحید فردوسی، علامہ فضل حق خیرآبادی، علامہ عبدالحق خیرآبادی، سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی، سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی، علامہ خیر الدین دہلوی، مولانا حسن رضا بریلوی کی جانب سے حضرت تاج الفحول کی علمی وروحانی شخصیت پر مشتمل اقوال واعترافات کو معاصر شواہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

باب ششم کے تحت مصنف کتاب نے تاج الفحول اور امام احمد رضا بریلوی کے درمیان عقیدت مندانہ و والہانہ تعلقات کا ذکر کیا ہے۔

مؤلف موصوف نے یہ کتاب بھی شیخ اسید الحق قادری بدایونی کی خواہش وحکم پر مرتب کی۔ یہ کتاب تاج الفحول کی حیات وخدمات پر ایک اولین تحقیقی کاوش ہے۔ جس پر مصنف کو راقم الحروف مبارک باد پیش کرتا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے تذکرہ وسیرت نگاری کے اصول کو نظر رکھتے ہوئے پوری گفتگو صاحب تذکرہ کے تعلق سے اولین ماخذ و نصوص کے آئینے میں کی ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب تاج الفحول کی حیات وخدمات پر ایک مستند ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

تاج الفحول نمبر:

ماہ نامہ مظہر حق بدایوں کا یہ تاریخی ودستاویزی نمبر ہے جو میگزین سائز کے ۶۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کے جشن صد سالہ ۱۹۹۸ء کے موقع پر خانقاہ قادریہ بدایوں کے زیر اہتمام شعبان تا ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ/نومبر تا مارچ ۱۹۹۸ء، ۱۹۹۹ جلد اشارہ ۸،۹،۱۰،۱۱ کے بطور منظر عام پر آیا۔

تاریخی نمبر حضرت تاج الفحول کی حیات وخدمات کے مختلف گوشوں پر برصغیر ہندو پاک کے سینکڑوں مشاہیر ارباب قلم واہل دانش کے مقالات، مضامین، تاثرات، منظومات کا مجموعہ ہے، جس کی ترتیب وادارت مفتی عبدالحکیم نوری وصاحبزادۂ گرامی مولانا اسید الحق قادری نے انجام دی ہے۔ معاون مرتبین کی حیثیت سے مولانا محمد حنیف قادری ازلوی اور ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی کا نام شامل ہے۔ شروع میں جشن صد سالہ تاج الفحول ۱۹۹۸ء کی تفصیلی رپورٹ بھی شامل ہے۔

اختتام: مولانا شیخ اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی علمی اور اشاعتی خدمات کا تعارف میں اس امید پر مکمل کر رہا ہوں کہ شیخ صاحب نے جس مشن کو شروع کیا تھا، حضرت قبلہ شیخ عبدالحمید سالم القادری دام ظلہ کے زیر سایہ، ان کے برادران، احباب اور تلامذہ کا کاروان شوق اسے منزل مقصود تک ضرور پہنچائے گا۔

□□□

☆ ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، ہمدرد نگر تغلق آباد، نئی دہلی

عصری معیار کے مطابق اسلامی ادب کا اشاعتی مرکز
ادارۂ فکر اسلامی، دہلی
کی اہم مطبوعات
دور جدید کے بعض مسلم مسائل
ایک بازدید
از: مولانا خوشتر نورانی، صفحات:156
علامہ ارشد القادری کے بے لاگ اداریوں کا مجموعہ
فغان درویش
از: مولانا خوشتر نورانی، صفحات:136
Islam,Jihad and Terrorism
By:Khushtar Noorani
Pages:395,
جہاد اور دہشت گردی، اجتہاد وتقلید اور انقلاب ۱۸۵۷ء پر
تین علمی وفکری انٹرویوز
از: مولانا خوشتر نورانی صفحات:88
ماہنامہ جام نور کا ایک یادگار تنقیدی، علمی وادبی کالم
خامہ تلاشی
از: ابو لفیض معینی، صفحات:200
تحقیق وتفہیم
از: مولانا اسید الحق قادری، صفحات:276
تقسیم کار: مکتبہ جام نور، دہلی
Phone:011-23281418,09313783691

مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی ☆

مولانا اسید الحق قادری کی تصانیف: ایک تعارف

مولانا بدایونی کے آہوئے قلم سے جو نافۂ مشک نکل کر آیا ہے اس کی خوشبو سے اہل علم کے مشام جاں معطر ہو گئے

دنیا میں لاکھوں لوگ پیدا ہوتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں اور ان کی موت کا کسی کو افسوس نہیں ہوتا، لیکن اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی اس دنیا سے رخصتی پر ایک عالم میں کہرام بپا ہو جاتا ہے اور وہ غم اس وقت اور بھی جاں کاہ ہوتا ہے جب کہ وفات پانے والے کی شخصیت ایسی ہو کہ اس سے ایک عالم کو ضیا ملتی ہو، ایک نسل کی علمی و دینی تربیت ہوتی ہو، اس کی ضیا پاشیوں کو ابھی بام عروج تک پہنچنا باقی ہو اور ملت اسلامیہ کی بڑی امیدیں اور تمنائیں اس سے وابستہ ہوں- ان عظیم شخصیات میں ایک شخصیت حضرت علامہ اسید الحق عاصم قادری صاحب کی ہے- عین عہد شباب میں ان کی ناگہانی شہادت سے پوری جماعت اہل سنت بلک اٹھی اور پوری دنیائے اہل سنت سوگوار ہو گئی- یہ تو ایک پہلو رہا لیکن جب ان کے کارناموں پر نظر پڑتی اور ان کی مصنفات و مؤلفات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس مختصر سی مدت میں وہ کام کر ڈالا جو دوسرے لوگ طویل عمر پانے کے بعد بھی نہیں کر پاتے، بلکہ اس مختصر سی مدت میں ان کے ذریعے انجام پانے والے کام بھی ان کو اکابر کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے کافی ہیں- ان کے کام کی جہتیں متنوع اور متعدد ہیں- میں ذیل میں صرف ان کی تصانیف کا ایک سرسری جائزہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ علامہ موصوف نے اپنی زندگی کو کس قدر بہتر طریقے سے استعمال کیا اور آئندہ نسلوں کے لیے دینی و علمی خدمات کے باب میں کیسی قابل تقلید مثال قائم کی- ان کی تصانیف کی تعداد ایک اندازے کے مطابق کم و بیش ایک درجن ہے- ان کی یہ خدمت سب سے زائد خاندانی افاضل کی کتابوں کی تحقیق، تخریج اور مقدمہ نگاری کے علاوہ ہے جسے انھوں نے دس سال کے عرصے میں انجام دیا-

علامہ اسید الحق قادری روز اول سے ہی اپنے تحقیقی مزاج، مثبت انداز فکر، معروضی پیش کش اور نکھرے ہوئے اسلوب تحریر کے لیے معروف رہے- چنانچہ ان کے آہوئے قلم سے جو نافۂ مشک نکل کر آیا ہے اس کی خوشبو سے اہل علم کے مشام جاں معطر ہو گئے-

ان کی تالیفات کی مختلف نوعیتیں ہیں، بعض تو ان تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہیں جو جام نور کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے اور پھر بعد میں کچھ حذف و اضافے کے بعد اسے کتابی شکل دے دی گئی- بعض وہ تنقیدی تحریریں ہیں جو جام نور دہلی کے مشہور زمانہ کالم ''خامہ تلاشی'' میں شائع ہوئیں جن کی بنا پر جام نور کی مقبولیت کا گراف آسمان چھونے لگا اور بعد میں اس کی علمی، تنقیدی و تربیتی افادیت کی خاطر اسے ''خامہ تلاشی'' کے نام سے ہی کتابی فارم میں طبع کر دیا گیا- بعض وہ کتابچے ہیں جو کسی ایک خاص عنوان پر لکھے گئے ہیں اور جو پہلے جام نور یا ان کے علاوہ دوسرے جرائد و مجلات میں تحقیقی اور مفصل مضمون کے طور پر شائع ہوئے اور بعد میں مضامین کی طوالت کے مدنظر حذف و اضافے کے ساتھ مستقل کتابچے کی صورت میں زیور طبع سے آراستہ کیا گیا اور بعض کتابیں وہ ہیں جو درحقیقت تصنیف کا درجہ رکھتی ہیں اور کسی ایک خاص تحقیقی موضوع سے تعلق رکھتی ہیں- ان کی جن تصانیف و تالیفات کے نام مجھے معلوم ہو سکے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) خامہ تلاشی (۲) تحقیق و تفہیم (۳) حدیث افتراق امت: تحقیقی مطالعے کی روشنی میں (۴) فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ: ایک تحقیقی مطالعہ (۵) قرآن کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ (۶) عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات (۷) خیر آبادیات (۸) احادیث قدسیہ- (۹) تذکرۂ ماجد (۱۰) مفتی لطف بدایونی: شخصیت اور شاعری (۱۱) تذکرۂ شمس مارہرہ (۱۲) اسلام ایک تعارف-

ذیل میں مذکورہ بالا کتابوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے-

(۱) خامہ تلاشی:

یہ کتاب علامہ اسید الحق قادری کے ان تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے جو جام نور کے سب سے مقبول کالم 'خامہ تلاشی' میں اپریل ۲۰۰۵ سے لے کر دسمبر ۲۰۰۶ء تک تقریباً پونے دو سال کے عرصے میں شائع ہوئے- خامہ تلاشی کا کالم کس قدر اہل علم کے درمیان مقبول ہوا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کالم کو فیضی کی بانگ درا، مشفق خواجہ کے خامہ بگوش آزاد کی غبار خاطر اور ظفر علی خان کے مطائبات سے تشبیہ دی گئی-

یوں تو پہلے سے علامہ اسید الحق کی علمیت کا لوہا مانا جاتا تھا لیکن جب اس کالم کے تحت 'ابوالفیض معینی' کے نام سے ان کی تنقیدی تحریریں آئیں جن میں انھوں نے علوم قرآن، علوم حدیث، ادب، بلاغت، عروض اور دوسرے تمام علوم پر ناقدانہ و محققانہ انداز میں اظہار خیال کیا تو اکثریت نے یہ گمان کیا کہ یہ ایک شخص کا کام نہیں ہے بلکہ اس کالم کو لکھنے میں ایک پوری اکیڈمک ٹیم رول ادا کرتی ہے لیکن جب کالم بند ہوا اور یہ سر نہاں فاش ہوا کہ یہ کالم کوئی اور نہیں بلکہ فاضل نوجوان، عبقری زماں حضرت علامہ اسید الحق لکھ رہے ہیں تو لوگ انگشت بدنداں رہ گئے اور لوگ اس شہسوار علوم و معارف کے آگے سجدۂ تحیت بجا لائے-

''خامہ تلاشی'' کے بند ہو جانے کے بعد تعاقب کے نام سے ایک دوسرا کالم شروع ہوا جو جنوری، فروری صرف دو مہینے تک لکھا گیا اور بعد میں چند وجوہ کی بنا پر اس کا تسلسل ٹوٹ گیا-

''خامہ تلاشی'' کا کالم چوں کہ ایک قلمی نام سے شائع ہو رہا تھا، اس لیے لوگوں کو اسی بات کا بڑا اشتیاق اور تجسس تھا کہ اس کے کالم نگار کون ہیں، چنانچہ جب یہ کالم بند ہوا تو ان سے ایک مفصل انٹرویو کے ذریعے کالم نگار کی رونمائی ہوئی-

بعد میں ''خامہ تلاشی'' کے تمام مضامین (اپریل ۲۰۰۵ء، دسمبر ۲۰۰۶ء) اور ''تعاقب'' کے دو مضمون کو جمع کر کے مدیر ماہ نامہ جام نور کے مقدمے اور کالم نگار کے بارے میں اہل علم کے گراں قدر تاثرات کے ساتھ ادارہ فکر اسلامی دہلی سے شائع کیا گیا- کہنے کے لیے یہ صرف مضامین کا مجموعہ ہے لیکن درحقیقت طالبان علوم اور تحقیق و تنقید سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یہ دائرۂ معارف کی حیثیت رکھنے والا سرمایہ ہے-

(۲) تحقیق و تفہیم:

یہ کتاب بھی علامہ اسید الحق کے ان علمی و تحقیقی شہ پاروں کا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۳ء سے لے کر دسمبر ۲۰۰۹ء تک جام نور کے صفحات پر شائع ہوئے- ان سے صرف چار مضامین ایسے ہیں جو جام نور میں شائع نہیں ہوئے- ان مضامین کو موضوع کے لحاظ سے مرتب کر کے شائع کیا گیا ہے- جن مضامین کا تعلق تحقیقات سے تھا، ان کو تحقیقات کے عنوان سے جن کا تفہیم حدیث سے تھا ان کو تفہیم حدیث کے سرنامے کے ساتھ، جو اجتہاد و تقلید سے تعلق رکھنے والے تھے ان کو اجتہاد و تقلید کے نام سے، جو تصوف و سلوک کے مباحث پر مشتمل تھے ان کو تصوف و سلوک کے نام سے اور جن کا تعلق مباحثے سے تھا ان کو مباحثے کی شہ سرخی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے- کتاب کے چند اہم موضوعات کچھ اس طرح ہیں: نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیت، مطبع اہل سنت و جماعت: تاریخی پس منظر اور اشاعتی خدمات، تبرک بالآثار کے خلاف ایک روایت کا علمی جائزہ، متن حدیث کی بازیافت، مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی، شیخ بہاء الدین شطاری اور سلسلۂ شطاریہ، دعوت و تبلیغ کے لیے خانقاہی نظام کتنا مؤثر ہے؟ جماعت اہل سنت کا حقیقی تعارف کیا ہے؟

مؤلف کی دوسری تحریروں کی طرح مؤلف کی دوسری تمام تحریریں علمی و تحقیقی آہنگ اور سادہ و رنگین اسلوب لیے ہوئے ہے- کتاب ۲۷۲ر صفحات مشتمل ہے اور طباعت کی خدمت ادارہ فکر اسلامی دہلی نے انجام دی ہے-

(۳) حدیث افتراق امت: تحقیقی مطالعے کی روشنی میں:

علامہ اسید الحق کے قلم سے نکلا ہوا یہ وہ تحقیقی شاہ کار ہے جس کا محرک خود مؤلف کے بقول: فیکلٹی آف اصول الدین جامعہ ازہر کے شعبۂ عقیدہ کے استاذ ڈاکٹر محمد احمد المسیر کا ایک رسالہ قضية التكفير في الفكر الاسلامي ہے- یہ کتاب دراصل ایک مبسوط مقالہ ہے جو جام نور کے صفحات پر چار قسطوں (مئی تا اگست ۲۰۰۵ء) میں شائع ہوا تھا اور پھر بعد میں بعض جزوی ترمیم کے ساتھ اسے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے کتابی شکل میں شائع کیا- کتاب کا موضوع جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے وہ حدیث رسول ﷺ ہے جس میں ۷۳ فرقوں میں امت محمدیہ کے بٹنے کی بات کہی گئی ہے- مؤلف نے اس کتاب میں حدیث

افتراق کے تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے، اس کے تمام طرق کا جائزہ لیا ہے، ان کی اسنادی حیثیت کو واضح کیا ہے اور پھر اس سے جو مفہوم نکل کر آتا ہے، اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے-

امت سے کیا مراد ہے، امت اجابت یا دعوت؟ اور پھر کلھا فی النار سے کیا مراد ہے، خلود فی النار یا دخول فی النار؟ ان تمام موضوعات پر کھل کر بحث کی ہے- جدید و قدیم ائمہ اعلام کے اقوال نقل کیے ہیں اور پھر علمی منہج کے مطابق خلاصۂ بحث لکھا ہے اور دس نتائج بیان کیے ہیں- اسی میں پہلا نتیجہ یہ ہے کہ حدیث افتراق امت ۱۸ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے اور آخری تین نتائج یہ بیان کیے ہیں کہ حدیث میں کلھا فی النار سے خلود فی النار نہیں بلکہ دخول فی النار مراد ہے- اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ بہت نازک ہے، لہٰذا تاویل کر کے تکفیر سے رکنے اور احتیاط کی ضرورت ہے اور فرقہ ناجیہ کے علاوہ باقی فرقے گمراہ اور گمراہ گر ہیں اور ان کا رد و ابطال ضروری ہے-

اس مقالے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ۷۶ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کی تیاری میں ۵۴ مصادر و مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے- اس کتاب کے مطالعے کے بعد کوئی بھی قاری ان کی تحقیقی شخصیت کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا-

(۴) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ:

علامہ اسید الحق کے شذرات الذہب میں ایک شذرہ قرآن کریم کی سائنسی تفسیر بھی ہے- یہ کتاب بھی دراصل ان کے تحقیقی مضامین میں سے ایک ہے جو جام نور میں چار قسطوں میں شائع ہوئے اور بعد میں اس مقالے کی اہمیت اور ندرت کی وجہ سے ماہنامہ 'سوئے حجاز' لاہور نے بھی اسے ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں شامل کیا اور یہی مقالہ بعد میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کی طرف سے کتابی شکل میں بغیر حذف و اضافے کے شائع ہوا- مؤلف اس میں حذف و اضافہ کرنا چاہتے تھے، لیکن ان کی گوناگوں مصروفیات ان کی خواہش راہ میں مانع ہوئی اور مقالے کو اپنی سابقہ حالت میں ہی شائع کرنا پڑا-

اس کتاب میں انھوں نے سائنسی تفسیر کے رجحات کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے- سائنسی تفسیر کے مفہوم کو واضح کیا ہے اور سائنسی تفسیر کے جواز کے حوالے سے علما کی آرا کو نقل کیا ہے، جو علما سائنسی تفسیر کے مخالف تھے ان کی آرا کو بھی ان کے دلائل سے نقل کیا ہے- پھر فریقین کے دلائل کا ناقدانہ اور بصیرت مندانہ تجزیہ کیا ہے، قرآن اور سائنس میں تعارض کی حقیقت پر بحث کی ہے، سائنسی تفسیر کے سلسلے میں ہونے والی بعض بے اعتدالیوں کو واضح کیا ہے، سائنسی تفسیر کے رواج کے اسباب مختصراً ذکر کیا ہے، سائنسی تفسیر کے جواز کے شرائط کو بیان کیا ہے اور پھر اخیر میں غیر مقبول سائنسی تفاسیر کے کچھ نمونے ذکر کیے ہیں، لیکن مقبول سائنسی تفاسیر کے نمونے ذکر نہیں کیے ہیں- اس کمی کی انھوں نے خود اپنے پیش لفظ میں بھی صراحت کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مقبول سائنسی تفاسیر کے نمونے شامل ہو جاتے تو موضوع کے ساتھ پورا انصاف ہو جاتا- خود مؤلف نے اس پر اظہار افسوس کیا ہے، اس کمی سے قطع نظر کتاب علمی تحقیق اور بحث و تجزیہ کا اعلیٰ نمونہ اور اہل علم و تحقیق کے ذوق کی تسکین کا عمدہ دسترخوان ہے- ۵۷ صفحات کی اس کتاب کی تیاری میں ۲۷ مصادر و مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے جو اس کتاب کے علمی و تحقیقی ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے-

(۴) فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ: ایک تحقیقی مطالعہ:

اسید الحق قادری صرف علوم اسلامیہ میں ہی دستگاہ رکھنے والے نہیں تھے بلکہ ادبی ذوق بھی بہت ارفع و اعلیٰ تھا- ان کو عربی ادب سے بھی گہرا لگاؤ تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ انھوں نے علوم عربیہ و اسلامیہ کے گہوارے جامعہ ازہر مصر کے چشمۂ علمی سے اکتساب فیض کیا تھا- چنانچہ عربی ادب میں ان کی مہارت کی نمائندہ کتابوں میں ایک کتاب ''فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ: ایک تحقیقی مطالعہ'' ہے- یہ کتاب بھی دراصل جام نور میں شائع شدہ (اگست ۲۰۱۲ء) ان کے ایک علمی و تحقیقی مضمون کی ترقی یافتہ شکل ہے-

اس کتاب میں انہوں نے سب سے پہلے قصیدۂ میمیہ کے حوالے سے تمہیدی و تعارفی تحریر لکھی ہے، پھر امام زین العابدین کا ایک خوب صورت تعارف تاریخی شواہد کے ساتھ پیش کیا ہے اور ان کی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے- اس کے بعد قصیدہ کہنے والے فرزدق کی زندگی کے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور خصوصاً قصیدۂ میمیہ کہنے کی پاداش میں اس کو جو قید و بند کی سزا جھیلنی پڑی، اس کا ذکر کیا

ہے اور پھر امام زین العابدین کی شان میں کہے گئے اس قصیدے کی برکت سے فرزدق کی نجات کے حوالے سے علمائے امت نے جو باتیں کہی ہیں، ان کا ذکر کیا گیا ہے- اس کے بعد فرزدق نے جس اموی بادشاہ کے سامنے یہ قصیدہ کہا تھا اس کے متعلق بھی کچھ سوانحی باتیں لکھی گئی ہیں اور اس کے بعد قصیدۂ میمیہ کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے جس کے ذیل میں یہ بحث بھی آئی ہے کہ یہ قصیدہ درحقیقت فرزدق ہی کا ہے یا کسی اور کا؟ اور یہ کہ یہ قصیدہ امام زین العابدین کی شان میں ہی کہا گیا یا کسی اور کی شان میں؟ ان دونوں پہلو پر تاریخی شواہد کی روشنی میں معروضی گفتگو کی گئی ہے، پھر امت میں اس قصیدے کی مقبولیت کے ضمن اس کے فارسی ترجمے، اس کی تخمیس اور شروح کے حوالے سے بھی گفتگو کی گئی ہے اور جن علما نے اس قصیدے کے حوالے سے کوئی کام کیا تھا ان کا اور ان کے کام کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے اور اخیر میں مختلف کتابوں سے جمع کر کے قصیدۂ میمیہ کا متن سلیس اور با محاورہ ترجمے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے-

میرے علم کی حد تک فرزدق کے قصیدۂ میمیہ کے حوالے سے ایسا کوئی علمی کام اس سے پہلے سامنے نہیں آیا- یہ کتاب عربی شعر و ادب سے ذوق رکھنے والوں کے علاوہ اہل بیت سے محبت رکھنے والوں کی بھی روح کی تسکین کا سامان ہے-

(۵) احادیث قدسیہ:

احادیث قدسیہ، احادیث کے ذخیرے میں ایک الگ شان رکھتی ہیں- اسی امتیازی شان کی بنا پر محدثین اور صوفیہ نے احادیث قدسیہ کے مستقل مجموعے ترتیب دیے- اردو زبان میں اس حوالے سے نا کے برابر کام ہوا ہے- علامہ اسید الحق قادری چوں کہ جامعہ ازہر مصر جس کی حدیث اور علوم حدیث میں بیش بہا خدمات ہیں، وہاں کے ممتاز ہندوستانی فاضل ہیں، اس لیے ان کا یہ حق بھی تھا کہ وہ اس طرح کے موضوعات پر کام کریں اور احادیث کی خدمت انجام دیں- چنانچہ انھوں نے 'احادیث قدسیہ' کے نام سے اردو زبان میں ایک مجموعہ ترتیب دیا، اس کی ترتیب میں منہج اور طریقہ کیا رہا، اس کی انھوں نے عرض مرتب کے نام سے لکھی گئی تحریر میں وضاحت کر دی ہے-

انھوں نے لکھا ہے کہ اس مجموعے کی زیادہ تر احادیث صحت کے اعلیٰ درجے پہ ہیں، عموماً متفق علیہ ہیں یا پھر صحیحین میں سے کسی ایک کی ہیں، اگر ان کے علاوہ کسی اور کتاب کی ہیں تو پھر صحت کی پوری تحقیق کے بعد ہی اس کو درج کیا گیا ہے- ۱۰ سے کم احادیث ایسی ہیں جن کو محدثین نے حسن کہا ہے، البتہ تین حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کو بعض متشددین نے ضعیف کہا ہے مگر وہ بھی متابعات و شواہد کی وجہ سے قوی ہیں- ۱۳ مختلف عنوانات کے تحت احادیث کو جمع کیا گیا ہے- وہ عنوانات یہ ہیں:

عقیدۂ ایمان، عظمت پروردگار، رحمت و مغفرت، جنت و دوزخ، عظمت مصطفیٰ، انبیا و مرسلین، شفاعت، امت محمدیہ کی فضیلت، اولیا و صالحین کا مرتبہ، شہدا کا مرتبہ اور جہاد کی فضیلت، اعمال صالحہ کی فضیلت، گناہوں کا انجام-

اس مجموعے میں احادیث کی کل تعداد کتنی ہے، اس کی صراحت نہیں کی گئی ہے، میرے شمار کے مطابق کل ۱۰۲ر احادیث ہیں، اگر آئندہ ایڈیشن میں احادیث کی نمبرنگ کر دی جائے تو بہتر ہوگا-

اصل کتاب کے علاوہ مرتب کی طرف سے عرض مرتب کے علاوہ احادیث قدسیہ کے حوالے سے ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں حدیث کے معنی و مفہوم، قرآن کریم اور احادیث قدسیہ میں فرق، حدیث قدسی کے اقسام، ان کی تعداد، ان کے موضوعات، موضوع احادیث قدسیہ اور موضوع کی بعض اہم کتابوں کو بیان کیا ہے- اس کے علاوہ مؤلف کے دوست اور فاضل ازہر مولانا منظر الاسلام ازہری نے 'احادیث قدسیہ اور صفات باری' کے عنوان سے ایک مبسوط علمی مقدمہ لکھا ہے- چوں کہ احادیث قدسیہ میں صفات باری کا ذکر بکثرت آیا ہے اور ان صفات کا ذکر کثرت سے آیا ہے، جو تشبیہ کا وہم پیدا کرنے والی ہیں، اس لیے اس مقدمے کا ہونا ضروری تھا- انھوں نے پوری علمی تحقیق کے ساتھ صفات باری کے حوالے اہل سنت کے موقف کو واضح کیا ہے اور اہل بدعت کے نظریات کی کمزوریوں کو اجاگر کیا ہے- خود مؤلف کے مقدمے اور پھر مولانا منظر الاسلام کے مقدمے کے ساتھ یہ مجموعہ بہت ہی وقیع ہو گیا ہے اور کم از کم ہندوستانی سطح پر احادیث کے ذخیرے میں یقیناً یہ قیمتی اضافہ ہے- احادیث کا کوئی بھی طالب علم اس کتاب کے علمی مباحث اور صحیح احادیث قدسیہ کے انتخاب کو دیکھنے کے بعد اس کتاب کی ضرورت و اہمیت کا قائل ہوئے بنا نہیں رہ سکتا- اس بیش قیمت کتاب کو جو ۱۷۸ر صفحات پر مشتمل ہے، تاج الفحول اکیڈمی نے شائع کیا ہے-

خیرآبادیات:

علامہ اسید الحق قادری نے یوں تو جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، تحقیق کا حق ادا کر دیا، لیکن ان کی تحقیقی کاوشوں میں ان کی یہ کوشش ان کے اعلیٰ تاریخی شعور کی غماز ہے- خیرآبادی سلسلۂ علم وفضل کے احوال و آثار پر یہ ایک انوکھی کاوش ہے، جس وقت یہ کتاب اہل علم کے درمیان پہنچی، ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور اس کتاب کی انفرادیت پر گفتگو شروع ہوگئی اور بڑے بڑے اہل علم وفضل کتاب کی خصوصیتوں کی بنا پر اپنی گرامی قدر آرا سے نوازا- کتاب کا انتساب سلسلۂ خیرآباد کے عناصر اربعہ علامہ عبدالحق خیرآبادی، مولانا عبدالقادر بدایونی، استاذ الاساتذہ، مولانا ہدایت اللہ رام پوری اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی طرف کیا گیا ہے- مصنف کے "اظہاریہ" "دعائیہ کلمات"، "خیرآبادیات میری نظر میں" اور اس طرح کے دوسرے متعلقات کتاب کے علاوہ کتاب میں خیر البلاد خیرآباد، خانوادۂ خیرآباد، خانوادۂ خیرآباد کی اہل علم خواتین، مدرسہ خیرآباد، خیرآبادی طریقۂ درس اور اس کی خصوصیات، خیرآبادی اساتذہ کی شفقت، خیرآبادی تلامذہ کی عقیدت، استاد بھائی کا رشتہ، بدایوں میں سلسلۂ خیرآباد، کتب خانۂ قادریہ میں خیرآبادی نوادر، فضل حق، فضل رسول اور آزردہ، علامہ فضل حق خیرآبادی اور حافظ محمد علی خیرآبادی، علامہ فضل حق خیرآبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی، علامہ فضل حق کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں، علامہ فضل حق خیرآبادی اور سید حیدر علی ٹونکی، علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی، علامہ فضل حق خیرآبادی کے علمی معرکے، مولانا عبدالحق خیرآبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے، لطائف خیرآباد، انڈمان کا ایک سفر، خیرآبادیات پر تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی کام جیسے عنوانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور پورے تاریخی تسلسل کے واقعات کو تحریر کیا گیا ہے- اس کے علاوہ کتاب کے اخیر میں دو ضمیمے بھی شامل اشاعت ہیں، ایک ضمیمہ مولانا فضل رسول بدایونی اور سید حیدر علی کی مناقشات سے متعلق ہے جب کہ دوسرے ضمیمے میں روداد مناظرہ دہلی ہے-

اظہاریہ میں مؤلف نے کتاب کی تالیف کے پس منظر اور پھر علمی منہج کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور کتاب کی مختلف خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے- چنانچہ اس کتاب میں کچھ معلومات وہ ہیں جو شاید پہلی بار منظر پر آئے- مثلاً مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے ساتھ علامہ فضل حق خیرآبادی کی معرکہ آرائی، علامہ فضل رسول بدایونی اور مفتی صدر الدین آزردہ کے باہمی علمی مناقشات کی تفصیلات وغیرہ جو مباحث پرانے ہیں، ان میں بھی اضافے یا پھر نئے انداز ان کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کی بنا پر ان قدیم مباحث پر بھی نیا خول چڑھ گیا ہے- یہی نہیں بلکہ کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ پامال شدہ واقعات کے اعادے سے کتاب کو بالکل پاک رکھا گیا ہے- خلاصہ یہ ہے کہ ریسرچ اور تحقیق کے اصول پر یہ کتاب پوری طرح منطبق ہے- ریسرچ کا مقصد ہوتا ہے نئے عنوان پر کام کرنا یا پھر پرانے عنوان نئے مباحث کا اضافہ کرنا- اس مقصد کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ کتاب ریسرچ کے دونوں مقاصد کو پوری کرنے والی ہے-

عربی محاورات:

علامہ اسید الحق قادری کو علوم عربیہ سے گہرا شغف تھا اور ان کے اس ذوق پر شہادت کے لیے فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ نامی کتاب ہی کافی ہے- ان کے اسی ذوق کی نمائندہ ایک دوسری کتاب بھی ہے جس کا نام ہے عربی محاورات-

اصل کتاب سے پہلے اظہاریہ ہے جس میں انھوں نے کتاب کی تالیف کا پس منظر بیان کیا ہے اور پھر منہج ترتیب وتالیف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے- اس کے بعد ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم صدر شعبۂ اردو جامعہ ازہر مصر کی تقریظ ہے جس میں انھوں نے کتاب کی اہمیت و افادیت اور اس کی خصوصیات پر گفتگو کی ہے- ان کے علاوہ ڈاکٹر عصام ابوغربیہ پروفیسر قاہرہ یونیورسٹی، قاہرہ مصر کی بھی تقریظ ہے جس میں انھوں نے مؤلف سے اپنے تعلقات کی شکل کا ذکر کیا ہے اور پھر مؤلف کی طالب علم کی حیثیت سے اعلیٰ خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے اور دعاؤں سے نوازا ہے- ان دونوں عالم عرب کے اساتذہ کے علاوہ ڈاکٹر مصطفیٰ شریف صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کی تقریظ بھی شامل ہے- اس کے بعد عربی اور اردو محاورات، تحقیق و تجزیہ کے عنوان سے ایک مبسوط مقدمہ ہے جو علمی اور تحقیقی لحاظ سے کتاب کی جان ہے- اس مقدمے کو پڑھنے کے بعد عربی اور اردو زبان وادب کی بلاغتوں اور اس کی نزاکتوں سے ان کی گہری آشنائی کا اندازہ ہوتا ہے اور مقارناتی

ادب پر ان کی دسترس کا ثبوت ملتا ہے- ادب مقارن کے دل دادگان لیے یہ مقدمہ لازمی مطالعے کی حیثیت رکھتا ہے- اسی مقدمے کے بعد انھوں نے پوری دیانت داری کے ساتھ اس کی ترتیب میں جن کتابوں سے انھوں نے استفادہ کیا تھا، ان کا ذکر کیا اور منہج پر بھی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے- اس کے بعد اصل کتاب یعنی عربی محاورات کو ذکر کر کے اردو میں اس کا متبادل ذکر کیا ہے اور اس کا ترجمہ کیا ہے-

یہ محاورات دو ابواب پر منقسم ہیں؛ پہلے باب میں ان محاورات کو ذکر کیا گیا ہے جن کی ابتدا فعل سے ہوتی ہے جب کہ دوسرے باب میں ان محاورات کو ذکر کیا گیا ہے جو جملہ اسمیہ ہیں یا پھر مرکب ناقص-

ان محاورات کے مطالعے سے خود میری معلومات میں وسعت پیدا ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ عربی زبان وادب کے اسکالرز وطلبہ اگر اس کتاب کا مطالعہ کر لیں تو ضرور ان کی ادبی ولسانی قوت میں اضافہ ہوگا- خود مترجمین کے اندر ترجمہ کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوگا- انشا کی غلطیوں سے بچیں گے اور ترجمہ کی راہ کی تاریکیوں میں یہ کتاب منارۂ نور ثابت ہوگی-

تذکرۂ ماجد:

یہ کتاب علامہ اسید الحق قادری کی مولانا عبدالماجد بدایونی پر ایک تحقیقی مقالہ اور دیگر چند اہل علم وتاریخ کے مقالات کا مجموعہ ہے- مولانا قادری کا جو مقالہ اس کتاب میں شامل ہے، یہ مقالہ جام نور میں چھپ چکا ہے- ان کے علاوہ دیگر اہل علم کے مضامین، ملک کے دیگر معروف جرائد و رسائل اور کتابوں سے ماخوذ ہیں- اس کتاب کے ذریعے مولانا عبدالماجد بدایونی کی شخصیت، سیرت اور خدمات علمی وملی کی واضح تصویر قارئین کے سامنے آتی ہے- یہ کتاب پہلی بار تاج الفحول اکیڈمی سے ۲۰۰۹ء میں چھپی ہے- ۱۲۶ر صفحات پر مشتمل ہے-

مفتی لطف بدایونی: شخصیت اور شاعری:

مفتی اکرام احمد لطف قادری بدایونی کی شخصیت اور شاعری علامہ اسید کی ایک اہم تالیف ہے، جس میں شخصیت اور شاعری کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کا ایک انتخاب بھی شامل اشاعت کر لیا گیا ہے- شخصیت وشاعری کے تعلق سے آل احمد سرور، مولانا عبدالہادی قادری، اور ابرار علی صدیقی کے تین اہم مضامین بھی شامل کتاب ہیں، جن سے مفتی لطف بدایونی کی شخصیت اور کمالات شاعری کے اہم پہلو کا انکشاف ہوتا ہے- پوری کتاب ۱۲۸ر صفحات پر مشتمل ہے جس کی پہلی اشاعت ۲۰۱۰ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوئی-

تذکرۂ شمس مارہرہ:

شمس مارہرہ حضرت اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کی حیات زندگی، افکار اور تعلیمات پر یہ ایک اہم تالیف ہے- یہ کتاب علامہ اسید الحق کے دو مقالات کا مجموعہ ہے جو دو الگ الگ رسائل میں شائع ہوئے، لیکن بعد میں یہ دونوں مقالے کتابی صورت میں اہم اضافے کے ساتھ سامنے آئے- یہ کتاب شمس مارہرہ کی روحانی وعملی زندگی کو جاننے کے لیے ایک اہم تصنیف کی اہمیت رکھتی ہے- ضخامت مختصر ہے، لیکن جامعیت اور معلومات کا شاہکار ہے-

اسلام: ایک تعارف:

یہ کتاب علامہ اسید الحق قادری بدایونی نے برادران وطن کی تفہیم اور ذہنی سطح کا خیال کر کے تصنیف کیا- اس لیے نہایت سادہ اور آسان زبان میں اسلام اور پیغام اسلام کو پیش کیا گیا ہے- ۳۲ر صفحات پر مشتمل مختصر ضخامت کی یہ کتاب مبلغین اور داعیان اسلام کے لیے ایک اہم تحفہ ہے جس کے ذریعے وہ اسلام کی اشاعت اور تعارف ہر جگہ اچھے انداز میں انجام دے سکتے ہیں- اسی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہندی، انگلش، مراٹھی، گجراتی اور تمل زبانوں میں شائع ہو چکی ہے- ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے-

علامہ اسید الحق قادری کی یہ چند اہم علمی وادبی تحقیقی وتنقیدی کتابیں تھیں جن کا ایک سرسری تعارف پیش کیا گیا ہے- یہ ان کی کتابوں کا حقیقی تجزیہ نہیں ہے بلکہ یہ صرف چند نقوش ہیں جن کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے- ان کی تمام کتابوں کے مطالعے سے بنفس نفیس میں نے خود بہت کچھ سیکھا ہے، استفادہ کیا ہے اور ان کی تصنیفات آئندہ علم وتحقیق سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہیں گی- ان سے خود میرے ذاتی تعلقات تھے- وہ ہمارے تمام احباب کے کرم فرما تھے- خود صالح تھے اور ہمیشہ صلاح پر ابھارتے تھے- خود مثبت اور تعمیری سوچ کے حامل تھے اور ہم لوگوں کو بھی اس کی طرف رہنمائی کرتے تھے- □□□

☆ استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

مولانا فہیم احمد ثقلینی ازہری ☆

عالم ربانی کے مقالات ومضامین: ایک تعارف

اس دنیا میں لوگ آتے رہتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں- یہ سلسلہ سیدنا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے جاری ہے اور قیامت تک جاری وساری رہے گا- اب تک لاتعداد انسان دنیا میں آئے اور اپنی حیات مستعار کا محدود وقت گزار کر اس دنیا سے چلے گئے- مگر تاریخ اسلام کا نادر نمونہ بننے کی سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی - یہ خوش بختی اور سعادت جن لوگوں کو نصیب ہوتی ہے حساس اور دردمند دل ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی انہیں یاد رکھتے ہیں اور ان کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی ہے- برصغیر کی تاریخ اسلام کے ایسے ہی نمائندہ اور عبقری شخصیات میں ایک اہم نام شہید راہ بغداد، مظہر علوم سیف اللہ المسلول، نبیرہ تاج الفحول، عالم ربانی حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری ازہری محدث بدایونی بھی ہیں-

چند سال کے مختصر عرصے میں وہ کر دکھایا جو دوسرے لوگ اپنی تمام عمر میں بھی نہیں کر پاتے ہیں- شیخ صاحب کی زندگی ہمہ جہت تھی- شیخ صاحب کی زندگی کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے، آپ وسیع المطالعہ عالم دین، ماہر مدرس، عربی و فارسی اور اردو کے صاحب طرز ادیب، قادر الکلام شاعر، تصوف وسلوک اور روحانیت ومعرفت سے سرشار، بیدار مغز، باشعور صوفی غرض یہ کہ ہر حیثیت سے آپ جامع کمالات اور عبقری شخصیت تھے- خداوند قدوس نے شیخ صاحب کو تصنیف وتالیف، تحقیق وتخریج، تسہیل وتذہیب، تحشیہ وترتیب جدید کا زبردست شعور بخشا تھا- آپ نے اپنے پیچھے قلمی خدمات کا ایک ذخیرہ چھوڑا ہے- آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف ایک درجن سے زائد ہیں اور مدرسہ قادریہ کے اکابر علماء کی سو سے زائد کتب جدید تقاضوں کے مطابق آپ منظر عام پر لائے- سردست ہمارا موضوع آپ کی قلمی خدمات کا وہ حصہ ہے جو مقالات کی شکل میں ہے-

شیخ صاحب کے قلمی سفر کے دو دور ہیں- دور اول از ابتدا اور مصر جانے سے پہلے ستمبر ۱۹۹۹ء تک ہے- دور دوم مصر جانے کے بعد دسمبر ۲۰۱۳ء تک ہے- جنوری، فروری ۲۰۱۴ء میں حدیث افتراق امت پر ایک ہم عصر فاضل سے علمی گفتگو کرنے کے لیے ایک خط لکھا تھا باقی وقت کیرالہ، کرناٹک اور بمبئی، پھپھوند شریف کے علمی سیمینار اور گھریلو پروگرام وغیرہ میں گزرا- اس کے علاوہ شب و روز کتب اسلاف کی تحقیق وتخریج وغیرہ محبوب مشغلہ تھا اس میں لگے رہے- سیف الجبار پر کام مکمل ہو چکا تھا- سفر بغداد سے واپسی پر سیف الجبار پر تاریخ وہابیت سے متعلق تین سو صفحات پر مشتمل مقدمہ لکھنا تھا- اس کے علاوہ راقم سطور کی مرتب کردہ کتاب ''تذکرہ مشائخ قادریہ مجددیہ شرافتیہ'' پر بھی تصوف کے حوالے سے طویل مقدمہ لکھنے کا ارادہ تھا- دور اول کے مقالات سے صرف نظر کرتے ہوئے فی الحال دور ثانی کے مقالات کا تعارف ہدیہ قارئین ہے- شیخ صاحب نے زیادہ تر مقالات اپنے دوست مولانا خوشتر نورانی چیف ایڈیٹر ماہ نامہ جام نور دہلی کی فرمائش پر جام نور کے لیے لکھے- چند مقالے ایسے ہیں جو کسی دوسرے رسالے کے لیے لکھے- چھبیس مقالات کا مجموعہ بنام تحقیق وتفہیم کتابی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے- باقی مقالات کی تعداد تیس ہے- کل مقالات ہمارے دسترس اور تحقیق کے مطابق ۵۶ رہیں جن کی فہرست یہ ہے-

۱- کیا عالم عرب کے دینی جامعات میں صرف عربی زبان پر ہی زور دیا جاتا ہے؟ ۲- ابوریحان البیرونی ۳- علامہ سید محمد علوی مکی مالکی: حیات و خدمات ۴- الحاد سے ایمان تک ۵- مجاہد آزادی مولانا عبد الماجد بدایونی: حیات وخدمات ۶- احادیث قدسیہ: ایک تحقیقی جائزہ ۷- نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آخری آیت ۸- خدا کی طرف واپسی ۹- عصر حاضر میں مطالعہ سیرت کی معنویت، اہمیت اور جہت ۱۰- تحفظ توحید کے نام پر کتب اسلاف میں تحریف ۱۱- مطبع اہل سنت و جماعت بریلی تاریخی پس منظر اور اشاعتی خدمات ۱۲- کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۱۳- عربی محاورات کا تقابلی جائزہ ۱۴- ہم نامی کا مغالطہ ۱۵- تشہد کے سلسلے میں ایک مغالطے کا تحقیقی جائزہ ۱۶- کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم امت کے احوال سے باخبر ہیں ۱۷- تبرک بالآثار کے خلاف ایک روایت کا علمی جائزہ ۱۸- متن حدیث کی بازیافت ۱۹- حدیث عمامہ پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۲۰- فقہ حنفی اور عمل بالحدیث ۲۱- ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام ۲۲- مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی ۲۳- علامہ یوسف القرضاوی اور جماعت سلفیہ ۲۴- رفع یدین کے مسئلہ پر ایک دلچسپ مباحثہ ۲۵- کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟ ۲۶- شیخ بہاء الدین شطاری اور رسالہ شطاریہ ۲۷- خانوادۂ برکاتیہ اور فیضان چشت ۲۸- دعوت وتبلیغ کے لئے خانقاہی نظام کتنا مؤثر ہے؟ ۲۹- آج اہل خانقاہ کی نئی نسل تعلیم سے دور کیوں ہے؟ ۳۰- جماعت اہل سنت کا حقیقی تعارف کیا ہے؟ ۳۱- دینی کام کا معنی اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ ۳۲- لبیک اللہم لبیک ۳۳- مولانا ابوالکلام آزاد کا تسامح ۳۴- دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے ۳۵- کچھ لمحے امیر دعوت اسلامی کے ساتھ ۳۶- شمس مارہرہ اور رسالہ آداب السالکین ۳۷- تقریروں میں موضوع روایات: ایک لمحہ فکریہ! ۳۸- فضل حق، فضل رسول اور آزردہ ۳۹- ہم نے دیکھا پاکستان ۴۰- مولانا عبدالحق خیرآبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے ۴۱- خانوادۂ خیرآباد کی اہل علم خواتین ۴۲- علامہ فضل حق خیرآبادی کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں ۴۳- علامہ فضل حق خیرآبادی کے بارے میں بعض روایات کا تحقیقی جائزہ ۴۴- علامہ فضل حق خیرآبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی ۴۵- عربی محاورات وتعبیرات ایک جائزہ ۴۶- سند المتکلمین مولانا حیدر علی فیض آبادی ۴۷- فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ ایک تحقیقی مطالعہ ۴۸- خانوادۂ قادریہ بدایوں اور خانوادۂ علیمیہ: تعلقات و روابط ۴۹- قصیدہ بانت سعاد: ایک مطالعہ ۵۰- مولانا عبد الحامد بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضرا ۵۱- شمس مارہرہ اور سراج الہند ۵۲- شرح قصیدتان رائعتان: ایک تنقیدی مطالعہ ۵۳- تو کجا بہر تماشہ می روی ۵۴- شب جائے کہ من بودم ۵۵- حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں ۵۶- قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ-

حضرت علامہ ارشد القادری متوفی ۲۰۰۲ء کے وصال کے بعد ان کے علمی وفکری جانشین مولانا خوشتر نورانی نے جام نور کا احیا کیا اور تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل رئیس القلم نمبر شائع کیا- اس کے بعد ستمبر ۲۰۰۲ء سے ماہ نامہ جام نور تواتر کے ساتھ مذہبی صحافت کی خدمت کر رہا ہے-

(۱) کیا عالم عرب کے دینی جامعات میں صرف عربی زبان پر ہی زور دیا جاتا ہے؟

میری تحقیق کے مطابق ممتاز محقق وناقد، عالم ربانی حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری نے پہلی بار بزم جام نور میں باضابطہ ستمبر ۲۰۰۳ء میں شرکت کی- اس سے قبل منظومات کے کالم میں حاضری درج کرا رہے تھے- اس مقالے کا خلاصہ یہ ہے کہ جامعہ ازہر شریف مصر کے نصاب تعلیم اور نظام درس وتدریس اور ہندوستانی نظام ونصاب تعلیم میں کیا بنیادی فرق ہے- جامعہ ازہر کے کلیہ اصول الدین کا تعارف مع شعبہ جات پیش کیا ہے اور چند مثالیں بھی دی ہیں- اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو محدود ذہن وفکر کا حامل نہ ہو- ہندوستانی اور مصری تعلیم کا خلاصہ بلفظ دیگر یہ ہے کہ ہندوستانی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں- برخلاف ازہر شریف کے وہاں کی تعلیم سے جدید تحقیق کا مزاج پیدا ہوتا ہے اور نئے جہان آشکار ہوتے ہیں-

(۲) ابوریحان البیرونی:

یہ مضمون شخصیات اسلام کے کالم میں جون ۲۰۰۴ء میں جام نور میں شائع ہوا جس میں البیرونی کے حالات زندگی، علوم وفنون اور سات تصانیف کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے- اس مقالے کی تیاری میں دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مقدمہ تحقیق ماللہند اور الوافی بالوفیات سے بھرپور استفادہ کیا ہے- تاریخی اور تحقیقی مزاج رکھنے والوں کی رہنمائی کے لیے البیرونی کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے دس کتابوں کے نام بھی دیے ہیں-

(۳) حضرت علامہ سید محمد علوی مکی مالکی: حیات وخدمات

یہ مضمون جام نور جنوری ۲۰۰۵ء میں شخصیات اسلام کے کالم میں شائع ہوا- عالمی شہرت یافتہ عالم دین، ممتاز صوفی، درجنوں کتابوں کے مصنف حضرت علوی صاحب کی حیات وخدمات اور ہمہ جہت شخصیت

پر خامہ فرسائی کی ہے- یہ مضمون در حقیقت جدہ سعودی عرب کے ایک اخبار کے مضمون کا اردو ترجمہ ہے-

(۴) الحاد سے ایمان تک:

یہ مضمون دو قسطوں میں فروری، مارچ ۲۰۰۵ء میں جام نور میں شائع ہوا تھا- اس میں ایک امریکی نو مسلم ڈاکٹر جیفرے لینگ کا الحاد سے ایمان یعنی عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی داستان ہے- یہ عربی سے اردو ترجمہ ہے- اس کے ذیلی عنوانات سے ظاہر ہے کہ اس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے مفید ہے- مثلاً زمانہ الحاد میں ذہنی اور قلبی کیفیات، ملحد اور مومن کی کیفیات میں فرق وغیرہ-

(۵) مجاہد آزادی مولانا عبد الماجد عثمانی بدایونی: حیات و خدمات:

جام نور اکتوبر ۲۰۰۸ء میں شخصیات اسلام کے کالم میں شیخ صاحب نے اپنے عثمانی خاندان کے ایک فرزند کی مجاہدانہ کارناموں پر خامہ فرسائی کی ہے- اس موضوع پر شیخ صاحب کی مرتب کردہ کتاب ''تذکرۂ ماجد'' بھی ہے- تفصیلی حالات کے لیے اس کا مطالعہ کریں، جو تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی-

(۶) احادیث قدسیہ: ایک تحقیقی جائزہ:

یہ تحقیقی مقالہ نومبر ۲۰۰۸ء میں پس منظر کے کالم میں بارہ صفحات پر مشتمل شائع ہوا جس میں حدیث قدسی کا معنی اور تعریف قرآن کریم اور احادیث قدسیہ میں فرق، حدیث قدسی کے اقسام، احادیث قدسیہ کی تعداد، حدیث قدسیہ کے موضوعات، عظمت و تقدیس الٰہی، اعمال کا ثواب، نیکیوں کی جزا اور احادیث قدسیہ پر بعض اہم کتابیں- ان تمام موضوعات پر تفصیلی اور تحقیقی گفتگو کی ہے-

اس موضوع پر آپ کی ایک مستقل کتاب احادیث قدسیہ بھی موجود ہے- یہ چھ مضامین وہ ہیں جو تحقیق و تفہیم میں شامل نہیں ہیں- شیخ صاحب کے چھبیس مقالات کا مجموعہ تحقیق و تفہیم ہے-

(۷) نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آخری آیت:

شیخ صاحب نے اس میں علوم القرآن والحدیث کی چھپن کتابوں کے حوالے سے نہایت تحقیقی اور علمی گفتگو کی ہے- اس بحث سے کیا فائدہ ہے اس کے ثبوت میں عبد العظیم زرقانی کی کتاب مناہل العرفان کے حوالے سے تین فوائد نقل کیے ہیں- محدثین و مفسرین کے آٹھ اقوال ہیں کہ کون سی سورت یا آیت آخری ہے- ساری روایتیں اور سب کے دلائل نقل کیے ہیں- پھر اس میں متضاد روایتوں میں تطبیق پیدا کی ہے- آخر میں لکھتے ہیں ''اس سلسلے میں گہرے مطالعے کے بعد ہم بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سورۃ البقر کی آیت نمبر ۲۸۱ و اتقو ایو ماترجعون فیه الی الله مطلقاً قرآن کی آخری آیت ہے اس آیت کو باعتبار نزول آخری آیت ماننے پر تین اسباب ترجیح بھی ذکر کئے ہیں جو مقالہ نگار کی وسعت علمی پر دال ہے-

(۸) خدا کی طرف واپسی:

یہ مقالہ شیخ صاحب نے ''نیو ایج ویزن'' کے لیے لکھا ہے- اس میں شیخ صاحب نے انسانیت کی فلاح و بہبود اور ابدی کامیابی کی طرف توجہ دلائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ آج کا ترقی یافتہ انسان اسی وقت عزت و اقتدار حاصل کر سکتا ہے جب اس کا رشتہ اس کے معبود سے مضبوط سے مضبوط تر ہوگا- اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:

> ''عصر حاضر میں انسان کی سب سے بڑی پرابلم اس کی اپنی فطرت سے جنگ ہے- یہ اسی جنگ کا نتیجہ ہے کہ مادی طور پر تاریخ انسانی کا سب سے ترقی یافتہ اور طاقتور انسان بے چینی اور بے اطمینانی کا شکار ہے-''

پھر انسان کو چین و سکون کیسے حاصل ہوگا آپ رقم طراز ہیں:

> ''مادیت پر مبنی الحادی نظریات کی شکست ہو چکی ہے اور آج کا انسان ایک بار پھر اپنے انہیں فطری تقاضوں کا سرا تلاش کر رہا ہے اور تیزی کے ساتھ واپس خالق حقیقی کی طرف لوٹ رہا ہے- اگر دنیا کا کوئی انسان اسلام قبول کر رہا ہے تو یہ دخول نہیں ہے بلکہ رجوع ہے- یہ ہے خدا کی طرف واپسی-''

(۹) عصر حاضر میں مطالعہ سیرت کی معنویت، اہمیت اور جہت:

تحقیق و تفہیم میں اس امر کی صراحت نہیں ہے کہ یہ مضمون جام نور یا کسی اور رسالے میں کب شائع ہوا- اس مضمون میں اس امر کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ سیرت رسول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام کی حیات کو تاریخی تسلسل اور جغرافیائی پس منظر میں سمجھ لیا جائے- آپ کی ولادت کب ہوئی، کس طرح پرورش ہوئی، پہلی وحی کب نازل ہوئی، ہجرت کا واقعہ کیا ہے، غزوات کو بحیثیت واقعات پڑھ لیا جائے اور

چند معجزات رٹ لیے جائیں- شیخ صاحب رقم طراز ہیں:

> ''بلکہ سیرت کے معنی و مفہوم کی حدیں اس سے بہت آگے ہیں- سیرت قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر کا نام ہے۔ اسلامی عقائد، اسلامی اعمال، اسلامی اخلاق، فرد کا نظام حیات، معاشرہ کے مسائل، بین الاقوامی تعلقات و روابط، امن کے تقاضے، جنگی قانون اور اس کے علاوہ انسانیت کی ضروریات کے تمام مسائل اور ان کا حل سیرت رسول ﷺ میں موجود ہے- سیرت طیبہ کو اسی وسیع مفہوم میں اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے-''

سیرت رسول ﷺ کے مثبت پہلو پر عصر حاضر کے مطابق تفصیلی گفتگو کی ہے- قوم مسلم کو ان بعض حرکات کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے جو سیرت رسول ﷺ کے متعلق نہیں ہے اور لوگ اس فعل کو سیرت کا جزء سمجھتے ہیں- اس مضمون کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے اور نا آشنا قلوب و اذہان کو سیرت کی نئی دنیا کی سیر کرانی چاہیے- خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسانیت ہر طرح کی کامیابی اور رہنمائی تا قیامت سیرت رسول ﷺ میں مضمر ہے-

(۱۰) تحفظ توحید کے نام پر کتب اسلاف میں تحریف:

یہ مضمون جام نور دسمبر ۲۰۰۷ء اور جنوری ۲۰۰۸ء میں دو قسطوں میں شائع ہوا- شیخ صاحب نے مقالے کے شروع میں لکھا ہے کہ لیبیا کے ایک جلیل القدر عالم اور عظیم شیخ طریقت حضرت سید یوسف عبد اللہ النجور الحسینی نے ازہر شریف کے طلبہ کو دوران درس اس طرف توجہ دلائی اس تفصیلی گفتگو کے بعد شیخ صاحب نے کتب اسلاف میں تحریف، تلفیق اور تلبیس کے پانچ مقاصد ذکر کیے ہیں- کتب اسلاف میں تحریف کرنا یہ وہابیہ غیر مقلدین کا محبوب مشغلہ ہے جو وہ عبادت سمجھ کر کر رہے ہیں- اس مقالے میں صرف سات کتابوں کی مثالوں پر اکتفا کیا ہے- اور ان میں جو تحریفات کی گئی ہیں ان کو مع حوالہ و لیل مفصل بیان کیا ہے- لکھتے ہیں:

> ''امام الہند، حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے عظیم الشان خانوادے کے علما کی تصنیفات میں جو تحریف، الحاق اور حذف و اضافات کیے گئے ہیں وہ ایسا وسیع موضوع ہے جو مستقل ایک مقالے کا متقاضی ہے-''

شاہ صاحب کی کتاب تفہیمات میں جو تحریف کی گئی ہے تقریباً نصف درجن سے زائد مثالیں تحریف کی پیش کی ہیں- اس مقالے کی تیاری میں اکیس مراجع و مصادر کا انتخاب کیا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ شیخ صاحب کا تحقیقی اور علمی معیار کتنا بلند ہے- اس مقالے کا اختتام اس پیراگراف پر ہے:

> ''یہ صرف چند سرسری اشارے ہیں ورنہ کتب اسلاف میں لفظی اور معنوی تحریف کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں یہ کم مایہ راقم سطور (اسید الحق) کا اس موضوع پر اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ایک مفصل کتاب لکھنے کا ارادا ہے۔ کافی مواد جمع ہو چکا ہے اور ہنوز تلاش و تحقیق جاری ہے-''

وائے حسرتا! شیخ محترم کا یہ ارادہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا اور بغداد معلیٰ میں علم و فضل کا آفتاب غروب ہو گیا-

(۱۱) مطبع اہل سنت و جماعت بریلی- تاریخی پس منظر اور اشاعتی خدمات:

شیخ صاحب کی وسعت فکر اور وسیع القلبی اور تحقیقی مطالعے پر بار بار داد دینے کو دل کرتا ہے- مقالہ نگار حضرات عام طور پر ایسے موضوع پر مضمون نہیں لکھتے ہیں شیخ صاحب نے ایک سنی پریس کی تاریخ اور اشاعتی خدمات پر جو تحقیقی مقالہ لکھا ہے وہ نہایت قابل غور ہے اور اس سے جماعت اہل سنت کے لئے بے شمار فوائد اور ہدایات منظر عام پر آرہی ہیں- اس مقالے کی ذیلی سرخیاں یہ ہیں مطبع کے قیام کا تاریخی پس منظر، مجلس علمائے اہل سنت کا قیام، ارکان مجلس علمائے اہل سنت، مطبع اہل سنت کا قیام، مطبع اہل سنت کا دستور العمل، مطبع اہل سنت کی خدمات کے چار دور، خلاصہ بحث، آخری بات-

یہ مقالہ سولہ صفحات پر مشتمل ہے جو جام نور مئی ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا- اس مقالے سے بڑی بڑی جو چند مفید باتیں سامنے آئیں وہ یہ ہیں کہ علمائے اہل سنت نے کتابیں لکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی اشاعت پر بھرپور توجہ دی- پچیس علمائے اہل سنت نے مل جل کر یہ مطبع قائم کیا اور رقم پوری نہ ہو سکی تو مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی نے خطیر رقم چندے میں دی- اس کے علاوہ سالانہ چندہ متعین کیا اور اپنے وابستگان سے بھی تعاون کرایا، جس سے یہ مطبع وجود میں آیا- اتنا بڑا کام ۱۳۱۳ھ میں علمائے بدایوں اور بریلی دونوں کے باہمی تعاون سے وجود میں آیا- اس زمانے میں بھی بریلی میں اذان ثانی باہر ہوتی تھی اور بدایوں میں اندر

ہوتی تھی- آخری بات کے عنوان سے مزید تحقیقی کام کرنے والوں کو ابھارنے کے لیے شیخ صاحب لکھتے ہیں:

''مطبع اہل سنت و جماعت کی زریں خدمات کا سرسری جائزہ آپ نے ملاحظہ فرمایا- اس مطبع کی خدمات اس قابل ہیں کہ اس پر باقاعدہ تحقیق کا کام ہو اور اس کی ایک مفصل تاریخ مرتب ہو کر منظر عام پر آئے- ع- مرد از غیب بروں آید و کارے بکند

یہ مقالہ ۱۴ کتابوں کے مطالعے کے بعد معرض وجود میں آیا ہے-

(۱۲) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ایک تحقیقی مطالعہ:

یہ علامہ مصطفی بن عبداللہ المعروف حاجی خلیفہ یا کاتب چلپی کی کتاب ہے- حاجی خلیفہ کی یہ کتاب علمی حلقوں میں اجنبی یا محتاج تعارف نہیں ہے- یہ کتاب مختلف علوم وفنون کی تعریف اور ان پر لکھی جانے والی مختلف کتابوں کے تعارف و تذکرہ پر مشتمل ہے- اس کتاب کے تعارف میں شیخ صاحب نے لکھا ہے:

''یہ کتاب گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں تالیف کی گئی- اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی تالیف کے فوراً بعد سے ہی اس پر تحقیقی کام کا آغاز ہوگیا تھا جس کے نتیجے میں عالمی زبانوں میں اس کے ترجمے، ذیول، شروحات اور مختصرات منظر عام پر آئے- کشف الظنون طبع چہارم کے ناشرین کے اعداد و شمار پر اعتماد کیا جائے تو یہ کتاب تین سو علوم کی تعریف، پندرہ ہزار کتب کے تعارف اور نو ہزار پانچ سو مصنفین کے تذکرے پر مشتمل ہے-''

زیر نظر مقالے میں شیخ صاحب نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی فنی خصوصیات، اس کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں، اس کے ترجمے اور مختصرات سمیت مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے- اس کے بعد ان تمام امور پر مقالے میں سیر حاصل بحث کی ہے جس سے کشف الظنون کی فنی، علمی اور تحقیقی حیثیت اجاگر ہوتی ہے- اس مقالے میں حاجی خلیفہ کی سوانح حیات، تعلیم، درس و تدریس، مطالعہ اور تصنیف و تالیف پر تحقیقی گفتگو کی ہے- جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ صاحب نے نہایت دقیق فکر و نظر سے اس کتاب کے ہر پہلو کا مطالعہ کیا- یہ مقالہ سترہ حوالوں سے مزین ہے جو جام نور جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا ہے-

(۱۳) عربی اور اردو محاورات کا تقابلی جائزہ:

یہ مضمون جام نور جولائی ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا- یہ مضمون در حقیقت شیخ صاحب کی ایک مستقل کتاب عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات کا ایک حصہ ہے- یہ ایک نہایت علمی اور فنی موضوع ہے جو مقالہ نگار کے لئے یہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ عربی زبان وادب، صرف ونحو اور عربی و اردو محاورات پر اچھی دسترس رکھتا ہے- اس کا تفصیلی تعارف شیخ صاحب کی تصنیفات کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں-

(۱۴) ہم نامی کا مغالطہ:

یہ مضمون جام نور اگست ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا ہے- یہ مضمون اس امر پر شاہد عدل ہے کہ حضرت شیخ علوم الحدیث کی ایک شاخ فن اسماء الرجال سے خاصہ شغف رکھتے ہیں اور انہیں اس پر اچھی مہارت حاصل ہے- ہمہ وشما ایسے وادی پرخار میں قدم نہیں رکھتے- اس مقالے میں دس مثالوں سے بیس علما کے نام پیش کیے ہیں کہ یہ ہم نام ہیں- ان میں کس طرح فرق کیا جائے گا، اس کا کیا قاعدہ اور اصول ہے، ضمنی طور پر اور چند مثالوں پر گفتگو کی ہے-

(۱۵) تشہد کے سلسلے میں ایک مغالطے کا تحقیقی جائزہ:

یہ مضمون جام نور مارچ ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا- کتب احادیث میں محدثین نے تین طرح تشہد کی تخریج کی ہے- تشہد ابن مسعود پر مذہب احناف اور مذہب حنبلی میں عمل ہے- تشہد ابن عباس کو اکثر شوافع اور امام لیث بن سعد نے اختیار کیا ہے- امام مالک کے مذہب میں تشہد ابن عمر پر عمل ہے- تینوں تشہد کا مفہوم اور ترتیب ایک ہی ہے- تمام روایتوں میں نبی کریم ﷺ کو سلام کے لئے ندا اور خطاب کا صیغہ السلام علیك یا ایها النبی استعمال کیا گیا ہے- یہ بعض حضرات کی تشویش کا باعث ہے-

وہابیہ غیر مقلدین اس سلسلے میں دو طرح کے مغالطے دیتے ہیں- ایک یہ کہ عہد رسالت میں بصیغۂ خطاب نبی پر سلام اس لیے کہتے تھے کہ حضور ﷺ سامنے ہوتے تھے- دوسرا مغالطہ یہ دیتے ہیں کہ اس سے سلام علی النبی مقصود نہیں ہے بلکہ واقعۂ معراج میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے درمیان ہونے والی گفتگو کی حکایت مراد ہے- کتب حدیث اور شروحات حدیث کی انیس کتابوں سے دونوں مغالطوں کا جواب دیا

ہے کہ دونوں مغالطے مثل تار عنکبوت ہوا ہیں اور احادیث کی روشنی میں بالکل غلط ہیں- انداز جواب نہایت سلیس، شگفتہ اور سنجیدہ ہے- علم حدیث اور مختلف روایتوں میں تطبیق کا انداز دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کی نظر علوم الحدیث میں بہت گہری ہے-

(۱۶) ''کیا رسول اللہ ﷺ امت کے احوال سے باخبر ہیں؟

یہ مضمون جام نور اگست ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا- یہ مضمون حضرت علامہ ڈاکٹر سید محمود السید صبیح مصر کے بلند پایہ عالم اور وسیع النظر محدث کی کتاب اخطاء ابن تیمیه فی حق رسو ل الله و اهل بیته کی ایک فصل کا ترجمہ ہے- دور حاضر کی ایک نئی پیداوار کہ حضور ﷺ قبر انور میں امت کے اعمال و احوال کی خبر نہیں ہے کا علمی رد بلیغ ہے- مخالف نے ایک حدیث مشکل کو بطور دلیل پیش کیا ہے- یہ روایت ایسی دلیلوں اور احادیث کے معارض ہے کہ جو اس روایت سے زیادہ قوی بھی ہیں اور کثیر بھی ہیں، جن میں سے چھ روایات مع سند، جرح و تعدیل اور تخریج کے ساتھ نقل کی ہیں- ڈاکٹر محمود صبیح لکھتے ہیں:

''آخر میں ہم عرض کریں گے کہ مبتدعین کا یہ گروہ جان بوجھ کر یا لاشعوری طور پر ایسی چیزوں اور دلیلوں کی تلاش میں رہتا ہے جس سے نبی مکرم کے مقام و مرتبہ میں کمی ثابت کی جاسکے اور آپ کو ایک ایسے آدمی کی صورت میں پیش کیا جاسکے جو وفات کے بعد اپنے لیے دوسروں کی دعائے مغفرت کا محتاج ہو اور جو اس کی زیارت کرے تو اس کی زیارت سے زائر کو فائدہ نہ ہو بلکہ زائر کی دعا سے صاحب قبر کو فائدہ ہو- معاذ اللہ!''

شیخ صاحب نے اتنی خوش اسلوبی سے ترجمہ کیا ہے کہ اگر وہ شروع میں اس کی وضاحت نہ کرتے تو ترجمہ ہونے کا گمان ہی نہیں ہوتا بلکہ مستقل اردو زبان کا مضمون معلوم ہوتا- ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے دونوں زبان کے اسرار ورموز سے واقف ہونا چاہیے اور ترجمہ ایسا ہو کہ اس کے تمام شرائط مکمل ہوں- یہ تمام خوبیاں اس ترجمے میں بدرجہ اتم موجود ہیں-

(۱۷) تبرک بالآثار کے خلاف ایک روایت کا علمی جائزہ:

یہ مضمون جام نور دسمبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا اس کا عنوان انبیا وصالحین کے آثار و تبرکات سے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں ہے- مقام حدیبیہ پر سرور کائنات محمد ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی تھی- اس لیے اس درخت کو ایک تاریخی اہمیت حاصل ہوگئی تھی- قرآن کریم میں اس درخت کا تذکرہ کرکے اس کے ذکر کو زندۂ جاوید کردیا- اس درخت کے سلسلے میں ایک روایت یہ مشہور ہے کہ بعض لوگ اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس نماز پڑھنے لگے تو امیر المومنین حضرت عمر نے لوگوں کو سرزنش کی اور اس درخت کو کٹوا دیا- ایک مخصوص طبقہ انبیا و صالحین کے تبرکات و آثار سے برکت نہ حاصل کرنے کے سلسلے میں اس روایت کو نہایت شد و مد کے ساتھ پیش کرتا ہے- یہ کام سب سے پہلے حافظ ابن تیمیہ نے کیا- شیخ صاحب نے اس کے جواب میں لکھا ہے ابن تیمیہ کی دلیل والی حدیث صحاح ستہ سمیت حدیث کی اکثر مشہور و معتبر کتب میں اس روایت کا کہیں نام ونشان نہیں ہے، بلکہ یہ روایت صحیحین کی روایت کے معارض بھی ہے- یہ روایت صرف طبقات ابن سعد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے جو سند کے اعتبار سے حدیث منقطع ہے- اس کے برخلاف شیخین نے متعدد طرق سے جو روایت حدیث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس سال اس درخت کے نیچے بیعت لی گئی اس کے اگلے سال صحابہ کرام نے اس کو تلاش کیا مگر نہ پایا- حضرت عمر نے فرمایا وہ درخت اللہ کی طرف سے رحمت تھا جو نظروں سے اوجھل کردیا گیا- شیخ صاحب آخر میں لکھتے ہیں:

''ان نکات سے یقینی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب ایک سال بعد ہی اس درخت کا محل وقوع اختلاف رائے کا شکار ہوگیا اور مصلحت خداوندی کے مطابق نظروں سے اوجھل ہوگیا تو خلافت فاروقی میں اس کو کٹوانے والی بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے-''

اس مقالے میں مراجع اور مصادر کی فہرست بارہ ہے-

(۱۸) متن حدیث کی بازیافت:

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کے بانی و صدر مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی نے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی کی تصنیفات سے چار ہزار پانچ سو احادیث و آثار، چھ سو مباحث تفسیریہ اور گیارہ سو افادات رضویہ کی ترتیب، تخریج، ترجمہ اور

فہرست سازی کر کے دس جلدوں میں جامع الاحادیث علماے ہند کی خدمت حدیث میں پیش کیا- جامع الاحادیث میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں مولانا محمد حنیف خاں کو اردو حدیث کا عربی متن دستیاب نہ ہو سکا- انہوں نے علمی امانت و دیانت کے پیش نظر اس امر کی صراحت بھی کردی- حضرت مولانا شیخ اسید الحق ازہری علیہ الرحمہ کی نظر سے جب یہ عبارت گزری تو تھوڑی سی محنت کے بعد اس حدیث کا متن مل گیا اور جام نور ۲۰۰۵ء میں ''متن حدیث کی بازیافت'' کے نام سے شائع کیا-

شیخ صاحب کی یہ تحریر مطالعہ کرنے کے بعد مولانا محمد حنیف خاں رضوی نے اپنی وسیع القلبی کا ثبوت دیتے ہوئے اچھے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے- اسے جام نور دسمبر ۲۰۰۵ء صفحہ ۶۲/۶۳ پر ملاحظہ فرمائیں- یہاں پر اس تاثرات کا صرف ایک پیراگراف ہدیہ قارئین ہے:

> ''متن حدیث کی بازیافت میں حوالوں کے لیے متعدد کتب احادیث کی نشان دہی بلاشبہ فاضل گرامی شیخ اسید الحق قادری کی تتبع و تلاش اور وسیع مطالعہ کی غماز ہے اور یہ سب کچھ ان کے دوسرے مضامین حدیث افتراق امت اور نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیت وغیر ہما سے بھی ظاہر ہے-

(۱۹) حدیث عمامہ پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

یہ مضمون جام نور دسمبر ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا- امام بیہقی نے شعب الایمان میں ایک حدیث مرسل نقل کی ہے: ''اعتموا خالفوا علی الامم من قبلکم'' اس کا ترجمہ یہ ہے کہ عمامے باندھو اور اگلی امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو، وہ عمامہ نہیں باندھتے- فاضل بریلوی نے اس حدیث کو فضائل عمامہ کے باب میں ذکر کیا ہے- ایک معاصر فاضل و محقق نے اس ترجمہ کو ''حدیث کی غیر معتبر توجیہ'' قرار دیا ہے- غلط فہمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ معترض کا علم صرف کمزور ہے اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اعتموا کا مصدر اور باب کیا ہے اعتام ہے یا اعتمام ؟ فاضل محترم اعتام سمجھ بیٹھے اور ترجمہ یہ کر ڈالا کہ ''عشا کی نماز کو پہلی تہائی رات میں ادا کرو-'' شیخ صاحب نے تخریج، علم نحو، علم صرف، علم لغت اور شروحات حدیث کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ اعتموا، اعتمام سے مشتق ہے نہ کے اعتام سے- دلائل کی روشنی میں تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فتاویٰ رضویہ میں مذکور ترجمہ بالکل درست ہے-'' پندرہ مراجع و مصادر اس مقالے کی زینت ہیں-

(۲۰) فقہ حنفی اور عمل بالحدیث:

یہ مضمون جام نور اپریل ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا- اس مقالے کا تعارف یہ ہے کہ جہاں امت مسلمہ کی اکثریت نے امام اعظم کے فضل و کمال کا اعتراف کیا اور ان کے ذریعے تدوین کی گئی فقہ کو حرز جاں بنایا وہیں بعض حضرات ان کے مخالف بھی ہو گئے- مقالہ نگار شیخ صاحب نے امام اعظم کے مخالفین کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے- اس کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ پر ہمیشہ تعصب و عناد نے لگتے رہنے والے چار الزامات نقل کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم حدیث پر اپنے قیاس کو ترجیح دیتے تھے- علم حدیث سے نابلد تھے وغیرہ- اس کے جواب میں شیخ صاحب نے تین بنیادی مقدمے نقل کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کے رد و قبول، تصحیح و تضعیف وغیرہ کے اصول و قواعد امام اعظم کے سو سال بعد ایجاد ہوئے- تانیب الخطیب کے حوالے سے آٹھ قواعد نقل کیے ہیں جن کی بنیاد پر امام اعظم ابو حنیفہ نے بہت سی اخبار آحاد پر عمل نہیں کیا- اسی طرح ترتیب وار تمام الزامات کا تحقیقی جواب دیا ہے- چودھویں صدی کے علوم الحدیث سے نابلد غیر سنجیدہ اور قصداً انکار کرنے والے علما نے یہ محض پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ امام اعظم کا عمل حدیث پر نہیں ہے بلکہ اپنی ذاتی رائے پر ہے- بارہ کتابیں مراجع و مصادر کی حیثیت سے زینت مقالہ ہیں-

(۲۱) ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام:

یہ مضمون جام نور اپریل ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا- عصر حاضر میں ایک مخصوص طبقہ جو عمل بالحدیث کا دعوے دار ہے باقی تمام مسلمانوں کو بالخصوص ائمہ مجتہدین کو تارک حدیث قرار دیتا ہے- حافظ ابن تیمیہ کے ایک رسالہ ''رفع الملام عن الائمة الاعلام'' کے حوالے سے ان دس اسباب کو ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے ائمہ مجتہدین حدیث کو چھوڑتے ہیں، ترک حدیث کے یہ دس اسباب بیان کرنے کے بعد حافظ ابن تیمیہ نے حقیقت پسندانہ اور بصیرت افروز چند سطور لکھی ہیں جو ان لوگوں کو بغور پڑھنا چاہیے جو اٹھتے بیٹھے اپنی نادانی، کم علمی اور تعصب و عناد کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث اور مخالفت سنت کا الزام لگاتے ہیں- شیخ ابن تیمیہ کی وہ سطور یہ ہیں:

> ''دس اسباب تو بالکل ظاہر ہیں اور ممکن ہے کہ بہت سی احادیث کو ترک کرنے میں مجتہد کے پاس کوئی ایسی دلیل اور حجت ہو جس پر ہم مطلع نہ ہو سکے ہیں- اس لیے کہ علم کے مدارج بہت وسیع ہیں اور علما کے باطن میں جو کچھ ہے ہم اس سب پر مطلع نہیں ہیں-

شیخ صاحب نے اس مقالے میں بھی حسب عادت وہی سنجیدہ اسلوب اختیار کیا ہے جو ان کے دیگر مقالات میں نظر آتا ہے- ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کے الزام کے جوابات حافظ ابن تیمیہ کے رسالے سے اس لیے دیا ہے کہ الزام لگانے والے وہابیہ غیر مقلدین دم نہ مار سکیں- یہ مقالہ پندرہ حوالوں سے مزین ہے-

(۲۲) مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی:

یہ مقالہ جام نور ستمبر ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا- اس کا تعارف یہ ہے کہ مشہور متقدمین ائمہ حدیث میں امام ابن ابی شیبہ نے احادیث مبارکہ کا ایک عظیم مجموعہ مرتب کیا جو علمی حلقوں میں مصنف ابن ابی شیبہ کے نام سے مشہور ہے- علم حدیث کی اصطلاح میں مصنف ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث احکام جمع کیے جائیں- اس کتاب میں ۳۷۹۴۳/۱ احادیث ہیں- یہ سات جلدوں میں ہے- ساتویں جلد میں اڑتالیس صفحات پر مشتمل ایک مستقل باب امام اعظم ابو حنیفہ کے رد میں مخصوص کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ امام اعظم نے ایک سو پچیس مسائل فقہیہ میں حدیث کی مخالفت کی ہے- امام ابن ابی شیبہ کا یہ انصاف نہیں بلکہ ظلم ہے- شیخ صاحب کا اشہب قلم الدر المنیفة فی الرد علی ابن ابی شیبه عن ابی حنیفة، عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفة النعمان اور امام کوثری کی النکت الطریفه کے حوالے سے امام اعظم کے دفاع میں خوب چلا ہے- امام ابن ابی شیبہ کا جواب دس وجوہات سے دیا ہے اور پھر ان الفاظ میں اپنا عندیہ رقم کیا ہے:

> ''ایک سو پچیس مسائل میں امام اعظم سے سہو نہیں ہوا ہے نہ انہوں نے حدیث کو ترک کیا ہے بلکہ امام ابن ابی شیبہ امام اعظم کی دلیل اور اجتہاد تک نہ پہنچ سکے اور امام اعظم پر ترک حدیث اور مخالفت سنت کا الزام لگا دیا-

آخر میں شیخ صاحب نے لکھا ہے:

> ''اس سے پہلے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے اس باب کا کوئی متعصب اردو میں ترجمہ کرے اس سے پہلے احناف کو چاہیے کہ امام زاہد الکوثری کی کتاب النکتت الطریفه کا اردو میں ترجمہ ہو جانا چاہیے-''

(۲۳) علامہ یوسف القرضاوی اور جماعت سلفیہ:

اس مضمون کے تعارف میں شیخ صاحب نے پیش گفتار میں لکھا ہے: علامہ یوسف القرضاوی اور جماعت سلفیہ'' مطبوعہ جام نور فروری ۲۰۰۶ء اور ''جماعت سلفیہ کے لیے لمحہ فکریہ'' مطبوعہ جون ۲۰۰۶ء یہ دو الگ الگ مضمون تھے- تحقیق و تفہیم میں دونوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے- ڈاکٹر قرضاوی مصری ثم قطری کا نام عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں ہے- پچاس سے زائد کتب کے مصنف ہیں- ان کے معتقدین و محبین عرب، افریقہ، امریکہ، انڈونیشیا، ملیشیا غرض یہ کہ پوری دنیا میں انہیں مجدد، مجتہد، مفکر، شیخ الاسلام اور امام جیسے بھاری بھرکم القابات و خطابات سے یاد کرتے ہیں- مسلکی اعتبار سے ٹھیک اسی فکر و عقیدا ے کے حامل ہیں جس کو برصغیر میں وہابیت اور غیر مقلدیت کہتے ہیں- شیخ صاحب نے قرضاوی صاحب کی سات کتابوں سے موجودہ سلفیوں اور وہابیوں کے بارے میں آرا کا ذکر کیا ہے جو احناف اور غیر مقلدین دونوں کو غیر جانب داری سے مطالعہ کرنا چاہیے اور سلفیوں کو اپنا عقیدہ و ایمان ٹھیک کرنا چاہیے- وہ تمام عیوب و نقائص اور خرابیاں جو برصغیر کے سلفی حنفیوں کے متعلق ذکر کرتے ہیں وہ سب قرضاوی صاحب نے لکھ کر وہابیوں کو دعوت انصاف دی ہے کہ خود تمہارا دامن اسی طرح کی خرابیوں سے داغدار ہے-

(۲۴) رفع یدین کے مسئلے پر ایک دلچسپ مباحثہ:

جام نور جنوری ۲۰۰۶ء میں یہ دلچسپ مقالہ اشاعت پذیر ہوا- موضوع مقالہ یہ ہے کہ نماز میں کتنی بار رفع یدین ہے- متعدد روایات کو یکجا کرنے کے بعد کل سات صورتیں بنتی ہیں- امام اعظم اور امام مالک کے مذہب میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین ہے- شافعی اور حنبلی مذہب میں تین مرتبہ رفع یدین ہے- ان ائمہ میں سے کسی پر ترک حدیث اور مخالفت سنت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا- یہ مضمون اسی موضوع پر امام زاہد الکوثری اور ایک شدت پسند سلفی عالم سے دلچسپ مباحثے کا خلاصہ ہے جس میں امام کوثری نے اس کو خاموش کر دیا اور ثابت کر دیا

کہ صحیح معنی میں ہم مقلدین عامل بالحدیث ہیں اور سلفی مخالف حدیث ہیں- اس عربی کے دلچسپ مباحثہ کو شیخ صاحب نے تمام نزاکتوں اور خوبیوں کے ساتھ اردو کا جامہ پہنایا ہے-

(۲۵) کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے:

ذیلی سرخی یہ ہے ''صاحب نظر کی تحقیق پر صاحب دل کی تنقید'' مقالے کے شروع میں شیخ صاحب نے تصوف پر بطور تمہید خامہ فرسائی کی ہے- یہ حضرت شیخ صاحب کا کوئی ذاتی مضمون نہیں ہے بلکہ دبستان بدایوں کے ایک علمی فرزند پروفیسر ضیا احمد صدیقی بدایونی نے لگ بھگ ۶۵ رسال قبل تصوف کے موضوع پر ۲۲ رصفحات پر مشتمل ایک علمی تحقیقی مقالہ لکھا تھا جس میں کچھ مسائل تصوف، محل نظر اور قابل توجہ تھے- شیخ صاحب کے دادا مفتی عبد القدیر بدایونی نے تصوف وصوفیہ کا دفاع کرتے ہوئے ایک علمی اور سنجیدہ تحریر سپرد قلم کی تھی جو کسی رسالے میں شائع نہیں ہوئی تھی- حضرت شیخ صاحب نے متکلم فیہ مقامات کے ساتھ مفتی عبد القدیر بدایونی کی تحریر کو لاحق کر کے مضمون کی شکل دے کر جام نور دہلی، جولائی ۲۰۰۷ء میں شائع کیا- اس مضمون کے مطالعہ سے یہ اندازہ کرنا کوئی دشوار نہیں کہ شیخ صاحب ایک عظیم محدث اور بلند پایہ مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے جد امجد کی طرح صاحب دل، صوفی عالم دین بھی تھے-

(۲۶) شیخ بہاء الدین شطاری اور رسالہ شطاریہ:

شیخ صاحب نے یہ مضمون جام نور دہلی کے لیے نہیں بلکہ ماہ نامہ تصوف ملی کلکتہ نومبر ۲۰۰۵ء کے لئے لکھا ہے- شیخ صاحب کا یہ مقالہ آپ کے صوفی ہونے کا ثبوت ہے- اس مقالے کی تمہید میں شیخ شطاری کا تعارف لکھا ہے اور آپ کی ایک تصنیف رسالہ شطاریہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج تک اس رسالہ کی زیارت نہ ہو سکی اور نہ کہیں موجود ہونے کا علم ہوا ہے- شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں رسالہ شطاریہ کے چند مفید اقتباسات لکھے ہیں- انہی کی تلخیص اور ترجمہ حضرت شیخ صاحب نے سپرد قرطاس کیا ہے- اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تک رسائی کے تین طریقے ہیں طریقہ شطاریہ کے دس اصول ہیں- اسمائے ذکر کی تین قسمیں ہیں سلسلہ شطاریہ میں کشف ارواح کے دو طریقے ہیں- اس کے علاوہ بھی تصوف وسلوک کے دیگر اصول وقواعد پر روشنی ڈالی ہے- اس مضمون کا آخری حصہ یہ ہے:

''بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فکر ذکر سے افضل ہے اس لیے کہ فکر شغل باطن ہے، ذکر شغل ظاہری ہے، فکر پر خدا کے علاوہ غیر مطلع بھی نہیں ہوتا، ذکر میں ریا کاری ہو سکتی ہے، فکر میں نہیں ہو سکتی-''

(۲۷) خانوادۂ برکاتیہ اور فیضان چشت:

حسب سابق یہ مقالہ بھی جام نور دہلی کے لیے نہیں بلکہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے سالانہ مجلہ اہل سنت کی آواز ۲۰۰۸ء کے لیے لکھا ہے- اس میں بلگرام اور مارہرہ کا صوفیانہ تعارف قلم بند کیا ہے- مقالے کا لب لباب یہ ہے کہ بظاہر یا مشہور اً مارہرہ کا سلسلہ طریقت قادری ہے مگر ہمیشہ سے خانوادۂ برکاتیہ میں فیضان چشت بھی جاری وساری ہے- خانوادۂ برکات کے سلسلہ چشتیہ قدیمہ اور جدیدہ دونوں کا تعارف کرایا ہے- آخر میں شیخ صاحب لکھتے ہیں:

''خانوادۂ برکاتیہ کے صوفیہ مشائخ ہمیشہ اپنی اس قدیم نسبت چشتیت پر فخر کرتے رہے ہیں اور خانوادہ سے جاری کرنے والی اجازتوں اور خلافتوں کے ذریعہ فیضان چشت کو عام کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ خیر وبرکت جاری ہے-''

(۲۸) دعوت وتبلیغ کے لئے خانقاہی نظام کتنا موثر ہے؟

یہ مقالہ تحقیق وتفہیم کی قسم سوم مباحثہ سے ہے- جام نور دہلی کے مستقل کالم تحریری مباحثہ میں مدیر اعلیٰ جام نور دہلی کے سوالات کے اس مضمون میں جوابات ہیں- ماضی میں خانقاہوں کے قیام کا مقصد، ماضی میں تبلیغ اسلام اور اصلاح معاشرہ میں خانقاہوں کا کردار، موجودہ دور میں دعوت وتبلیغ کے پس منظر میں خانقاہوں کی افادیت اور موجودہ خانقاہی رسوم وروایات کا تصوف سے تعلق پر نہایت دیانتداری سے گفتگو کی ہے- یہاں پر قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ خانقاہی نظام پر شیخ صاحب نے خامہ فرسائی کی ہے جو بذات خود ایک پیرزادہ اور خانقاہی شہزادے ہیں- یقیناً یہ دل گردے کا کام ہے جو حضرت شیخ نے اپنے اشہب قلم سے انجام دیا ہے- اس کے بعد ہندوستان کی خانقاہوں اور مصری خانقاہوں کا تقابل پیش کیا ہے- دونوں جگہ کی خانقاہوں میں وہی فرق ہے جو ایک چلتے پھرتے انسان اور ایک بے جان مردہ جسم میں ہوتا

ہے اور آٹھ نمونے بطور مثال پیش کیے ہیں- جام نور کا یہ مباحثہ بشکل مضمون بار بار شائع ہونا چاہیے-

(۲۹) آج اہل خانقاہ کی نئی نسل تعلیم سے دور کیوں ہے؟

یہ مضمون جام نور دسمبر ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا- برصغیر میں خانقاہی شہزادوں کی صورت حال اظہر من الشمس ہے جن وجوہات کی بنیاد پر، لاپرواہی کی بنا پر اور خانقاہی بے اعتدالیوں کی وجہ سے خانقاہی شہزادے تعلیم سے دور رہتے ہیں- شیخ صاحب نے اس طرح کے تمام امور کا بالتفصیل ذکر کیا ہے-

مثلاً مکتب کی کرامت سے زیادہ فیضان نظر پر تکیہ کرنا، والدین کی لوح دل بالکل صاف وشفاف ہونا، اساتذہ کا پیرزادہ کے والد سے بیعت ہونا، جاہل اور غالی مریدین کا شہزادوں کی جی حضوری کرنا، صاحب دولت وثروت مریدین کا شہزادوں کے اشارۂ ابرو پر گھومنا اور ان کی جیبیں گرم رکھنا وغیرہ وغیرہ- خانقاہی شہزادوں کا مزاج کیسا ہوتا ہے؟ وہ تعلیم وتربیت کے لیے کیسا نظام چاہتے ہیں؟ اس کو شیخ صاحب بخوبی سمجھتے تھے- اس سلسلے میں آپ کا دل کتنا حساس اور دردمند تھا مندرجہ ذیل تحریر سے اندازہ لگایئے، لکھتے ہیں:

''ویسے میرا ارادہ ہے کہ مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف میں خانقاہی شہزادوں کے لیے ان کے مزاج کے مطابق ایک الگ شعبہ قائم کیا جائے جس میں نہ صرف ان پر خصوصی توجہ کی جائے بلکہ ان کو خانقاہی اخلاق وآداب سے مزین کرنے لیے سنجیدہ اور مخلصانہ کوششیں کی جائیں-''

(۳۰) جماعت اہل سنت کا حقیقی تعارف کیا ہے؟

یہ ایک تحریری مباحثہ ہے جس میں چھ بنیادی نکات پر گفتگو کی گئی ہے- برصغیر میں جماعت اہل سنت کے تعارف سلسلے میں جو بے احتیاطی اور بے اعتدالیاں بڑھتی جاتی ہیں ان کا بھی مفصل ذکر کیا ہے- تعارف کے سلسلے میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں جب جب کسی جماعت نے سواد اعظم کے جن عقائد سے اختلاف کیا وہی عقائد اس دور میں جماعت اہل سنت کا امتیاز اور اہل سنت کی علامت قرار پائے - شیخ صاحب نے اس سلسلے میں مختلف ادوار کی علامتی فہرست نقل کی ہے- یہ ایک نہایت محتاط، سنجیدہ اور چشم کشا تحریر ہے جو عوام وخواص دونوں کے لیے لائق مطالعہ ہے- یہ جام نور میں ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے-

(۳۱) دینی کام کا معنی اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟

یہ جام نور میں تحریری مباحثہ کے کالم میں شائع شدہ مضمون ہے اور تحقیق وتفہیم کا آخری مضمون ہے جو جولائی ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا- شیخ صاحب کی نظر میں دینی کام کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ کام جس سے دین کی تبلیغ واشاعت مقصود ہو- جماعت صحابہ کے احوال وآثار کا جائزہ لینے کے بعد حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس جماعت کے ہر فرد نے اپنے ذوق اور رجحان کے پیش نظر دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے الگ الگ قسم کے میدان کا انتخاب کیا- شیخ صاحب کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمان اسلام کی تبلیغ کے لیے جس شعبہ میں کام کریں وہ دینی کام ہے- مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کے ہر نیک کام کا انکار کر دیا جائے کہ یہ دین کا کام نہیں ہے- اس مضمون میں اس طرح کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں-

(۳۲) لبیک اللھم لبیک:

یہ مضمون فروری ۲۰۰۹ء میں جام نور میں مہمان اداریہ کی حیثیت سے شائع ہوا - عالم ربانی حضرت مولانا شیخ اسید الحق قادری ۲۰۰۸ء میں حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے جو تجربات، مشاہدات سامنے آئے اور سفر حج کی آسانی اور وسائل کی فراوانی اور جدید سہولیات کے نام پر حج کی جو برکتیں کم ہو رہی ہیں ان حالات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اب حج وعمرہ رفتہ رفتہ عبادت سے زیادہ ایک فیشن، تفریح اور سیر وسیاحت بنتا جا رہا ہے- یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کے حاجی اور آج سے پچاس سال پہلے کے حاجی میں زمین وآسمان کا فرق ہے-

(۳۳) مولانا ابو الکلام آزاد کا تسامح:

یہ مضمون اکتوبر ۲۰۰۹ء جام نور میں شائع ہوا- شیخ صاحب کے دادا کے دادا مولانا شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے- باطل افکار ونظریات اور بدعقیدگی کے مقابلے میں آپ کا جہاد بالقلم اسلامیان ہند پر ایک عظیم احسان ہے- اس سلسلے میں آپ کی تصنیفات، اولین ماخذ اور درجہ استناد کی حیثیت رکھتی ہیں- آپ نے رد وہابیہ میں ایک کتاب البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ ۱۲۶۵ھ میں تصنیف کی- اس کتاب کا دوسرا نام سوط

الرحمٰن علیٰ قرن الشیطان ہے-مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''تذکرہ'' میں سوط الرحمٰن کی بعض عبارتوں پر تنقید بلکہ تضحیک کی ہے-اس کتاب میں علامہ فضل رسول بدایونی نے باطل افکار ونظریات کے ترجمان ابن تیمیہ، ابن حزم اور ابن قیم کا رد بلیغ کیا ہے جو مولانا آزاد کی طبع نازک پر گراں گزرا اور سوط الرحمن میں کتابت کی ایک غلطی جس سے عبارت میں تقدیم وتاخیر کے باعث مفہوم برعکس ہورہا تھا- اس عبارت کو تختہ مشق بنا کر تضحیک کر ڈالی جو مولانا آزاد جیسے وسیع المطالعہ اور آزاد خیال مفکر کے شایان شان نہیں تھا- شیخ صاحب نے نہایت علمی تاریخی اور محققانہ انداز میں مولانا آزاد کی تنقید اور تضحیک کی خبر لی ہے اور ثابت کیا ہے کہ مولانا آزاد کی تمام بوالعجبیوں اور موشگافیوں کی عمارت صرف تسامح یا غلط فہمی پر ہے-

(۳۴) دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے:

یہ مضمون جام نور اپریل ۲۰۱۰ء میں بحیثیت مہمان اداریہ کے شائع ہوا- اس میں خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے زیر اہتمام ہونے والے مختلف پروگرام مثلاً یکم ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک شہر کے بارہ پروگرام غیر مسلموں میں دعوت اسلام، کالج اور اسکولوں میں تبلیغ وغیرہ جلووں کا تذکرہ ہے- اس موقع پر شیخ صاحب کے مرتب کردہ مختلف کتابچے، پمفلٹ اور فولڈر بدایوں میں تقسیم ہوئے اس کے بعد سے آج تک ان کی تعلیم پورے ملک میں جاری ہے-اس میں ایک پمفلٹ ''عید میلاد النبی اس طرح منائیں'' بھی ہے- اس میں دس اصول ایسے ہیں جو اس موقع پر افراط وتفریط سے بچنے کے لیے ایک اسپیشل آئیڈیل ہے-

(۳۵) کچھ لمحے امیر دعوت اسلامی کے ساتھ:

اگست ۲۰۰۹ء میں شیخ صاحب پندرہ روزہ پاکستان کے دورے پر گئے- کراچی میں مولانا الیاس قادری بانی دعوت اسلامی سے بھی ملاقات ہوئی جس میں امیر دعوت اسلامی نے شیخ صاحب کا بہت ادب واحترام کیا- پورے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر دعوت اسلامی اخلاق وکردار کے پیکر ہیں- جام نور مئی ۲۰۱۰ء میں یہ مضمون شائع ہوا-

(۳۶) شمس مارہرہ اور رسالہ آداب السالکین:

یہ مضمون جام نور ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا- شمس مارہرہ کی ایک مستقل سوانح حیات شیخ صاحب نے ''تذکرہ شمس مارہرہ'' کے نام سے مرتب کی ہے اور الگ سے اس میں شمس مارہرہ کی سوانح حیات پر جامع اور مختصر گفتگو کی ہے اور اس کے بعد رسالہ آداب السالکین کا تعارف ہے- یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے- پہلا باب آداب کے بیان میں، اس میں ۱۲/آداب ہیں- دوسرا باب ذکر کی ترتیب اور تیسرا باب دفع خطرات کے بیان میں ہے- مستقل رسالہ آداب السالکین بھی شائع ہوا- شیخ صاحب کی تصنیفات اور تاج الفحول اکیڈمی کی مطبوعات کے ضمن میں اس پر تفصیلی تعارف ملاحظہ فرمائیں-

(۳۷) تقریروں میں موضوع روایات ایک لمحہ فکریہ:

شیخ صاحب کا یہ مضمون جام نور اکتوبر، نومبر ۲۰۱۰ء دو قسطوں میں شائع ہوا- ہندوستان کے اکثر مدارس میں علوم حدیث کے نام پر صرف ایک کتاب شرح نخبۃ الفکر داخل درس ہے- اس لیے عام طور پر علما احادیث کی تصحیح وتضعیف، تردید وقبول اور موضوع وغیرہ کو نہیں سمجھ پاتے- اسی وجہ سے بے شمار میڈان انڈیا حدیثوں کی بھرمار اسٹیج پر شعلہ بیانی کے ساتھ ہوتی رہتی ہے- جب دو چار اسٹیجوں پر شیخ صاحب اس طرح کی صورت حال سے دوچار ہوئے تو یہ مضمون سپرد قرطاس کیا- جیسے ہی مقررین کی عدالت میں پہنچا تو بیشتر، پیشہ ور خطبا کو بے روزگار ہونے کا ڈر ستانے لگا- نذرانہ وصولی کی خاطر من گھڑت احادیث کا سہارا لیتے ہیں- پہلی قسط کی اشاعت کے بعد لوگوں نے اپنی بے چینی کا اظہار شروع کر دیا- دوسری اور آخری قسط کے بعد دسمبر ۲۰۱۰ء اور جنوری ۲۰۱۱ء میں اظہار خیالات کا کالم اسی کی نظر ہوگیا- اس مضمون کی اشاعت سے وہ لوگ زیادہ چراغ پا ہوئے جن کے علم حدیث کا مبلغ صرف تقریر اور خطبات کی کتابوں تک محدود ہے مگر کسی نے بھی علوم الحدیث کی روشنی میں واضح، مدلل اور سنجیدہ مضمون نہیں لکھا- شیخ صاحب نے بارہا کہا کہ میرے اس مضمون یا کسی اور مضمون پر کسی صاحب علم کو اعتراض ہو تو اصول وقواعد کی روشنی میں ثابت کریں قبول حق میں مجھے کوئی پس وپیش نہیں ہے- رجوع کرنا میرے لیے باعث فخر ہے مگر کوئی سامنے نہیں آیا-

(۳۸) فضل حق، فضل رسول اور آزردہ:

یہ مضمون جام نور ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا- اس مضمون میں تیرہویں صدی ہجری کی تین عبقری شخصیات استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی

(ولادت ۱۲۱۲ھ، وفات ۱۲۷۸ھ) سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (ولادت ۱۲۱۳، وفات ۱۲۸۹ھ) صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی (ولادت ۱۲۰۴ھ وفات ۱۲۸۵ھ) کے آپس میں روابط، محبت والفت کا تذکرہ ہے- کئی امور ایسے قدر مشترک تھے جو باہم یگانگت اور رشتہ خلوص ومحبت کی بنیاد بنے- شیخ صاحب نے اس طریقے کے پانچ امور کا ذکر کیا ہے جو ان تینوں کو مزاج ومذاق مسلکی میلان، ابدی رجحان، سیاسی خیالات اور اتحاد ویگانگت کے ایک مرکزی نقطہ پر جمع کر دیتے ہیں- یہی نقطۂ اتحاد ان تینوں حضرات میں محبت، خلوص، بے تکلف دوستانہ مراسم، ایک دوسرے کا پاس ولحاظ، قدر ومنزلت، قدر شناسی اور قدر دانی کی بنیاد ہے- فاضل مقالہ نگار نے چھبیس مراجع ومصادر کے حوالے سے نہایت تحقیقی، تاریخی اور مسلکی گفتگو کی ہے- یہ مضمون شیخ صاحب کی ایک تاریخی تحقیقی کتاب ''خیرآبادیات'' کا ایک باب ہے-

(۳۹) ہم نے دیکھا پاکستان:

مدیر اعلیٰ ماہ نامہ جام نور مولانا خوشتر نورانی اور شیخ صاحب ۲۲/ نومبر ۲۰۱۰ء کو پاکستان کے بیس روزہ دورے پر گئے، جو بہت معلوماتی اور قیمتی سفر ہے، جس میں پاکستان کے مدارس، خانقاہیں، لائبریریاں اور علما ومشائخ کا جامع تعارف بھی ہے اور علمی گفتگو کی تفصیل بھی ہے، جو فقط ایک سفر نامہ ہی نہیں بلکہ معلومات کا ایک خزانہ ہے- یہ سفر نامہ مئی ۲۰۱۱ء میں بحیثیت مہمان اداریہ شائع ہوا- اسی شمارے میں خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے زیر اہتمام شیخ اسید الحق قادری کے زیر قیادت بدایوں شریف میں ہونے والے شانتی سمیلن کی رپورٹ بھی شائع ہوئی- ''شانتی سمیلن'' کے ذریعے برادران وطن کے درمیان بھائی چارے کو عام کرنے کی جو پہل کی گئی ہے یہ موجودہ دور میں اسلام کی بہترین خدمت ہے-

(۴۰) مولانا عبدالحق خیرآبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے:

یہ مضمون جام نور جون ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا- مولانا عبدالحق خیرآبادی کی علمی تحقیق پر بعض معاصرین نے اپنی تحقیق پیش کی تو مولانا عبدالحق خیرآبادی کے تلامذہ میدان تحقیق ومناظرہ اور مباحثہ میں کود پڑے اور اپنے استاذ کا خوب دفاع کیا-

(۴۱) خانوادۂ خیرآباد کی اہل علم خواتین:

یہ مضمون جام نور جولائی ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا- اس مضمون میں علامہ فضل حق خیرآبادی کے خانوادے کی تین صاحب علم وفضل خواتین کا تذکرہ ہے- ۱- بی بی سعید النساء حرماں خیرآبادی ۲- بی بی ہاجرہ خاتون خیرآبادی ۳- بی بی رقیہ بنت عبدالحق خیرآبادی-

(۴۲) علامہ فضل حق خیرآبادی کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں:

جس طرح متعصبین ومخالفین اور حاسدین دیگر علمائے اہل سنت کو بدنام کرنے کے لیے ہمیشہ بے بنیاد الزامات لگاتے رہتے ہیں، اسی طرح علامہ فضل حق خیرآبادی کے ساتھ ہوا- ان بے بنیاد روایتوں میں ۱- مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی سے مناظرہ ۲- شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ کا تحریری مناظرہ ۳- علامہ فضل حق کی رد وہابیہ سے توبہ وغیرہ ہیں- یہ مضمون اگست ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا-

(۴۳) علامہ فضل حق خیرآبادی کے بارے میں بعض روایات کا تحقیقی جائزہ:

یہ مضمون جام نور ستمبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا اس میں بھی چند بے بنیاد الزامات اور روایات کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کر کے ان بے بنیاد الزامات کا بطلان ثابت کیا گیا ہے- مثلاً مولوی امیر احمد سہسوانی اور مسئلہ امکان نظیر، مولوی سید سراج احمد سہسوانی سے مباحثہ وغیرہ-

(۴۴) علامہ فضل حق خیرآبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی:

اس مضمون میں ان تمام احوال وکوائف کا ذکر ہے جو علامہ خیرآبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کے باطل افکار ونظریات کے رد بلیغ میں کیا ہے- یہ مضمون اگست ۲۰۱۱ء جام نور میں شائع ہوا- مقالہ نمبر ۳۸ اور ۴۰ سے ۴۴ تک- چھ مقالات کا علمی تعارف اور ان پر تفصیلی گفتگو شیخ صاحب کی تحقیقی اور تاریخی کتاب ''خیرآبادیات'' کے تعارف میں ملاحظہ فرمائیں-

(۴۵) عربی محاورات وتعبیرات ایک جائزہ:

عالم ربانی حضرت شیخ صاحب علیہ الرحمہ نے عربی اور اردو محاورات کے موضوع پر ایک تحقیقی مفید اور معلومات افزا کتاب ''عربی محاورات مع ترجمہ وتعبیرات'' کے عنوان سے ترتیب دی ہے- یہ مضمون درحقیقت اسی کتاب کے مقدمے کی ایک فصل ہے، جس میں محاورے کی لغوی واصطلاحی تعریف، ماخذ، محل استعمال اور حدود پر نہایت علمی گفتگو کی ہے- یہ مضمون جام نور میں نومبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا جو صرف

شیخ صاحب کا ہی حصہ ہے- اس کتاب پر مزید تعارف شیخ صاحب کی تصنیفات کے تعارف میں ملاحظہ فرمائیں-

(۴۶) سند المتکلمین مولانا حیدر علی فیض آبادی: حیات و خدمات:

یہ مضمون جام نور جون ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا- جماعت اہل سنت کے بے دار مغز اور حساس علما نے چند سال پیشتر تحریک اسلاف شناسی شروع کی تھی جس کے پلیٹ فارم سے بے شمار اسلاف و اکابر کی حیات و خدمات، کارنامے، علمی تحقیقی کام منظر عام پر آئے اور عظیم الشان اساطین امت سے اس صدی کے عوام و خواص بالخصوص علمائے اہل سنت روشناس ہوئے- اس سلسلے میں ملت کا ترجمان ماہ نامہ ''جام نور'' کی خدمات قابل قدر اور تاریخی ہیں- اس مضمون میں شیخ صاحب نے تیرہویں صدی ہجری کی عبقری شخصیت رئیس المناظرین، سند المتکلمین، صاحب تصانیف کثیرہ مولانا حیدر علی فیض آبادی (وفات ۱۸۸۱ء) کا سوانحی خاکہ، معاصرین کی آرا، علامہ فضل حق خیرآبادی سے روابط، مسئلہ امتناع نظیر اور امکان کذب، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی سے روابط اور ان کی کتاب فصل الخطاب پر تصدیق وغیرہ عنوانات پر شیخ صاحب نے سیر حاصل گفتگو کی ہے- اس کے بعد مولانا فیض آبادی کی تصانیف کا تعارف کرایا ہے- مولانا فیض آبادی نے تصانیف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ غدر میں تلف ہو گیا- شیخ صاحب کی دسترس میں آپ کی چودہ کتابیں آئیں جن کا تعارف زینت مقالہ ہے- آخر میں شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک اور اس پر مولانا فیض آبادی کی تردید پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے- چوبیس کتب کی مراجعت اور مطالعہ سے یہ تحقیقی مقالہ منظر عام پر آیا-

(۴۷) فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمیہ: ایک تحقیقی مطالعہ:

یہ مضمون جام نور اگست ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا- اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کا بیٹا اور ولی عہد سلطنت ہشام بن عبد الملک ملک شام سے سفر حج پر آیا- اس کو کسی نے اہمیت نہیں دی اور حرم شریف میں جب اس کی موجودگی میں امام زین العابدین آئے تو لوگوں نے انہیں اہمیت دی اور ادب و احترام سے پیش آئے یہ دیکھ کر ہشام کو شرمندگی ہوئی دوستوں کے دریافت کرنے پر تجاہل عارفانہ سے بولا میں نہیں جانتا یہ کون ہے- اس سفر حج میں عہد اموی کا مشہور شاعر ابو فراس ہمام بن غالب فرزدق تمیمی بھی تھا- ہشام کا یہ جواب سن کر اس کی رگ حمیت بھڑک اٹھی اور اس نے امام زین العابدین کی شان میں فی البدیہ ایک فصیح و بلیغ قصیدہ نظم کر کے برجستہ سنا دیا- اس قصیدہ کی تحقیق میں اختلاف ہے کہ اس میں کتنے اشعار ہیں- ایک تاریخی اختلاف یہ بھی ہے کہ فرزدق نے یہ قصیدہ امام زین العابدین کی شان میں کہا ہے یا امام حسین کی شان میں- شیخ صاحب نے تاریخی، تحقیقی اور علمی جہت سے اشعار کے تعداد کی تحقیق ۳۰ کی ہے- شاعر فرزدق اور ممدوح امام زین العابدین کو ثابت کیا ہے- اس کے علاوہ امام زین العابدین، شاعر فرزدق، ہشام کا تعارف، قصیدہ کے انتساب کا قضیہ، قصیدہ کا منظوم فارسی ترجمہ، قصیدہ میمیہ کی شروحات، تخمیس اور بعض دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ قصیدہ میمیہ کا متن مع ترجمہ پر خوب خامہ فرسائی کی ہے- اس قصیدہ پر علمی تحقیقی کام دیکھ کر شیخ صاحب کی وسعت مطالعہ اور علم و ادب سے گہری دلچسپی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے- مارہرہ سے نکلنے والے سالانہ مجلّہ اہل سنت کی آواز میں بھی ۲۰۱۲ء میں یہ مضمون مزید اضافے کے ساتھ شائع ہو چکا ہے-

عرس قادری ۱۴۳۵ھ میں ۴۸ صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے- اس کا مطالعہ عربی زبان و ادب کے شائقین کے علم میں اضافے کا سبب ہوگا-

(۴۸) خانوادۂ قادریہ بدایوں اور خانوادۂ علیمیہ: تعلقات و روابط:

شیخ صاحب کا یہ مضمون جام نور اکتوبر ۲۰۱۲ء اور جنوری ۲۰۱۳ء دو قسطوں میں شائع ہوا- یہ بالکل نیا موضوع ہے اور بہت اہم ہے- موجودہ نسل کے لیے بیسویں صدی کے نصف اول کی قومی و ملی سیاست اور آزادی کے بعد عالمی منظر نامے پر علمائے اہل سنت کے قائدانہ کردار کے چند اہم گوشے سامنے آ رہے ہیں- خانوادۂ علیمیہ سے مبلغ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی، مولانا مختار احمد میرٹھی، مولانا نذیر احمد خجندی، قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا محمد جیلانی صدیقی مراد ہیں- خانوادۂ قادریہ سے مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا عبد القدیر بدایونی اور مولانا عبد الحامد بدایونی مراد ہیں- ان دونوں خانوادوں نے ملکی، ملی، مذہبی، دینی اور مسلکی محاذوں پر شانہ بشانہ کام کیا-

تحریک خلافت کی متحدہ جدو جہد، اجلاس مؤتمر اسلامی کانپور،

آل انڈیا سنی کانفرنس، دار المبلغین بدایوں شریف کا قیام، سنی کانفرنس اجمیر شریف و کراچی، وفد حجاز ۱۹۴۶ء، قیام پاکستان اور ہجرت، پاکستان کا اسلامی دستور، جمعیۃ علمائے پاکستان، ۱۹۵۷ء کا دورۂ روس، جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کی حفاظت و صیانت کی تحریک وغیرہ پر حضرت شیخ صاحب نے نہایت تاریخی اور تحقیقی گفتگو کر کے تحریک اسلاف شناسی کا حق ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے-

(۴۹) قصیدہ بانت سعاد: ایک مطالعہ:

یہ مضمون فروری، مارچ ۲۰۱۳ء دو قسطوں میں بیس صفحات پر شائع ہوا- صحابی رسول حضرت کعب بن زہیر جو شعرائے مخضرم سے ہیں، کا نظم کردہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسند فرمودہ ہے- مولانا عاصم اقبال مجیدی بدایونی نے اس قصیدہ کا اردو ترجمہ و تشریح کیا ہے- زیر نظر مضمون شیخ صاحب نے بطور مقدمہ سپرد قلم کیا ہے- مضمون نہایت علمی اور تحقیقی ہے، جو موضوع کے تمام ضروری گوشوں مثلاً عروضی، ادبی، لسانی، بلاغی، نحو و صرف کے متعلق تمام بحث کا احاطہ کر رہا ہے- اسی اہمیت کے پیش نظر شیخ صاحب نے اس مقالے کو جام نور کے صفحات کی زینت بنایا- تفصیل کے لیے تاج الفحول اکیڈمی کی مطبوعات کے تعارف میں ملاحظہ فرمائیں-

(۵۰) مولانا عبد الماجد بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضریٰ:

یہ مضمون جام نور اپریل ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا- خانوادۂ قادریہ عثمانیہ بدایوں شریف نے ہر دور میں اچھے افراد قوم و ملت کو دیے ہیں مگر گذشتہ دو صدیوں میں اس خانوادے کی جن عظیم شخصیات نے علمی، عملی، تحریری، تقریری، قومی، ملی ہر محاذ پر خدمات انجام دی ہیں، ان میں ایک بڑا نام مجاہد آزادی مولانا عبد الحامد بدایونی کا بھی ہے- زیر نظر مضمون میں ان کی ایک تحریک تحفظ گنبد خضرا بھی ہے- مقالے کی ابتدا میں سوانحی خاکہ اس کے بعد سترہ تصنیفات کی فہرست پھر تحریک تحفظ گنبد خضرا کا تعارف ہے- اس مقالے کے عناصر یہ ہیں وفد حجاز ۱۹۵۲ء، شیخ محمد سرور الصبان نائب وزیر مالیات سعودیہ، مفتی اعظم مصر شیخ حسنین مخلوف، مفتی اعظم شام شیخ سعید رمضان بوطی سے ملاقات، شیخ صالح قزاز انچارج محکمہ تعمیرات سے میٹنگ، ترکی کے وفد سے ملاقات، شیخ صالح سے مفتی اعظم مصر کا مذاکرہ، اراکین وفد کی وزیر مالیات سے ملاقات، ولی عہد مملکت شہزادہ سعود بن عبد العزیز سے ملاقات، نجدی امیر کے دربار میں بدایونی فقیر کا اعلان حق، امیر سعود بن عبد العزیز کے نام مولانا بدایونی کا تار وغیرہ- اس طریقے کے اور دیگر عنوانات پر شیخ صاحب نے تاریخی اعتبار سے نہایت علمی اور سنجیدہ گفتگو کی ہے- حاصل کلام حضرت مولانا ضیاء الدین قادری مہاجر مدنی نے فرمایا ''امت مسلمہ پر یہ مولانا عبد الحامد بدایونی کا یہ احسان ہے کہ ان کی بر وقت مداخلت اور پر زور تحریک کے نتیجے میں سعودی حکومت گنبد خضرا کے انہدام سے باز رہی- اگر مولانا بدایونی تحریک تحفظ گنبد خضرا نہ چلاتے تو خدا جانے کیا صورت حال ہوتی-''

(۵۱) شمس مارہرہ اور سراج الہند:

یہ مضمون جام نور مئی ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا- خانوادۂ ولی اللہی میں شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے صاحبزادے سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی شخصیت مرکزی اہمیت کی حامل ہے- اسی طرح خانوادۂ برکات میں شمس ماہ رہرہ حضور اچھے میاں کی ذات گرامی کو ارباب نظر اور اصحاب دل نے فخر خاندان برکات تسلیم کیا ہے- یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ یہ دونوں فخر خاندان کے چشم و چراغ ایک ہی زمانے کے ہیں- شیخ صاحب نے دونوں بزرگوں کے تعلق سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ علمی تاریخی اور محبت والی گفتگو کی ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ولی را ولی می شناسد- اس مقالے کے عناصر یہ ہیں: مجلس عزیزی میں تذکرۂ شمس مارہرہ، مجلس شمس مارہرہ میں تذکرہ عزیزی، مریدین شمس مارہرہ درس گاہ عزیزی میں اور اس کے علاوہ تمام حالات و واقعات جن سے دو خانوادوں کے درمیان محبت اور تعلقات ظاہر ہوتے ہیں- خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کے زیر اہتمام عرس قادری ۲۰۱۴ء میں جشن دو سو سالہ شمس مارہرہ کے موقع پر شیخ صاحب کی ۸۸ صفحات کی کتاب شائع ہو چکی ہے- یہ اسی کی ایک فصل ہے جس میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ اور خانقاہ قادریہ بدایوں کے مابین محبت و عقیدت اور ادب و احترام کے جلوے نظر آتے ہیں- شائقین تصوف اس کا مطالعہ کریں-

(۵۲) شرح قصیدتان رائعتان ایک تنقیدی مطالعہ:

یہ تحقیقی، تنقیدی اور علمی مقالہ جام نور اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۳ء میں تین قسطوں میں شائع ہوا ہے- شیخ صاحب کے جد امجد مولانا شاہ

فضل رسول قادری عثمانی بدایونی کی مدح ومنقبت میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے تین سو تیرہ اشعار پر مشتمل عربی زبان میں دو فصیح و بلیغ قصیدے نظم کیے تھے جو عقیدت ومحبت اور زبان و بیان دونوں جہتوں سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں- پہلے قصیدے میں دوسو تینتالیس اشعار ہیں-اس کا تاریخی نام مدائح فضل الرسول ہے- دوسرے قصیدے میں ستر اشعار ہیں-اس کا تاریخی نام حمایدِ فضل الرسول ہے- یہ قصائد علمی حلقوں میں قصیدتان رائعتان کے نام سے مشہور ہیں- حضرت شیخ صاحب کے تلمیذ رشید مولانا عاصم اقبال مجیدی بدایونی نے ان اہم تاریخی قصائد کا ترجمہ وتشریح کی ہے- شیخ صاحب نے پچاسی صفحات پر مشتمل تفصیلی مقدمہ لکھا ہے جس میں عربی زبان وادب اور نظم عربی کے تمام پہلوؤں کا علمی، تحقیقی، فنی، لسانی، عروضی اور بلاغی جائزہ لیا گیا ہے- مقدمے میں فاضل بغداد ڈاکٹر رشید عبیدی کی شرح و تحقیق میں تسامحات کی بھی سنجیدگی سے خبر لی گئی ہے- مقدمے کا یہ حصہ مقدمے کی جان ہے جس کو افادہ عام کے لیے جام نور کے صفحات کی زینت بنایا گیا ہے- عربی زبان وادب سے دلچسپی رکھنے والے شائقین علما، طلبہ اور عربی ادبا کو دعوت عام ہے کہ ہر جہت سے اس کا مطالعہ کریں اور شیخ صاحب کی علمی وسعت کا اندازہ لگائیں-

قصیدتان رائعتان ۲۵۶ صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں موجود ہے-

(۵۳) تو کجا بہر تماشہ می روی:

یہ مضمون نومبر ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا - امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی وفات پر ایک سوگوار تحریر ہے جو انہوں نے خواجہ صاحب کی تدفین میں شرکت سے واپسی پر لکھی-اس میں خواجہ صاحب کی حیات کے تعلق سے کسی موضوع پر گفتگو نہیں ہے بلکہ غم واندوہ کے الم میں خالص ایک تعزیتی تحریر ہے- شیخ صاحب اپنے استاذ محترم خواجہ صاحب کی ایک سوانح حیات مرتب کر رہے تھے جو غالباً پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی - مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

(۵۴) شب جائے کہ من بودم:

جام نور جنوری ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا - ۲۰۰۷ء عرس قاسمی مارہرہ میں شیخ صاحب کی دوسری حاضری کے موقع پر خصوصی تحریر ہے جس کو مدیر اعلیٰ جام نور نے مہمان اداریہ کے بطور شائع کیا ہے- اردو زبان و ادب کے تعلق سے یہ ایک عظیم شاہ کار ہے جس سے متعدد پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے- مثلاً بدایوں مارہرہ کے صدیوں پرانے رشتوں کی منظر نگاری، ارباب خانقاہ قادریہ بدایوں کس حیثیت سے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ حاضر ہوتے ہیں- اس کے علاوہ اور بھی بے شمار خصوصیات ہیں جو اس مقالے سے اظہر من الشمس ہیں- اہل بدایوں اپنی عزت وعظمت، شہرت ورفعت، معرفت وولایت وغیرہ سب کچھ مارہرہ کا رہین منت تصور فرماتے ہیں-

(۵۵) حدیث افتراق امت اتحقیقی مطالعہ کی رشنی میں:

مئی تا اگست ۲۰۰۵ء جام نور میں چار قسطوں میں اس مقالے کو شائع کیا- اس کی اشاعت پر کرم فرماؤں نے نہایت تشویش کا اظہار کیا- علم وفضل، تحقیق وتدقیق اور علوم الحدیث سے نابلد حضرات، بخاری اور مسلم کا لفظی ترجمہ کرنے والے شیخ الحدیث، اندھی تقلید میں گرفتار بے حس مولوی حضرات کی پوری برادری بے چین ہوگئی - بزعم خویش تحقیق و تدقیق اور علم وادب کی نئی راہوں کا دروازہ بند کرنے والے بلبلا اٹھے- علوم القرآن اور علوم الحدیث کی روشنی میں کوئی مدلل و مفصل اور واضح اور اطمینان بخش تحریر نہ لکھ سکے- بہت سے لوگوں نے اس میدان میں پنجہ آزمائی کی اور اپنی موروثی روش کے مطابق نہایت غیر سنجیدہ اور انسانیت سے گری ہوئی باتیں کہیں اور لکھیں، جس کو مہذب، دانشور اور اہل علم وادب کا طبقہ یا ایک انصاف پسند انسان پسند نہیں کرتا- بہر حال بہت لے دے مچی اب بھی کچھ یاران طریقت سعی نامحمود میں مبتلا ہیں- شیخ صاحب نے حرف آغاز میں لکھا ہے:

> ''اگر کوئی سنجیدہ اور علمی تنقید سامنے آتی ہے تو مجھے مقالے پر نظر ثانی کرنے اور غلطی واضح ہونے کی صورت میں اپنی خطا کے اعتراف اور قبول حق میں کوئی تامل نہیں ہوگا-''

شیخ صاحب کے مقالات میں سب سے زیادہ بے چینی اسی مقالے پر ہوئی - یہ مقالہ نومبر ۲۰۰۸ء میں چوراسی صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں بھی شائع ہوا- اس موضوع پر مزید تعارف شیخ صاحب کی تصنیفات کے تعارف میں ملاحظہ فرمائیں-

(۵۶) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ:

خالص علمی، تحقیقی مقالہ اگست تا نومبر ۲۰۰۶ء ماہ نامہ جام نور میں

شائع ہوا- یہ مضمون ازہر شریف مصر میں کلیہ اصول الدین شعبہ تفسیر کے سال سوم میں لکھا گیا مقالہ ہے جو دراصل عربی میں لکھا تھا- شیخ صاحب نے بقلم خود اردو کا جامہ پہنایا اور اردو رسائل وجرائد میں شائع کیا جو ۲۰۰۸ء میں ۶۴ رصفحات پر مشتمل کتابی شکل میں شائع ہوا - برصغیر کے مدارس میں اصول تفسیر کی کتابیں داخل نصاب نہیں ہیں (اب چند سالوں سے) اس لیے علما، طلبہ کے لیے یہ موضوع جدید تھا- شائقین کے لیے تعجب اور دلچسپی کا باعث تھا- علم وادب اور تحقیق ومطالعہ کے شائقین نے ہاتھوں ہاتھ لیا- حسب سابق ازہری بدایونی تحقیق ہونے کے ناطے ایک مخصوص طبقے نے اظہار تشویش کیا - کرنا بھی چاہیے، اس لیے کہ یہ ان کا موروثی حق ہے- ان کے نزدیک جدید تحقیق کے نام پر ہر حرف غلط ہے- مگر ان کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ کی اور نہ کسی نے ان کی سنی- اس لیے کف دست مل کر کنویں کے مینڈک کی طرح اپنی اپنی خواب گاہوں میں واپس ہو گئے-

اس موضوع کے ساتھ شیخ صاحب نے تحقیقی اعتبار سے کتنا انصاف کیا ہے اور کیا نیا پیش کیا ہے، اس کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کریں جو تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی - تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف کی جملہ مطبوعات مکتبہ جام نور دہلی اور خواجہ بک ڈپو دہلی سے طلب کریں-

حضرت شیخ اسید الحق قادری کے ۵۶ رمقالات کا تعارف حاضر خدمت ہے جو بے شمار مصروفیات اور ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ نہایت کم وقت میں لکھا گیا ہے- اگر قارئین کو پسند آئے تو اللہ و رسول کا فضل واحسان اور حضور غوث اعظم کا فیضان ہے- اگر پسند نہ آئے تو یہ میری علمی بے مائیگی ہے-

اللہ تعالیٰ عالم ربانی اور شہید راہ بغداد کے درجات بلند فرمائے- ان کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کے لیے غیب سے اسباب مہیا فرمائے- مولانا محمد عطیف میاں قادری اور محمد عزام میاں قادری کو شیخ صاحب کا سچا علمی جانشین بنائے- آمین

□□□

☆ پرنسپل دار العلوم فیضان شاہ ثقلین، قصبہ ککرالہ ضلع بدایوں (یوپی)

ماہنامہ جام نور کے تاریخی انٹرویوز کا مجموعہ

روبرو

(۳ رجلدیں)

شائع ہو چکا ہے

ترتیب: **خوشتر نورانی**

ناشر: **ادارۂ فکر اسلامی، دہلی**

معاصر مذہبی، مسلکی، ملی، علمی، ادبی، تعلیمی، سیاسی، سماجی اور صوفی مسائل پر مشاہیر وقت کے افکار وخیالات کے اس دستاویز کو درجہ ذیل تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلی جلد: علما ومشائخ پر مشتمل ہے
صفحات: 364، قیمت:/160

دوسری جلد: ادبا، شعرا اور ناقدین ادب پر مشتمل ہے
صفحات: 306، قیمت:/140

تیسری جلد: ملی، سیاسی، تعلیمی، تحریکی اور صحافتی شخصیات پر مشتمل ہے-
صفحات: 306، قیمت:/140

ادارہ فکر اسلامی دہلی کی طرف سے شائع شدہ تقریباً ہزار صفحات پر پھیلے اس علمی، فکری اور تاریخی دستاویز کے لیے مکتبہ جام نور دہلی سے رابطہ کریں-

Phone:011-23281418,09313783691

پروفیسر یونس اگاسکر☆

عربی محاورات مع ترجمہ وتعبیرات: ایک مطالعہ

مدارس اور جامعات کے عربی شعبہ جات میں اس کتاب کو شامل نصاب کیا جانا چاہیے

ٹھیک سے یاد نہیں آرہا ہے کہ محبّ مکرم مولانا اسید الحق قادری بدایونی سے رشتۂ مودت کی بنیاد کیسے اور کب پڑی- غالباً مرحوم نے اپنی گراں قدر تصنیف ''عربی محاورات مع ترجمہ وتعبیرات'' سے نوازا تھا جس میں دیگر مآخذ کے ساتھ میرے ڈاکٹریٹ کے مقالے ''اردو کہاوتیں اوران کے سماجی ولسانی پہلو' کے حوالے سے محاورے کی تعریف متعین کی گئی تھی اور اس کے خصائص کو اجاگر کیا تھا- کہاوتوں اور محاوروں پر مبسوط ومنضبط کام نسبتاً کم ہوا ہے، اس لیے مجھے ان کی یہ علمی کاوش مفید و ممتاز لگی اور میں نے کتاب میں درج سیل فون نمبر پر ان سے رابطہ کر کے ان کے کام کو سراہا- اس وقت مرحوم نے خود میرے کام کی اس منکسرانہ انداز سے تحسین کی کہ مجھے حجاب آنے لگا- گفتگو اگرچہ فون پر ہو رہی تھی مگر ان کے لہجے اور لفظوں کے انتخاب سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس میں اردو والوں کا نام نہاد انکسار نہیں قائل کا اخلاص شامل ہے-

مرحوم کی ایک اور کتاب ''خامہ تلاشی'' بھی موصول ہوئی تھی جس پر ممبئی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے ایم فل کر رہے ایک قدرے سمجھ دار طالب علم سید عبداللہ علوی سے میں نے تبصرہ کروا کے ''سہ ماہی ترسیل'' میں اسے شائع کیا-

اور ''ترسیل'' ان کے نام جاری بھی کرایا تھا کہ اس تبصرے کے علاوہ ترسیل کے دیگر مشمولات ان کی نظر سے گزرتے رہیں- ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا کہ اعزازی طور پر مرسلہ شماروں سے متعلق پتوں کی فہرست میں ان کا نام نہیں ملا تو میں نے پرچہ ملنے کی تصدیق کرانے کے لیے انہیں SMS کیا اور پتے میں کوئی غلطی بھی ہو تو اس کی اصلاح کی درخواست کی- جواب میں پرچہ ملنے کی رسید آئی- کوئی ایک ماہ بعد ان کا ایک اور ایس ایم ایس آیا جو غالباً اگلا پرچہ نہ ملنے کی شکایت کا پر لطف اظہار تھا:

کس قدر ظلم ڈھایا کرتے ہو
یہ جو تم بھول جایا کرتے ہو

(۳۱ جولائی ۲۰۱۳ء شام ۶ بج کر ۳۶ منٹ)

مرحوم سیل فون پر ٹیکسٹ کی صورت میں اپنی محبت آمیز سخن فہمی سے میرے ذہن کی ہول ناک تاریکی میں چراغ سا روشن کر دیتے تھے- ۱۹ رمئی ۲۰۱۳ء کی رات کے سات بج کر باون منٹ پر انہوں نے یہ شعر ٹیکسٹ کیا تھا جسے جواباً انھیں کو واپس روانہ کرنے کو جی چاہتا ہے- کاش یہ ممکن ہوتا-

کبھی کبھی سفر زندگی سے تھک کر ہم
ترے خیال کے سائے میں بیٹھ جاتے ہیں

اور یہ شعر تو اب ایسا لگتا ہے انہی کے لیے کہا گیا تھا جو ان کے ہم سے اچانک بچھڑ جانے کے بعد اپنی معنویت کو پوری طرح اجاگر کر رہا ہے:

یہ اپنے چاہنے والوں کا حال کرتے ہو
کمال کرتے ہو صاحب کمال کرتے ہو

(یکم دسمبر ۲۰۱۳ء)

مولانا اسید الحق قادری سے پہلی اور آخری مرتبہ ممبئی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے منعقدہ سیمینار بہ عنوان ''عربی اور اردو کے لسانی وادبی روابط'' میں شرف ملاقات حاصل ہوا تھا- یہ دو روزہ سیمینار ۲۷ / و ۲۸ / فروری ۲۰۱۳ء کو منعقد ہوا تھا- میں ان کی علمیت کا تو قائل تھا ہی ملاقات کے بعد ان کی طبعی شائستگی اور حسن اخلاق کا بھی معترف ہو گیا- ان کے طرز عمل اور انداز گفتگو سے متانت اور وضع قطع سے رکھ رکھاؤ اور سلیقہ مندی ٹپکتی تھی- وہ مولویانہ کھرے پن سے عاری ایک شگفتہ مزاج عالم نظر آئے- راقم الحروف نے سیمینار کے 'کلیدی خطبے' میں اپنی بساط بھر موضوع سے انصاف کرنے کی سعی ناتمام کے ساتھ شرکائے مذاکرہ سے

یہ توقع بھی وابستہ کی کہ وہ اردو کے تعلق سے مربیانہ رویہ اختیار کرنے کے بہ جائے اسے ایک خود مکتفی زبان کی حیثیت سے دیکھیں اور عربی عناصر والفاظ کے تلفظ، املا، معنی اور محل استعمال کے اعتبار سے اسے عربی کی دست نگر نہ سمجھیں- بعض مقالات کی پیش کش کے دوران اردو کے ایک مستقل زبان ہونے کے ناطے اسے اپنی لسانی ترجیحات وامتیازات کو اختیار کرنے اور ان پر عمل کرنے کی آزادی پر گرما گرم بحث بھی ہوئی- پہلے دن کے اجلاسوں کے اختتام پر لوگ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ گئے اور کچھ شعبۂ اردو یا اپنی اپنی قیام گاہ کو روانہ ہو گئے- میں بھی شعبۂ اردو کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اسید الحق صاحب چند شرکا کے ساتھ جاتے ہوئے نظر آئے- میں نے رک کر سب کو سیمینار کی کامیابی کے لیے مبارک باد دیتے ہوئے ازراہ تفنن کہا ''ایک دل چسپ بات یہ ہوئی کہ اردو اور عربی والوں میں علمی مچیٹا بھی ہو گیا-'' اس پر مرحوم نے جو قہقہہ لگایا، وہ ان کی خوش دلی وخوش مذاقی پر دلالت کرتا تھا اور اب تک کانوں میں گونجتا محسوس ہوتا ہے-

مرگِ ناگہانی نے مولانا کی راہ کھوٹی نہ کی ہوتی تو ان کی ذات سے علم وادب اور مذہب وملت کی گراں مایہ خدمات کا ظہور ہوتا- اگرچہ ان کا چھوڑا ہوا علمی سرمایہ بھی ان کے نام اور ان کی یاد سے ہمارے سینوں کو پُر نور رکھے گا مگر ان کا شعلۂ مستعجل ہونا بھی ہمارے دلوں کو ان کی آخری دھڑکنوں تک مسوستا رہے گا-

ہاں اے فلک پیر، جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

برقی پیغامات کا ذکر آ گیا ہے تو ایک آخری پیغام کی بابت بھی دو باتیں کر لوں جو مرحوم کی سناؤنی کے طور پر عزیزی تالیف حیدر نے ارسال کیا تھا- پڑھتے ہی دل پر ایسی چوٹ لگی جیسے کسی قریبی عزیز کے اٹھ جانے کا صدمہ پہنچا ہو- اپنے جوان بھائی کے خالی گھر کی تنہائی میں ہارٹ اٹیک کے بعد اپنوں سے دور ہونے والی ناگہانی موت کے صدمے سے اب تک باہر نہیں آ سکا ہوں- اسید الحق مرحوم کے انتقال کی خبر نے اس غم کو تازہ کر دیا اور میں نے جواباً یہ پیغام ٹائپ کیا جو قلب مضطر کا ترجمان تھا:

''یہ سال کی پہلی سب سے اندوہ ناک خبر ہے- ایک حلیم الطبع عالم کی رحلت علم واخلاق دونوں کا نقصان ہے- اللہ ان کے درجات عالی کرے-'' (۴ / مارچ ۲۰۱۴ء)

میری ناہنجار طبیعت کا احوال یہ ہے کہ گھنٹوں کا کام دنوں میں، دنوں کا ہفتوں میں اور ہفتوں کا مہینوں میں انجام پاتا ہے اور جو کام موقوف ہو جاتے ہیں وہ ایک ایسا گلدستۂ طاق نسیاں ہو کے رہ جاتے ہیں جس کے مرجھائے ہوئے پھول کتابوں تو کجا صندوقچیوں میں بھی جگہ نہیں پاتے- مگر عزیزی تالیف حیدر کے محبت آمیز اصرار اور مرحوم کی موہنی یادوں کے سحر نے ایسا باندھ لیا کہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر اس تحریر کی تکمیل میں لگ گیا ہوں-

وقت کی کمی اور قلم کی کوتاہی (آج مارچ کی ستائیسویں ہے اور مجھے کل تک اپنی یہ تحریر اسکین کرا کے ای میل کرانی ہے- نظر ثانی اور تبییض کا بھی وقت نہیں ہے، اس لیے ہاتھ اور قلم سنبھال کے لکھنے کی کشاکش میں مبتلا ہوں) کے پیش نظر مرحوم کی وقیع تصنیف ''عربی محاورات مع ترجمہ وتعبیرات'' کا مبسوط جائزہ لینے سے قاصر ہوں لیکن وعدے کی پابندی اور مرحوم کے دامِ محبت کی گرفتاری کا تقاضا ہے کہ اپنے تاثرات قلم بند کرنے کی سعادت سے محروم نہ رہوں- لیکن اپنے ناقص معروضات پیش کرنے سے قبل اس کتاب کے تقریظ نگار صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شریف کی عالمانہ تحریر کے دو مختصر اقتباسات نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان سے کتاب اور صاحب کتاب کا جامع تعارف سامنے آتا ہے اور راقم الحروف کے جذبات و احساسات کی بھی عکاسی ہوتی ہے:

''زیر نظر کتاب ایک ایسے ہی عالم کے نوک قلم سے معرض وجود میں آئی ہے جو الحمد للہ! بہ یک وقت دونوں زبانوں پر گہری نظر رکھتے ہیں- مزید یہ کہ صوفی بھی ہیں عالم بھی، ادیب بھی ہیں ناقد بھی، مترجم بھی ہیں مؤلف بھی اور ماہر لسانیات بھی-- اردو نے تو انہی کے خانوادوں میں انگڑائیاں لی ہیں، عربی ادب کی آخری پناہ گاہ (جامع ازہر) میں ان کا قیام اور وہاں کے عبقری اساتذہ سے ان کا استفادہ اس پر مستزاد-''

''مولانا موصوف سے میری پہلی ملاقات شعبۂ عربی، جامعہ عثمانیہ میں ہوئی- نورانی متبسم چہرہ اور اندازِ تکلم ان کی خاندانی

اور ذاتی علمی وجاہت کی گواہی دے رہا تھا- عربی زبان اور بالخصوص محاورات کے سلسلے میں ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ صرف اسید الحق ہی نہیں بلکہ 'اسدالادب' بھی ہیں-''

زیر نظر کتاب کے مقدمے میں مصنف نے محاورہ کیا ہے اور اس کی درست و جامع تعریف کیا ہو سکتی ہے، اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور متعدد مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے 'فرہنگ آصفیہ' اور 'فیروز اللغات' میں درج تعریفوں سے اختلاف بھی کیا ہے اور محاورہ، ضرب المثل میں ہونے والے خلط مبحث پر بھی روشنی ڈالی ہے- کتاب کے موضوع سے انصاف کرنے کی خاطر انھوں نے عربی مصادر کے حوالے بھی درج کیے ہیں اور قاری کی سہولت کی خاطر عربی اقتباسات کا سلیس اردو ترجمہ بھی درج کیا ہے-

عربی محاوروں کے تعلق سے ان کی یہ تحقیق ہمارے علم میں اضافے کا باعث ہے کہ محققوں نے انھیں چار زمروں میں تقسیم کیا ہے: (۱) قرآنی محاورے (۲) قدیم محاورے (۳) جدید محاورے (۴) معرب محاورے- ان چاروں اقسام پر مولانا اسید الحق نے سیر حاصل روشنی ڈالتے ہوئے جو مثالیں درج کی ہیں وہ ان کی عربی دانی، قرآن فہمی، وسعت علمی اور اپنے موضوع پر مکمل گرفت کی عکاسی کرتی ہیں- اس میں شک نہیں کہ مولانا اسید الحق مصر میں اپنی طالب علمی کے زمانے سے اس موضوع کے سحر میں اس قدر گرفتار ہو گئے تھے کہ درسی و غیر درسی کتب، اخبارات و رسائل یہاں تک کہ اساتذہ و طلبہ کی گفتگو میں بھی عربی محاوروں کی جستجو کرنے اور انھیں حافظے یا نوٹ بک میں محفوظ کرنے کے عمل میں سرگرم رہا کرتے تھے- اپنے اس تاثر کی تائید میں انھیں کے ایک مشاہدے سے آپ کو روبرو کراؤں تو بہتر ہوگا- فرماتے ہیں:

''۲۰۰۳ء میں عراق پر قبضے کے بعد امریکی فوجیوں نے ابوغریب نامی جیل میں عراقی فوجیوں کو قید کر دیا- اسی درمیان ابوغریب جیل سے ایسی ویڈیو سامنے آئیں جن میں امریکی فوجیوں کو عراقیوں پر انسانیت سوز مظالم کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا- بین الاقوامی میڈیا میں اس کا بہت چرچا رہا- اس زمانے میں مصری دارالافتا میں تربیت افتا کا کورس کر رہا تھا- ڈاکٹر احمد کمال اصول فقہ کا درس دیتے تھے- دوران درس انھوں نے کوئی واقعہ سنایا جس میں کسی شخص پر بہت مظالم کیے گئے تھے- اس کی تعبیر کے لیے انھوں نے کہا کانہ حبسہ فی سجن ابو غریب یعنی گویا کہ اسے ابوغریب جیل میں قید کر دیا گیا ہو- اس وقت تو بات ہنسی میں آئی گئی ہو گئی مگر چند ماہ بعد میں نے یہی محاورہ اسی معنی میں مصر کے موقر روزنامے 'الاہرام' میں پڑھا-''

اپنے موضوع سے اس قدر جذباتی لگاؤ اور ذہنی وابستگی کی مثال آج ہمارے طلبہ تو کجا اساتذہ میں بھی خال خال ہی ملے گی- اس خوبی کے علاوہ مصنف کے علمی انکسار اور تحقیق دیانت داری کا ذکر بھی ضروری ہے جس کا اظہار ''کچھ کتاب کی ترتیب کے بارے میں'' کے زیر عنوان شامل کی گئی تحریر سے ہوتا ہے- اس میں انھوں نے محاورات کے ماخذ تو درج کیے ہیں ہی، ان سے متعلق مثالوں کے تعلق سے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ بعض مثالیں شعبۂ اردو، جامعہ ازہر کے استاد ڈاکٹر ابراہیم نے نظر ثانی کے دوران لکھ دی تھیں لیکن ''تسوید و تبییض کے مراحل کے دوران سب مثالیں آپس میں گڈمڈ ہو گئیں، اب یہ نشان دہی مشکل ہے کہ ڈاکٹر ابراہیم صاحب کی لکھی ہوئی مثالیں کون کون سی ہیں ورنہ میں اس کا حوالہ ضرور دے دیتا-''

آگے اس حقیقت کا بھی اعتراف کیا ہے کہ بیس پچیس مقامات پر مختلف ادبا کی کتابوں سے محاورات پر مشتمل عبارتیں نوٹ کر کے شامل کی گئی ہیں لیکن حوالہ اس لیے نہیں دیا جا سکا کہ نوٹ کرتے وقت کتاب ترتیب دینے کا خیال ذہن میں نہیں تھا لہٰذا مصنف اور کتاب کا نام نوٹ نہیں کیا جا سکا- چنانچہ اگر کسی کو میری درج کردہ مثال کسی ادیب کی کتاب میں مل جائے تو اس کو سرقہ نہ سمجھا جائے-

زیر نظر کتاب دو حصوں میں منقسم ہے- (۱) مقدمہ اور (۲) فرہنگ امثال- دونوں حصوں میں مصنف کی علمی جستجو، تحقیقی نظر اور باریک بیں نگاہ کا سحر قاری کو ہمہ وقت باندھے رکھتا ہے- محاورات کی تاریخی و سماجی پس منظر اور ان پر تہذیب و تمدن کے اثر سے متعلق مدلل گفتگو کے علاوہ عربی اردو محاورات کا تقابلی جائزہ اور 'بامحاورہ ترجمے میں احتیاط' کے ذیلی عنوانات کے تحت کی گئی بحث اور اس میں پیش کردہ مثالوں سے عربی و اردو کے طلبہ.......... **بقیہ صفحہ 131 پر ملاحظہ کریں**

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی☆

مقدمہ قصیدتان رائعتان پر ایک نظر

یہ مختصر تحریر گرامی منزلت، شیخ علام مولانا اسید الحق قادری کی خواہش کی تکمیل کی کوشش ہے، جس کا اظہار موصوف نے بغداد معلیٰ کی حاضری سے پہلے فون پر ایس ایم ایس کے ذریعے اور خواجہ بکڈ پو، دہلی کے مولانا غلام حسن کے توسط سے کیا تھا-

فضیلۃ الشیخ علامہ اسید بدایونی علیہ الرحمہ ہمارے درمیان نہ رہے، مذہبی، علمی اور شعری و فنی دنیا ایک عظیم سپوت سے محروم ہو گئی، مرحوم نے چالیس برس سے کم عمر میں قوم و ملت کے لیے جو جواہر پارے چھوڑے ہیں اس سے یہ اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں کہ اس بطل جلیل کی طبع رواں چالیس کی عمر پار کر کے معمورۂ علم و فن کو کیسے کیسے گلہائے رنگ رنگ سے آباد کرتی-

حیف!

خوش درخشید و لے دولت مستعجل بود

میں حیران ہوں، بغداد معلیٰ کی حاضری میں یہ حادثہ پیش آیا، وہی سرکار غوثیت جس کے بارے میں سیدی امام احمد رضا فرماتے ہیں:

عطفا عطفا عطوف عبدالقادر
رافا رافا رؤف عبدالقادر
اے آنکہ بدست تست تصریف امور
اصرف عنا الصروف عبدالقادر

یہ سب کچھ محو و اثبات پر تصرف کرنے والے آقا کے نور نظر کے سامنے ہوا، دہشت گرد اپنے منصوبے میں کامیاب رہے، یہ خدائی بھید ہے، ہماری فہم سے ماورا ہے، بہت نہ کاتنے سے دماغ پھٹ جائے گا، کیا معلوم شیخ بدایونی نے بارگاہ غوثیت میں کیا استغاثہ کیا تھا-

شیخ بدایونی کی رحلت نہ صرف خانوادۂ عثمانی بدایونی کے لیے بلکہ پوری دنیائے علم و حکمت کے لیے ایک عظیم المیہ ہے اور اس پر جتنا رنج اور غم کا اظہار کیا جائے کم ہے لیکن قدرت نے اس زخم کے لیے ایک ایسا مرہم شفا بھی عطا کر دیا ہے جو ہر زہر غم کا تریاق ہے- جہاں رحلت، وفات اور انتقال کے تصور نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے، وہیں شہادت کے لیے وعدۂ الٰہیہ کا خوشگوار تصور تسکین قلب کا سامان فراہم کر رہا ہے- شہادت ایک ایسا راستہ ہے جو کہیں سے کج مج نہیں ہے، سیدھا جنت الفردوس کو جاتا ہے، پھر سرکار غوثیت کے احاطے میں موفون ہونے کا شرف نورٌ علی نور:

ایں دولت سرمد ہمہ کس راند ہند

فاضل بدایونی نے چند ماہ پیشتر مجھ سے فون پر کہا تھا کہ انھوں نے سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو قصیدے مدائح فضل الرسول اور حمائد فضل الرسول کا تحقیقی جائزہ لیا ہے، اسے ایک نظر دیکھ لیجیے تاکہ طباعت کا عمل شروع کیا جائے، چند روز کے بعد خواجہ بکڈ پو سے مسودہ کا پرنٹ آؤٹ مجھے ملا اور یہ پیغام بھی کہ اس کی طباعت آپ کے دیکھ لینے کے بعد ہی ہوگی، میں اپنے سرکاری اور غیر سرکاری مصروفیات کی وجہ سے مواد کا مطالعہ نہ کر سکا، تاہم فون کے ذریعے خیالات کا تبادلہ ہوتا رہا، میری تأثراتی تحریر بروقت نہ پہنچ سکی، وقتاً فوقتاً ٹیلی فونی رابطہ کو غنیمت سمجھ لیا گیا اور تحقیقی جائزہ مترجم قصائد کے ساتھ شائع ہو گیا-

امام احمد رضا کے دونوں قصائد جو حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شیخ فضل رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مدح میں کہے گئے ہیں، قصائد کے نام ''مدائح فضل الرسول'' اور ''حمائد فضل الرسول'' حضرت امام کے رکھے ہوئے ہیں، جن سے ۱۳۰۰ھ برآمد ہوتا ہے لیکن دونوں قصائد کے مجموعے کا نام ''قصیدتان رائعتان'' حضرت امام کا رکھا ہوا نہیں ہے، قیاس کہتا ہے کہ اگر وہ اس مجموعے کا نام رکھتے تو اس سے بھی

تاریخ نظم برآمد ہوتی، تاہم یہ نام بہت اچھا تجویز ہوا ہے- تجویز کنندہ کسے باشد، سب سے پہلے میں حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہوں کہ آپ نے دونوں قصائد کے لیے جس بحر کا انتخاب کیا ہے یہ خالص تازی الاصل ہے، اہل فارس اور اہل ہند کے طبائع سے اس کے زحافی اوزان کی موزونیت میل نہیں کھاتی، مگر عرب شعرا کا کلام اس بحر کے اسی زحافی وزن میں سب سے زیادہ دیکھا گیا ہے-

پہلا قصیدہ جو بحر کامل میں ہے اس کے تعلق سے فاضل بدایونی رقم طراز ہیں:

''بحر کامل میں چھ تفعیلات ہوتے ہیں- تین پہلے شطر میں اور تین دوسرے شطر میں اس کا پورا وزن یوں ہے:

مُتَفَاعِلُنْ / مُتَفَاعِلُنْ / مُتَفَاعِلُنْ
مُتَفَاعِلُنْ / مُتَفَاعِلُنْ / مُتَفَاعِلُنْ

پہلے شطر کا آخری تفعیلہ عروض کہلاتا ہے اور دوسرے شطر کا آخری تفعیلہ ضرب کہلاتا ہے-''

اسی کے ساتھ فاضل راقم نے ایک نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ:

''بحر رجز اور بحر کامل میں نہایت باریک فرق ہے کیونکہ بحر رجز میں مندرجہ ذیل چھ تفعیلات ہوتے ہیں:

مستفعلن / مستفعلن / مستفعلن
مستفعلن / مستفعلن / مستفعلن''

اس باریک فرق کی وضاحت یہ ہے کہ بحر کامل کے رکن متفاعلن کا حرف ثانی ساکن ہو جانے کی صورت میں مُتَفَاعِلُنْ، مُتْفَاعِلُنْ ہو جاتا ہے، جسے اہل عروض معروف عروضی وزن مستفعلن سے بدل دیتے ہیں- یہ زحافی صورت جس کا اصطلاحی نام ''زحاف اضمار'' ہے، بحر کامل میں عام ہے، اس بحر میں اگر کوئی تفعیلہ مستفعلن پر تقطیع ہو تو نہ صرف جائز ہے بلکہ دیگر زحافات کے بالمقابل مستحسن ہے، لیکن بحر رجز کے جو تفعیلات ہیں ان میں سے کوئی تفعیلہ متفاعلن پر تقطیع نہیں ہوگا-

فاضل بریلوی کا قصیدہ نونیہ بحر کامل میں ہے، اس کی ضرب میں ایک اور زحاف کو راہ ملی ہے جو اہل عرب میں نہایت مطبوع ہے لیکن فارسی اور اردو میں یہ زحافی شکل غیر مطبوع ہے، عروض کی کتابوں میں جو اشعار لکھے گئے ہیں وہ محض تفہیم کے لیے ہیں، کوئی باضابطہ قصیدہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا ہے- فاضل بدایونی نے اس قصیدہ کا اصل وزن واضح کرتے ہوئے بطور مثال ایک شعر کی تقطیع کی ہے، کیونکہ پورا قصیدہ (باستثنائے چند دیگر زحافات) اسی وزن پر تقطیع ہوتا ہے-

تبکی دمن / و تقول فی / اسجاعها
مُتْفَاعِلُنْ / مُتَفَاعِلُنْ / مُتْفَاعِلُنْ

اللّه یض / حك سن من / ابکانی
مُتْفَاعِلُنْ / مُتَفَاعِلُنْ / مُتْفَاعِلُنْ

جائزہ نگار نے واضح کر دیا ہے کہ پہلے شعر کی ضرب میں (یعنی ''رن الحمام الخ'' میں) زحاف اضمار و قطع واقع ہے، یہ تفہیماً ہے لیکن اگر عروضیوں کے تعامل کے پیش نظر اضمار کی صورت میں مُتْفَاعلن کو مستفعلن اور مُتْفَاعَل کو مفعولن لکھا جاتا تو درست ہوتا-

جیسا کہ عرض کیا گیا بحر کامل سالم میں زحاف اضمار عرب شعرا میں عام ہے اور ان کے طبائع کہیں سے بھی اس کی موزونیت میں کھٹک محسوس نہیں کرتے لیکن فارسی اور اردو شعرا کے طبائع میں اس کی موزونیت غنائیت کو کسی حد تک متاثر ضرور کرتی ہے، مثلاً یہ شعر:

نہ ہوئی کبھی مجھ سے خطا نہ ہوا کرو مجھ پر خفا
نہ دیا کرو تم گالیاں نہ کیا کرو مجھ پر جفا

پہلا مصرعہ متفاعلن مستفعلن متفاعلن مستفعلن پر اور دوسرا مصرع بھی متفاعلن مستفعلن متفاعلن مستفعلن پر تقطیع ہوتا ہے جو کسی طرح بھی غلط نہیں ہے، لیکن غور کیجیے تو ایسا لگتا ہے کہ ایک نبض تواتر کے ساتھ چلتے چلتے دو مقامات پر سکون کا وقفہ قدرے بڑھا کر آگے بڑھ رہی ہے، طبائع اور مزاج کے اسی اختلاف کی وجہ سے عربی بحور کے بہت سے مزاحف اوزان، فارسی اور اردو میں مستعمل نہیں ہیں- بحر کامل کا یہ قصیدہ نونیہ اپنے زحاف اضمار و قطع کی وجہ سے فارسی اور اردو میں غیر مطبوع ہے اور عربی میں شائع و ذائع ہے- جیسا کہ سطور بالا میں ''باستثنائے چند'' سے اشارہ کیا گیا، قصیدے کی ہر ضرب مُتْفَاعَل (مفعولن) پر قطع نہیں ہوتی بلکہ بہت سی ضربیں فَعِلَاتُنْ کے وزن پر ہیں بلکہ رکن مُتَفَاعِلُنْ میں جب زحاف قطع آتا ہے تو وہ اصلاً فَعِلَاتُنْ ہی ہوتا ہے، کیوں کہ رکن کے آخر سے وتد مجموع کے ایک حرف متحرک کو

ساقط کرنے سے یہ زحاف پیدا ہوتا ہے- یہاں متفاعلن کے عِلُن کا عین متحرک ساقط کرنے سے مُتَفَاعِلْ کی شکل بنی، جسے فَعِلَاتُنْ سے تبدیل کیا گیا- اب اس مقطوع کو جب مضمر بنایا گیا، یعنی دوسرے متحرک حرف کو ساکن کیا گیا تو فَعْلَاتُن ہوا جس کی تبدیل شدہ شکل مفعولن ہے- اب اگر پورا قصیدہ نونیہ کو ملاحظہ کیا جائے تو ہر شعر کی ضرب یا تو فَعِلَاتُنْ سے تقطیع ہوگی یا مفعولن سے اور یہ زحافات قصائد عرب میں شائع و ذائع ہیں-

جیسا کہ عرض کیا گیا تازیوں کے یہاں بحر کامل مسدس ہے لیکن فارسی اور اردو میں اہل عروض نے اسے مثمن بھی بنا لیا ہے اور زحاف اضمار ہر ایک کے یہاں جائز ہے- قصائد عرب میں تو مجھے ایک قصیدہ بھی ایسا نظر نہیں آیا جس میں زحاف اضمار نہ پایا جاتا ہو- مثال کے طور پر متنبی کا مطلع ہی بحر کامل مضمر سے شروع ہوتا ہے:

یا لائمی کف الملام عن الذی
اضناہ طول سقامہ و شقائہ

اس کے بعد ہر دو تین شعر کے بعد زحاف مضمر نظر آتا ہے- اس ضمن میں مَیں فاضل بریلوی کے کمال فن کو ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں کہ جہاں عربی دواوین میں بحر کامل کا کوئی قصیدہ اس زحاف سے خالی نہیں ہے، وہیں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دو نعتیہ کلام جو حدائق بخشش حصہ اول و دوم میں ہیں ان میں سے ایک نعت شریف ۱۶؍اشعار پر اور دوسری ۲۷؍اشعار پر مشتمل ہے- دونوں بحر کامل سالم مثمن میں ہیں اور ۴۳؍مصاریع میں سے ایک مصرع میں بھی زحاف اضمار واقع نہیں ہوا ہے- ان میں سے ایک نعت کا مطلع ہے:

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور دوسری نعت کا مطلع ہے:

نظر اک چمن سے دوچار ہے نہ چمن چمن بھی نثار ہے
عجب اس کے گل کی بہار ہے کہ بہار بلبل زار ہے

بحر کامل سالم مثمن کی دونوں نعتوں میں سارے الفاظ پورے تواتر کے ساتھ آگے کی طرف رواں دواں ہیں-

فاضل بدایونی کے تحقیقی جائزے کا وہ حصہ نہایت وقیع ہے جس میں زیر نظر قصائد پر نحو و لغت یا عروض و قوافی کی جہت سے فاضل بغداد ڈاکٹر رشید عبیدی کی بعض تنقیدات کا جواب دیا ہے-

فاضل بدایونی نے فاضل بغدادی کے تعارف میں لکھا ہے کہ موصوف نے جامعہ بغداد سے بی اے، جامعہ القاہرہ ازہر سے ایم فل اور وہیں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے اور فنون ادبیہ کی مختلف شاخوں پر کم و بیش ۵۰۰؍تحقیقی مقالات اور مضامین قلم بند کیے- تین شعری دیوان اپنی یادگار چھوڑے، یہ اپنی جگہ، لیکن فاضل بغدادی کی تنقیدات اور فاضل بدایونی کے جوابات کو دیکھتے ہوئے قارئین کو یہ فیصلہ کرنے میں تامل نہیں ہوگا کہ میدان علم و تحقیق کا معرکہ سر کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ خانوادۂ عثمانی بدایوں شریف کے علوم و معارف کی آغوش کا پروردہ ہے جسے فضیلۃ الشیخ اسید بداؤنی کہتے ہیں-

۲۰۱۴ء

یہاں طول کلام سے بچتے ہوئے ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں-

ڈاکٹر عبیدی سے ایک عجیب فنی و عروضی مغالطہ ہوا، انھوں نے درج ذیل شعر میں العینان کو عین کا تثنیہ قرار دیا:

تسقی فتشفی ثم تشقی بالعنا
و تفلق الاکباد والعینان

ڈاکٹر عبیدی نے عینان کو تثنیہ قرار دینے کے باوجود لہجات عرب کا سہارا لیتے ہوئے اور فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حسن ظن قائم رکھتے ہوئے دفع دخل مقدر کیا ہے- تاویل بعید کی ضرورت یوں ہوئی کہ اَلْعَیْنَان حالت جری میں ہے، الف کے ساتھ لکھنا خلاف قاعدہ ہے- فاضل بدایونی نے اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ جب خود فاضل بریلوی نے العینان کی یا پر زبر لگایا ہے تو پھر اس کو عین کا تثنیہ قرار دینے کی طرف ناقد کی توجہ منعطف ہونی ہی نہیں چاہیے تھی- اس کے بعد العینان کی لغوی تحقیق کر کے اور خود مصنف قصیدہ کی مرقومہ عبارت نقل کر کے، مسئلہ بے غبار کر دیا ہے- یہاں میں ایک نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر عبیدی جیسے عالم و فاضل اور زبان و لغت پر گہری نظر رکھنے والے کو یہ دھوکا کیسے ہوا اور مصنف قصیدہ نے جو العینان کی ی پر زبر لگایا ہے اس کے باوجود انھوں نے العینان کو ساکن کیوں پڑھا؟ ڈاکٹر عبیدی کی علمی استعداد کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ سوال از خود قائم

ہوتا ہے- میرے خیال میں مصنف قصیدہ کا حاشیہ یا بین السطور ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر تھا، ان کی نظر عینان کے زبر پر بھی پڑی ہوگی، مگر وہ اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے کہ شاید یہ زبر سہو کاتب ہے، اس غلط فہمی کی بنیاد یہ ہوسکتی ہے کہ زیر نظر شعر میں العینان میں ع ی ن تینوں متحرک واقع ہوئے ہیں، جب کہ اس قصیدے کے آگے پیچھے کے اشعار میں تینوں متحرک نہیں ہیں- بہ الفاظ دیگر، دیگر اشعار کی ضرب مفعولن سے تقطیع ہورہی ہے- العینان کی ی اس تقطیع میں فٹ نہیں ہورہی ہے- غالباً اسی تصور نے ڈاکٹر عبیدی کو اسے صیغہ تثنیہ قرار دینے پر مجبور کیا- پھر بھی انھوں نے حسن ظن قائم رکھا اور لہجات عرب کے سہارے مصرع کو غیر موزوں قرار دینے سے احتراز کیا-

میں نے پچھلی سطور میں اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس قصیدے کی ضرب میں مفعولن اور فعلاتن دونوں زحافوں سے کام لیا گیا ہے اور دونوں یکساں جائز اور شائع وذائع ہیں بلکہ زحاف قطع جس سے متفاعلن سیدھا فعلاتن ہوتا ہے، بلا واسطہ ہے اور مفعولن کا زحاف متفاعلن میں خزل وتسکین سے حاصل ہوتا ہے اور شعر زیر نظر کی ضرب میں یہی فعلاتن (بتحرکات ثلثہ) واقع ہے-

جیسے علامہ شیخ عبداللہ بن محمد صالح خزرجی کے درج ذیل شعر میں:

و حباه من جم الفضائل والمکا

رم ما تکل بوصفه الشفتان

اس کا مطلع یہ ہے:

حمدا لفاتح جملة الانسان

شرفا بطه المصطفى العدنان

پہلے شعر کی ضرب فعلاتن کے وزن پر ہے اور مطلع میں عروض و ضرب دونوں مفعولن کے وزن پر ہے-

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے یہ دونوں قصائد شعری وفنی اعتبار سے شاہکار ہیں اور فاضل بدایونی نے جو تحقیقی تجزیہ پیش کیا ہے یہ داد و تحسین سے بے نیاز ہے-

آخر میں عرض ہے کہ مولانا شیخ اسید الحق ہمارے درمیان نہ رہے ان سے عراق کی حاضری سے پہلے فون پر خیالات کا تبادلہ ہوتا رہا، بعض امور کی طرف میں نے انھیں متوجہ کیا تھا، تحقیقی تجزیہ کے ساتھ قصیدتان رائعتان کی اشاعت ہوچکی تھی، آئندہ اشاعت میں کچھ ترمیمات کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اگر وہ ہمارے درمیان ہوتے تو مجھے یہاں لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی مولانا نے جس حذف وترمیم کا مشورہ قبول کیا تھا ان میں سے یہ بھی تھا-

(۱) اشعار کی تقطیع ہمیشہ معروف وزن کے ساتھ کی جاتی ہے جب زحافات سے رکن میں تبدیلی ہوتی ہے تو ہمیشہ ان ٹکڑوں کو معروف وزن میں تبدیل کرلیا جاتا ہے، مثلاً مفاعیلن پر جب خرم کا عمل ہوگا یعنی وتد مجموع کا پہلا حرف گر جائے گا تو مابقی فاعیلن ہوگا، اسے مفعولن سے بدلا جائے گا، یونہی متفاعلن پر جب اضمار کا عمل ہوگا تو یہ مُتْفَاعلن ہوجائے گا اسے مستفعلن سے بدل دیا جائے گا- وغیرہ

(۲) تحقیقی جائزے میں بحر کامل مجزو کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ ''ہر شطر میں تین کی بجائے صرف دو دو تفعیلات ہی ہوں'' یہاں تک تو صحیح ہے لیکن اس کے بعد کی عبارت ''یعنی عروض اور ضرب دونوں حذف کردیے جائیں'' صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک شعر کی تشکیل صدر و ابتدا اور عروض وضرب سے ہوتی ہے، اس کے درمیان کے تفعیلات حشو کہلاتے ہیں، اس لیے کوئی شعر صدر وابتدا اور عروض وضرب کے بغیر شعر ہی نہیں ہوسکتا- بہ الفاظ دیگر ایک شعر میں کم سے کم چار رکن کا ہونا ضروری ہے- دو رکن مصرع اولی میں اور دو رکن مصرع ثانی میں-

پہلے مصرعے کے دو رکن یہ ہیں، صدر و عروض، پہلا رکن صدر کہلاتا ہے اور دوسرا رکن عروض- اسی طرح دوسرے مصرعے کے دو رکن یہ ہیں، ابتدا وضرب، اس دوسرے مصرعے کے پہلے رکن کو ابتدا اور دوسرے رکن کو ضرب کہتے ہیں، اس کے درمیان کے جتنے ارکان ہیں وہ سب کے سب حشو کہلاتے ہیں-

(۳) بحر کامل میں زحاف وقص کو تجزیہ نگار نے عیب قرار دیا ہے - یہ صحیح نہیں ہے، کوئی زحاف معیوب نہیں ہوتا، بلکہ یہ بحر کے مختلف اوزان کی تشکیل میں حصہ دار ہوتے ہیں- ہاں یہ صحیح ہے کہ فاضل بریلوی کے ان دو قصائد میں سے کسی میں یہ زحاف واقع نہیں ہوا ہے، یہ اس لیے نہیں کہ عیب ہے بلکہ اس لیے کہ اس زحاف کا یہ محل نہیں ہے-

□□□

☆T-181، سیکنڈ فلور، ماڈل بستی، چمیلیان روڈ، نئی دہلی

مولانا غلام مصطفیٰ ازہری☆

احادیث قدسیہ: ایک جائزہ

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے :وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (الحشر: ۷) رسول تمھیں جو بھی حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے منع کریں رک جاؤ- اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (سنن الترمذی) کوئی ایک بات ہی سہی، لوگوں تک میری طرف سے پہنچاؤ-

قرآن وحی متلو ہے جب کہ سنت وحی غیر متلو، ان کی خدمت ہی اصل میں اسلام کی خدمت ہے، ان کے پیغام کو عام کرنا، ان سے مسائل استنباط کرنا، ان کو بعینہ صورت میں امت تک پہنچانا، ان کی شرح ومعانی بیان کرنا، یہ سب خدمات کی مختلف شکلیں ہیں- اخلاص کے ساتھ ساری خدمات اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں-

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری علیہ الرحمہ نے موجودہ عام روش سے اوپر اٹھ کر اسلام اور سنیت کی عظیم خدمات انجام دیں- مولانا کی خدمات جن فنون میں خاص کر نمایاں رہیں، ان میں حدیث وعلوم حدیث بھی ہیں- انہوں نے اس فن کے جملہ شعبہ جات پر خامہ فرسائی کی ہے- ان ہی خدمات کی ایک کڑی ''احادیث قدسیہ'' بھی ہے-

یہ کتاب دو گراں قدر مقدمے اور تقریباً سوا احادیث قدسیہ پر مشتمل ایک سو اسی صفحات کو محیط ہے- مقدمہ سے پہلے مصنف علیہ الرحمہ نے ۳ر صفحات پر ''عرض مرتب'' کے نام سے ایک تحریر قلم بند فرمائی ہے، جس میں لکھا کہ ایک عرصے سے حدیث پاک کی کسی خدمت کی خواہش تھی جس کا تکملہ بتوفیق الٰہی اس مجموعۂ احادیث قدسیہ کی شکل میں سامنے آیا- اس کے بعد آپ نے اس مجموعے کی ترتیب وتدوین میں درپیش دشواریوں کا ذکر کیا اور ترتیب میں اپنے طریقۂ کار، اسلوب اور منہج کو تفصیل سے بیان کیا ہے-

کتاب ابواب فقہیہ کے موافق مرتب ہے اور اس میں مذکور احادیث میں دو دو صفتیں جمع ہیں- پہلی یہ کہ ساری احادیث، قدسیہ ہیں، دوسری یہ کہ سب حدیثیں مقبول یعنی صحیح وحسن ہیں لذاتہ ہوں کہ لغیرہ-

یہاں اس بات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج حدیث سے دل چسپی رکھنے والوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو احادیث ضعیفہ کو موضوع کے خانے میں ڈال دیتا ہے- ان احادیث کو شجرۂ ممنوعہ قرار دیتا ہے اور ان پر عمل کرنا ناجائز وحرام تصور کرتا ہے، جب کہ یہ تصور بالکل غلط ہے- لوگوں کو احادیث اور ان پر عمل سے دور کرنے کی ایک سازش ہے، اللہ ہمیں ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے-

احادیث ضعیفہ سے متعلق متقدمین ومتاخرین علما کا ایک اجماعی موقف یہ ہے کہ فرض وواجب اور حرام امور احادیث ضعیفہ سے ثابت نہیں ہوتے، البتہ یہ احادیث فضائل ومکروہات میں مقبول ہیں- ہاں! سخت ترین ضعیف احادیث کے سلسلے میں بعض محدثین کا موقف اور بھی سخت ہے لیکن کسی نے بھی موضوع احادیث کی طرح ان کو کالعدم قرار نہیں دیا ہے- اس پر تفصیلی مطالعے کے لیے محمود سعید ممدوح کی کتاب ''التعریف باوهام من قسم السنن الى صحيح و ضعيف'' (۶/ جلدیں) دیکھی جاسکتی ہے- اسی طرح ''كشف اللثام عن الاحاديث الضعيفة فى الاحكام المعمول بها عند الائمة الاعلام'' از سعید بن عبدالقادر بھی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے-

میں نے یہ گفتگو اس لیے کی تا کہ احادیث صحیحہ کا مطالعہ کرنے والے قارئین اس طرح کے خلجان میں مبتلا نہ ہوں کہ احادیث ضعیفہ کا ذخیرہ لغو وبے اصل ہے-

''عرض مرتب'' کے بعد دو مقدمے ہیں- پہلا مقدمہ مصنف

نے خود تحریر کیا ہے جس کا عنوان ''احادیث قدسیہ: ایک تفصیلی مطالعہ'' دیا جاسکتا ہے جب کہ دوسرا مقدمہ مصنف کے رفیق دیرینہ مولانا منظر الاسلام ازہری نے سپرد قرطاس کیا ہے، جو اصل میں صفات باری تعالیٰ، تشبیہ اور علما کی آرا پر ایک طویل مقالہ ہے جس کا عنوان ''احادیث قدسیہ اور صفات باری'' دیا گیا ہے- پہلا مقدمہ درج ذیل چند ذیلی سرخیوں کے تحت لکھا گیا ہے جن سے مقدمے کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

حدیث قدسی کا معنی اور تعریف: اس کے تحت متعدد علما کے اقوال نقل کیے گئے ہیں جو مفہوم و معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہیں، اگرچہ ان کے الفاظ و تعبیرات مختلف ہیں، یعنی حدیث قدسی وہ ہے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سے روایت کریں-

یہاں پر ایک شبہے کا ذکر کیا گیا ہے، پھر اس کا ازالہ کیا گیا ہے- شبہ یہ ہے کہ جب تمام احادیث رسول بھی اللہ ہی کی جانب سے ہیں تو پھر صرف احادیث قدسیہ ہی کو وحی الٰہی سے ماخوذ قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ درست ہے کہ احادیث قدسیہ اور غیر قدسیہ دونوں منجانب اللہ ہوتی ہیں، لیکن باقی حدیثوں کے مقابلے میں احادیث قدسیہ اس لیے ممتاز ہوتی ہیں کہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے-(ص:۱۵)

یہاں پر عام قارئین کے ذہن میں ایک دوسرا خطرہ گزر سکتا ہے، جس کا ذکر کر کے تدارک کرنا زیادہ مناسب لگتا ہے- وہ خطرہ یہ ہے کہ احادیث قدسیہ دوسری احادیث کے مقابلے میں زیادہ قوی اور اعلیٰ و افضل ہیں، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ تمام احادیث اللہ ہی کی جانب سے ہیں، فرق صرف نام میں ہے کہ ایک کو صراحۃً یا اشارۃً نام لے کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جب کہ دوسرے میں ایسا نہیں ہوتا- اسی لیے دونوں کے درجات میں کوئی فرق نہیں-

قرآن کریم اور احادیث قدسیہ میں فرق: اس کے تحت بڑی ہی جامعیت کے ساتھ اصولی و فروعی فرق کی ایک فہرست شمار کرائی گئی ہے-

حدیث قدسی کی اقسام: اس کے تحت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب قول و فعل کا صراحۃً و کنایۃً اور ضمناً ذکر کے اعتبار سے اقسام کو بڑی ہی خوبی کے ساتھ مع مثال بیان کیا گیا ہے-

احادیث قدسیہ کی تعداد: اس بارے میں یہ تحریر ہے کہ اس کی تعداد بہت ہی کم ہیں جو ۸۵۳؍ سے زائد نہیں ہیں اور سند کی صحت پر بحث کی جائے تو یہ تعداد بہت ہی کم رہ جاتی ہیں-

احادیث قدسیہ کے موضوعات: اس حوالے سے ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے- ان موضوعات میں کوئی شرعی قوانین یا حرام و حلال وغیرہ کا ذکر نہیں ہے- خاص بات یہ ہے کہ اس ضمن میں ۱۵؍ احادیث قدسیہ کا ذکر کیا گیا ہے-

اس کے بعد ایک سرخی ''موضوع احادیث قدسیہ'' کے نام سے قائم کی گئی ہے- اس ضمن میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ:

''جن اسباب کی خاطر حدیثیں وضع کی گئیں ان میں ایک سبب ترغیب و ترہیب بھی تھا .... جب حدیثیں گڑھنے کا چلن شروع ہوا تو احادیث قدسیہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں اور لوگوں نے بہت سی حدیثیں گڑھ کر احادیث قدسیہ کے نام سے پھیلا دیں-'' (ص:۳۹)

یہ اتفاق کہیے کہ مصنف نے مثال میں تین احادیث قدسیہ ذکر کیں اور تینوں حدیثیں صوفیہ کے یہاں مقبول ہیں جب کہ مؤلف کا گھرانہ خود ہندوستان میں ایک ممتاز صوفیانہ گھرانہ ہے، نیز علمی، تحقیقی، تنقیدی اور تصنیفی و تالیفی میدان میں بھی اس گھرانے کا ملک گیر نہیں عالم گیر شہرہ ہے- اسی لیے مؤلف کو اس پر خطر راہ سے بچنے کے لیے ایک نوٹ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی- آپ لکھتے ہیں:

''ضمنی طور پر یہ اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ یہاں گفتگو بطریق محدثین ہو رہی ہے، فی الحال صوفیا اور ان کا معیار رد و قبول کے سلسلے میں صوفیائے کرام کا اپنا ایک الگ مزاج و مذاق ہے- جس طرح یہ ضروری نہیں کہ صوفیا کی صحیح قرار دی ہوئی حدیث محدثین اور ناقدین فن کے نزدیک بھی صحیح ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ محدثین نے جس حدیث کو موضوع قرار دیا ہو وہ صوفیا کے نزدیک بھی موضوع ہو- وللناس فیما یعشقون مذاہب- (ص:۴۱)

ایک محقق اس طرح کی باتیں کہہ کر اپنا دامن بچا سکتا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجھ جیسا ایک ادنیٰ طالب علم، خطبا اور عام مسلمین ان احادیث کے متعلق کیا رویہ اختیار کریں؟ کیا ان احادیث کو

موضوع سمجھ کر رد کر دیں یا بلا چون و چرا ان کو قبول کر لیں؟

میرا خیال یہ ہے کہ ان احادیث سے متعلق درمیان کا راستہ اختیار کیا جائے تو مناسب ہوگا وہ یہ کہ تحریر و تقریر میں استدلال کے وقت صرف آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ پر اکتفا کیا جائے، کیوں کہ ہمارے قارئین و سامعین میں ہر مذہب و مسلک کے لوگ ہوتے ہیں، صرف صوفی یا تصوف سے محبت کرنے والے لوگ نہیں ہوتے- کلموا الناس علی قدر عقولھم لیکن دوسری جانب صوفیہ کی بیان کردہ احادیث کو کبھی بھی رد نہ کیا جائے بلکہ تصوف، زہد اور تزکیہ کی محفلوں میں اپنے مخاطب کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں ضرور بیان کیا جائے-

رہی بات تحقیق کی تو اس ضمن میں ہم دو طرح کی باتیں کر سکتے ہیں؛ ایک یہ کہ جس طرح ہم صوفیہ کے بہت سارے اقوال و اشعار سے ان کی تاویل و تشریح میں پڑے بغیر حظ اٹھاتے ہیں اور آیات متشابہات کی طرح یہ کہہ کر اپنا دامن چھڑا لیتے ہیں کہ اس کے صحیح معنی و مصداق کو وہی لوگ جانیں، ٹھیک اسی طرح ہمیں ان احادیث سے استفادہ کرنا چاہیے اور رہی بات اس کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی تو وہ صوفیہ جانیں- دوسری یہ کہ جس طرح صوفیہ کے منہج پر کلام کیا جاسکتا ہے، اسی طرح محدثین کے منہج پر بھی گفتگو ہو سکتی ہے- راقم الحروف نے اس موضوع پر خضر راہ کے شمارہ اگست ۲۰۱۳ء سے مئی ۲۰۱۴ء تک (جنوری کے علاوہ) متعدد عنوانات کے تحت ایک تفصیلی بحث کی ہے جس کو اہل تنقید و تحقیق پڑھ سکتے ہیں- اس بحث کو آگے بڑھا سکتے ہیں اور نئی راہیں تلاش کر سکتے ہیں-

اس مقدمے کی آخری بحث **''احادیث قدسیہ پر بعض اہم کتابیں''** کے عنوان سے کی گئی ہے جس میں احادیث قدسیہ پر لکھی گئی چند نمایاں کتابوں پر ایک جامع تعارف و تبصرہ کیا گیا ہے- یہ پورا مقدمہ آسان اور علمی اسلوب میں مواد سے پر ہے، علما و طلبہ سب کے لیے لائق مطالعہ ہے-

اس کتاب پر ایک دوسرا مقدمہ مولانا منظر الاسلام ازہری نے تحریر کیا ہے، یہ مقدمہ کیا ہے، در اصل ایک پیچیدہ کلامی مسئلے پر صحیح موقف پیش کرنے کی کوشش ہے- بہت سارے اسکالرز کے فکری قبلے کی سمت درست کرنے کی تگ و دو ہے-

قرآن و احادیث خاص کر احادیث قدسیہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ایسے تعبیرات و الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے عام مخلوق سے مشابہت کا گمان ہوتا ہے جیسے ید، قدم، نزول وغیرہ، جب کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے کہ وہ کسی مخلوق کے مشابے ہو- اس مسئلے کو مسئلۂ تشبیہ کہا جاتا ہے اور ان الفاظ و تعبیرات کو متشابہات سے موسوم کیا جاتا ہے- اس سلسلے میں مولانا منظر الاسلام نے چار نظریات بیان کیے ہیں:

(۱) تفویض: اس نظریے کو سلف کا عقیدہ کہا جاتا ہے، یعنی ان آیتوں اور حدیثوں کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے-

(۲) تاویل: ان آیتوں اور حدیثوں کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، تاہم الفاظ و قرائن اگر اجازت دیں تو ان کا ایسا معنی بیان کیا جاسکتا ہے، جو شریعت کی روح کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ عقل سلیم کے موافق ہو- یہ نظریہ علمائے متکلمین میں اشاعرہ و ماتریدیہ کا ہے-

(۳) تجسیم و تشبیہ: ان الفاظ و تعبیراتِ متشابہہ کو اپنے معنی حقیقی پر ہی محمول کیا جائے، اس کے ماننے والوں کو مشبہہ اور مجسمہ کہا جاتا ہے-

(۴) اثبات، مخالف تاویل: ان الفاظ و تعبیراتِ متشابہ کو ثابت مانا جائے یعنی جہاں ید ہے وہاں ید ہی مانا جائے مگر وہ انسانی ید کی طرح نہیں- یہ لوگ کسی بھی طرح کی تاویل کے مخالف ہیں- اس نظریے کے متبع بعض محدثین اور شیخ ابن تیمیہ ہیں- ان کا دعویٰ ہے کہ یہی نظریہ اسلاف و متقدمین کا ہے-

ان دونوں مقدمے کے بعد صفحہ ۸۷؍ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے- یہ کتاب ۱۳؍ عنوانات، ۱۰۱؍ ذیلی عناوین اور تکرار کے ساتھ ۱۰۴؍ احادیث پر مشتمل ہے، ترتیب اچھی ہے، ترجمہ تشریحی اور عام فہم ہے، حوالے میں جلد، صفحہ یا رقم کی جگہ باب اور فصل کا انتخاب بھی بہت پسند آیا، یہ علمی طرز ہے، خاص کر اس زمانے میں جب کہ روزانہ ان کتابوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں- احادیث کی عربی عبارتوں پر اعراب لگا ہوتا تو طلبہ اور عوام سب تلاوت حدیث کے ثواب سے بھی محروم نہ ہوتے-

□□□

☆ استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

مولانا ابرار رضا مصباحی☆

فرزدق تمیمی کا قصیدۂ میمیہ: ایک جائزہ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت اصل ایمان اور مدار نجات ہے اور اہل بیت اطہار سے محبت وعقیدت دینی و دنیاوی دونوں زندگیوں میں سعادت مندی و فیروز بختی کا واضح اشاریہ- اولاد اطہار میں ایک بابرکات شخصیت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جن کی ذات ستودہ صفات سے نسل حسینی کی افزائش وترقی ہوئی اور پوری دنیا میں پھیلی بڑھی-

قصیدۂ میمیہ ایک مدحیہ قصیدہ ہے جسے عہد بنوامیہ کے ممتاز شاعر ابوفراس فرزدق تمیمی نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات وشخصیت، صفات وکمالات، محامد ومحاسن، اخلاق وعادات اور ان کی خاندانی نجابت وشرافت کو بڑی مہارت وعمدگی کے ساتھ منظوم شکل میں پیش کیا ہے اور گلستان نبوت کے اس گل سرسبد کی جامع کمالات و برکات ذات کا بہترین نقشہ کھینچا ہے، جو یقیناً زین السجاد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتی وخاندانی کمالات سے والہانہ عقیدت ومحبت کا زبردست اشاریہ اور ایک بیش قیمتی سرمایہ ہے، یہ قصیدہ اہل علم وادب کے نزدیک بڑی اہمیت ومقبولیت کا حامل ہے، یہی وجہ ہے کہ قصیدۂ میمیہ سے ظاہری وباطنی حظ اٹھانے نیز اس کے فیضان و برکات کو عام کرنے کے لیے بلا کسی تفریق اہل سنت واہل تشیع کے علما و محققین اور ادبا وشعرا نے کافی کوششیں کی ہیں جن کے ضمن میں مختلف زبانوں میں اس کے متعدد شروح، تراجم اور تخمیسات وغیرہ معرض وجود میں آئے-

زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، جو حضرت شیخ اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی قابل قدر تصانیف وتحقیقات میں سے ایک اہم تصنیف وتحقیق ہے، موصوف نوجوان علما ومحققین میں امتیازی شان وحیثیت کے حامل تھے- آپ بیک وقت بے مثال حافظ وقاری، ہر دل عزیز واعظ وخطیب، بہترین عالم وفاضل اور عمدہ محقق وناقد غرض کہ بے پناہ خوبیوں اور صلاحیتوں کے جامع تھے- زیر مطالعہ کتاب در اصل ماہ نامہ ''جام نور'' دہلی (اگست ۲۰۱۲ء) اور سال نامہ ''اہل سنت کی آواز'' (خصوصی شمار) میں شائع شدہ ان کے مضامین کا عمدہ مجموعہ اور کچھ معلومات کا اضافہ ہے-

پس منظر اور خواب کی تعبیر:

مولانا اسید الحق قادری بدایونی شہید نے قیام ازہر کے دوران ایک تقریب میں ڈاکٹر فواد شاکر مصری کے خطاب میں قصیدۂ میمیہ کے چند اشعار کو سنا، جس سے آپ کے اندر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی- اس قصیدے سے آپ کی یہ پہلی واقفیت تھی- چوں کہ حضرت امام زین العابدین سے آپ کو غیر معمولی عقیدت ومحبت تھی، اس لیے یہ اشعار فوراً ذہن نشیں ہو گئے اور پھر کئی تقریری محافل میں ان کو والہانہ انداز میں پڑھتے رہے؛ لیکن عرس قادری (۱۴۳۳ھ/۲۰۱۱ء) کے موقع پر آپ نے دوران خطاب یہ اشعار پڑھے اور پھر کچھ ہی دنوں کے بعد آپ نے ایک خواب دیکھا، جس کی تعبیر غور کرنے کے بعد اس قصیدے کا ترجمہ و تحقیق کی صورت میں عمل میں آئی-

قصیدۂ میمیہ کی تلاش وتحقیق:

شیخ موصوف کا تحقیقی ذوق اور علمی مذاق چوں کہ اعلیٰ تھا، اس لیے آپ کو قصیدۂ میمیہ کی تلاش وجستجو کی فکر دامن گیر ہوئی اور جلد ہی اس میں کامیابی بھی حاصل ہوئی اور کتب خانۂ قادریہ بدایوں سے مکمل قصیدہ اور اس سے متعلق ضروری چیزیں فراہم ہو گئیں-

اشاعت ومقبولیت:

آپ نے عربی زبان پر مشتمل قصیدۂ میمیہ کا سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا اور پھر اسے حرکات وسکنات کا بھی جامہ پہنایا

اور کچھ ضروری چیزوں کو مضمون کی صورت عطا کر کے قارئین کی آسانی کے لیے اسے اور دل کش اور دل چسپ بنا دیا- سب سے پہلے یہ مضمون ماہ نامہ جام نور دہلی سے شائع ہوا اور پھر سال نامہ ''اہل سنت کی آواز'' مارہرہ (خصوصی شمار) میں حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات وشخصیت پہ لکھے گئے مقالے کو بھی اس میں شامل کر دیا جس سے قصیدۂ میمیہ کی اہمیت دوبالا ہو گئی اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات ومناقب پر ایک مستقل کتاب وجود میں آ گئی- چناں چہ کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر رضاء الحسن لاہوری نے مکتبۃ الاسلام لاہور سے شائع کیا، اس کے بعد تیسری بار اس کی اشاعت حال ہی میں ۲۰۱۳ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوئی ہے- اس طرح سے مضمون کا بار بار اشاعت پذیر ہونا دراصل اس کی افادیت اور مقبولیت کا واضح ثبوت اور شیخ موصوف کی علمی وتحقیقی صلاحیت کی قدر شناسی ہے-

تعارف وتبصرہ:

زیر نظر کتاب کل ۴۸ رصفحات پر محیط ہے- شروع میں دو صفحات پر مولانا اسید الحق قادری کے قلم سے ''ابتدائیہ'' ہے، پھر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی کی ایک مختصر اور معلوماتی ''تقریظ'' ہے، جس میں انہوں نے فرزدق کے جذبۂ خلوص کی ترجمانی کرتے ہوئے قصیدۂ میمیہ کی اہمیت و افادیت پر بہترین روشنی ڈالی ہے- اس کے بعد ''تعارف وتمہید'' کے عنوان سے مصنف کی ایک مختصر تعارفی تحریر ہے- اس کے بعد انہوں نے حضرت امام زین العابدین کی زندگی کے ضروری اور اہم گوشوں کو ۱۱ رصفحات میں جمع کر دیا ہے، جو انتہائی گراں قدر، تحقیقی اور معلوماتی ہے- قارئین کے افادے کے لیے چند چیزوں کو بطور اختصار پیش کیا جا رہا ہے، ملاحظہ ہو:

''شب بیداری، عبادت گزاری اور سجدہ ریزی میں امتیازی مقام حاصل کرنے کی وجہ سے آپ ''زین العابدین'' اور ''زین السجاد'' کے لقب سے یاد کیے گئے- آپ کی والدہ مورخین کے مطابق بادشاہ فارس یزدجرد کی تیسری صاحبزادی تھیں، والدہ کا نام سلامہ یا سلافہ یا غزالہ ہے'' (ص:۱۳)

، حضرت امام حسن کے تین صاحبزادوں کا نام علی ہے، تینوں میں امتیاز کے لیے علی اکبر، علی اوسط اور علی اصغر کہا جاتا ہے اور امام زین العابدین علی اوسط ہیں-'' (ص:۱۴)

اسی طرح مصنف نے میدان کربلا میں حضرت امام زین العابدین کی عدم شہادت کے حوالے سے ایک لطیف امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''سانحۂ کربلا کے وقت آپ کا بیمار ہو جانا اور جنگ میں شرکت نہ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم مصلحت اور حکمت تھی؛ کیوں کہ امام حسین کے صاحبزادوں میں صرف آپ ہی باقی رہے اور اور نسل حسینی آپ ہی کے ذریعے آگے بڑھی، اگر خدا نخواستہ سرزمین کربلا میں آپ شہید ہو گئے ہوتے تو حضرت امام حسین کا سلسلۂ اولاد منقطع ہو جاتا'' (ص:۱۴-۱۵)

اس کے بعد فرزدق تمیمی کی شخصیت کا تعارف ہے- فرزدق کی عظمت کے اظہار کے لیے نحویوں کا درج ذیل قول نقل کیا ہے کہ ''اگر فرزدق کی شاعری نہ ہوتی تو عربی زبان کا تہائی حصہ تلف ہو جاتا-''

لیکن اس کے باوجود فرزدق کی اخلاقی پستی اور نازیبا کردار وعمل کے بارے میں اکثر مورخین کا اتفاق ہے، چناں چہ اس امر کی طرف اشارہ کرتے مصنف رقم طراز ہیں:

''تقریباً سبھی مورخین کا اتفاق ہے کہ ''وہ ایک برا شخص تھا- اس کے اخلاق گھٹیا تھے- فسق وفجور کا عادی اور عیاشی کا دل دادہ تھا-'' (ص:۲۴)

لیکن آپ نے مذکورہ قول پہ جو تبصرہ پیش کیا ہے، بلاشبہ وہ آپ کی انسانی اقدار کی پاس داری، عمدہ خانقاہی تربیت کی غمازی اور صوفیانہ مزاج کی صحیح عکاسی ہے- آپ فرماتے ہیں کہ ''آدمی عملی طور پر کتنا ہی برا کیوں نہ ہو مگر کبھی بھی اس کے اندر ایمانی اور اسلامی حمیت بیدار ہو ہی جاتی ہے'' (ص:۲۴)

قصیدہ گوئی کا سبب:

قصیدۂ میمیہ نظم کرنے کا سبب فرزدق کے اندر اہل بیت سے کمال عقیدت اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پایاں محبت ہے- بنوامیہ کے عہد حکومت میں فرزندان توحید مختلف دیار و امصار سے حج بیت اللہ کے لیے جس سال جمع ہوئے تھے اسی سال

خلیفۃ المسلمین کا فرزند ہشام بن عبد الملک ،عہد اموی کا ممتاز شاعر فرزدق تمیمی اور گلستان نبوت کا گل سرسبد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے تھے- ہشام بن عبدالملک اپنی شاہ زادگی کے نشے میں چور اور دنیاوی کروفر میں مغرور ہوکر بہ آسانی حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھا؛ لیکن لوگوں نے انہیں کوئی اہمیت ہی نہیں دی، جس سے انہیں خفت وسبکی محسوس ہوئی اور پھر کچھ دیر بعد از دہام میں دھکے کھانے کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینے کا ارادہ ترک کر دیا اور خود ہی مطاف کے کنارے پر آکر کھڑا ہو گیا- اسی درمیان جب حضرت امام عالی مقام کے لخت جگر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحن کعبہ میں قدم رنجہ ہوئے تو بھیڑ فوراً ختم ہو گئی اور آپ نے اطمینان و سکون کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دے کر طواف کا آغاز کیا اور جس طرف سے بھی گزرتے ،لوگ ادباً واحتراماً ہٹ جاتے- ہشام کے ہمراہ لوگوں کے لیے یہ منظر انتہائی حیرت انگیز تھا- ان میں سے کسی نے بادشاہ ہشام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے حضرت امام کو جاننے کے باوجود تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے توہین آمیز لہجے میں کہا کہ ''میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟'' ہشام کے قریب ہی فرزدق تمیمی کھڑا تھا جو عہد بنو امیہ کا ایک ممتاز اور قد آور شاعر تھا، اس کو حضرت امام کی اہانت برداشت نہیں ہوئی اور کہا کہ ''میں جانتا ہوں'' شامی شخص نے کہا ''بتاؤ کون ہے؟'' چناں چہ انہوں نے حضرت امام زین العابدین کی شان و برکت اور ان کی خاندانی شرافت و بزرگی کو اپنی فن کارانہ صلاحیت سے برجستہ ایک مدحیہ قصیدہ ۳۰؍اشعار پر مشتمل نظم کر دیا، جو آج اہل بیت اطہار سے محبت رکھنے والے اور شعر و ادب سے تعلق رکھنے والے دونوں کے یہاں بے حد مقبول و محترم ہے- قصیدۂ میمیہ کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

هذا الذی تعرف البطحاء وطاته
والبیت یعرفه والحل والحرم

اور انتہا اس شعر پر ہوتی ہے:

یستدفع الشر و البلوی بحبهم
و یستزید به الاحسان والکرم

فرزدق کے تعارف کے بعد ہشام بن عبد الملک کا ذکر ہے، جو ابوالولید ہشام اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کا بیٹا تھا- یہ انتہائی ذہین وزیرک تھا اور اہل علم کی صحبت پسند کرتا تھا- اپنے بھائی عبد الملک کی وفات کے بعد تقریباً ۳۴؍سال کی عمر میں تخت خلافت پر بیٹھا اور ۱۹؍برس ۷ یا ۸ ماہ حکومت کی- قیصریۃ الروم، حجرہ اور حرسنہ کو فتح کیا اور ۱۲۵ھ میں اس نے وفات پائی-

قصیدۂ میمیہ کا تحقیقی جائزہ:

شارح و محقق نے قصیدۂ میمیہ کی بیش بہا معلومات اور اس میں واقع اختلافات کا زبردست انکشاف کیا ہے اور دلائل و براہین سے بحث و تحقیق کر کے اس کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا ہے-

اختلاف کی نوعیت:

قصیدہ میمیہ کے بارے میں ارباب علم وادب اور اصحاب تاریخ و سیرت کے مابین واقع اختلافات وروایات کی نوعیتیں مختلف ہیں، جن میں قصیدے کا متن، قصیدے کا شاعر، اشعار کی تعداد و ترتیب وغیرہ شامل ہیں، چناں چہ حضرت مصنف نے ان کو اجمالی طور پر واضح فرمایا ہے- لکھتے ہیں:

''یہ اختلاف قصیدے کے شاعر اور ممدوح دونوں کے بارے میں ہے، جن لوگوں نے اس کو ثابت مانا ہے، ان میں اکثر اہل علم کا ماننا ہے کہ یہ قصیدہ فرزدق کا ہے جو امام زین العابدین کی شان میں کہا گیا تھا، بعض حضرات نے قصیدے کی نسبت حزین کنانی کی جانب کی ہے، مگر قصیدے کا ممدوح امام زین العابدین ہی کو قرار دیا ہے- بعض حضرات نے اس قصیدے کے دو شعروں کو حزین کی جانب منسوب کر کے ان کا ممدوح عبداللہ بن عبدالملک کو قرار دیا ہے، بعض حضرات نے قصیدے کے شاعر کی حیثیت سے تو فرزدق کا ذکر کیا ہے مگر قصیدے کا ممدوح امام زین العابدین کی بجائے ان کے والد امام حسین کو قرار دیا ہے- بعض روایتوں کے مطابق یہ قصیدہ جریر کا ہے، بعض نے کہا کہ یہ قصیدہ کثیر کا ہے جو اس نے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام محمد باقر کی شان میں کہا تھا-'' (ص:۲۸)

اس کے بعد شیخ موصوف نے ۱۳؍اقوال کو معتبر و مستند کتابوں کے

حوالے سے پیش کیا ہے اور پھر ان سے کچھ اہم نتائج وثمرات کو اخذ کیا ہے اور ٹھوس دلائل کی روشنی میں اس کو چھ گروپوں میں تقسیم کیا ہے- قارئین کی معلومات میں اضافے کی غرض سے پیش خدمت ہیں، ملاحظہ ہو:

الف: محدثین، مؤرخین اور ادبا کی ایک بڑی جماعت (جس میں حافظ ابن کثیر جیسے محتاط مورخ اور حضرت شیخ محقق جیسے محقق شامل ہیں) نے قصیدے کے شاعر کی حیثیت سے فرزدق اور ممدوح کی حیثیت سے امام زین العابدین کو تسلیم کر کے اس واقعے کو کثرت سے نقل کیا ہے-

ب: امام طبرانی کی جس روایت سے قصیدے کے ممدوح امام حسین قرار پاتے ہیں، اس روایت پر حافظ ابن کثیر اور شیخ محقق کی تنقید برمحل اور معقول ہے-

ج: المصعب زبیری، آمدی، ابن تیمیہ اور ابوالفرج اصفہانی نے حزین کی طرف پورا قصیدہ منسوب نہیں کیا بلکہ صرف دو اشعار کا انتساب کیا ہے، اس قصیدے کے باقی اشعار کو فرزدق سے منسوب کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں شعر فرزدق کے قصیدے کے نہیں ہیں، غلطی سے اس میں درج ہو گئے ہیں، جیسا کہ ابوالفرج اصفہانی کا موقف ہے-

د: یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ کوئی احادیث مبارکہ یا حلال وحرام کا معاملہ نہیں ہے، جس کے لیے روایت و درایت کا وہ سخت معیار برتا جائے جو احادیث رسول ﷺ کے رد و قبول میں برتا جاتا ہے، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا تعلق تاریخ ادبیات سے بھی ہے- اگر عام تاریخی واقعات اور ادبی شہ پاروں کے رد و قبول میں بھی روایت و درایت کا وہی سخت معیار برتا جائے تو تاریخ اور ادب دونوں کا قافیہ تنگ ہو جائے گا-

ہ: قصیدے کے متن، اشعار کی ترتیب اور تعداد میں اختلاف روایت کو اس کے خلاف دلیل نہیں بنایا جا سکتا؛ کیوں کہ ایسا اختلاف روایت صرف اسی قصیدے میں نہیں ہے بلکہ ادب جاہلی اور ادب اسلامی دونوں کے بہترین شعری اور نثری شہ پاروں میں اس قسم کا اختلاف روایت موجود ہے، جو ماہرین کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے-

و: قصیدے کی زبان، اسلوب، آہنگ، فکر اور پرواز خیال کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو فرزدق کی دیگر شعری کاوشوں سے ہم آہنگ نہ ہو- (ص:۳۳)

مذکورہ تحریرات و بیانات سے اہل علم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کو تحقیقی ذوق اور کثرت مطالعہ کس قدر حاصل تھا-

آپ نے قصیدۂ میمیہ سے متعلق دیگر ضروری چیزوں کی بھی دریافت کی ہے، چناں چہ آپ نے قصیدۂ میمیہ کا منظوم ترجمہ اور اس کی تخمیس و شروح کی تحقیق کر کے ان کا سراغ لگایا ہے- چناں چہ آپ نے مولانا عبدالرحمٰن جامی کی ''سلسلۃ الذہب'' جو بطور مثنوی ۶۸ اشعار پر مبنی قصیدۂ میمیہ کا منظوم فارسی ترجمہ ہے، کی تحقیق کی ہے اور ساتھ ہی آغا بزرگ طہرانی کی کتاب ''الذریعة الیٰ تصانیف الشیعة'' میں قصیدۂ میمیہ کی تخمیس کرنے والے پانچ درج ذیل شیعی شعرا کا تذکرہ کیا ہے:

(۱) الشیخ محمد بن اسماعیل ابن خلفه
(۲) السید ابوالفتح نصر اللہ بن الحسین الموسوی الحائری
(۳) السید راضی بن السید صالح قزوینی النجفی
(۴) مصفی بن الجواد الخالصی
(۵) الشیخ درویش علی البغدادی-

اس کے بعد آپ نے ایک کتاب ''کتاب خانہ شیعہ'' کے حوالے سے قصیدۂ میمیہ کی درج ذیل شروح کا سراغ لگایا ہے:

(۱) شرح قصیدة الفرزدقیة المیمیة: مرزا ابوالحسین بن حسین جیلانی (۲) شرح قصیدة الفرزدق: سید علی خان مدنی (۳) شرح قصیدة الفرزدق: فاضل علی رضا تبیان الملک رضائی (۴) شرح قصیدة الفرزدق: ملا علی قاریوز آبادی قزوینی (۵) شرح قصیدة الفرزدق: قاسم رسائی بن حسین مشہدی (۶) شرح قصیدة الفرزدق: مرزا محمد بن سلیمان تنکابنی (۷) شرح قصیدة الفرزدق: محمد شفیع بن محمد علی استر آبادی (۸) شرح قصیدة الفرزدق: محمد بن طاہر سماوی-

قصیدہ کے اشعار مرویہ کی تعداد کے بارے میں بہت اختلاف ہے، آپ نے اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''جن حضرات نے قصیدہ نقل کیا ہے، ان کی نقل میں اشعار کی تعداد اور ترتیب دونوں کے بارے میں اختلاف ہے، یافعی نے مرآۃ الجنان میں ۲۵/ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ۲۷/ اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ۲۸/ اشعار درج کیے ہیں، جب کہ دیوان فرزدق میں ۲۷/ اور مولانا جمیل احمد بلگرامی کی شرح ''درنضید'' میں ۲۹/ اشعار ہیں۔'' (ص:۳۸)

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

''ان تمام کتابوں میں وارد اشعار کو یکجا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیدے کے اشعار مرویہ کی مجموعی تعداد ۳۰/ ہے، سب سے زیادہ (۲۹) اشعار درنضید میں ہیں، لہٰذا ہم اسی کو اصل بنا کر اس میں درج کردہ متن اور ترتیب کے مطابق یہاں قصیدہ درج کر رہے ہیں۔ مختلف کتب میں منقول قصیدے کے متن میں بھی بعض جگہ اختلاف ہے مگر یہ اختلاف صرف چند اشعار کے چند الفاظ میں ہے اور یہ اختلاف بھی اکثر جگہ ہم معنی الفاظ کی حد تک ہے۔ اس سے شعر کے عمومی معنی ومفہوم پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔''

زیر نظر کتاب اگر چہ ایک مختصر معلومات پر مشتمل ہے تاہم یہ اپنی جامعیت ومعنویت میں انتہائی اہم اور قابل مطالعہ ہے، حق یہ ہے کہ انھوں نے اپنی عربی دانی، ترجمہ نگاری اور تحقیقی صلاحیت کا بھر پور مظاہرہ کیا ہے۔ تحقیق وتنقید کے معاملے میں انصاف ودیانت کے دامن کو نہیں چھوڑا ہے اور نہ ہی کسی ناقد ومحقق کو یوں ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ خود اپنے ہی امر میں اصول تحقیق میں یہ کس قدر محتاط ہیں، اس کا اندازہ اس اقتباس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

''اصول تحقیق کا تقاضا ہے کہ ترجمے کے ذیل میں ان وجوہ بلاغت اور اسرار معانی کی طرف بھی اشارہ کیا جائے مگر یہ طول عمل بھی ہے اور ایک اردو داں قاری کے لیے غیر ضروری بھی، اس لیے ہم یہاں اس سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ (ص:۳۸)

تحقیقی دیانت وخصوصیت:

آپ نے قصیدۂ میمیہ سے متعلق ضروری حوالے نقل کرنے اور دلائل کا انبار لگانے کے باوجود برملا یہ اعتراف کیا ہے:

''مندرجہ بالا شروح وتخمیسات میں سے کسی تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی، لہٰذا ان پر کوئی تبصرہ یا ان کا کوئی تعارف پیش نہیں کیا جا سکتا۔ درج بالا کتب کے علاوہ اس سلسلے کی تین کاوشیں ہماری دسترس میں آئی ہیں۔''

اس ضمن میں انھوں نے

(۱) شرح قصیدۂ میمیہ از مولانا جمیل احمد بلگرامی

(۲) تخمیس قطب الدین فی مدح سیدنا زین العابدین

(۳) تخمیس المقبول فی مدح ابن الرسول

کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ان پر جامع ومختصر انداز میں اچھوتا تبصرہ بھی کیا ہے، یہ تینوں کتابیں کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہیں۔

قصیدۂ میمیہ کی عروضی حیثیت:

آپ کو عروض وقوافی پہ بھی بڑی گہری نظر تھی۔ قصیدۂ میمیہ کا عروضی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عروضی حیثیت سے یہ قصیدہ بحر بسیط میں ہے، عربی قصیدے کے جو عناصر ترکیبی ہیں یعنی تشبیب، گریز دعا وغیرہ وہ اس میں نہیں ہیں؛ کیوں کہ یہ ایک خاص موقع پر برجستہ کہا گیا تھا اور اس وقت صرف مدح مقصود تھی۔ اس لیے اس میں تشبیب وغیرہ نظم نہیں کی گئی، ایسے قصیدوں کو اصطلاح میں ''مقتضب'' کہتے ہیں۔'' (ص:۳۸)

حاصل یہ ہے کہ زیر نظر کتاب ''فرزدق تمیمی کا قصیدۂ میمیہ: ایک تحقیقی مطالعہ'' جہاں علم وتحقیق اور زبان وبیان کے اعتبار سے اہم، قارئین کے لیے قصیدۂ میمیہ کے معانی وحقائق سے استفادے کا ذوق پیدا کرنے میں مؤثر اور اہل بیت اطہار سے غایت عقیدت کا درس وپیغام ہے، وہیں یہ علمی وتحقیقی اسلوب، عمدہ پیرایۂ بیان اور شستہ اور آسان زبان میں گراں قدر پیش کش ہے، جس سے یقیناً مصنف کے عربی زبان وادب پر عبور، علوم مختلفہ پر نظر، ترجمہ نگاری پر ید طولیٰ اور تحقیق وتلاش کا خاص ملکہ اور کثرت مطالعہ وغیرہ خوبیاں صفحات میں نمایاں ہیں۔ □□□

☆ پرنسپل: الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور، نئی دہلی

(۹)

اظہار غم

مجالس تعزیت

شہید بغداد کے ایصال ثواب اور اظہار غم کے لیے منعقد مجالس کی فہرست

شہید بغداد، مقبول بارگاہ غوثیت حضرت العلام شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر ملک و بیرون ملک ایک کہرام بپا ہو گیا جس نے جہاں سنا، سراپا حیرت و غم بن گیا، سب اپنے اپنے طور پر شہید مرحوم کے لیے دعائے رحمت و غفران کرنے لگے اور پھر ہر ادارے، مدرسے اور خانقاہ میں تعزیت اور ایصال ثواب کی محفلیں منعقد ہونے لگیں اور اخبارات میں تعزیتی خبریں شائع ہونے لگیں، اس حوالے سے کچھ اہم تعزیتی مجلسوں کی فہرست ہم یہاں شائع کر رہے ہیں- آنے والے شمارے میں ان کی تفصیلی رپورٹ شائع ہوگی- واضح رہے کہ تعزیتی مجلسوں کی جو خبریں ہم تک پہنچ سکی ہیں، یقیناً ان کے علاوہ بہت سی خبریں ایسی ہوں گی جو ہم تک نہیں پہنچ سکی ہیں- ہم شہید بغداد کے تمام محبین کے شکر گزار ہیں- (ادارہ)

ادارہ/مسجد/خانقاہ/تنظیم	مقام	اہم شرکا
الاتحاد نوجوانان کمیٹی	گنجریا، مغربی بنگال	مولانا شہباز عالم، مولانا شمس آغاز شمسی اور مولانا حفیظ الدین ودیگر
جامعہ مرکز الثقافۃ السنیۃ	کالی کٹ (کیرالہ)	تمام اراکین مرکز
جامعہ غوثیہ رضویہ	سہارنپور (یوپی)	حکیم سید محمد احمد (بانی جامعہ) واساتذہ
مرکز سنی دعوت اسلامی	مالیگاؤں	مولانا سید امین القادری
جماعت اسلامی ہند	فیروز آباد	مولانا انعام اللہ اصلاحی، حامد علی فلاحی اور ڈاکٹر اتحاد عالم ودیگر
آستانہ شرافتیہ	بریلی	الحاج ممتاز میاں ووابستگان
تاج الفحول اکیڈمی	کیلاش نگر (دہلی)	مولانا یعقوب علی قادری، مولانا غلام حسن، ساجد حسین قادری
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	کراچی (پاکستان)	سید وجاہت رسول قادری، پروفیسر دلاور خان، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، سید سطوت رسول قادری
خانقاہ اصدقیہ	خصر پور کولکاتہ	حضرت مشاہد اصدق
ہیڈ کوارٹر ورلڈ اسلامک سنٹر	اوکسفورڈ یونیورسٹی (انگلینڈ)	اراکین
جامعہ اسلامیہ	میرا روڈ ایسٹ، تھانہ (مہاراشٹر)	مولانا اختر علی واجد القادری، محمد نذیر احمد رضوی
خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکار کلاں شاخ دہلی	بٹلہ ہاؤس (دہلی)	حضرت سید محمود اشرف اشرفی (سجادہ نشین)
الجامعۃ الاشرفیہ	مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)	جملہ اساتذہ وطلبہ

ادارہ/مسجد/خانقاہ/تنظیم	مقام	اہم شرکا
مرکزی مجلس قادریہ	حیدر آباد (دکن)	سید شاہ مشاہد اللہ حسنی، مولانا سید ممشاد پاشا مولا سید حامد حسین حسان فاروقی، خواجہ شاہ محمد شجاع الدین افتخاری
بزم ادب	کانپور	سید قمر شاہ شاہجہانپوری، قاری سحیب اختر شاہدی، مولانا غلام قادر، مولانا قاری شفیق
تنظیم عاشقان مصطفیٰ	حیدر آباد (دکن)	سید شاہ رفیق اللہ حسینی، ڈاکٹر سید شاہ مخدوم محی الدین قادری، مولانا سید شاہ توفیق اللہ حسینی، مولانا شاہ فصیح الدین نظامی
دار العلوم امام احمد رضا	حیدر آباد (دکن)	مولانا محبوب عالم اشرفی مولانا شیخ عبد الرحمٰن ازہری
فرنگی محل	لکھنؤ	مولانا خالد رشید فرنگی محلی
دار العلوم شاہ مینا	لکھنؤ	حضرت شیخ راشد علی مینائی
جامعہ حضرت نظام الدین اولیا	ذاکر نگر، اوکھلا (نئی دہلی)	مفتی محمد رضا مصباحی، مولانا غلام رسول دہلوی، مولانا محمد عرفان ازہری واساتذہ
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان	جسولہ (نئی دہلی)	پروفیسر خواجہ اکرام الدین ڈاکٹر کلیم اللہ، ڈاکٹر شاہد اختر ودیگر اراکین
آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال	کولکاتہ	مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی
تاج الفحول اکیڈمی شاخ کولکاتہ	کولکاتہ	جملہ اراکین
انجمن خدام قادری	کولکاتہ	جملہ اراکین
آل انڈیا علما ومشائخ بورڈ	نئی دہلی	حضرت سید محمد اشرف کچھوچھوی
جامعہ اہلسنت صادق العلوم	شاہی مسجد، ناسک (مہاراشٹر)	تمام اساتذہ وطلبہ
تنظیم پاسبان سنت	منڈی بازار، ورنگل (آندھرا پردیش)	مولانا امیر خسرو واراکین کمیٹی
غوثیہ مسجد	وڑالہ، ناسک (مہاراشٹر)	مولانا محمد ابراہیم شافعی
کھڑکالی مسجد	ناسک (مہاراشٹر)	مفتی سید رضوان رفاعی، مولانا رحمت اللہ مصباحی، مفتی محمد مشتاق قادری
شاہجہانی مسجد	قسمت باغ، ناسک (مہاراشٹر)	مفتی محمد مشتاق قادری، مولانا قاری اظہر قادری
اجمیری مسجد	نائیکوڑی پورہ، ناسک (مہاراشٹر)	قاری غفران
مسجد کوکنی پورہ	کوکنی پورہ، ناسک (مہاراشٹر)	مفتی محمد رضوان رفاعی
محدث اعظم مشن	بولٹن (انگلینڈ)	مولانا ایوب اشرفی
قادری مسجد	سنگم نیر ضلع احمد نگر (مہاراشٹر)	حضرت سید محبوب میاں قادری

مسجد لکشمی پورہ	سنگم نیر ضلع احمد نگر (مہاراشٹر)	حضرت سید محبوب میاں قادری
قادری کمیٹی	سیون پور ضلع کاس گنج	مولانا محمد یاسر خان قادری
دار القلم، قادری مسجد	ذاکر نگر اوکھلا (نئی دہلی)	مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا ضیاء الدین خان مصباحی،، مولانا ارشاد عالم نعمانی واساتذہ
روشن مسجد	پونہ	مولانا غلام احمد قادری واراکین
جامع مسجد	کھڑکی (پونہ)	مولانا مبشر قادری واراکین
منوشاہ مسجد	پونہ	مولانا انور قادری
منشیان مسجد	پونہ	اراکین
بارہ امام مسجد	پونہ	مولانا عارف اشرفی
جامع مسجد	کونڈوا (پونہ)	اراکین
جامعۃ القریش مسجد	کیمپ (کونڈوا)	اراکین
قمر الدین مسجد	پونہ	مولانا انور سہیل
بھنڈار شاہ مسجد	پونہ	حافظ ادریس قادری
باباجان درگاہ	پونہ	اراکین
باقر قصاب مسجد	پونہ	اراکین
کمیلا مسجد	پونہ	اراکین
باغبان مسجد	پونہ	اراکین
جامعہ اشرفیہ	کونڈوا (پونہ)	مولانا محمد ایوب اشرفی
علاء الدین مسجد	پونہ	اراکین
سٹی جامع مسجد	پونہ	اراکین
موڈی خانہ مسجد	پونہ	اراکین
اہل بیت مسجد	پونہ	اراکین
جامع مسجد	ایم جی روڈ (پونہ)	اراکین
پنشین والا مسجد	پونہ	اراکین
جامعۃ القریش مسجد	پمپری (پونہ)	اراکین
دار العلوم غوث الوریٰ	رشید پورہ (اورنگ آباد)	مولانا نسیم خان، مولانا نظام الدین
درگاہ حضرت بہاء الدین شطاری	دولت آباد (اورنگ آباد)	مولانا سید عبد العلیم ودیگر
درگاہ والی مسجد	رحمانیہ کالونی (اورنگ آباد)	حافظ کریم الدین قادری ودیگر
قومی تنظیم	پٹنہ (بہار)	اراکین
خانقاہ چشتیہ فریدیہ اسعدیہ	نئی دہلی	اشتیاق ایوبی

نوری مشن	مالیگاؤں	مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا غلام مصطفیٰ رضوی، حافظ انیس الرحمٰن رضوی وغیرہ
مدارس البرکات	جامع مسجد بہار شریعت کراچی (پاکستان)	محمد عارف برکاتی
رضا جامع مسجد	لوہیا نگر، دہرادون (یوکے)	سید اشرف حسین قادری
رضا اسلامک مشن آف بہار	سیتامڑھی (بہار)	مولانا نسیم احمد مصباحی، مولانا حشمت امجدی پوکھریروی، مفتی کلیم احمد مصباحی ودیگر
جامعہ صمدیہ	پھپھوند شریف، ایٹہ (یوپی)	مولانا سید غلام الصمد میاں چشتی، مفتی انفاس الحسن چشتی، مولانا ساجد مصباحی، مولانا غلام جیلانی مصباحی ودیگر
قریش مسجد	ممبرا (مہاراشٹر)	مولانا شبیر اشرفی، مولانا مقصود قادری، حافظ انوار اللہ قادری، غلام محمد خان قادری ودیگر
خانقاہ غوثیہ اصدقیہ	سہسرام (بہار)	حضرت سید شاہ عارفین اصدق، مولانا شہباز اصدق ودیگر
مدرسہ فیضان رضا	امرت نگر، تھانے (مہاراشٹر)	مفتی محمد شہروز مصباحی، مولانا عبد المطلب، مولانا عبد المبین ودیگر
دار العلوم محمدیہ	لال مسجد حسن پور، امروہہ (یوپی)	مفتی نثار احمد، مفتی غلام غوث ازہری، مولانا یعقوب علی ودیگر
سنی دعوت اسلامی	بنگلور	اراکین
دار العلوم شاہ ولایت	بدایوں	قاری عبد الرسول قاسمی برکاتی
دار العلوم غوثیہ رضویہ	کورہی، باندہ (یوپی)	مولانا نذیر حیات قادری، تبارک حسین فاروقی
دار العلوم امام احمد رضا	یاقوت پورہ (حیدر آباد)	خواجہ معز الدین اشرفی، مولانا محبوب عالم اشرفی ودیگر
جامعہ عارفیہ	سید سراواں، الہ آباد (یوپی)	حضرت شیخ ابو سعید احسان اللہ چشتی، مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی، مولانا ذیشان مصباحی، مولانا مجیب الرحمٰن علیمی ودیگر
مسجد فتح پوری	نئی دہلی	مفتی مکرم احمد نقشبندی
مدرسہ مظہر العلوم	لونی (نئی دہلی)	مفتی مکرم احمد نقشبندی
سنی اسٹوڈینٹس آرگنائزیشن	گھوسرائے، سنبھل (یوپی)	محمد علی ارمان رضا، محمد شارب فائز علی ودیگر
ادارۂ قاضی شہر	پورنیہ (بہار)	

آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ	صدر دفتر جوہری فارم (نئی دہلی)	مولانا سید بابر اشرف، سید فراز احمد آمری، مولانا غلام دستگیر ودیگر
جمعیۃ الائمہ	کچھلا روڈ، بدایوں (یوپی)	حافظ محمد عرفان، حافظ محمد قمر عالم
مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن	سرائے ترین، سنبھل (یوپی)	فیضان اختر، فیصل برکاتی، قمر برکاتی ودیگر
بلند مسجد	شاستری پارک (نئی دہلی)	مولانا رفیق احمد نوری ودیگر
خانقاہ شاہ درگاہی محبوب الٰہی زیارت شریف	کمرالہ، بدایوں (یوپی)	مولانا فہیم احمد ازہری، مولانا رفاقت ثقلینی
خانقاہ شرافتیہ	کمرالہ، بدایوں (یوپی)	مولانا اظہر علی خان شرافتی، حافظ عیاض ثقلین،
نوری فاؤنڈیشن	بریلی (یوپی)	ناظم بیگ، ماجد خاں، سید قمر میاں ودیگر
خانقاہ حسینیہ کلیمیہ	کٹرہ، شاہجہانپور (یوپی)	حضرت سید مسعود احمد کلیمی، مولانا مجیب الرحمٰن کلیمی ودیگر
صابرہ اردو گرلس کالج	نصیر پور، اشرف نگر (یوپی)	قاری محمد عامر رضا اشرفی ودیگر
تنظیم عوام اہل سنت	سرسید نگر، مراد آباد (یوپی)	مولانا محب علی نعیمی ودیگر
دائرہ شاہ اجمل	الٰہ آباد	حضرت سید ضیا اجملی
ڈاکٹر ہری گور سنٹرل یونیورسٹی	ساگر (ایم پی)	پروفیسر فداء المصطفیٰ فدوی، ڈاکٹر افضل مصباحی، ڈاکٹر ابوشہیم خان ودیگر
جامعہ امام اعظم نعیمیہ	مشرقی دہلی	مفتی منظم رضا ازہری، مولانا فضل حق رضوی، مولانا عبدالسبحان نعمانی
رضائے مصطفیٰ سوسائٹی	کبیر نگر، (نئی دہلی)	مولانا ذاکر حسین رضوی، قاری طاہر رضا، حاجی حسین آزاد
رضا جامع مسجد و مدرسہ اہل سنت	بصرت وہار (نئی دہلی)	مولانا محمد راقم فرید القادری، مولانا غلام ربانی
جامعہ حمیدیہ اظہر العلوم	رامپور (یوپی)	مولانا محمد اختر خان قادری، مولانا ادریس قادری، مولانا سبحان رضا ودیگر
مرکز اہل سنت مسجد شیخان باڑہ	راؤ دہلی (ہریانہ)	مولانا دین محمد، مولانا اظہر الدین ودیگر
مسجد خلیل اللہ	بٹلہ ہاؤس (نئی دہلی)	حافظ و قاری یعقوب خاں قادری
خانقاہ چشتیہ فخریہ گردیزیہ	اجمیر شریف (راجستھان)	حضرت سید فرزان چشتی
مدرسہ فیضان مصطفیٰ	جوہر باغ (علی گڑھ)	الحاج سید جمال احمد ودیگر اساتذہ
مجلس برکات دفتر دہلی	نئی دہلی	مولانا ظفر الدین برکاتی، مولانا کاظم علی مصباحی
دار العلوم واحدیہ طیبیہ	بلگرام (یوپی)	مولانا قمر اخلاق امجدی
خانقاہ عثمانیہ قدیریہ	پیلی بھیت (یوپی)	حضرت مفتی محمد حسن میاں
دربار حضرت اللہ میاں	پیلی بھیت (یوپی)	مفتی ذاکر اشرفی

الرضا اسلامک جونیئر ہائی اسکول	کریم گنج، پیلی بھیت (یوپی)	صابر علی رضوی
مدرسہ رضویہ غوث العلوم	وارث نگر، بارہ بنکی (یوپی)	حافظ شبیر رضا قادری، مولانا حنیف قادری
بزم قاسمی برکاتی	چمن گنج، کانپور (یوپی)	حضرت رفیق ملت، مولانا حنیف برکاتی، عتیق احمد برکاتی ودیگر
مدرسہ عربیہ سعید العلوم	لکشمی پور، مہاراج گنج (یوپی)	مولانا محمد صدر الدین مصباحی، مولانا نور الہدیٰ مصباحی، مولانا سید علی نظامی
دار العلوم غوثیہ	بیروا بنکٹوا، مہاراج گنج (یوپی)	مولانا محبوب احمد، مولانا نور اللہ قادری
دار العلوم امام احمد رضا	بندیشر پور، مہاراج نگر (یوپی)	اراکین
دار العلوم شاہ اعلیٰ قدرتیہ	جاج مئو (یوپی)	مفتی حبیب الرحمٰن شاہدی
دار العلوم حنفیہ امام احمد رضا	کلیان پور، لکھنؤ (یوپی)	مولانا اشتیاق احمد، قاری مستقیم قادری
تاج الفحول اکیڈمی شاخ جنر	جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	مولانا ناہید رضا، مولانا صادق الاسلام
مسجد القریش	خلیل پورہ، جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	مولانا رضوان قادری
تاج الفحول اکیڈمی	ناگ دیوی اسٹریٹ ممبئی ۳ (مہاراشٹر)	حضرت سید معین میاں اشرفی
انجمن ہائی اسکول	جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	اراکین
مسجد سنگ تراش	ناگپاڑہ، ممبئی (مہاراشٹر)	اراکین
مدینہ مسجد	وکرولی ممبئی (مہاراشٹر)	اراکین
فیضان ربانی کمیٹی	جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	اراکین
الیون اسٹار سوشل گروپ	جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	اراکین
البغدادی گروپ	جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	اراکین
غلامان شہنشاہ جنر کمیٹی	جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	اراکین
عید میلاد النبی کمیٹی	جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	اراکین
قادری مسجد	جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	حافظ محسن قادری
مومن مسجد	جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)	حافظ اسد قادری، حافظ شاہد قادری
جامع مسجد شمسی	بدایوں (یوپی)	مولانا اختر قادری، الحاج تسنیم حسن قادری، حافظ طاہر حسین قادری ودیگر
سید منور علی اردو ہائی اسکول	سوتھہ، بدایوں (یوپی)	سید سرور علی، سید تنویر علی، سید مطاہر علی ودیگر
بشیریہ لائبریری چندوسی	سنبھل ضلع مراد آباد (یوپی)	حافظ اقرار، مولانا مبشر، مولانا محمد علی خان
آستانہ عالیہ قادریہ بشیریہ	چندوسی ضلع سنبھل (یوپی)	حافظ عظمت، حافظ ہارون
دار العلوم ابوہریرہ للبنات	پورنیہ (بہار)	مولانا سیف رضا صدیقی
دار العلوم انوار مصطفیٰ	سری ہاٹ، پورنیہ (بہار)	مولانا شمس تبریز، حافظ شفیع احمد

ادارہ	مقام	نام
خانقاہ وامقیہ نشاطیہ	شہامت گنج بریلی	اسلم میاں وامقی، ظفر بیگ، محمود وامقی، اسلم وامقی، دانش وامقی
فلاح عام اسلامک اسکول	پنجابیان چوراہا پیلی بھیت	ڈاکٹر مجاہد رضا، نجم الحسن قادری، محتشم رضا
مدرسہ عطائے فضل رسول	آنولہ ضلع بریلی (یوپی)	مولانا دلشاد احمد و مولانا حنیف قادری، سید عزام قادری، حاجی جلال الدین
مدرسہ طیب العلوم قادریہ حمیدیہ	آنولہ ضلع بریلی (یوپی)	مولانا دلشاد احمد و حافظ حشمت قادری
مدرسہ امین البرکات نورانی مسجد	قصبہ سکندرہ راؤ	قاری ضیاء الدین برکاتی، حافظ محمد اویس برکاتی، مولانا محمد یوسف برکاتی
مدرسہ شرافت العلوم	بدھ بازار	مولانا عبد الشکور، قاری محمد اشرفی، حافظ علی حسین اشرفی، حافظ ضمیر قریشی، مولانا عرفان وغیرہ
مدرسہ شمس العلوم	گھنٹہ گھر بدایوں (یوپی)	حافظ محمد طاہر حسین، محمد یامین، حبیب احمد
آل انڈیا فنکار اکیڈمی	محلّہ ناہر خاں سرائے، بدایوں (یوپی)	اراکین
تکیہ والی مسجد	علی پور، بدایوں (یوپی)	اراکین
مسجد بروالی	محلّہ سوتھہ، بدایوں (یوپی)	اراکین
جامع مسجد	گنور، بدایوں (یوپی)	اراکین
آئینہ مسجد	کچہری روڈ ایولہ (مہاراشٹر)	اراکین
بیڑ والی مسجد	ایولہ (مہاراشٹر)	اراکین
محمدیہ عربک کالج	آزاد نگر، پورنیہ (بہار)	مفتی محمد زبیر صدیقی و دیگر
ورلڈ اسلامک مشن	گلاسگو (انگلینڈ)	مولانا فروغ القادری
محبان محدث اعظم ہند	جدہ (سعودی عرب)	محترم جناب بشارت صدیقی
رسول باغ	ناسک (مہاراشٹر)	حضرت سید معین میاں اشرفی،
دار العلوم شمس العلوم	گھوسی، مئو (یوپی)	ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، مولانا ممتاز عالم مصباحی، ڈاکٹر محبّ الحق قادری و دیگر
دار القرآن (خانقاہ)	جارڈن (عمان)	شیخ حازم نائف ابوغزالہ (مفتی اعظم جارڈن)
جامعہ نوریہ	شام پور، اتر دیناج پور (بنگال)	مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی، مولانا مسعود احمد
خانقاہ نظامیہ چشتیہ	شاہ ٹولی، داناپور (بہار)	پروفیسر سید طلحہ رضوی برق و دیگر
غریب نواز فاؤنڈیشن	نئی دہلی	مولانا انصار رضا و اراکین
مدرسہ رضاء العلوم	نئی دہلی	اراکین و اساتذہ
مدرسہ حیات العلوم	کے نگر بلاک (بہار)	قاری عبد الوکیل

□□□

تعزیتی فون/ایس ایم ایس

عالم ربانی کی شہادت پر موصول ہونے والے چند اہم فون اور ایس ایم ایس

شہید بغداد، مقبول بارگاہ غوثیت حضرت العلام شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر ملک و بیرون ملک ایک کہرام بپا ہو گیا، جس نے جہاں سنا، سراپا حیرت و غم بن گیا اور پھر شہید بغداد کے والد گرامی تاجدار اہل سنت حضرت مولانا شاہ عبد الحمید محمد سالم القادری، ان کے اہل خانہ اور راقم کے غم کے مداوے کے لیے ملک و بیرون ہر طرف سے تعزیتی فون اور ایس ایم ایس آنے لگے- یادرہ جانے والے چند اہم تعزیت کرنے والوں کی فہرست ذیل میں دی جارہی ہے- ان کے علاوہ ہم ان تمام حضرات کے بھی ممنون ہیں، جنھوں نے اس دل خراش سانحے پر فون یا ایس ایم ایس کیے اور ہمارے غموں کو بانٹنے کی کوشش کی- اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے- (ادارہ)

- شہزادۂ غوث اعظم حضرت سید پیر ہاشم الگیلانی
(بغداد شریف، عراق)
- شہزادۂ غوث اعظم حضرت سید عدنان توفیق الگیلانی
(بغداد شریف، عراق)
- شہزادۂ غوث اعظم حضرت سید سلمان الگیلانی
(دبئی)
- امین ملت حضرت پروفیسر سید امین میاں قادری برکاتی
(سجادہ نشین: خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ)
- شرف ملت حضرت سید اشرف قادری برکاتی
(چیف انکم ٹیکس کمشنر، کولکاتا، بنگال)
- رفیق ملت حضرت سید نجیب میاں قادری برکاتی
(سجادہ نشین: مسند نوریہ، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ)
- حضرت مولانا سید سبطین حیدر قادری برکاتی
(خانقاہ برکاتیہ، بڑی سرکار، مارہرہ مطہرہ)
- شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی
(سجادہ نشین: آستانہ محدث اعظم ہند، کچھوچھہ شریف)
- پروفیسر سید طلحہ رضوی برق
(سجادہ نشین: خانقاہ نظامیہ چشتیہ، داناپور، پٹنہ، بہار)
- حضرت سید شاہ آیت اللہ قادری
(صاحب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)
- حضرت سید عمار احمد احمدی عرف نیر میاں
(سجادہ نشین خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف)
- حضرت سید شاہ ثقلین میاں قادری مجددی
(سجادہ نشین: خانقاہ شرافتیہ، بریلی)
- حضرت سید شاہ گلزار میاں قادری
(سجادہ نشین: خانقاہ اسماعیلیہ، مسولی شریف)
- مولانا غلام عبد القادر علوی
(سجادہ نشین: خانقاہ یار علویہ، براؤں شریف)
- حضرت سید اولیا حسینی پاشا قادری
(قادری چمن، حیدرآباد، دکن)
- شیخ حازم نائف ابوغزالہ
(مفتی اعظم، جورڈن)
- حضرت سید شاہد میاں
(خانقاہ قادریہ، جیتھا شریف)
- حضرت سید آل علی قمیصی
(ساڈھورا شریف)
- مولانا راشد رضا آسوی
(سجادہ نشین: خانقاہ ابو العلائیہ، اترولہ، بلرام پور)
- مفتی مطیع الرحمٰن مضطر پورنوی
(بانی: جامعہ نوریہ، شام پور، اتر دیناج پور، بنگال)

● مولانا یٰسین اختر مصباحی
(بانی: دارالقلم، اوکھلا، نئی دہلی)
● مفتی آل مصطفیٰ مصباحی
(استاذ: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی مئو)
● مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی
(سولجر بازار، کراچی پاکستان)
● ڈاکٹر شعائر اللہ خان وجیہی
(ایڈیٹر: ماہنامہ ضیائے وجیہ، رام پور)
● سید صبیح الدین صبیح رحمانی
(مدیر: نعت رنگ، کراچی، پاکستان)
● ڈاکٹر غلام زرقانی
(ڈائرکٹر: حجاز فاؤنڈیشن، ہیوسٹن، امریکا)
● مولانا منظر الاسلام ازہری
(ڈائرکٹر: البیح انسٹی ٹیوٹ، نارتھ کیرولینا، امریکا)
● مولانا مبارک حسین مصباحی
(مدیر: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ)
● مولانا سید نورالدین اصدق
(مدیر: ماہنامہ جام شہود، پکی تالاب، بہار شریف)
● مولانا سید کاظم پاشا قادری
(قادری چمن، حیدرآباد، دکن)
● مولانا نفیس احمد مصباحی
(استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ)
● مولانا محمود احمد رفاقتی
(خانقاہ اشرفیہ، مظفر پور، بہار)
● مولانا سید قاسم اشرف کچھوچھوی
(کچھوچھہ شریف)
● حضرت سید محمد عربی میاں
(کچھوچھہ شریف)
● مولانا شاکر نوری
(امیر: سنی دعوت اسلامی، بمبئی)

● مولانا ملک الظفر سہسرامی
(مہتمم: مدرسہ خیریہ نظامیہ، سہسرام، بہار)
● مولانا حنیف قادری نوری
(صدر: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)
● حضرت سید معین الدین اشرف اشرفی الجیلانی
(ممبئی)
● حضرت سید خالد اشرف اشرفی
(ممبئی)
● حضرت سید فرید اشرف اشرفی
(ممبئی)
● حضرت سید نظام اشرف اشرفی
(خطیب وامام: زکریا مسجد، ممبئی)
● حضرت سید معین اشرف اشرفی
(ممبئی)
● مولانا فیضان اشرف اشرفی
(خطیب وامام: مولوی خیرالدین مسجد، ممبئی)
● مولانا سید جامی اشرف
(خانقاہ اشرفیہ، کھمبات، گجرات)
● ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی
(کریم الدین پور، گھوسی، مئو)
● مولانا جلال رضا ازہری
(قاہرہ، مصر)
● ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی
(علی گڑھ)
● انجینئر سید فضل اللہ چشتی
(نئی دہلی)
● احمد جاوید
(ایڈیٹر انچارج: روزنامہ 'انقلاب'، بہار)
● ڈاکٹر عبدالسلام جیلانی
(استاذ: شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

● مولانا عارف اقبال مصباحی
(مہتمم: دارالعلوم تاج الشریعہ، مدھوبنی، بہار)
● مولانا فیضان الرحمٰن سبحانی
(مہتمم: الجامعۃ الواجدیہ، دربھنگہ، بہار)
● مولانا مبشر رضا قادری (احمد آباد گجرات)
● ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی
(کوآرڈی نیٹر: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ)
● ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی
(جوائنٹ سکریٹری: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ)
● مولانا معین اختر اعظمی
(استاذ: دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف)
● ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی
(استاذ: پریسیڈینسی یونیورسٹی، کولکاتہ)
● مولانا ذیشان احمد مصباحی
(استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الٰہ آباد)
● مولانا اشرف الکوثر مصباحی
(ریسرچ اسکالر: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)
● مولانا انیس احمد اشرفی
(ممبئی)
مولانا جاوید اختر مصباحی
(گلبرگہ)
● مولانا عابد رضا مصباحی
(جمشید پور)
● حافظ شمس الحق رضوی
(رضا ہوزری، لدھیانہ، پنجاب)
● مولانا ابرار قیصر فیضی
(مہتمم: دارالعلوم محبوب سبحانی، جگسلائی، جمشید پور)
● مولانا رستم علی رضوی
(تنجاور، تمل ناڈو)
● مولانا وقار احمد ندوی

(پٹنہ)
● مولانا منظر محسن
(خطیب وامام: قادری مسجد، اوکھلا، دہلی)
● عارف اقبال
(ایڈیٹر: اردو بک ریویو، دریا گنج، نئی دہلی)
● سید نورین علی حق
(کاپی ایڈیٹر: اردو نیوز چینل، دوردرشن، نئی دہلی)
● پروفیسر خواجہ اکرام الدین
(ڈائریکٹر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)
● مفتی محمد ایوب اشرفی
(بولٹن، انگلینڈ)
● مولانا غلام صمدانی رشیدی
(دھنباد، جھارکھنڈ)
● مولانا محمد منیر ازہری
(جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر)
● مولانا ابرار احمد امجدی
(دارالعلوم امجدیہ ارشد العلوم، اوجھا گنج، بستی)
● مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی
(استاذ: مدرسہ لطیفیہ، رحمٰن پور، کٹیہار)
● پروفیسر اختر الواسع
(چیف کمشنر، اقلیتی لسانیات، حکومت ہند، نئی دہلی)
بشارت صدیقی
(جدہ، سعودیہ عربیہ)
● قاضی خطیب عالم
(استاذ: دارالعلوم وارثیہ، لکھنؤ)
● مولانا عبیداللہ خان اعظمی
سابق ممبر پارلیمنٹ، نئی دہلی)
● مولانا وفاء المصطفیٰ امجدی
(کولکاتا، بنگال)
● مولانا آصف علوی ازہری

(نائب مہتمم: دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف)
● مولانا اشتیاق
(افریقہ)
● مولانا عبدالعلیم
(نیپال)
● مولانا غلام غوث علوی
(مہتمم: دارالعلوم مسکینیہ، دھوراجی، گجرات)
● الحاج محمد سعید نوری
(جنرل سیکریٹری: رضا اکیڈمی، ممبئی)
● حافظ محمد آصف مجددی
(پاکستان)
● مولانا سید ممشاد پاشا قادری
(حیدرآباد)
● مولانا محمد راغب مصباحی
(جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر)
● صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
(صدر: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان)
● بیرسٹر اسدالدین اویسی
(ممبر آف پارلیمنٹ، حیدرآباد، دکن)
● مولانا حسیب احمد
(رام پور، یوپی)
● مولانا قاری جنید
(استاذ: جامعہ قادریہ، ممبئی)
● مولانا خورشید عالم
(خطیب و امام، قصائی محلہ، ممبئی)
● مولانا ذکوان ندوی
(نئی دہلی)
● ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی
(استاذ: شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)
● پروفیسر یونس اگاسکر
(استاذ: ممبئی یونیورسٹی، ممبئی)
● پروفیسر فاروق احمد صدیقی
(سابق صدر: شعبہ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار)
● سید تالیف حیدر
(نئی دہلی)
● مولانا ارشاد عالم نعمانی
(ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)
● مولانا صدرالوریٰ مصباحی
(استاذ: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ)
● مولانا ممتاز احمد سدیدی
(اسسٹنٹ پروفیسر: منہاج یونیورسٹی، لاہور، پاکستان)
● محمد ثاقب رضا قادری
(لاہور، پاکستان)
● ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی
(چمیلیان روڈ، نئی دہلی)
● مولانا قمر احمد اشرفی
(ناظم: جامعہ اشرف، کچھوچھہ شریف)
● ڈاکٹر افضل مصباحی
(استاذ: شعبہ اردو، ڈاکٹر ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر)
● محمد یامین انصاری
(نیوز ایڈیٹر: روزنامہ انقلاب، نئی دہلی)
● مولانا حافظ یعقوب علی خاں
(خطیب و امام: مسجد خلیل اللہ، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی)
● مولانا سید سیف الدین اصدق
(ڈائرکٹر: پیغام اسلام، حسینی مسجد، ذاکر نگر، جمشید پور)
● ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن
(نئی دہلی)

□□□

(۱۰)

حدیث دل

حدیث دل

عالم ربانی مولانا شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کا منتخب کلام

شہید بغداد، عالم ربانی شیخ اسید الحق قادری بدایونی محدث، مفسر، محقق، خطیب، مصنف اور مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منفرد لب و لہجے کے بہترین شاعر بھی تھے- علامہ بدایونی نے ضمنی حیثیت سے شاعری کی ہے، تاہم جتنی بھی کی ہے وہ دنیائے شعر و سخن میں ایک قیمتی اضافہ ہے- یہاں ان کے کلام کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے تا کہ ارباب علم و ادب ان کی اس حیثیت سے بھی متعارف ہو سکیں اور ان کی شاعری کی قدر و قیمت کا تعین ہو سکے- (ادارہ)

حمدیہ نعت

میں پہلے کوثر و تسنیم سے وضو کر لوں — پھر اپنے دامن الفاظ کو رفو کرلوں

میں اپنی فکر رسا کو ادب شعار کروں — تصورات و خیالات باوقار کروں

قلم کو سرحدِ ادراک سے گزرنا ہے — کہ مجھ کو رب تعالیٰ کی حمد لکھنا ہے

وہ رب کہ جس نے رسولِ کریم بھیجا ہے — بنا کے اس کو رؤف و رحیم بھیجا ہے

رسول وہ جو رسولوں کا تاجدار ہوا — وہ جس کا ذکر دوائے دلِ فگار ہوا

رسول وہ جسے محبوب کردگار کہیں — رسول وہ جسے قدرت کا شاہکار کہیں

بہارِ گلشن جنت اسی کے صدقے میں — نگار خانۂ قدرت اسی کے صدقے میں

بناءِ قصرِ ولایت اسی کے صدقے میں — کھلا ہے بابِ شفاعت اسی کے صدقے میں

وہ جس کا مصحف رخ پرتو صفات ہوا — وہی تو پردہ کشائے تجلیات ہوا

وہ جس کی گرد سواری ہے کہکشانِ فلک — وہ جس کے تابع فرماں ہیں قدسیان فلک

وہ جس کے لب سے گلابوں نے نازکی پائی — سحر نے جس کے تبسم سے روشنی پائی

اسی رسول کے خالق کی حمد لکھتا ہوں
میں اپنی زیست کے خاکے میں رنگ بھرتا ہوں

□□□

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جب تصور میں بسالیں آنکھیں — ساری دنیا سے اٹھالیں آنکھیں

عرش پر ان کی سواری آئی — حور و غلماں نے بچھالیں آنکھیں

قدسیوں نے پئے دیدار نبی — آبِ کوثر سے کھنگالیں آنکھیں

دیکھ کر تابشِ پائے انور — ماہ و اختر نے چرالیں آنکھیں

بحرِ رحمت میں تلاطم آیا — جب ذرا ہم نے بھگالیں آنکھیں

خاک طیبہ ہے خبردار قمر — اس کی آنکھوں میں جوڑالیں آنکھیں

اے اجل شوق سے آجا ہم نے — سبز گنبد پہ جمالیں آنکھیں

حشر میں سامنے ان کے عاصم
شرمِ عصیاں سے جھکالیں آنکھیں

○

سنا ہے لالۂ طیبہ کی تازہ کاری کو — لباسِ گل سے شگوفے نکل کے دیکھتے ہیں

سنا ہے طیبہ کے ذرات ایسے روشن ہیں — کہ مہر و ماہ انھیں آنکھ مل کے دیکھتے ہیں

خرامِ ناز پہ نبضِ جہاں ٹھہرتی ہے — فرشتے عرش کے پہلو بدل کے دیکھتے ہیں

وہ بخش دیتے ہیں قدموں پہ گرنے والوں کو — سو ہم بھی قدموں پہ اُن کے مچل کے دیکھتے ہیں

اُسید پلے پہ دیوانِ نعت رکھ دیجے
جو اپنے نیک عمل آپ ہلکے دیکھتے ہیں

□□□

رُخِ مہر ہے یا مہ لقا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
ہاں حسنِ روئے مصطفیٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حسنِ دبستانِ جناں نیرنگیٔ کون و مکاں
گر وہ نہ ہوں جلوہ نما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ہے گلشنِ خلد بریں یا مسکنِ روح الامیں
کاشانۂ خیرالوریٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

تابانیٔ دُرِّ عدن رخشانیٔ لعل یمن
دندانِ انور کی ضیا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

تاجِ سرِ کسریٰ کہاں پیشانیٔ زہرہ کہاں
نعلینِ پاکِ مصطفیٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

برق جلال کبریا وہ لن ترانی کی صدا
بس آپ اور عرشِ علیٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اوروں نے جب نفسی کہا اِذھب الی غیری کہا
تم نے کہا انی لھا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مستِ مئے بغداد ہم ہے غوثِ اعظم کا کرم
فکرِ الم خوف بلا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ہادیؔ سا استاذِ زمن، منظورؔ سا شیریں سخن
تو عاصمِؔ مدحت سرا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

طرز رضا کی پیروی عاصمؔ یہ تیری شاعری
حسن سخن، فکر رسا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

□□□

تمنا تھی کہ ہم بھی روضۂ سرکار پر جاتے
جہاں پر عاشقوں کا آج کل میلا لگا ہوگا

فرشتے عرش سے بہر سلامی آ رہے ہوں گے
پر روح الامیں جاروبِ روضہ بن گیا ہوگا

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
جنیدِ وقت بھی پاس نفس کر کے کھڑا ہوگا

کسی کے بخت کی زلفیں سنواری جا رہی ہوں گی
کسی کا بختِ خوابیدہ جگایا جا رہا ہوگا

کوئی دیوانۂ سرکار نوک خار طیبہ سے
دریدہ دامن وحشت کو اپنے سی رہا ہوگا

بصارت کر رہی ہوگی طواف گنبد خضرا
بصیرت کی جبیں پر عکس روئے مصطفیٰ ہوگا

کلس کے نور سے تاروں نے دامن بھر لیے ہوں گے
قمر سرکار کے تلووں کا صدقہ مانگتا ہوگا

اِدھر آقا نواسوں کا اتارا بانٹتے ہوں گے
اُدھر بیت الشرف والوں کا صدقہ بٹ رہا ہوگا

بوصیری، جامی و قدسی قصائد لکھ رہے ہوں گے
کوئی حسان نعتِ سرور دیں پڑھ رہا ہوگا

کسی کی آنکھ میں اشکِ ندامت کی لڑی ہوگی
کسی ماتھے سے عرق انفعالی بہہ رہا ہوگا

کوئی سرمہ بناتا ہوگا خاک راہِ طیبہ کو
کسی کو جذبِ الفت ان کی جانب کھینچتا ہوگا

صداقت کا، عدالت کا، سخاوت کا، شجاعت کا
امامت کا، ولایت کا خزانہ بٹ رہا ہوگا

گنہ گاروں، سیہ کاروں، خطا کاروں کا طیبہ میں
شفاعت کی سند لینے کو میلا لگ گیا ہوگا

اگر سرکار طیبہ میں ہمیں بھی یاد فرماتے
ہمیں بھی عفو و بخشش کی ضمانت مل گئی ہوتی

ہمارا خواب گر شرمندہ تعبیر ہوجاتا
حقیقت میں ہماری زندگی بھی زندگی ہوتی

□□□

دل پریشان ہے کیا ہونا ہے
غم کا طوفان ہے کیا ہونا ہے

وقت کھیلوں میں گنوایا سارا
اب پشیمان ہے کیا ہونا ہے

کچھ بھی نامہ میں نہیں حسنِ عمل
سر پہ میزان ہے کیا ہونا ہے

شب تیرہ ہے مسافر تنہا
راہ انجان ہے کیا ہونا ہے

ٹوٹی کشتی ہے شکستہ پتوار
موجِ طوفان ہے کیا ہونا ہے

اے گدائے درِ غوث الاعظم
کیوں پریشان ہے کیا ہونا ہے

تیرا حامی ترا ناصر ترا غوث
شاہِ جیلان ہے کیا ہونا ہے

لا تخف انی عزومٌ قاتل
ان کا فرمان ہے کیا ہونا ہے

غم کے سورج کی تپش لاکھ سہی
ان کا دامان ہے کیا ہونا ہے

خواجۂ ہند ہے والی تیرا
پھر بھی حیران ہے کیا ہونا ہے

آلِ احمد کی نگاہِ رحمت
تجھ پہ ہر آن ہے کیا ہونا ہے

غوثِ اعظم کی غلامی عاصمؔ
اپنی پہچان ہے کیا ہونا ہے

□□□

میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں

میں تیز دھوپ میں سایہ تلاش کرتا ہوں
سیاہ شب میں اجالا تلاش کرتا ہوں

نشانِ پائے مسیحا تلاش کرتا ہوں
ہلالِ عیدِ تمنا تلاش کرتا ہوں

میں زندگی کا قرینہ تلاش کرتا ہوں
میں اپنی عظمتِ رفتہ تلاش کرتا ہوں

سخائے حضرت عثمان[1] چاہیے مجھ کو
حضور غوث[2] کا فیضان چاہیے مجھ کو

معین حق[3] کا قلم دان چاہیے مجھ کو
جنابِ شیخ[4] کا دامان چاہیے مجھ کو

نگاہ مقتدر[5] آقا تلاش کرتا ہوں
میں اپنی عظمتِ رفتہ تلاش کرتا ہوں

مجیدی[6] مستی کردار کی ضرورت ہے
معینی[7] لذتِ گفتار کی ضرورت ہے

فقیر[8] غوث کے افکار کی ضرورت ہے
جبیں کو سجدۂ سرکار[9] کی ضرورت ہے

میں علمِ قادری دولہا[10] تلاش کرتا ہوں
میں اپنی عظمتِ رفتہ تلاش کرتا ہوں

شہیدِ[11] راہِ وفا جیسی زندگانی ہو
زباں میں حضرت منظور[12] سی روانی ہو

شعور و فکر میں حامد[13] کی ترجمانی ہو
وظیفہ صبح و مسا میرا نعت خوانی ہو

میں سوزِ ہادیِ[14] شیدا تلاش کرتا ہوں
میں اپنی عظمتِ رفتہ تلاش کرتا ہوں

پھر اپنے گم شدہ معیار کی طلب ہے مجھے
پھر اپنے گرمیٔ بازار کی طلب ہے مجھے

ہے سست قافلہ رفتار کی طلب ہے مجھے
نظر کی، علم کی، کردار کی طلب ہے مجھے

میں افتخارِ گزشتہ تلاش کرتا ہوں
میں اپنی عظمتِ رفتہ تلاش کرتا ہوں

ہمارے بحر کی موجوں میں پھر تلاطم ہو
گل مراد کے ہونٹوں پہ پھر تبسم ہو

سکوتِ لالہ و گل محوِ صد تکلم ہو
چمن میں بلبلِ شیدا کا پھر ترنم ہو

بہارِ گلشنِ کہنہ تلاش کرتا ہوں
میں اپنی عظمتِ رفتہ تلاش کرتا ہوں

چمن یہ اپنی پرانی بہار پر آئے — نشاط پھر سے دلِ بے قرار پر آئے
یہ شمس لوٹ کر نصف النہار پر آئے — یہاں کا ہرگلِ و غنچہ نکھار پر آئے
افق پہ صبح تجلی تلاش کرتا ہوں
میں اپنی عظمتِ رفتہ تلاش کرتا ہوں

شبِ فراق کا ہر داغ ماہتاب بنے — مری زمین کا ہر ذرہ آفتاب بنے
اسید لشکرِ باطل پہ اک عذاب بنے — شراب خانۂ عینی[15] میں پھر شراب بنے
حضورِ مست[16] کا نیزہ تلاش کرتا ہوں
میں اپنی عظمتِ رفتہ تلاش کرتا ہوں

۱-عثمان: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
۲-حضور غوث: حضرت غوثِ اعظم
۳-معین الحق: حضور سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی
۴-جنابِ شیخ: حضور تاجدارِ اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید سالم القادری دامت برکاتہم
۵-مقتدر آقا: حضرت شاہ عبدالمقتدر
۶-مجیدی: حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید
۷-معینی: معین الحق حضور سیف اللہ المسلول
۸-فقیرِ غوث: حضرت تاج الفحول شاہ عبدالقادر
۹-سجدۂ سرکار: حضرت عبدالمقتدر سرکار صاحب الاقتدار کا وصال سجدہ میں ہوا
۱۰-قادری دولہا: حضور عاشق الرسول حضرت مولانا عبدالقدیر قادری دولہا
۱۱-شہیدِ راہِ وفا: حضرت مولانا عبدالقیوم عثمانی
۱۲-حضرت منظور: حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی
۱۳-حامد: حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی
۱۴-ہادی: حضرت مولانا عبدالہادی قادری
۱۵-عینی: حضور شاہ عین الحق
۱۶-مست: حضرت علامہ فضل رسول بدایونی

□□□

دیدِ اک حقیقت تھی

وہ بھی کیا دن تھے کہ جب اپنے وطن میں ہم تھے — زاہد و صوفی و میخوار جہاں باہم تھے
روبرو پیرِ مغاں مائلِ احسان بھی تھا — چھیڑ خوباں سے چلی جانے کا سامان بھی تھا
محفلِ بادہ کشی شام و سحر ہوتی تھی — ان کے الطاف و عنایت پہ نظر ہوتی تھی
روئے جاناں کو تکا کرتے تھے یکسو بیٹھے — سنتے تھے جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے
صبح گلشن میں تھی اور شام تھی میخانے میں — ڈوبے رہتے تھے سدا بادہ و پیمانے میں
وہ تبسم وہ تکلم وہ نظارے وہ ادا — ہائے وہ توبہ شکن ان کے اشارے وہ ادا
جان و دل اپنے تھے اک موجِ تبسم پہ نثار — لبِ خنداں کے تصدق تو تکلم پہ نثار
رخ سے گیسو کبھی ہٹتے تو سحر ہوتی تھی — روئے تاباں کی چمک رشکِ قمر ہوتی تھی
حسنِ رعنا کے وہ انداز و ادائیں توبہ — عشقِ آوارہ کی وہ شوخ نگاہیں توبہ
تذکرہ ان کی اداؤں کا ہوا کرتا تھا — اور کبھی ذکر وفاؤں کا ہوا کرتا تھا
شیخ صاحب تھے ہمیں توبہ کرانے پہ مصر — مست ساقی تھا کہ بس پینے پلانے پہ مصر
الغرض دَیر بھی تھا مسجد و میخانہ بھی — لب پہ توبہ کی صدا ہاتھ میں پیمانہ بھی
ہائے کیا وقت تھا کیا رُت تھی زمانہ کیا تھا — جسم میں جان کا آنا تھا یہ جانا کیا تھا
غمِ جاناں غمِ دوراں غمِ فردا غمِ دل — نہ کسی قسم کا غم تھا نہ کوئی تھی مشکل
پھر سے افریقہ کے صحرا میں لے آیا ہے نصیب — زندگی کیا کٹے فرعون کی تربت کے قریب
آج ہم پھر اسی زندان کہن تک پہنچے — قد و گیسو سے چلے دار و رسن تک پہنچے
اب نہ وہ شام ڈھلے ان سے ملاقات رہی — اب نہ وہ رات گئے بزمِ خرابات رہی
اب نہ وہ صبح نہ وہ رات نہ وہ شام ہی ہے — اب نہ وہ جلوۂ جانانہ سرِ بام ہی ہے
اب نہ چلمن کے سرکنے کی وہ آواز رہی — اب نہ وہ پر ہیں نہ وہ طاقتِ پرواز رہی
اب نہ وہ شمع فروزاں نہ وہ پروانے ہیں — اب نہ وہ بادہ گساری نہ وہ پیمانے ہیں
اب تو بس ہم ہیں اور اک گوشۂ تنہائی ہے — تو ہمیں گردشِ دوراں یہ کہاں لائی ہے
فصلِ گل کیسی بھلا موسمِ صہبا کیسا — روئے جاناں کے نظارے کہاں مینا کیسا
لطف باقی نہ رہا اب تو کوئی جینے میں — ''کچھ مزہ ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں''

آس اِک ان سے ملاقات کی ہاں باقی ہے
اسی اُمید پہ بس جسم میں جاں باقی ہے
اب نہ وہ لطف نہ وہ کیف نہ وہ مستی ہے
اب نہ وہ فصل بہاری نہ وہ سر مستی ہے

نالۂ درد

مجھ سے احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھو
عید کا دن ہے مسرت کا ترانہ لکھو

آج کچھ تذکرۂ جانِ تمنا لکھو
نکہت و نور کے پیکر کا سراپا لکھو

اک قصیدہ گل رنگیں کے تبسم پہ لکھو
اک غزل بلبل شیدا کے ترنم پہ لکھو

نظم اک نازکی و شوخی ہم دم پہ لکھو
مثنوی کوئی درخشانی انجم پہ لکھو

ایک افسانہ بعنوان مسرت لکھو
ذکر گلشن کا کرو گل کی حکایت لکھو

یار کے جسم شفق رنگ کی مدحت لکھو
تیغ ابرو کو لکھو قد کو قیامت لکھو

آج کچھ بات لب و کاکل و رخسار کی ہو
زلف شب رنگ کی ہو گیسوئے خم دار کی ہو

شیشہ و ساغر و مینا مے و میخوار کی ہو
غیر کا ذکر نہ ہو بات فقط یار کی ہو

مگر افسوس میں کس دل سے کروں یار کی بات
کس زباں سے میں کروں زلفِ طرحدار کی بات

کس قلم سے لکھوں رعنائی گلزار کی بات
کیسے لکھوں گل و بلبل لب و رخسار کی بات

مجھ کو آتا ہے فلسطین کے بچوں کا خیال
ان کے سینوں میں اترتے ہوئے نیزوں کا خیال

نوجواں بیٹوں کو روتی ہوئی ماؤں کا خیال
خون سے بھیگی ہوئی ان کی رِداؤں کا خیال

غرب اردن کے شہیدوں کا خیال آتا ہے
کبھی غزہ کے یتیموں کا خیال آتا ہے

ان کی مایوس نگاہوں کا خیال آتا ہے
گریہ کرتی ہوئی آنکھوں کا خیال آتا ہے

میرے بغداد پہ چھائے ہیں قضا کے بادل
ظلم کے جور کے وحشت کے جفا کے بادل

فقر و افلاس کے فاقہ کے وبا کے بادل
آفت و رنج و مصیبت کے عنا کے بادل

میرے گجرات میں انسانوں کے کٹتے ہوئے سر
بے کسوں مفلسوں مجبوروں کے کٹتے ہوئے سر

بھوک اور پیاس سے بچوں کے بلکنے کا خیال
خاک اور خون میں لاشوں کے تڑپنے کا خیال

میرے کشمیر سے رونے کی صدا آتی ہے
میرے قندھار سے آوازِ بکا آتی ہے

میرے کابل میں مکانوں سے دھواں اٹھتا ہے
میرے شیشان کی گلیوں میں لہو بہتا ہے

پھر بھی احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھوں
عید کا دن ہے کوئی شوخ سا نغمہ لکھوں

کوئی نغمہ نہیں لکھ پاؤں گا یزداں کی قسم
قدس میں بہتے ہوئے خونِ شہیداں کی قسم

ہاں حمیت کو اگر اپنی مٹا دوں تو لکھوں
اپنی خود داری کو سولی پہ چڑھا دوں تو لکھوں

اپنی غیرت کو اگر آگ لگا دوں تو لکھوں
اپنے احساس کی دولت کو لٹا دوں تو لکھوں

”جوئے خوں می چکد از حسرت دیرینۂ ما
می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما“

دوستی کا ہاتھ

مرے عزیز مرے دوست میرے ہم سایہ
ہمارے بیچ جدائی کو اک صدی گزری

نہ تم کو مجھ پہ بھروسہ نہ مجھ کو تم پہ یقیں
اسی نفاق و عداوت میں زندگی گزری

وہ جس کا نقشِ کفِ پا ہمارے سینے میں
اسی کی یاد سے آباد تیرا سینہ ہے

وہ جس کے فیض سے ہم نے بلندیاں پائیں
اسی کا نام مبارک ترا وظیفہ ہے

ہماری کشت پر برسا ہے جو سحاب کرم
اسی کے فیض کی بارش تمہارے آنگن میں

وہ جس کی بو سے معطر مشامِ جاں ہے مرا
اسی گلاب کی رنگت تمہارے گلشن میں

وہ بادہ خانہ جہاں ہم نے مے گساری کی
شراب تم بھی اسی میکدہ کی پیتے ہو

ہے جس نگاہ کی مستی ہماری آنکھوں میں
اسی نگاہ سے مخمور تم بھی رہتے ہو

جو عندلیب مرے باغ میں چہکتا ہے
اسی کی نغمہ سرائی ترے گلستاں میں

وہ شمع جس سے منور ہے طاقِ دل میری
اسی کی ضو سے اجالا ترے شبستاں میں

وہ بجلیاں جو مرے آشیاں کو تکتی ہیں
وہی حریف تمہارے نگار خانے کی

تمہارا گلشن صد رنگ جس کی زد پر ہے
وہی خزاں ہے عدو میرے آشیانے کی

غرض کہ فرق نہیں کوئی ہم میں بنیادی
نہ فکر میں نہ عقیدے نہ دین و مذہب میں

نہ اختلاف خیالات کا نہ مسلک کا
نہ کوئی فرق ہمارے تمہارے مشرب میں

اگر یہ سچ ہے تو اے محترم حریف مرے
کوئی جواز نہیں ہم میں دشمنی کے لیے

”اگر تمہاری انا ہی کا ہے سوال تو پھر
چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لیے“(۱)

۱-آخری شعر احمد فرآز کا ہے-(اسید الحق)

□□□

ساقی نامہ

سال بھر بعد درِ پیر خرابات کھلا
حلقۂ سلسلۂ گردشِ حالات کھلا
یعنی رندوں کے لیے قبلۂ حاجات کھلا

سمت مارہرہ سے اٹھا ہے سحاب بغداد
آگیا دور میں پھر جامِ شرابِ بغداد

جام دے جام تجھے روز الستی کی قسم
بادہ و بادہ کش و بادہ گساری کی قسم
مست چشم شہِ بغداد کی مستی کی قسم

آئے گردش میں ذرا جامِ شراب بغداد
ساغر چشت میں بھر دے مئے ناب بغداد

لب جاں بخش سے پیمانہ لگا کر دے دے
اپنی جھوٹی ذرا ساغر میں ملا کر دے دے
حوضِ کوثر سے کوئی بوند منگا کر دے دے

ساعت دور مئے و جام ابھی گزری ہے
تشنہ کاموں کو یہ لگتا ہے صدی گزری ہے

چشم بے نور کو انوارِ بصیرت دے دے
قلب صد چاک کو صہبائے محبت دے دے
طالب دید کو اک جامِ زیارت دے دے

آج باقی نہ رہے حسرت و ارماں ساقی
کاسۂ زیست میں بھر دے مئے عرفاں ساقی

□□□

بسم اللہ الرحمن الرحیم
جمهورية مصر العربية
جامعة الأزهر

عکس سند
الاجازة العالية، شعبہ تفسیر وعلوم قرآن
جامعہ الازہر الشریف، مصر

رقم السند ۲۱۱ شهادة التكميل رقم الالتحاق ۹۲۲۶
بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد لله القادر المقتدر القدير والصلوة على سيدنا محمد البشير النذير
وعلى اله واصحابه الذين بهم الاقتداء جدير
الاسم .... بن ....
المتولد ....
المتوطن ....
سنة التكميل .... درجة النجاح
التاريخ .... المدير الاعلى .... رئيس الاساتذة
خاتم المدرسة ....
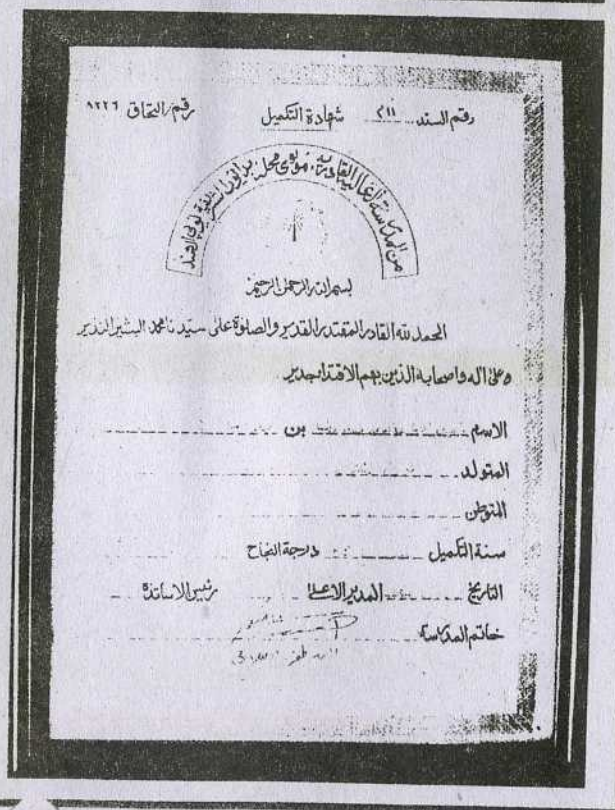
عکس سند فضیلت من جانب مدرسہ قادریہ، بدایوں شریف
نوٹ: اس پر نقیب الاشراف حضرت سید احمد ظفر الگیلانی (سجادہ ومتولی: آستانہ غوث اعظم) کے دستخط ہیں۔

عکوس اسناد علوم وحدیث

من جانب: اکابر شیوخ عرب

عالم ربانی کو علمی وتحقیقی کتاب ''خیرآبادیات'' کی تصنیف پر خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی جانب سے ملنے والے ایوارڈ اور توصیف نامے کا عکس۔

CERTIFICATE

خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

کی جانب سے گراں قدر قلمی خدمت پر

نشان تاج العلماء

2011

پروفیسر سید محمد امین قادری

سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

On the occasion of
National Conference on
ALLAMA FAZLE HAQ KHAIRABADI
on his
150th death anniversary
Fazle Haq Academy New Delhi
... the special award to
Usaidul Haq Qadri
for his research work

فضل حق اکیڈمی دہلی اور مینائی ویلفیئر ٹرسٹ کی جانب سے ''خیرآبادیات'' کی تصنیف پر یہ اعزاز دیا گیا

International Seminar on

"Reflection of Indian Culture & Civilization in Travelogues"

12-14 March, 2012

Centre of Indian Languages
School of Language, Literature and Culture Studies
Jawaharlal Nehru University, New Delhi - 110 067, INDIA

Certificate of Participation

This is to certify that Mr. Usaidul Haq Badri, Khanqah Qadria, Badaun *has participated in the International Seminar on Reflection of Indian Culture & Civilization in Travelogues hosted by the Centre of Indian Languages, School of Language, Literature and Culture Studies, Jawaharlal Nehru University, New Delhi, India, from 12 to 14 March 2012, with a plenary presentation entitled* Sufism and the message of love & peace

Dr. Khwaja Md. Ikramuddin
Director of the Seminar
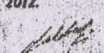
DEPARTMENT OF ARABIC
UNIVERSITY OF MUMBAI

Two Day

NATIONAL SEMINAR

CERTIFICATE

This is to certify that Prof. / Dr. / Mr. / Mrs. / Ms. Usaidul Haq Badri of Madrasa Qadriya Badauni University / College has chaired / presented a paper / participated in the SEMINAR on "LINGUISTIC & LITERARY RELATIONS BETWEEN ARABIC & URDU" organized by DEPARTMENT OF ARABIC, UNIVERSITY OF MUMBAI, on 27th & 28th FEBRUARY, 2012.

Prof. Saleh Ali
Director of Seminar
&
I/C Head
Department of Arabic, University of Mumbai

Mumbai
28 Feb. 2012

University of Mumbai

DEPARTMENT OF ARABIC

Ranade Bhavan, Ground Floor, Vidyanagari Campus,
Santacruz (E), Mumbai - 400 098.

This is to certify that Mr. Usaidul Haq Badri *of* Badayun (Uttar Pradesh) *participated and presented the paper in the National Seminar on* "Al-Diwan: Life and Achievements" *organised by the Department of Arabic, University of Mumbai on* 4th & 5th October 2004

Mumbai
Dated 5th October 2004

Secretary of the Seminar

Director of the Seminar